مکمل لغات کشوری

پاکٹ بک

مذہبی انسائیکلوپیڈیا

یعنی

مکمل تبلیغی

پاکٹ بُک

مصنفہ

جناب ملک عبد الرحمن صاحب خادم

(بی اے - ایل - ایل - بی پلیڈر)

گجرات (پنجاب)

جسکو

مہتمم نشر و اشاعت قادیان

نے مصنف کی اجازت سے طبع کرایا

قیمت مجلد ۵ر

دسمبر ۱۹۴۵ء

(مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان)

دیباچہ

(از مؤلف)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے محض اپنے فضل اور احسان سے خاکسار کو "دوبارہ" زندگی بخش کر پاکٹ بک کے نیئے ایڈیشن کی تیاری کی توفیق دی [illegible]

پچھلے سال [illegible] اور خطرناک طویل علالت کے ایام میں [illegible] تھی۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی [illegible] ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ شائع کروں گا۔ سو الحمد للہ! کہ یہ دونوں خواہشیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرمائیں۔

پچھلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۳[illegible]ء میں شائع ہوا تھا۔ اور دسمبر ۱۹۳۹ء تک قریباً نایاب ہو چکا تھا۔ بعد ازاں جنگ کے باعث کاغذ کی نایابی اور دیگر موانع کے سبب [illegible] ایڈیشن کی اشاعت ناممکن ہو گئی۔

پاکٹ بک کی ضرورت کو اس قدر شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کے بعض نسخے بارہ بارہ روپیہ میں فروخت ہوئے۔ اس صورتِ حالات کو دیکھ کر اور احبابِ جماعت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نظارت دعوت و تبلیغ نے اس ایڈیشن کے چھپوانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس تمام کامیابی کا سہرا برادرم محترم جناب مرزا بشیر احمد بیگ

صاحب نائب ناظر دعوت وتبلیغ کی جواں ہمتی کے سر ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اِس ایڈیشن میں بعض نئے حوالجات اور مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانے کے خوف سے سابقہ مضمون کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا مضمون سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ایک مختصر رسالہ سے لیا گیا ہے۔

خاکسار کی معلومات کے علاوہ ویدک دھرم کے متعلقہ حصہ میں جناب مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل اور جناب ملک فضل حسین صاحب مہاجر کی معلومات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ مذہب کے متعلقہ حصہ میں حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ کی قابلِ قدر معلومات بھی شامل ہیں۔ سکھ مذہب کے متعلق مضمون بتمام کمال جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس ایڈیشن کے ایک حصہ کی تیاری میں جناب قمر صاحب اجنالوی نے بھی خاکسار کا ایک حد تک ہاتھ بٹایا۔ بعض دوسرے دوستوں نے بھی قیمتی مشورے دیئے۔ میں ان سب بزرگوں اور دوستوں کا شکر گذار ہوں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

پاکٹ بک کے نام میں اضافہ مکرم و محترم حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب سکندر آباد (دکن) کی خواہش کے احترام میں کیا گیا ہے۔

ترتیب مضامین

اِس ایڈیشن میں سابقہ ایڈیشن کی ترتیب مضامین ہی بحال رکھی گئی ہے۔ قارئین کو چاہیئے کہ کتاب کی ترتیب کو ایک دفعہ ذہن نشین کر لیں۔ پھر حوالہ یا مضمون نکالنا چنداں مشکل نہ رہیگا۔ صداقت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کا مضمون چار حصص پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ الہامات اور وحی پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضورؑ کے الہامات و کشوف و رؤیا پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اُن کا جواب دیا گیا ہے۔ مثلاً اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ۔ ٹیچی ٹیچی۔ کشف سُرخی کے چھینٹے وغیرہ۔ دُوسرے حصہ میں پیشگوئیوں پر اعتراضات کا جواب ہے۔ مثلاً محمدی بیگم والی پیشگوئی۔ ثناء اللہ۔ عبد الحکیم۔ اپنی عمر۔ پانچویں بیٹے وغیرہ کے متعلق پیشگوئیوں پر بحث ہے۔ تیسرے حصہ میں ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً تناقضات۔ غلط حوالے۔ مبالغے یا نقل آیاتِ قرآن وغیرہ سے متعلق جملہ اعتراضات جو حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر یا تقریر پر کئے گئے ہیں۔ ان سب کا جواب اِس تیسرے حصہ میں ملیگا۔ چوتھے حصہ میں اُن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات یا حضورؑ کے کسی فعل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پیدائش۔ جائے نزول۔ خوراک۔ لباس۔ وفات وغیرہ۔

ان سب سے متعلقہ اعتراضات کا جواب اس چوتھے حصہ میں دیا گیا ہے۔
اس ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے تو مضمون نکالنے میں بیحد آسانی رہے گی۔
علاوہ ازیں ایک مکمل فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے۔ اس سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

ضروری ہدایات

بعض دلائل نیز بعض اعتراضات کے بعض جواب عمداً چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بزرگانِ سلسلہ اور ان کے اِس خادِم کے تجربہ اور مشاہدہ کے رُو سے دلائل مندرجہ پاکٹ بک ہٰذا ہی زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ اِس لئے حتی الامکان انہی دلائل اور جوابات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

(۲) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے متعلق بعض اعتراضات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کے لئے یہ گُر یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جس کتاب کا معترض حوالہ دے۔ اصل کتاب نکالکر اس کا سیاق وسباق دیکھ لینا چاہیئے۔ انشاء اللہ وہیں اس کا جواب ہوگا۔

(۳) مخالفین احمدیت کے اکثر اعتراضات کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی بجائے سیرت المہدی اور دیگر ایسی کتب پر ہوتی ہے۔ جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خود تحریر فرمودہ نہیں بلکہ دُوسرے بزرگان واحباب کی بیان کردہ روایات ہیں۔ ان اعتراضات کو بھی پاکٹ بک ہٰذا میں نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مستند صرف حضرت

مسیح موعودؑ کی اپنی تحریرات ہیں۔ ان کے سوا جس قدر روایات ہیں ان میں غلطی کا امکان ہے۔ پس ہماری تمام بحث سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تحریرات و کتب پر مبنی ہونی چاہیئے۔

(۴) کوشش کی گئی ہے کہ اعتراضات کے جوابات تحقیقی بھی ہوں اور الزامی بھی۔ خاکسار کا تجربہ یہ ہے کہ الزامی جواب اگر پہلے دیا جائے تو وہ معترض کو تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ضرور کر دیتا ہے۔ اس لئے معترض کی حالت اور رویہ کو مدِّ نظر رکھ کر عام طور پر پہلے الزامی جواب پیش کرنا چاہیئے۔

(۵) یہ بات بھی مدِّ نظر رکھنی چاہیئے۔ کہ مبلغ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ جو بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے اُسے پہلے خود سمجھ لے۔ پس جو دلیل یا جواب اپنی سمجھ میں نہ آئے۔ اُسے ہرگز دوسرے کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہیئے۔

(۶) اس ضمن میں نہایت ضروری بات یہ ہے۔ کہ مخالف کے ساتھ گفتگو کرتے وقت گھبرانا قطعاً نہیں چاہیئے۔ نہ مخالف کے ظاہری "علم" سے دبنا چاہیئے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو بات حق کے خلاف ہے۔ وہ "علم" نہیں بلکہ جہالت ہے۔ پس گفتگو سے پہلے اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دُعا کرنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر کامل یقین رکھنا چاہیئے۔ اسکی تائید و نصرت کے نظارے تبلیغ اور مباحثات و مناظرات میں ہم نے بے شمار

دیکھے ہیں۔ پس یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ حق و صداقت کے رُعب کے مقابلہ میں مخالفین کا خشک اور زمینی علم کچھ کام نہیں دے سکتا۔

(۷) آپ کے علم و تجربہ کے رُو سے اگر کوئی مفید مشورہ یا مزید حوالجات یا معلومات ہوں تو براہ کرم ان سے خاکسار کو مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن کی تیاری کے وقت ان کو مدِ نظر رکھ لیا جائے۔

(۸) پاکٹ بک ہذا میں جملہ حوالجات تحقیق اور صحت کے بعد درج کئے گئے ہیں۔ سوائے اسکے کہ کسی جگہ سہوِ کتابت سے ہندسے میں کوئی فرق پڑ گیا ہو۔ حوالجات نہایت صحیح ہیں۔ یعنی جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں حتی الامکان مؤلف نے ان کو دیکھ کر لکھا ہے۔

(۹) قلتِ وقت کی وجہ سے کاپی اور پروف خاکسار نہیں دیکھ سکا۔ بلکہ اس ایڈیشن کی کاپیاں اور پروف اور اعراب کی درستی کا کام بتمام و کمال برادرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مولوی فاضل مبلغ سلسلہ نے کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(۱۰) بالآخر ان تمام بزرگوں اور دوستوں سے جنہیں اس پاکٹ بک سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے۔ عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ خاکسار کی دینی و دنیوی۔ رُوحانی و جسمانی ترقی کیلئے خلوص دل سے دُعا فرمائیں۔ خداتعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل نازل فرمائے تا حق کا بول بالا ہو۔ اور احمدیت جلد سے جلد اکنافِ عالم پر چھا جائے۔ (آمین) والسلام۔

طالبِ دُعا احقر ملک عبدالرحمٰن خادمؔ پلیڈر گجرات (پنجاب) ۲۲/۱۱/۴۲

فہرست مضامین

قابل تشریح الہامات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہستی باریتعالیٰ کے دلائل

پہلی دلیل

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى" (سورۃ الاعلیٰ) یعنی مظفر منصور ہو گیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا۔ اور اس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور سے عبادت کر کے اپنے اقرار کا ثبوت دیا۔ لیکن تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیرپا ہے۔ اور یہ بات صرف قرآن شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعوےٰ موجود ہے۔ چنانچہ ابراہیم و موسیٰ نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی۔ اس میں بھی یہ احکام موجود ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا . . . . اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب و مظفر ہوتے ہیں۔ اور اس تعلیم کی سچائی کا یہ ثبوت ہے کہ یہ بات پہلے تمام مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے

مذاہب مسیحی یہودی اور کفار مکہ پر حجت کیلئے حضرت ابراہیم اور موسیٰؑ کی
مثال دیتا ہے کہ ان کو تو تم مانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے۔ پس قرآن
شریف نے ہستی باریتعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی پیش فرمایا ہے کہ
کل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا یہ مشترکہ مسئلہ ہے چنانچہ
جس قدر اس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے
حقیقت میں کل دنیا کے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے
کل جہان کو پیدا کیا مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات و
عقائد میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے جسقدر تاریخی مذہب ہیں۔
سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں گو اسکی صفات کے متعلق ان میں
اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام۔ مسیحیت۔ یہودیت۔ بدھ ازم۔ سکھ
ازم۔ ہندو ازم اور عقائد زرتشتی تو سب کے سب ایک اللہ۔ خدا۔ ایلوہیم پرمیشور
پرماتما۔ ست گورو یا یزدان کے قائل ہی ہیں مگر جو مذاہب کہ دنیا کے پردہ سے
مٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی آثارِ قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا
کے قائل اور معتقد تھے خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے
ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں خواہ روما میں خواہ انگلستان میں خواہ جاوا دسماٹرا
میں خواہ جاپان و چین میں خواہ سائبیریا و منچوریا میں یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا۔
اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقاید سے
آگاہ کیا۔ پہلے زمانہ میں ریل و تار وڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو آج ہے۔ نہ
اس طرح جہازوں کی آمد و رفت کی کثرت تھی۔ گھوڑوں اور خچروں کی سواری تھی

اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے اور بہت سے علاقے تو اسوقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے پھر ان سب مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایکدوسرے سے ناآشنا ممالک میں اس ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہوگیا۔ من گھڑت ڈھکوسلوں میں جو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے پھر کیا اس قدر قوموں اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلہ خیالات کے ذرائع نہ رکھتی تھیں۔ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امر واقعہ ہے اور کسی نامعلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھولدیا ہے۔ ہر قوم پر اور ہر ملک میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اہل تاریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہوجائیں۔ اس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔ پس جب اس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے ؁

دوسری دلیل

دوسری دلیل جو قرآن شریف میں ہستی باریتعالیٰ کے متعلق دی ہے ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنٰهَا إِبْرٰهِيمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاءُ ؕ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ (انعام ۴) پھر کچھ

آیات کے بعد فرمایا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰ ا
هُمُ اقْتَدِهْ یعنی یہ ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابل میں دی۔
اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں تحقیق تیرا رب بڑا حکمت والا
اور علم والا ہے اور ہم نے اسے اسحٰقؑ و یعقوبؑ دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ
دکھایا۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا۔ ان سے پہلے اور اسکی اولاد میں
سے داؤد اور سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور ہم نیک اعمال میں
کمال کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں۔ اور زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ اور
الیاس کو بھی راستہ دکھایا۔ اور یہ سب لوگ نیک تھے اور اسمٰعیلؑ۔ الیسعؑ۔ یونسؑ اور لوطؑ
کو بھی راستہ دکھایا۔ اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی
اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی۔ پس تو ان کے طریق کی
پیروی کر۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک
لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف
لوگ کہتے ہیں اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے
سیدھی بات ہے کہ انہیں لوگوں کی بات کو وقعت دی جائے گی جو اپنے چال
چلن اور اپنے عمل سے دنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا
اور پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہیں کا
تتبع کرے اور اُن کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کر دے۔
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور اخلاق کے پھیلانے والے گذرے
ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ وہ

سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زمانوں میں اللہ یا گاڈ یا پرمیشور لکھا گیا ہے ہندوستان کے راستباز رامچندر کرشن ایران کا راستباز زرتشت۔ مصر کا راستباز موسیٰ۔ ناصرہ کا راستباز مسیح۔ پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کو اس کی قوم نے بچپن سے صادق کا قول دیا اور جو کہتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیکُمْ عُمُرًا میں نے تم میں اپنی عمر گذاری ہے کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو۔ اور اس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کر سکتی۔ اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہمکلام ہوئے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دنیا میں کوئی کام کیا ہو۔ وہ ان میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق وراستی جو انہوں نے دکھائی وہ فلاسفر کیوں نہ دکھلا سکے۔ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا میں نام اوپر لے چکا ہوں صرف راستی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے ہیں۔ لیکن کبھی ان کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ان کے قتل کرنے کیلئے منصوبے کئے گئے۔ انکو وطنوں سے خارج کیا گیا۔ انکو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُن سے کل دنیا نے قطع تعلق کر لیا۔ مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی

اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیتے اور اُن کے عمل نے اُن کی دُنیا سے نفرت نے نمایش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابل اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ اسکی آواز سُنی اور اسکے جلوے کا مشاہدہ کیا۔ تو انکے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سنتے ہیں وہ بھی جب چند ملکر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقاتیں شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لینگے مگر نہیں مانتے تو ان راستبازوں کا کلام نہیں مانتے دنیا کہتی ہے کہ لنڈن ایک شہر ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیوں والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک برِاعظم ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں سیّاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کیوں؟ اسی لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اسپر ہو گئی ہے حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچّے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روز روشن کیطرح عیاں ہے۔ انھوں نے اپنے مال و جان وطن عزت و آبرو کو تباہ کر کے راستی کو دُنیا میں قائم کیا۔ پھر ان سیّاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کا انکار کرنا کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لنڈن کا وجود چند لوگوں سے سُنکر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا؟

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی ردّ کے قابل نہیں ہو سکتی تعجب ہے کہ جو اس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے لیکن جو رُوحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو۔ ہماری مانو کہ خدا نہیں ہے۔ حالانکہ اصولِ شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اسکی گواہی کو اُس کی گواہی پر جو کہتا ہے مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دیجائیگی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ مَیں نے دیکھا ہے پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اس کے منکروں پر بہرحال حجت ہوگی ؛؛

تیسری دلیل

تیسری دلیل جو قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے۔ پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں سے تعلق ہے جھوٹ ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں ؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں ؟ وہ اپنی ماں اور بہن اور دُوسری عورتوں میں فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں۔ کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے۔ اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اُس کے دِل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے

اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہیئے۔
جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اس کے جذبات پر حکومت
کرتی ہے وہ خدا کی حکومت ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے اور گو ایک دہریہ
زبان سے اسکی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر
نہیں نکل سکتا۔ اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس
کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف جو اس کے دل پر طاری
ہے گو وہ اُس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ
یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ کوئی جزا سزا ہے ایسا نہیں بلکہ
ہم ان اُمور کی شہادت کے لئے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس
بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے جس میں کہ اس کا فیصلہ
ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد مل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو
یہ جزا سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامت کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ
قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے شادی شدہ
کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دُوسری شہادت
نفس لوامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ
بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے
تکبر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے۔ مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت
نہیں۔ اسی لئے نا کہ اُن کا دِل بُرا مناتا ہے۔ اور دِل اسی لئے بُرا مناتا

ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکم اعلیٰ کی طرف سے سزا ملیگی۔ گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کر سکتا۔ اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا۔ اللہ تعالےٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے۔ جو دل میں آئے کر لیا کریں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق ملتی ہے یہ ہے کہ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى یعنے یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت و حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اس نے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز ہے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہو کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کا کوئی کرنے والا بھی ہو۔ پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذاتِ باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہا ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے

انسان کو اسکی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم تو جُوں جُوں پیچھے جاتے ہو کمزور ہی ہوتے جاتے ہو تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو۔ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جسقدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اس حالت کو پہنچا ہے۔ اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑیگا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہا ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں۔ اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جا کر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں۔ اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا۔ اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلیٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنے ہر ایک چیز کی انتہا آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے یہ ایک ایسی موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کسی نے کسی بددی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اُونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں کوئی اونٹ گزرا ہے۔ پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر کیا میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک

سچّا اور فطرت کے مطابق جواب ہے۔ اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا ؀

پانچویں دلیل پانچویں دلیل ہستی باری کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے۔ اور وہاں استدلال بالاولیٰ سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨالَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۔ یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے۔ اس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے ہیں اور ان میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے۔ تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور ماندہ ہو کر لوٹے گی ؀

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی اور اتفاقی

طور سے مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا۔ اور سائینس سے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا خود بخود جُڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کی کل پھرانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ اِن آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جُڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے مختلف رنگوں سے ملکر تصویر بنتی ہے۔ لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینکدیں تو اس سے تصویر بنجائے گی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینکدینے سے مکان بن جائیگا۔ بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن نظامِ عالم کو دیکھکر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود مادہ پیدا ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی اِنسان بھی پیدا ہو گیا۔ لیکن انسان کی خلقت پر نظر تو کرو کہ کیا ایسی کامل پیدائیش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے*

عام طور سے دنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اس کے صنّاع کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کِسی بڑے مصور نے بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے۔ اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اسی قدر اس کے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ پھر کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منتظم دُنیا خود بخود اور یُونہی پیدا ہو گئی*

ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں۔ وہاں اُسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لئے عقل دی گئی ہے۔ اور اُس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے۔ چونکہ اس کو محنت سے روزی کمانا تھا اس لئے اسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کر لے۔ درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اُسے جڑیں دیں کہ وہ اُس کے اندر سے پیٹ بھر لے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اُسے شکار مارنے کے لئے ناخن دئے۔ اور اگر گھوڑے اور بیل کیلئے گھاس کھانا مقرر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے۔ اور اگر اونٹ کے لئے درختوں کے پتّے اور کانٹے مقرر کئے تو اسکی گردن بھی اونچی بنائی۔ کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔ اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اُونٹ کو گردن لمبی دو اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا۔ اس میں اس قدر انتظام رکھا گیا ہو۔ پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اس کے لئے ہوا بھی پیدا کی۔ اگر پانی پر اُس کی زندگی رکھی تو سُورج کے ذریعہ اور بادلوں کی معرفت اُسے پانی پہنچایا۔ اور اگر آنکھیں دیں تو اُن کے کارآمد بنانے کے لئے سُورج کی روشنی بھی دی تاکہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے۔ کان دئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں۔ زبان کے ساتھ ذائقہ اور چیزیں بھی عطا فرمائیں ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیّا کر دی۔ ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں

پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اُس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیونکر پیدا ہو گیا اور ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جائیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پہ جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا کہ تا وہ اپنا کام کر سکیں۔ اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے۔ تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دُوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی۔ برفانی ممالک میں مان لیا کہ کُتّے اور ریچھ تو اتفاق نے پیدا کر دیئے۔ لیکن کیا سبب کہ ان کتوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں .... اور اتفاق ہی نے اُن کے علاج بنا دیئے۔ اتفاق ہی نے بچھو بوٹی جسکے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی۔ اور اُس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا اُگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ دُہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لئے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہیں رکھا۔ انسان اگر پیدا ہوتا۔ مگر نہ مرتا تو کچھ سالوں میں ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لیئے اس کے لئے فنا دی۔ لیکن سُورج اور چاند اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سُورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اسلیئے انکو ایک دُوسرے سے اتنی دُور رکھا ہے کہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں۔ کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا ہے

اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے۔ مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اس کی ہستی کا ثبوت معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جائے تو کیا میں اس سے لکھ سکتا تھا۔ شیر کو علم نہیں دیا۔ اسے پنجے دیئے مجھے علم دیا۔ . . . لکھنے کیلئے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبر انکی درستی کیلئے رات دن لگے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ ان سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس دنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں۔ لیکن یہ اتفاق غلطی نہیں کرتا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو۔ تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئیگی۔ اور ہر ایک چیز میں ایک انتظام معلوم ہوگا۔ نیک جزا اور بدکار سزا پا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنا مفوضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کیلئے سست نہیں ہوئی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ لیکن میں اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ عاقل را اشارہ کافی است ؎

چھٹی دلیل

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل ہونے کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات

دیتا ہے۔ اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت و تائید کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون اور موسیٰؑ کی نسبت فرماتا ہے کہ قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى - یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اسے اطاعتِ الٰہی کی نسبت کہا۔ تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ خدا کیسا؟ خدا تو مَیں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کر دیا۔ چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں علاوہ ازیں دُنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی بلکہ دنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں۔ کہ جو خدا کے قائل ہیں۔ کیا جہان کی ذلّت و نکبت اور ایک قوم کی صورت میں کبھی حکومت نصیب نہ ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا؟

ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اس کی ذات کے ماننے والے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے اُن پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ایک ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور جس قدر ان کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں ہوئی۔ لیکن پھر دُنیا اُن کے خلاف کیا کر سکی۔ رامچندر کو بن باس دینے والوں نے کیا سکھ پایا اور انہوں نے کونسی عشرت حاصل کر لی۔ کیا رامچندر کا نام ہزاروں سال کے لئے زندہ نہیں ہو گیا اور کیا اُن کا نام ہمیشہ کیلئے بدنام نہیں ہوا۔

اور کرشن کی بات کو رد کر کے کیا فائدہ حاصل کیا۔ کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے۔ فرعون سا بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا۔ اس نے موسیٰ سے بیکس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰ کا کچھ بگاڑ سکا۔ وہ غرق ہو گیا اور موسیٰ بادشاہ ہو گئے۔ حضرت مسیح کی دُنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور اُن کی ترقی بھی جو کچھ ہوئی پوشیدہ نہیں۔ اُن کے دشمن تو تباہ ہوئے اور اُن کے غلام دُنیا کے بادشاہ ہو گئے ہمارے آقا بھی دُنیا میں سب سے زیادہ اس پاک نام کے پھیلانے والے تھے یہانتک کہ ایک یورپ کا مصنف کہتا ہے کہ ان کو خدا کا جنون تھا (نعوذ باللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ ان کی سات قوموں نے مخالفت کی اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے۔ مگر کیا پھر آپؐ کے ہاتھ پر دُنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر یہ خدا نہیں تو یہ تائید کس لئے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دُنیا اسے ذلیل کر دیتی۔ مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے اٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں:۔

آٹھویں دلیل

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ

دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ
ہر زمانہ میں اس کے نظارہ موجود ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن
شریف میں فرماتا ہے کہ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَاِنِّى قَرِيْبٌ اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِى وَ لْيُؤْمِنُوْا بِى
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔ یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال
کریں تو انہیں کہدو کہ میں ہوں اور پھر قریب ہوں اور پکارنے والے کی
دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے ۔ پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات
مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں ۔ تاکہ وہ ہدایت پائیں ۔ اب اگر کوئی شخص کہے
کہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ خدا سنتا ہے کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض
دعا کرنے والے کے کام ہوجاتے ہیں جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے
اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب تو کچھ بات بھی تھی لیکن بعض کے
قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے انہیں
قبول کرلیا ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان
رکھتی ہے چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوت باری کی دلیل
میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور سے بیمار ہوں ۔ چُنے
جائیں اور قرعہ سے بانٹ لیئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں
اور ایک طرف میں اپنے حصہ والوں کے لیئے دعا کروں پھر دیکھو ۔ کہ
کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں ۔ اب اِس طریق امتحان میں کیا شک

ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہو گئی تھی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کیلئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ حالانکہ دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں جیسے پہلے زمانہ میں دُعائیں قبول ہوتی تھیں ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں ۔

نویں دلیل

نویں دلیل قرآن شریف سے وجود باری کی الہام معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ میں نے نویں نمبر پر رکھی ہے۔ لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کو یقینی طور سے ثابت کر دیتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جبکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہمکلام ہوتا رہتا ہے تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف انبیا اور رسولوں سے ہی ہمکلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی بات کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اسکی تشفی کیلئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور

لے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ۔

اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندہ
اور بد باطن آدمیوں سے بھی اپنی حجت قائم کرنے کیلئے بول لیتا ہے چنانچہ
بعض دفعہ چوہڑوں چماروں کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں اور
اس بات کا ثبوت اکہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ
بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی
ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا۔ اور بعض
دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہدے کہ
موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے چنانچہ
توریت اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی ان ترقیوں کا جن کو دیکھکر اب دنیا حیران
ہے پہلے سے ذکر موجود تھا اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ بلکہ
ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنیوالے ہیں مثلاً اِذَا الْعِشَارُ
عُطِّلَتْ۔ یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔ اور حدیث
مسلم میں اس کی تفسیر یہ ہے۔ وَلَیُتْرَکُنَّ القلاص فلا یُسعٰی علیہا
یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائیگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ریل کے اجرا سے
یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلعم کے کلام میں ایسے ایسے
صاف اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر
جاتا ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں یہی سواری ہے۔ جو
حبس ماء سے چلے گی اور اپنے آگے دھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی۔ اور
سواری و باربرداری کے لحاظ سے حمار کی جا بجا ہو گی۔ اور چلتے

وقت ایک آواز کرے گی۔ وغیرہ ذالک۔

دوم۔ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا۔ آجکل بباعثِ چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم۔ اِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ۔ نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھکر متصور نہیں۔

چہارم۔ ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفہ۔ متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا یہانتک کہ زمین کانپنے والی بن جائے۔ سو یہ زمانہ اس کے لئے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا۔ یعنی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے کچھ مدت پہلے ہلاک نہیں کرینگے یا کسی حد تک اسپر عذاب وارد نہیں کرینگے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں۔ اور اس شدت سے وقوع میں آئے ہیں کہ مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ . . . اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر

و توانا مدبر بالارادہ عالم الغیب ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانے کے مامور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی۔ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۴۱) کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئینگے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ تیری مدد وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں میں ہم آپ القا کرینگے مگر چاہیئے تُو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئینگے بد خلقی نہ کرے اور چاہیئے کہ تو ان کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے ایک شخص ایک ایسے گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے بھی مہذب دُنیا میں سے کوئی آگاہ نہیں، یہ اعلان کرتا ہے پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دنیا دیکھتی ہے۔ امریکہ و افریقہ سے لیکر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ و ملاقات کرنا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے۔ اور قادیان کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو جانا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے۔ اور یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جاوے؟

دوم۔ عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کیے کہ "میں خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ وہ دن

جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر اے خدا اِسلام کو ہلاک کر"۔ تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ "اے جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مباہلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دُعا سے ہو گا۔ اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کرینگے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے۔ وہ پہلے ہلاک ہو"۔ (ٹیلیگراف ۵ جولائی ۱۹۰۳ء) لیکن اس نے رعونت سے کہا "کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دُونگا۔ اگر مَیں اپنا پاؤں انپر رکھوں تو انکو کچل کر مار ڈالوں"۔ (ڈوئی کا پرچہ۔ دسمبر ۱۹۰۳ء) مگر حضور مہدیؑ نے فرما دیا تھا۔ اور اسی اشتہار ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء میں شائع کیا تھا۔ کہ "اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے سیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے"۔

پھر اس کے بعد سنو! کیا ہوا۔ وہ جو شاہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا۔ جس کے پاس سات کروڑ روپیہ تھا۔ اس کی بیوی اور اس کا بیٹا دشمن ہو گئے۔ اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے۔ آخر اسپر فالج گرا۔ پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ ۱۹۰۷ء میں بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے سے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدس نے ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا "خدا فرماتا ہے کہ مَیں ایک تازہ نشان ظاہر کرونگا جس میں فتح عظیمہ ہوگی وہ تمام دُنیا کے لیئے ایک

نشان ہوگا" ہلاک ہوکر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دُنیا
پُرانی دنیا اور نئی دنیا دونوں پر حضورؑ کی فتح تھی۔
سوم۔ آریوں کا ایک نامی لیڈر لیکھرام تھا۔ رسالہ کرامات الصادقین
مطبوعہ صفر ۱۳۱۱ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے
میری دُعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگا
اور اس کا جرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور
بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر ۲۲ر فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار
میں اس کے مرنے کی صورت بھی بتا دی۔ عجل جسد له خوار له
نصب و عذاب۔ یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بیجان ہے اور
اس میں محض ایک آواز ہے جس میں رُوحانیت نہیں اس لئے اس کو عذاب
دیا جائیگا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری
کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا۔ پھر ۲ اپریل
۱۸۹۳ء کو آپؑ نے ایک کشف دیکھا (دیکھو برکات الدعا کا حاشیہ) کہ ایک
قوی ہیبت شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شداد و غلاظ سے ہے۔ وہ
پُوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟ پھر کرامات الصادقین کے اس شعر سے دن
بھی بتا دیا ؎ وبشرنی ربی فقال مبشراً ٭ ستعرف یوم العید والعید اقرب
یعنی عید سے دوسرے دن ہفتہ والے دن اور ؎
الا اے دشمن نادان و بے راہ ٭ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ
پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتا دی۔ آخر لیکھرام ۶ر مارچ

۱۸۹۷ء کو قتل کیا گیا اور سب نے متفق اللفظ ہو کر بیان کیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کے لئے حجتِ ناطقہ ٹھہری۔ پس الہام ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے خدا کا انکار کرنا انتہائی ہٹ دھرمی ہے ؛

دسویں دلیل

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کیلئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے۔ اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں اور اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو۔ اُسے تو ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اگر خدا ہے تو اس کیلئے بہت مشکل ہوگی۔ پس اس خیال سے اگر سچائی کے دریافت کرنے کی اس کے دل میں تڑپ ہو تو اُسے چاہیئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دُعا کرے کہ اے خدا اگر تُو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تُو غیر محدود طاقتوں والا ہے تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تاکہ مَیں محروم نہ رہ جاؤں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کریگا اور کم سے کم چالیس دن تک اسپر عمل کریگا تو خواہ اسکی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو۔ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو۔ رب العالمین ضرور اس کی ہدایت کریگا اور وہ جلد دیکھ لیگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اسپر اپنا وجود ثابت کر دیگا کہ اس کے دل سے شک و شبہ کی نجاست بالکل دُور ہو جائیگی۔ اور یہ تو

ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ پس سچائی کے طالبوں کے لیئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ؟

گیارھویں دلیل

دنیا میں تمام اشیاء جسقدر ہمیں دکھائی دیتی ہیں سب مرکب ہیں۔ ہوا کولو وہ بھی مرکب ہے پانی بھی مرکب ہے لہذا جب سب مرکب ہوئیں تو ان کو ترکیب دینے والا بھی ضروری ہے۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود مرکب ہو سکتی ہیں۔ تو یہ بات مشاہدۃً غلط ہے۔ مثلاً درخت سے پھل یا پتے توڑ کر پھینکدئے جائیں تو وہی پھل اور پتے دوبارہ خود بخود اس درخت سے نہیں لگتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مرکب ہونا ان کا خاصہ نہیں۔ ورنہ جب توڑے جاتے پھر لگ جاتے۔

بارھویں دلیل

نظام عالم میں ترتیب ہے۔ مثلاً سورج روشنی دیتا ہے کھیتیاں پکاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند رات کی مشعل ہے پانی پیاس بجھاتا ہے غرض دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اب انکے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں۔ یا تو کہا جائے کہ یہ سب اتفاقی ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اتفاقی وہ ہوتی ہے جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ سب اپنی مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجائے ایک خدا کے کئی خدا تسلیم کرنے پڑینگے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہم کہیں۔ نہ یہ سب اتفاقی ہیں۔ نہ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک حکمران کے قبضۂ قدرت کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ غرض تینوں صورتوں سے دہریوں کا مذہب باطل ہے۔

۱۳ تیرھویں دلیل

دنیا یا خود بخود ہے یا کسی نے بنائی ہے اگر کہو کہ خود بخود ہے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا۔ اور فاعل کا وجود فعل سے پہلے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ سو اگر عدم سے وجود میں آنیکا فاعل دُنیا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دُنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے موجود تھی جو بالبداہت باطل ہے رہی دُوسری بات کہ کسی نے بنائی ہے تو یہی درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں ؛

چودھویں دلیل

دہریوں کا یہ دعویٰ کہ ہم خود بخود ہیں ترجیح بلا مرجح ہے اگر وہ کہیں کہ ہم خود مرجح ہیں تو یہ بات غلط ہے کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہو تو عدم سے وجود میں آنا کیسا؟ اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور مرجح ہوگا۔ پس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں ؛

پندرھویں دلیل

دنیا قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو قدیم ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ قدیم وہ سکتی ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور دنیا کی ہر چیز دُوسری کی محتاج ہے مثلاً بارش نہ ہو تو زمین اکیلی کچھ نہیں اگا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا قدیم نہیں۔ جب قدیم نہ ہوئی تو حادث ٹھہری اور حادث کا کوئی محدث چاہیئے۔ سو وُہی خدا ہے ؛

سولھویں دلیل

دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں جو چیز بھی ہو فطرت خود گواہی دیگی کہ ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی اس کا پیدا کرنیوالا ہے سو اتنے بڑے عالم کو کہدینا کہ یہ خود بخود ہے درست نہیں ؛

سترھویں دلیل

ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کسی چیز کے اجزاء اور مرکبات سے جتنا واقف ہو۔ اس چیز کے مستقبل کے متعلق بھی اتنا ہی اسکو علم ہوتا ہے مثلاً ایک گھڑی ساز ایک گھڑی بناتا ہے وہ چونکہ اس کے اجزاء اور مرکبات سے واقف ہے اسلئے وہ بتا سکتا ہے کہ وہ گھڑی کتنا عرصہ کام دیگی۔ مگر چونکہ انسان اپنا خالق نہیں اسلئے اپنے وجود کے اجزاء اور دنیا کی اشیاء کی ماہیت کو نہیں جانتا۔ اس لئے عالم الغیب بھی نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ہستی ہو جو آئندہ کے حالات جانتی ہو۔ تو یقیناً وہ خالق دنیا (خدا) ہوگی خداتعالیٰ اپنے انبیاء کو دُنیا میں بھیجتا ہے (جو بوجہ انسان ہونے کے بذاتِ خود غیب نہیں جانتے) مگر خداتعالیٰ اُنپر آئندہ زمانہ کی خبریں کھولتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ - ع ۱۲) اور اس طریق سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل بتایا تھا کہ اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس ع ۹) کہ فرعون کے ساتھ جب وہ ڈوب رہا تھا خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کا جسم محفوظ رہیگا۔ تورات نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ فرعون بمعہ اپنے رتھ کے سمندر میں پتھر کی طرح غرق ہو گیا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اسکی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں اس کا محفوظ برآمد ہونا قرآن کی صداقت اور خداتعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے۔ اسی طرح چاند سُورج کو رمضان کے مہینہ میں ۱۳ اور ۲۸ کو گرہن لگنا۔ اور اس کا امام مہدی کی صداقت پر گواہ ہونا (دار قطنی صفحہ ۱۸۸) اور پھر اس

نشان کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے زمانہ ۱۸۹۳ء میں بعینہٖ پورا ہو جانا خدا کی ہستی اور آنحضرتؐ کی صداقت پر برہانِ قاطع ہے ؛

دہریوں کے اعتراضات معہ جوابات

(۱) چونکہ خدا نظر نہیں آتا اسلئے معلوم ہوا کہ اس کا وجود وہم ہی وہم ہے۔

جواب اوّل ۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں جیسے عقل۔ ہوا۔ رُوح۔ بجلی۔ اور زمانہ وغیرہ۔ مگر دہریہ ان چیزوں کے وجود کے مقر ہیں ؛

جواب دوم ۔ اگر خدا لوگوں کو نظر آیا بھی کرتا تب بھی اسکو ہر شخص تسلیم نہ کرتا مثلاً اندھوں کو کس طرح نظر آتا۔ دہریے اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دُنیا کی تشفی ہو سکتی ؛

جواب سوم ۔ اگر آنکھوں سے نظر آجائے اور سب لوگ اس جاہ و جلال والی ہستی کا مشاہدہ کرلیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جائے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جائیں۔ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو یا دیکھنے والے کی آنکھ سے دُور ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے۔ سمتیں مخلوق کی ہیں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرلے۔ علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا۔ اور محدود ہونا نقص ہے۔ اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ نیز وہ ہر جگہ موجود ہے۔ آنکھ سے دُور ہستی نہیں۔ سچ ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ؛

اعتراض دوم - اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ اُن کے اُتارنے والا ایک مانا جاتا ہے لیکن چونکہ اختلاف ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب اوّل - مذہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ انکا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق شریعت تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم رہنے کیوجہ سے بے غیرتی کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اسوقت خدا نے نسخہ بھیجا کہ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پر زور تحریکوں سے ان میں جوشِ انتقام پیدا کیا۔ پھر جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا وقت آیا۔ اسوقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اسلئے ان کیلئے جو نسخہ آیا۔ اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپیڑ مارے تو بایاں گال بھی اسکے آگے کر دو۔ اسکے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آگیا کہ دنیا کے لوگ، دُور دراز ملکوں کے آپسمیں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جسکی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا کہ موقع و محل کے مطابق عمل کرو۔ انتقام کے موقع پر انتقام، عفو کے موقع پر عفو۔ غرض اختلاف مذاہب سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ

لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں جسقدر مذاہب ہیں اسمیں وہ سب متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنیوالوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ؞

اعتراض سوم۔ اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی مریض اور کوئی تندرست اور کوئی کمزور اور کوئی طاقتور۔

جواب اوّل۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیساکہ ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی گورنر۔

جواب دوم۔ اللہ تعالیٰ نے چاند سورج۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سب کو یکساں طور پر دی ہیں۔ پھر ترقی کرنیکے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کر کے ترقی کرتا جاتا ہے دوسرا شخص غفلت سے کام لیکر ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اور اس طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جیساکہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں۔ بعض ان کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے لیکن بعض ان کے قواعد پر پوری طرح عمل نہ کر کے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

جواب سوم۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ۔ کوئی باورچی اور کوئی باغ کا مالی۔ اسی طرح اس کے اصطبل میں مختلف قسم کے گھوڑے اور جانور ہوتے ہیں۔ مگر اس اختلاف سے افسر کی ہستی کا انکار نہیں ہوسکتا۔

اعتراض چہارم۔ جو لوگ خدا کے مقر ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اگر خدا ہے۔

تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جوابِ اوّل۔ نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ ہندوستان میں کئی چور اور ڈاکو ہیں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں۔ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں حاکم ہے۔

جواب دوم۔ یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لاکر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ صرف منہ سے کہدینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں حقیقی ایمان نہیں۔ بلکہ ان کے ایمان میں ضُعف ہے۔

اعتراض پنجم۔ اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جوابِ اوّل۔ یہ سوال مہمل ہے۔ کب اور کہاں زمانہ اور مکان ہیں جو مخلوق ہیں۔ لہذا حادث میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم۔ اسی طرح دہریوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا کب سے ہے۔ اگر کہیں قدیم سے۔ تو ہم کہیں گے خدا بھی قدیم ہے۔ اگر کہیں فلاں زمانہ سے تو ثابت ہوا۔ کہ دُنیا حادث ہے۔ بتاؤ اِس حادث کا مُحدِث کون ہے؟

از افادات حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ
بنصرہ العزیز

اِسلام اور ویدک دھرم

خداتعالیٰ جو علیم اور حکیم ہے۔ اس نے دنیا کو ظلمت و گمراہی کی تاریک و تار گھٹاؤں میں گھرا دیکھ کر اپنی سنتِ قدیمہ کے مطابق دنیائے جہالت کو منور کرنے کے لیئے نورِ اسلام ظاہر کیا۔ یہ مذہب "فاران کی چوٹیوں پر" سے تمام دنیا پر چمکا۔ اور کروڑہا انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے منزل مقصود تک پہنچایا۔ تمام دنیا کی متحدہ طاقتوں نے اس نور خداوندی کو بجھانے کی کوشش کی لیکن یہ بچہ تلواروں کے سایہ میں پلا۔ پھولا اور پھلا۔ حتّٰی کہ ایک وقت آیا جب دنیا کا کونہ کونہ اس "سراج منیر" کی ظلمت سوز ضیاء سے منور ہوگیا۔ ہزارہا مذاہب اس کے مقابل پر آئے۔ مگر اسلام کے دلائل بیّنہ و براہین ساطعہ کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر اُن کے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

وید جو ممکن ہے ابتدائے دنیا میں جب انسانی دماغ نے ابھی منازل ارتقا طے نہ کی تھیں (دیکھو ستیارتھ پرکاش ص۷ دفعہ ۴، ص۲۱۱) ابتدائی تعلیم دینے کیلیئے نازل ہوئے ہوں لیکن آج جبکہ ترقی علوم سے انسانی دماغ ارتقاء کے بلند ترین مقام پر پہنچ چکا ہے اس ویدک تعلیم کو عالمگیر اور قابلِ تتبع قرار دینا دسمبر میں برف بیچنے کے مترادف ہے۔

عالمگیر کامل الہامی کتاب کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عالمگیر اور الہامی ہونیکا

خود دعوے کرے اور اس کے دلائل بھی خود ہی بیان کرے۔ قرآن کریم فرماتا ہے اَنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْن (شعراء آخری رکوع) کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا۔ نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمدؐ ع ۱) کہ یہ کتاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً (الفرقان ع ۱) کہ قرآن مجید اسلیئے نازل کیا گیا ہے تاکہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے موجبِ ہدایت ہو۔ مگر اس کے مقابل وید نہ تو اپنے الہامی ہونے کے مدعی ہیں اور نہ وہ اپنے ملہمین کا کچھ اتا پتہ بتاتے ہیں کہ وہ تھے کون؟ انسان تھے یا آگ۔ پانی۔ ہوا۔ سورج؟ ان کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے وید کی تعلیم پر کس طرح پر عمل کیا؟ کس طرح تبلیغ کی؟ تاکہ ہمارے لئے وید کی تحقیق کرنے میں آسانی ہوتی۔ مگر ویدوں نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے غیر مکمل ہونیکا کافی ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ اندریں صورت آریہ صاحبان کا وید کو کامل الہامی اور عالمگیر کتاب ثابت کرنا " مدعی سست گواہ چست" بلکہ " مدعی مفقود اور گواہ موجود " کا مصداق ہے۔

(۲) وہی کتاب مکمل الہامی کہلا سکتی ہے جو اس منبع ہدایت (خدا) کے متعلق نہایت اعلیٰ اور اکمل تعلیم دے۔ جو کتاب خدا تعالیٰ کو نہایت بھیانک شکل میں پیش کرتی ہے وہ کبھی الہامی نہیں ہوسکتی۔ قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کی مختلف صفات بیان فرما کر فرمایا۔ فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل آخری رکوع) ہر قسم کی خوبیاں خدا تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہر قسم کی برائی سے پاک ہے۔ کیسی اعلیٰ اور مکمل تعلیم ہے۔ ویدوں کی خدا کے متعلق تعلیم ملاحظہ ہو:۔

لاعلم خدا۔ خدا کہتا ہے "اس دُنیا میں پاپ اور پُن بھوگنے کے دو رستے ہیں ایک عارفوں یا عالموں کا دُوسرا علم و معرفت سے معرّا انسانوں کا۔ مَیں نے یہ دو رستے سنے ہیں۔" (یجروید ۱۹/۴۷) بحوالہ رگ وید آدی بھاش بھومکا مترجم نہال سنگھ صفحہ ۱۲۲)

پھر خدا پوچھتا ہے "اے بیاہے ہوئے مرد عورت تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا اور کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ (نیوگن) اپنے دیور (نیوگی خاوند) کے ساتھ شب باش ہوتی ہے۔ اسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے (رگوید اشٹک ۷ ادھیائے ۸ ورگ ۱۸ منتر ۲ بھومکا صفحہ ۱۲۵ (ستیارتھ پرکاش ب ۴ دفعہ ۱۳۰)

پیٹو خدا "اے اندر دولتوں سے مالا مال پرمیشور! ہم سے الگ مت ہو ہماری خوب سامان خوراک مت چرا۔ اور نہ کسی اور سے چروا۔ رگوید اشٹک ۱ سوکت ۱۹ نرقی ۸ آریہ بھونی صفحہ ۵۸ مصنفہ دیانند) تفصیل دُوسری جگہ درج ہے) ع

قیاس کن زِ گلستان من بہارِ مرا

(۳) ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسانی ہاتھ کی ایجاد ہو۔ دُوسرا انسان اس کی تعمیر کی طاقت رکھتا ہے مگر الٰہی قدرت کی مصنوعات کو بنانے کی کوشش تضیع اوقات ہے۔ پس الٰہی کلام میں بھی مابہ الامتیاز ہے۔ کہ وہ بے مثل ہوتا ہے۔ قرآن شریف نے ببانگِ دہل تمام دنیا کو اپنے مقابل پر بلا کر کہا لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر بھی قرآن کریم کی نظیر لانے کی کوشش کریں تو بھی اس کی مثل نہیں لا سکینگے۔ چنانچہ واقعات نے بتا دیا کہ قرآن کا یہ دعوےٰ کس قدر وزنی تھا اور ۱۳۰۰ سال تک کوئی اس مطالبہ کا جواب نہ دے سکا پنڈت کالی چرن اور دھرم بھکشو نے چند غلط فقرات لکھ کر اندھوں میں کانا راجا بننا چاہا۔ مگر ایسی منہ کی کھائی کہ بولنے کا نام تک نہ لیا۔ مگر اس کے بالمقابل برہمنوں نے اتھر وید کو اپنے پاس سے بنا کر رگوید۔ سام وید اور یجروید کے ساتھ ایسا ملا دیا کہ آ۔ یہ صاحبان اتھر وید کو بھی باقی تینوں ویدوں کی طرح الہامی ماننے لگ گئے۔ حالانکہ باقی ویدوں میں اتھر وید کا کہیں ذکر نہیں بلکہ وہاں صاف طور پر تین ہی ویدوں کا ہونا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"ایک ایک وید کو . . . بارہ بارہ سال ملکر چھتیس ۳۶ سال میں ختم کریں۔" (ستیارتھ پرکاش ب۳ دفعہ ۲۶) فرمایئے جناب وید تین ہیں یا چار۔ بارہ سال میں ایک پڑھنے سے ۳۶ سال میں کتنے وید ختم ہوئے ہیں۔ تین یا چار؟

اور سنیئے! "جس سبھا میں رگوید۔ یجروید۔ سام وید کے جاننے والے تین سبھا سد ہو کر آئین باندھیں۔" (منو ۱۲۔ ۱۱۲ بحوالہ ستیارتھ پرکاش باب ۶ ب۱۲ صـ ۱۳۱) پھر یجروید ادھیائے ۳۶ کے پہلے منتر میں "رگوید۔ سام وید۔ اور یجروید" کا نام ہے مگر اتھر وید کا کہیں ذکر نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اتھر وید بعد میں برہمنوں نے باقی تینوں ویدوں میں ملا دیا ہے پس وید بے مثل نہ رہے۔

(۴) کامل الہامی کتاب وہی ہو سکتی ہے جو عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دے۔ قرآن کہتا ہے۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم ع۱)

کہ اسلام عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دیتا ہے مگر اسکے بالمقابل ویدک دھرم کی تعلیم فطرت انسانی کے سخت خلاف ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) بچوں سے لاڈ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تنبیہ ہی کرتے رہیں (ستیارتھ ب۲ دفعہ ۱۲)

(۵) پیدائش ہی سے گایتری منتر پڑھنا اچھا ہے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۴۲ اطلاع)

(۲) بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے ورنہ ۴۰ سال کی عمر میں۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۳۴-۳۵)

(۴) وید میں ہے "بادل جو بمنزلہ باپ کے ہے۔ زمین میں جو بمنزلہ دختر کے ہے۔ باران کی صورت حمل قائم کرتا ہے" (رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۳۳ بحوالہ رگوید آدی بھاش بھومکا صفحہ ۱۶۳)

علاوہ ازیں نیوگ کا حیا سوز مسئلہ ایسا ہے کہ فطرت انسانی اسے دھکے دے رہی ہے۔ صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں :-

سوامی دیانند صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ جب ایک شادی ہوگی اور ایک عورت کیلئے ایک خاوند ہوگا۔ اگر مرد و عورت دونوں جوان ہوں۔ اور عورت حاملہ ہو یا مرد مریض ہو۔ تو ان صورتوں میں اگر حاملہ عورت سے خاوند یا ایک مریض خاوند کی جوان عورت یا ایک مریض عورت کے جوان خاوند سے رہا نہ جائے تو کیا کرے۔ سوامی جی کا جواب ملاحظہ فرمائیے :-

"اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اس کیلئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زناکاری کبھی نہ کریں" (ستیارتھ ب ۴ صفحہ ۱۴۶)

حضرات! انسانی کانشنس کیا ایک لحہ کیلئے بھی یہ قبول کر سکتی ہے کہ ایسی حیاسوز تعلیم دینے والی کتاب کبھی خدا کا کلام ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں "اس کے لئے اولاد پیدا کرے" محض ڈھکوسلہ ہے۔ کیونکہ جس صورت میں عورت حاملہ ہو گی۔ اولاد کے حصول کے لئے کہیں اور جاکر نیوگ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پس اصل علاج تو سوامی صاحب نے "رہا نہ جائے" کا بتایا ہے۔

ہمارے گجرات (پنجاب) میں سوامی جی تشریف لائے اور آکر لیکچر دیا۔ ایک شخص نے سوامی جی سے سوال کیا "جس عورت کا خاوند کنجری کے پاس جائے۔ اس کی عورت کیا کرے؟ انہوں نے فرمایا "اس کی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھ لے"۔ (جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتمارام ص۳۵۵)

حیرت ہے کہ اس تعلیم کو کامل مکمل بلکہ اکمل اور عالمگیر الہامی قرار دیا جاتا ہے۔ ؎

گر یہی دیں ہے کہ جو ہے ان خصائل سے عیاں
میں تو اک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار

(۵) خدا علیم کل ہے۔ اس کے لئے تینوں زمانے یکساں ہیں۔ وہ آئندہ کے حالات جانتا ہے۔ کیونکہ وہی قدّرہٗ تقدیراً کا فاعل ہے مگر انسان ضعیف البنیان کمیٔ علم کی وجہ سے آئندہ کے حالات نہیں جان سکتا۔ پس انسانی اور الہامی کلام میں ایک یہ مابہ الامتیاز ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ جو اسے انسانی کلام سے

ممتاز و بالا ثابت کرتی ہیں۔ ویدوں میں پیشگوئیوں کا نام تک نہیں۔ مگر اس کے بالمقابل قرآن شریف نے آئندہ زمانہ کی اخبار بیان فرماکر آئندہ زمانوں کے لئے قرآن کی صداقت کے نئے نئے ثبوت مہیا فرمائے۔ قرآن شریف نے فرمایا کہ جب فرعونِ مصر دریائے نیل میں غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت خدا نے اسے کہا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ٥ (یونس ع ۹) کہ اے فرعون! میں آج سے تیرے جسم کو محفوظ رکھوں گا۔ نہ اس کو دریائی مچھلیاں یا پانی تلف کر سکیگا۔ نہ زمین کے کیڑے یا مٹی اس کی تباہی کا موجب ہونگے۔ بلکہ یہ محفوظ رہیگا۔ تاکہ تیرے بعد کے آنیوالوں کے لئے نشان بنے۔ اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے غافل ہیں۔

قرآن شریف نے خدا تعالےٰ اور فرعون کی گفتگو کا ذکر فرمایا اور اس کے ثبوت میں اپنا وعدہ بیان کر کے اس کو بطور پیشگوئی کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد فرعون کی لاش صحیح و سالم برآمد ہوئی۔ اور مصر کے عجائب گھر کی زینت ہو کر لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً کے مطابق ہمارے لئے بطور نشان بنی۔

کیا ایسی عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کے بعد بھی قرآن کریم کے الہامی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ مبارک وہ جو حق کو قبول کرتے ہیں۔

تردید قدامت وید (منقولی دلائل)

آریوں کا دعویٰ ہے۔ کہ وید ابتدائے عالم میں اُترے تھے۔ ویدوں کے نازل ہونے سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔

(۱) "اے لوگو! جو عالم ہمارے بالتشریح کہتے تھے۔ مذکورہ بالا تعلیم کا اور ہی پھل و کام کئے تھے"۔ الیٰ آخر (یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۳)

(۲) "زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راستی شعار ..... گذر چکے ہیں"۔ (بھومکا صفحہ ۲ و صفحہ ۴۶)

(۳) "پہلے زمانہ میں جو عالم و فاضل اور بے گناہ (پاک) تھے۔ وے بہت جلدی عاجزی سے تعلیمی فائدہ کیلئے اپنی اولاد کی حفاظت کیلئے طلوع آفتاب یا صبح صادق کو (لکشیہ) مدنظر رکھکر اپنے یگیہ آدی (مذہبی فرائض) شروع کرتے تھے"۔ (رگوید منڈل ۷۔ سوکت ۶۱۔ منتر ۱) اس سے معلوم ہوا کہ وید شروع دنیا میں نہیں اترے۔

(۴) "اے دشمنوں کے مارنے والے۔ اصول جنگ میں ماہر۔ بے خوف و ہراس۔ پُر جاہ و جلال۔ عزیز و جوانمرد۔ تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو۔ پرمیشور کے حکم پر چلو۔ اور بد فرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا سرانجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے"۔ (رگوید بھاشا بھومکا صفحہ ۳۶ منقول از اتھرون وید کانڈ نمبر ۶۔ انواک صفحہ ۱۰ ورگ ۹۷ منتر ۳)

خط کشیدہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ وید کے نزول سے پہلے لوگ ہوئے اور لوگوں نے مخالفوں پر فتح پائی ورنہ یہ عبارت الحاقی ثابت ہو گی۔

(۵) اے سورج کی طرح ایشورج اور ودیا اور سکھ کے داتا جہاتما عالم انسان جیسے سورج کے اکاش میں چلنے کے صاف راستے ہیں جو آپ کے پہلے جہاتماؤں کے عمل میں لائے۔ بلا گرد و غبار راستہ میں انہیں آرام سے چلنے کے لائق راستوں سے آج ہم کو چلائیے۔ اور ان طریقوں سے چلنے پر ہم لوگوں کی حفاظت بھی کیجیے۔ اور ہم کو زیادہ نہ ہدایت کیجیے! اور اسی طرح سے سب کو خبردار کیجیے۔

(یجر وید صفحہ ۱۳۶ حصہ سوم - ادھیائے ۲۴ - منتر ۲۷)

(۶) پارسی لوگ ہندوستان کی ابتدا کروڑوں برس ویدوں سے پہلے بتلاتے ہیں۔

وید کی حقیقت

وید اور قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ضروری ہے! اور وید میدان میں نہیں آیا۔ کیونکہ خود تمہارا عقیدہ ہے کہ وید کی زبان کسی قوم کی زبان نہیں۔ کیونکہ اس طرح پکش پات یعنی طرفداری ہوتی ہے! اور اس وقت بھی سنسکرت کسی ملک کی زبان نہ تھی۔ اور نہ اُنہوں نے وقت کسی ملک اور قوم کی زبان تھی۔

سوال (۱) خاص ایشور کی زبان ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب کسی ملک اور قوم کی زبان نہیں تو اس کا انکشاف کیسے ہوا؟ اگر کہو کہ ترجمہ کیا ہے۔ تو پھر بھی طرفداری لازم آتی ہے کہ خدا نے کسی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا تو

حاصل کلام یہ کہ وید کا انکشاف حقیقتاً نہیں۔ تو مقابلہ کیسے ہو؟

(۲) سنسکرت مُردہ زبان ہے اور اب بھی اس کا فہم مشکل ہے۔ اگر اس کے معنی میں اختلاف ہو تو حل کس طرح کریں؟

(۳) وید پستک ایسے پراچین (پُرانے) زمانہ کی بتائی جاتی ہے جس کی کوئی تاریخ محفوظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وید کی کیا ضرورت تھی۔ کونسی گمراہی تھی جس کے دُور کرنے کے لئے آئی تھی۔ کیونکہ تمہارے خیالات کے مطابق ابتدائے آفرینش سے لوگ مکتی خانہ سے نکلے تھے تو پھر اس کا اثر قوم پر کیا ہُوا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اُس کے نہ اُترنے سے کیا نقصان ہونا تھا۔ کیونکہ اگر اُترنے سے فائدہ ہُوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر نہ ہوتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔

(۴) جن پر وید نازل ہوا۔ انکا چال چلن کیسا تھا۔ کوئی تاریخ نہیں جس سے ان کے ماں باپ اور قومیت اور چال چلن معلوم ہو سکے۔

(۵) خود ہندوؤں کے ہاں اختلاف ہے کہ کس پر اُترے۔ سناتن دھرمی برہما پر نازل شدہ اور آریہ چار رشیوں پر نازل شدہ مانتے ہیں۔ پھر کہیں چار وید اور کہیں تین وید۔ پس جب اصل کتاب میں بھی اختلاف ہے تو وہ ہدایت کیا دے سکتا ہے۔

(۶) وہ الفاظ جن سے وہ رشی کا ثبوت دیتے ہیں مثلاً اگنی۔ وایو۔ ادت انگرا چار رشیوں کے نام پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ کئی معانی میں مشترک ہیں۔ اگنی آگ پر اور پرمیشور کا نام اور تیسرے نیوگی کا نام بھی اگنی ہے۔ وایو

ہوا یہ انگرا پانی پر بھی اور رادت سورج پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو آیا یہ عناصر اربعہ کے نام ہیں یا اجرام کے نام ہیں یا رشیوں کے نام ہیں۔ کوئی تاریخ ہوتی۔ جو بتاتی کہ یہ رشیوں کے نام ہیں۔

(۷) وید کی تعداد میں اختلاف ہے کہ تین ہیں یا چار۔

(۸) پھر خود وید یا اس کے حامل ناکام ہیں کیونکہ اتنی میعاد اسکو ملی ہے کہ تمہارے قول کے مطابق ایک ارب یا ڈیڑھ ارب سال ملا ہے۔ مگر اب تک نہ شائع ہوئی نہ ترقی کی! ور خود ماننے والوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ یہ دھوکہ نہ کھائیے کہ ۲۷ کروڑ ہندو ہے۔ کیونکہ جینی لوگ۔ پھر برہمو لوگ جن سے بنگال بھرا پڑا ہے۔ بھر دام مارگی۔ مانینگی یہ سب وید کے منکر ہیں۔ تو ان سب کو نکال کر محض چند لوگ ہی رہ جاتے ہیں۔

(۹) پھر ماننے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک آریہ دُوسرے سناتن۔ انکا باہم عقائد میں بہت اختلاف ہے کہ مسلمانوں میں خواہ کئی فرقے ہوں۔ لیکن اصُول میں کوئی اختلاف نہیں۔ کلمۂ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قرآن وغیرہ سب ایک ہیں۔

(۱) سناتن دھرم والے خدا کے حلول کے قائل مگر آریہ منکر۔

(۲) سناتن دھرم رُوح و مادہ کو حادث اور آریہ لوگ انادی اور غیر حادث مانتے ہیں۔

(۳) سناتن دھرم مُورتی پُوجا کے قائل اور آریہ منکر۔

(۴) سناتن نیوگ کو زناکاری اور خلاف وید اور آریہ لوگ عین جائز اور

حلال اور ضروری اور وید کی مقدس تعلیم کے مطابق مانتے ہیں۔

آریہ سماج کے معیاروں کے مطابق وید الہامی نہیں

(از جناب مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل)

(ا) ایشور کا گیان ابتدا میں ہونا چاہیئے کیونکہ جن چیزوں پر انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ پرماتما نے ان کو انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا اور مکمل پیدا کیا۔ جیسے سورج۔

تردید:۔ سورج کے ساتھ وید کی مثال نہیں دیجا سکتی کیونکہ سورج سے ہر ایک فرد و بشر بالغ و نابالغ۔ بوڑھا۔ جوان یکساں فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ بخلاف وید کے جس کے پڑھنے کے لئے بڑے بڑے دھرماتما اور وِدوان کوشش کرتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

(ب) ویدوں میں ایسے سینکڑوں منتر ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید ابتدائے دنیا میں نہیں بنے بلکہ ویدوں کے نزول سے پہلے دنیا میں مخلوق موجود تھی۔

(ج) ابتدا میں کامل گیان کا نازل ہونا پرماتما کے بنائے کیخلاف ہے۔ کیونکہ ابتدا میں جبکہ پرماتما نے دنیا کو پیدا کیا لوگوں کی حالت بچوں کی طرح تھی۔ اور اس کو سوامی جی نے اپنی کتاب اپدیش منجری میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”ان سب کو صرف کھانا اور پینا اور بھوگ کرنا (جماع) صرف اتنا ہی یاد تھا۔ آدی سرشٹی میں سب انسانوں کی حالت بچوں کی تھی۔

ان کو پاؤں سے چلنا اور آنکھوں سے دیکھنا اس کے بغیر اُن کو کچھ گیان نہ تھا" (اپدیش منجری ہندی صفحہ ۸۹)

پس پرماتما جو کہ علیم ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ بچوں کو کامل گیان دے ایسے بچوں کو جن کو سوائے کھانے اور بھوگ کے کچھ سمجھ ہی نہیں۔ اس لئے یہ ضروری ماننا پڑیگا کہ پرماتما نے ان رشیوں کو گیان دیا لیکن کامل نہیں بلکہ ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق۔

(د) سوامی جی نے اس کے آگے لکھا ہے کہ "یہ حالت ان رشیوں کی پانچ سال رہی۔ پھر پرماتما نے ان کو ویدوں کا گیان دیا" (اپدیش منجری صفحہ ۹) یعنی پیدائش کے ساتھ ہی ان کو ویدوں کا گیان نہیں دیا گیا بلکہ پانچ سال دُنیا بننے کے بعد ان کو گیان ملا۔

اعتراض۔ اس پر ہمارے آریہ بھائی کہا کرتے ہیں کہ واقعی انسانوں کو اسوقت اتنا گیان نہ تھا کہ وہ کامل گیان کو جانتے۔ لیکن پرماتما کا گیان تو کامل ہے۔ اس نے اپنے علم کے مطابق کامل گیان دیا۔

جواب۔ یہ ٹھیک ہے کہ پرماتما کا گیان کامل ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ گیان دیتا تھا وہ کامل نہیں تھے کہ اسکو سمجھ سکتے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک کالج کا پروفیسر جو کہ ایم۔ اے ہے۔ ایک بچے کے آگے جبکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے اس کے پاس جائے تو اس کے آگے وہ ایم۔ اے۔ کا کورس رکھ دے اور کہے کہ یہ لڑکا واقعی اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ یہ ایم۔ اے کا کورس سمجھ سکے۔ لیکن میں تو ایم۔ اے ہوں۔ اور

علم کے لحاظ سے کامل ہوں۔ تو سارے لوگ اس کو بیوقوف کہینگے۔ اور جواب دینگے۔ کہ تیرا علم واقعی کامل ہے۔ لیکن جس بچے کو تُو نے پڑھانا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ایم۔ اے کے کورس کو سمجھ سکے۔ اس کے لیئے تو وہی پہلا قاعدہ چاہیئے۔

دُوسرا معیار۔ الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی و بیشی نہ ہو۔ اور وہ محفوظ چلی آتی ہو۔

(۱) وید اس اصول کے مطابق بھی الہامی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جب ہم ویدوں کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں اسقدر اختلاف ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے اتھروید کو لیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں بھی لوگوں نے اپنے پاس سے منتر ملا دیئے ہیں۔

اتھروید۔ (۱) سوامی دیانند نے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی کے صلہ پر لکھا ہے کہ اتھروید کا پہلا منتر اوم شنو دیوی ہے۔

(۲) لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر میں لکھا ہے کہ پہلا منتر اوم شنو دیوی ہے۔

(۳) مہا بھاشیہ کے مصنف کا یہ مذہب ہے کہ پہلا منتر اوم شنو دیوی ہے۔

لیکن موجودہ وید کو اٹھاؤ۔ تو یہ منتر چھبیسواں ہے۔ تو کیا پہلے پچیس ۲۵ منتر کسی آریہ سماجی نے اتھروید میں ملا دئے ہیں۔

اتھروید کے منتروں کی تعداد میں اختلاف۔

سائین بھاشیہ ۵۹۷۷ - سیوک لال ۵۹۷۷ - ساتولیک ۰۰ ۷ ویدک سدھانت ۶۰۰۰ -

یجروید میں ملاوٹ - یجروید بمبئی والے میں ۲۵ اَدھیائے کے ۴۷ منتر ہیں - لیکن دیانند نے جو اجمیر میں چھپوایا ہے اس میں ۴۸ ہیں - یجروید کے ۴۰ ادھیائے میں اوم کھم برہم بمبئی والے میں منتر کا جزو نہیں ہے - لیکن دیانند نے اس کو منتر میں شامل کر لیا ہے -

(ایسا ہی منتروں میں اختلاف)

یجروید کلپ تر	۱۹۷۵	دیانندجی	۱۹۷۵
ساتولیک	۱۴۰۰	شوشنکر کا ویدتیرتھ	۹۸۷
ویدک مت	۱۰۰۰	(منقول از وید سروسو صفحہ ۱۵۳)	

سام وید میں تحریف - سام وید اجمیر والے میں ۶۵ منتر زیادہ ہیں - دیکھو ۴۳ اور کاشی میں چھپے ہوئے سام وید میں یہ منتر نہیں - صفحہ ۵۰ -

منتروں میں اختلاف:- دیانند کا وید ۱۸۲۴

جیوانند	۱۸۰۸	شوشنکر	۱۵۴۹
دیاشنکر	۲۱۹	ساتولیک	۷۰

رگوید میں تحریف:- سائیں اچاریہ ۱۰۰۰۰ سے کچھ زیادہ -

پنڈت شوشنکر	۱۰۴۰۲	سوامی دیانندجی	۱۰۵۸۹
انوواک انوکرمنی	۱۰۵۸۰	چھند سنگرہ شلوک کے مطابق	۱۰۴۰۲
گایتری وغیرہ کے مطابق	۱۰۱۴۲	پنڈت جگن ناتھ	۱۰۴۵۲
چرن دیوہ کا ٹیکاکار	۱۰۴۷۲	ہہتہ برت	۱۰۴۴۲
ورتمان سنگھتا کے مطابق	۱۰۴۴۰		

(وید سروسو مصنفہ پنڈت ویدک منی جی صفحہ ۶۸ مطبوعہ اندرپریس دہلی)

تیسرا معیار۔ اس میں عقل اور اخلاق کے خلاف تعلیم نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق بھی وید الہامی نہیں ہیں کیونکہ کئی وید منتر ہیں جنکی تعلیم انسانی اخلاق کو گرانے والی ہے

(ا) مثلاً رگوید کے ایک منتر کا ترجمہ سوامی جی کرتے ہیں "بادل بمنزلہ باپ قرار دیا ہے اور زمین کو بمنزلہ لڑکی۔ بادل زمین میں اس طرح پانی ڈالتا ہے جیسے باپ لڑکی میں نطفہ" (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی صفہ ۲۹۹)

(ب) لنگ کا صاف کرنا۔ اس لنگ کو صاف کرتا ہوں جس سے رکھشا کیجاتی ہے۔ اس گدا اندری (پاخانہ کی جگہ) کو پوتر کرتا ہوں۔

آگے لکھا ہے کہ گرو پتنی یعنی استاد کی عورت کرتی ہوں۔ ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ گرو کی عورت کس طرح لڑکے کے لنگ اور گدا کو صاف کرے۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ یہاں پر آریہ مناظر کہدیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی عمر کیلئے ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جتنی دیر بچہ گروکل میں رہتا ہے اس وید منتر پر انکو عمل کرنا ضروری ہے۔ اور گروکل میں ۲۵ سال کا جوان بچہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے لنگ کو اُستاد کی عورت کس طرح صاف کرے گی۔

(ج) ان دونوں منتروں کو پڑھ کے پُرش اپنی گربھنی (حمل والی) استری کے گربھاشیہ پر ہاتھ رکھے۔ (سنکار ودھی ہندی صفہ ۵)

آریہ سماجی دوست بتائیں کہ وہاں پر ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟

(د) بیل سے بھوگ کرنا۔ پانی کے لئے مینڈھا سے پرم ایشوریہ کے لئے بیل سے بھوگ کریں۔ (یجروید ۲۱/۲۰)۔

(س) ہے انسانو! تم مضبوط (گدا اندری) (پاخانہ کی جگہ) کے ساتھ موجودہ

اندھے سانپوں اور کٹل (یعنی سخت موذی) سانپوں کو ۰۰ کام میں لاؤ۔
(س) ٹانگوں کے اُوپر بیٹھ - ہاتھ کا سہارا دے - اتم من کے ساتھ عورت کو
دیر ہو ڈالے۔ (اتھر وید ۱-۲۰-۳۹)
غرض آریہ سماج اصُولوں کے مطابق بھی وید الہامی ثابت نہیں ہوتے۔

عجیب و غریب پُر لطف ویدک دُعائیں

۱- ہے پرمیشور و راجن! آپ بہت بولنے والے کو نزدیک دیا والے کے لئے (اور) حد سے باہر والے کے لئے گونگے ظاہر کیجئے (یجر وید ادھیائے $\frac{30}{19}$)۔
دُعائیں ہمیشہ مفید اور نیک چیزوں کے حصول کیلئے کی جاتی ہیں مگر ویدک فلسفہ ہی اُلٹ ہے۔ بھلا اگر ویدک ایشور بغیر کرموں کے اور کچھ دے ہی نہیں سکتا تو پھر دُعائیں سکھانا فضول اور لغو ٹھہرا۔ پھر دُعائیں سکھائی بھی تو وہ بھی ایسی کہ اگر قبول ہو جائیں تو ایک ہی سال میں آریہ سماجیوں کا خاتمہ اپنی ہی دُعاؤں کے طفیل ہو جائے۔ خادم

۲- اے پرمیشور و راجن! آپ آگ کیلئے موٹی اشیاء کو زمین کیلئے بغیر پاؤں کے رینگنے والے سانپ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔ (یجر وید ادھیائے ۳۰- منتر ۳۱)
ہم اس دُعا پر آمین کہتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صرف آریوں کے ہی گھروں تک محدود رہیں۔ مؤلف

۳- ہے پرمیشور و راجن! آپ زمین و آسمان کے درمیان کھیلنے کودنے اور بانس سے ناچنے والے نٹ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔ (یجر وید ادھیائے $\frac{30}{21}$)۔

(تاکہ وید کی حقیقت دُنیا پر ظاہر ہو) مؤلف -

۴ - ہے پرمیشور راجن! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے داد تر بجانے اور تونو نامی باجے بجانے والے ان سب کو ناچنے کے لیئے اور خوشی کے لیئے تال وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجئے - (یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۲۰)

وید کی تعلیم پرمیشور کے متعلق اور پرمیشور کا حلیہ

پرمیشور ناقص اور کمزور - اے نہایت ہی قابل عبادت سب طرف سے روشن ایشور دعالم - یہ جو آپ کا محیط ہونا اور پرورش کرنا ہے - اس سے آپ ترقی کو حاصل کریں - اور دوسروں کو بڑھائیں - آپ خود مضبوط ہوجیئے اور دوسروں کو مضبوط کیجئے - (یجروید ادھیائے ۳۸ منتر ۲۱)

وہ سدا بڑھنے والا - حیرت انگیز صفات - عادات سے متصف پرمیشور ہمارا کس طرح دوست ہوئے - اِلیٰ آخرہ (یجروید ادھیائے ۳۶ منتر ۴)

پرمیشور کی زبانی - اے انسانو! میں ایشور جیسے برہمن - کھتری - ویش شودر اور اپنی استری سیوک وغیرہ کو چار وید روپی بانی کا اُپدیش کرتا ہوں - ویسے ہی آپ لوگ بھی اچھی طرح اُپدیش کریں - (منقول از دیانند یجروید بھاشیہ ادھیائے ۲۶ منتر ۲)

عیش کی خواہش - پرمیشور کہتا ہے کہ میری یہ خواہش عمدگی سے بڑھے اور مجھے وہ غیر مشتبہ غائبانہ سکھ حاصل ہو - (یجروید ادھیائے ۲۶ منتر ۲) -

پرمیشور کے برابر طاقتور راجہ - اے بے خوف راجہ - بغیر دودھ کی گائیوں

کی طرح ہم لوگ اس متحرک و غیر متحرک کائنات کے منتظم شکھ پورک کو دیکھنے لائق البشور کے برابر طاقتور۔ آپ کی عزت و احترام کریں۔

(یجروید ادھیائے ۲۷۔ منتر ۳۵)

ناچنے والے پیدا کرنے کی دُعا۔ ہے پرمیشور و راجن! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے وادتر بجانے اور تونو نامی بلجے کو بجانیوالے ان سب کے ناچنے کے لیئے اور خوشی کے لئے تالی وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجیئے

(یجروید ادھیائے ۳۰۔ منتر ۲۰)

پس لوگوں کو چاہیئے کہ ہنسی اور زنا وغیرہ عیوب کو چھوڑ کر اور گانے بجانے ناچنے وغیرہ کی تعلیم کو حاصل کر کے خوش ہوں۔ لیکن ستیارتھ باب ۳ نمبر ۲۴ و باب ۶ نمبر ۱۶ ستیارتھ میں ان افعال کو شہوانی عیب لکھا گیا ہے۔

آریوں کا پرمیشور فریبی۔ اے اندر تو نے سوشا کو فریب سے قتل کیا۔ (رگوید اشٹک اول انوواک ۳ سکت ۴ شرتی ۱۰)۔

پرمیشور کھاؤ پیو پیٹو۔ اندر کا شکم سوم کا رس کثرت سے پینے کے باعث سمندر کی مانند پھولتا ہے اور تالو کی نمی کی مانند ہمیشہ تر رہتا ہے۔ اچھے کھانوں سے اندر کا پیٹ بھرتا ہے اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اے خوبصورت زنخدان والے اندر ان تعریفوں سے خوش ہو (اشٹک اول انوواک ۲ سکت ۱)۔

پرمیشور کی لاعلمی "اے بیاہے ہوئے مرد عورتو۔ تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ عورت اپنے دیور (دوسرے خاوند) کے

ساتھ شب باش ہوتی ہے یا جس طرح بیاہا ہوا مرد اپنی بیاہتی عورت کے ساتھ اولاد کے لئے شب باش ہوتا ہے۔ اسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے۔
(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۳۰ بھومکا صفحہ ۱۲۵ مترجم نہال سنگھ)

"اس دُنیا میں پاپ اور پُن کا نتیجہ بھوگنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک عارفوں یا عالموں کا۔ دُوسرا علم و معرفت سے مبرّا انسانوں کا۔ ان کو پتر یان اور دیویان بھی کہتے ہیں۔ مَیں نے یہ دو راستے سُنے ہیں۔ یہ تمام دُنیا انہی دو راستوں پر چلی جا رہی ہے۔ (یجروید $\frac{19}{47}$ رگوید آدی بھوش بھومکا مترجم نہال سنگھ صد ۱۲۲۔ بیان تناسخ)

ناک آنکھ کان والا پرمیشور۔ برہمن اس (ایشور) کا مُنہ تھا۔ ایشور کے بازوؤں سے کھشتری۔ رانوں سے ویش۔ پاؤں سے زمین اور کان سے طرفیں پیدا ہوئیں۔ چاند من (دل) سے پیدا ہوُا۔ آنکھ سے سُورج پیدا ہوُا۔ مُنہ سے اندر اور آگ اور سانس سے ہوُا پیدا ہوئی۔

(رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۱ منتر ۱۲۰۱۲)

زرہ بکتر پہننے والا پرمیشور۔ ورن (ایشور) اپنی ساری رعایا میں سب پر حکومت کرنے کے لئے آکر بیٹھا ہے۔ سُنہری کوچ کو پہنتا ہوُا ورن (ایشور) چمکتے ہوئے لباس کو پہنتا ہے۔ اس کے جاسوس چاروں طرف بیٹھے ہیں۔ (رگوید $\frac{25}{22}$ ۱)۔

ایشور چوری کرتا ہے۔ اے اندر دولتوں سے مالا مال پرمیشور! ہم سے الگ کبھی مت ہو۔ ہمارے مرغوب سامان خوراک مت چراؤ۔ اور نہ کسی

اور سے جُڑ واؤ۔ (رگوید اشٹک ۱ انو واک ۷ سوکت ۱۹ شرتی ۸ آریہ بھوتے مصنفہ دیانند)

سکھ دکھ برداشت کرنے والا پرمیشور۔ اے جگدیش ور! جس سبب آپ ... سب دکھ سکھ کے برداشت کرنیوالے ہیں۔ (تفسیر یجروید سوامی دیانند)

خدا علم سیکھنے کا محتاج ہے۔ اے جگت ایشور! میں اور آپ پڑھنے پڑھانے والے دونوں محبت کے ساتھ رہ کر عالم اور دیندار ہوں کہ جس سے دونوں کی ترقی علم ہمیشہ ہوئے۔ (یجروید بھاشیہ جلد اوّل صفحہ ۱۳)

ایشور مجسم اور اس کا حلیہ۔ ہزاروں سروں والا پرش (ایشور) ہزاروں آنکھوں والا۔ ہزاروں پاؤں والا۔ وہ ترلوکی (کائنات) کو سب طرف سے گھیر کر ٹھہرا ہوا ہے۔ دس انگل پرے (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱)۔

پرمیشور کے پاؤں۔ وشنو (ایشور) اس سارے جگت، کائنات پر پاؤں سے چلا۔ تین طرح پر اس نے پاؤں رکھا۔ یہ جگت اس کے دھولی (دھول) والے پاؤں میں اکٹھا ہوا۔ (رگوید منڈل ۱ سوکت ۲۲ منتر ۱۷)۔

وِشنو جو سب کا محافظ ہے اور کسی سے دھوکا نہیں دیا جاتا۔ وہ سارے کاموں کو کرتا ہوا یہاں سے تین پاؤں چلا۔

خدا کا دایاں ہاتھ۔ ہے خزانوں کے مالک اندر! تجھ سے دولت چاہتے ہوئے ہم نے تیرے دائیں ہاتھ کو پکڑا ہے (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۷ منتر ۱)

ایشور کا فرج۔ پرجاپتی گربھ (حمل) میں وچرتا ہوا بہت طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکی یونی (فرج) کو عقلمند دیکھتے ہیں (یجروید ۳۱/۱۹) "دھی چود" بھی

پرمیشور کا نام ہے) مگر کے معنے سمجھ نہ سکنے والے غور کریں۔

ایشور کی ترقی۔ اے بہت اشیا میں رہنے والے پرماتمن (خدا) جو یہ میری زبان ہے۔ آپ کو یقیناً بڑھائے۔ (یجروید ۲۳/۸۱)۔

ایشور سوم رس پیتا ہے۔ ہے پرمیشور دایو (ایشور) اپنی الپ شکتی (محدود طاقت) سے سوم اوشدھیوں کا اتم (عمدہ) رس تیار کیا ہے اور بھی جو کچھ ہمارے عمدہ پدارتھ ہیں وے آپکے سرپن (نذر) کئے گئے ہیں۔ ان کو آپ قبول کریں۔ اور سرو آتما (فراخدلی) سے پان کریں۔

(رگوید اشٹک ادھیائے ۱۔ ورگ ۲ منتر ۱)

ایشور کا ثانی۔ میں ایشور سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ میرے برابر دھرماتما صفات و افعال و عادات والے آدمی ہی کی رعایا ہو۔

ایشور سوتا ہے۔ جو برہما (ایشور) تیز رفتار کو مضبوط کرتا ہوا جو کنیا یا اور گھروں یعنی جیوؤں (ارواح) کے بیچ قائم ہوتا ہوا سوتا ہے (رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۶۴ منتر ۳۰ رگوید بھاش جلد ۳ صفحہ ۶۳۳)

وید کی تعلیم خلاف عقل و سائنس

(۱) ہے دینے والے (والے) جیسے لینے والے پڑھانے اور اپدیش کرنے والوں کا میل کرے۔ اور وہ آج بکرا وغیرہ جانوروں کے بیچ سے لینے لائق چیز کا چکنا حصہ یعنی گھی دودھ وغیرہ اُدّار (نکالا ہوا) کیا ہوا لیویں۔ اس سے بکرا گھی دینے والا ثابت ہوتا ہے (تفسیر دیانندی بھاشا یجروید جلد ۲ ادھیائے ۲۱ منتر ۴۳)

نوٹ :۔ اس حوالہ کے پیش کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ گویا ہمارے خیال میں بکرے کیلئے دُودھ کا دینا ممکن ہی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانون شاذ کے ماتحت یہ ممکن ہے چنانچہ اس کا مزید ثبوت صداقت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کی ذیل میں ایک اعتراض کے جواب میں موجود ہے۔ ہمارا اعتراض تو اس امر پر ہے کہ اس وید منتر سے معلوم ہوتا ہے کہ بکرے کا دُودھ دینا قانون عام کے ماتحت ہے اور بجائے بکری اور گائے بھینس کے دُودھ اور گھی بکرے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر ہمارے روزمرہ کے مشاہدے کے خلاف ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کبھی شاذ کے طور پر جو "الشاذ کالمعدوم" کے مطابق معدوم کا حکم رکھتا ہے اپنی سنت شاذہ کا ثبوت دے۔ مگر گھی دُودھ وغیرہ کو عام طور پر گائے بھینس اور بکری کی بجائے "بکرے" کے ساتھ منسوب کرنا یقیناً خلاف عقل و سائنس اور معارض مشاہدہ و تجربہ ہے۔ خادم

(۲) ہے رعایا کے مالک ایشور جو روح۔ مادہ وغیرہ اشیا ہیں۔ یہ سب اچھا وپ وغیرہ (مراد خواہش) صفات سے متصف ہوں (تفسیر دیانند بھاشا یجروید جلد ا ادھیائے ۱۰ منتر ۲۰) اس سے مادہ میں خواہش کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا سائنس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے؟

(۳) گرہست جنوں (عیالداروں) کو چاہیئے کہ اس طرح کوشش کریں کہ جس سے تینوں یعنی بھوت (ماضی) بھوشیت (مستقبل) اور ورتمان (حال) زمانہ میں بہت ہی سکھی (تفسیر ایضاً جلد ا صفحہ ۲۳۱)۔

اس سے آج کا کام کئے ہوئے کا پھل گذشتہ دنوں میں مل جانا چاہیئے حال و مستقبل کے لئے تو انسان کر سکتا ہے مگر آج کا پھل پہلے مل چکا ہے۔ یہ

کیسے ؟ بالکل خلاف عقل ہے۔

(۴) بیں جو سوم لتا۔ وغیرہ بوٹیوں (کو) جو زمین وغیرہ سے تین برس پہلے مکمل سکھ دینے میں عمدہ ظاہر ہوئیں۔ جو حاصل کرنے والے بیماروں کے سو اور سات جنم اور ناڑیوں کے زخموں کو مفید ہیں۔ ان کو جلدی جانوں۔ (تفسیر ایضاً صفحہ ۴۱۶ - ادھیائے ۱۲ - منتر ۷۵ جلد ۱)۔

نوٹ:۔ کیا زمین سے قبل بھی بوٹیاں تھیں اور ان سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا۔

آریوں کے ناقابلِ عمل اصُول

ضروری نوٹ:۔ ستیارتھ پرکاش مصنفہ پنڈت دیانند کے جو حوالے یہاں درج کیے گئے ہیں۔ ان میں نمبر صفحہ ستیارتھ پرکاش کے نویں ایڈیشن شایع کردہ راجپال مینجر آریہ پستکالیہ انار کلی لاہور کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ یہ ستیارتھ پرکاش کا وہ اُردو ترجمہ ہے جسکے مترجمین میں سوامی شردھانند۔ پنڈت چموپتی ایم۔ اے اور ماسٹر آتمارام جیسے آریہ پنڈتوں کے نام ہیں اور آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب سندھ (بلوچستان) کی طرف سے یہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اور سرورق پر لکھا ہے۔ "صرف یہی ترجمہ مستند ہے"! **خادم**

(۱) نیچے از خود اکھنڈ (لامتناہی) برہمچریہ رکھ کر اور تیسرا اعلیٰ درجہ کا برہمچریہ کر کے مکمل یعنی چار سو سال تک عمر کو بڑھائیں (ستیارتھ ۳ دفعہ ۳۰ صفحہ ۹۱) گویا ایک اور با ایمان آریہ کو چاہیئے کہ برہمچاری رہ کر چار سو سال کی عمر حاصل کرے۔ دیانند سے بڑھ کر تو با ایمان اور کامل برہمچاری اور کوئی آریہ نہ ہوگا مگر اسکی عمر بھی ساٹھ سال

سے متجاوز نہ ہوئی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تعلیم باطل اور ناقابلِ عمل ہے۔

(۲) بقول دیانند مُردہ دفن کرنے میں بہت اقتصادی نقصان ہوتا ہے (حالانکہ قبر کی کھدائی ۸ روپئے ہوتی ہے) لیکن جلانے میں صندل کی لکڑی عود کستوری سنہ ۳ اور ڈیڑھ من روغن زرد ۶ سنہ وغیرہ وغیرہ اشیائے قیمتی سے تقریباً دو سو روپیہ کا زیر بار ہونا ضروری ہے۔ اگر میسر نہ آوے تو بھیک مانگے یا گورنمنٹ سے امداد طلب کرے۔ (ستیارتھ ب ۱۳ - دفعہ ۲۷ صفحہ ۶۵۷)

مگر جنگ میں جہاں ہزاروں مرتے ہیں یہ عالمگیر اصول دریا بُرد ہو جاتا ہے جیسے مہابھارت کی جنگ میں ہوا۔ کیونکہ وہاں یہ اشیائے قیمتی نہ مل سکیں اور نہ میسر آ سکتی تھیں۔

(۳) جس لڑکی کا خاوند مرجائے تو پھر اس کنیا کو چاہیئے کہ کسی شخص واحد سے بیاہ نہ کرے۔ وہ عمر بھر ایک کی نہ ہو رہے بلکہ دس بارہ مختلف جوانوں سے تادم آخر مضبوط اولاد حاصل کرتی رہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱۸ ص ۱۹۱)۔

(۴) آریہ عورت کے تیسرے نیوگی خصم کو اگنی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۳۶ ص ۱۹۶)

پہلے اور دوسرے خصم میں حرارت کیوں کم ہوتی ہے اور پانچویں دسویں وغیرہ میں کیوں کم و بیش نہیں؟ اس کی تشریح مطلوب ہے۔

(۵) بموجب اعتقاد دیانندی روح و مادہ مع اپنی تمام قوتوں حسیوں اور خاصیتوں کے ازلی۔ ابدی خود بخود ہیں۔ یعنی اپنے وجود کے آپ خدا ہیں اور پرمیشور کا کام صرف ارواح اور مادہ کو جوڑنے جاڑنے کا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ روحوں میں

جوڑنے جاڑنے کی قوت انفصال نہ اتصال کی خواہش بھی ازل سے ہے (ستیارتھ ب دفعہ ۵۳ صفحہ ۲۹۶)۔ اور دہریہ میں کیا فرق ہوا۔ خاک۔

(۶) نجات کے طالب اور سچے آریہ کو چاہیئے کہ قریباً پچاس سال کا ہو کر بیاہ کرے یا ۴۸ سال کے بعد۔ (ستیارتھ باب ۳ دفعہ ۳۴ صہ ۹۳)۔

مگر پچاس سال تک تو انسان بوڑھا ہو جاتا ہے پھر بیاہ کس لئے اور کس کیلئے۔ مضبوط اولاد کیونکر اور کون پیدا کریگا۔ اس میں کوئی غلطی یا راز ضرور ہے۔ (غالباً اس عرصہ میں بذریعہ نیوگ اولاد پیدا کرنے کی مہلت دی ہوگی) ایسا بیاہ کرنے والا دو سو سال سے چار سو سال تک عمر حاصل کر سکتا ہے (ستیارتھ ب ۶ دفعہ نمبر ۴ صہ ۹۱) مگر تجربہ اس اصول کا دشمن ہے سوائے دیانند کے جو بجائے پچاس کے ساٹھ سال مجرد رہ کر سفید ریش ہو کر بڑھاپے کے نشان اور آثار دیکھ کر راہی عالم فنا ہوئے۔ چار سو سال کی عمر والے کو تو ستر سال میں ابھی ڈاڑھی بھی نہیں آنی چاہیئے۔ اسی لئے سوامی جی منہ سر استرے سے صاف رکھتے تھے بلاحظہ ہو تصویر سوامی۔

(۷) ممالک متوسط کی قسمت چھتیس گڑھ میں بعض قوموں کی عمر تیس سال تک ختم ہوتی ہے۔ پھر وہاں چار سو سال کی عمر حاصل کرنے کیلئے شرط کیا ہوگی اور نیک آریہ پچاس سال کا ہو کر کیونکر بیاہ کرے (خوب عالمگیر اصول ہیں)۔

(۸) ۴۸ سال کے بعد شادی کرے۔ بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے (ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۳۵ صہ ۹۳)

پنجاب کے آریہ اگر ۴۸ سال کے بعد بیاہ کرنا شروع کردیں تو انشاء اللہ تعالےٰ

نصف صدی میں آریوں کا خاتمہ ہی ہو جائے - اور ہندو مسلم سوال بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے -

(۹) ہون - (۱) ہون کرنا سب پر فرض ہے - ورنہ پاپ ہوتا ہے -
(ستیارتھ پرکاش ب ۲ دفعہ ۲۰ صفحہ ۸۸)

(۲) ہون دن میں دو دفعہ صبح و شام کرنا چاہیئے (ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۱۵ صفحہ ۸۶)

(۳) ایک وقت کے ہون میں سولہ آہوتی فی کس گھی چاہیئے (ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۲۲ صفحہ ۸۸)

(۴) ہر آہوتی میں ۶ ماشہ گھی کم از کم جلانا چاہیئے (ستیارتھ ب ۳ دفعہ ۲۲ صفحہ ۸۸)
گویا ۱۶×۶ = ۹۶ ماشہ = ۸ تولے = قریباً ½ ۱ چھٹانک گھی ایک وقت ایک آدمی کو جلانا چاہیئے۔ اور دو وقت کا کل گھی روزانہ ⅕ ۳ چھٹانک ہوا۔ ماہوار $\frac{16}{5}$ × ۳۰ = ۹۶ چھٹانک - گویا اگر گھی کا نرخ دس چھٹانک فی روپیہ ہو تو ماہوار ۹ روپے ۹ آنے کا صرف گھی ہی جلانا پڑیگا اور ایک روپیہ سیر کے حساب سے کم از کم چھ روپیہ ماہوار۔ *

(۵) گھی کے ساتھ کیسر کستوری - خوشبودار پھول عطر اور چندن اور اگر تگر وغیرہ بھی جلانا چاہیئے - (ستیارتھ پرکاش ب ۳ دفعہ ۱۷ و ۱۸ صفحہ ۸۷)
تو گویا اس حساب سے ہر آریہ کو ہون کرنے کے لئے کم از کم ۱۲ سے ۲۴ روپے تک ماہوار خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غریب آدمی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور مشکل تو یہ ہے کہ اگر نہ کرے تو پاپ ہوتا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) - اسلام نے اپنے احکام میں بھی حکمت رکھی ہے کہ وہ انہی پر فرض کئے ہیں جو انکی استطاعت رکھتے ہوں - بس ویدک تعلیم عالمگیر الہامی نہ رہی -

(۱۰) نیک نیت اور مذہبی آریہ کو سندھیا اور پاسنا کرنا اور پانچ مہا یگیوں کا ادا کرنا

* اور موجودہ جنگ کے زمانہ میں تو گھی کا بھاؤ ایک چھٹانک فی روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس حساب سے ۹۶ روپیہ ماہوار خرچ ہوتا ہے۔

ایسا ضروری ہے جیسا سانس پر سانس لینا ضروری ہے (ستیارتھ ۳ دفعہ ۲۰ صہ ۵۸)۔ پس جو آریہ سانس پر سانس لیتا مگر سندھیا وغیرہ بطریق مذکورہ بالا نہیں کرتا اور چار سو سال کا نہیں ہوتا۔ کیا وہ نیک آریہ ہے۔ وہ شودر ہے۔
(بقول ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۳۰) پانچ مہایگیوں (فرائض) میں سے دوسرا فرض ویدوں کو ان انگوں سمیت باقاعدہ پڑھنا۔ پڑھنا اور سندھیا اوپاسنا کرنا فرض ہے۔ چھ انگ یہ ہیں۔ (۱) سکشا علم قرأت (۲) کلپ (سنسکاروں یعنی رسوم کے متعلق ہدایات اور ہر سنسکار کے متعلق ویدوں۔ منتروں کا انتخاب) (۳) چھند و علم عروض (۴) ویاکرن (علم صرف و نحو) (۵) نرکت (علم لغت (۶) جوتش (علم ہندسہ و ہیئت) جس میں ریاضی کی تمام شاخیں یعنی حساب مساحت وغیرہ۔ علم طبقات الارض (جیالوجی) اور جغرافیہ باقی تین فرائض ہیں جو ہم بخوف طوالت نہیں لکھ سکتے جبکہ یہ لوگ عملاً آریہ ہی نہیں تو پھر ناحق تضیع اوقات ہے
(۱۱) جو بطریق مذکورہ بالا سندھیا وغیرہ نہیں کرتا۔ اور چھ سال کے اندر وید ختم نہیں کرتا۔ اس کو گھر سے نکال کر شودروں کے گھروں میں بھیجدینا چاہیئے۔ (ستیارتھ ب ۳ دفعہ ۲۷ صفحہ ۹۷)
(۱۲) بعد ازاں بوڑھے والدین اپنی خدمت کے لئے غیروں کے لڑکے گھر رکھ لیں۔ اور انہیں بیٹے تصوّر کر لیں۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱۰ صہ ۱۸۹)
غیروں کے جوان لڑکے اس بوڑھے کی جوان لڑکیوں سے کیا حسن سلوک کریں گے۔ ناظرین سمجھ لیں۔
(۱۳) ساز بجانا۔ ناچنا۔ گیت گانا۔ سُر لگانا وغیرہ وغیرہ آریوں کو ضرور سیکھنا

چاہیئے۔ (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۱۰۲ صٓ ۲۷) مگر اسی ستیارتھ ایڈیشن چہارم میں سوامی جی ب۳ دفعہ ۸۴ صٓ ۹۵ پر) بجانے ناچنے وغیرہ کو شہوانی عادات قرار دیتے ہیں۔

(۱۴) برہمنوں کے گواہ برہمن اور شودروں کے گواہ شودر اور عورتوں کی گواہ عورتیں ہی ہوا کریں۔ (ستیارتھ ب ۶۔ دفعہ ۶۳ صفحہ ۲۶۳)۔

اگر کوئی برہمن یا ویش شودروں کے محلّہ میں جا کر کسی کنیا کو ناپاک کر نکلے یا کوئی عورت شودر برہمنوں کے محلّہ میں کسی کا گلا گھونٹ جائے تو گیا اس کو رہائی دیدیں۔ کیونکہ کوئی عورت یا اس کی ذات کا گواہ میسّر نہیں آسکتا۔ خدا اس قانون والوں کو طاقت نہ دے۔

(۱۵) جو کوئی وید کو بُرا سمجھے اور اس کی مذمت کرے یا کم از کم وید کے موافق بنائی ہوئی عابد لوگوں کی تصانیف کی تحقیر کرے (یعنی ستیارتھ وغیرہ کا) اس منکر کو جلاوطن کرکے ملک اور گھر بار سے خارج کر دینا چاہیئے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۵۲ صٓ ۱۰۱)

(۱۶) جو دھرم پر قائم نہیں رہتا۔ خواہ اُستاد ہو یا مائی باپ اس کو راجہ بغیر سزا ہرگز نہ چھوڑے۔ یعنی قید و قتل وغیرہ (ستیارتھ ب۶ دفعہ ۲۷، صٓ ۲۶۹)۔

آریہ عورتوں کو ویدک نصائح اور فرائض

(۱) اے دیورنیوگی (دُوسرے خاوند) کی خدمت کرنے والی عورت اور اے بیاہے ہوئے خاوند کی فرمانبردار بیوی (یعنی دو خاوند والی عورت۔ مؤلف) تو نیک اوصاف والی ہو۔ تو گھر کے کاروبار میں عمدہ اُصول پر عمل کر اور اپنے پالے ہوئے جانوروں

کی حفاظت کر۔ اور عمدہ کمال خوبی اور علم و تربیت حاصل کر طاقتور اولاد پیدا کر۔ اور
ہمیشہ اولاد کی پرورش میں مستعد رہ۔ اے نیوگ کے ذریعہ سے دُوسرے خاوند کی خواہش
کرنیوالی تو ہمیشہ سکھ دینے والی ہو کر گھر میں ہون وغیرہ کی آگ کا استعمال اور تمام خانہ داری
کے کاروبار کو دل لگا کر بڑی احتیاط سے کر۔" (ستیارتھ پ ۴ دفعہ ۱۳۴ ص ۱۹۵)۔

تعدد ازدواج پر اعتراض کرنے والے دو خاوندوں والی بیوی پر غور کریں
حالانکہ مرد دس کو نطفہ دے سکتا ہے مگر عورت دو کا نطفہ نہیں لے سکتی۔ خلاف
فطرت و قدرت تعلیم ہے نئی دلہن کو پہلی رات کو منانے کی ہدایت کی گئی ہے۔
کسقدر شرمناک تعلیم ہے۔

(۲) استقرار حمل کی کاروائی کا وقت ایک پہر رات گذرنے کے بعد ایک پہر رہنے
تک ہے۔ جب منی کے رحم میں گرنے کا وقت آئے۔ تب دونوں بے حرکت۔ نہایت خوش
دل۔ منہ کے ساتھ منہ۔ ناک کے سامنے ناک وغیرہ تمام جسم سیدھا رکھیں۔ مرد منی ڈالنے
کا کام کرے۔ جب منی عورت کے جسم میں داخل ہو اُسوقت وہ اپنی مقعد اور جائے مخصوص
کو اُوپر کھینچے اور منی کو کھینچکر عورت رحم میں قائم کرے۔ (سنسکار ودھی مصنفہ
دیانند ص ۴۲ ستیارتھ باب ۴ ص ۱۶۰ دفعہ ۴۳)۔

کروڑوں مخلوقات اس آسن سے بے خبر ہے۔ مگر اولاد خدا کے فضل سے
اس آسن پر عمل کرنے والوں سے کہیں زیادہ مضبوط پیدا ہوتی رہتی ہے۔

(۳) جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتمارام ص ۳۵۵ میں لکھا ہے کہ دُوسرے دن
سوامی دیانند جی نے مورتی پوجا کے کھنڈن (تردید بت پرستی) پر لیکچر دیا اور مندروں
میں عورتوں کے جانے اور وہاں کی دُردشا (بُری حالت) کا برن فرمایا۔ اور فرمایا کہ

سال میں ایک ہی بار اپنے پتی (خاوند) کے پاس جاوے۔ یعنی دبیچار (زنانہ کرے) کسی شخص نے مکان کی چھت سے دریافت کیا کہ جس عورت کا بینی طلوالفن (کنجری) کے پاس جاوے۔ اسکی عورت کیا کرے۔ انہوں نے کہا۔ اسکی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھلے۔ یہ تعلیم کسقدر ناقابلِ عمل۔ اخلاق سوز اور بے حیائی پیدا کرنے والی ہے۔

(۴) اے بیوہ عورت اپنے اس مرے ہوئے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیور یعنی دوسرے خاوند کو قبول کر۔ اس کیساتھ رہ کر اولاد پیدا کر وہ اولاد جو اس طرح پیدا ہوگی تیرے اصلی خاوند کی ہوگی (ستیارتھ ۴ دفعہ ۱۲۳ ص ۱۹۵) کیونکہ دوسرے خاوند سے نکاح تو نہ ہوگا۔ بغیر نکاح کے ہی اولاد پیدا شدہ مردہ خاوند کی ہوگی۔ جائز ناجائز کا سوال نہیں۔ اولاد کے حصول کی غرض مدِ نظر ہے۔

(۵) پُرش کا لنگ استری کی یونی میں گھسنے پر خصوصیت سے نطفہ چھوڑتا ہے۔ مگر پیشاب اس سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ وہ نطفہ جھلی سے ڈھکا حمل کی شکل ہو کر پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہونے پر اس ڈھکن کو چھوڑ دیتا ہے اور بیرونی ہوا جو جھلی کو چھوڑتا ہے وہی تسم قسم کی زندگی کے اسباب کی موجودگی یعنی روح کے متعلق دہن اور اس رس کی برابر نائش رہنت پر تیکش وغیرہ گیان کے اسباب آنکھ وغیرہ اعضاؤں کو ملتا ہے یعنی انکو ترقی دیتا ہے۔ مطلب مرد کا اعضائے تناسل عورت کے اندام نہانی سے ملنے پر نطفہ کو پیشاب سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ (یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۷۶ صفحہ ۳۸۸)

(۶) عورت مرد حمل رکھنے کیوقت بالمقابل اور پریم میں چور ہو۔ منہ کے مقابل منہ۔ آنکھ کے سامنے آنکھ۔ دھیان کے سامنے دھیان۔ جسم کے سامنے جسم کا انتظار کر۔

حمل قائم کریں جس سے بدشکل یا ٹیڑھے عضووں والی اولاد پیدا نہ ہو۔ دکو کا پنڈت کے بھی کان کترے ہے ہیں اور تناسخ کو باطل ٹھہرا رہے ہیں۔

(یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۸۸ صفحہ ۳۹۳)

(۷) اُے منشو! جیسے بیل گایوں کو گابھن کرکے نسل بڑھاتا ہے ویسی ہی گرہستی لوگ استریوں کو حمل رکھا کر پرجا بڑھاویں (یجروید بھاشی حصہ سوم ادھیائے ۲۸ منتر ۳۲ صفحہ ۹) (کیا لطیف مشابہت اور طرز بیان ہے) بیل گائے ماں بہن کا امتیاز نہیں رکھتا صرف نسل بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔

(۸) نیوگ شہوت مٹانے کا آلہ ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

مرد عورت کے رنڈوے یا بیوہ ہونے سے یا قطع نسل سے بچنے کا علاج دیانند جی مہاراج یوں فرماتے ہیں۔

کہ اگر خاندان کے سلسلے کو جاری رکھنے کیلئے کسی اچھی ذات کا لڑکا گود لے لینگے اس سے خاندان چلیگا اور زنا کاری بھی نہ ہوگی۔ اور اگر برہمچریہ نہ رکھ سکیں تو نیوگ کرکے اولاد پیدا کریں۔ (ستیارتھ باب چہارم دفعہ ۱۰ صفحہ ۱۸۹)

(۹) زنا اور نیوگ کا طریق اور قواعد یکساں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے حوالے:۔

بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ خاوند کے گھر جاتی ہے اور اس کا باپ سے زیادہ تعلق نہیں رہتا۔ مگر نیوگ کی صورت میں عورت اسی بیاہے خاوند کے گھر میں رہتی ہے۔ (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۱۱ صفحہ ۱۸۹)۔ (یہی زنا میں ہوتا ہے)۔ اور سُنو۔

(۱۰) اس بیاہی عورت کے لڑکے اسی بیاہے خاوند کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نیوگتا عورت

(جس نے نیوگ کیا ہو) کے لڑکے وِیرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں (درانحالیکہ عورت نے نیوگ اپنی اولاد کیلئے کیا ہو) نہ اس کا گوتر ہوتا ہے اور نہ اس کا اختیار ان لڑکوں پر ہوتا ہے بلکہ وے متوفی خاوند کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اسی کا گوتر ذات ہوتا اور اسی کی جائیداد کے وارث ہو کر اسی گھر میں رہتے ہیں۔ (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۱۹ صفحہ ۱۸۹)۔ زنا میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر کسی کی بیوی سے کسی کا ناجائز تعلق ہو تو اس عورت کی اولاد اپنے خاوند کی اولاد سمجھی جاتی ہے اور اسی کی وارث ہوتی ہے۔ حالانکہ قانوناً اور اخلاقاً جس کا نطفہ ہو۔ اسی کی گوتر اور وراثت ہوتا ہے۔ مگر مخفی یارانہ کیونکہ ہے جونکہ ظاہر نہیں ہوتا اس لئے ایسا واقع ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا کے کسی خطہ کا قانون ابھی تک اس قسم کے کرایہ کے نطفہ کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو ناجائز اور حرام کی ولادت قرار دیتا ہے۔

اس تعلیم کی رُو سے تمام آریوں کی ولادت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ابھی اور سُنو:۔

(۱۱) "بیاہی عورت مرد کو باہم خدمت اور پرورش کرنی لازم ہے۔ مگر نیوگ شدہ عورت کا اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔" (ستیارتھ ب۴ دفعہ الاجواب ۳ صفحہ ۱۱۹)۔

(۱۲) "بیاہی عورت مرد کا تعلق دونوں کی موت تک رہتا ہے مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاربہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے۔" ان دونوں حوالوں نے تو معاملہ بالکل صاف کر دیا۔ (ستیارتھ ب۴ دفعہ ۱۱ جواب ۲ صفحہ ۱۸۹)

(۱۳) بیاہی عورت مرد باہم گھر کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ کوشش کرتے اور نیوگ شدہ عورت مرد اپنے اپنے گھر کے کام کرتے ہیں (ستیارتھ ب۴ [illegible] ۱۱ اجواب ۵ صفحہ ۱۹۰)۔

زناکاری میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کام کیا اور الگ ہو [illegible] بھی ہی جس طرح

زانی زانیہ کے پاس حق محبت ادا کر کے اپنی حاجت روائی کرتے اور پھر الگ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کو کوئی حق نہیں رہتا کہ اس کو چھو بھی جائے۔ اسی طرح نیوگ میں بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی سے دل پھنس جائے تو پھر کوئی ہدایت نامہ کارگر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بے اختیار ہے۔ پس ایسی بے تعلقی کی حالت میں صرف کارگذاری تک نیوگ کو محدود رکھنا اور پھر اس کو کسی قسم کے بیاہ سے موسوم کرنا عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اگر ایسی بے تعلقی میں مجامعت کا نام بیاہ ہے تو ایسے بیاہ تو روزانہ چار چار آنہ میں ہو رہے ہیں۔ کوئی نئی اور اعلیٰ بات تو اس میں نہیں۔ بلکہ ان چار چار آنہ والیوں کی تو گورنمنٹ بھی بوقت ضرورت دادرسی کرتی ہے۔ اور حق تلفی ہونے پر انکی فریاد کو سنتی ہے مگر نیوگ کے متعلق تو گورنمنٹ نے بھی خلاف فیصلہ دے کر زناکاری قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو فیصلہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پشاور۔ سناتن دھرم گزٹ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء)۔

(۱۲) نیوگ بیوہ کے لئے نہیں بلکہ خاوند یا عورت کی موجودگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ سنیئے فرماتا ہے:۔

"نیوگ جیتے جی بھی ہوتا ہے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنیوالی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے تو اولاد نہ ہو سکیگی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرلے۔"

"لیکن اب بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنسکر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند

کو اجازت دے کہ اے مالک! آپ اولاد کی اُمید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجئے۔" (ستیارتھ پرکاش دفعہ ۱۳۸ ص ۱۹۸)۔

اِس حوالہ میں الفاظ نیک بخت اور عالی حوصلہ قابلِ غور ہیں۔ اس سے بڑھکر اور نیک بختی کیا ہوگی کہ خود ہی اپنی بیوی کو زنا کی تحریک کر کے اپنے لئے راستہ کھول رہا ہے۔ پھر اس سے بڑھکر عالی حوصلگی کیا ہوگی کہ اپنی غیرت عزت کو خیرباد کہہ کر اپنے ننگ و ناموس اور اپنی محبوبہ کو دوسرے اگنی مُشٹنڈے کے سپرد کر رہا ہے۔ یہ بلینظر عالی حوصلگی قابل آفرین ہے۔ خاوند کی موجودگی میں دوسرے کی بغل میں جاکر سونا اور خاص کاریہ کرانا مذکورہ بالا زنا کے قواعد کے ماتحت آتا نہیں تو اور کیا ہے؟ ادم شیم! عورت کا نیوگ تلاش کرنا بھی نرالا قانون ہے۔

(۱۵) بغیر اولاد کی ضرورت اور خواہش کے صرف شہوت رانی کیلئے نیوگ جب ثابت ہو۔ اور وہ بھی خاوند کی موجودگی اور اسکے نکاح کی حالت میں۔ تو سوائے زنا کے اور کیا نام رکھا جا سکتا ہے۔ سنئیے:۔

"اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو عورت آٹھ برس۔ اور اگر علم اور نیک نامی کیلئے تو چھ برس۔ اور دولت وغیرہ کیلئے تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد کرے۔ جب شادی شدہ خاوند آوے تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جاوے۔" (ستیارتھ پرکاش دفعہ ۱۴۲ ص ۱۹۸)۔

اِس حوالہ نے تو پردہ ہی اُٹھا دیا۔ مزید تشریح کا محتاج نہیں صرف اس قدر جتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ۱۲ حوالہ میں سوامی جی نے فرمایا تھا کہ کاریہ یعنی مجامعت کرنیکے بعد تعلق نہیں رہتا مگر اس میں بتایا گیا ہے کہ جبتک خاوند باہر سے

واپس نہ آئے۔ تب تک نیوگی ورنیوگن تعلق قائم رکھیں۔ اس کے واپس آنے پر قطع تعلق کرلیں۔ عجیب فراخدلی اور عالی حوصلگی ہے۔

(۱۶) سب سے زبردست پرمان یعنی حکم سوامی جی کا جو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نیوگ ناجائز طور پر شہوت رانی کا زبردست آلہ ہے۔ لیجئے سنئیے اور سنائیے فرماتے ہیں:۔

سوال "جب ایک بیاہ ہوگا۔ ایک مرد کیلئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک مرد رہیگا۔ اس عرصہ میں عورت حاملہ۔ دائم المریض یا مرد دائم المریض ہوجائے! اور دونوں کا عالم شباب ہو اور رہا نہ جائے تو پھر کیا کریں؟

جواب:۔ اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے۔ تو کسی سے نیوگ کرکے اس کے لئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زناکاری نہ کریں"۔

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۴۶ صفحہ ۲۰۰)

"رہا نہ جائے" کا جملہ قابل غور ہے۔ سوامی جی کا بطور ٹیپ کے مصرعہ کے ہر حکم نیوگ کے آخر میں یہ لکھ دینا کہ "نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے"۔ صرف نیوگ کی قباحت اور گندگی کا چھپانا مقصود ہے ورنہ اسی حوالہ میں ہی دیکھ لیں کہ جب اس کی عورت حاملہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کیلئے کوئی نونہال جنے گی۔ پھر اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ "وہی رہا نہ جائے" والا مسئلہ ہی حل کرنا مقصود ہے! اور یہی زنا اور شہوت رانی ہے جو ثابت ہے۔ اب کہاں ہیں وہ جو اسلام کے پاک مسئلہ تعدد ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں۔ تعدد ازدواج

ہیں قدرتاً اور فطرتاً ایک آدمی کئی عورتوں سے کئی لڑکے پیدا کر سکتا ہے مگر ایک عورت کئی مردوں سے سوائے شہوت مٹانے کے اور کچھ نہیں حاصل کر سکتی۔ اگر مختلف اوقات میں نیوگ کے بہانہ دس مردوں کے پاس گئی اور بدقسمتی سے کسی کا نطفہ ٹھہر گیا تو وہ مشترکہ اور معجون مرکب بچہ ہوگا جس کا والی وارث وہی ہو سکتا ہے۔ جو اسی طرح پیدا ہوا ہو!۔

ویدک تہذیب کے نمونے

بعض دفعہ بعض بدزبان آریہ سماجی احمدی مناظرین کے سامنے بے سروپا روایات اور تفاسیر کے حوالے پڑھ دیتے ہیں مگر جب انکو کہا جاتا ہے کہ یہ تحریرات جماعت احمدیہ کے مسلمات میں سے نہیں ہیں لہذا حجت نہیں تو آریہ سماجی جواب دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر ہماری طرف سے تو نہیں ہے۔ خود تمہارے ہی "مسلمان بھائیوں" کی تحریر کردہ ہے۔ اس کے جواب میں وید کی مندرجہ ذیل تفسیر پڑھی جا سکتی ہے جو پنڈت مہیدھر فاضل وید نے آج سے سینکڑوں سال قبل کی ہے جس طرح آریہ اس تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح احمدیوں کے مقابلہ میں غلط اور بے بنیاد روایات اور تفاسیر بھی حجت نہیں ہو سکتیں۔ خادم

(۱) "مہیشی (زن یجمان) رو بروئے جملہ مہتمان یگیہ نزد اسپ افتادہ مے گوید۔ لے اسپ! من در رحم خود نطفہ تو کز د حمل قرار مے باید میگیرم۔ تو ہم آں نطفہ را در رحم من بیند از۔" (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹ بحوالہ رگوید آدی بھاش بھومکا مصنفہ پنڈت دیانند سرسوتی مترجم اردو نہال سنگھ

کرنالوی صفحہ ۱۸۷ و بھومکا اصل ہندی صفحہ ۳۴۵)

(۲) کاربرداران یگیہ زنان و دوشیزگان با انگشت ہائے خود شکل اندام نہانی ساختہ بطریق تمسخر میگویند کہ بوقت زود گامے زنان آواز ہلہلا مے خیزد۔ وقتیکہ عضوِ مرد مثل گنجشک در اندام زن می رود۔ زن آنرا در جسم خود فرو مے خورد و انزال میکند و دراں وقت آوازِ گلگلا مے خیزد و دوشیزگان با انگشت ہائے خود صورتِ عضوِ مرد نمایند و میگویند کہ رو زن حشفہ بارو تو مشابہت دارد" (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۲۲ رگوید آدی بھاش بھومکا مترجم اردو صہ ۱۸۹ و ہندی صہ ۳۵۱)

(۳) "اندام زن را دست کشیدہ فراخ بکند تا کہ آں کشادہ شود" (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۳۶ بھومکا اُردو صفحہ ۱۹۰)

قدامتِ رُوح و مادہ

آریوں کے دلائل کی تردید

دلیل اوّل۔ خدا قدیم سے ہے اور اسکی صفات بھی قدیم سے ہیں اور منجملہ اسکی صفات کے مالک کی صفت بھی ہے اور مالک بغیر مملوک کے نہیں پایا جاتا۔ پس ساتھ اس کا کوئی مملوک قدیم سے ہونا ضروری ہے اور وہ رُوح و مادہ ہے۔

جواب۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ قدیم سے مالک اور خالق ہے مگر مملوک کو روح و مادہ میں مقید کرنا کونسی عقل ہے۔ ہم بھی قدامت نوعی کے قائل ہیں نہ قدامت شخصی کے یعنی مخلوق کی انواع سے کوئی نہ کوئی قدیم سے چلی آتی ہے اور خدا تعالےٰ کی

تمام صفات کا تعطل ایک وقت میں ہم نہیں مانتے۔ یہ دلیل آریوں کی بعینہٖ عیسائیوں
کی اس دلیل جیسی ہے جو وہ تثلیث کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں کہ وجود معلولات متعددہ
علل متعددہ کو چاہتا ہے پس علل کی کثرت ماننی پڑتی ہے پس تثلیث ثابت (زیادہ
علل کیوں نہیں صرف تین کیوں ہیں) اسی طرح آریہ لوگ بھی خدا کی صفت "مالک"
ثابت کرنے کے لئے رُوح و مادہ کو پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں… کہ
رُوح و مادہ کے بغیر اور بھی اشیاء ہو سکتی ہیں۔

دلیل دوم۔ ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علت مادی ضرور
ہوتی ہے۔ پس رُوح اور مادہ کی علت کیا ہے؟

جواب ۱۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر چیز کی صنع کیلئے آلات ضروری ہیں مگر
تم خود پرمیشور کو آلات کے بغیر کام کرنے والا مانتے ہو۔ (دیکھو رگوید
آدی بھوش بھومکا صفحہ ۶ و ۹)۔

جواب ۲۔ علت مادی مرکبات کی ہوتی ہے کیونکہ مرکب وہ ہے جو دوسے
بنے۔ پس وہ دونوں اسکی علت ہونگے۔ مگر مفرد تو کسی سے بنا نہیں۔ اس لئے
مرکبات کے قاعدہ کو اس پر چسپاں کرنا بالکل فضول ہے۔

دلیل سوم۔ نیست سے ہست اسلئے نہیں ہو سکتا کہ نیستی کے معنی
ہیں کچھ بھی نہیں! اور جو نہ ہو اس سے ہو جائے۔ یہ محض ہنسی ہے۔

جواب (۱) ہمارا یہ کہنا کہ صندوق لکڑی سے بنا ہے اور یہ کہنا کہ مادہ خدا کی
قدرت سے بنا ہے۔ دونوں میں صرف یہی فرق ہے کہ پہلے میں علت مادی
مراد ہے اور دوسرے میں علت فاعلی۔ (رگوید بھاشی بھومکا صفحہ ۸)

خدا کے لئے سب ہست ہے۔ نیست اور ہست تو ہم انسان اپنی
نسبت سے بولتے ہیں۔ اس کی علت فاعلی سب کچھ کر دکھاتی ہے۔

اس دلیل کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن مجید کی آیت کُنْ فَیَکُوْن پر اعتراض کہ کُنْ کس کو کہا؟

جواب ا۔ زید کا نقشہ پرمیشور کو معلوم تھا۔ یا نہ۔ اگر معلوم تھا تو کس کا نقشہ معلوم تھا۔ نیز یہ محاورہ ہے۔

جواب ۲۔ انسان جب اپنے ذہن میں کوئی نقشہ کھینچتا ہے۔ مثلاً کسی مکان بنانے کا نقشہ۔ تو بنانے کے وقت اسباب وآلات کی تلاش و پڑتال میں لگ جاتا ہے۔ اور اسے خارجی وجود میں لاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ خود آلہ ہے اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ صرف امر کُنْ سے بنا دیتا ہے۔

دلیل چہارم۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر خلق مادہ سے ہوتی ہے۔

جواب۔ موجودہ قانون یا مشاہدہ دلیل نہیں۔ کیونکہ :۔

(ا) جس طرح اب ہر چیز مادہ سے بنتی ہے اور پہلے لازماً عدم سے وجود میں آئی تھی۔ اسی طرح اب انسان مرد اور عورت سے پیدا ہوتے ہیں مگر پہلے بلا باپ ماں کیونکہ ابتدا ماننی لازم ہے۔ (ستیارتھ ب ۸ دفعہ ۴۲ صفحہ ۲۳۶)۔

دیکھو خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (یعنی ہر شے عدم سے وجود میں آتی ہے مگر بعد میں ایک اندازہ سے آتی ہے)

(ب) الہام اب نہیں ہوتا۔ ہاں ابتدا میں ہوا بقول تمہارے۔ اسی طرح خلق کو قیاس کر لو۔

(ج) ہمارے مشاہدہ میں پرلے نہیں۔

(د) ہمارے مشاہدہ میں مادہ اصل حالت میں نہیں (صدا دیباچہ ستیارتھ پرکاش)
آریہ لوگ ابتدا میں مخلوق کا پیدا ہونا اسی طرح مانتے ہیں کہ کھیتوں کی طرح اگ پڑے تھے۔ پس اگر یہ ایسا ہی ہوا تھا تو اس کی نظیر دو۔ ورنہ شرماؤ۔

عقلی دلائل حدوثِ روح و مادہ پر

دلیل اوّل۔ وہ قادر مطلق ہے۔ سرب شکتیمان ہے۔ پس چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے ہر کام وہ کر سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

اعتراض۔ خدا اپنے جیسا خدا نہیں بنا سکتا۔ نہ وہ مر سکتا ہے۔

جواب ۱۔ تمام صفات مساوی ہیں۔ یہاں اسلئے قادر مطلق نہیں کہ اور صفات کٹتی ہیں۔ کیونکہ اسکی صفات میں سے حیّ ہونا اور واحد ہونا ہے۔ اگر وہ مثل بنائے تو واحد نہیں رہتا۔ اپنے آپ کو مار دے تو حیّ نہیں رہتا۔ مگر مادہ اور روح میں کونسی صفت کٹتی ہے؟۔

جواب ۲۔ کوئی معیار پیش کرو۔ ورنہ قادر مطلق نہ مانو۔ ہاں انسان سے زیادہ قادر مانو۔ اسی طرح انسان بمقابلہ حیوان کے اور ایک ڈاکٹر بمقابلہ کمپونڈر قادر مطلق ہے۔

دلیل ۲۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعد ع۲)

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے کیونکہ اگر وہ بعض چیزوں کا خالق نہ ہو۔ تو واحد نہ ہوگا۔ یعنی واحد فی الصفات (۲) اگر وہ ہر چیز کا خالق نہیں تو وہ ان اشیاء پر غلبہ جائز طور پر پانے کا مستحق نہیں۔ اسی کی تائید کرتی ہے یہ آیت۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً۔ (انعام رکوع ۲)۔

اعتراض ۔ انسان بھی اکثر اشیاء کا مالک ہے اور اسے غلبہ حاصل ہے ۔ بدوں خلق کے ۔ (ج ۱) خدا کی اجازت سے ۔ (ج ۲) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ اسکی ملک اور انسان کی ملک میں فرق ہونا چاہیئے ۔

اعتراض ۔ ہم بھی موجود ہیں ۔ خدا بھی موجود ہے ۔ ہم بھی ابدی ہیں ۔ خدا بھی ابدی ہے ۔ تو توحید فی الصفات کیسے ہوئی ۔ بلکہ اشتراک ثابت ہوا ۔

جواب ۔ ہم اس کے قائم رکھنے سے موجود ہوئے ۔ وہ خود قدیم ہے ۔ مگر روح و مادہ کا وجود خود ہے ۔

دلیل یہ ہے کہ خدا چاہے تو قائم نہ رکھے یا ابدی نہ بنائے ۔ مگر روح کو مٹا نہیں سکتا ۔ (دیکھو ھُود رکوع ۹)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ حَيّ پر اعتراض تھا مگر قَيُّوْم نے دور کر دیا ۔

دلیل سوم ۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۔ یعنی ہر چیز سوائے باری تعالےٰ کے مخلوق ہے ۔ کیونکہ محدود ہے ۔ اور محدود کا محدّد چاہیئے ۔ اور روح اور مادہ بھی محدود ہیں ۔ (دیکھو ستیارتھ ۸ دفعہ ۱۰ صفحہ ۳۱۵) ۔

دلیل چہارم ۔ اگر روح پیدا نہیں ہو سکتی ۔ تو لازماً خدا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجے گا ۔ اور یہ ظلم ہے ۔ دیانند کو دقت پیش آئی ۔ تو وہ مُکتی کو قید سے تعبیر کرنے لگا ۔

دلیل پنجم ۔ روح و مادہ کو اور انکے خواص کو قدیم ماننے سے ذاتِ باری پر دلیل قائم نہیں رہتی ۔ کیونکہ جب بڑا کام خود ہوا ۔ تو چھوٹا کام کیوں نہ خود ہوا ؟ ۔

دلیل ۶۔ صفات کی فنا ذات کی فنا ہے۔ اس لئے آریوں کے نزدیک جس طرح روح کی ذات مخلوق نہیں۔ اسی طرح صفات بھی مخلوق نہیں۔
پس اگر ثابت ہو کہ صفات میں تغیر ہے تو ذات میں بھی تغیر ماننا پڑیگا۔ اور ہر متغیر قائم بالذات ہے۔ صفات کا تغیر دیکھو۔ نیک سے بد۔ بد سے نیک۔ جاہل سے عالم۔ عالم سے جاہل۔
دلیل ۷۔ خدا ظرف ہے۔ روح مظروف ہے۔ ظرف پہلے ہونا چاہیئے۔
دلیل ۸۔ روح و مادہ محتاج الغیر ہیں یا نہیں؟ اگر محتاج ہیں تو قدیم نہ ہوئے اگر محتاج نہیں تو پھر ماتحت نہیں ہو سکتے۔
دلیل ۹۔ تین چیزیں ازلی ہیں۔ ستیارتھ ص ۲۴۰۔ پھر پانچ ازلی ستیارتھ ص ۲۴۸ دلیل کر اکاش ازلی ہے ص ۲۴۱ و ص ۲۵۳ ستیارتھ۔ اکاش مخلوق ہے۔ بھومکا ص ۶۔ پھر زمانہ فانی ہے۔ ص ۲۱ ستیارتھ۔ اور اکاش فانی ہے۔ ص ۲۵۳ ستیارتھ۔ سب سے پہلے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ ص ۵۱۵ ستیارتھ۔
زمانہ جس طرح دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ بغیر علت مادی کے۔ اسی طرح مادہ بھی بغیر علت مادی کے پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھو حوالجات رگوید بھومکا صفحہ ۵۳ و ۷۳ و ۷۰ و ۷۸۔
دلیل ۱۰۔ اگر وہ خلق نہیں کر سکتا۔ تو وہ عالم نہیں۔ اگر وہ عالم ہے۔ تو خالق بھی ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (یٰس ع آخری)
پس جبکہ کامل علم خالق ہونے کا مقتضی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا خالق نہ ہونا اس کے نقص علم پر دلیل ہے۔

دلیل ۱۱۔ (۱) ستیارتھ ص۲۷۵ جیو اور پرکرتی کے صفات اور فعل اور عادات ازلی ہیں۔ (۲) خدا تو ہر کب کو بھی بدل نہیں سکتا۔ ستیارتھ ص۲۸۱۔ (۳) جو قدرتی اصول ہیں۔ مثلاً آگ گرم۔ پانی ٹھنڈا وغیرہ۔ اسکی طبعی صفات کو پرمیشور بھی نہیں بدل سکتا۔ ستیارتھ ص۲۸۱۔

جہاں جیو اور پرکرتی کے صفات دئے گئے ہیں۔ وہاں مادہ سے تعلق پیدا کرنے کا حق نہیں۔ یا طریق تعلق پیدا کرنے کا بتاؤ۔

دلیل ۱۲ ستیارتھ۔ جس مادہ سے روح بنائی جاوے وہ آخر ختم ہو جائے گا۔

دلیل ۱۳۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ہُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ۔ یعنی منکرین حدوثِ روح و مادہ کہتے ہیں کہ روحیں پیدا نہیں ہوئیں۔ (۱) کیا وہ بغیر علل کے خود بخود ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے جو محال ہے (۲) دوسری شق یہ ہو سکتی تھی کہ خود علت ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہو تو اس سے تقدم الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے جو محال ہے (۳) جو علت العلل ہوں اور آسمانوں اور زمینوں کے مالک ہوں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے جو محال ہے۔ علاوہ ازیں خالق مخلوق کا محتاج نہیں مگر ہم زمین اور آسمان کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہماری مخلوق ہوتے تو ہم ان کے محتاج نہ ہوتے۔

دلیل ۱۴۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ آریہ لوگ جو حدوثِ روح و مادہ کے منکر ہیں کسی زمانہ میں سوال کرینگے کہ روح کیا چیز ہے۔ آیا حادث ہے یا قدیم ہے۔ جواب

ہیں کہدے کہ یہ میرے رب کی مخلوق ہیں سے ہے۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ہ

دلیل اس کا (روح کا) علم ناقص ہے۔ اگر قدیم سے ہوتی تو علم کامل ہوتا۔ جیسے خدا کا علم کامل ہے۔

پس ان دلائل سے حدوث ثابت ہوا۔ آریوں کے اعتراضات بالکل کچے ہوتے ہیں جیسے دہریوں کے ہوتے ہیں۔ دہریہ بھی کہا کرتے ہیں کہ خدا اگر ہے تو بتلاؤ وہ کیا چیز ہے۔ یہی سوال ایک دفعہ ایک کمہار لڑکے نے کیا جسکے جواب میں کہا گیا کہ خدا چیز نہیں کیونکہ چیزوں کو تو وہ پیدا کرتا ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ تم سے پوچھا جاوے کہ تمہارا باپ کونسا برتن ہے۔ تو تم کہو گے کہ برتن تو میرا باپ بنایا کرتا ہے۔ وہ برتن نہیں۔ اسی طرح خدا بھی خالق اشیاء ہے۔

دلیل ۱۵۔ ارواح و مادہ صاحب علم و ارادہ نہیں۔ اگر صاحب علم و ارادہ ہیں تو پھر کیوں وہ آپس میں نہیں مل جاتے۔ اور صاحب علم و ارادہ کے بغیر کوئی خلق نہیں ہو سکتی۔ پس روح و مادہ مخلوق ہیں نہ کہ خود بخود۔

دلیل ۱۶۔ اگر روح و مادہ مخلوق نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ خالق نہیں بلکہ صرف ایک معمار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ برخلاف مسلمات آریہ ہے۔

دلیل ۱۷۔ جب روح و مادہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں تو پھر وہ خود بخود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہونا ان کی فطرتی اور ذاتی صفت ہے، تو پھر ہم کہیں گے کہ پھر وہ کیوں اطاعت الٰہی میں تکلیف محسوس کرتی ہیں۔

دلیل ۱۸۔ رُوحوں کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت رکھنا جیسے ان کو ایک بچّہ سے ذاتی محبت ہوتی ہے کیونکہ اس سے نکلا ہُوا ہوتا ہے۔ یہی صاف دلیل ہے کہ یہ اس سے نکلا ہُوا ہے۔ اور وہ صرف مخلوق ہونے کی حالت ہے۔

دلیل ۱۹۔ رُوحوں کی اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک عالم اور فیاض ہستی کا محتاج ہونا بھی ان کے مخلوق ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

دلیل ۲۰۔ آریہ سماج کا یہ ادّعا کہ چونکہ مادہ "اجزائے لاتجزّیٰ (atoms) کا نام ہے۔ جو ناقابلِ تقسیم و تفریق ہیں۔ اسلیئے مادہ ازلی ہے۔ موجودہ عالمگیر جنگ میں سائینس نے "atom Bomb" (ایٹم بم) کی ایجاد سے باطل ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ atom جسے پہلے "لاتجزّیٰ" یعنی ناقابلِ تقسیم خیال کیا جاتا ہے۔ اب تقسیم کے قابل ہی ثابت نہیں ہُوا۔ بلکہ اسے فی الواقع تقسیم کر کے فنا کر دیا گیا ہے۔ پس جب مادہ فانی ثابت ہو گیا تو ابدی بھی نہ رہا اور معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہی مادہ کا پیدا کرنیوالا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ خادم

نقلی دلائل

ویدوں اور اپنشدوں سے حدوثِ رُوح و مادہ کے اثبات پر

(۱) اے انسانو! میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دُنیا کا مالک ہوں میں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں۔ (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۸ منتر منقول از ستیارتھ باب دفعہ ۹ صفحہ ۲۷۵)

اس سے معلوم ہُوا کہ سب سے اوّل خدا تعالیٰ تھا۔ اس نے سب کو پیدا کیا۔

وہی سب کی پیدائیش کا قدیم باعث ہے۔

(۲) جسوقت یہ ذرّوں سے مل کر دُنیا پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اُسوقت یعنی کائنات سے پہلے است یعنی شونیا اکاش (فضا) بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اُس وقت اس کا وجود نہ تھا۔ اس وقت ست (پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی۔ اور نہ پرمانو تھے۔ اور وراٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجے پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اسوقت صرف پر برہم کی سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر و بے علت ہے موجود تھی۔" (بھاشیہ بھومکا اُردو صفحہ ۷۰)

(۳) اس پرش (پرمیشور) نے (پرتھوی) یعنی زمین کے بنانے کیلئے پانی سے رس کو لے کر مٹی کو بنایا۔ اسی طرح آگ کے رس سے پانی کو پیدا کیا۔ اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاش سے اور اکاش کو پرکرتی سے اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ (بھاشیہ بھومکا اردو حصّہ پیدائش عالم کا بیان منتر ۱)۔

(۴) اس پرش (ایشور) کی غایت درجہ قدرت ہی اس دنیا کے بنانے کا مصالحہ و مواد ہے کہ جس سے یہ سب دنیا پیدا ہوئی ہے۔ سو پرمیشور سب کے چاہنے والا ہو کر اس دو قسم کی دُنیا کو مرصع و مسجّع کرتا ہے۔ وہ ایشور اس کا (دُنیا کا بنانے والا) دُنیا میں محیط ہو کر دیکھ رہا ہے۔ (بھاشیہ بھومکا ہندی صفحہ ۱۲۲۔ بحوالہ یجروید ۳۱/۴)۔

(۵) دیوتاؤں کے پہلے یگ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی (یعنی دیوتاؤں سے پیشتر زمانہ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی۔ (رگوید منڈل ۱۰)۔

(۶) پرکرتی وغیرہ اعلیٰ ولطیف کائنات اور گھاس مٹی چھوٹے کیڑے مکوڑے وغیرہ ادنیٰ مخلوقات نیز انسان کے جسم سے لیکر اکاش تک متوسط درجہ کی کائنات یہ تینوں قسم کی دنیا پرمش (پرمیشور) نے اپنی قدرت سے پیدا کیں۔ (اتھرون وید کانڈ ۱۰ انوواک ۲ منتر ۸ منقول از بھومکا)۔

(۷) اس کائنات سے پہلے صرف ایک آتما (پرمیشور) ہی تھا۔ اور کوئی دوسری (قابل تمیز) چیز نہ تھی۔ (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا صہ ۵۳ منقول از نیاک اُپنشد ادھیائے ۱۔ کھنڈ ۱۔ اصلاح وید پر بحث)۔

(۸) اس سے پہلے محیط کل پرمیشور ہی تھا (شت پتھ برہمن کانڈ ۱۱ ادھیائے رگوید صہ ۵۳)

(۹) اس سے پہلے دُنیا کچھ بھی نہ تھی۔ (ایضاً)۔

(۱۰) چونکہ وہ پرمیشور آگ یا مٹی وغیرہ کل کائنات فانی سے الگ اور جینے مرنے سے مبرا ہے۔ اسلیئے وہ بذاتہٖ غیر مولود اور سب کے پیدا کرنیوالا ہے۔ وہی (خدا) اس کائنات کو اپنی قدرت سے بناتا ہے۔ اسکی کوئی علت نہیں ہے بلکہ سب کی علت اولین علت فاعلی اسی پرمیشور کو جاننا چاہیئے۔ (رگوید بھاش بھومکا صہ ۲۷)۔

(۱۱) "اے عزیزو! پرمیشور اس دُنیا میں پیشتر موجود تھا۔ وہ اپنی ذات سے ایک اور بے عدیل تھا" اس حوالہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ سب سے اول صرف پرمیشور ہی اکیلا اور بے عدیل تھا۔ اگر رُوح و مادہ بھی اسکی طرح قدیم ہوتے تو انکا ساتھ ہی ذکر ہوتا۔ (رگوید آدی بھاش بھومکا اُردو صہ ۵۳ مترجم نہال سنگھ)۔

(۱۲) پرلے (قیامت) کے وقت یہ کائنات اسی کی قدرت میں سما جاتی ہے۔ (بھومکا اُردو صہ ۲۳)

(١٣) اور اسی کی قدرت سے پھر یہ کائنات دوبارہ پیدا ہوتی ہے۔ (ایضاً)

(١٤) یہ تمام کاروبارِ عالم اور روئے زمین تیری قدرت میں اس طرح قائم ہے جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ (چھوٹا گٹکا اُردو ص۱۸۴)

(١٥) وہی تمام دُنیا کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا۔ فنا کرنے والا۔ (ستیارتھ ص۲۶ نواں ایڈیشن)۔

(١٦) مجھ پرمیشور کو ہی ساری دُنیا کا پیدا کرنے والا سمجھو۔ (ستیارتھ پرکاش ص۲۰۴)

(١٧) وہ باسانی تمام بلا امداد غیرے تمام دنیا کو بناتا ہے تو پھر ساتھ ہی اسکو رُوح اور مادہ کا محتاج ٹھہرانا دو متضاد باتیں ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ص۲۰۴)

(١٨) اس جہان میں جو کچھ ہے اس تمام مخلوق کا بنانے والا ہوں (ستیارتھ ص۲۰۴)۔

(١٩) اس (خدا) کے دِل میں خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے اس قسم کی خلقت پیدا کرنی چاہیئے۔ تو اس نے پہلے پانی (رج) کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی میں بیج ڈالا۔ (منو ادھیائے ص۱ اشلوک ۸)۔

(٢٠) چونکہ وہ متحرک اور ساکن جہان کو زندہ اور قائم رکھتا ہے اس واسطے وہ تمام قادروں کا قادر ہے۔ (ستیارتھ ص۱۴)۔

(٢١) جو چیز ترکیب سے پیدا ہوتی ہے وہ ازلی ابدی کبھی نہیں ہوسکتی اور فعل بھی پیدائش اور فنا سے آزاد نہیں ہے۔ (ستیارتھ ب۸ دفعہ ۲۸ ص۳۲۹)۔

(٢٢) رُوح میں ترکیب و تفریق ہے۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۷ دفعہ ۵۲ صفحہ ۲۵۶ و باب ۷ دفعہ ۶۰ صفحہ ۳۰۳)۔ لہٰذا رُوح حادث ثابت ہوئی۔

رُوح و مادہ - زمانہ و خلا کے غیر حادث ہونے پر نو اعتراضات منطقی و علمی

ہم صرف صانع کو قدیم اور غیر حادث مانتے ہیں مگر آریہ لوگ صانع کے علاوہ رُوح و مادہ زمانہ و مکان یعنی خلا کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ (عقائد آریہ منتو یہ ا اناوی پدارتھ صلـــ۴۶ــ)۔

اعتراضات۔ (۱) کہ سوائے صانع کے دُوسروں کو قدیم ماننے سے صانع کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب یہ مان لیا جائے۔ کہ علاوہ صانع کے رُوح و مادہ مع اپنے خواص کے قدیم ہے تو اتصال و انفصال بھی منجملہ خواص کے ہے۔ پس ترکیب کے لئے حاجت صانع کی نہیں۔

(۲) جو چیز قدیم ہو۔ اسکی ذات ہی اسکی علت ہے۔ اور جسکی ذات اسکے وجود کی علت ہو۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وجود نقص علت حاضرہ کا مستلزم ہے۔ اور قدیم میں علتِ قاصرہ ناممکن ہے۔

(۳) یہ کہ استحقاق صانع کیلئے رُوح و مادہ پر تصرف ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ دونو اپنے وجود اور خواص میں اسکے محتاج نہیں تو یہ ان پر تصرف کیوں کریگا۔ کیونکہ استحقاق تصرف کا باعث مِلک ہے اور مِلک یا خلق سے یا ورثہ سے یا بیع سے یا ہبہ سے اور یا کسی پر غلبہ پانے سے پیدا ہوتا ہے۔ خلق کا عدم مفروض ہے اور ورثہ اور بیع اور ہبہ کی شقوق جانب واجب ہیں۔ خود ساقط ہیں۔ باقی رہ گیا غلبہ سے مالک بن جانا۔ سو اس سے لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ خدا اور انسان کا مفہوم ایک ہے جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کرکے ایک ملک چھین کر اپنی ملکیت میں کرے۔ اسی طرح خدا بھی کرتا ہے

حالانکہ انسان اسکے صفات میں قطعاً کسی طرح بھی شریک نہیں۔ پس اس طریق سے کسی چیز کو اپنی ملک میں لانا گویا انسان کے برابر خدا کو ٹھہرانا ہے اور وہ محال ہے۔

(۴) اگر ایسا ہی مان لیا جائے تو علم ذاتِ باری تعالیٰ ناقص رہیگا۔ اگر خالق کل اسے تسلیم نہ کیا جائے اسلئے کہ کسی چیز کی خلق سے وہ اسی لئے قاصر ہوگا کہ اسے اس چیز کی خلقی ترکیب معلوم نہیں۔ اور جس چیز کا وہ خالق نہیں اس کے صلاح و فساد سے بھی وہ باہر نہیں ہو سکتا۔ علی الخصوص جبکہ علم ذات باری کو نظری مانا جائے۔ پھر تو ذات باری کو ہر روح اور ذرہ مادہ کی شاگردی کرنی پڑے گی۔

(۵) اگر باعث بعض اشیاء کے عدم خلق کا عدم قدرت ہے تو قادر مطلق سرے سے شکتیمان صانع نہ رہا۔ اسپر یہ سوال کہ وہ اپنی مثل پیدا نہیں کر سکتا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مخلوق کو خالق کی مثل قرار دینا محال ہے اور صانع کا اپنے آپکو فنا کرنا۔ علاوہ انہیں اور عیوب میں مبتلا کرنا۔ قدرت نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ خلافِ قدرت ہے۔

(۶) روح اور مخلوق کے عدم مخلوق فرض کرنے سے انکو بطش شدید کرنا ظلم ہے کیونکہ جسکو استحقاق ہے ہی نہیں اسکو استحقاق بطش کیسے حاصل ہوا۔

(۷) سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ اور ما سوائے اس کے اس کی قدرت سے وجود پذیر ہوئے۔ آریوں کی مسلّمہ کتب سے ثابت ہے۔ دیکھو حوالہ "پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا" (رگوید بھاشیہ بھومکا صفحہ ۸۷ طبع سوم) (۲) منوسمرتی ادھیائے ا۔ شلوک ۸۔

(۸) زمانہ اگر مقدار فعل کا نام ہے تب زمانہ فعل کی عرض ہوا۔ اور فعل فاعل کا عرض ہوا پس زمانہ مخلوق ہوا۔ اسی طرح خلا سے مراد اگر وہ محل ہے جس میں کچھ نہیں تو موجود نہیں۔ اور اگر خلا اس محل کا نام ہو جس میں کچھ ہو۔ تو وہ حال کی عرض ہے۔ پس حال کے مخلوق ہونے سے محل مخلوق ہوا۔ اور اگر خلا محض فرض کیا جائے تو وہ وجودی چیز نہیں بلکہ عدمی ہے۔ ہماری کلام وجود میں ہے کہ سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ نہ عدم میں۔ کیونکہ عدم اصلی پر موجود کا قدیم ہے۔ الا الواجب تعالیٰ۔ کیونکہ اس کا کوئی عدم نہیں۔

(۹) قرآن شریف جو آخری الہامی کتاب ہے وہ ماسوائے اللہ مخلوق قرار دیتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ (۱) اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (سورۃ رعد ع ۲) (۲) خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (فرقان ۱) (۳) رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (طٰہٰ ع ۲) (۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق ع ۳)

ان آیات میں روح و مادہ وغیرہ سوائے اللہ تمام چیزیں آگئیں ؀

تناسخ

تناسخ کے معنی ہیں گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا۔

(۱) آریوں کی طرف سے اثباتِ تناسخ کی بڑی اور ایک ہی دلیل انسانوں میں اختلاف کا پایا جانا ہے۔ اس پر سوال مندرجہ ذیل پڑتے ہیں:۔

(۱) وید سے اس کا ثبوت دو کہ تناسخ کا مسئلہ برحق ہے اور اس کی دلیل اختلاف ہے۔

(۲) یہ دلیل دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اختلاف کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ پہلے جنم کے اعمال ہیں۔ مثلاً رات کو اگر کوئی جاتا ہو۔ تو اس کے متعلق خیال کیا جائے۔ کہ اس وقت دفاتر۔ ڈاکخانجات۔ مدارس اور شفاخانے سب بند ہیں تو یہ شخص اس وقت سوائے چوری کرنے کے اور کہیں نہیں جا رہا۔ تو جیسے یہ بیان باطل ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور ضروری کام کو جا رہا ہو۔ اسی طرح وہ خیال بھی باطل ہے کہ اختلاف دنیا کا باعث پچھلے جنم کے اعمال ہی ہیں۔

(۳) اگر اختلاف کو دلیل مانا جائے۔ تو پھر چاہیئے کہ جہاں دلیل پائی جائے وہاں دعویٰ بھی پایا جائے۔ اور جہاں اختلاف پایا جائے وہاں پچھلے جنم کے اعمال کا اسے نتیجہ مانا جائے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ خدا میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔ ست۔ چت۔ انند) اور روح میں (ست۔ چت) اور مادہ میں (ست) ہے۔ کیا ان کا اختلاف بھی پچھلے جنم کے اعمال کی وجہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ خدا ہمیشہ حاکم اور روح ہمیشہ محکوم رہتی ہے۔

دوسری مثال پھر دیکھو۔ فلکی اجرام میں کوئی سورج۔ کوئی ستارہ۔ کوئی چاند۔ کوئی سیارہ۔ کیا ان کا اختلاف بھی وہی وجہ رکھتا ہے۔ یا کوئی اور۔

تیسری مثال بعض بعض ایسی زمینیں ہیں کہ ان سے ہیرا اور لعل نکلتا ہے اور کسی سے سنگ خارا اور بعض سے کچھ بھی نہیں۔ کیا اس اختلاف کا باعث بھی یہی وجہ ہے

(۴) جونوں کی نوع میں جو اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً پھلدار درختوں۔ آم کھٹے اور میٹھے آم وغیرہ۔ پھر عرب کے گھوڑے اور ہندوستان کی گھوڑیاں کشمیر کے سیب۔ یوپی کے آم وغیرہ کیا مختلف شہروں کے آموں وغیرہ میں مختلف

واقعہ اور خوبی اسی تناسخ کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے۔ پھر پتھروں کی مختلف قسمیں بعض بہت قیمتی اور بعض بالکل ردّی پتھروں میں جونیں جاتی ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۹)

(۵) آریہ کہتے ہیں۔ کہ مکتی خانہ میں سنسکرت بولی جاتی ہے۔ بلکہ وید کنٹھ ہوتے ہیں۔ مگر جب دنیا میں آتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں۔ سوال اس پر یہ ہے کہ اگر وہاں ایسے ازبر ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہاں آکر بالکل بھول جاتے اور ایسی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں کہ کوئی حرف بھی یاد نہیں رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے۔

(۶) علم طب رائیگاں جاتا ہے کیونکہ اگر تمام امراض وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں اور لولا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ کانا ہونا کسی پچھلے جنم کے اعمال کے نتیجہ میں ہے تو ہم ان کا علاج نہیں کر سکتے۔ اگر علاج کریں تو اس میں خدا کا مقابلہ ہوگا۔ کیونکہ خدا تو انہیں سزا دینا چاہتا ہے مگر ہم اس سزا کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) آریہ لوگ تناسخ کے مسئلہ کے اس لئے قائل ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ مانیں تو وہ جانتے ہیں کہ ہمارا خدا ارواح کو پیدا تو کر سکتا نہیں پس جب روحیں محدود اور پرمیشور پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ پھر اگر وہ مکتی یافتہ لوگوں کو بار بار جونوں کے چکر میں نہ ڈالے تو دنیا کیونکر چلے۔ اس طرح تو آہستہ آہستہ تمام ارواح اسکے ہاتھ سے چلے جائینگے اور وہ خالی ہاتھ ہو بیٹھیگا۔ (ستیارتھ پرکاش ب ۹ دفعہ ۲۲ و ۲۳ صفحہ ۳۵۸)۔

(۸) مکتی خانہ سے کروڑ ہا سال کے بعد نکالا جاتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سچا ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ زمین بڑی ہونی چاہیئے تھی۔ ورنہ اتنے عرصہ کے لوگ اس پر آ ہی نہیں سکتے۔

(۹) دنیا کا کارخانہ جو انواع واقسام کا بڑے تناسب سے قائم ہے۔ اگر اسے کرموں کا نتیجہ خیال کیا جائے اور تناسخ کو برحق خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت میں تمام مرد عورتیں ہو جائیں یا تمام عورتیں مرد ہو جائیں۔ مگر ایسا ہوتا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تناسخ باطل ہے۔

(۱۰) اگر تناسخ برحق ہے تو آریوں کا یہ دعویٰ کہ پرمیشور بڑا دیالو کرپالو ہے باطل ہے کیونکہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے وہ اس کے پہلے کرموں کا نتیجہ ہے خدا اسے کچھ دے نہیں سکتا۔ مگر وہی جو اس نے پچھلے اعمال کئے۔ اور اس کا بدلہ۔ اگر وہ کرم نہ کرتے تو وہ کچھ بھی نہ دیتا۔ پس پرمیشور کا ان پر کوئی احسان نہیں۔ اور نہ ہی وہ دیالو اور کرپالو ہے۔ بلکہ مجبور ہے۔

(۱۱) تناسخ کے ماننے سے دنیا سے پیار محبت اور اخلاقِ فاضلہ اڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کے ساتھ احسان کریگا وہ یہی سمجھیگا کہ مجھے اپنے کرموں کے نتیجہ میں مل رہا ہے۔ دوسرا چاہے اپنی جان و مال۔ عزت بھی کیوں نہ قربان کر دے۔

(۱۲) تناسخ کے ماننے سے لازم آئیگا کہ پرمیشور بہت ہی کمزور اور چھوٹی موٹی حکومت کے قابل بھی نہیں۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ داروغہ جیل خانہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس کے قیدی کوئی بلا تحاشہ آزاد کرتا چلا جائے۔ اور وہ داروغہ جیل چوں تک بھی نہ کرے۔ مگر برعکس اس کے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں قیدی چھریوں اور بندوقوں کے ذریعہ مسلمان عیسائی اور ہنود آزاد کرتے جاتے ہیں اور کوئی انکو روکتا تک نہیں پس ایک روح ذبح کرنیوالے لوگ اور بھیڑئیے۔ شیر اور چیتے وغیرہ تمام ان جانوروں پر جن کو وہ کھاتے ہیں۔

اور اُن کی رُوحوں کو آزاد کرتے ہیں۔ اُن پر احسان کرتے ہیں۔ اور مسلمان تو بہت ہی احسان کرتے ہیں۔

(۱۳) منوسمرتی ادھیائے ۱۲ شلوک ۵۵ میں لکھا ہے کہ برہمن کو قتل کرنے کے نتیجہ میں سُور۔ کُتّا۔ گائے۔ بکرا۔ اُونٹ۔ بھیڑیا وغیرہ جُونوں میں قاتل کو جانا پڑتا ہے۔ اسپر سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ برہمن کو قتل کرکے ایک تو سُور بن جائے دُوسرا کُتّا اور تیسرا بھیڑیا وغیرہ۔ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ صورت اول یہ ہے کہ اختلاف جون اسلئے ہے کہ نوعیت قتل میں فرق ہے۔ اگر برہمن کو ننگا کرکے مارا جائے تو سُور۔ اور اگر کپڑے سمیت مارا جائے تو بکرا۔ اور اگر جُوتے سے مارا جائے تو گائے۔ اور اگر اُلٹا کرکے یا درخت پر لٹکا کر مارا جائے تو بھیڑیا اور اُونٹ۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ برہمنوں میں فرق ہے۔ اگر تو کسی برہمن بچہ کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ اور اگر جوان برہمن کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ اور اگر بُوڑھے کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ تو یا یہ اختلاف نوعیت قتل کی وجہ سے ہوگا یا نوعیت مقتول کی وجہ سے ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نوعیتِ قتل میں فرق ہے۔ قتل کرنے والا بچہ۔ جوان یا بوڑھا ہو یا نوعیت مقتول میں کہ عورت کو مارے یا مرد کو۔ غرضیکہ اس اختلاف کی وجہ بتائیں۔ کیا ہے۔

(نیز ستیارتھ ۹ دفعہ ۴۷ ص ۳۷۶)

(۱۴) ہم کہتے ہیں کہ جب ایشور نے ایک انسان کو اس کے اعمال کی وجہ سے سُور بنایا۔ تو سُور کے لئے ضروری ہے کہ وہ گوشت کھائے تو معلوم ہوا کہ تناسخ کے ماننے سے گوشت خوری اور جیو ہتیا ماننی پڑتی ہے۔

(۱۵) اگر مختلف جُونوں میں جانا بطور سزا و جزا ہے اور سزا اصلاح کے لئے دی جاتی ہے۔ تو پھر سزا و جزا یافتہ رُوح کو علم ہو جانا چاہیئے کہ مجھ کو فلاں عمل کی وجہ سے سزا جزا مل رہی ہے تاکہ وہ آئندہ کو اس گناہ سے بچے۔ ورنہ یہ اندھیر نگری والا حال ہو گا۔ کیا کوئی آریہ بتا سکتا ہے کہ وہ اندھا یا کانا یا لنگڑا کس جُرم کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔ یا اس کی والدہ یا بیوی کس عمل کی سزا میں عورت بنائی گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۱۶) مَیں خود ہی (خدا) یہ کہتا ہوں۔ جو دیوتاؤں اور انسانوں کا پیارا ہوں کہ مَیں جس کے لئے چاہتا ہوں۔ اُس کو بُرا بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اسے برہما بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں۔ رشی بناتا ہوں اور جس کیلئے چاہتا ہوں اسے عقلمند بناتا ہوں۔ (اتھرو وید) اس حوالے سے تناسخ باطل ہو گیا کیونکہ پرمیشور کے اختیار میں ہو گیا۔ اعمال کی ضرورت نہ رہی۔

(۱۷) جب اختلاف دنیا کی وجہ یہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جواب۔ قرآن شریف فرماتا ہے:۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ یعنی ہم نے اختلاف دُنیا کا اس لئے رکھا ہے تاکہ انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ اگر تمام ایک جیسے ہوں۔ تو کبھی کا یہ سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۸) اگر دُنیا کا تمام سلسلہ گناہوں کے سلسلہ پر چل رہا ہے تو پھر پرمیشور سرب شکتیمان کہاں رہا۔ سب کچھ ہمارے گناہوں کی طفیل ہو رہا ہے پرمیشور کی کیا ضرورت ہے

(۱۹) ایشور۔ رُوح۔ مادہ تین کیوں ہیں؟ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

(۲۰) اگر پرمیشور کے عطیات پچھلے اعمال کے بدلے پر ہی موقوف ہیں۔ تو پھر

دیانند جی کا (ستیارتھ پرکاش ص۱۱۶ ب ۴ ۔ دفعہ ۴۳) میں بینظیر اولاد حاصل کرنے کیلئے یہ طریق جماع لکھنا کہ جب ویرج (منی) کے گرنے کا وقت ہو اسوقت مرد وعورت بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم رکھیں۔ اور نہایت خوش دل رہیں۔ ہلیں نہیں۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے اور عورت ویرج حاصل کرنے کے وقت اپان وایو کو اوپر کھینچے۔ جلائے مخصوص کو اوپر سکوڑ کر ویرج کو اوپر کشش کرکے ۔ رحم میں ٹھہرائے ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر طول طویل آسن لکھنا فضول ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ پچھلے اعمال کی بدولت جو کچھ ملنا ہے وہ بہر حال ملنا ہے۔ یہ مفت کی کوشش اور محنت کرنے سے کیا حاصل ؟

(۲۱) بعض گناہ بتائے گئے ہیں جن سے خاص خاص جونوں میں انسان پڑتا ہے کاش سب گناہ بتادیئے جاتے کہ فلاں گناہ سے فلاں فلاں جون میں ڈالا جاتا ہے تو ہمیں بہت آسانی ہوتی۔ تاکہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی۔ وہی چیز تیار کردی جاتی۔ دیکھو بعض جونوں کے گناہ منوسمرتی ادھیائے ۱۲ تا آخر۔

(۲۲) اگر تناسخ کو درست مانا جائے تو خداتعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پھر ماننا پڑیگا کہ خدا اور ارواح کو پیدا نہیں کرسکتا اور نہ ہی کچھ گناہ معاف کرتا ہے۔ حالانکہ ایک شریف انسان کئی دفعہ قصور معاف کردیتا ہے۔ گویا دریں صورت خدا کو ایک بھیانک اور کینہ ور ماننا پڑے گا۔

(۲۳) اگر تناسخ درست ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے ان کا بدلہ نہیں مل سکتا کیونکہ مثلاً اس نے ہزار نیکیاں کیں اور ایک بدی کی۔ اور پھر اس بدی کے عوض میں مثلاً کتے کی جون میں گیا۔ تو پھر وہ درجہ بدرجہ گنہگار

ہوتا جائیگا۔ اور آخر کار نجات کا مُنہ نہ دیکھ سکے گا۔

(۲۴) ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ مدارِ زندگی کیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ وہ ہوا۔ پانی آگ۔ کھانا وغیرہ ہیں اور ان کا انسانی پیدائش سے پہلے پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر کہو کہ پہلے پیدا ہوگئی تھیں تو پھر بتلاؤ کہ وہ کن اعمال کے بدلہ میں تھیں

(۲۵) انسان کے رہنے کے لئے جو زمین ہے۔ وہ بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہوگی۔ تو پھر وہ کس عمل کے بدلے مانی جائے گی؟

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے جب رُوح و مادہ کو مرکب کر کے مخلوق پیدا کی تو کیا اُس وقت انسان بنایا گیا تھا یا کچھ اور؟ اگر انسان بنایا گیا تھا تو وہ کس عمل کے بدلے میں؟ اگر کوئی اور مخلوق بنایا گیا تھا تو پھر اس کا انسان بننا ایک موہوم بات ہے۔ کیونکہ ان میں اعلیٰ کی طرف ترقی کا مادہ نہیں۔

(۲۷) تناسخ کو مان کر قبول کرنا پڑیگا کہ میوہ جات وغیرہ سب گناہوں کے بدلہ میں ہیں تو پھر انکے کھانے کے متعلق آریہ صاحبان کو خود غور کرنی چاہیئے اور نیز اگر کبھی ہند میں کوئی ایسا رشی آجائے یا تمام ہند وہی ہندو ہوں تو کیا پھر میوے نہیں پائے جائیں گے۔ یا نہ پائے گئے تھے۔

(۲۸) اگر تناسخ کو صحیح مانا جائے تو گویا ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ پلیدی اور خباثت کو پسند کرتا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ تناسخ کی رُو سے ممکن ہے کہ ایک آدمی اسی سے شادی کرلے جو پچھلی جُون میں اس کی والدہ رہ چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

آریہ جواب دیتے ہیں کہ رشتہ جسم سے ہوتا ہے۔ جون بدلنے سے جسم نہیں رہتا۔ اسپر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ سات سال کے بعد یہاں جسم بدل

جاتا ہے کیا رشتے سات سال کے بعد نہیں رہتے۔ پھر اگر آریہ جواب دیں کہ نکاح کر لینگے۔ تو اسپر بڑا اعتراض پڑتا ہے۔ نکاح تو کر لیا ماں کو ماں کیسے بنائینگے۔

(۲۹) اگر تناسخ کو درست مانا جائے تو پھر انسان سوشل تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امکان میں ہے کہ جو اسکا گھوڑا تھا نہ اُس کا باپ ہو۔ اور جو اس کی گائے ہو۔ وہ پہلی جون میں اس کی والدہ ہو۔ اور کسی صورت میں نہ اس کو مار وغیرہ سکتا ہے۔ نہ اس پر سواری کر سکتا ہے۔

(۳۰) تناسخ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ سے ہرگز ہرگز محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان کو یقین ہوگا کہ وہ مجھ پر تو کچھ احسان نہیں کریگا۔

(۳۱) اگر تناسخ مانا جائے تو پھر ایک دفعہ نکاح کرنے کے بعد توبہ کا موقع نہ ملیگا۔ اور وہ گناہ میں زیادہ بڑھتا جائیگا۔ کیونکہ جب انسان مایوس ہو جاوے۔ تو پھر گناہ میں ترقی کرتا ہے۔

(۳۲) پھر دُعا کرنا فضول ہوگا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

(۳۳) ایک ہی گناہ سے گھوڑا پیدا ہوتا ہے تو پھر چاہیئے تھا کہ تمام گھوڑے ایک قسم اور قد و قامت کے ہوں۔ حالانکہ عربی گھوڑے اور پنجابی گھوڑے میں فرق بین ہے۔ پس بتایا جاوے کہ یہ اختلاف کن اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ اعمال کا نتیجہ نہیں تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو گیا۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے متعلق قیاس کر لو۔

(۳۴) طبقہ نباتات میں بھی باوجود ایک گناہ کے اختلاف ہے جیسے کابلی چنے اور پنجابی چنے۔ اور بھی دیگر نباتات میں اسی طرح ہے۔ اگر یہ اختلاف کسی عمل کا نتیجہ

نہیں۔ اور فی الواقعہ بھی نہیں۔ کیونکہ چنا وغیرہ بننا مطلقاً ایک گناہ سے ہوتا ہے تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ پس ایشور اور رُوح اور حیوانات۔ نباتات کا اختلاف جب کسی عمل کا نتیجہ نہیں تو کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ انسان کا اختلاف اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

(۳۵) مندرجہ ذیل اشیاء مدارِ زندگی ہیں:۔

(۱) ہوا۔ (۲) پانی۔ (۳) سورج۔ (۴) زمین۔ (۵) کھانا۔

اب ہر ایک چیز کا پیدائش سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دریں صورت زندگی محال ہے۔ جب باقی اشیاء جو مدار زندگی ہیں۔ بغیر اعمال کے ہیں۔ تو پھر کھانا بھی بغیر عمل کے ہُوا۔ اور جب زندگی نہ ہوگی تو کھانا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس سے کوئی عمل نہیں کیا! اور پھر جب تک عمل کرتا ہوگا تو کیا کھاتا ہوگا۔

(۳۶) اگر کسی وقت سارے لوگ نیک ہو جائیں اور بدعملیاں ترک کر دیں۔ تو پھر کیا آرام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سب آسائش کے اسباب تو بدعملیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب بدعملیاں نہ ہوں۔ تو آرام مشکل ہے۔ معلوم ہُوا کہ مدعا (ان) تناسخ یہ نہیں چاہتے کہ تمام دُنیا نیک ہو جائے۔

لطیفہ:۔ پھر ہم گھوڑے وغیرہ کی جگہ زیادہ آرام کی سواری مثلاً موٹر وغیرہ بنا لیں گے۔

احمدی:۔ گھوڑے کی جگہ تو موٹر بنا لی لیکن عورت کی جگہ کیا بنا لینگے۔

(۳۷) اگر چکرا داگون سزا ہے۔ تو کیوں جُرم نہیں بتایا جاتا۔ تاکہ اس

سے بچ سکیں۔

(۳۸) اگر چہ یہ سزا ہے تو پھر جب گدھا اس کو محسوس نہ کرے۔ یا ہم تم محسوس نہ کریں۔ تو پھر یہ سزا کیسی ہوئی؟

(۳۹) جب پرمیشور نے مثلاً کسی کو بکری کے قالب میں جانے کی تکلیف دی۔ تو پھر ہم اس بکری کو ذبح کر کے اس سزا سے نکال سکتے ہیں۔ تو یہ پرمیشور نے سزا کیسی دی۔ دوسرے پھر گوشت خوری تو اجر اور ثواب کا موجب ہو گی۔ کیونکہ ہم تو اس کو اس کی سزا سے نکالتے ہیں۔

(۴۰) انسانی زندگی کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ نباتات وحیوانات۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں جونوں کے چکر کے نتیجہ ہی میں ملتی ہیں۔ اگر نباتات وحیوانات نہ ہوتے تو دنیا کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از روئے ویدک دھرم

(از جناب مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل)

(۱) ایشوری گیان حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی پاک اور پوتر ہو۔ چنانچہ آریہ سماج کے بانی مہرشی دیانند سرسوتی جی نے ستیارتھ میں لکھا ہے کہ چاروں رشیوں پر ہی کیوں وید کا گیان ہوا؟

جواب:۔ "وہی تمام لوگوں سے اعمال و اخلاق کے لحاظ سے پاک اور پوتر تھے اس لئے پرماتما نے ان کو ویدوں کا گیان دیا"۔

پس جو کوئی دعویٰ الہام کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکی

آتما پوتر اور اس کا جیون پاک و صاف ہونا چاہیئے۔
حضرت مرزا صاحب: "وہ کون تم میں ہے۔ جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صلا)
دوسرا معیار۔ جو پربھو کے بھگت اور اس کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا مقابلہ دشمن نہیں کر سکتے۔ (رگوید ۵/۹۳)
لیکھرام کا آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور مباہلہ میں مارا جانا۔ گنگا بشن نامی ایک آریہ کا ہلاک ہونا۔ جو پہلے آپ کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن پھر ڈر کر کہیں بھاگ گیا۔ لیکن خدا نے پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔
تیسرا معیار۔ پربھو جس کا رکھشک (مددگار) ہوتا ہے۔ وہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور بل کو پراپت ہوتا ہے۔ (رگوید ۳۲/۱۶ ، ۷)۔
یعنی خدا تعالیٰ جس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ وہ دنیا میں باوجود مخالفین کے زیادہ ہونے کے دنیا میں ترقی کرتا جاتا ہے چنانچہ حضرت اقدس کے خلاف لوگوں نے کئی منصوبے کیئے۔ تاکہ آپ کو قتل کر دیں۔ لیکن خدا نے اس اصول کے مطابق آپ کی حفاظت کی۔ اور آپؑ کو ان لوگوں کے منصوبوں سے بچا لیا۔ چنانچہ لیکھرام کے قتل پر آریوں اور ہندوؤں نے بزور کوشش کی۔ کہ آپ کو نقصان پہنچے۔ اور آپ کے قتل کے منصوبے سوچے گئے۔ لیکن خدا نے ان میں دشمنوں کو ناکام رکھا۔ جیسا کہ آپ نے سراج منیر صفحہ ۲۱ پر مفصل لکھا ہے۔
چوتھا معیار۔ سانپ۔ بفتری۔ ڈبشٹ۔ دوسرے آدمیوں کا مال چرانے

والے کبھی دُنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔
اِس میں بتایا گیا ہے کہ مفتری اور ڈشٹ کبھی دُنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ اپنے دعوٰے میں سچے نہ ہوتے۔ تو یقیناً آپ کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

پانچواں معیار۔ دھرم ایوہتو ہنتی دھرمو رکھشتی رکھشتا۔ منو دھرم ادھرمی کو مار دیتا ہے۔ اور دھرمی کی رکھشا کرتا ہے۔ یعنی جو آدمی دھرم پر ہوتا ہے۔ وہ تباہ و برباد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اگر دھرم پر قائم نہ ہوتے۔ تو اس اصول کے مطابق یقیناً مٹا دئے جاتے اور ادھرم ان کا سارا کام تباہ کر دیتا۔ لیکن انہوں نے ترقی کی۔ بخلاف لیکھرام کے کہ وہ چونکہ دھرم پر قائم نہ تھا۔ اِس لئے ادھرم نے اس کو ناکام کر کے مٹا دیا اور اس کی مدد نہ کی۔

چھٹا معیار۔ آپ کی پیشین گوئیوں کا پُورا ہونا۔ لیکھرام کے قتل کی پیشین گوئی۔ دیانند کی پیشین گوئی۔ آریہ سماج کے موت کی پیشین گوئی۔ دلیپ سنگھ کی پیشین گوئی۔ تقسیم بنگال۔ آریہ سماج کی مَوت کے متعلق اخبارات میں بہت سے مضامین نکلتے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں ؛

سناتن دھرم

حضرت کرشن علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں

(۱) سری کرشن جی خود فرماتے ہیں کہ :-

"ہے بھارت! جب دھرم کی نیستی اور ادھرم کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ تب میں اوتار لیتا ہوں"

(۲) پھر فرماتے ہیں :-

کہ نیک لوگوں کی حفاظت اور بدوں کو نیست و نابود کرنے اور صراطِ مستقیم یعنی دینِ خدا کو قائم کرنے کیلئے ہر ایک یُگ پر میرا اوتار ہوتا ہے۔ (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۷، ۸)

(۳) شری ویاس جی پہلی نشانی مہابھارت کے مصنف مقدس رشی بیان فرماتے ہیں کہ کلجگ کے دورے میں اندھا دھند ادھرمی (بے دینی) کی عملداری رہنی ہے۔ جھوٹ فریب۔ ہنسا (ایذا رسانی) غصہ۔ لالچ وغیرہ کا دور دورہ ہو جاتا ہے انسان کو خراب افعال سے رغبت اور نیک اعمال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جب تپ (عبادت و ریاضت) پوجا پاٹ برت ہون ایسے ایسے تمام نیک کام برہمن تک چھوڑ بیٹھتے ہیں اور دوسروں کا کیا ذکر۔ خوردنی اور ناخوردنی چیزوں کا امتیاز نہیں رہتا۔ جھوٹ بات کو واہیات

سمجھتے ہیں۔ کھشتریوں کو رعیت پروری سے تنفر ہوتا ہے۔ جرأت اور بہادری کھو بیٹھتے ہیں۔ سنتوں کی خدمتگذاری سے کچھ کام نہیں رہتا۔ دولت ہی کی فکر میں اندیشے رہتے ہیں۔ غلہ بے مزہ پھل بے ذائقہ ہو جاتے ہیں۔ کم عمر صاحبِ اولاد ہو جاتی ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔ درختوں کی بارآوری کم ہو جاتی ہے گابوں کا دودھ گھٹ جاتا ہے۔ اوقاتِ مناسب پر پانی نہیں برستا امساکِ باراں سے قحط عالمگیر ہوتے ہیں۔ ناخن اور بال بڑھا کر لوگ مہاتما بنجاتے ہیں۔ برہمچاری مال خوب مارتے ہیں۔۔۔ عورتوں کا چلن بگڑ جاتا ہے۔ خاوندوں کے ہوتے ہوئے نوکروں سے متعلق ہوتی ہیں۔ مرد جیسان بی بی سے محبت نہیں کرتے زنان بازاری کو گلے کا ہار بناتے ہیں۔ شراب خانے آباد رہتے ہیں۔ عبادت خانے سنسان۔ جہاں پہلے دھرم تھے۔ وہاں بدفعلیوں کی گرم بازاری رہتی ہے۔ (مہابھارت بن پرب صفحہ ۶۸۹ و ۶۸۶ و ۶۸۷)

(۴) جسوقت کلجگ آگیا سمجھ لیجئے کہ دنیا کی ہوا پلٹ گئی۔ وہ وہ پاپ۔ وہ وہ گناہ ہونگے کہ زمین کانپ اٹھیگی۔ لڑکے والدین کو بیوقوف سمجھینگے۔ رضاجوئی۔ فرمانبرداری کیسی؟ عورتیں لڑائی جھگڑے بکھیڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم لائینگی۔ جب اس طرح سے دھرم کا پیمانہ چھلکنے کو ہوگا۔ تو بھگوان جی کو تکلیف کرنی پڑیگی کہ کلجگی اوتار میں جلوہ دکھلائیں گے پاپ کی ناؤ ڈوبے گی۔ دھرم کی بیل ہری بھری ہوگی۔ (مہابھارت بن پرب صفحہ ۶۸۰)

(۵) مہاکلنکی کی طاقتیں غیبی ہونگی۔ طاقت میں بےنظیر عقلمندی میں یکتائے روزگار یوں تو نہ کوئی ہتھیار پاس ہوگا (لڑائی کا اوزار) مگر ایک اشارے میں سب کچھ موجود ہوجائیگا ذاتِ مبارک۔ دھرم کو از سرِنو زندہ کریگی۔ بدکردار راجے لقمۂ تیغِ اجل ہوجائیں گے۔ دھرم کی خلاف ورزی عذاب میں سمجھی جائیگی۔ (صفحہ ۶۹۰ تا ۶۹۰)

عیسائیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بائبل کی پیشینگوئیاں

(۱) استثناء ب ۱۸ - آیت ۱۵ -

" خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اسکی طرف کان دھریو۔"

(۲) استثناء ب ۱۸ - آیت ۱۷ تا ۱۹ -

" اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا - اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالونگا - اور جو کچھ میں اُس سے فرماؤنگا - وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکر کہیگا - نہ سنیگا تو میں اس کا اس سے حساب لونگا۔"

(۳) استثناء ب ۳۳ - آیت ۱ و ۲ -

" اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی - اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا شعیر سے اُن پر طلوع ہوا - فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا - دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت اُن کے لئے تھی۔"

(۴) زبور ۳۵ - آیت ۱ تا ۲۸ -

"اے خداوند اُن سے جو مجھ سے جھگڑتے . . . . اور میری زبان تیری صداقت، اور تیری ستائیش کی بات، تمام دن کہتی رہے گی۔"

(۵) یسعیاہ ب ۴۲ - آیت ۹ تا ۲۵ -

"دیکھو سابق پیشینگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں، میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کیلئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گذرتے ہو اور تم جو اس میں بستے ہو۔ اے بحری ملکو اور ان کے باشندو۔ تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائیش کرو۔ بیابان اور اسکی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارینگے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے . . . کیونکہ انہوں نے نہ چاہا کہ اسکی راہوں پر چلیں اور وہ اس کی شریعت کے شنوا نہیں ہوئے۔ اِس لئے اس نے اپنے قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب اُس پر ڈالا۔"

(۶) غزل الغزلات ب ۵ - آیت ۱۰ تا ۱۶ -

"میرا محبوب سُرخ و سفید ہے۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔ اس کا سر ایسا ہے جیسا چوکھا سونا۔ اسکی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور کوّے کی مانند کالی ہیں۔ اُس کی آنکھیں اُن کبوتروں کی مانند ہیں جو لب دریا دودھ میں نہا کر تمکنات سے بیٹھتے ہیں۔ اُسکے رُخسارے پھولوں کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاری کی مانند ہیں۔ اُسکے لب سوسن ہیں۔

جن سے بہتا ہوا مُر ٹپکتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہیں جیسے سونے کی کڑیاں جن میں
ترسیس کے جواہر جڑے ہیں۔ اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے
گُل بنے ہیں۔ اس کے پاؤں پہ کھڑے کیے جائیں۔ اس کی قامت لبنان کی سی
ہے۔ وہ خوبی میں رشکِ سرو ہے۔ اس کا مُنہ شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا
عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا۔ یہ میرا جانی ہے۔"

(۷) یسعیاہ باب ۵۳۔ آیت ۱۰ تا ۱۲۔

"لیکن خداوند کو پسند آیا کہ اُسے کچلے۔ اُس نے اسے غمگین کیا جب اُس
کی جان گناہ کیلئے گذرانی جائے تو وہ اپنی نسل کو دیکھیگا۔ اور اسکی عمر دراز
ہوگی۔ اور خدا کی مرضی اسکے ہاتھ کے وسیلے پر آئیگی۔ اپنی جان کا دُکھ اُٹھا کے وہ
اُسے دیکھیگا اور سیر ہوگا۔ اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو راستباز
ٹھہرائیگا۔ کیونکہ وہ ان کی بدکاریاں اپنے اوپر اُٹھالیگا۔ اس لئے میں اُسے
بزرگوں کے ساتھ ایک حصہ دُونگا۔ اور وہ لوٹ کا مال زور آوروں کے ساتھ
بانٹے گا کہ اُس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی۔ اور گنہگاروں کے
درمیان شمار کیا گیا۔ اور اُس نے بہتوں کے گناہ اُٹھائے اور گنہگاروں
کی شفاعت کی۔"

(۸) اعمال باب ۳۔ آیت ۲۲ و ۲۳۔

"چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے
لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا۔"

(۹) متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲ تا ۴۴

"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا۔ یہ

خداوند کی طرف سے ہؤا۔ اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔ اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائیگی۔ دے دی جائیگی۔ اور جو اس پتھر پر گریگا۔ اسکے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ مگر جس پر وہ گریگا۔ اُسے پیس ڈالیگا۔"

(۱۰) متی ۲۳/۳۹۔ "دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے۔ جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔"

(۱۱) یوحنا ۱۴/۱۶۔ "اور میں باپ سے درخواست کرونگا۔ تو وہ تمہیں دُوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی سچائی کا رُوح جسے دُنیا حاصل نہیں کر سکتی۔"

(۱۲) یوحنا ۱۴/۳۰۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔"

(۱۳) یوحنا ۱۵/۲۶۔ "لیکن جب وہ مددگار آئیگا جس کو میں تمہارے پاس باپ کیطرف سے بھیجونگا۔ یعنی سچائی کا رُوح جو باپ کیطرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دیگا اور تم بھی گواہ ہو۔ کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

(۱۴) یوحنا ۱۶/۷۔ "میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیجدونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا۔"

(۱۵) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا۔ تو تم کو سچائی کی راہ دکھائیگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا۔ لیکن جو کچھ سنیگا۔ وہی کہیگا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔

(۱۶) لوقا ۲۰/۹تا۱۸ انگوری باغ کی تمثیل اور نوکر بیٹے اور خود خداوند کے آنے کا قصہ قرآن مجید اور سورۂ فاتحہ کی پیشینگوئی (مکاشفہ ۵/۱)

تردید الوہیّتِ مسیح ناصری علیہ السّلام

ا۔ "خدا ایک ہے"

(ا) حوالجات از عہد نامہ قدیم:۔

(۱) ۲-سلاطین ۱۹/۱۵ - (۲) یسعیاہ ۴۵/۵ و ۶ - (۳) زبور ۸۶/۸-۱۰ - (۴) ۲-سموئیل ۷/۲۲ - (۵) زبور ۹/۲ - (۶) استثنا ۶/۴ - (۷) استثنا ۳۲/۳۹ - (۸) ۱-سموئیل ۲/۲ - (۹) ۱-سموئیل ۷/۳-۴ - (۱۰) ۲-سموئیل ۲۲/۳۲ (۱۱) ۱-سلاطین ۸/۲۳ - (۱۲) استثنا ۴/۳۹ - (۱۳) استثنا ۴/۳۵ - (۱۴) یسعیاہ ۴۳/۱۰ - (۱۵) ۱-سموئیل ۱۷/۴۶ - (۱۶) ۱-سلاطین ۸/۲۳ - (۱۷) ۱-تواریخ ۱۶/۲۵ - (۱۸) ۱-تواریخ ۱۷/۲۰ - (۱۹) ۱-تواریخ ۲۹/۱۱ - (۲۰) ۲-تواریخ ۶/۱۴ - (۲۱) زبور ۱۸/۳۱ - (۲۲) زبور ۴۸/۱۴ - (۲۳) زبور ۵۰/۷ -

(ب) عہد نامہ جدید۔

"خدا ایک ہے" (۱) اعمال ۱۷/۲۳ "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے

پُوجتے ہو۔ میں تم کو اسی کی خبر دیتا ہوں ۔"

(۲) یوحنا ۵/۴۴ " تم جو دوسرے سے عزت چاہتے اور وہ عزت جو خدائے واحد سے ہوتی ہے۔ کیونکر ایمان لا سکتے ہو ۔"

(۳) یوحنا ۱۷/۳ " اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے۔ جانیں ۔"

(۴) مرقس ۲۹-۳۰/۱۲ " اوّل یہ کہ اے اسرائیل اس پر خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تُو خداوند اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ ۔"

(۵) ا۔ کرنتھیوں " اور سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں۔ اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے۔ یعنی باپ ۔"

(۶) افسیوں ۴/۶ " اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اُوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے ۔"

(۷) یوحنا ۲۰/۱۷ " میں اپنے باپ اور تمہارے باپ۔ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں ۔"

۲۔ عیسائیوں کی دلیلیں اور ان کی تردید

دلیل اوّل۔ پہلی دلیل جو عیسائی صاحبان کی طرف سے پیش کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح کو توریت و انجیل میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اِس سے معلوم ہُوا۔ کہ

وہ خدا کا بیٹا تھا۔"

جواب۔ ابن اللہ کا لفظ توریت اور انجیل میں صرف مسیح کے واسطے نہیں بولا گیا۔ بلکہ یہ لفظ مسیح کے سوا سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن عیسائی صاحبان ان تمام لوگوں کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ جیسا مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ویسا ہی باقیوں کے حق میں ابن اللہ کا لفظ بولا گیا۔ (دیکھو حوالے)

(۱) اسرائیل خدا کا بیٹا ہے۔ خروج ۴ باب آیت ۲۲۔

(۲) داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے۔ زبور ۸۹ باب آیت ۲۶ و ۲۷۔

(۳) سلیمان خدا کا بیٹا ہے۔ تاریخ پہلی ۲۲ باب آیت ۹ و ۱۰۔

(۴) قاضی مفتی خدا کے بیٹے ہیں۔ زبور ۸۲ باب آیت ۶۔

(۵) سب بنی اسرائیل خدا کے بیٹے ہیں۔ رومیوں ۹ باب آیت ۴۔

(۶) تمام یتیم بچے خدا کے لڑکے ہیں۔ زبور ۶۸ باب آیت ۵۔

(۷) بدکار لوگ خدا کے لڑکے ہیں۔ یسعیاہ ۳ باب آیت ۱۔

جواب دوم۔ اگر عیسائی صاحبان مسیح کو اس لئے خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں کہ اس کیلئے لفظ ابن اللہ بولا گیا ہے تو پھر ہم اسے انسان سمجھتے ہیں اس لئے کہ انجیل میں اسے انسان کا بیٹا کہا گیا ہے۔ دیکھو حوالے:۔

(۱) یسوع ابن داؤد بن ابراہیم۔ متی ۱ باب آیت ۱

(۲) انسان کا بیٹا کھاتا پیتا آیا۔ متی ۱۱ باب آیت ۱۹ و متی ۸ / ۲۰ و ۹ / ۶ و ۲۳ / ۱۰

(۳) میں جو ابن آدم ہوں۔ انسان ہوں۔ متی ۴ باب آیت ۴۔

جواب سوم۔ "خدا کا بیٹا ہونے سے مطلب "راستباز" اور خدا کا محبوب ہونا ہے" (۱۔یوحنا ۳/۲۹ و ۲/۱ و متی ۵/۴۵)
معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح میں کونسی ایسی خصوصیت ہے جسکی وجہ سے اسے تو خدا کا بیٹا بلکہ مجسم خدا سمجھا جاوے اور باقیوں کو محض عاجز انسان خیال کیا جاوے۔

دلیل دوم۔ مسیح نے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ چونکہ وہ معجزے بشری طاقت سے بالاتر تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مسیح انسان نہ تھا خدا تھا۔

جواب۔ عیسائی صاحبان! اگر معجزے دکھانا ہی الوہیت کی علامت سمجھی جاوے تو پھر تمام انبیاءؑ خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ اور کیوں نہیں آپ لوگ موسیٰ۔ ایلیاہ وغیرہ کو خدا سمجھتے۔ جنہوں نے آپکے مسیح سے بھی بڑھ کر کرامتیں دکھلائیں۔ سُنئیے:-

(۱) مسیح کا سب سے بڑا معجزہ مُردوں کا زندہ کرنا ہے۔ مگر اس میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مسیح کے علاوہ اور انبیاء سے بھی یہ کرامت صادر ہوئی ہے۔ دیکھو حوالے:-

(۱) الیسع نے مُردے زندہ کئے۔ سلاطین دوم ۴ باب آیت ۳۵۔
(۲) حزقیل نے ہزاروں بڑے مردے زندہ کئے۔ حزقیل ۳۷ باب آیت ۱ تا ۳۔
(۳) ایلیاہ نے مُردے زندہ کئے۔ سلاطین پہلا ۱۷ باب آیت ۲۲۔
(۴) الیسع کی لاش نے مُردہ زندہ کر دیا۔ ۲۔ سلاطین ۱۳/۲۱)

ناظرین خود انصاف فرما سکتے ہیں کہ اگر مسیح بسبب مُردے زندہ کرنیکے

خدا ہوسکتا ہے تو الیسع۔ حزقیل اور ایلیاہ وغیرہ جنہوں نے ہزاروں مردے زندہ کیئے کیوں نہ خدا سمجھے جاویں لیکن عیسائی ان کو محض انسان ہی سمجھتے ہیں۔

جواب ۲۔ انجیل سے ثابت ہے کہ مُردوں سے مُراد رُوحانی مُردے ہیں۔ نہ کہ جسمانی۔

(ا) یوحنا $\frac{۲}{۲۱}$ و کرنتھیوں $\frac{۱۵}{۱۳ تا ۱۵}$ و افسیوں $\frac{۲}{۱}$ و $\frac{۲}{۵}$ -

(ب) مُردہ سے مراد شہوات :- کلسیوں $\frac{۲}{۵}$ -

(د) زندگی سے مُراد یسوع پر ایمان لانا۔ (یوحنا $\frac{۱۷}{۴}$)

دوسرا معجزہ۔ بیماروں کا اچھا کرنا ہے۔

جواب۔ اس میں بھی اور انبیاء مسیح کے شریک ہیں :-

(۱) الیسع نے نعمان سپہ سالار کو جو کوڑھی تھا اچھا کیا سلاطین دوسرا ۵ باب آیت ۱۴۔ (۲) یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں۔ دیکھو پیدائش ۴۶ باب آیت ۴ و ۳۰۔ (۳) بیماروں سے مُراد رُوحانی بیمار مُراد ہیں۔ مرقس $\frac{۲}{۱۷}$ و ا پطرس $\frac{۲}{۲۴}$۔ رُوحانی اندھے بہرے۔ متی $\frac{۱۳}{۱۳}$ و $\frac{۱۵}{۱۴}$ و یوحنا $\frac{۹}{۳۹}$ - ۲ پطرس $\frac{۱}{۹}$ و ا پطرس $\frac{۲}{۲۴}$ -

تیسرا معجزہ۔ تھوڑے کھانے اور شراب کو بڑھا دینا۔

جواب۔ یہ کام بھی بہت سے انبیاء سے ظہور پذیر ہوا۔ بلکہ بعض انبیاء اس کام میں مسیح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ حوالے دیکھو :-

(۱) ایلیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے تیل کو بڑھا دیا کہ دہ سال بھر تک

تمام نہ ہوا۔ دیکھو سلاطین پہلا ۱۷باب آیت ۱۳ تا ۱۶

(۲) الیسع نے بھی ذرا سے تیل کو اس قدر بڑھا دیا کہ گھر والوں کے پاس اُس کے رکھنے کیلئے کوئی برتن باقی نہ رہا۔ دیکھو سلاطین دوسرا ۴ باب آیت ۲ تا ۶

چوتھا معجزہ۔ بغیر کشتی کے دریا پر چلنا۔

جواب۔ یہ بھی صرف مسیح کا کام نہ تھا۔ بلکہ موسیٰ نے اس سے بڑھکر معجزہ دکھایا اس نے سمندر کو ایسی لاٹھی ماری کہ وہ پھٹ گیا اور سیال پانی الگ الگ دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔

(۲) یوشع نے یردن کو خشک کر دیا۔ (کتاب یوشع $\frac{۳}{۱۷}$)

(۳) ایلیاہ نے دریا کے دو ٹکڑے کر دئے۔ (دیکھو ۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۸}$)

(۴) الیسع نے ناکارہ چشموں اور بنجر زمینوں کو ایک پیالہ پانی سے اُچھال دیا۔ (۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۱۹}$)۔

(۵) "الیسع نے چادر مار کر پانی کے دو ٹکڑے کئے۔" (۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۱۴}$)

(۶) "موسیٰ کی دُعا سے مینہ اور اولے تھم گئے۔" (خروج $\frac{۹}{۳۳}$)۔

(۷) "موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر مینڈک پھیلا دیئے۔" (خروج $\frac{۹}{۲۳}$)۔

(۸) "ہارون نے مینڈک مصر میں پھیلا دیئے۔" (خروج $\frac{۱۰}{۲۲}$)۔

(۹) "موسیٰ نے ہاتھ پھیلا کر سب مصر پر اندھیرا کر دیا۔" (خروج $\frac{۱۰}{۲۲}$)۔

(۱۰) "موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر سب مصریوں کو ہلاک کر دیا۔" (خروج $\frac{۱۴}{۲۶-۲۹}$)

(۱۱) "یشوع نے چاند اور سورج کو حکم دے کر کھڑا کر دیا۔" (یشوع $\frac{۱۰}{۱۲ تا ۱۴}$)

(۱۲) "یسعیاہ نے سورج کو دس درجے پیچھے ہٹا دیا۔" (۲۔ سلاطین $\frac{۲۰}{۱۱}$)۔

(۱۳) "تین شخص جلتی آگ میں ڈالے مگر نہ جلے" (دانیال ۳/۲۱ تا ۲۵)۔
عیسائی۔ مسیح نے پرندے بنائے۔ پس وہ خالق ٹھہرا۔
احمدی۔ تورات میں ہے ہارون نے جوئیں بنائیں۔ (خروج ۸/۱۷)۔
پس وہ بھی بقولِ شما خالق ٹھہرا۔ یک نہ شد دو شد۔

ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مسیح نے حواریوں کو فرمایا کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو تم میرے جیسے کام کر سکتے ہو۔
اب عیسائی صاحبان سے سوال ہے کہ اگر معجزات عظیم الشان کی وجہ سے آپ لوگ مسیح کو خدا مانتے ہو۔ تب تو حواریوں کو بھی شریک الوہیت ماننا چاہیئے کیونکہ انہوں نے بھی معجزات دکھائے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حواریوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ تو یہ ماننا پڑیگا کہ وہ بالکل بے ایمان تھے۔

ایک اور جواب۔ انجیل میں حضرت مسیح نے صاف فرمادیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہونگے۔ جو اتنے بڑے بڑے معجزات دکھلائیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کاملین کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ لیکن تم ان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ مسیح کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے نزدیک ایک جھوٹا آدمی بھی معجزات دکھا سکتا ہے تو پھر معجزات خدائی کا معیار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور معجزات دکھانے سے مسیح کی خدائی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔

تیسری دلیل۔ جس سے مسیح کی الوہیت ثابت کی جاتی ہے مسیح کا ایک قول ہے۔ جو اس نے اپنے مخالف یہودیوں کو کہا کہ تم نیچے سے ہو۔ میں

اُوپر سے ہوں۔ تم اس جہان کے ہو۔ مَیں اس جہان کا نہیں۔

جواب۔ اس فقرہ کے معنی بالکل صاف ہیں کہ اے یہودیو! مَیں نبی ہوں میرے علوم آسمانی ہیں اور تم زمینی علوم پڑھے ہوئے ہو۔ تم میرا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو۔ یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے دیکھو ہم ایک شخص کو زمینی یا دنیادار کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زمین میں اور دنیا میں رہتا ہے کیونکہ زمین اور دُنیا میں تو نیک بھی رہتے ہیں۔ مسیح بھی تیس برس تک اور ہمارے نزدیک ۱۲۰ برس تک اسی دنیا میں رہا۔ بلکہ اس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ یہ شخص خدا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح مسیح نے بھی یہودیوں کو کہا کہ میں تمہاری طرح تقلیدی علوم کا اور زمینی فنون کا وارث نہیں بلکہ میں آسمانی علوم کا وارث ہوں لیکن اگر کوئی عیسائی خواہ مخواہ ضد سے اس فقرے سے مسیح کی الوہیت ثابت کرنا چاہے تو وہ یاد رکھے کہ اس بات میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام نیک لوگ اور حواری شامل ہیں۔ دیکھو حوالے :-

(۱) مسیح حواریوں کے متعلق خدا سے دعا میں عرض کرتا ہے "اسلئے کہ جیسا میں دنیا کا نہیں ہوں۔ وے بھی دنیا کے نہیں ہیں"۔ (یوحنا ۱۷ باب آیت ۱۴)

اب اگر اس دنیا کا نہ ہونے کی وجہ سے مسیح خدا ہو۔ تو تمام حواری بھی اسی وجہ سے خدا سمجھنے چاہئیں۔

(۲) پھر ایک جگہ مسیح حواریوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں "اس لئے کہ دنیا کے نہیں ہو"۔ (دیکھو یوحنا ۱۵ باب۔ آیت ۱۹)

چوتھی دلیل - مسیح کہتا ہے کہ مَیں اور باپ ایک ہیں - مَیں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے -

جواب - یہ الفاظ اگر مسیح کی خدائی کا ثبوت بن سکتے ہیں تو تمام لوگ جن کے متعلق انجیل میں خود یسوع نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں - خدائی کے مستحق ہیں - دیکھو حوالہ :-

(۱) مسیح خدا کے حضور حواریوں کی سفارش کرتا ہوا ایک جگہ کہتا ہے "تاکہ وہ سب ایک ہو جاویں جیسا کہ اے باپ تُو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں کہ وہ بھی ہم میں ایک ہوں" (یوحنا ۱۷ باب آیت ۲۱ تا ۲۳)-

اب اگر ایک ہو جانے کے لفظ سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو تمام حواری بھی خدا ہونے چاہئیں - نیز دیکھو یوحنا باب ۱۴ - آیت ۲۰)

پانچویں دلیل - مسیح نے کہا کہ "مَیں خدا سے نکلا ہوں" "تُو مجھ سے پیدا ہوا" (عبرانیوں ۱/۵ - یوحنا ۸/۴۲)

جواب - حوالہ پورا پڑھو :-

"یسوع نے ان سے کہا - اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لئے کہ مَیں خدا سے نکلا اور آیا ہوں - کیونکہ مَیں آپ سے نہیں آیا - بلکہ اُس نے مجھے بھیجا"

پس خود مسیح نے "نکلنے" کی تشریح کر کے بتا دیا کہ اس سے مُراد تجسّم الٰہی نہیں - بلکہ محض صفت ارسال مرسلین کا اظہار ہے - چنانچہ مزید وضاحت کے لئے دیکھو یوحنا ۸/۱۶ -

(۲) "جو کہ کوئی خدا سے ہوتا ہے وہ خدا کی باتیں سنتا ہے۔" (یوحنا ۸/۴۷)

(۳) "جو اسکے نام پر ایمان لاتے ہیں . . . خدا سے پیدا ہوئے ہیں۔" (یوحنا ۱/۱۲، ۱۳)

(۴) "جو کوئی راستبازی کے کام کرتا ہے وہ اس سے پیدا ہوا ہے۔" (۱-یوحنا ۲/۲۹)

(۵) "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا۔ وہ گناہ نہیں کرتا۔" (۱-یوحنا ۳/۹)

(۶) "جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔" (۱-یوحنا ۵/۱)

(۷) "شاعروں میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو اُس کی نسل ہیں۔ پس خدا کی نسل ہو کر یہ خیال کرنا مناسب نہیں۔" (اعمال ۱۷/۲۸، ۲۹)

(۸) سب ایک ہی اصل سے ہیں۔" (عبرانیوں ۲/۱۱)

چھٹی دلیل "یسوع کیلئے کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے۔" (عبرانیوں ۱۳/۸)۔

جواب۔ لیکن تورات میں ہے :۔

(۱) "پیشتر اس سے کہ پہاڑ پیدا ہوئے اور زمین اور دُنیا کو تُو نے بنایا۔ ازل سے ابد تک تُو ہی خدا ہے۔" (زبور ۹۰/۲)۔

(۲) مجھ سے آگے کوئی خدا نہ بنا۔ اور میرے بعد بھی کوئی خدا نہ ہوگا۔" (یسعیاہ ۴۳/۱۰)

(۳) ملک صدق بے باپ بے ماں۔ بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کے دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں ۷/۳)

تحقیقی جواب :۔ مسیح کے لئے کل اور آج یکساں ہونے بلکہ اس کے علم کا ازلی و ابدی ہونا محض دعویٰ ہے جو محتاجِ دلیل ہے۔ بلکہ خود انجیل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً :۔

(۱) انجیر کے درخت کا علم نہ ہوا کہ اس میں پھل ہے یا نہیں (متی ۲۱/۱۹ و مرقس ۱۱/۱۳)

(۲) "میرے کپڑے کو کس نے چھوُا؟" (لوقا ۹ / ۴۵ ، ۴۷ و مرقس ۵ / ۳۰)

سانویں دلیل ۔ حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا۔

جواب ۔ اگر مسیح اس واسطے خدا ہو سکتا ہے کہ وہ بے باپ تھا۔ تو آدم تو ڈبل خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ صرف بے باپ ہی نہ تھا بلکہ ماں بھی اسکی کوئی نہ تھی اسی طرح ملک صدق سالم بھی خدا مجسم ہونے کا حقدار تھا کیونکہ وہ بھی بغیر ماں باپ کے تھا۔ دیکھو عبرانیوں ، باب ۔ آیت ۳ ۔

پھر علاوہ ازیں تمام وہ حیوانات جو ابتدائے آفرینش میں خدا نے بے باپ اور ماں کے پیدا کیئے تھے ۔ سب کے سب خدا مجسم ہونے چاہئیں ۔ اچھا ان کو جانے دیجیئے ۔ اب موجودہ لاکھوں کروڑوں کیڑوں مکوڑوں کو دیکھو جو برسات آتے ہی بغیر ماں باپ ہوتے ہیں ۔ کیا وہ مسیح کے ساتھ خدائی کے حقدار نہیں ۔ بلکہ ان کا زیادہ حق ہے ۔ کیونکہ مسیح کے متعلق تو کوئی شبہ بھی کر سکتا ہے کہ اس کا کوئی باپ بھی ہو ۔ مگر جس کی ماں بھی نہ ہو ۔ اسپر کیا شبہ ہو سکتا ہے ۔ گو ہم مریم کو پاکباز اور عصمت مآب سمجھتے ہیں ۔ پر دُنیا کا مُنہ کون بند کرے اور یہودیوں کے الزامات کا جواب کون دے ۔

آٹھویں دلیل ۔ آدم نے گناہ کیا اس وجہ سے اسکی تمام نسل میں گناہ کا بیج بو یا گیا ۔ اور تمام انسان گناہ میں گرفتار ہوئے ۔ مسیح چونکہ آدم کی پشت سے نہیں تھا ۔ اس لئے وہ گنہگار نہ ہوا ۔ اور گناہ سے پاک صرف خدا ہے ۔ اس لئے مسیح خدا ہوا ۔

جواب ۔ اِس دلیل میں جس قدر بھی دعوے ہیں ۔ سب کے سب بھرے

سے ہی غلط ہیں - نمبروار سنیئے :-

(۱) آدم کے گناہ کی وجہ سے اُس کی نسل کا گنہگار ٹھہرنا خدا کے عدل کے بالکل خلاف ہے - کیا یہی عیسائیوں کے خدا باپ کا عدل ہے کہ باپ کے گناہ کرنے سے بیٹا گنہگار سمجھا جاوے -

(۲) جو آدم کی پشت سے ہو وہ گنہگار ہوتا ہے یہ بات بھی بالکل غلط ہے - عقلاً بھی جیسا کہ اوپر ثابت کر آئے ہیں ! اور نقلاً بھی اپنے گھر کی کتاب لوقا کھولیے گا - ۱ باب آیت ۶ " وے دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے "

دیکھئے یہ ذکریا اور اسکی بیوی کی تعریف ہے - اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی بالکل بے گناہ تھے - تو یہ دعوی کرنا کہ آدم کی اولاد میں سب گنہگار ہیں - خود لوقا کے نزدیک غلط ہے - کیونکہ ذکریا اور اس کی بیوی بابا آدم ہی کی اولاد میں سے تھے -

(۳) یہ کہنا کہ جو آدم کی پشت میں سے نہ ہو وہ بیگناہ ہوتا ہے - ایک نہایت ہی بدیہی البطلان قضیہ ہے - کیا شیطان گنہگار نہیں - اور کیا وہ آدم کی اولاد میں سے ہے - پھر سانپ نے گناہ کیا - اور اسے مٹی کھانی پڑی - کیا وہ آدم کی پشت سے ہے - پھر تمام وہ دیو یا بھوت جنہیں مسیح اور اس کے حواری نکالا کرتے تھے - خبیث روحیں نہ تھیں - کیا وہ بھی آدم کی نسل سے تھے ؟

(۴) عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح بیگناہ تھا - مدعی سست گواہ چست والی بات یاد دلاتا ہے - کیونکہ مسیح صاف اقرار کرتا تھا کہ مجھے نیک مت کہو - نیک

صرف باپ ہے۔ پھر اگر مسیح خود بھی دعویٰ کرتا تو کیا ہوتا۔ دلیل کے بغیر تو کوئی شخص نہیں مانتا۔ گو ہم اُسے نیک سمجھتے ہیں۔ اِس لیے کہ ہمارے قرآن نے اس کی تعریف کی۔ مگر یہودیوں کو کون لاجواب کرے۔ وہ فوراً الزام لگانے شروع کر دیتے ہیں کہ اس نے یہ کیا۔ اور وہ کیا۔ بدچلن عورت سے تیل ملوایا۔ یہودیوں کے عالموں کو گندی گالیاں دیں۔ بغیر اجازت لینے کے حواریوں سمیت ایک کھیت کے بِٹّے توڑ کر نوش کرنے لگا۔ کھاؤ۔ پیؤ شرابی تھا۔ غرض ان یہودیوں کا مُنہ کون بند کرے۔

عیسائیوں کی یہ دلیل کہ مسیح اسی وجہ سے کہ وہ آدم کی نسل سے نہ تھا پاک اور بے گناہ ہے۔ قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ :-

(۱) آدم کا وہ گناہ جو بقول عیسائیوں موروثی طور پر اب تک آدم کی نسل میں چلا آتا ہے۔ اس کا اصل ذمہ وار (مطابق پیدائش $\frac{۳}{۱-۶}$) آدم نہ تھا بلکہ حوّا تھی جس نے شیطان کے دھوکے میں آکر آدم کو بہکایا۔ پس مسیح بوجہ حوّا کی اولاد ہونے کے گنہگار ٹھہرا۔ (۲) توراۃ میں لکھا ہے :-

(ا) "اور وہ جو عورت سے پیدا ہُوا ہے وہ کیونکر پاک ٹھہرے"۔ (ایوب $\frac{۲۵}{۵}$)۔

(ب) "اور وہ جو عورت سے پیدا ہُوا ہے وہ کیونکر صادق ٹھہرے"۔ (ایوب $\frac{۱۵}{۱۵}$)۔

(۵) چونکہ مسیح بیگناہ تھا اسلئے وہ خدا ہوا۔ مگر اس خدائی میں مسیح اکیلا نہیں ذکریا بھی گناہ سے پاک تھا۔ اِس لئے وہ بھی خدا ہوا۔ ذکریا کی بیوی بھی گناہ سے پاک تھی اِس لئے وہ بھی خدا ہوئی اور خدا کی بیوی بھی۔ اِس حساب سے یحییٰ بھی خدا ٹھہرا۔ کیونکہ اس کی ماں بھی خدا۔ باپ بھی خدا بلکہ

یحییٰ مسیح سے بڑا خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح کی ماں تو انسان تھی۔ اور یحییٰ کے ماں باپ دونوں خدا تھے۔

ملک صادق سالم بھی خدا ہونے کا مستحق ہے کیونکہ وہ آدم کی اولاد سے نہ تھا۔ اور جو آدم کی اولاد سے نہ ہو۔ وہ گناہ سے پاک ہوتا ہے اور جو گناہ سے پاک ہو۔ وہ خدا ہوتا ہے۔ اس لئے ملک صدق سالم بھی خدا ہوا۔ پھر تمام فرشتے بھی خدا ہیں کیونکہ وہ گناہ سے پاک ہیں پھر تمام حیوانات چرند پرند خدائی کے حقدار ہیں کیونکہ وہ گناہوں میں آلودہ نہیں۔

نویں دلیل ۔ خود تین دن مُردہ رہ کر پھر زندہ ہو گیا۔

جواب ۔ (ا) مسیح جسمانی طور پر مر کر نہیں جیا بلکہ رُوحانی طور پر۔

ا۔ پطرس ۳/۱۸ "وہ جسم کے اعتبار سے مارا گیا مگر رُوح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا (ب) جس طرح یسوع مر کر جیا۔ اسی طرح ہم بھی مر کر جیتے ہیں۔

(رومیوں ۶/۱ و ۳/۱۱ و ا۔ پطرس ۲/۲۴)

مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا

مسیح دراصل صلیب پر فوت نہ ہوا تھا۔ بوجہ ذیل:۔

(۱) مسیح کا اپنے واقعہ صلیب کو یونس سے مشابہ قرار دینا۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا۔ (متی ۱۲/۳۹)

(۲) پیلاطوس کی بیوی کو خواب آیا تھا کہ اگر مسیح ہلاک ہو گیا پھر تم ہلاک کیئے جاؤ گے۔ لیکن ان کا تباہ و برباد نہ ہونا۔ (متی ۲۷/۱۹)۔

(۳) پیلاطوس اس کے چھوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ (یوحنا $\frac{19}{12}$)۔

(۴) حضرت مسیح کی دُعا ایلی ایلی لما سبقتنی بھی مانع ہے (متی $\frac{27}{46}$)

(۵) صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ صلیب پر رہنا (۶) پہلو چھیدنے سے خون نکلنا۔ یوحنا $\frac{16}{12}$ - (۷) مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی جانا۔ یوحنا $\frac{19}{33}$ - (۸) پیلاطوس کا تعجب کرنا کہ وہ اتنی جلدی مر گیا۔ مرقس $\frac{15}{44}$ - (۹) حواریوں سے ملنا اور زخم دکھانا۔ یوحنا $\frac{20}{25-27}$ - (۱۰) مسیح علیہ السلام کا ملعون ٹھہرایا جانا۔ گلیتوں $\frac{3}{13}$ - (۱۱) ساری رات دعا کرنا۔ متی $\frac{26}{39}$ - (۱۲) مرہم عیسیٰ دوا کا بننا۔ (۱۳) ابھی اور بھیڑوں کو جمع کرنا ہے۔ یوحنا $\frac{10}{16}$ -

دسویں دلیل۔ چونکہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے۔ اس لئے خدا ہے

جواب نمبر ۱۔ ایلیاہ پیغمبر رتھ سمیت آسمان پر چلا گیا۔ ۲ سلاطین

جواب نمبر ۲۔ مسیح آسمان پر نہیں گیا۔ (الف) کوئی آسمان پر نہیں گیا (ب) مسیح پہلے بھی آسمان ہی سے آیا تھا۔ (یوحنا $\frac{6}{38}$ و $\frac{6}{62 و 63}$

بھی رُوحانی طور پر وہ آسمان پر ہے نہ کہ جسمانی طور پر۔ (ج) "میں تمہارے لئے جگہ تیار کرنے جاتا ہوں" یوحنا $\frac{14}{2 و 3}$ - پس جہاں یسوع کے شاگرد گئے۔ وہاں یسوع بھی گیا۔

(۱) چونکہ مسیح میں عوارض انسانیہ تھے۔ اس لئے وہ خدا نہیں۔ (۲) چونکہ وہ قادر مطلق کیونکہ وہ کہتا ہے کہ: "دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں" اور پھر صلیب پر سے کیوں نہ اتارا۔ حالانکہ دریں صورت یہودی ملنے کو تیار تھے۔

گیارھویں دلیل۔ اور ضرور تھا کہ جو نبی کی معرفت کیا گیا تھا وہ پورا ہو۔ کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ "خدا ہمارے ساتھ"۔ (متی ۱/۲۲)۔

جواب ۱؎۔ یسعیاہ ۷/۱۴ کی اصل عبارت نقل کرنے میں عیسائی انجیل نویسوں نے تحریف کی ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:۔ (۱) "دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی"۔

۲؎۔ مریم نے اپنے بیٹے کا نام یسوع رکھا تھا نہ کہ عمانوایل ۳؎ یسعیاہ ۸/۱ میں ایک لڑکے مہیر شالال حاش بز کی پیدائش کا ذکر ہے پس وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ ۴؎ عمانوایل کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ مگر یسوع کے ساتھ خدا نہ تھا۔ بوجوہات ذیل:۔

(الف) یسوع کی ناکام زندگی (ب) خود اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر اس کا قرار کرنا (ج) چالیس دن اسکے ساتھ شیطان کا رہنا (د) اور پھر اسکے بعد کچھ عرصہ کیلئے اس سے جدا ہونا (لوقا ۴/۱۳) لہذا یسوع عمانوایل نہیں ہوسکتا۔

مسیح رُوح اللہ ہو کر خدا نہیں بن سکتا

بارھویں دلیل۔ قرآن مجید میں مسیح کو رُوح اللہ کہا گیا ہے کہ قرآن مجید میں مسیح کی نسبت "رُوحٌ منہ" کا لفظ آیا ہے۔ دُوسری جگہ آتا ہے "وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا"۔ (سورۃ تحریم آخری رکوع)۔ ایسا ہی تیسری جگہ آتا ہے۔ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَرُوحٌ مِّنْهُ۔

جواب ۔ ہمارا یہ مذہب نہیں اور نہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ سوائے خدا کے مسیح یا کسی اور کو ہم خدا مانیں۔ بلکہ اسلامی تعلیم اس کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات میں سے دُوسری آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ کہ تین خدا مت کہو ایسے عقیدہ سے باز آجاؤ کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ اسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ نیز لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح خدا ہے۔ نیز ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔

(ب) علاوہ ازیں اگر کوئی "روح اللہ" کے لفظ سے خدا بن جاتا ہے تو اس میں حضرت مسیح کی خصوصیت نہیں۔ اس طرح سے تو پھر قرآن مجید کی رُو سے ہزاروں کروڑوں بلکہ سب ہی خدا بن جائیں گے۔ دیکھو خدا تعالےٰ آدم کے متعلق فرماتا ہے :۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ) فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ (سورۃ حجر ص) گویا آدم میں بھی بعینہٖ مسیح کی طرح خدا کی "رُوح" پھونکی گئی۔ کیا وہ بھی خدا بن گیا؟

جبرائیل کے حق میں :۔ فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم) پھر عربی بائبل کتاب حزقیل $\frac{۳۷}{۱۴}$ میں ان لوگوں کے

متعلق جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکالے گئے تھے اور انکو مار دیا گیا تھا۔ اور پھر زندہ کیا تو اس زندہ کرنے کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ فَاُعْطِیَ رَفِیْکُمْ رُوْحِیْ جس کے بالمقابل اُردو بائبل میں یہ الفاظ ہیں:۔ "اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالونگا۔ اور تم جیو گے"۔ الغرض اس طرح حضرت مسیح خدا نہ ہوئے بلکہ سب سے پہلے آدم پھر اسکی اولاد اور جبرائیل تمام خدا ہوئے۔

(ج) خود بائبل میں "روح اللہ" اور "خدا کی رُوح" لفظ غیر خدا کیلئے بیشمار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف کے متعلق کہا۔ کیا ہم ایسا جیساکہ یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی رُوح ہے۔ پاسکتے ہیں؟

(۲) دیکھو خداوند نے بطلی ایل کو . . . "حکمت اور فہم اور دانش اور سب طرح کی کاریگریوں میں رُوح اللہ سے معمور کیا"۔ (خروج $\frac{۳۵}{۳۱}$)۔

(۳) نیز دیکھو حزقی ایل $\frac{۳۷}{۱۴}$۔ گنتی $\frac{۲۴}{۲}$ و $\frac{۲۷}{۱۸}$ و خروج $\frac{۱۲}{۲}$ و دانیال $\frac{۴}{۱۸ و ۹ و ۸}$ و یسعیاہ $\frac{۶۱}{۱}$ و نحمیاہ $\frac{۹}{۳۰}$)۔

نئے عہد نامہ میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے:۔

(۱) بولنے والے تم (حواری) نہیں بلکہ تمہارے باپ کی رُوح مجھ میں بھی ہے (۱۔ کرنتھیول $\frac{۷}{۴۰}$)

(۲) انجیل کا مندرجہ ذیل حوالہ سب سے صاف ہے:۔

"خدا نے کہا آخری دِنوں میں ایسا ہو گا کہ میں اپنی رُوح میں سے ہر بشر

پر ڈالونگا اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیٹیاں نبوت کرینگی۔" (اعمال ۲/۱۷)

(۷) انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات دیکھو:۔ لوقا ۱/۳۵ و ۱/۴۱ و ۱/۶۷ و ۲/۲۵ و ۱/۱۵ و اعمال ۲/۴ و ۱۔ کرنتھیوں ۱۲/۳ تا ۱۱)۔

تیرھویں دلیل۔ مسیح کو قرآن مجید میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے لہذا وہ خدا ہے۔

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (کہف آخری رکوع) پس خدا کے کلمات کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ اگر خدا کے کلمے خدا ہونے لگے تو پھر دنیا کا ذرہ ذرہ خدا بن جائیگا۔ خدا تعالیٰ ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سب سمندر سیاہی بنجائیں۔ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ (لقمان رکوع ۳) پھر بھی کلمات اللہ شمار نہ ہوسکیں۔

چودھویں دلیل۔ انجیل میں مسیح کی نسبت "وسیلہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ خدا ہے۔ ایسا ہی اُسے نئے عہد کا درمیانی کہا گیا ہے۔

جواب:۔ چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

انجیل میں "وسیلہ" کا لفظ بمعنی معرفت استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "کیونکہ اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دُنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کریگا جسے اُس نے مقرر کیا ہے۔" (اعمال ۱۷/۳۱)

اب دیکھئے بائبل میں کیا لکھا ہے:۔

"تب بھی تو بہت برس تک اُن کی برداشت کرتا رہا ہے اور اپنی رُوح

سے یعنی اپنے نبیوں کی معرفت سے انہیں سمجھاتا رہا ہے۔" (نحمیاہ ۹/۳)

پس تمام انبیاء ہی خدا اور انسانوں کے درمیان وسیلہ ثابت ہوئے مسیح کی خصوصیت کیا رہی۔ نیز ملاحظہ ہو:۔

"تو نے روح القدس کے وسیلہ سے ہمارے باپ اپنے خادم داؤد کی زبانی فرمایا۔" (اعمال ۴/۲۵)۔

لغت میں بھی ہے:۔ الوَاسِلَةُ وَالوَسِيْلَةُ مَا يَتَقَرَّبُ بِهٖ إِلَى الغَيْرِ۔ المَنْزِلَةُ عِنْدَ المُلُوْكِ۔ الدَرَجَةُ۔

پس وسیلہ کے معنے مقرب الٰہی اور صاحبِ درجہ ہونے کے ہیں۔

خدا کا تجسّم محال ہے

انجیل کا مندرجہ ذیل اقتباس عیسائی پادریوں کی تمام منطقیانہ مُوشگافیوں کے جواب کے لئے کافی ہے:۔

اگرچہ انہوں نے خدا کو جان لیا۔ مگر اس کی خدائی کے لائق اُس کی بڑائی اور شکر گذاری نہ کی۔ بلکہ وہ باطل خیالات میں پڑ گئے۔ اور ان کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے۔ اور غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔" (رومیوں ۱/۲۱ تا ۲۳)۔

حواری خدا کی عبادت کرتے تھے

(۱) ہم ہیں جو خدا کی رُوح سے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور یسوع مسیح پر فخر کرتے ہیں۔ فلپیوں ۳/۳۔

مگر سچے پرستار رُوح اور راستی سے باپ کی پرستش کرتے ہیں یُوحنا ۴/۲۳ -

(۲) حواریوں کا ایمان مسیح کے باپ سے کمتر ہونے پر بہت صاف تھا۔ چنانچہ پولوس کا کلام شرک سمجھا۔ تم مسیح کے ہو۔ مسیح خدا کا ہے۔ ہر ایک مرد کا سر مسیح ہے۔ اور مسیح کا سر خدا ہے۔ ۱۔کرنتھیوں ۳/۲۳ و ۱۱/۳ ۔

(۳) حواری سوائے باپ کے کسی کو خدا نہ کہتے تھے۔ ۱۔کرنتھیوں ۸/۴ و ۶

ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے۔

(۴) اس اکیلے سچے خدا کی تعریف۔ وہ مُبارک اور اکیلا حاکم۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خدا ہے۔ فقط اسی کو ہے۔ وہ اس نور میں رہتا ہے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسے کسی انسان نے نہ دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے۔ ۱۔تمتھیس ۶/۱۵ و ۱۶ -

مسیح نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا

(اقبالی ڈگری)

مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ بالکل نہیں کیا۔ یہ صرف عیسائی صاحبان کی خوش فہمی ہے کہ ان کو خدا بنا رہے ہیں۔

بلکہ اگر حضرت عیسیٰ نے اپنے متعلق خدا یا ابن کا لفظ استعمال بھی کیا ہے تو وہاں صرف انہیں معنوں میں مُراد لیا ہے جن معنوں میں تمام نبیوں اور بزرگوں پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ثبوت اس کا سُنیئے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں ابن اللہ ہوں۔ یہود یہ سنکر طیش میں آگئے۔ اور

انہوں نے ارادہ کیا کہ مسیح پر پتھراؤ کریں۔ مسیح نے کہا کہ تم مجھے اس قصور پر سزا دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تو انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ اس کفر بکنے کی ہم سزا دیتے ہیں۔ مسیح نے جواب میں کہا۔ کیا تمہاری شریعت میں نہیں لکھا کہ مَیں نے کہا کہ تم خدا ہو۔ جبکہ اُس نے انہیں جن کے پاس کلام آیا۔ خدا کہا۔ اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ یوحنا ۱۰ باب آیت ۳۴ تا ۳۶۔

اِس عبارت کو سُنا کر مسیح نے اپنے ابن اللہ ہونے کی حقیقت کھول دی کہ تم ناحق مجھے کافر کہتے ہو جبکہ توریت میں لکھا ہے کہ تمام وہ لوگ جنکے پاس خدا کا کلام آیا۔ یعنی یہود خدا ہیں۔ تو پھر میرے ابن اللہ کہلانے پر خفا کیوں ہوتے ہو۔ جبکہ تمہارے ہاں کتب انبیاء میں لکھا ہے کہ قضات اور بزرگ لوگ الوہیم یعنی خدا ہیں۔ اسی طرح انہی معنوں میں مَیں بھی ابن اللہ ہونے کا مدعی ہوں۔

الہامی منطق

(مسیح میں خدائی صفات نہ پائی جاتی تھیں)

(۱) خدا آزمایا نہیں جاتا (یعقوب $\frac{۱}{۱۳}$)۔ مسیح آزمایا گیا (متی $\frac{۴}{۱}$ و عبرانیوں $\frac{۴}{۵}$) لہذا مسیح خدا نہیں۔

(۲) خدا نہیں مَرتا۔ (۱۔تیمتھیس $\frac{۶}{۱۶}$ و دانی ایل $\frac{۶}{۲۶}$)۔ مسیح مرا (متی $\frac{۲۷}{۵۱}$۔ یوحنا $\frac{۱۹}{۳۳}$ و رومیوں $\frac{۵}{۶}$) نتیجہ مسیح خدا نہیں۔

(۳) خدا قیوم ہے۔

مسیح قیوم نہیں (متی $\frac{۲۰}{۲۳}$ اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں)۔

(۴) اللہ تعالیٰ کسی سے دُعا نہیں مانگتا۔

مسیح نے دُعا مانگی۔ (لُوقا ۵/۱۶ و ۲۲/۲۴)۔

(۵) خدا قادر مطلق ہے آپ سے ہر کام کر سکتا ہے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۶/۱۸)۔

مسیح قادر مطلق نہ تھا اور آپ سے ہر کام کر نہ سکتا تھا (یوحنا ۵/۳۰ و ۸/۲۸)۔

صغریٰ:۔ المسیح غیر قادر۔

کُبریٰ:۔ وَکل مَا ھو غیر قادر فلیس ھُوَ باللہِ۔

نتیجہ:۔ فالمسیح غیر اللہِ۔

(۶) صرف خدا عالم الغیب ہے۔ (۱۔ سلاطین ۸/۳۹)۔

(تُو ہاں تُو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دِلوں کو جانتا ہے")۔

لیکن مسیح عالم الغیب نہ تھا۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو:۔ مرقس ۳/۳۲

لیکن اُس دِن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا۔ مگر باپ۔ (ب) انجیر کا درخت (متی ۲۱/۱۸، ۱۹)۔ (ج) مجھے کس نے چھُوا۔ (لُوقا ۸/۴۵، ۴۶)۔ (د) پطرس کو جنت کی کنجیاں (متی ۱۶/۱۹) مگر بعد میں پطرس شیطان (متی ۸۶/۲۳)۔

(۷) خدا قائم بالذات ہے۔

مسیح قائم بالذات نہیں۔ (۲۔ کرنتھیوں ۱۳/۴ و رُومیوں ۶/۱۰)۔

(۸) خدا جو کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے (حزقی ایل ۱۲/۲۵ و زبور ۵/۱ و مرقس ۱۴/۳۶)

مسیح جو کہتا ہے وہ نہیں ہوتا (متی ۲۰/۲۳ اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں۔ (ب) یُوحنا ۵/۳۰ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا (ج) متی ۱۶/۲۸

شاگردوں سے کہا کہ تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ میں آسمان سے واپس آجاؤنگا۔ لیکن ابھی تک نہیں آیا۔ شاگرد سب مر گئے۔

(۹) خدا نہیں تھکتا اور ماندہ نہیں ہوتا (یسعیاہ ۴۰/۲۸ و یرمیاہ ۱/۱۰)۔ مسیح تھکا ماندہ ہوا۔ (یوحنا ۴/۶۔ چنانچہ یسوع سفر سے تھکا ماندہ ہو کر اس کوئیں پر بیٹھ گیا۔)

(۱۰) "خدا تھکے ہوؤں کو زور بخشتا ہے اور ناتوانوں کی توانائی زیادہ کرتا ہے۔" (یسعیاہ ۴۰/۲۹ و زبور ۱۴۵/۱۴) مگر مسیح کا اپنا یہ حال ہے:۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں۔" (متی ۸/۲۰)۔

لہذا مسیح خدا نہیں۔ وتلك عشرة كاملة۔

معقولی دلائل در تردید الوہیتِ مسیح

(۱) ہندو لوگ کرشن جی مہاراج کو خدا کہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ کرشن کو خدا نہ مانیں اور مسیح کو مان لیا جائے۔

(۲) جب مسیح مر گیا (متی ۲۷/۵۰) اور ۲ دو رات مرا رہا۔ تو کیا خدا مر جایا کرتے ہیں۔ خدا نہیں مر سکتا۔

(۳) جب مسیح نے تجسم اختیار کیا تھا تو ثلاثہ اقانیم اکٹھے یکجا تھے یا ۲ دو الگ الگ اور اقنوم ثانی جسم میں تھا اگر ۲ دو الگ الگ تھے تو مجموعہ الوہیت مکمل نہ رہا۔ اور اگر ثلاثہ اقانیم یک جا تھے تو صرف اقنوم ثانی نے ہی تجسم اختیار نہ کیا بلکہ ثلاثہ اقانیم نے۔

(۴) مسیح دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوا۔ مصلوب وملعون ہوا۔
کیا خدا مغلوب و مصلوب وملعون ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے۔ تو عاجز انسان
اور خدا کے درمیان مابہ الامتیاز کیا شئے ہے؟

(۵) جب مسیح نے یہ کہا تھا کہ اے باپ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھ میں
سونپتا ہوں۔ اور مر گیا تھا۔ لوقا ۲۳/۴۶ ۔
تب کونسی رُوح رہی تھی۔ انسانی یا الٰہی۔ اگر کہو کہ انسانی فقط۔ تو الٰہی
رُوح کہاں گئی تھی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ رُوحیں دو ہیں۔ مگر مسیح ایک۔ ایک الٰہی
رُوح جو غیر محدود اور ایک انسانی رُوح جو محدود۔ یہ دونو ایک جسم میں
کس طرح حلول کر سکتی ہیں۔

(۶) مسیح کہتا ہے جو عورتوں سے پیدا ہوئے یُوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا
ظاہر نہیں ہوا (متی ۱۱/۱۱) مسیح بھی عورت سے پیدا ہوا تھا یُوحنا سے چھوٹا ہوا۔ پس
یُوحنا بڑا خدا ہوا کیونکہ جب یُوحنا سے چھوٹا خدا ہو گیا تو یُوحنا بڑا خدا ہو گا۔

(۷) ایوب ۷/۹ میں لکھا ہے جو گور میں اُترا پھر اُوپر نہ آوے گا۔ تو
مسیح مر کر قبر سے کیونکر نکلا۔

(۸) ایوب ۸/۲۰۔ خدا سچے آدمی کو نہیں چھوڑیگا۔ وہ بدکاروں کی امداد
نہیں کرتا۔ اور مسیح مغلوب مصلوب اور یہودی کامیاب ہوئے۔

(۹) استثنا ۱۳/۵ میں ہے۔ غیر معبودوں کی پرستش کی طرف بُلانے والا
جھوٹا ہے۔ وہ قتل کیا جاویگا۔ مسیح نے اگر خود کو کہا۔ اور مقتول ہوئے تو
جھوٹے ثابت ہوئے نہ کہ خدا اور سچا خدا۔

(۲۳) اگر مسیح بغیر باپ ہونے کی وجہ سے خدا ہے تو ملک صدق سالم کیوں خدا نہیں۔ عبرانی ۷/۳۔

(۲۴) مرقس ۱۰/۱۸۔ اے نیک اُستاد۔ مگر مسیح کو خود نیک ہونے سے انکار ہے۔

کفارہ

مسیحی مفہوم۔ اوّل۔ ہر انسان گنہگار ہے۔ نہ صرف بلوغت سے لیکر بلکہ پیدائشی گنہگار ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ آدمؑ و حوّا نے گناہ کیا۔ اور اولاد میں وراثتاً گناہ آیا۔ اس لئے ہر انسان گنہگار ہے۔ سوم۔ نظام الٰہی کہ چونکہ خدا عادل ہے۔ بلا وجہ بخش نہیں سکتا۔ اور وہ رحیم بھی ہے۔ بوجہ عدل چھوڑ نہیں سکتا۔ بوجہ رحم اقنوم ثانی کو تجسّم اختیار کرنا پڑا۔ (نہ معلوم خود تجسّم اختیار کیا یا باپ کے حکم سے کیونکہ الوہیت میں مساوی ہیں خادم) اور دوسری طرف خدا نے انسان بن کر اور مصلوب ہو کر جہان کے گناہ اٹھائے۔ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بوجہ مسیح کی اس تکلیف کے جو اُس نے صلیب پر برداشت کی۔

بنیاد کفارہ۔ گناہ پیدائش سے ہے۔ عملوں سے نہیں۔ تمام لوگ پیدائش سے (مرد و عورت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے) گنہگار ہوئے۔ مسیح بیگناہ (صرف عورت سے پیدا ہوا) تھا۔ اِس لئے قربان ہوا۔ اور دُنیا کو گناہوں سے نجات دی۔

تعریف کفارہ۔ کفارہ کے لفظی معنی ڈھکنا۔ ڈھانپنا۔ خدا کا ایک بیٹا ہے۔

اور وہ ایک ہی بیٹا ہے۔ اس خدا کے بیٹے نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا۔ اور وہ خدا کا بیٹا انسان کے بیٹے کی شکل میں پیدا ہوا۔ خدائی کا دعویدار ہوا۔ یہودیوں نے پکڑ کے صلیب پر لٹکا کر جان نکالدی۔ یہ تکلیف خدا کے بیٹے نے محض انسان کے گناہوں کی وجہ سے اٹھائی۔ اب وہ گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ اب کسی قسم کی سزا انسان کو نہ دی جائے گی۔

ضرورت کفارہ۔ انسان گنہگار ہے اور گناہ کا نتیجہ موت ہے بلکہ جہنم کی سزا مگر خدا رحیم ہے۔ اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جاوے پھر وہ عادل ہے۔ عدل کا تقاضہ ہے کہ سزا ضرور دی جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ کس طرح جمع ہوں۔ خدا کا بیٹا گناہوں کو اپنے اوپر لے کر اپنا مارا جانا قبول کر کے تمام جہانوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہو گیا۔

کفارہ کی تائید میں حوالجات جو یسوعیوں کیطرف سے پیش کئے جاتے ہیں

(۱) اچھا گڈریہ میں ہوں۔ اچھا گڈریہ بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔

(۲) یسوع کے صلیب دئے جانے کا دن قریب آیا تو ایک دن روٹی کھانے کے وقت روٹی اور انگور کا رس جماعت میں تقسیم کرتے ہوئے کہا کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے اور پیو۔ یہ میرا لہو ہے۔

الطال (۱) آدم سے زیادہ گنہگار حوا تھی۔ اس لئے جو صرف عورت سے پیدا ہوا۔ وہ زیادہ گنہگار ہوا۔ تو قربان کیسے ہوا۔ قربان تو معصوم ہو سکتا ہے بقول شما (دیکھو توریت۔ کہ سانپ نے بہکا کر حوا کو دانہ کھلایا۔ پھر حوا نے آدم کو بہکایا) پیدائش ۳ ۔

(۲) انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے قبل یُوحنا اور زکریا مع اپنی بیوی کے نہایت پاک اور راستباز تھے۔ ثابت ہُوا کہ کفارہ پہ ایمان لائے بغیر بھی آدمی راستباز ہو سکتا ہے۔ کفارہ ضروری نہ رہا۔ نیز یسوع سے پہلے جتنے انبیاء تھے۔ ان کی نجات کس طرح ہوئی؟

(ا) "زکریا اور اس کی بیوی وہ دونوں خداوند کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے"۔ (لوقا ۱/۶)

(ب) "یُوحنا خداوند کے حضور بزرگ" (لوقا ۱/۱۵)۔

(ج) "یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں"۔ (متی ۱۱/۱۱)۔

(د) "یوحنا نبی سے بھی بڑا تھا"۔ (لوقا ۷/۲۶)۔

(۳) اگر کفارہ صحیح ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ یہودا اسکریوطی مسیح کے پکڑوانے والے کو جزائے خیر ملے اور نجات ابدی کو پہنچے۔

(۴) یہ عدل نہیں کہ گنہگار دُنیا میں اچھی طرح گناہ کریں اور عاقبت کو بھی جنت میں داخل ہوں اور عوض ان کے حضرت مسیح بے گناہ صلیب پر چڑھائے جائیں اور دوزخ میں بھی رہیں۔ غرض یہ ظلم ہے۔

(۵) اگر حضرت عیسیٰ اپنی خوشی سے کفارہ قبول کرتے تو صلیب پر کیوں پکار کر کہتے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ یعنی اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا معلوم ہُوا کہ جبراً صلیب دیا گیا۔ پس وہ کفارہ گناہوں کا کیسے ہوئے۔ (متی ۲۷/۴۶)۔

(۶) جب مسیح نے سب گناہ اُٹھا لئے۔ تو گویا وہ مجموعہ گناہوں کا ہوئے

پس گناہ گار آدمی اپنے گناہ سے عذاب ابدی میں رہیگا۔ تو کیا حال ہے اس کا جس نے سب کے گناہ اُٹھائے۔

(۷) بتقدیر تسلیم کفارہ انبیا جو پہلے مسیح سے گذرے ہیں۔ لازم آتا ہے کہ کفار کے ساتھ دوزخ میں رہے ہوں۔ کیونکہ تب تک کفارہ نہ ہوا تھا

(۸) ہم پوچھتے ہیں کہ کفارہ سب کا ہوا ہے یا کہ موجودین کا۔ برتقدیر ثانی آیندہ اور گذشتہ کے واسطے اور کفارہ چاہیئے۔ برتقدیر اول جب لوگ پیدا نہ ہوئے تھے تو ان کے گناہ کیونکر ایک شخص نے اُٹھالیئے۔

(۹) جب مسیح نے سب کے گناہ اُٹھا لیئے تو وہ گویا اول نمبر کے گنہگار دل میں ہوئے۔ پس محتاج ہوئے طرف کسی منجی کے کیونکہ بجز منجی کے نجات ممکن نہیں۔ پس وہ بھی محتاج کفارہ کا ہوگا۔ اور تسلسل لازم آئیگا۔

(۱۰) کفارہ سے لازم آتا ہے کہ قاتل اور چور وغیرہ مجرموں کو پھانسی کی سزا نہ دیجائے حالانکہ مسیحی لوگ سزا دیتے اور لیتے بھی ہیں۔

(۱۱) جب کفارہ ہوگیا تو نیکی کرنے کی کیا حاجت رہی۔ باوجودیکہ مسیح نے چالیس روزے رکھے اور حوارین بھی پابندی نیکی کی کرتے رہے۔

(۱۲) اگر مسیح نے گناہ اُٹھائے بھی ہیں تو لازم آتا ہے کہ امور غیر متناہی واقع ہوں۔

(۱۳) مسیح اگر کفارہ ہونے کو آئے تھے تو آتے ہی کفارہ کیوں نہ ہوئے بلکہ انجیل سے ثابت ہے کہ خلقت کو نصیحت کرنے آئے تھے۔

(۱۴) اس کفارہ کے ہونے سے معافی گناہ کی تو نہیں ہوئی بلکہ زیادتی وقوع میں آئی ہے کیونکہ یہودی مسیح کی حقارت کرنیکے باعث مستحق عذاب کے ہوئے۔

(۱۵) اگر کفارہ موافق مرضی خدا کے ہوتا۔ تو علامات رحمت ظاہر ہوتیں حالانکہ چار انجیلوں سے ثابت ہے کہ بعد سُولی کے اس طرح کی علامات خدا کے قہر کی ظاہر ہوئیں کہ کبھی نہ ہوئی ہونگی۔ مثلاً جہان میں اندھیرا ہو جانا اور مُردوں کا قبروں سے نکلنا۔ زمین کا کانپنا۔ ہیکل کا پردہ پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

(۱۶) جبکہ باقرار مسیحیاں حضرت عیسے جزو خدا ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ صلیب پر کھینچنے والا انسان تھا پس اس سے غلبہ مخلوق کا خالق پر پایا جاتا ہے۔

(۱۷) کفارہ کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ کسی بخشش کرانیوالے کی حاجت نہ رہے۔ حالانکہ کتاب اعمال میں موجود ہے کہ حواریین بخشش دیتے تھے۔ اور مسیح حواریوں کو فرماتے تھے کہ جس کو تم بخشو گے وہ بخشا جائیگا۔

(۱۸) اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسی قیامت کو عدالت کرینگے۔ اگر یہ سچ ہے تو بطلان کفارہ میں کیا پیچ ہے۔

(۱۹) ہر ایک فرقے پر اطاعت وتقلید پیشوا اپنے کی لازم ہے۔ پس اگر مسیح مصلوب ہوتے تو عیسائی کیوں صلیب پر نہیں چڑھتے۔

(۲۰) اعتقاد کفارہ سے تحقیر شان منظور ہے۔ یہ تحقیر انکے پیرو پولوس صاحب بھی کرتے ہیں قطع نظر مخالف سے۔ چنانچہ گلتیوں کے خط میں لکھا ہے۔ جو سُولی دیا گیا وہ لعنتی ہے $\frac{۳}{۱۳}$ مصلوب خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ استثناء $\frac{۲۱}{۲۳}$۔

(۲۱) اگر مسیح کفارہ ہونے آئے تھے تو دعا دُبارہ نہ مانگتے۔ حالانکہ انجیل میں موجود ہے کہ مسیح نے رات بھر بہت تضرع سے یہ دُعا مانگی کہ یہ عذاب سُولی کا مجھ سے ٹل جائے۔ دیکھو متی $\frac{۲۶}{۳۹}$ و مرقس $\frac{۱۴}{۳۶}$ و لوقا $\frac{۲۲}{۴۲}$۔

(۲۲) مسیح من حیث الروح کفارہ ہوئے یا من حیث الجسم - بر تقدیر ثانی
جسم انکا بشریت کا تھا - اور کل بشر گنہگار ہیں - بر تقدیر اوّل رُوح کو آپ خدا
سمجھتے ہیں وہ سُولی دئے جانے سے مبرّا ہے - دُوسرا رُوح محسوس نہیں جو صلیب
پر کھینچا جاتا - اپنے جسم کے متعلق مسیح خود کہتا ہے جسم کمزور ہے (مرقس ۱۴/۳۸)

(۲۳) (ا) جو ایمان لاتا ہے نجات پائیگا - یوحنا ۳/۱۶-۱۹ و رُومیوں ۳/۲۵ -

(ب) ایمانداروں کی علامتیں دیکھو :-

(متی ۱۷/۲۰ و ۱۸/۹ و ۲۱/۲۱ و مرقس ۱۶/۱۷ و یوحنا ۱۴/۱۲) پہاڑ ہٹانا - درخت سکھانا
زہر کھانا - بیماروں کو شفا دینا وغیرہ وغیرہ - مگر چونکہ کسی عیسائی میں یہ علامتیں
نہیں - لہذا کوئی ایماندار نہیں کسی کی نجات نہ ہوئی - کفارہ باطل -

(۲۴) مسیح کی قربانی خلافِ فطرت و عقل ہے - ہمیشہ چھوٹی چیز بڑی چیز
پر قُربان ہوتی ہے - لفظ قُربانی - قُرب سے نکلا ہے -

(۲۵) کفارہ پر ایمان لانے کے بعد مسیحی لوگوں سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتے
یا ہوتے ہیں - لیکن معاف ہو جاتے ہیں - (۱) سرزد نہیں ہوتے مشاہدہ کے
خلاف - (۲) معاف ہو جاتے ہیں - دلیل دو -

(۲۶) مسیح نے اپنی مرضی سے کفارہ ہو کر بندوں کے گناہ اپنے ذمہ لیے یا باپ کی
مرضی سے - اگر باپ کی مرضی سے تو باپ غیر عادل - اگر اپنی مرضی سے تو خود غیر عادل -

(۲۷) انسان بوجہ گنہگار ہونیکے کفارہ ہو سکتا تھا وہ فطرتاً گنہگار ہے -
تمام لوگ ابن آدم ہیں مگر مسیح ابن اللہ ہے اور پاک ہے اس لیئے کفارہ ہوا -
مگر ہم کہتے ہیں وہ ابن آدم بھی ہے - پھر حوا نے بھی گناہ کیا تھا بلکہ آدم سے

پہلے اُسی نے گناہ کیا۔ اور مریم بھی اولادِ آدم سے تھی مسیح ان سے پیدا
ہوئے۔ ماں کے خواص بچے میں سرایت کرتے ہیں مسیح کی ماں بیگناہ نہ تھی نسلِ
آدم سے تھی۔ اسلئے مسیح گناہ سے کیسے پاک ہوئے۔ وہ بھی گنہگار ہوئے۔
جو عورت سے پیدا ہوا وہ کیونکر پاک ٹھہرے۔ (ایوب ۲۵/۴ و ۱۵/۱۴)۔

(۲۸) آدم کیوجہ سے ساری نسل کا گنہگار ہونا خدا کے عدل کے خلاف ہے

(۲۹) موت گناہ کی سزا ہے۔ جب گناہ معاف ہو چکا تو پھر موت کیسی؟ (رومیوں ۶/۱۶)

(۳۰) عورت دردِ زہ سے بچہ جنیگی۔ مرد پسینہ کی کمائی سے روٹی کمائیگا۔ مگر
کفارہ پر ایمان لاکر بھی دردِ زہ ہوتا اور پسینہ کی کمائی سے روٹی نصیب ہوتی ہے۔

(۳۱) یہودیوں نے احسان کیا کہ کفارہ ادا کردیا۔ پھر لعنتی کیوں ہوئے؟

(۳۲) چونکہ یسوع کا دعویٰ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے آنے کا تھا
اس کا کفارہ بھی صرف بنی اسرائیل کیلئے ہوگا۔ تمہارا اسکی تبلیغ کرکے لوگوں
کو دھوکہ دینا بے فائدہ ہے۔

(ا) "مَیں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے
پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی ۱۵/۲۲)

(ب) "لڑکوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا اچھا نہیں"۔ (متی ۱۵/۲۶)

(ج) "اس نے شاگردوں کو ہدایت کی کہ بنی اسرائیلیوں کے سوا
اور کسی کو تبلیغ نہ کرنا"۔ (متی ۱۰/۵-۶)۔

(د) پولوس کا یسوع کی وفات کے بعد غیر قوموں کو تبلیغ کرنا محض غصہ کیوجہ
سے تھا۔ اعمال ۱۵/۱ تا ۵۔ اور یسوع کے دوسرے شاگرد پطرس سے جھگڑے کیوجہ

غیر قوموں کے پاس جاکر کیوں منادی کی۔ اعمال ۱۱/۲۔ اور اس کے جواب میں اُس نے ایک بے معنی سا خواب سُنا کر اُنکو ٹالنا چاہا۔ اگر یسوع نے کبھی غیر قوموں کی ہدایت کا کبھی دعویٰ کیا ہوتا تو پطرس اپنی خواب سُنانے کی بجائے یسوع کا وہ قول پیش کرتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غیر قوموں میں تبلیغ محض پولوس کی ایجاد ہے۔ پس جب کفارہ بنی اسرائیلیوں میں محدود ہو گیا۔ تو خدا کی باقی ساری مخلوق اس سے محروم ہو گئی۔ اور خدا کے بیٹے کی اتنی بڑی قربانی "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کی مصداق ہوئی۔

(۳۳) قول عیسائی کہ انسان کمزور ہے۔ گناہ اُٹھا نہیں سکتا۔ اِس لئے خدا کے بیٹے نے وہ گناہ اُٹھا لئے۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ دُوسروں کے عوض میں کسی کو سزا کیوں دیجائے۔ اس موقعہ پر "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" والی مثال صادق آئے گی۔

(۳۴) قول عیسائی۔ کہ اگر خدا گناہوں کی سزا نہ دیوے اور بخش دے تو یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے عدل کی تعریف غلط سمجھی ہے عدل کہتے ہیں کسی کا حق نہ مارنا۔ جیسے مزدور کو ایک روپیہ کی بجائے دو دے دیں۔ تو عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں ایک کی بجائے ۸ آنے دے دیں۔ تو خلافِ عدل ہے۔ اسی طرح گناہ معاف کرنا عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں بڑھ کر سزا دینی خلافِ عدل ہے۔ ثواب میں انعام ہوتا ہے۔ اگر اعمال سے زیادہ دیا جائے تو خلاف عدل نہیں۔

اسکے متعلق انجیل کی شہادت۔ صاحب مکان کے مزدوروں کا قصہ

نقلی دلائل۔ (۱) متی ۶/۱۴۔ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے۔ نہیں بخش دے گا۔ پس جب خود خدا نہیں بخش سکتا تو وہ بندوں کو کیسے کہتا ہے کہ تم بخشو۔

(۲) استثنا ۹/۱۸-۲۱۔ اسرائیلیوں کی ہلاکت کو نبی کی دعا سے ٹال دیا۔ معلوم ہوا کہ گناہ بغیر کفارہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔

(۳) پیدائش ۲۰/۷۔ نبی کی دعا ہمارے واسطے شفاعت کرتی ہے اور ہمیں زندگی بخشتی ہے۔ کسی کفارے کی ضرورت نہ رہی۔

کفارہ پر ایمان لانے سے خرابیاں

(۱) دعا کا مسئلہ فضول جاتا ہے (۲) گناہ پر دلیری عیسائی گناہ کرے یسوع بخشوا دیگا۔ یوحنا ۲/۱۔ (۳) نبی کو لعنتی ماننا پڑتا ہے (۴) تورات کا انکار کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس میں کفارہ کا ذکر نہیں (۵) خدا غیر عادل ٹھہرتا ہے کہ ناحق اپنے بیٹے کو سولی دی۔

(۳۵) یسعیاہ نبی ۵۵/۷۔ "وہ جو شریر ہے اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکار اپنے خیالوں کو اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اسپر رحم کریگا اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت سے معاف کرے گا"۔ اس میں گناہوں کی معافی ترک گناہ بتایا ہے۔ نہ کہ کفارہ۔

(۳۶) اگر کفارہ سچ ہے تو خدا رحیم نہیں۔ کیونکہ اس نے بہرحال سزا دے لی پھر وہ رحم کہاں برتتا ہے۔ عیسائیوں کے مزعومہ عدل کو پورا کرلیا۔

(۳۷) سزا کی غرض بندہ کی اصلاح ہے بیٹے کو سزا دے کر بندے کی کیا اصلاح ہوئی اس سے خدا تو خوش نہیں ہوتا۔ نہ نیکی سے اسے فائدہ ہے اور نہ بدی سے کوئی نقصان۔ پس اصل غرض سزا کی اصلاح نفس ہے جب وہ نہ ہوئی۔ تو کفارہ بے فائدہ۔ نیز کفارہ ساز گناہ کی سزا کی غرض سے ناواقف معلوم ہوتا ہے۔

(۳۸) یسوعی کہتے ہیں کہ کفارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ کا قرضدار جب اپنا قرض ادا نہ کرسکے تو بادشاہ کا بیٹا اگر اس قرض کو ادا کردے تو وہ چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کے گناہ بیٹے نے اٹھا لئے تو وہ سزا سے بری ہو گئے۔ مگر اتنا نہیں سوچا کہ جب بیٹا اتنا اختیار رکھتا ہے کہ اپنے خزانے دیدے اور رحم کرتا ہے۔ تو کیا بادشاہ رحم نہیں کرسکتا۔

(۳۹) گناہوں کی معافی کے ذرائع ۲ تواریخ ۷/۱۴-۱۲ اپنے تئیں عاجز کرنا دعا مانگنا۔ خدا کا منہ ڈھونڈنا۔ برے راہوں سے پھرنا۔ اگر یہ ذرائع انسان (عملاً) کرے۔ تو بغیر کفارہ خطا معاف ہوتے ہیں۔

(۴۰) متی ۱۲/۳۲ روح کے خلاف کا کفر معاف نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یسوع کے نزدیک گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر بغیر سزا کے معاف نہیں۔ پس کفارہ باطل کیونکہ کفارہ سب گناہوں کو یکساں معاف کرتا ہے۔

(۴۱) متی ۷/۱۴ نجات کی راہ کو مشکل اور تنگ بتلایا ہے۔ جو بہت محنت اور جانفشانی کا کام ہے۔ حالانکہ کفارے کی راہ تو تنگ نہیں۔ جو مرضی آئے کرے

پس کفارہ، نجات کے لئے نہیں۔

(۴۲) خدا قربانی پسند نہیں کرتا بلکہ رحم پسند کرتا ہے (متی ۱۲/۷) لہذا کفارہ باطل ہے

(۴۳) "کفارہ" یہ تعلیم دیتا ہے کہ "اعمال" کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجرد "ایمان" ہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "کفارہ" کے بانی (پولوس) نے "شریعت" کو "لعنت" قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پہ لٹکایا گیا۔ وہ لعنتی ہے۔" (گلیتوں ۳/۱۳)۔

(ب) "اب ہم جانتے ہیں کہ شریعت جو کچھ کہتی ہے۔ ان سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں۔ تاکہ ہر ایک کا منہ بند ہو جائے۔ اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے . . . مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوئی ہے۔ جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع مسیح پہ ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ مگر اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو یسوع مسیح میں ہے۔ مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اُسے خدا نے اُسکے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو . . . کونسی شریعت کے سبب سے؟ کیا اعمال کی شریعت سے؟ نہیں بلکہ ایمان کی شریعت سے۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے۔" (رومیوں ۳/۱۹-۲۹)۔

(ج) **جھوٹ جائز**:۔ یہی وجہ ہے کہ پولوس کہتا ہے۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے لئے ظاہر ہوئی۔ تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم لگایا جاتا ہے۔" (رومیوں ۳/۷) گویا اگر جھوٹ بول کر عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔

(د) کفارہ کی آزادانہ تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ یسوع کے معاً بعد ہی عیسائیوں میں خطرناک طور پر بدکاری شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے: "یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں۔ تاکہ جس نے یہ کام کیا۔ تم میں سے نکالا جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو۔"

(۱۔ کرنتھیوں ۵/۱)

پس عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ کفارہ گناہ کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ باطل ہے۔

عیسائی۔ قرآن میں بھی کفارہ ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ "فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ" (مائدہ رکوع ۱۲)

احمدی۔ قرآن مجید میں لفظ کفارہ سزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قسم توڑے اس کو سزا یہ ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے۔ مگر کفارہ کی سزا تو بے گناہ کو دی جاتی ہے۔ اور گناہ کرنے والا آرام اور مزے سے پھرتا ہے۔

(نوٹ) بعض عیسائی "حج بدل" کو بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ

حج بدل میں، روپیہ اسی شخص کا ہوتا ہے۔ جس کو حج بدل کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن یسوعی کفارہ میں خون تو مسیح کا بہایا گیا۔ اور گناہ عیسائیوں کے معاف ہوئے۔ پس فرق ظاہر ہے۔ خادمؔ۔

ابطالِ تثلیث

(۱) تثلیث کا عقیدہ مسیح سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیا۔ اور نہ خود مسیح نے مشرح ذکر کیا۔ اگر مسیح کو معلوم تھا کہ یہود نے انہیں سُولی دے دینا ہے تو انہوں نے اپنا عقیدہ کیوں نہ ظاہر کیا؟

(۲) تین ایک اور ایک تین یہ آپس میں ضدین ہیں۔ اگر مان لیا جاوے کہ ایک تین ہیں اور تین ایک ہے تو تقسیم الشئی الی نفسہٖ لازم آتی ہے۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ ایک کی تقسیم الی اجزاءہ تو ہو سکتی ہے۔ مگر الی نفسہٖ نہیں ہو سکتی

(۳) تین اقانیم۔ اگر تینوں کامل ہیں۔ تو ایک ہی کافی ہے۔ تین کی ضرورت نہیں۔ اگر ناقص ہیں۔ تو مجموعہ بھی ناقص ہوگا۔

(۴) یُوحنا $\frac{17}{3}$۔ حقیقی اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا واحد اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے۔ جانیں۔

(۵) مرقس $\frac{12}{29}$ "خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے"

(۶) متی $\frac{22}{37-38}$ " خداوند ایک خدا سے محبت رکھ"

(۷) استثنا $\frac{4}{35}$۔ خداوند ہی خداوند ہے اُس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں

(۸) " " " $\frac{4}{39}$ کہ جو اُوپر آسمان کے ہے۔

(۹) " " " " $\frac{6}{4}$ خدا ایک ہے۔

(۱۰) یسعیاہ ۴۵/۵ و ۴۶/۵ - مَیں ہی خداوند ہوں - اور میرے سوا کوئی اور معبود نہیں - اور نہ ہی میرے مشابہ ہے -

(۱۱) مرقس ۱۳/۳۲ - علم میں مساوی نہیں -

(۱۲) متی ۲۰/۲۳ - قدرت میں مساوی نہیں -

(۱۳) تثلیث سے اللہ تعالےٰ کے لئے ترکیب ماننی پڑتی ہے اور مرکب غیر کا محتاج ہوتا ہے - اس سے اس کا ممکن ہونا ثابت ہے - جو اس کی الوہیت کو ثابت کرتا ہے -

(۱۴) اقانیم ثلاثہ میں جو امتیاز ہے وہ یا صفت کمال ہوگی یا نہ ہوگی - اگر صفت کمال ہے تو باقی دو اقنوم ناقص ہوئے - ورنہ وہ ناقص ہوا -

(۱۵) انسانیت محدود ہے - الوہیت بھی اسکے ساتھ ملکر محدود ہو جائیگی -

(۱۶) اگر الوہیت مسیح یا تثلیث درست ہو تو ہر ایک خدا کو مرکب فی جزئین یعنی ما بہ الاشتراک اور ما بہ الامتیاز ماننا پڑیگا - اور مرکب خدا نہیں ہو سکتا -

(۱۷) اگر مسیح واقعی خدا اور ابن اور اقنوم ثالث تھے - اور انکے حق میں بائبل میں پیشگوئیاں ہیں تو بتاؤ - یہود نے ان پیشگوئیوں کی کہاں تصدیق کی ہے - کیونکہ وہ انبیاء کے حقیقی وارث ہیں - اگر کہو - وہ تعصب سے پیشگوئیوں کو نہیں مانتے - تو یہ فضول بات ہے کیونکہ وہ متعصب تب ہوئے جب مسیح آچکے - جب آئے بھی نہ تھے - اسوقت تو وہ مانتے ہونگے! اسوقت کی تصدیق بتاؤ - کہ وہ مسیح ابنِ خدا کی آمد کے منتظر ہیں؟ -

تحریف بائبل

قرآن مجید اہلِ کتاب کے متعلق فرماتا ہے :۔

(۱) " یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ

(۲) وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَائِنَۃٍ مِّنْھُمْ۔ یعنی اہل کتاب کے متعلق تین باتیں یاد رکھو۔ (۱) تحریف کرتے ہیں۔ (۲) دو قسم لفظی و معنوی۔

(۳) ہمیشہ ان کی خیانت پہ اطلاع پاتا رہیگا سو یہ لوگ واقعی ان تینوں صفات سے متصف ہیں۔ خود بائبل میں لکھا ہے :۔

" ان لوگوں نے شریعتوں کو عدول کیا۔ قانونوں کو بدلا " (یسعیاہ $\frac{۲۴}{۵}$ و یرمیاہ $\frac{۸}{۸}$)۔

انجیل میں امکانِ تحریف (مکاشفہ $\frac{۲۲}{۱۸ و ۱۹}$)۔

اَب دیکھئے تحریف مشتے از خروارے۔

اوّلاً وہ حوالجات پیش کرتا ہوں۔ جو پُرانی اناجیل سنہ ۹۶ء سے پہلے والی میں ہیں۔ مگر بعد کی مطبوعہ میں نہیں ہیں۔

(۱) متی $\frac{۱۷}{۲۱}$۔ پر یہ جنس بغیر دُعا اور روزہ کے نہیں نکلتی۔

(۲) متی $\frac{۱۸}{۱۱}$۔ کیونکہ انسان کا بچہ کھوئے ہوؤں کو بچانے کیلئے آیا ہے۔

(۳) مرقس $\frac{۷}{۱۶}$۔ اگر کسی کے کان سُننے کے ہوں۔ سُن لے۔

(۴) مرقس $\frac{۹}{۴۴}$۔ جہاں ان کا کیڑا نہیں جاتا اور آگ نہیں بُجھتی۔

(۵) مرقس $\frac{۱۱}{۲۶}$۔ پر اگر تم معاف نہ کرو تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے

تمہارا قصور معاف نہ کرے گا۔

(۶) مرقس ۱۵/۲۸ تب پورا ہوا وہ نوشتہ جو کہتا ہے کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا۔

(۷) لوقا ۱۷/۳۶ دو کھیت میں ہونگے۔ ایک لیا جائیگا۔ دوسرا چھوڑا جائیگا۔

(۸) لوقا ۲۳/۱۷ اور اسے لازم تھا کہ ہر عید میں کسی کو ان کے واسطے چھوڑ دے۔

(۹) یوحنا ۵/۴ چونکہ ایک فرشتہ اس حوض میں اُتر کر پانی کو ہلاتا تھا۔ سو پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی پہلے اس میں اُترتا تھا۔ کیسی ہی بیماری میں گرفتار کیوں نہ ہو۔ چنگا ہو جاتا تھا۔

(۱۰) اعمال ۱۵/۳۴ پر سیلاس کو وہاں رہنا پسند آیا۔

(۱۱) متی ۱۹/۱۷ پرانی انجیل کے الفاظ "اُس نے اُسے کہا۔ تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ (نئی انجیل کے الفاظ) تُو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟"۔

(۱۲) یوحنا کا پہلا خط ۵/۷ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ۔ کلام۔ رُوح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔

(۱۳) یوحنا کی انجیل ۷/۵۳ اور ہر ایک اپنے گھر کو گیا۔

(۱۴) ۸/۱-۱۱ ۔ ۷/۵۳ تا ۸/۱-۱۱۔ قلمی نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱۵) استثنا ۳۴/۵-۱۲ (یہ حضرت موسیٰ کی پانچویں کتاب ہے) اس میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ مر گئے۔ اگر یہ الہامی ہیں تو کس پر اُتریں۔ حضرت موسیٰ تو زندہ نہ تھے۔ یہ الحاق ہے۔

(۱۶) (تازہ تحریف) ۱۹۳۱ء سے پہلے کی چھپی ہوئی۔ تمام بائبلوں میں

استثناء ۳۳/۲ میں جو آنحضرت صلعم کی پیشگوئی بایں الفاظ تھی کہ :-
"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پہ طلوع ہوا وہ فاران کی چوٹیوں سے ان پہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" اس آیت میں پیشگوئی تھی جو فتح مکہ کے موقع پہ آنحضرت صلعم کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اس دن آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے۔ مگر نئی بائبل میں جو ۱۹۳۱ء میں چھپی ہے "دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" کی بجائے "لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا" کر دیا ہے۔ ع کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ۔

(۱۷) انجیل مطبوعہ ۱۸۹۶ء متی ۲۴/۷ یوں تھی "جگہ جگہ کال پڑیں گے مری پڑیگی اور بھونچال آئینگے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشتی نوح میں "مری پڑیگی" کا حوالہ متی کے نام سے دیا ہے۔ عیسائیوں نے ۱۹۰۸ء کی شائع کردہ انجیل سے "مری پڑیگی" نکال دیا ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ انجیل لوقا ۲۱/۱۱ اردو میں اب تک موجود ہے۔ . . . جا بجا کال اور مری پڑیگی" مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ لوقا کا نہیں دیا تھا۔ اس لئے لوقا میں تحریف نہیں کی گئی۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انگریزی انجیل میں متی ۲۴/۷ میں اب بھی مری پڑنے کا ذکر موجود ہے :-
"There shall be famines and pestilences and earth quakes." (بائبل مطبوعہ لنڈن ۱۹۱۶ء)

(۱۸) یشوع اور ایوب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یشوع مرگیا۔ (یشوع ۲۴/۲۹) ایوب مرگیا (ایوب ۴۲/۱۶)۔ اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں تحریفیں اور اضافے بائبل میں موجود ہیں۔ پس یہ کتاب کس طرح الہامی کہلا سکتی ہے۔

اختلافاتِ بائیبل

"لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"

نوٹ:- تناقضات و اختلافات بائیبل کا مضمون دراصل تحریف بائبل کے مضمون کا ضروری جزو ہے۔ کیونکہ الہامی کلام میں تناقضات کا وجود اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان دو مختلف اور متناقض بیانات میں سے ایک ضرور انسانی تحریف یا بعد کا الحاق ہے۔ دونوں کلام خدا کیسے نہیں ہو سکتے۔ پس پادری صاحبان کے لیئے دو رستوں میں سے ایک رستہ کھلا ہے۔ یا تو ہمارے پیش کردہ حوالوں میں تطابق ثابت کریں یا اس بات کا اقرار کریں کہ موجودہ بائیبل محرف و مبدل ہے۔ خادم۔

(۱) ۱۔ سلاطین $\frac{15}{32}$ میں لکھا ہے کہ آسا اور شاہ اسرائیل بعشا کے درمیان ان کی تمام عمر لڑائی رہی۔ اور ۲۔ تواریخ $\frac{16}{19}$ میں لکھا ہے کہ آسا کی سلطنت کے پینتیسویں برس تک پھر لڑائی نہ رہی۔

(۲) ۱۔ سموئیل $\frac{21}{1-5}$ میں لکھا ہے کہ داؤد اکیلا اخیملک کاہن کے پاس آیا۔ مگر مرقس $\frac{2}{25-26}$ میں لکھا ہے کہ داؤد اپنے ساتھیوں سمیت ابیاتار کاہن کے گھر گیا۔

(۳) پیدائش $\frac{46}{26-27}$ میں لکھا ہے کہ یعقوب اپنی صلب سے پیدا شدہ اولاد اور اولاد کی بیویوں سمیت کل چھیاسٹھ مردوں کے ساتھ آیا۔ مگر خروج $\frac{1}{5}$ میں لکھا ہے کہ صرف یعقوب اپنے صلبی بیٹوں کے ساتھ جن کی تعداد ۷۰ تھی آیا۔

(۴) پیدائش $\frac{22}{14}$ میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے خدا کو دیکھا اور اس جگہ کا نام

یہوہ بری رکھا۔ مگر خروج ۶/۲-۳ میں لکھا ہے۔ خدا موسیٰ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر اپنا یہوواہ نام ظاہر نہیں کیا۔

(۵) یرمیاہ ۳۴/۴-۵ میں لکھا ہے کہ اے صدقیاہ تو تلوار سے نہیں مریگا بلکہ آرام سے۔ اور تجھ پر خوشبوئیاں لگائی جائینگی۔ مگر یرمیاہ ۵۲/۱۰-۱۱ میں لکھا ہے کہ صدقیاہ کے سامنے اسکے بیٹوں کو مارا گیا۔ پھر اسکی آنکھیں نکالی گئیں اور پیتل کی زنجیروں سے جکڑا گیا۔ اور مرنے کے دن تک قید خانہ میں رہا۔

(۶) ۲۔ سلاطین ۲۴/۶ میں لکھا ہے یہویقیم بادشاہ باپ دادوں میں شامل ہوکر سو رہا اور اسکی جگہ اس کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ مگر یرمیاہ ۳۶/۳۰ میں لکھا ہے کہ وہ مع خاندان کے تباہ کیا جائیگا۔ اسکی نسل سے کوئی تخت نشین نہ ہوگا۔ اور اس کی لاش پھینکی جائیگی۔ تاکہ گرمی اور سردی میں باہر رہے۔

(۷) مرقس ۱۰/۴۶-۴۷ میں لکھا ہے کہ یریحو سے نکلتے وقت راستے میں ایک اندھا نکلا۔ مگر متی ۲۰/۲۹، ۳۰ میں لکھا ہے کہ دو اندھے ملے۔

(۸) مرقس ۵/۱-۲ کہ یسوع کو ایک شخص بد روح والا ملا مگر متی ۸/۲۸ میں دو کا ذکر ہے

(۹) مرقس ۱۶/۵ میں مسیح کی قبر میں ایک سفید پوش آدمی مگر لوقا ۲۴/۴ میں دو آدمیوں کا ذکر ہے۔

(۱۰) مرقس ۱۵/۳۲ و متی ۲۷/۴۴ دونوں میں ہے کہ مسیح کے ساتھیوں یعنی دونوں چوروں نے مسیح کو ملامت کی۔ اور طعنہ کیا۔ مگر لوقا ۲۳/۳۹، ۴۰ میں لکھا ہے کہ ایک نے طعنہ دیا اور دوسرے نے اپنے ساتھی کو اس بات سے باز رکھا۔

(۱۱) یوحنا ۲۰/۱۷ میرے بھائیوں کو کہدو کہ میں اب خدا اور باپ کے پاس آسمان پر

جاتا ہوں لیکن متی ۲۸/۷ میرے بھائیوں کو کہو کہ گلیل کو جاویں وہاں مجھے دیکھینگے۔

(۱۲) متی ۲۷/۵،۷ کہ مسیح کو پکڑوانے والے یہودا اسکریوطی نے مسیح کی گرفتاری پر جو روپیہ لیا تھا۔ اس کو ہیکل میں واپس آکر پھینکدیا مگر اعمال ۱/۱۸ میں لکھاہے کہ اس نے اس روپیہ سے ایک کھیت مول لیا

(۱۳) متی ۱۲/۴۰ کہ مسیح نے یونس جیسا معجزہ دکھانے کا اظہار کیا مگر متی ۲۸/۱-۷ اور یوحنا ۲۰/۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اپنی قبر میں صرف ایک ہی دن رہا اور پھر غائب ہوگیا۔

(۱۴) ۲۲/۳۴ و یوحنا ۱۳/۳۸ ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو مرغ کی بانگ سے قبل ہی مسیح کا انکار کرنا پڑیگا مگر مرقس ۱۴/۳۰،۶۸،۷۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرغ کے دوبار بانگ دینے کی شرط ہے۔ نہ کہ مطلق۔ اور ایسا ہی ہوا۔

(۱۵) لوقا ۲۲/۷،۱۶ میں مسیح کا اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھ کر عید الفطر کے دن جس دن فسیح ذبح کرنا ضروری تھا۔ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور یوحنا ۱۹/۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بے چارا تو عدالت میں رہا۔

(۱۶) یوحنا ۱۴/۲۸ میں مسیح اپنے آپ کو باپ سے چھوٹا کہتا ہے مگر فلپیوں ۲/۶ میں خدا کے برابر ہونے میں غنیمت نہ جانا۔

(۱۷) یوحنا ۵/۳۱ میں مسیح نے اپنے متعلق اپنی گواہی کو سچا قرار نہیں دیا اور یوحنا ۸/۱۴ میں اپنی گواہی کو سچا قرار دیا۔

(۱۸) متی ۵/۳۹ میں لکھاہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ اگر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال آگے کردو مگر لوقا ۲۲/۳۶ سے معلوم ہوتاہے کہ مسیح نے اپنے حواریوں

کو بٹوسا در جھولی اور کپڑے بیچکر تلوار خرید لینے کا اپنی حفاظت کیلئے حکم دیا۔

(۱۹) متی ۸/۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرناحوم میں داخل ہوتے ہی ایک صوبیدار نے اپنے لڑکے کے علاج کیلئے بڑی منت سماجت کی۔ اور لوقا ۷/۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار پاس آیا ہی نہیں۔ یہودیوں نے سفارش کی تھی۔

(۲۰) اعمال ۹/۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ سولس (جو پولوس ہی ہے) پہ نور آیا اور ساتھیوں نے آواز سنی مگر کسی نے نہ دیکھا۔ مگر اعمال ۲۲/۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے نور دیکھا۔ مگر آواز نہ سُنی۔

(۲۱) سموئیل ۱/۳۱/۴،۵ کہ ساؤل نے خودکشی کی۔ ۲۔ سموئیل ۱/۵ر۱۰ میں ہے کہ ایک عمالیقی نے ساؤل کو مارا۔

(۲۲) لوقا ۲۳/۲۶ کہ شمعون نام شخص یسوع کے پیچھے پیچھے لئے جاتا۔ اور یوحنا ۱۹/۱۷ میں ہے۔ یسوع آپ اپنی صلیب اٹھا کر کھوپڑی مقام تک لے گیا۔

(۲۳) پیدائش ۵۰/۱۳ میں ہے کہ یعقوبؑ کا مدفن مکفیلہ کے کھیت کے کنارے میں جس کو ابراہام نے گورستان کی ملکیت کیلئے عفرون حتی سے ممرے کے مقابل مول لیا تھا گاڑا۔ اور اعمال ۷/۱۶ میں ہے اس مقبرے میں جس کو ابراہام نے بنی ہمور سے لیا تھا۔ گاڑا۔

(۲۴) گنتی ۳۳/۳۷، ۳۸، ۳۹ میں ہے کہ ہارون کی وفات کوہ ہور۔ ادوم میں ہوئی مگر استثنا ۱۰/۶ میں لکھا ہے کہ موسیرہ میں ہوئی۔

(۲۵) رومیوں ۲/۱۳ میں لکھا ہے کہ شریعت پہ چلنے والا راستباز اور رومیوں ۳/۱۰ میں لکھا ہے کہ راستباز نہیں۔

(۲۶) پیدائش ۱/۲۵-۲۷ میں لکھا ہے کہ انسان کو حیوانات کے بعد پیدا کیا۔ مگر پیدائش ۲/۱۸-۲۰ میں لکھا ہے کہ انسان حیوانات کے پہلے پیدا ہوا۔

(۲۷) پاک جانور سات سات نر و مادہ اور ناپاک دو دو نر اور ان کی مادہ کشتی نوح میں چڑھائے۔ پیدائش ۷/۲ اور پیدائش ۶/۱۹ و ۷/۸ و ۷/۱۴ میں لکھا ہے۔ پاک جانور بھی دو دو کشتی میں رکھے۔

(۲۸) ۱-سلاطین ۷/۱۵ ہر ایک ستون ۱۸ ہاتھ اونچا اور ہر ایک گھیر سوت کا ۱۲ ہاتھ۔ مگر ۲-تواریخ ۳/۱۵ میں ۲ ستون ۳۵ ہاتھ لمبے۔

(۲۹) خروج ۲۴/۹ و ۱۰ تب موسیٰ اور ہارون .... اُوپر گئے اور بنی اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ مگر خروج ۳۳/۲۰ و ۲۳ اور بولا۔ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اس لئے کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے۔ یعنی کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔

(۳۰) خروج ۳۱/۱۷ کہ چھ دن میں خداوند نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ پھر یسعیاہ ۴۳/۲۴ اور اپنی غلطاؤں سے مجھے تھکایا۔ مگر ۴۰/۲۸ میں ہے۔ خداوند ابدی خدا ہے۔ زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا۔ وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔

(۳۱) یسعیاہ ۴۵/۲۳ ہر ایک زبان میری قسم کھائیگی مگر متی ۵/۳۴، ۳۵ پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز میری قسم نہ کھانا۔

(۳۲) پیدائش ۱۷/۱ میں خدائے قادر ہوں۔ متی ۱۹/۲۶ پر خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر قاضیوں ۱/۱۹ خدا نے کوہستانیوں کو خارج کیا۔ پر نشیب کے رہنے والوں کو خارج نہ کر سکا۔ کیونکہ ان کے پاس لوہے کی لاٹھیں تھیں۔

(۳۳) گنتی ۲۳/۱۹ خدا انسان نہیں۔ جو جھوٹ بولے۔ نہ آدم زاد ہے۔ کہ
پشیمان ہو۔ نیز ۱۔ سموئیل ۱۵/۲۹ مگر پیدائش ۶/۶ میں ہے۔ تب خداوند زمین پر
انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔

(۳۴) یوحنا ۳/۳۵ باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور سب چیزیں اسکے ہاتھ میں دی
ہیں۔ مگر مرقس ۶/۵ میں ہے۔ اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا۔

(۳۵) ۲۔ سموئیل ۲۴/۱ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پہ بھڑکا۔ کہ
اس نے داؤد کے دل میں ڈالا۔ کہ ان کا مخالف ہو۔ مگر ۱۔ تواریخ ۲۱/۱ میں
ہے کہ شیطان نے داؤد کو بھڑکایا۔

(۳۶) امثال ۳۰/۵ خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے مگر ہوسیع ۱/۲ خداوند نے ہوسیع
کو فرمایا کہ جا اور ایک ناکار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے واسطے لے۔

(۳۷) خروج ۲۰/۴ تو اپنے لئے مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر
یا پانی میں یا زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ مگر خروج ۲۵/۲۰ تصویریں بنائی گئیں۔

(۳۸) تیمتھیس ۶/۱۶ خدا نور میں رہتا ہے اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر
۱۔ سلاطین ۸/۱۲ تب سلیمان نے کہا کہ خداوند نے فرمایا تھا کہ میں گھٹا کی تاریکی میں رہونگا

(۳۹) ۲۔ تواریخ ۳۶/۹ یہویاکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ مگر ۲۔ سلاطین
۲۴/۸ میں ہے کہ یہویاکین جب تخت پر بیٹھا۔ اسوقت وہ ۱۸ برس کا تھا۔

(۴۰) ۲۔ سلاطین ۲۴/۸ یہویاکین نے تین مہینے بادشاہت کی مگر ۲ تواریخ
۳۶/۹ میں تین ماہ دس روز سلطنت کی۔

(۴۱) ۲ سلاطین ۲۵/۱۹ پانچ آدمی جو بادشاہ کا منہ دیکھتے تھے پکڑے مگر یرمیاہ

۲ ۲۵/۵ میں بادشاہ کے مصاحبوں میں سے سات شخصوں کو پکڑنا لکھا ہے۔

(۴۲) زبور ۹۲/۱۲ صادق کھجور کے درخت کی مانند لہلہائیگا مگر یسعیاہ ۵۷/۱ میں ہے کہ راستباز ہلاک ہوتا ہے۔

(۴۳) امثال ۱۲/۲۱ صادق پر کوئی بڑا حادثہ نہ پڑیگا مگر عبرانیوں ۱۲/۶ خداوند جسے پیار کرتا ہے اسے تنبیہ کرتا ہے اور جسکو بیٹا بنا لیتا ہے اسکو کوڑے بھی لگاتا ہے۔

(۴۴) ۵۵ زبور آیت ۲۳۔ خونی اور دغاباز لوگ اپنی آدھی عمر کو نہ پہنچیں گے مگر ایوب ۲۱/۷ و ۹ میں شریروں کی عمر زیادہ بتلائی ہے۔

(۴۵) زبور ۷۳/۱۲ دیکھو یہ شریر جو سدا اقبالمند رہتے ہیں۔ وہ اپنی دولت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مگر ایوب ۱۸/۵ و ۹ میں ہے۔ ہاں شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائے گا۔

(۴۶) امثال ۲۰/۱ مے یعنی شراب مسخرا بناتی اور مست بنانیوالی ہے نیز امثال ۲۳/۳۱ و ۳۲ مگر استثنا ۱۴/۲۶ جس چیز کو تیرا جی چاہے مول لے۔ مے ہو یا مسکر یا اور کوئی چیز۔

(۴۷) ۲۔ سموئیل ۶/۲۳ ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی مگر ۲۔ سموئیل ۲۱/۸ میکل بنت ساؤل کے پانچ لڑکے۔

(۴۸) یوحنا ۸/۱۴ یسوع نے کہا اگر میں اپنی گواہی دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچ ہے مگر یوحنا ۵/۳۱۔ اگر میں اپنی گواہی آپ دوں تو میری گواہی حق نہیں۔

(۴۹) یسوع ملعون (گلیتوں ۳/۱۳) ملعون نہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۲ باب آیت ۳)

(۵۰) متی ۲/۲۳ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا

مگر عہد قدیم کے کسی صحیفہ میں یہ پیشگوئی نہیں ملتی۔ یا تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ پہلے صحیفوں میں یہ پیشگوئی موجود تھی مگر بعد میں نکالدی گئی۔ یا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ متی میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ہو بائبل کا پایۂ اعتبار سے گرنا ثابت ہے۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن ٭ مصلحت بین و کار آساں کن

(۵۱) اور اسوقت جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ ۰۰۰ انہوں نے اسکی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے (متی ۲۷/۹) حالانکہ یہ یرمیاہ کی معرفت نہیں کہا گیا تھا بلکہ زکریا نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ (دیکھو زکریا ۱۲/۱۱ و ۱۳)

(۵۲) یہوداہ اسکریوطی نے جاکر اپنے آپکو پھانسی دی (متی ۵/۲۷) لیکن اعمال ۱۸/۱ "وہ سر کے بل گرا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور ساری انتڑیاں نکل پڑیں"۔

(۵۳) ایک سردار (یائرناحی) نے آکر کہا کہ میری بیٹی مرچکی ہے (متی ۱۸/۹) لیکن لوقا ۴۲/۸ و مرقس ۲۳/۵ میں ہے کہ "میری بیٹی مرنے کو ہے تو چل تاکہ وہ نہ مرے"۔

خلافِ عقل و مشاہدات امور

(۱) خدا پچھتایا۔ پیدائش ۶/۶ علیم کل پھر پچھتایا۔ خلاف عقل ہے۔

(۲) خرگوش جگالی کرتا ہے (احبار ۶/۱۱) خلاف مشاہدہ۔

(۳) یربوع۔ جنگلی چوہا جگالی کرتا ہے۔ استثنا ۷/۱۴۔

(۴) باپ بیٹا دو سال بڑا۔ یہورام بادشاہ باپ چالیس سال کی عمر میں مرا ۲۔ تواریخ ۵/۲۱۔ تو اس کا بیٹا ۴۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا (۲۔ تواریخ ۲/۲۲ و ۱)۔

عیسائیت میں عورت کی حیثیت

اسلام:۔ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۳) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ (۴) خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (۵) اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ۔ (۶) وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ۔

مگر انجیل

(۱) عورتیں کلیسا کی مجلس میں نہ بولیں۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۴/۳۴)۔

(۲) عورتیں سر نہ گوندھیں۔ سنگار نہ کریں۔ اچھے اور قیمتی کپڑے نہ پہنیں۔
(۱۔پطرس ۳/۳ و ۱۔تیمتھیس ۲/۸ و ۱۰)

(۳) عورتیں لمبے بال رکھیں۔ بال نہ کٹوائیں۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۱/۵۔۱۴۔۱۶)

(۴) مرد عورت کے لئے نہیں۔ بلکہ عورت مرد کیلئے پیدا ہوئی (۱۔کرنتھیوں ۱۱/۹)

(۵) عورت اپنے خاوند ہی سے پڑھے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۴/۳۵)

(۶) عورت معلمہ نہ بنے۔ (۱۔تیمتھیس ۲/۱۱۔۱۲)

(۷) مرد کیلئے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے۔ (۱۔کرنتھیوں ۷/۱ و ۷/۸)۔

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے بائیبل

پہلی دلیل:۔ (۱) "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا۔ یا اور معبودوں کے نام سے کہے

تو وہ نبی قتل کیا جائے۔ (استثنا ۱۸/۲۰)۔

(ب) خداوند یوں کہتا ہے کہ ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکر نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں میں نے نہیں بھیجا۔ ۔ ۔ ۔ یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائیں گے۔" (یرمیاہ ۱۴/۱۵)۔

(ج) "اور وہ (جھوٹا) نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا" (استثنا ۱۳/۵)۔

(د) اور میرا ہاتھ ان نبیوں پر جو دعوے دیتے ہیں اور جھوٹی غیب دانی کرتے ہیں چلیگا۔ ۔ ۔ ۔ میں اپنے غضب کے طوفان سے اسے توڑ دونگا اور میرے قہر سے جھاجھم مینہ برسے گا۔ اور میرے خشم کے پتھر پڑیں گے۔ تاکہ اسے نابود کریں۔" (حزقی ایل باب ۱۳ آیت ۹ تا ۱۱)

(س) چنانچہ انجیل اعمال ۵/۳۶-۳۷ میں دو جھوٹے نبیوں کا ذکر بھی ہے جو مارے گئے اور ان کے متبعین تتر بتر ہوگئے۔ اور پہلے کا نام تھیوداس اور دوسرے کا نام یہوداہ گلیلی تھا۔

دوسری دلیل:۔ یسوع کہتا ہے "تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کرسکتا ہے۔" (یوحنا ۸/۴۶) نیز دیکھو یوحنا ۱۴/۹ "میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

حضرت مرزا صاحب:۔ "کون تم میں ہے۔ جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

تیسری دلیل قبولیت دعا:۔ "جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی۔ اس کے باعث بیمار بچ جائیگا۔ اور خداوند اسے اٹھا کھڑا کریگا۔ اور اگر اس نے گناہ کئے ہوں۔ تو ان کی بھی معافی ہو جائیگی۔ پس تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے

اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ اور ایک دوسرے کیلئے دُعا مانگو۔ تاکہ شفا پاؤ۔ راستباز کی دُعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

(یعقوب ۵/۱۵-۱۶ و یوحنا ۹/۳۱)۔

"میں کثرتِ قبولیتِ دُعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور انکا میرے پاس ثبوت ہے۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

مثالیں:۔ عبدالکریم۔ عبدالرحیم۔ ابن نواب محمد علیخان صاحب و عبدالحی صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ*

چوتھی دلیل:"۔ اے اسرائیلیو الیسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کیطرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا۔ جو خدا نے اس کی معرفت تم کو دکھائے۔" (اعمال ۲/۲۲ و یوحنا ۳/۲ و ۹/۱۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ (۱) "اور میرے مقابلہ سے خواہ اعجاز کلام میں اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آجانا اور میری تائید میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیوں کا پوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لئے میرے قبول کرنے کے لئے کافی ہیں۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۳۸)

(۲) "اور جن نشانوں نے ان کے حکم پر گواہی دینی تھی۔ وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے۔ اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

* تفصیل نشانات دیکھو مضمون صداقت مسیح موعود گیارھویں دلیل مشمولہ ہذا۔ خادم

پانچویں دلیل۔ ہے کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

پولوس رسول کہتا ہے:۔ "کیونکہ یہ تدبیر کا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو آپ برباد ہو جائیگا لیکن اگر خداوند کیطرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے" (اعمال $\frac{5}{39}$) (ب) "جو پودا خدا نے نہیں لگایا۔ جڑ سے اکھاڑا جائیگا" (متی $\frac{15}{13}$ و زبور $\frac{92}{12}$ و زبور $\frac{34}{15 \text{ تا } 20}$ و امثال $\frac{12}{21}$ و یسعیاہ $\frac{9}{14}$)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔

یہ اگر انسان کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں
ایسے کاذب کیلئے کافی تھا وہ پروردگار

کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی
خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

چھٹی دلیل۔ دانیال نبی کہتا ہے:۔

"جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائیگی اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے وہ قائم کی جائیگی۔ ایک ہزار دو سو نوے دن ہونگے۔ مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے اور ۱۳۳۵ روز تک آتا ہے" (دانیال $\frac{12}{11-12}$)۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب ۱۲۹۰ھ ہی میں مبعوث ہوئے۔ "یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پاچکا تھا" (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۹)

ساتویں دلیل: مسیح موعود مشرق سے آئیگا۔ اور مغرب کی طرف بجلی کی طرح اس کی تبلیغ پہنچے گی (متی $\frac{24}{27}$) حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں "خدا نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھ کو چن لیا۔ میں گمنام تھا، مجھے شہرت دی۔

اس قدر جلد شہرت دی کہ جیسا کہ بجلی ایک طرف سے دوسری طرف اپنی چمکار ظاہر کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۳)

آٹھویں دلیل۔ "ستارے گریں گے۔ اور چاند اور سورج تاریک ہو جائیں گے۔ (گرہن ۱۸۹۴ء) متی ۲۴/۲۹)۔

(۲) چاند۔ سورج اور ستاروں میں نشان ظاہر ہونگے۔ (لوقا ۲۱/۲۵)

نویں دلیل۔ لڑائیاں ہونگی۔ بھونچال آئینگے۔ اور مری پڑیگی (طاعون) (لوقا ۲۱/۱۱ و زکریا ۱۴/۱۲)۔ چنانچہ بائیبل انگریزی زکریا ۱۴/۱۲ میں تو لفظ "پلیگ" بھی موجود ہے۔ ۱۸۹۷ء میں یہ طاعون بھی پڑی۔ ؎

تو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت کے لئے ✦ تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

دسویں دلیل۔ "تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے۔ وہ واقع اور پورا نہ ہو۔ تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی"۔ (استثنا ۱۸/۲۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ تفصیل دیکھو مضمون "حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں مشمولہ کتاب ہذا"

گیارھویں دلیل۔ یسوع نے جھوٹے اور سچے نبی میں بہ الامتیاز یہ بتایا ہے۔ "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے"۔ (متی ۷/۲۰تا۲۵ و لوقا ۶/۴۴،۴۵ و متی ۲۰/۳۳) و یوحنا ۱۵/۱۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی عملی حالت دیکھو۔

بارھویں دلیل۔ "پیادوں نے جواب دیا کہ انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا۔ جیسا کہ یہ انسان کرتا ہے"۔ (یوحنا ۷/۴۶)۔

گویا مسیح کا بے مثل کلام مسیح کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل تھی۔ اور یہی دلیل

قرآن مجید میں اپنی صداقت کی پیش کی ہے۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"۔ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

(۲) اعجاز احمدی لکھ کر دس ہزاری انعام شائع فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دے گا۔ اور انکے دلوں کو غبی کر دیگا"

(اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

(۳) اعجاز المسیح وغیرہ

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو ٭ وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

(المسیح الموعودؑ)

تیرھویں دلیل:۔ نبی غالب آتے ہیں:۔

"میں نے یہ باتیں تم سے اسلئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ۔ دنیا میں مصیبت اٹھاتے ہو۔ لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں"۔ (یوحنا ۱۶/۳۳ نیز یوحنا ۴۲/۱۴)۔ قرآن مجید میں بھی ہے:۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ٹھٹھا کرو جس قدر چاہو۔ گالیاں دو جس قدر چاہو اور ایذا اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جس قدر چاہو اور میرے استیصال کیلئے ہر ایک قسم

کی تدبیریں اور مکر سوچو جس قدر چاہو۔ پھر یاد رکھو کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا۔ کہ اُس کا ہاتھ غالب ہے۔" (اربعین)

چودھویں دلیل۔ انبیاء کی جماعتیں تدریجاً ترقی کرتی ہیں:-

"دیکھو جہان اس کا پیرو ہو چلا" (یوحنا $\frac{12}{19}$)۔

جماعت احمدیہ کی تدریجی ترقی کو دیکھو۔

قت
صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر عیسائیوں کے اعتراضات

پہلا اعتراض۔ مسیح ناصری نے خود آسمان سے آنا تھا۔ مرزا صاحب مسیح کیسے ہو سکتے ہیں۔

الجواب ۱۔ یہ کہنا کہ مسیح ناصری خود آئیگا غلط ہے۔ خود مسیح نے کہدیا ہے کہ میں اب واپس دُنیا میں نہیں آؤنگا۔ بلکہ جو کوئی آئیگا میرے نام پہ آئیگا دیکھو یوحنا $\frac{16}{10}$ "میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھوگے"۔ متی $\frac{23}{29}$ میں ہے۔ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے۔ جب تک نہ کہو گے کہ مبارک وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔" (متی $\frac{23}{39}$)

الجواب ۲۔ جس طرح یوحنا ایلیاہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب بھی مسیح ہو سکتے ہیں۔

توراۃ میں ہے "ایلیاہ رتھ سمیت آسمان پر چڑھ گیا" (۲۔ سلاطین $\frac{2}{11}$)۔

پھر لکھا ہے۔ "ایلیاہ دوبارہ دُنیا میں آئیگا۔" (ملاکی $\frac{4}{5}$)۔

مگر وہ آسمان سے نازل نہ ہوا۔ یسوع نے یوحنا کو جو پیدا ہوا تھا۔ "ایلیاہ"

قرار دیا۔ (متی ۱۱/۱۴) اس طرح آج تم کہتے ہو۔ کہ مسیح آسمان سے آئیگا۔

(۲) انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ابن آدم (یسوع) نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا۔ متی ۱۹/۲۸۔

دُوسرا اعتراض۔ مسیح تو جلال کے ساتھ آسمان سے اتریگا۔ اور سب لوگ اس پر ایمان لے آویں گے۔

جواب (ا) غلط ہے۔ یسُوع نے تو صاف کہا ہے۔ "لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا۔ اور انہوں نے اس کو نہ پہچانا۔ بلکہ جو چاہا۔ اس کے ساتھ کیا۔ اِس طرح ابنِ آدم بھی ان کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے گا۔" (متی ۱۷/۱۲)

گویا جس طرح انہوں نے ایلیاہ کو جو آنیوالا تھا۔ "یوحنا" کی شکل میں نہ پہچانا اور اس کی تکذیب کی۔ اسی طرح مسیح موعود کی بھی تکذیب کرینگے۔ اور وہی اعتراض پیش کرینگے۔ کہ اُس نے آسمان سے نازل ہونا تھا۔

(ب) پھر یسُوع کہتا ہے کہ خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر نہ آئیگی۔ (لوقا ۱۷/۲۰) لہذا آسمان سے جلال کے ساتھ نازل ہونا چہ معنی دارد؟

(ج) مسیح کی آمد چور کی طرح ہو گی۔ (۲) پطرس ۳/۱۰ و ۱۔ تھسلنیکیون ۵/۲ و لوقا ۱۲/۳۹ و متی ۲۴/۴۳) ۔ چور رات کو چھپ کر اور لباس بدل کر آتا ہے یا جلال کے ساتھ اپنی اصل شکل میں۔ اسی طرح مسیح نے بھی بھیس بدل کر اپنے مثیل کے رنگ میں آنا تھا۔ مگر تم نے اس کے کلام کو نہ سمجھا۔

تیسرا اعتراض مسیح نے کہا تھا۔ بہت سے جھوٹے مسیح آئینگے۔ تم اُنپر ایمان نہ لانا مرزا صاحب بھی انہیں میں سے ہیں۔ خواہ کتنے نشان دکھائیں۔ ہم نہیں مانینگے۔

الجواب - یسوع نے جن جھوٹے مدعیانِ مسیحیت و نبوت کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہیں - جو یسوع کو "خداوند" کہتے ہیں اور اسکے نام سے بدروحوں کو نکالنے کے اور اس کے فیض اور اسی کی برکت سے مسیحیت کے مدعی ہیں - چنانچہ لکھا ہے:-

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں - انکے پھلوں سے تم انہیں پہچان لوگے . . . جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں - اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے - اے خداوند اے خداوند - کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا - اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے" (متی ۷/۱۵-۲۲) گویا وہ جھوٹے نبی (۱) بُرے پھلوں والے (۲) یسوع کو خداوند کہنے والے (۳) اسی کی برکت سے سب کچھ کرنیوالے ہونگے - حضرت مرزا صاحب میں یہ تینوں باتیں پائی نہیں جاتیں - آپ یسوع کی الوہیت کے سب سے بڑے دشمن تھے - آپنے تحفہ قیصریہ میں مسیح کے نام سے آنیوالا اپنے آپکو کہا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں - اصل مسیح چونکہ فوت ہو گیا ہے - اسلئے آنیوالا مثیل مسیح حضور ہی کا وجود باجود ہے - ورنہ آپنے یسوع کے فیض سے نبوت پانے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا - ہاں یسوع کی عبارت مندرجہ متی ۱۸/۷ میں ڈوئی جیسے عیسائی مدعیان مسیحیت و نبوت شامل ہیں جو الوہیت مسیح کے قائل اور اسی کے نام سے ہر کام کے مدعی ہیں - (مثلاً تھیوداس اور یہوداہ گلیلی دیکھو اعمال ۵/۳۶، ۳۷) -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس پیشگوئی کو چسپاں کرنا سراسر

ظلم ہے۔ آپ کی اولاد اور جماعت کو دیکھو۔

چوتھا اعتراض۔ مری پڑنا۔ لڑائیوں کا ہونا۔ بھونچال آنا۔ چاند سورج کا تاریک ہونا وغیرہ۔ یہ نشان تو مسیح کی آمد ثانی سے پہلے ہوتے ہیں نہ کہ اس کی آمد کے بعد۔

الجواب۔ یہ عقلاً غلط ہے۔ سزا ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس سے قبل؟ دنیا میں عالمگیر عذاب ہمیشہ نبی کی بعثت اور اس کی تکذیب کے بعد ہی آیا کرتے ہیں۔ جیساکہ قرآن مجید میں ہے مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور یہی بات آپکی تورات میں بھی لکھی ہے۔

اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیگا۔ وہ امت میں سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ (استثنا $\frac{18}{19}$ و اعمال $\frac{3}{23}$)۔

لہذا آپ کی انجیل کے کاتب نے اتنی غلطی کی ہے کہ پیچھے واقع ہونے والی بات کو پہلے لکھ دیا۔ پس کاتب کا قلم باطل ہے۔ (یرمیاہ $\frac{8}{8}$)۔

اور انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کی آمد اچانک ہوگی۔ اور اس کا اس سے قبل کسی کو علم نہ ہوگا۔ پس اس سے پہلے بیماریاں وغیرہ پڑنا غلط ثابت ہوا۔ (متی $\frac{29}{24}$)۔

پانچواں اعتراض۔ مرزا صاحب کو اُن کے گھر میں قبولیت نہ ہوئی۔ قادیان میں بھی سب لوگ احمدی نہیں ہوئے۔ پنجاب اور ہندوستان نے ان کو قبول نہیں کیا۔

الجواب۔ یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی دلیل ہے نہ کذب کی۔ خود

یسوع کہتا ہے۔ (ا) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔ (لوقا ۴/۲۴)۔ (ب) نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ (متی ۱۳/۵۷)

(ج) یہی تو مسیح ناصری کی پیشگوئی تھی کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت اس کی تکذیب ہو گی۔ اور لوگ اسے نہیں مانیں گے:۔

(ا) لیکن پہلے ضرور ہے کہ وہ بہت دکھ اُٹھائے اور اس زمانہ کے لوگ اسے رد کریں۔ ۔ ۔ ۔ ابن آدم کے ظاہر ہونے کے دن بھی ایسا ہی ہو گا (لوقا ۱۷/۲۵)

(۲) لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اُٹھائیگا۔" (متی ۱۷/۱۲)

(د) نئے عہد نامے میں صاف لفظوں میں موجود ہے کہ تکذیب ہونا اور دُکھ پہنچنا سچے نبیوں کی علامت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ یعقوب ۵/۱۰۔ جن نبیوں نے خداوند کے نام سے کلام کیا۔ اُن کو دُکھ اُٹھانے اور صبر کرنے کا نمونہ سمجھو۔ ۔ ۔ ۔ تم نے ایوب کے صبر کا حال تو سنا ہی ہے۔"

چھٹا اعتراض۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ محمدی بیگم وغیرہ۔

الجواب۔ محمدی بیگم وغیرہ پیشگوئیاں تفصیل سے دوسری جگہ درج ہیں یہ سب پیشگوئیاں انذاری تھیں اور پوری ہوئیں لیکن تمہاری بائبل سے ثابت ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل جایا کرتی ہیں۔ یونس نبی کی چالیس یومی پیشگوئی۔ دیکھو (یوحناہ باب ۳

آیت ۴) اسی طرح اپنے پولوس رسول کی پیشگوئی دیکھو (اعمال ۲۷/۱۰-۲۵)۔ پہلے کہا:-

"اس سفر میں تکلیف اور بہت نقصان ہوگا۔ نہ صرف مال اور جہاز کا بلکہ ہماری جانوں کا بھی (اعمال ۲۷/۱) لیکن بعد میں کہا۔ خاطر جمع رکھو۔ کیونکہ تم میں سے کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا۔ مگر جہاز کا۔ ۔ ۔ ان سب کی خدا نے تیری خاطر جان بخشی کی۔ (اعمال ۲۷/۲۲-۲۴)۔

یسوع کی پیشگوئیوں کا حال مضمون "قرآنی مسیح و انجیلی یسوع" میں مذکور ہے۔ صفحہ ۱۸۵۔

تم یسوع کی ایک پیشگوئی انجیل سے سچی ثابت کر دو۔ ہم اسکے مقابلہ میں حضرت مرزا صاحب کی دو پیش کرینگے۔ آؤ میدان میں نکل کر مقابلہ کرو۔

دیدہ باید۔

جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کو انعامی چیلنج بھی دیا۔ مگر کسی عیسائی کو مقابلہ پہ آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:- "میرا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشان زیادہ ثابت ہیں۔ اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ نقد دونگا۔" (اشتہار مشمولہ رسالہ انجام آتھم و تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۱)

ساتواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی وفات کے معاً بعد ان کی جماعت

میں اختلاف پھیل گیا۔

الجواب۔ ذرا انجیل پڑھو یسوع کی وفات کے تھوڑا ہی عرصہ کے بعد پولوس کرنتھیوں کو یوں مخاطب کرتا ہے "اے بھائیو . . . تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں" (۱۔کرنتھیوں ۱/۱۱)۔

تم میں بڑا نقص یہ ہے کہ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہو۔ (۱۔کرنتھیوں ۶/۷)

آٹھواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے اپنے آپکو مریم قرار دیا۔ وہ عورت کس طرح بن گئے؟

الجواب۔ انجیل پڑھو۔ پولوس عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

(۱) میں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ پاک دامن کنواری کی مانند تم کو مسیح کے پاس حاضر کروں۔ (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۲)۔ گویا عیسائی یسوع کی بیویاں ہیں۔

(۲) میں تجھے دلہن یعنی برّے کی بیوی دکھاؤں (مکاشفہ ۲۱/۹)۔ اس میں یسوع کے بارہ شاگردوں کو یسوع کی بیویاں قرار دیا گیا ہے۔

(۳) یسوع نے اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ یہ ہے میری ماں۔ (لوقا ۸/۲۱)۔

نواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے اپنے متعلق حمل۔ حیض۔ دردِزہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو مردوں کے لئے جائز نہیں۔

الجواب۔ یہ سب استعارات ہیں (ان کی تشریح غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب میں دیکھو۔) یہاں پر مختصر طور پر ذرا اپنی انجیل کے مندرجہ ذیل مقالات پڑھ لو

(١) پولوس عیسائیوں کو کہتا ہے۔ "کاش کہ تم میری تھوڑی سی بیوقوفی کی برداشت کرسکتے۔ ہاں تم میری برداشت کرتے تو ہو۔ مجھے تمہاری بابت خدا کی سی غیرت ہے۔ کیونکہ میں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ تم کو پاک دامن کنواری کی مانند مسیح کے پاس حاضر کروں (٢۔ کرنتھیوں ١١/١-٢)۔ گویا تمام عیسائی کنواری عورتیں تھیں۔ اور پولوس نے ان کی شادی مسیح سے کردی ہے۔

نوٹ:۔ اس عبارت میں پولوس نے اپنی بیوقوفی کا ذکر کیا ہے۔ اور (رومیوں ٧/٢٤) میں اپنے آپکو کمبخت آدمی بھی قرار دیا ہے۔ خاکم

پھر خواہش حاملہ ہوکر گناہ کو جنتی ہے۔ (یعقوب ١/١٣)

(٢) پطرس عیسائیوں سے کہتا ہے۔ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیرفانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو (١۔ پطرس ١/٢٣)

(٣) جس طرح کہ پیٹ والی عورت جس کے جننے کا وقت نزدیک ہو۔ درد کھاتی ہے۔ اور اس پیڑ سے جو اُسے لگی چیخیں مارتی ہے۔ اے خداوند ہم تیری نگاہ میں ویسے ہی ہیں۔ ہم حاملہ ہوئے۔ ہمیں دردِ زہ لگا۔ پر گویا ہوا جنے۔ (یسعیاہ ٢٦/١٧-١٨)۔ یہ "ہوا جنے" کا محاورہ قابل غور ہے۔

(٤) یروشلم ان کے درمیان حائض عورت کی طرح ہے (یرمیاہ کا نوحہ ١/١٧ پرانا عہد نامہ)

(٥) اری "اے بانجھ تو جو نہیں جنتی خوشی سے للکار... کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے" (یسعیاہ ٥٤/١ تا ٥)۔

(٦) بنی اسرائیل کو کہا ہے۔ تمہارے پیٹ ہی میں کوڑے کا حمل ہوگا۔ تم گرگٹ جنو گے" (یسعیاہ ۳۳/۱۱)۔

(۷) خدا کی "بیویوں" کے پستان وغیرہ:۔

خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اُس نے کہا کہ اے آدم زاد دو عورتیں تھیں۔ جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں۔ انہوں نے مصر میں زناکاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں۔ اور وہاں انکی بکر کے پستان چھوئے گئے۔ ان میں کی بڑی کا نام آہولہ اور اس کی بہن آہولیبہ۔ اور وہ میری جوروئیں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں" (حزقی ایل ۲۳/۱-۵)

(۸) مذکورہ بالا آہولیبہ کا حال سنو:۔

"تب اس کی زناکاری عام ہوئی۔ اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی۔ تب جیسا میرا جی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا۔ ویسا ہی میرا دل اس سے بھی ہٹا تس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالہ کرتی تھی۔ زناکاری پر زناکاری کی۔ سو وہ اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا" (حزقی ایل ۲۳/۱۸ تا ۲۰)

(۹) جس طرح جوان مرد ایک کنواری کو بیاہ لاتا ہے۔ اسی طرح وہ جو تجھ (یروشلیم) کو تعمیر کرتے تجھے بیاہ لے جائیں گے۔ اور جس طرح دولھا دلہن پر ریجھتا ہے۔ اسی طرح تیرا خدا تجھ پر ریجھیگا" (یسعیاہ ٦۲/۵)۔

(۱۰) خداوند یوں فرماتا ہے کہ تیری ماں کا طلاقنامہ جسے لکھکر میں نے اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟... تمہاری خطاؤں کے باعث تمہاری ماں کو طلاق دیگئی" یسعیاہ ۵۰/۱

(۱۱) خداوند نے مجھ سے کہا کیا تُو نے دیکھا ہے کہ برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے؟ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے تلے گئی اور وہاں زناکاری کی۔ اور جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا کہ میری طرف پھر آ۔ پر وہ نہ پھری۔ اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ نے یہ حال دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب اسی باعث سے کہ اس نے زناکاری کی تھی۔ میں نے برگشتہ اسرائیل کو نکالا اور اسے طلاقنامہ لکھ دیا۔ باوجود اس کے اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری بلکہ اس نے بھی جاکے چھنالہ کیا۔ اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنے چھنالے کی بُرائی سے زمین کو ناپاک کیا۔ اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی۔" (یرمیاہ $\frac{3}{9}$)۔

(۱۲) زیادہ تفصیل سے یروشلیم (خدا کی بیوی) کی زناکاری کا حال ملاحظہ ہو۔ (حزقی ایل باب ۱٦ آیت ۱ تا ٦۳)۔

(۱۳) اور خداوند فرماتا ہے کہ ازبسکہ صیہون کی بیٹیاں شوخ ہیں اور گردن کشی اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں۔ اور اپنے پاؤں سے نت ناز رفتاری کرتی اور گھنگھرو بجاتی ہیں۔ اس لیئے خداوند صیہون کی بیٹیوں کی چاندیوں کو گنجی کریگا۔ اور خداوند ان کے اندام نہانی کو اکھاڑیگا۔" (یسعیاہ $\frac{3}{16، 17}$)۔

(۱۴) خداوند نے یہوداہ کی کنواری بیٹی کو کولھو میں لتاڑا۔" (نوحہ یرمیاہ باب پہلا آیت ۱۵)۔

(۱۵) پولوس کہتا ہے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی ہے اور دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے۔ اور نہ فقط وہی بلکہ ہم بھی آپ اپنے باطن میں کراہ رہے ہیں۔" (رومیوں $\frac{8}{16-23}$)۔

(۱۶) اے میرے بچو! تمہاری طرف سے مجھے پھر جننے کے سے درد لگے ہیں (گلیتوں 4/19)

(۱۷) خدا کو دردِ زِہ "مَیں بہت مدت سے چپ رہا۔ اور آپ کو روکتا رہا۔ پھر اب مَیں اس عورت کی طرح جس کو دردِ زِہ ہو۔ چلاؤنگا۔ اور ہانپونگا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لُونگا۔" (یسعیاہ 42/14)۔

دسواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے بعض کتابوں کے حوالے غلط دیئے ہیں؟

الجواب۔ ہم حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کو سہو کتابت اور سبقت قلم سے پاک نہیں سمجھتے۔ خصوصاً جبکہ ہم آپؑ کو نبی مانتے ہیں۔ مگر ذرا اپنے خداوند یسوع کا بتایا ہوا حوالہ کہ داؤد نے ابیاتار سردار کاہن کے عہد میں اسکے گھر سے نذر کی روٹیاں کھائی تھیں۔ کہیں بائبل سے نکال دو۔ نیز متی میں جو یہ لکھا ہے "تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو۔ کہ وہ ناصری کہلائیگا۔" (متی 2/23)۔ اس کا حوالہ بائیبل سے نکال دو۔

تمہارے انجیلی ملہم کی دیانتداری کا یہ حال ہے کہ یسعیاہ 7/14 کی عبارت "کنواری حاملہ ہوگی۔ بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی" کو نقل کرتے ہوئے "کنواری حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے" کر دیا ہے۔ محض اس لیئے کہ تمہارے خداوند کا نام اس کی والدہ نے عمانوایل نہیں بلکہ یسوع رکھا تھا۔ ع

کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

گیارھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی عبداللہ آتھم والی پیشگوئی پوری نہ ہوئی؟۔

الجواب۔ اس میں شرط تھی۔ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائیگا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

چونکہ اس نے حق کی طرف رجوع کر لیا۔ اس لئے وہ پندرہ ماہیہ سزا سے بچ گیا۔

اس کا ثبوت کہ آتھم راجع الی الحق ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انعامی اشتہارات ہیں۔ آپ نے آتھم کو حلف مؤکد بعذاب اٹھانے کے لئے چار ہزار روپیہ تک انعامی چیلنج دیا۔ مگر وہ میدان میں نہ آیا۔

عیسائی۔ اُس کیلئے حلف اُٹھانا ناجائز تھا۔ (یعقوب ۵/۱۲ و متی) اسلئے مرزا صاحب کا مطالبہ حلف درست نہ تھا۔

الجواب۔ غلط ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یسوع کے بعد اس کے شاگرد اور رسول قسمیں کھاتے رہے۔ چنانچہ پولوس نے مسیح کی قسم بھی کھائی۔

۱۔ تھسلنیکیوں ۵/۲۷،۲۸)۔ (انجیلی اصطلاح میں خداوند سے مراد یسوع ہے) فخر کی قسم (۱۔ کرنتھیوں ۱۵/۳۱)۔

اِس لئے آتھم کا بہانہ شائستہ اعتنا نہ ہونے کی وجہ سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گواہ ہے۔

بارھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی آمد کی وجہ سے تمام مسلمان پاک نہیں ہوگئے۔ مگر خداوند یسوع کے "**کفارہ**" پر ایمان لانے سے ہم پاک ہوگئے اور کفارہ کو جڑ سے کاٹ دیا۔

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے خدا تعالےٰ کی

سُنّتِ قدیمہ کے مطابق جماعت احمدیہ کا جو ایک پاکبازوں کی جماعت ہے قیام ہُوا۔ کیا مسیح کی آمد پر تمام یہودی پاک ہو گئے تھے۔ ہاں یسُوع کی زندگی میں صرف بارہ آدمی ظاہری طور پر پاک ہوئے تھے۔ جن کی حالت کا نقشہ انجیل نے خوب کھینچا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا کے فضل سے لاکھوں گُنا کامیابی ہوئی۔

باقی رہا کفارہ سے گناہ کا جڑ سے کٹنا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ انجیل میں ہے کہ یسوع کے بعد خود عیسائیوں میں بدکاری موجود تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے " یہانتک سُننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں تاکہ جس نے یہ کام کیا تم میں سے نکالا جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو " (ا۔ کرنتھیوں ۵/۱)۔

غرضیکہ موجودہ عیسائیوں اور ان کی تبلیغ کی وہی کیفیت ہے جو مسیح نے اِن الفاظ میں بیان کی ہے:۔

" اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک کو مُرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دَورہ کرتے ہو۔ اور جب وہ مُرید ہو چکتا ہے۔ تو اُسے اپنے سے دُونا جہنّم کا فرزند بنا دیتے ہو " (متی ۲۳/۱۵)۔

تیرھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں ﴿ ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

گویا وہ اپنے آپ کو انسان بھی نہیں سمجھتے ۔ چہ جائیکہ وہ مسیح ہوں ۔

الجواب ۔ ذرا اپنی بائیبل کو پڑھو ۔ تا تمہیں معلوم ہو کہ تم جس قول کو بغرضِ تکذیب پیش کر رہے ہو ۔ وہی قول صداقت مسیح موعودؑ کا مؤید ہے ۔

(الف) داؤد کہتا ہے :۔

"پر میں کیڑا ہوں ۔ نہ انسان ۔ آدمیوں کا ننگ ہوں ۔ اور قوم کی عار" (۲۲ زبور آیت ۶) ۔

(ب) تمہارا مسیح کہتا ہے :۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں ۔ اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں" (متی ۸/۲۰) ۔

(ج) پولوس کہتا ہے ۔ "ہائے میں کیسا کم بخت آدمی ہوں" (رومیوں ۷/۲۴)

(د) کاش تم میری تھوڑی سی بیوقوفی کی برداشت کر سکتے ۔"

(۲ ۔ کرنتھیوں ۱۱ باب ۱ آیت)

(ر) حضرت کا یہ قول محمول بر انکسار ہے ۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

(الف) اِنَّ الْمُهَيْمِنَ لَا يُحِبُّ تَكَبُّرًا
مِنْ خَلْقِهِ الضُّعَفَاءُ دُوْدُ فَنَاءٍ

(انجام آتھم ۔ درثمین عربی ص ۱۷۶)

کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے جو کہ ضعیف اور کیڑے ہیں ۔ تکبر پسند نہیں کرتا اسمیں حضور نے تمام مخلوق کو کیڑے قرار دیا ہے اور تکبر سے اظہارِ نفرت فرمایا ہے ۔

(ب) پھر فرماتے ہیں:۔

وَمَا نَحْنُ اِلَّا کَالْفَتِیْلِ مَذَلَّةً
بِاَعْیُنِهِمْ بَلْ مِنْهُ اَدْنٰی وَاَحْقَرُ

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ درثمین عربی ص۲۹۳)

کہ ہم اپنے مخالفوں کی نظر میں ایک ریشۂ خرما کی طرح ہیں بلکہ اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل۔

(ج) پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس آیت میں ان نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کلّی ثابت نہیں۔ اور ... کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے۔ کہ مجھ کو یونس بن متّی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ ... وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ ہر ایک بات کا ایک موقعہ اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر عباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا۔ یہانتک کہ بُت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے۔ اور خود اقرار کرتا ہے۔ کہ وہ احقر عباد اللہ ہے۔ کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۶۳)

قرآن کا مسیح اور انجیل کا یسُوع

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(۱) "ہمیں پادریوں کے اور ان کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ اُنہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسُوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زانی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل دیں۔ اور عہد کرلیں کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے۔ تو ہم بھی عہد کرینگے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ اُن سے گفتگو ہوگی۔ ورنہ جو کچھ کہیں گے۔ اس کا جواب سُنیں گے" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ درحاشیہ ص۹)

(۲) "مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالےٰ نے یسُوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا؟ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسُوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۹ حاشیہ)

(۳) "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور ان کی

نبوّت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں ہے جو اُن کی شانِ بزرگ کے خلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔" (ایام الصلح ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ و تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ صـ ۷۲)۔

(۴) "میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین یا حضرت عیسیٰ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادٰی وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صـ ۳۸)

(۵) "موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں۔ سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح صـ ۱۶)۔

(۶) "جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ مَیں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُرا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا؟ کیونکہ اس سے تو خود میرا بُرا ہونا لازم آتا ہے۔" (اشتہار ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۸ء حاشیہ۔ تبلیغ رسالت جلد ۷ صـ ۷۰ حاشیہ)

(۷) "ہمارا جھگڑا اُس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اُس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی نے معہ تمام لوازم کے کیا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۲۲)۔

(۸) هٰذا ما کتبنا من الاناجیل علیٰ سبیل الالزام و انا نکرم المسیح و نعلم انہ کان تقیاً و من الانبیاء الکرام

(ترغیب المومنین ص۱۹ حاشیہ)

(۹) "ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے۔ اور صرف (پادری) فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اِس نادان (پادری فتح مسیح) نے نہایت ہی شدّت سے گالیاں آنحضرت صلعم کو نکالی ہیں۔ اور ہمارا دِل دُکھایا ہے۔" (رسالہ فتح مسیح صفحہ ۱)

(۱۰) "ہم اُس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور اس پر ایمان لایا۔" (فتح مسیح ص۱۳)

(۱۱) "اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا۔ مگر اُسے خدا کہنا کفر ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۲۷ و تبلیغ رسالت جلد ۶ ص۱۱)

(۱۲) "قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعوے نہیں کیا۔ کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں۔"

(تصدیق النبی حاشیہ صفحہ ۳۴)

(نیز دیکھو رسالہ آریہ دھرم ٹائیٹل پیج آخری صفحہ و حقیقۃ الوحی ص۴۷ جنگ مقدس صفحہ ۵۰ و انوار الاسلام ص۳۴)۔

غیر احمدی علما کی تحریرات

(۱) جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب ازالہ اوہام ص ۳۷۰ میں فرماتے ہیں "ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند و مال خود مے خورانیدند و زناں فاحشہ پاہائے آنجناب را مے بوسیدند و آنجناب مرتا مریم را دوست مے داشتند و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطا مے فرمودند"

(۲) مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لکھتے ہیں "یہ نصاریٰ جو دعوے محبت حضرت عیسےٰ سے کرتے ہیں۔ تو حقیقت میں اُن سے محبت نہیں کرتے۔ کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹے ہونے پر ہے سو یہ بات حضرت عیسےٰ میں تو معدوم۔ البتہ ان کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو پوجتے ہیں۔ اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے" (ھدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۵)

(۳) جناب مولوی آلِ حسن صاحب فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیائے موتیٰ کا بعض بجان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اسکے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا اٹھ کھڑا ہو۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔" (استفسار ص ۳۳۶)۔

(۴) "اشعیا اور ارمیاہ اور عیسےٰ علیہ السلام کی بہت سی غیب گوئیاں قواعد رمل و نجوم سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر" (استفسار ص ۲۳۶)

(۵) "حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو حد سے زیادہ جو گالیاں دیں تو ظلم کیا" (استفسار ص ۴۱۹)

حضرت مسیح علیہ السلام اور یسوع کے دو حلیئے

موجودہ انجیل نے یسوع کی ایسی گندی تصویر کھینچی ہے کہ اسے دیکھ کر کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خدا کے اس برگزیدہ نبی کی تصویر ہے جسے قرآن مجید نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور مسیح ابن مریم کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۱) **نسب نامہ**۔ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ کو بالکل پاک اور مطہر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (مریم رکوع ۲) مگر انجیل کے یسوع کا نسب نامہ سخت ناپاک اور گندہ ہے۔ چنانچہ انجیل متی ۱/۱ میں یسوع کا نسب نامہ کے عنوان کے نیچے تین عورتوں تامار۔ راحاب اور اوریاہ کی بیوی (بنت سبع) کا ذکر ہے (متی پہلا باب آیت ۲۔ ۵۔ ۷) اور توراۃ میں لکھا ہے کہ یہ تینوں بدکار اور زناکار عورتیں تھیں۔ ملاحظہ ہو۔ راحاب فاحشہ تھی (یشوع ۲/۲) تامار نے اپنے خسر سے زنا کیا (پیدائش ۳۸/۱۶-۱۹) بنت سبع زوجہ اوریاہ نے (نعوذ باللہ) داؤد سے زنا کیا (۲۔ سموئیل ۱۱/۲-۵) توراۃ میں ہے بدکاروں کی نسل کبھی نام آور نہ ہوگی (یسعیاہ ۱۴/۲۰) حرامی بچہ دس پشت تک خدا کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا (استثنا ۲۳/۱)

(۲) **مریم کا صدیقہ ہونا**۔ قرآن نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ کو صدیقہ قرار دیا ہے۔ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (مائدہ رکوع ۱۰) وَحَصَنَتْ

بِکَلِمٰتِ رَبِّهَا (سورۃ مریم آخری رکوع) گویا وہ حضرت عیسےٰ پر کامل طور پر ایمان لائی۔ اور خدا تعالےٰ کی باتوں پر کما حقہ، عمل کرتی تھی مگر انجیلی یسوع کے متعلق انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ماں اسپر ایمان نہ لائی تھی اور خدا کی بھی نافرمان تھی۔ چنانچہ متی $\frac{۱۲}{۴۶-۵۰}$ و مرقس $\frac{۳}{۳۱-۳۵}$ میں ہے کہ اسکی ماں اور اسکے بھائی جب یسوع کو ملنے آئے تو وہ اپنے شاگردوں میں کھڑا تھا کسی نے جب اسکو بتایا کہ تیری ماں اور تیرے بھائی تجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کون ہے میری ماں؟ اور کون ہیں میرے بھائی؟ اپنے شاگردوں کیطرف مُنہ کرکے کہا میری ماں اور میرے بھائی تو یہ ہیں جو خدا کا کلام سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔" (لوقا $\frac{۸}{۲۱}$) گویا اس کی ماں اور اس کے بھائی خدا کے کلام سنتے اور اُسپر عمل نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ واقعی خدا کی مرضی پر چلنے والی اور اسکی باتوں پر عمل کرنیوالی ہوتی تو وہ یسوع کے بیان کردہ معنوں کی رُو سے اسکی روحانی ماں بھی ٹھہرتی۔ تو اس صورت میں یسوع پر اسکی دُونی عزت لازم آتی۔ مگر اس کا کون ہے میری ماں کہنا اور پھر ماں کے معنی بیان کرکے اپنی شاگردوں کو اسمیں شامل کرنا۔ اور جسمانی ماں کو اس سے باہر نکالنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ اسکی ماں اسپر ایمان نہ لائی۔ لہٰذا انجیلی یسوع اُمُّہٗ صِدِّیْقَہ کا مصداق نہ رہا۔ مندرجہ بالا استدلال انجیل کی اس عبارت سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسکے بھائی بھی اسپر ایمان نہ لائے تھے (یوحنا $\frac{۷}{۵}$) کیا کوئی عیسائی موجودہ انجیل میں سے کوئی ایک ہی حوالہ ایسا پیش کر سکتا ہے جسمیں یہ لکھا ہو کہ یسوع کی ماں مریم یسوع پر ایمان لائی تھی۔ ہرگز نہیں۔

(۳) **ماں سے بدسلوکی**۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کو بَرًّا
بِوَالِدَتِیْ (مریم ع۲) قرار دیا ہے اور یُوں بھی لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ کے عام
حکم سے انبیا علیہم السلام کا استثنا نہیں۔ لہذا حضرت عیسٰے اپنی والدہ
کے کامل طور پر وفادار تھے اور اس سے انتہائی طور پر نیک سلوک کرتے
تھے۔ مگر انجیل کا یسوع اپنی ماں کو۔ کون ہے میری ماں (متی ۱۲/۴۸ و مرقس ۳/۳۳)
اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام (یوحنا ۲/۴) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ گویا
اپنے آپکو اس سے کلی طور پر مستغنی اور بے تعلق قرار دیتا ہے اور اسکی نافرمانی کرتا
ہے ایسا آدمی یسوع کے فتوٰی کے مطابق واجب القتل ہے (متی ۱۵/۴ و رومیوں ۹/۲۹ و ۳۰)
لہذا وہ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کا مصداق نہ رہا۔

(۴) **پاک انسان ہونا**۔ قرآن نے اپنے مسیح علیہ السلام کے متعلق
اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرمایا ہے۔ گویا وہ بہت پاک اور مقدس انسان
تھے جس طرح کہ خدا تعالٰے کے تمام انبیاء ہوتے ہیں مگر انجیل کا یسوع
انجیل کی رُو سے ایک پاک کیریکٹر کا انسان ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) **ایک بدکار عورت سے محبت**۔ (ا) اسکے پاؤں پر ایک بدچلن عورت
نے عطر ڈالا (لوقا ۷/۳۷)۔ (ب) عطر ڈالنے والی بدچلن عورت کا نام مریم تھا
جو مرتھا اور لعزر کی بہن تھی (یوحنا ۱۱/۱ و ۱۲/۳)۔ (ج) یسوع اُس بدچلن
عورت سے محبت رکھتا تھا (یوحنا ۱۱/۵)۔ (د) اس بدچلن عورت کو بھی یسوع
سے محبت تھی (لوقا ۷/۴۷)۔ (ہ) وہ بدچلن عورت روئی تو یسوع بھی گھبرا کر رونے
لگا (یوحنا ۱۱/۳۵)۔ (و) یسوع اس بدچلن عورت کے گھر گیا اور اس سے تنہائی

میں باتیں کرتا رہا (لوقا ۱۸/۲۹-۴) (س) اسکے ساتھ عورتیں رہتی تھیں (لوقا ۸/۳-۱ و
متی ۲۷/۵۵)۔ (ط) ایک بدچلن سامری عورت سے جو کئی خاوند کر چکی تھی یسوع
نے تنہائی میں معنی خیز گفتگو کی (یوحنا ۴/۷) یہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے
"اتنے میں اسکے شاگرد آگئے۔ اور تعجب کرنے لگے کہ وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے۔
تاہم کسی نے نہ کہا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ یا اس سے کس لئے باتیں کرتا ہے۔
پس عورت اپنا گھڑا چھوڑ کر شہر کو چلی گئی"۔ (و) ایک نوجوان لڑکے سے محبت
(یوحنا ۲/۲۱ و ۱۹/۲۶)۔ (ی) اسکو گود میں بٹھانا اور چھاتی سے لگانا (یوحنا ۱۳/۲۳-۲۶ و
۲۱/۲۰-۲۱) گویا اس لڑکے سے یسوع کو محبت تھی اور شاگرد یسوع سے جب کوئی
راز کی بات پوچھنا چاہتے تو براہِ راست پوچھنے کی بجائے اس لڑکے کے ذریعہ
سے دریافت کرتے اور یسوع بتا دیتا۔ یوحنا ۲۱/۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو یہ
فکر تھا کہ یسوع کے چلے جانے کے بعد اس لڑکے کا کیا حال ہوگا اور اس کا کون
پرسانِ حال ہوگا مگر یسوع نے مہمل سے فقرہ میں بات کو ٹال دیا۔ یہی اور اسی قسم
کی اور باتیں تھیں جنکی بنا پر جب پیلاطوس نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم یسوع پر کیا
الزام لگاتے ہو۔ تو انہوں نے جواب میں اُس سے کہا کہ "اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے
تیرے حوالے نہ کرتے"۔ (یوحنا ۱۸/۳۰)۔ بایں ہمہ جناب کا اپنا حال یہ تھا کہ ایک "خونِ
حیض" والی عورت کے چھونے سے قوت نکل گئی"۔ (مرقس ۵/۳۰ و لوقا ۸/۴۶)

بد نمونہ۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح کو مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ (زخرف ع ۶) یعنی
بنی اسرائیل کیلئے اچھا نمونہ قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع کا نمونہ اس کے اخلاق وعادات
قطعاً اس قابل نہیں تھیں کہ کوئی منصف مزاج انسان اسکو اچھا نمونہ کہہ سکے۔

(۱) گالیاں دینا۔ زناکار لوگ (متی ۱۲/۳۹) "اے سانپو۔ افعی کے بچو۔ اے بدکار و اندھو" وغیرہ (متی ۲۳/۲۴-۲۶)۔

(۲) گندے ہاتھوں سے کھانا کھانا۔ اس کے بعض شاگردوں نے جب اس کی موجودگی میں ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے روٹی کھائی (مرقس ۷/۲) تو اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں بجائے اپنے شاگردوں کو تادیب کرنے کے اُلٹا یہودیوں سے بحث کرنا شروع کر دیا۔ اور کہا۔ کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر انسان کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ (مرقس ۷/۱۵)۔ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا۔ آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی ۱۵/۲۰)

(۳) مغلوب الغضب تھا (۱) یہودیوں کو گالیاں دیں (۲) انجیر کے درخت پر بلاوجہ غصہ کھایا۔ (مرقس ۱۱/۱۴ و متی ۲۱/۱۹)

(۴) غیر کی چیز پر بلا اجازت ہاتھ صاف کرنا جائز سمجھتا تھا۔ اس کے شاگردوں کا بالیں توڑنا اور اس کی حمایت کرنا (متی ۲/۱-۵ و مرقس ۲/۲۳)۔

(۵) بزدل ہونا خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے بندوں کی عموماً اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصاً یہ صفت بتائی ہے کہ وہ بزدل نہیں ہوتے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ (یونس ع ۷) کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (پارہ ۲۸ مجادلہ ع ۳)۔

کجا غوغائے شاں بر خاطرِ من وحشتے آرد
کہ صادق بزدلے نبود وگر بیند قیامت را
(مسیح موعودؑ)

چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے۔ لہذا بزدل نہ تھے۔ مگر انجیل کا

یسوع بُزدل تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) قتل کا مشورہ سُنکر چھپ کر چلا گیا۔ اور کہا کہ کسی کو میرا نام نہ بتانا (متی ۱۲/۱۵)

(۲) ایک شہر میں تمہیں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ۔ (متی ۱۰/۲۳)۔

(۳) اِسی تعلیم کے نتیجہ میں پولوس رسول قید خانہ سے سیواجی کی طرح ٹوکرے میں بیٹھ کر بھاگا تھا۔ (۲۔ کرنتھیوں ۱۱/۳۲)۔ (۴) جب یہودیوں نے مارنے کو پتھر اٹھائے تو ڈر کر کہا۔ سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں۔ (یوحنا ۱۰/۳۴)۔

مُفسد ہونا۔ خدا کے انبیاء دنیا میں اصلاح کی غرض سے آتے ہیں جیسا کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (ھود ع) لہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی بوجہ نبی اور رسول ہونے کے بنی اسرائیل کی اصلاح ہی کیلئے آئے تھے۔ مفسد ہونا تو قرآن مجید نے منافق کی نشانی قرار دی ہے۔ مگر انجیل کا یسوع دنیا میں اصلاح کیلئے نہیں۔ بلکہ فساد کیلئے آیا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(الف) یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح نہیں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ (متی ۱۰/۳۴-۳۶) اور کہا کپڑے بیچ کر تلوار خریدو۔ (لوقا ۲۲/۳۶)

(ب) میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں اور اگر آگ لگ چکی ہوتی۔ تو میں کیا ہی خوش ہوتا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا۔ اور بیٹا باپ سے۔" (لوقا ۱۲/۴۹)۔

(ج) میرا وہی شاگرد ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ۔ بیوی۔ بچوں۔ بہنوں بھائیوں کا دشمن ہو۔ (لوقا ۱۴/۲۶)۔

(د) اور خود ہی کہتا ہے۔ جس گھر میں پھوٹ پڑے وہ برباد ہو جاتا ہے (لوقا $\frac{11}{17}$)

عیسائی۔ خدا کے نبی جب آتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں کچھ ایمان لے آتے ہیں۔ اس طرح تفریق پڑ جاتی ہے۔

احمدی۔ خدا کے انبیاء کی آمد سے دو مخالف جماعتوں کا ہو جانا۔ انبیاء کی آمد کی غرض نہیں قرار دی جا سکتی۔ گو اس کو بعثت نبوت کے متعلق قرار دے لیا جائے۔ مثلاً ایک طالبعلم بی۔ اے کا امتحان دے۔ اور اس میں فیل ہو جائے۔ امتحان دینے سے اسکی غرض تو پاس ہونا تھا۔ مگر وہ خلاف منشا فیل ہو گیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان اس لئے دیا تاکہ وہ فیل ہو جائے تو یہ خلاف عقل ہوگا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں نبی دنیا میں اس لئے آیا کہ تا دنیا میں لڑائیاں ہونے لگ جائیں بالکل خلافِ عقل ہے۔

شیطان کا ساتھی۔ قرآن مجید کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پارہ ۱۴ آخری آیت) کہ متقیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور انبیائے کے ساتھ تو بوجہ ان کے اتقی الناس ہونے کے سب سے زیادہ۔ لہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ تھا۔ مگر انجیل میں یسوع کی سوانح زندگی درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسکے ساتھ نہ تھا۔

(۱) اس کی ناکام زندگی (۲) اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہنا (متی $\frac{27}{46}$)۔

(۳) شیطان کا اس کے ساتھ چالیس روز رہنا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے لئے اس سے جدا ہونا۔ (لوقا $\frac{4}{13}$)۔

جھوٹ بولنا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء سب سے زیادہ

سچے اور سچ بولنے والے اور راستباز ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی راست گو اور سعادت شعار انسان تھے۔ مگر انجیل کا یسوع راست گو نہ تھا۔

(۱) بھائیوں کو کہا کہ تم عید پر جاؤ۔ مَیں نہیں جاتا۔ مگر جب وہ چلے گئے انکے پیچھے پیچھے چھپ کر خود بھی چلا۔ (یوحنا ۷/۸-۱۰)۔ (۲) یوحنا ... چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنیوالا تھا یہی ہے (متی ۱۱/۱۴۔ مگر یوحنا کا انکار۔ یوحنا ۱/۲۱) ... (۳) داؤد ... سردار کاہن ابیاتار کے عہد میں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں (مرقس ۲/۲۶) حالانکہ وہ سردار ابیاتار نہیں بلکہ اخیملک تھا۔ (۱۔ سموئیل ۲/۲۶)

غلط پیشگوئیاں ۔ قرآن مجید۔ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ کے مطابق تمام انبیاء کی صداقت کا معیار اُن کی سچی پیشگوئیاں قرار دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی سچے نبی ہونے کی وجہ سے اس میں داخل ہیں۔ مگر انجیلی یسوع کی تمام پیشگوئیاں غلط نکلیں۔

(۱) تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ مَیں آجاؤنگا۔ (متی ۱۶/۲۸ ومرقس ۹/۱)۔ (۲) شاگردوں کو کہا۔ تم میرے ساتھ حکومت کروگے (متی ۱۹/۲۸)۔ (۳) ساتھ مصلوب ہونے والے چور کو کہا۔ تو میرے ساتھ آج ہی جنت فردوس میں ہوگا (لوقا ۲۳/۴۳) مگر وفات کے تین دن بعد کہتا ہے کہ میں ابھی تک خدا کے پاس اوپر نہیں گیا (یوحنا ۲۰/۱۷)۔ (۴) پطرس کو جنت کی کنجیاں دیں۔ (متی ۱۶/۱۹)۔ مگر پھر اس کو شیطان کہا (متی ۱۶/۲۳)۔ (۵) ا۔ صرف یونس کا معجزہ اُن کو دیا جائیگا۔ (متی ۱۲/۳۹) ب یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ (تورات یونس ۱/ب آخری آیت

پُورانی بائیبل)۔ (ج) یسوع ایک ہی دِن زمین میں رہا۔ (لوقا ۲۴/۱ و متی ۲۸/۱)
(د) یونس زندہ مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ مگر بقول عیسائیاں یسوع مر کر رہا۔
ملعون۔ قرآن مجید نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو جَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا
کُنْتُ (مریم ع ۲) کے الفاظ میں مبارک قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع
بروئے انجیل لعنتی تھا۔

(۱) (ا)۔ مسیح لعنتی تھا۔ کیونکہ صلیب پر لٹکایا گیا (گلیتوں ۳/۱۳)۔

ب۔ جو صلیب دیا جائے تو وہ خدا کا ملعون ہے (استثنا ۲۱/۲۲)۔

(۲) پطرس کو کہا۔ جو تُو زمین پر باندھیگا آسمان پر وُہی بندھیگا (متی ۱۶/۱۹
و ۱۸/۲۸) ب۔ پطرس نے یسُوع کو لعنت کی۔ (متی ۲۶/۷۴)۔

مکذّب انبیاء۔ قرآنی مسیح تمام پہلے انبیاء کا مصدق تھا۔ اور اپنے
بعد بھی بعض انبیاء کی آمد کا مبشر جیسا کہ سورہ صف ع ۱ میں ہے۔ مگر انجیلی
یسوع تمام انبیاء کو چور اور ڈاکو کہتا تھا۔ اور بعد میں آنے والوں کو جھوٹا کہتا تھا۔
"جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں" (یوحنا ۱/۱۰) اور "بہت سے
جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے" (متی ۲۴/۱۱) پس قرآن کا مسیح موجودہ انجیل والا یسوع
نہیں ہو سکتا۔ فَافْهَمُوا اَيُّهَا الْعَاقِلُوْنَ الطَّالِبُوْنَ لِلْحَقِّ۔

شراب (۱) یسوع نے سب سے پہلے جو معجزہ دکھایا وُہ شراب بنانا تھا (یوحنا ۲/۱)
(۲) پھر کہا۔ نئی مے نئی مشکوں میں بھرنی چاہیئے۔ (لوقا ۵/۲۸)۔
(۳) پولوس کہتا ہے۔ "تھوڑی سی شراب پی لیا کر" (۱۔ تیمیتھیس ۵/۲۳)۔
بھائی اور بہنیں "اس کے بھائی ماں کے پاس آئے" (لوقا ۸/۱۹ و مرقس ۳/۳۱ و

یُوحنا ہے)۔ "اس کی بہنیں" (متی ۱۳ / ۵۵)۔

دلائل فضیلت مسیح بمقابلہ آنحضرت صلعم کا جواب

عیسائی پادری غیر احمدیوں کے عیسائیت نواز عقاید کو پیش کرکے مسلمانوں کو حلقۂ عیسائیت میں پھنساتے چلے جاتے ہیں اور اسی غرض سے ایک رسالہ بنام "حقائقِ قرآن" بھی انہوں نے شائع کر رکھا ہے۔ غیر احمدیوں کے عقاید پر تو بیشک اس رسالہ کے مندرجہ اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ مگر خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے سامنے ان مزعومہ دلائل کی کچھ حقیقت نہیں۔ چنانچہ چند چیدہ اعتراضات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر (۱) حضرت مسیح کا معجزانہ طور پر پیدا ہونا

الجواب۔ بیشک قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے والے کو باباپ کے پیدا ہونیوالے پر فضیلت دینا غلطی ہے۔ قرآن مجید نے خود اس کا جواب دیا ہے (اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ) کہ عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدم کی ہے۔ اب حضرت آدم تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اور عیسائی بھی اس کو مانتے ہیں۔ پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا فضیلت ہے تو بے ماں و باپ پیدا ہونا تو اس سے بھی بڑھ کر درجۂ فضیلت ہونی چاہیئے۔ پھر عیسائی صاحبان کیوں حضرت آدم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے افضل نہیں مانتے؟ اسی طرح انجیل میں لکھا ہے "ملک صدق . . . بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے . . . بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا" (عبرانیوں ۷ / ۱-۳)۔

کیا عیسائی صاحبان ملک صدق کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے افضل مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ بے باپ پیدا ہونا وجہ فضیلت نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے آنحضرت صلعم پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو افضل قرار دینا غلطی ہے۔

جواب نمبر ۲۔ اگر بے باپ پیدا ہونا وجۂ فضیلت ہے، تو کیا ہم ان تمام کیڑوں مکوڑوں کو جو برسات کے دنوں میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بے ماں اور بے باپ پیدا ہوتے ہیں تمام انسانوں پر افضل قرار دے سکتے ہیں؟

الجواب نمبر ۳۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا کس طرح موجب فضیلت ہو سکتا ہے جبکہ انکی ولادت سے لیکر آجتک ساڑھے اُنیس سو سال گذر جانے تک اُن پر اور انکی والدہ صدیقہ پر پے بہ پے کفار ناہنجار ناجائز ولادت کا الزام لگاتے ہیں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام تمام عمر اسی اعتراض کا جواب دیتے رہے یہانتک کہ آنحضرت صلعم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بریت "اَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" کے الفاظ میں کرنی پڑی۔ کیا آنحضرت صلعم کی ولادت کے متعلق کبھی کسی نے کوئی اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم کو طعنہ زنی کا نشانہ بننا پڑا۔ پس آنحضرت صلعم کا بے باپ پیدا نہ ہونا بذاتِ خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

جواب نمبر ۴۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (پارہ اوّل ع ۱۵) کہ اے ابراہیم تجھ کو لوگوں کا مقتدا اور راہنما (نبی) بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے خدا! میری نسل میں بھی (نبوت رکھ) تو خداتعالیٰ نے جواب دیا۔ ہاں۔ مگر تیری نسل میں جو ظالم ہونگے۔ وُہ اِس نعمت سے محروم کردیے جائینگے۔ دُوسری جگہ فرمایا۔ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ کہ ہم نے حضرت ابراہیم کی نسل میں نبوّت رکھی۔ اب حضرت ابراہیم کی اَولاد کی دُو۲ شاخیں تھیں بطریق ذیل:۔

حضرت ابراہیم

حضرت اسمٰعیل	حضرت اسحٰق
	یعقوب (اسرائیل)
بنی اسمٰعیل	بنی اسرائیل
(عرب)	

چنانچہ حضرت اسحٰق کی نسل سے (بنی اسرائیل میں) پے بہ پے نبی ہوئے۔ چنانچہ حضرت مُوسےٰ۔ داؤد۔ سلیمان۔ یحییٰ۔ زکریا علیہم السلام سب انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہوئے۔ لیکن بالآخر بنی اسرائیل ظالم ہوگئے۔ اور اِس وجہ سے اس وعدہ کے مستحق نہ رہے۔ جو خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے بتادیا کہ اب حضرت اسحٰق کی نسل میں نبوت کا خاتمہ ہے۔ اب چونکہ بنی اسرائیل ظالم ہوگئے ہیں۔ اِسلیئے خدا کے وعدہ کے مطابق نبوت بنی اسمٰعیل کیطرف منتقل کردیجائیگی۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

انکے بعد نبوت آنحضرت صلعم کو عطا ہوئی جو بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ نیز حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے محض اپنی قدرت مجردہ سے بغیر باپ کے پیدا کرکے یہودیوں کو ایک نمونہ سے سمجھایا کہ تم اس پاک مولود کو جس کی والدہ ہر طرح سے بدکاری کی آلائش سے پاک ہے۔ ولد الزنا قرار دیتے ہو۔ اور حالت یہ ہے کہ تم میں سے ہزاروں بچے بدکاری کے نتیجہ میں ایسے پیدا ہوتے ہیں جنکے باپوں کا پتہ نہیں۔ اور ہم نے تمہاری عملی حالت کے اظہار کے لئے عملی نمونہ قائم کیا ہے۔ گو خدا تعالےٰ نے اس بچہ کو محض روح القدس کے وسیلہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ مگر تم میں اب کوئی نہیں جو نبی کا باپ بن سکے۔ لہذا تم اس قابل نہیں ہے کہ تم کو اس عہد کے مطابق جو خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کے ساتھ کیا تھا۔ نبوت کی نعمت سے مشرف کیا جائے۔ اسلئے اب وہ عظیم الشان نبی جو دس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ آتشی شریعت لے کر آنیوالا تھا۔ مکہ کی بستی میں بنی اسمٰعیل کے گھرانے میں پیدا ہوگا۔ اور تم سے نبوت چھین کر ان کو عنایت کی جائیگی۔ تاکہ مسیح علیہ السلام کی یہ پیشگوئی پوری ہو۔ کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کردیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔ (متی ۲۱/۴۲)۔

غرض یہ حکمت تھی جس کی بناء پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے بے باپ کے پیدا کیا۔ تاکہ یہودیوں کی عملی حالت پر گواہ رہے۔ پس اس کو وجہ فضیلت قرار دینا کسی صورت میں بھی قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ بنی اسرائیل کی زناکاری کے ثبوت کیلئے ملاحظہ ہو (حزقی ایل ۱۶/۶۲ و حزقی ایل ۲۳/۱تا۵ و ۲۳/۱۱تا۲۰ و یرمیاہ ۳/۶)

دلیل نمبر ۲۔ حضرت مسیح کی والدہ کا تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہونا

الجواب۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کے متعلق اِصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران) تو بے شک آتا ہے۔ مگر اس جگہ العٰلمین سے دنیا میں قیامت تک پیدا ہونیوالی عورتیں مُراد لینا درست نہیں۔
آنحضرت صلعم نے جو قرآن مجید کے شارح اوّل بلکہ معلّم اعظم اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے مصداق ہیں۔ اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں یہ روایت درج ہے۔ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَكِ شَبِيْهَةَ سَيِّدَةِ نِسَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ (بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران ۴ زیر آیت (اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت مریم بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار تھیں۔ اب جبکہ آنحضرت صلعم نے حضرت مریم کو سَيِّدَةُ النِّسَاءِ بنی اسرائیل قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلعم کی والدہ پر انکی فضیلت کیسے ثابت ہوئی؟
نمبر ۲۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو سیدۃ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب فاطمہ جلد ۲ صہ ۱۹۱ مطبع الیہ مصر) یعنی سب عورتوں کی سردار) قرار دیا ہے۔ اب حضرت مریم یقیناً نساء اَهْلِ الْجَنَّةِ میں سے ہیں۔ پس حضرت فاطمہ ان سے افضل ٹھہریں۔ اس سے بھی آنحضرت صلعم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے افضل تھیں تو اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے کمال کا کیا دخل؟ ہاں یہ آنحضرت صلعم کی قوت

قدسی کا کمال تھا کہ حضور کی بینظیر تربیت کے نتیجہ میں آپکی بیٹی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ پر سبقت لے گئیں۔

نمبر۳ - قرآن مجید میں جہاں حضرت مریم کے متعلق زیر بحث الفاظ آئے ہیں۔ وہاں آنحضرت صلعم کو بطور خبر یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے تمام جہان کی عورتوں میں سے چن لیا ہے تا یہ نتیجہ نکل سکے کہ گویا حضرت مریم زنان نبوی کی عورتوں سے بھی افضل ہیں۔ بلکہ قرآن میں ذکر یہ ہے کہ فرشتہ نے جب وہ حضرت مریم کو ولادتِ مسیح کی خوشخبری دینے آیا۔ اسوقت انکو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سب عورتوں میں سے آپکو چنا ہے۔ پس اس آیت سے اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ اسوقت جب فرشتے نے یہ کہا جس قدر عورتیں موجود تھیں اُن میں سے حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے چنا۔ پس بعد میں پیدا ہونیوالی عورتوں کا نہ وہاں ذکر ہے اور نہ یہ مناسب تھا۔ نیز حضرت مریم کے متعلق قرآن میں جو تعریفی الفاظ آئے ہیں۔ وہ یہودیوں کے بہتانات کی تردید کی غرض سے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وَبِقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ کیا آنحضرت صلعم کی والدہ مطہرہ پر بھی کوئی الزام لگا۔ تا اس سے برأت کی ضرورت ہوتی۔

دلیل نمبر ۳

مسیح کی پیدائش کے وقت خارق العادت امور وقوع میں آئے۔ مثلاً نخل خشک ہرا بھرا ہو کر پھل لایا۔ چشمہ جاری ہوگیا۔ مریم کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔

الجواب - مسیح کی پیدائش کیوقت کسی خارق العادت امر کے وقوع کا قرآن مجید

میں ذکر نہیں۔ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ نخل خشک ہرا بھرا ہو گیا۔ بلکہ قرآن سے تو ثابت ہے کہ وہ کھجور کا درخت پہلے ہی ہرا بھرا تھا۔ چشمہ کا جاری ہونا کوئی خارق عادت امر نہیں ہے۔ ہزاروں چشمے دنیا میں جاری ہوتے ہیں۔ خارق عادت کے معنے تو یہ ہیں کہ ایسا واقع ظہور میں آئے جو کبھی دیکھا نہ گیا ہو۔ نیز آنحضرت صلعم کی والدہ یعنی ہاجرہؓ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخت گھبراہٹ کے وقت چشمۂ زمزم جاری ہوا جس کا ذکر (بخاری کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی کے جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ مصری) میں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؓ کو عرب میں چھوڑ جانا یہ سب آنحضرت صلعم ہی کی ولادت کا پیش خیمہ تھا۔ نیز قرآن مجید کی آیت فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ یعنی حضرت مریم کو دردِ زہ کھجور کے تنہ کے پاس لے گئی۔ اور حضرت مریم نے شدتِ درد سے چلا کر کہا کہ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور دنیا سے بے نام ہو چکی ہوتی صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت کوئی خارق عادت امر واقع نہیں ہوا۔ خارق عادت امر تو جب ہوتا۔ اگر حضرت مریم کو اس قدر تکلیف اور شدت سے درد و کرب نہ ہوتا۔

نیز ایک بچہ جننے والی عورت کو وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ کہنا کہ خود کھجور کا تنا ہلا اور جو کھجوریں نیچے گریں۔ ان کو کھا لے۔ جہاں اس کی قابلِ رحم حالت کا نقشہ کھینچ دیتا ہے وہاں اس بات کی مزید تائید بھی کرتا ہے کہ

کوئی خارق عادت امر اس موقع پر ظہور میں نہیں آیا۔ بھلا جو فرشتہ تسکین دینے آیا تھا وہ کھجور کے درخت سے کھجوریں اتار کر بھی دے سکتا تھا پھر حضرت مریم کو زچگی کی حالت میں کھجور کے تنے ہلانے کی تکلیف دہی کی کیا ضرورت تھی پس ان آیات سے کہاں حضرت عیسٰے کی آنحضرت صلعم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے بھلا حضرت مریم بیچاری تو اپنے مخصوص واقعات کی بنا پر جب قوم کیطرف سے منقطع ہو جانے پر مجبور ہو چکی تھی اور کوئی انسان ان کی تسکین کیلئے وہاں موجود نہ تھا۔ نہ کوئی دائی تھی نہ عورت۔ ایسے موقعہ پر اگر خدا تعالیٰ نے اس پاک عورت کو آواز دیکر کھجور کا تنہ ہلا کر کھجوریں کھانے کی ہدایت فرمائی تو ایک لابدی امر کیا۔ مگر آنحضرت صلعم کی ولادت ایسے حالات میں نہ ہوئی تھی کہ حضور صلعم کی والدہ ماجدہ کیلئے کوئی امر اپنی قوم کی نظروں میں استحقار دیکھے جانے کے قابل ہو۔ ہاں آپکی جدّہ حضرت ہاجرہ جبکہ وہ بیکس و بےبس تھیں اور کوئی انسان انکی تسکین کیلئے نہ تھا۔ وہاں بھی فرشتہ نازل ہوا (بخاری حوالہ سابق) مزید برآں مریم کے متعلق جس قدر قرآن میں الفاظ ہیں بطور ذب کے ہیں نہ کہ بطور مدح۔ لہٰذا ان کی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔

دلیل نمبر ۴ مسیح کا تکلم فی المہد و ایتاءِ کتاب و نبوت بزمانہ شیر خوارگی

الجواب - (۱) قرآن میں حضرت مسیح کا نہ صرف تکلم فی المہد بلکہ تکلم فی الکہل بھی مذکور ہے یعنی فرشتے نے حضرت مریم کو کہا کہ تیرا بیٹا "مہد" چھوٹی عمر میں بھی کلام کریگا۔ اور چالیس سال کی عمر میں بھی۔ اب اگر "مہد" کے معنے گہوارہ لیکر اسکو معجزہ قرار دیا جائے تو "کہل" (یعنی چالیس کی عمر)

میں کیا سب لوگ باتیں نہیں کرتے۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیا کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملتی ہے۔ باتیں تو چالیس سال کی عمر میں سب انسان کرتے ہیں۔ مگر نبی چالیس سال کی عمر میں نبوت کی باتیں کرتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتا ہے جو اس کو دوسرے لوگوں سے ممیز کرتی ہیں۔ پس تکلم فی المھد (بچپن کی عمر میں باتیں کرنے کا) مطلب یہ ہوگا کہ بچپن میں باتیں تو سب بچے کرتے ہیں۔ مگر خدا کے نبی بچپن ہی سے عقل کی باتیں کرتے ہیں۔ ع۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

چنانچہ حضرت یحییٰ کے متعلق اسی سورۃ مریم میں ہے اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا کہ ہم نے اسکو بچپن ہی کی عمر میں دانائی دی۔ یعنی وہ بچپن ہی میں دانائی کی باتیں کرتے تھے۔ یہی حال ہر نبی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلعم کے متعلق ان لوگوں کی جنہوں نے آنحضرتؐ کے بچپن کا زمانہ دیکھا شہادت ہے کہ حضورؐ بچپن ہی سے عام بچوں سے بہت ممیز تھے اور لغویات میں حصہ نہ لیتے تھے اور لغو کھیل کود کیطرف خیال نہ تھا جیسا کہ باقی بچوں کو ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ورقہ بن نوفل نے آپؐ کی دانائی کی باتوں سے معلوم کر لیا کہ آپؐ بڑے ہو کر انبیاء کا سردار بنیں گے۔ (دیکھو بخاری وغیرہ)

باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت اور کتاب مل گئی تھی یہ قرآن سے ثابت نہیں۔ سورۃ اٰلِ عمران نکال کر دیکھیئے۔ وہاں فرشتہ حضرت مریم کے پاس آکر خوشخبری دے رہا ہے کہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے آگے ناممکن نہیں وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَ

الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ - إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ (آل عمران ع ۵) کہ وہ بچہ جو پیدا ہوگا۔ اسکو اللہ تعالیٰ کتاب سکھائیگا۔ پھر حکمت سکھائیگا۔ پھر تورات کا سبق اسکے بعد انجیل اور وہ ہوگا بنی اسرائیل کیطرف رسول یہ کہ میں آیا ہوں خدا کیطرف سے نشان لیکر۔ گویا حضرت مسیح کا اپنا کلام شروع ہو جاتا ہے۔ فرشتے نے قبل از وقت ولادت پیشینگوئی کو بیان کرتے کرتے بغیر کسی وقفہ کا ذکر کرنیکے اس پیدا ہونیوالے کا اپنا کلام ذکر فرما دیا ہے۔ پیدائش کا ذکر بھی نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف ضروری باتوں کا ذکر ضروری جگہ پہ فرما دیتا ہے چنانچہ اتنے بڑے وقفہ کا ذکر نہیں کیا اور اسلوب بیان اور بیان پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ کا ہے جب آپ نبوت کی عمر کو پہنچکر نبی بن چکے تھے اور معجزات دکھلاتے تھے بچپن کا آیات مذکور میں کہیں ذکر نہیں سورۂ مریم میں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا کا مطلب یہ ہے کہ جو ابھی کل کا بچہ ہے اس کے ساتھ ہم کیسے گفتگو کریں یہ تو ہمارے ہاتھوں میں پلا ہے جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ وَلِيدًا کہ کیا تو بچپن کی حالت سے میرے ہاتھوں میں نہیں پلا؟ آج تو مجھے ہی نصیحتیں کرنے آگیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہودی عمائد حضرت مریم کو جواب دیتے ہیں۔ "کَانَ" ہمارے معنوں کی تائید کرتا ہے۔ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا کی "ف" سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ولادت کے معاً بعد کا واقعہ ہے درست نہیں۔ عربی زبان میں "فا" نتیجہ کیلئے بھی آتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ جو "رَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ" ہونیوالا تھا جب بڑا ہوگیا تو

انکی ماں انکو ساتھ لیکر بنی اسرائیل کیطرف آئیں تاکہ وہ انکو تبلیغ حق کریں جو انکی پیدائش کا مقصد تھا چنانچہ اسی رکوع میں ہے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔ پس حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور ایک دُور کے مکان میں چلی گئیں۔ پس دردِزہ ان کو کھجور کے تنہ کی طرف لے گئی۔ اب حمل کے بعد دردِ زہ کا ذکر ہے۔ اور فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ پر "ف" استعمال ہوئی ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حمل ہوتے ہی دردزہ شروع ہوگیا؟ پس "ف" سے معاً بعد مُراد لینا درست نہیں۔

(۲) قرآن مجید سورۃ آل عمران کی آیت اُوپر نقل کر آیا ہوں کہ فرشتہ نے آکر حضرت مریم کو بتایا کہ حضرت مسیح کو پہلے علم کتاب عطا ہوگا۔ پھر علم حکمت۔ پھر علم تورات اور اس کے بعد ان کو اپنی کتاب (انجیل) عطا ہوگی۔ اور یہی خدا تعالےٰ کا باقی سب انبیاء کے ساتھ دستور ہے۔ پھر قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّ . . . . عِيْسٰى (سورۃ نساء ع ۲۳)۔ یعنی اے نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم!۔

ہم نے آپ پر اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء . . . حضرت عیسےٰ وایوب وغیرہم علیہم السلام پر وحی نازل کی تھی اب قرآن مجید آنحضرت صلعم پر بھی اسی طرح وحی کا نزول بیان فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ہوا۔ اور اس میں کسی قسم کا فرق قرار نہیں دیتا نہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کوئی خصوصیت بیان فرماتا ہے بلکہ باقی انبیا کے ساتھ ان کا بھی ذکر کردیتا ہے۔ اب آنحضرت صلعم اور دیگر انبیاء کو تو چالیس برس کے قریب

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ ۔ کے ماتحت نبوت عطا ہوتی تھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ انجیل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ۳۱ برس کی عمر میں منادی شروع کی۔" جب یسوع خود تعلیم دینے لگا۔ تو برس تیس ایک کا تھا" (لوقا ۳/۲۳)۔

دلیل نمبر ۵

از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کے دشمنوں نے آپکو پکڑنا چاہا تو آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اُسے آسمان پر اُٹھا لے گئے۔ لیکن حضرت محمد صاحب کو بچانے کے لئے کوئی فرشتہ نازل نہ ہُوا۔ الخ

الجواب ۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت مسیح کو خدا کا کوئی فرشتہ آسمان پر اُٹھا کر لے گیا۔ قرآن مجید کی تیس آیات سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ قرآن میں بل رفعہ اللہ الیہ کی آیت بیشک موجود ہے۔ مگر رفع کا ترجمہ آسمان پر اُٹھانا قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ ع۲) کہ خدا تعالیٰ رفع کرتا ہے تمام ایمان والوں کا۔ اور اُن لوگوں کا جن کو خدا تعالےٰ کی طرف سے علم عطا ہُوا ہو۔ کن معنوں میں؟ فرمایا درجات یعنی مقامات اور درجات بلند کرنے کے معنوں میں۔ اس سے آسمان پر اٹھانا مراد نہیں ہوتا۔ اسی طرح حدیث میں بھی ہے۔ اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے آگے گر جائے اور انکساری اختیار کرے تو خدا تعالےٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کرتا ہے۔

اب اس حدیث میں ساتویں آسمان کا بھی لفظ ہے۔ مگر پھر بھی اس کے معنے آسمان پر اُٹھالے جانے کے نہیں بلکہ درجات کے بلند ہونے کے لئے جاتے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں جو لفظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آئے ہیں۔ بل رفع اللہ۔ ان میں تو آسمان کا نام بھی نہیں۔ اِسی طرح قرآن میں ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم ع ۴) کہ حضرت ادریس سچے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کا بلند مکان پر رفع کیا۔ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور مکاناً علیاً بھی۔ کیا وہ بھی آسمان پر زندہ ہیں؟

(۲) قرآن مجید میں لکھا ہے يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ۔ (آل عمران ع ۱۲) خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اے عیسےٰ پہلے تجھ کو وفات دُونگا۔ بل رفعُ اللہ نے بتایا کہ ان کا رفع ہو چکا ہے پس ثابت ہوا کہ ان کی وفات بھی ہو چکی ہے۔ کیونکہ رفع سے پہلے وفات ہے اور متوفیک کے معنی وفات دینے ہی کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری میں لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُمِيتُكَ (بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ مائدہ جلد ۳ حٰ۹ مصری) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ متوفیک کے معنے موت دینے والے کے ہی ہیں۔

ابنِ مریم مرگیا حق کی قسم! داخلِ جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اس کو فرقاں سر بسر اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

پس عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ ان کی طبعی زندگی کا خاتمہ ہو گیا بلکہ انکی تعلیم مرگئی۔ اُن کی تعلیم کے اثرات مرگئے۔ مگر ہمارا نبی اکرم صلعم

زندہ ہے۔ کیونکہ اس کی کتاب زندہ ہے۔ اس کی تعلیم زندہ ہے۔ اس کے فیوض روحانیہ کی نہر اب بھی جاری ہے۔ اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری انسان کو اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے نبی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے فرمایا۔ ؎

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَنَبِیُّنَا حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ

کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے لیکن ہمارا نبی زندہ ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کے فیوض کو خود تجربہ کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مضمون درباره وفات مسیح علیہ السلام صفحہ ۳۲۵)۔

دلیل نمبر ۶

مسیح کا مردوں کو زندہ کرنا اہلِ اسلام نے از روئے قرآن تسلیم کیا ہے۔

الجواب۔ قرآن نے جن معنوں میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق مردہ زندہ کرنے کا محاورہ بولا ہے۔ انہی معنوں میں آنحضرت صلعم کے متعلق بھی تو مردے زندہ کرنے کا ذکر فرمادیا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (انفال ع ۳) اے مومنو اللہ اور رسول کا کہا مانو۔ جب وہ تم کو بلائے تاکہ تم کو زندہ کرے۔ اب یہی لفظ اُحْیِیْ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اور یہی یُحْیِیْ آنحضرت صلعم کے متعلق۔ یہ ہمارے علماء کی بدقسمتی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کیلئے تو جسمانی مردے زندہ کرنا مراد لیں اور ہمارے نبی کریم صلعم کیلئے روحانی مردے۔

(۲) پھر قرآن میں مَوْتٰی (یعنی مردوں) کا مفہوم بیان کر دیا ہے فرمایا اِنَّکَ

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (ردم ع ۵) کہ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اسکے متعلق حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں :۔" غرض یہ ہے کہ کافر مُردے اور بہرے ہیں۔ ان میں سُننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اور نہ سُننا چاہتے ہیں۔" (صفحہ ۲۵۵ حاشیہ)۔

(۳) "تلخیص المفتاح" میں جو عربی بلاغت کی کتاب ہے لکھا ہے۔ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنَاہُ ای ضالاً فھدیناہ (صفحہ ۶) یعنی وہ شخص جو مُردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ تھا ہم نے اسے ہدایت دی پس ثابت ہوا کہ بلغاء کے نزدیک اِحْیَاءِ مَوْتیٰ کے معنے گمراہوں کو ہدایت دینا ہوتا ہے۔ اور یہی کام خدا کے انبیاء کا ہے۔

(۴) انجیل میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا ہے :۔

(۱) " اور اس (یسوع) نے تمہیں بھی زندہ کیا ہے۔ جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مُردہ تھے۔" (افسیوں ۱/۲)۔

(۲) " جب قصوروں کے سبب مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا" (افسیوں ۵/۲)

(۳) پولوس رسول کہتا ہے " اے میرے بھائیو! مجھے اس فخر کی قسم جو ہمارے خداوند یسوع مسیح میں تم پر ہے میں ہر روز مرتا ہوں۔" ہاں ہم مانتے ہیں کہ حضرت مسیح نے بارہ مُردے زندہ کئے یعنی وہ اسکر یوطی وغیرہ۔ مگر ان کی زندگی کیسی تھی اسکے لئے جس کو ضرورت ہو وہ انجیل کا مطالعہ کرے۔ مگر ہمارے نبی اکرم صلعم نے ایسے مُردے زندہ کئے جن پر پھر موت نہیں آئی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ۔ علیؓ وہ مُردے تھے جن کو آنحضرت صلعم نے زندہ کیا۔ اور ایک وہ بھی جو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے طفیل نبوت کے مقام پر سرفراز کیا گیا۔

دلیل نمبر ۷

صفت خلق حقیقی بھی خاصہ رب العالمین ہے۔ اور یہ وصف بھی صرف حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے۔

الجواب۔ یہ بالکل درست ہے کہ صفتِ خلقِ حقیقی خاصۂ رب العالمین ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صفتِ خالقیت نہ تھی خدا کے انبیا ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ لوگ زمین کی طرف جھک چکے ہوتے ہیں اور دنیا ہی دنیا ان کی نظروں میں ہوتی ہے۔ انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو زمینی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوتے ہیں۔ بلندی کی طرف۔ رفعتِ منزلت کی طرف پرواز کرانا چاہتے ہیں۔ پس وہ ان میں رُوحانیت اور للّٰہیت کی ایسی روح پھونک دیتے ہیں کہ وہی زمینی لوگ پرندوں کی طرح اُڑ کر آسمانی انسان بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں ؎

هم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں!
آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار

یہی معنی ہیں اس آیت کے اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اَخْلُقُ کے معنی "پیدا کرتا ہوں" کرنا قطعاً درست نہیں کیونکہ خلق کے معنے پیدا کرنے کسی چیز کے ابتداء کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور تجویز کرنے کے بھی۔ مگر اول الذکر معنوں میں یعنی پیدا کرنے کے معنوں میں سوائے خدا تعالیٰ کے یہ لفظ اور کسی کیلئے نہیں بولا جاتا

جیساکہ مفرداتِ راغب جو عربی لغت کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے۔ پس اسجگہ
اخلق لکم کے معنی ہونگے۔ میں تمہارے فائدہ کیلئے تجویز کرتا ہوں۔
چنانچہ کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ کے صفحہ ۲۹ پر مشہور عربی شاعر
کعب بن زہیر بن سلمیٰ کا یہ قول درج ہے ؎

لانت تفری ما خلقت و بعض
القوم یخلق ثم لا یفری

اور انت تفری ما خلقت کا ترجمہ مَاقَدَّرتَ لکھا ہے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی
تفسیر سورۃ آل عمران زیر آیت اخلق لکم الخ لکھا ہے اخلق لکما قدر لکم
پس اس آیت کے وہی معنے درست ہیں جو ہم نے کئے۔ قرآن مجید صاف
لفظوں میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا
ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْہُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا
یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ (الحج ع ۱۰) جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔
وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ خواہ وہ سب جمع ہوکر بھی بنانے کی کوشش
کریں۔ یہانتک کہ اگر مکھی ان کی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو وہ اس سے
وہ بھی نہ چھڑا سکیں۔

حضرت عیسے علیہ السلام بھی انہی معبودانِ باطلہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ
فرمایا۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ۔ پس قرآن مجید
تو یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح ایک مکھی بھی نہ بنا سکتے تھے چہ جائیکہ ان کے متعلق
چمگادڑیں اور پرندے بنانے کا ادعا کیا جائے۔ ایسا دعویٰ کرنیوالوں کو

قرآن کی یہ آیت پڑھنی چاہیے۔ اَمْ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (رعد ع ۲) کہ ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ (جن کے متعلق کہتے ہیں) کہ انہوں نے بھی اسکی طرح پیدا کیا اور پھر انکی پیدا کی ہوئی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کے ساتھ مل جل گئیں۔ انکو کہہ دو کہ صرف اللہ ہی پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

پس حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ اَخْلُقُ لَکُمْ والی آیت ہیں لفظ خلق انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں خدا کیلئے بالبداہت باطل ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام یہودیوں کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ دُنیاداری ہیں پھنس کر مٹی ہو چکے تھے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے چاہا کہ وہ پرندوں کی طرح خدا کیطرف اُڑنے لگ جائیں۔ پھر ان ہیں رُوحانیت کی رُوح پھونکی جس سے وہ خدا کی طرف اڑنے لگ گئے۔ یہی معنے ہیں۔ اِس آیت کے۔ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (فاطر ع ۲) کہ خدا ہی کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔ پاک کلمات اور نیک کام وُہ ان کو بلند کرتا ہے۔ ہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے پطرس اور یہودہ اسکریوطی جیسے پرندے بنائے جو اڑے اور اڑکر پھر زمین پر گر پڑے مگر خدا کے برگزیدہ رسول محمد عربی صلعم نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ جیسے پرندے بنائے جنہوں نے فضائے رُوحانیت کی لا انتہا بلندیوں کیطرف پرواز کی۔ دنیوی نگاہوں نے اپنی پستی سے انکی بلندی کو ناپنا چاہا مگر نگاہیں ناکام

واپس آئیں۔ رسول عربی صلعم ہی کا بنایا ہوا ایک پرندہ (مسیح موعود) اس بلندی پر پہنچا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے متعلق اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَا یَعْلَمُھَا الخلق کا ارشاد فرمایا۔

دلیل نمبر ۸

اندھوں کو بینائی بخشنا اور بہروں کو شنوائی عطا کرنا اور کوڑھی کو شفا بخشنا بھی قرآن نے مسیح کے اقتداری نشانات و معجزات تسلیم کئے ہیں۔ کیا آنحضرت نے بھی کوئی ایسا معجزہ دکھایا؟

الجواب۔ قرآن مجید میں اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ آیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ میں بری کرتا ہوں اندھے اور کوڑھے کو۔ "اُبرئُ" مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے۔ میں بری کرتا ہوں۔ اُشفی کا لفظ نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ میں شفا دیتا ہوں۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھوں اور کوڑھوں پر کوئی قید تھی جس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ان کو بری کیا۔ یاد رہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا تھا کہ اندھے۔ کوڑھے۔ لنگڑے۔ ہیکل میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے آکر اس قید کو ہٹا دیا۔ ملاحظہ ہو توراۃ:۔

"کیونکہ وہ مرد جس میں کچھ عیب ہے نزدیک نہ آئے جیسے اندھا یا لنگڑا ... یا داد کھجلی بھرا ... وہ عیب دار ہے ... وہ اپنا کھائے۔ مگر پردے کے اندر داخل نہ ہو۔ میرے مقدس کو بے حرمت نہ کرے۔" (احبار ۲۱/۱۸-۲۴) پھر خداوند نے موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بنی اسرائیل کو حکم کر کہ

ہر ایک مبروص اور جریان والا اور جو مُردہ کے سبب ناپاک ہے انکو خیمہ گاہ سے باہر کر دیں۔ کیا مرد اور کیا عورت دونوں کو نکال دو تاکہ اپنی خیمہ گاہوں کو جن میں مَیں رہتا ہوں ناپاک نہ کریں" (گنتی ۵ پ) پس یہ وُہ قید تھی جس سے مسیح نے ان کو بری کیا۔ ہاں خدا کے انبیاء رُوحانی اندھوں کو بصارت و بصیرت عطا کرتے آئے ہیں۔ اندھا وہ ہے جو خدا کے انبیاء کی صداقت کو شناخت نہیں کرتا فرمایا۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى کہ جو یہاں اندھا ہے۔ وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ قرآن مجید نے اپنی تمام آیات کو مُبْصِرَۃ (بینائی بخشنے والا) قرار دیا ہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بیشک پطرس۔ یوحنا۔ یہوداہ جیسے اندھوں اور کوڑھوں کو روحانی بینائی دی اور کام کرنے کے قابل بنایا مگر انکی یہ بینائی اور قوت عارضی تھی مسیح کے گرفتار ہوتے ہی اُن کی یہ سب طاقتیں مسلوب ہوگئیں۔ مگر ہمارے نبی عربی صلعم نے ان اندھوں کو آنکھیں دیں اور ان کوڑھوں کو کام کرنے والا بنایا کہ جو شخص ان سے وابستہ ہوا۔ اس نے بھی بینائی پائی۔

دلیل نمبر ۹

قرآن میں بھی یہ لکھا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ حضرت مسیح ان کو وہ سب کچھ بتا دیتے تھے۔

الجواب۔ قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسیح لوگوں کو یہ بتایا کرتے تھے کہ آج تم گوشت کھا کر آئے اور تم دال۔ بلکہ آیت یوں ہے وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ کہ میں تم کو بتاتا ہوں (احکام)

ان چیزوں کے متعلق جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو۔ یعنی جمع و خرچ کے احکام بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے بھی کیا کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ ورنہ یہ کہنا کہ حضرت عیسٰے یہ بتایا کرتے تھے کہ آج زید سبزی کھا کر آیا ہے اور بکر کدو اور عمر نے اپنے گھر میں مکّی اور باجرہ جمع کر رکھا ہے۔ مضحکہ خیز ہے۔

دلیل نمبر ۱۰

قرآن میں تمام انبیا کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً حضرت محمد صلعم کو حکم ملتا ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ ہم نے تجھے گمراہ پایا اور ہدایت کی۔

الجواب۔ سائل نے دو آیات پیش کی ہیں (۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۲) وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ پہلی آیت کا جواب۔ ذنب کا لفظ آنحضرت صلعم کیلئے قرآن میں پانچ مرتبہ آیا ہے اور پانچوں مرتبہ جنگ اور فتوحات کے ذکر کے بعد ہی آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لا تکن للخائنین خصیما پھر سورۂ مومن ع ۲ میں پہلے نصرت کا ذکر ہے بعد میں استغفار کا۔ سورۂ محمد ع ۱ میں بھی جنگ کے ذکر کے ساتھ۔ اسی طرح سورۂ نصر میں بھی فتوحات کے ذکر کے ساتھ استغفار کا حکم ہے۔ سورۂ فتح میں بھی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کے بعد استغفار کرنیکا حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ استغفار اور ذنب کا فتوحات اور نصرت الٰہی کے ساتھ گہرا واسطہ ہے۔ خدا تعالٰی کی نصرت کبھی گنہگاروں اور بدکاروں کو نہیں ملا کرتی۔ ع کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

پھر ذنب کے ساتھ فتوحات اور نصرت کا کیا جوڑ ہے؟ نیز یہ کہنا کہ اے نبی! تُو اپنے اور مومنوں کیلئے استغفار کر صاف طور پہ بتا رہا ہے۔ کہ اس آیت میں ذنب کے معنی اثم یعنی گناہ نہیں بلکہ بشری کمزوری کے ہیں۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کیلئے اثم کا لفظ نہیں بلکہ ذنب کا لفظ ہے جس کے معنے بشری کمزوری کے ہیں۔ قرآن میں آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے کہ حضور پاک اور بے لوث انسان تھے۔ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ کہ اے نبی! تُو اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دُعا کی کہ اے خدا اسمٰعیل کی نسل میں سے ایک ایسا عظیم الشان نبی پیدا کر جو یُزَکِّیْھِمْ کا مصداق ہو یعنی اہل عرب کو پاک کرے۔ قرآن مجید آنحضرت صلعم کے متعلق فرماتا ہے یُزَکِّیْھِمْ کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانوں کو پاک بناتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ کہ یہ مومن جن کے ہاتھ میں خدا تعالےٰ نے قرآن دیا ہے۔ نہایت ہی پاک لوگ ہیں۔ گویا آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو پاک بنا بھی دیا۔ پس ایسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خود گنہگار تھا۔ سراسر بے انصافی ہے۔ پس ذنب کے معنی یہی ہیں کہ چونکہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اس لئے فتوحات اور لڑائیوں کے بعد بعض دفعہ محض بشریت کی وجہ سے بعض ایسے فیصلے سرزد ہو جاتے ہیں جن سے موجودہ لوگ تو مستفید ہو جائیں۔ مگر بعد میں آنے والے لوگ جو بوقت فیصلہ موجود نہیں ہوتے۔ نقصان اٹھالیں۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ اے نبی! تو

ایسی بشری کمزوریوں کے غلط نتائج سے بچنے کے لئے خدا تعالےٰ سے استغفار کر لے۔ یعنی یہ دعا کر لے۔ کہ اس کمی کو خدا تعالیٰ پورا کر دے۔ کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ تاکہ نبوت کے عظیم الشان مقصد میں کوئی امر رُدک نہ ہو ذَنب ذَنباً کے معنے لغت میں پیچھے آنے کے بھی ہیں۔ اگر ان معنوں کو مدِ نظر رکھا جائے۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے نبی! تو اپنے متبعین اور آئندہ آنے والے مومنین کے لئے مغفرت کی دعا کر و بس۔

دوسری آیت کا جواب۔ ضَالٌ بمعنی گمراہ نہیں بلکہ ضال بمعنی متلاشی کے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ یوسف کی آیت اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ میں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تجھ کو دنیا کے لئے ہدایت کا متلاشی پایا اور تجھ کو ہدایت دی۔ دوسرا قرینہ اس سورۃ (الضحیٰ) کی ترتیب ہے اس میں وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کے نتیجے میں اس کے بالمقابل وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ آیا ہے۔ یعنی اے نبی تو ضال تھا ہم نے تجھ کو ہدایت عطا کی۔ پس تو بھی کسی سائل کو مت ڈانٹ۔ اس آیت کی بناوٹ ہی بتا رہی ہے۔ کہ یہاں ضَآلًّا کے معنے سائل اور متلاشی کے ہیں۔ ورنہ آنحضرت صلعم کے متعلق صاف طور پر قرآن میں آتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ کہ آنحضرت صلعم نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ راہِ راست سے بھٹکے۔ باقی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے گناہ! ہم تو سب انبیاء کو گناہ سے پاک مانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ۔ جن کے متعلق خدا تعالےٰ نے ثم دنیٰ فتدلےٰ

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى فرمایا۔

دلیل نمبر ۱۱

حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پہ زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں فتنۂ دجّال کو فرو کرنے کے لئے آئیں گے؟۔

الجواب۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا زندہ آسمان پہ ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں۔ جیساکہ سوال نمبر ۵ کے جواب میں بیان ہوا۔ اور جس شخص کے متعلق آنحضرت صلعم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں فتنۂ دجّال کو فرو کرنے کے لئے مبعوث ہوگا۔ اُس نے اسی اُمّتِ محمدیہ میں سے پیدا ہونا تھا۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَ إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کہ مسیح موعود اُمّتِ محمدیہ کا امام ہوگا۔ جو اُس اُمّت ہی میں سے ہوگا۔ پھر بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح ناصری کا حلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ سُرخ رنگ اور گھنگھریالے بال۔ ہے مگر آنے والے مسیح کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گندمی رنگ اور سیدھے بال بیان فرمایا ہے۔ (بخاری جلد ۲ صہ ۱۵۶ مطبع الٰہیہ مصر) دو حلیے ایک آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ پس اختلاف حلیتین بتاتا ہے کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا۔ اور آنے والا مسیح اسی دُنیا میں پیدا ہونا تھا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی لکھا ہے۔ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ آخَرَ۔ (عرائس البیان) کہ آخری زمانہ میں پہلا مسیح واپس نہیں آئیگا۔ بلکہ اب وہ ایک نئے وجود کی صورت

میں ظہور پذیر ہوگا۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا کمال ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ایک انسان کو مسیح بنا سکتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی اگلے مقام پہ لے جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر تھا۔ کہ وہ دجالی فتنہ جو پہلے مسیح کی بگڑی ہوئی اُمت کی طرف سے کھڑا کیا جانا تھا۔ جس کی بنیادیں پہلے مسیح کی خدائی پہ مستحکم اور استوار کی جاتی تھیں۔ اس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی قوت قدسی ایک محمدی مسیح کھڑا کرے۔ جو اس فتنہ کو عصائے محمدی سے پاش پاش کر دے۔ اور اُلوہیتِ باطلہ و تثلیثِ نادرہ کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھیر کر رکھ دے۔ ؎

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی پیشگوئیوں کے عین مطابق وُہ آنے والا قادیان کی سرزمین سے ظاہر ہوا اور اپنی باطل شکن صدا سے تثلیث باطلہ کے قصرِ عظیم المنظر میں اضمحلال پیدا ہو گیا۔ ؎

وہ آیا جس کی آمد دیکھنے کو — نگاہِ شوق سوئے آسماں ہے
مسیحِ وقت آیا قادیاں میں — جبھی تو قادیاں دارالاماں ہے

مبارک وُہ جو اسے قبول کریں۔ اور اس کے دامنِ اطاعت کے ساتھ وابستہ ہو کر افواج باطل کے ازہاق کا ہمت آفریں کام کریں۔ خاکسار

سکھ مذہب

حضرت بابا نانک صاحب مُسلمان ولی اللہ تھے

ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ پکے مسلمان اور ولی اللہ تھے اور اسکی بنیاد ہمارے آقا و پیشوا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف ہے۔ جس میں حضور کو باوا صاحبؒ بحالتِ اسلام دکھائے گئے۔ (نزول المسیح صفحہ ۲۰۳) - اور پھر وہ دلائل ہیں جو آپنے باباصاحب کے اسلام کے ثبوت میں ۱۸۹۵ء میں کتاب "ست بچن" اور اس کے بعد "چشمہ معرفت" میں تحریر فرمائے۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کے علماء کیطرف سے بھی کئی ایک ٹریکٹ اور کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں ہم یکجائی طور پر بغیر کسی حاشیہ آرائی کے وہ امور درج کرتے ہیں جو اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

باباصاحبؒ کے مسلمان ہونے کے عقیدہ کی ابتداء

بابانانک صاحبؒ کے مسلمان ہونے کا عقیدہ آپ کے زمانہ زندگی ہی سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے۔ یعنی باباصاحب کی زندگی میں مسلمان آپ کو ولی اللہ کہتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۲ و جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۸ و صفحہ ۱۱۰ و تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۴۷ و صفحہ ۴۴ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) بلکہ آپ کو ولی

عارف یقین کرتے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۳ہ) اور نانک درویش کے نام سے پکارتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صفحہ ۲۴۸)

مسلمانوں میں بابا صاحبؒ کی یادگاریں

پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بنکر مکے میں حج کے لئے گئے۔ (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۱) اور ممالک اسلامی میں آپکے مقامات کو نانک قلندر یا ولی ہند کے دائرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۳۹۶ مصنفہ گیانی گیان سنگھ) قلندر مسلمان فقیروں کے لئے مخصوص لفظ ہے۔ (ناواں تے تھاواں دا کوش مصنفہ ماسٹر متاب سنگھ) اور گیانی گیان سنگھ صاحب نے لکھا ہے کہ مکہ شریف میں بابا نانک صاحب کا مکان مسجد کی شکل پہ بنا ہوا ہے جو ولی ہند کے نام سے مشہور ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۲ہ)۔ اور عرب میں بابا صاحب ولی ہند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آپکے مکانات مسجدوں کی شکل میں بنے ہوئے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۲۵ ہ و ناواں تے تھاواں دا کوش صفحہ ۳۵) اور بغداد کے مسلمان بابا صاحب کو مسلمان پیر خیال کرتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۵ہ مصنفہ گیانی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۱ء) اور ہزارہ کے علاقہ میں ایسے لوگ آباد ہیں جو اپنے آپکو نانک ولی کے مرید بتاتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۴ہ)۔

بابا صاحب کی وفات پر مسلمانوں کا دعوےٰ

بابا صاحب کی وفات پر بھی مسلمانوں نے پُر زور اصرار کیا کہ ہم آپکی لاش مبارک کو جلانے نہیں دینگے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی۔ کہ آپ پکے

مسلمان اور حاجی ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۳ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) سردار خزان سنگھ صاحب نے بھی مسلمانوں کے اس اصرار کی وجہ یہی بتائی ہے۔ کہ وہ آپ کو مسلمان یقین کرتے تھے (ہسٹری اینڈ فلاسفی آف دی سکھ ریلیجن صفحہ ۱۰۶)

بابا نانک صاحب کے اسلام پر ایک شہادت

گوردوارہ ٹریبونل کے ججوں نے مقدمہ ماننک کے فیصلہ میں لکھا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے (دیکھو ہیوز صاحب کی ڈکشنری آف اسلام) کہ گورو نانک صاحب نے اپنے خاص اصول اسلام سے لئے ہیں۔ یہ بات پکی ہے کہ بابا صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کا مخالف ظاہر نہیں کیا۔ اور اُس نے ایک مسلمان فقیر کی شکل میں مکہ کی یاترا کی۔ (اُداسی سکھ نہیں صفحہ ۲۲)۔

بابا نانک صاحب کا نام مسلمانوں کا سا تھا

گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمان بابا صاحب کو "نانک شاہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۲۸) اور جنم ساکھی بالا میں "نانک شاہ ملنگ" لکھا ہے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۰۸)۔ یاد رہے کہ ملنگ مسلمان فقیروں کے ایک فرقہ کا نام ہے (مہان کوش ص مصنفہ سردار کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ) اور ولی اللہ۔ درویش۔ ملنگ یہ سب مسلمان فقیروں کیلئے مخصوص القاب ہیں۔ ملاحظہ ہو وارل بھائی گورداس ار پوڑی

بابا نانک صاحب کی تعلیم

گیانی گیان سنگھ صاحب کا بیان ہے کہ مسٹر کننگھم نے اسلامی تاریخوں کے

حوالجات سے تحریر کیا ہے کہ بابا نانک صاحب کے ہمسایہ میں سید میر حسن صاحب نے جو اُس علاقہ میں اولیاء، کراماتی صلح کل اور بے لاگ۔ پیر ملنے ہوتے تھے۔ اپنا سارا دینی و دنیاوی علم بابا نانک صاحب کو پڑھایا۔ اور بڑے بڑے راہِ حق کے بھید بتائے۔ (حاشیہ تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۶) اور یہ بھی لکھا ہے کہ جناب بابا نانک صاحب نے سرسہ شریف میں خواجہ عبدالشکور صاحب کے مزار پر چلہ کیا۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۲۴)

بابا نانک صاحب کا السلام علیکم کہنا

قرآن شریف میں مرقوم ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ یعنی نہ کہو اُس شخص کو جو تمہیں السلام علیکم کہے کہ تو مسلمان نہیں۔ اس ارشاد کے مطابق جو ہم کو السلام علیکم کہے گا۔ ہم اُسے مسلمان کہنے پر مجبور ہیں۔ بھائی گورداس جی نے بھی لکھا ہے۔ کہ آپس میں ملتے وقت السلام علیکم کہنا مسلمانوں کا کام ہے۔ (وار ۲۳ پوڑی ۳۰) اور یہ ثابت ہے کہ جناب بابا نانک صاحب نے مسلمانوں کو ملتے وقت السلام علیکم کہا۔ جس کے جواب میں ہر دو فریق نے وعلیکم السلام کہا۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۲۴ و صفحہ ۲۷۶ و صفحہ ۵۱۲ و جنم ساکھی میکالف والی صفحہ ۱۳۸) اس سے صاف ثابت ہے۔ کہ مسلمان بابا نانک صاحبؒ کو مسلمان یقین کرتے تھے! اور وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ گورو گوبند سنگھ صاحب سے پہلے گورو صاحبان اور اُن کے سکھوں میں پیر یا پونا کہا جاتا تھا (وار ۲۳ پوڑی ۲۰ مصنفہ بھائی گورداس و گورمت سدھاکر صفحہ ۱۳۸ مصنفہ سردار

کاہن سنگھ) یہ بالکل ثابت نہیں کہ جناب باباصاحب نے کبھی "پیرں پونا" استعمال کیا ہو۔

بابا نانک صاحب کا اذان کہنا

اذان دینا بھی ایک پکے مسلمان کی علامت ہے۔ باباصاحب کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے کانوں میں اُنگلیاں ڈال کر اذان کہی (جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۰۳) نیز بھائی گورداس نے آپ کا بغداد اور مکہ شریف میں اذان کہنا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو (وار پہلی صفحہ ۱۳ و صفحہ ۱۴) - اور مسٹر میکالف نے لکھا ہے کہ:-

"جب کبھی وقت آیا تو گورو نانک صاحب نے حضرت محمد صاحب کے ماننے والے پکے مسلمانوں کی طرح بانگ دی۔" (میکالف اتہاس صفحہ ۱۴۷)

اذان کہنے والا بلند آواز سے خدا تعالیٰ کی بزرگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوا مسلمانوں کو نماز کے لئے مسجد کی طرف بلاتا ہے۔ پس بابا نانک صاحب کے اذان دینے سے ثابت ہوا۔ کہ وہ رسالت محمدیہ کے اقراری تھے۔

باباصاحب اور نماز

آپ فرماتے ہیں:-

"خصم کی ندرے دلیہہ پسندے جنی کر ایک دھیایا
یتھہ گر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جائی۔" (گرنتھ صاحب صفحہ ۷۲۴ تلنگ محلہ ۱)

یعنی خدا کی نگاہ اور دل میں وہی لوگ پسندیدہ ہیں۔ جنہوں نے اس کو ایک جانا۔ تیس روزے رکھے۔ پانچ نمازیں ادا کیں۔ علاوہ ازیں

سری گورو گرنتھ صاحب میں بعض اور کئی مقامات پر بھی نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ جنم ساکھیوں میں باباصاحب نے نماز نہ پڑھنے والے کو لعنتی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

ل لعنت بر سر تناں جو ترک نماز کرین
تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھو ہتھ گوین

(جنم ساکھی بالا صـ ۲۲۲ و جنم ساکھی ولایت والی صـ ۲۴۷) اور جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۱۰۱ میں باباصاحب کا حکم نماز باجماعت ادا کرنیکا درج ہے۔

بابانانک صاحب اور زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں باباصاحب کا ارشاد جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۹۹ پر درج ہے:۔

دین نہ مال زکوٰۃ جو تِس دا سُنو بیان
اِک لیون چور لُٹ اِک آفت پوے اجان

پھر لکھا ہے:۔

ل لعنت بر سر تناں جو زکوٰۃ نہ کڈھدے مال
دھکا پوندا غیب دا ہوندا سب زوال
(جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۲۱۴)

نیز تواریخ گورو خالصہ صـ ۱۰۴ میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم درج ہے۔

باباصاحب اور روزہ و حج

آپ نے روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو گرنتھ صاحب

صفحہ ۲۲ و جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۴۳ و صفحہ ۱۷۸) بابا صاحب کو الہام ہوا کہ اے نانک مکے مدینے حج کر۔ (جنم ساکھی بالا ص ۱۳۶ و جنم ساکھی بالا اُردو ص ۱۵۳) اور بابا صاحب مردانہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہمارے نصیب میں حج کعبہ ہے۔ تو ہم بھی جائیں گے۔ (جنم ساکھی بالا ص ۱۳۰) پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بنکر مکے کے حج کو حاضر ہوئے۔ اور سورہ کلام (سورہ کلام سے قرآن شریف کی کوئی سورۃ مراد ہے) کی صفت کرنے لگے۔ (جنم ساکھی بالا ص ۱۳۱)۔ اور آپ فرماتے ہیں۔ کہ جو صدق دل سے حج کرے۔ اُس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں! اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بے گناہ بچہ۔ مردانہ خوب یاد رکھو۔ جو کوئی مکہ شریف کو نہ جانے وہ کافر ہے۔ خواہ کوئی ہو۔ (جنم ساکھی بالا اُردو صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)۔

بابا صاحب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ گرنتھ صاحب سری راگ محلہ ا میں لکھا ہے:

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی اُن لوگوں کو اگلے جہان میں برکت ملے گی۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

صِفت صلاحت محمدی مُکھ تھیں آکھو نت

خاصہ بندہ ربدا ہیر منزاں ہوں مت

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہمیشہ زبان سے کرتے رہو

کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کے خاص بندے اور پیاروں کے پیارے ہیں۔

اور لکھا ہے:۔ مم محمدؐ من توں من کتیباں چار

من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

(جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صفحہ ۲۴۷)۔

یعنی محمدؐ رسول اللہ صلعم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اُن کا دربار سچا ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے آنحضرت صلعم کے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضورؐ کو جبرائیل لے گیا اور آپؐ پردہ میں خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوئے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ اَے پیغمبر! تیرا شیشہ صاف ہے جس میں میری شکل نظر آتی ہے۔ (جنم ساکھی بالا صـ ۱۰۶ و جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۴۲۸)۔ پھر لکھا ہے۔ کہ باباصاحبؒ نے مردانہ کو کہا کہ "یہ مقام بزرگوں کا ہے۔ اس جگہ فرشتہ پیغمبری کی آیات لایا کرتا تھا۔ جن میں ایک آیت یہ ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ یعنی اے پیغمبر اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین آسمان پیدا نہ کرتا"۔ (جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۲۱۱)۔ اور پوراتن جنم ساکھی صـ ۱۱۱ میں باباصاحب کا قول درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم خدا تعالےٰ کے دربان ہیں۔

باباصاحب اور قرآن شریف

گرنتھ صاحب رام کلی محلہ ۱ صـ ۹۳۶ میں لکھا ہے:۔ "کل پروان کتیب قرآن" یعنی کل یگ میں خدا تعالےٰ نے دُنیا کی ہدایت کے لئے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے۔ اور ایک شخص کے سوال پر باباصاحب

فرماتے ہیں:۔ "قرآن کتیب کمائیے" یعنی قرآن شریف پر عمل کرو۔ "کرچانن صاحب ایویں ملے" اُس سے جو روشنی پیدا ہوگی۔ اُس میں خدا ملے گا۔ (جنم ساکھی سنگھ سبھا صفہ ۱۶۹ و جنم ساکھی بالا صفہ ۲۱۲)

بابا صاحب کا ایک قول یہ ہے:۔

توریت انجیل زبور تریہہ پڑھ سُن ڈِٹھے وید
رہیا فُرقاں کتیب ڑے کل یُگ میں پروان } جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۴۷

یعنی میں نے توریت انجیل زبور اور وید پڑھ اور سُنکر دیکھ لئے ہیں قرآن کتاب ہی کلیگ کی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے منظور فرمائی ہے۔ اور جناب بابا صاحب کا وہ قرآن شریف جس کو آپ سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ گوروہر سہائے ضلع فیروز پور کے گوردوارہ میں آجتک موجود ہے۔

بابا صاحب اور قیامت

آپ قیامت کے قائل تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔

"آسمان دھرتی چل سی مقام وہی ایک
دن روّ چلے نس سس چلے تارکا لکھ پلوئے
مقام وہی ایک ہے نانک سچ بگوئے" } سری راگ محلہ ۱ صفحہ ۶۰ گرنتھ صاحب آد)

یعنی آسمان اور زمین بھی فنا ہو جائینگے۔ وہ ایک یعنی خدا ہی ہمیشہ قائم رہیگا۔ دن اور سورج فنا ہو جائینگے۔ رات اور چاند بھی فنا ہو جائینگے۔ اور لاکھوں ستارے بھی نیست و نابود ہو جائیں گے۔

وہ ایک ہی ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ نانک سچ کہتا ہے۔
(جنم ساکھی بالا صـ ۱۳۹ و صـ ۱۵۲ و صـ ۲۲۳ وجنم ساکھی سنگھ سبھا صـ ۲۵)
میں قیامت کو برحق تسلیم کیا گیا ہے۔

باباصاحب اور بہشت دوزخ کا عقیدہ

باباصاحب نے اسلامی بہشت اور دوزخ کے عقیدہ کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو راگ ماجھ محلہ ۱ صـ ۱۳۱ وجنم ساکھی بالا صـ ۱۹۱ و صـ ۱۳۹ و صـ ۲۲۳ وگرنتھ صاحب آسا محلہ ۱ صـ ۴۲۷)۔ جنم ساکھیوں اور گرنتھ صاحب میں عقیدہ شفاعت کو برحق یقین کیا گیا ہے۔ طوالت کے ڈر سے صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ باباصاحب نے فرمایا ہے:۔

عملاں والے تِت دن ہوسن بے پرواہ
سِٹی چُھٹے نانکا حضرت جناں پناہ
(جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ ۲۵)

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال نیک ہوں گے بے فکر ہوں نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے۔ جن کی پُشت پناہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

باباصاحب کی شادی

آپ نے اپنی دوسری شادی مسلمان حیات خان نامی کی دختر سے کی۔ جس سے ۲ دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔
(سکھاندے راج دی وتھیا صـ ۱ مصنفہ پنڈت شردہا رام)
جنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔:

باباصاحب کا چولہ

پھر ایک زبردست ثبوت باباصاحب کے مسلمان ہونے کا آپ کا چولہ مبارک ہے۔ جو آجتک ڈیرہ بابانانک صاحب میں آپ کی اولاد کے پاس بطور یادگار چلا آتا ہے۔ اس چولہ مبارک پر قرآن شریف کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ گوروگرنتھ صاحب میں آپ کو بارگاہِ خداوندی سے چولہ ملنے کا ذکر مذکور ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

ڈھاڈی سچے محل خصم بلایا } (گرنتھ صاحب راگ ماجھ
سچی صفت صلاح کپڑا پایا } محلہ ۱ صفحہ ۱۴۰)

یعنی مالک (خداتعالیٰ) نے ڈھاڈی یعنی خداتعالیٰ کی تعریف کرنیوالے نانک کو اپنے حضور بلایا اور سچی صفت اور تعریف کا بھرا ہوا کپڑا (لباس) عطا کیا۔ اور گرنتھ صاحب کی لغت میں جو سکھوں کی ایک مشہور "خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی" نے شائع کی ہے بتایا ہے:۔ کہ گوروگرنتھ صاحب میں گورونانک صاحب کو خداتعالےٰ کی درگاہ سے قبا ملنے کا ذکر ہے کوش صفحہ ۱۸۱ بھائی گورداس کے کلام کا مرتبہ گرنتھ صاحب کے بعد دوم درجہ پر بتایا جاتا ہے۔ اس میں بھی باباصاحب کو بارگاہِ الٰہی سے ایک خلعت پہنایا جانا لکھا ہے۔ چنانچہ بھائی صاحب لکھتے ہیں:۔

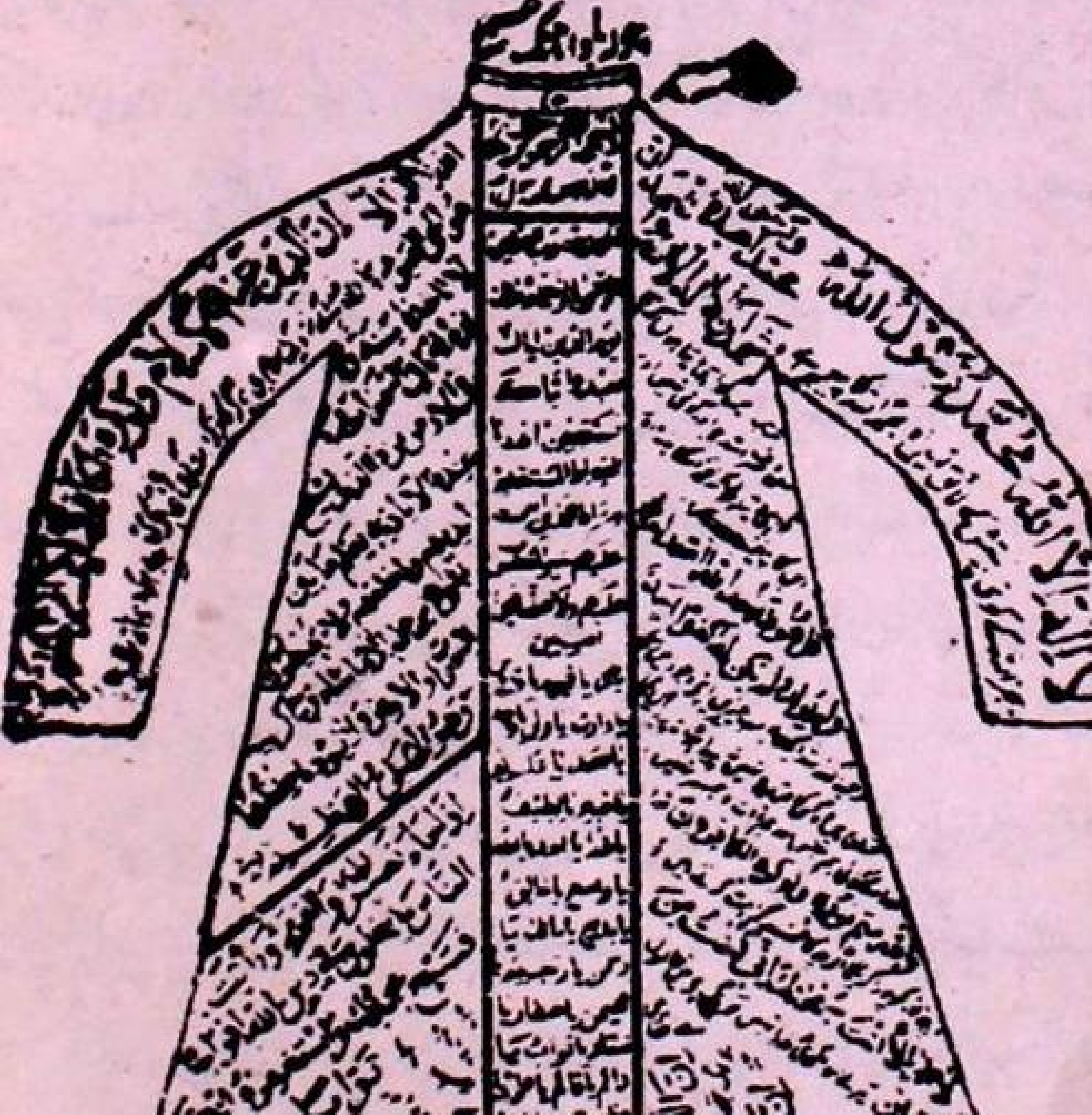
بھاری کری تپسیا بڈے بھاگ ہرسیوں بن آئی } (وار ۲۴-
بابا پیدھا سچے کھنڈ نوں ندھ نام غریبی پائی } پوڑی صفحہ ۲۲)

گیانی ہزارا سنگھ صاحب نے اس کلام کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔ یعنی بابا

صاحب نے بہت عبادت کی اور بہت خوش قسمتی سے خدا کے ساتھ بن آئی یعنی خداوند باری آپ پر بہت خوش ہوئے۔ گورو جی کو سچے کھنڈ (خدا کے دربار) سے ایک پوشاک ملی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وہی پوشاک ہے۔ جس کا ذکر گرنتھ صاحب میں کیا گیا ہے۔ جنم ساکھی بالا صـ۲۳۴ و نانک پرکاش اُترآردھ ادھیائے ۱۷ مصنفہ بھائی سنتوکھ سنگھ۔ و بابا گنیش سنگھ نے اپنی کتاب سری گورو نانک سورودے جنم ساکھی صـ۲۹۸ میں چولہ صاحب کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب بابا صاحب کو بارگاہِ الٰہی سے چولہ ملا تو آپ پہن کر شہر کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے بادشاہ کے حکم سے آپ کے گلے سے چولہ اُتارنا چاہا۔ لیکن چولہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ اُتارنے میں ناکام ہوئے۔ وغیرہ اور جنم ساکھی منی سنگھ کا بیان ہے کہ بابا صاحب نے اپنا چولہ اتار کر رکھ دیا اور اپنے بیٹوں کو اُس کے اُٹھانے کا حکم دیا لیکن وہ کرامتی چولہ کو نہ اُٹھا سکے بلکہ ہلا بھی نہ سکے (صـ۵۸۶)۔ پس معلوم ہو گیا کہ یہ وُہی چولہ تھا۔ جس کا ذکر جنم ساکھی بالا میں بھی کیا گیا ہے۔

سکھوں کے اُداسی فرقہ کا بیان ہے کہ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد وُہ عربی میں لکھا ہُوا چولہ لکھمی داس کو پہنایا گیا (جیونی سری چند جی مہاراج) ۱۲ اسی طرح جنم ساکھی بالا و نانک پرکاش و سری گورو نانک سورودے جنم ساکھی و خورشید خالصہ مصنفہ باوا نہال سنگھ وغیرہ میں چولہ صاحب کو کرامت والا بتایا ہے۔ اور خورشید خالصہ کے مُصنف نے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جو چولہ ڈیرہ بابا نانک میں ہے، وُہ جنم ساکھی کا بیان کردہ ہے لیکن یہ کہنا کہ چولہ صاحب پر دیگر زبانوں کے حروف بھی درج ہیں۔ سراسر واقعہ کے خلاف ہے

سردار کرتار سنگھ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے جغرافیہ ضلع گورداسپور[1] میں چولہ صاحب کا خاکہ شائع کر کے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ اُس پر سوائے آیات قرآنی کے اور کسی زبان کا کوئی حرف نہیں۔ اصل خاکہ درج ذیل ہے:۔



[1] یہ جغرافیہ بطور ریڈر سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹری شدہ ہے۔ اِسے ملک ہراج ڈگل بک سیلرز و پبلشر بٹالہ نے شائع کیا ہے۔

یہ مقدس چولہ اب تک ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے ہر سال ہزارہا کی تعداد میں لوگ دُور دراز سے سفر کرکے آتے ہیں۔ جو شخص چاہے اب بھی تصدیق کرسکتا ہے، کہ اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہے کہ بابا صاحب کو یہ چولہ خدا کی طرف سے ملا۔ اور یہ چولہ بڑا بابرکت تھا۔ جو بابا صاحب کو آفات اور تکالیف سے بچاتا تھا۔ بابا صاحب اسے زیبِ تن فرماتے تھے۔ اور اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہُوئی ہیں۔ چنانچہ اس کی بزرگی کو ہندو اور سکھ سب تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت میلا رام صاحب وفا لکھتے ہیں:۔

کہنا پڑتا ہے یہ سب کو تیرا چولا دیکھ کر ؎
کی تجھی پہ قطع قدرت نے قبائے معرفت

(افضل انبیاء صـ۳۲ مصنفہ بھائی سیوا سنگھ)

اور لالہ سنت رام جی لکھتے ہیں:۔ ؎

چولا گورو نانک دے تن دا ایہہ سب کشٹ مٹاوے من دا
توٹ رہن نہ دیندا دھن دا دیندا جنم سُدھار جی
میلہ چولے صاحب دا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی
جو اک واری درشن کردا دُو نر دوہیں جہانیں تردا
ہو جائے امر ناں جمدا مردا سچّی ہے گفتار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی

ہو رہی چولے دی روشنائی　　اندر چار گوٹ دے بھائی
دُنیا سب درشن کو آئی　　ہو رہی جے جے کار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا دیکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی

عربی اُس پر لکھی تمام　　پڑھ پڑھ ویکھے خلقت عام
ہو رہیا درس صبح اور شام　　سب کرتے ہے دیدار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا دیکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

جو جو سُکھنا سُکھ سُکھ آون　　منگیاں کُل مراداں پاون
جو جو درس کرن تر جاون　　کدی نہ آوے ہار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا دیکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

(قصہ اُستت میلہ چولہ صاحب جیدی صـ۲)

اِن تمام اُمور سے صاف ثابت ہے۔ کہ بابا نانک صاحبؒ ایک مُسلمان ولی اللہ تھے۔ فقط

خاکسار گیانی واحد حسین مبلغ

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے سکھ ازم

پرگنہ بٹالہ کا گورو

ہندو مسلمان اور سکھوں کی کتابوں میں ایک اوتار کی آمد کی پیشگوئی درج ہے۔ کسی نے اس کا نام نہہ کلنک اور کسی نے امام مہدی یا مسیح رکھا ہے۔ دراصل یہ سب نام ایک ہی مہاں پُرش کے ہیں جیسا کہ ہندو صاحبان نے بھی تسلیم کیا ہے:۔

نہہ کلنک اوتار آ آئے امام دو جہاں
منتظر ہیں ہم کہ اب ہوتا ہے تیرا کب ظہور
تُو مسلمانوں کا مہدی تُو نصاریٰ کا مسیح
تُو شاہِ سُکانِ بستی تُو شہنشاہِ طمیور

(از پریتم ضیائی اخبار ویر بھارت لاہور کرشن نمبر اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۶)

اسی طرح سوامی بھولا ناتھ جی لکھتے ہیں:۔

"ہندو کہتے ہیں کہ وہ پورن برہم نش کلنک اوتار دھارن کرینگے مسلمانوں کا دشواش ہے کہ امام مہدی کا پرادربھاؤ ہوگا۔ سکھوں کا وشواش ہے۔ کہ کلکی اوتار ہوگا۔ اور عیسائی کہتے ہے کہ حضرت عیسےٰ ایشور سے ایک ہو کر پدھارینگے۔ پرنتو اب یہ جاننا شیش ہے کہ ساری ستائیس پرتھک پرتھک ہونگی۔ یا ایک ہی! اس کا اُتر یہ ہے کہ نہیں یہ ایک ہی ہونگی۔ ہندو اُسے اپنی درشٹ سے دیکھیں گے۔ مسلمان اپنی سے۔ سکھ یا عیسائی اُسے اپنی درشٹ سے

دیکھیں گے۔" (رسالہ ست یگ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۳)۔

موہن مغول

سری گور بھگت مال صفحہ ۲۵ و دیگر سکھ کتب میں مرقوم ہے کہ سری کرشن جی مہاراج نے بھگت نام دیو جی کو مغل روپ میں درشن دیئے۔ جس پر بھگت جی نے کہا:۔

"دوارکا کی نگری میں کاہے کے مگول"۔ (گرنتھ صاحب صفحہ ۶۷۱)۔

یعنی اے بھگوان دوارکا نگری میں مغل کہاں سے گئے۔ اسی شبد میں کرشن جی کو "میر مکند" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ ہے "مغل کرشن"۔ کیونکہ "میر" میرزا کا مخفف ہے اور گورو گرنتھ صاحب میں بابر بادشاہ کیلئے استعمال ہوا ہے:

"کوٹی ہو پیر ورج رہائے جاں "میر" سنیا دھایا"۔

(راگ آسا محلہ ا صفحہ ۴۱۷)

یعنی میر بابر کی چڑھائی کو سُنکر کروڑوں پیر اُس کو روک کر رہ گئے۔ اور جنم ساکھی بالا صفحہ ۴۰ میں بابر کے لئے "میر" لفظ آیا ہے۔ اور "مکند" کا ترجمہ ہے مکتی داتا اور کرشن۔ پس صاف ظاہر ہے کہ نہ کلنک اوتار کا ظہور مغل کے جامہ میں ہی ہوگا۔ پھر لکھا ہے:۔

"کل کلوالی شرع نبیڑی قاضی کرشنا ہوآ"

(آدگرنتھ صاحب صفحہ ۹۰۲)

بابا نانک صاحب فرماتے ہیں کہ کلجگ کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کیلئے سری کرشن جی قاضی کے روپ میں پرگٹ ہوں گے۔ بابا نانک صاحب فرماتے ہیں:۔

آد پرکھ کو الہو کہیئے سیخاں آئی واری

دیول دیوتیاں کر لاگا ایسی کیرت چالی

کوزہ بانگ نماز مصلا نیل روپ بنواری

گھر گھر میاں سبھناں جیاں بولی اور نماری

جے تو میر مہیپت صاحب قدرت کون ہماری

چارے کونٹ سلام کریں گے گھر گھر صفت تماری

تیرتھ سمرت پُن دان کچھ لاہا ملے دیہاڑی

نانک نام ملے وڈیائی میکا گھڑی سمائی

(بسنت ہنڈول محلہ ا عن ۱۱۹۰ گرنتھ صاحب آد)

ترجمہ :- اب آد پرکھ کو اللہ کہا جائے ...... شیخوں کی باری آگئی ہے۔ مندر اور دیوتوں پر (ملت) ٹیکس لگادیا ہے۔ یہی رواج ہو گیا ہے۔ (اے اللہ) کوزہ بانگ نماز مُصلّا نیل رُوپ والے بنواری یعنی کرشن کے سپرد کیا ہے۔ اور ہر گھر میں میاں میاں اور ہر ایک زبان پر یہی ہے اے اللہ تیری بولی بھی اور ہو گئی ہے۔ اگر تو نے میر یعنی میرزا کو زمین کا مالک بنایا ہے۔ تو " قدرت کون ہماری" ہماری کیا طاقت ہے یعنی ہم کون ہیں۔ اس کو چارے کونٹ سلام کریں گے۔ اور گھر گھر میں تیری صفت ہوگی۔ تیرتھ پہ جانے اور پُن دان کرنے سے جو پھل ملتا تھا وہ ایک گھڑی میں مل گیا۔

نوٹ :- یاد رہے۔ بنواری یا بن والی یہ سِری کرشن جی کا نام ہے۔

(مہان کرشن صفحہ ۲۵۰۸) - بابا نانک صاحب فرماتے ہیں :-

"آدن اٹھترے جان ستانویں ہور بھی اُٹھسی مرد کا چیلہ"

(آد گرنتھ صاحب صفحہ ۷۲۳)

یعنی بابر مغل نے سمت ۱۵۷۸ بکرمی میں ایمنا آباد پر حملہ کیا - اور سمت ۱۵۹۷ بکرمی میں مغل راج کا خاتمہ ہو جائے گا۔[1] "ہور بھی اُٹھسی مرد کا چیلہ" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک مغل پہلے ہے اور ایک اور اُٹھیگا - یہ کیے ارتھ پر کرن کے مطابق ہوتے ہیں مضمون بابر کا ہے اور وہ "مرد کا چیلہ" بھی بابر کی طرح مغل ہی ہونا چاہیئے -

۱- آنے والا گورو یہہ کلنک مسلمان ہوگا

نقل مطابق اصل :-

جکنا چوٗر کرسے گر پورا تا نکالیکھ نہ مٹیا جائی

مسلمان صفت شریعت سچے کی وڈیائی ..... الخ

ارتھ :- ایہہ درتارا اورت جاویگا. سنسار سکھے کون کون گورو کہادینگے جوگی سنیاسی - جنگم - برہمچاری - برہمن - کلجگ کے پچھے گورو کہاون گے - تنہاں کے باب ایہہ ہووے گی - جکنا چور کرسے - گور پورا نانکا لیکھ نہ مٹیا جائی - انہاں دے باب ایہہ ہویگا - سو مٹنے کا نہیں - اور اک جو بندہ صاحب کا اُٹھیگا - تسدا نام ابیسفہ ہوگا (یعنی خدا رسیدہ رشی ہوگا) سو گورو کے حکم سے اُٹھیگا - پر جامہ اس کا مسلمان کا ہویگا (خدا تعالیٰ) اسنوں اپنی

[1] تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۳۲ مصنفہ گیانی گیان سنگھ صاحب -

[2] یہ پیشگوئی نئے ایڈیشن میں سے نکال دی گئی ہے -

بندگی بخشن لگے۔ ہُو اکال پرکھ نوں جانیگا۔ اور دوسرے کو نہ جانیگا
جہاں جہاں جھوٹ ہو ویگا۔ سو اس کو حوالے کریگا۔ سو پاپ ہیم کے حکم
کے ساتھ چکنا چور کریگا۔ جھگیاں جھوٹیاں ٹھوراں ہن۔ تیرتھ۔ مڑیاں
دیہورے۔ پیراں دیے ٹھکانے۔ راج رنگ کٹیاں ٹھوراں ہن۔ جہاں جہاں
جھوٹ ہو ویگا۔ سو سزا پاون گے۔ اس وقت دھند وکار دور جاویگا۔
پڑھن گے پرکماون گے نہیں۔ (وڈی جنم ساکھی صفحہ ۶۲۳)
اُردو ترجمہ۔ کامل گورو ڈشٹوں کا ناس کریگا۔ کیونکہ نوشتہ تقدیر ٹل نہیں
سکتا۔ وہ گورو مسلمان ہوگا۔ اور صادق ہوگا صدق کی ہی بڑائی ہوا کرتی ہے
گورو صاحب خود تفسیر کرتے ہیں کہ زمانہ کی یہ حالت ہوگی۔ کہ ہر قسم کے
لوگ گورو کہلائیں گے۔ یعنی جوگی۔ سنیاسی۔ جنگم۔ برہمچاری۔ برہمن وغیرہ۔
یہ سب کلجگ کے گورو کہلائیں گے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا کہ سچا
اور کامل گورو انکو ملیا میٹ کریگا۔ یہ نوشتہ تقدیر کا ٹل نہیں سکتا۔ اس
وقت ایک بندہ خدا کا مبعوث ہوگا۔ جسے خدا تعالیٰ بندگی کی توفیق بخشیگا
وہ خدا پر ہی توکل کریگا اور دوسرے پر اس کا تکیہ نہ ہوگا۔ جہاں جہاں جھوٹ
ہوگا۔ ان کے مُنہ پر مارے گا۔ سو خدا تعالیٰ کے حکم سے مخالفوں کو پیس ڈالیگا۔
جتنے جھوٹ کے اڈے ہونگے۔ یعنی تیرتھ۔ مڑیاں۔ دیہورے۔ پیروں کے مقام
راگ رنگ رلیوں کے مقام۔ اور جہاں جہاں جھوٹ ہوگا۔ وہاں جھوٹوں کی
گت ہوگی اور کاذبوں کو سزا دیجائیگی اس وقت ظلم و فساد سے آسمان
دھوآں دھار ہوجائیگا۔ اس پیشگوئی کو اکثر لوگ پڑھیں گے مگر اسکے آگے

سر تسلیم خم کرنے والے خوش قسمت بہت تھوڑے ہوں گے۔

اے خالصہ جی! مسلمانی لباس میں گورو مرزا غلام احمدؐ قادیانی پرگنہ بٹالہ میں آگیا ہے۔ اسے مان کر گورو جی کے پیارے بنجاؤ۔ اور بے مکھ ہو کر اس کے سراپیوں کا شکار نہ ہو جاؤ۔

۲۔ نہہ کلنک اوتار مسلمان ہوگا۔ پیشگوئیاں کریگا اور کتابوں کے ذریعہ خلق اللہ کی اصلاح کریگا۔

(نقل مطابق اصل)

دھندو کا۔ جو ورتسی نہ ہندو نہ مسلمان

رام رحیم نہ جان نہ کہے کلام

ناں گا بتری نہ ترینوں نہ فاتحہ نہ درود

نہ تیرتھ نہ دیہورا نہ دیوی کی پوج

گورکھ کوئی نہ جان سن نہ کوئے ایدیش

اکو ورتن ورتیئے نہ کو نگرے ادیس

بید کتیب نہ جان سن نہ دوارہ نہ مسیت

روزہ بانگ نہ ورت نیم نہ کو کڈھے حدیث

کوئی نہ کسی جان سی نہ کو کرے سلام

نانک شبد ورتدا اس کوئی مدھی جان

اس کا مطلب خود گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا زمانہ جور و ظلم کا

آنیوالا ہے کہ ہندو مسلمان دونوں اپنے دین دھرم کو ترک کر دینگے ہندو گایتری
اور ترپن کو بھول جاوینگے اور مسلمان فاتحہ اور درود کی حقیقت سے بیخبر ہونگے
دیوی اور تیرتھ جاترا کو ترک کر دینگے ست گورو کو کوئی بھی نہ پہچانیگا۔ اور
نہ کوئی نصیحت لیگا۔ سب پر ایک ہی طرح کی اباحتی حالت وارد ہو جائیگی ہندو
اور مسلمان اپنی اپنی کتب اور مقامات مقدسہ کو یکسر فراموش کر دینگے مسلمان نماز روزہ کو
جواب دیدینگے اور مسجد کو دور سے سلام کرینگے۔ یہ تقدیر اسی طرح پر جاری و ساری ہوگی۔
(شبد اپر ارتھ) بھائی اجیتیا! جد دن گورو الیں دھرتی پر اونشٹ ہو جاونگے
تاں پچھے سنسار وچ ایسی ورت جاویگی۔ کوئی کسے نوں جانیگا نہیں۔ اتے
دھند دکار ورت جاسی۔ اجیہے من مکھ ہونگے۔ جو کوئی نہ ہندو رہیگا نہ مسلمان
رہیگا نہ رام کو منن گے۔ نہ رحیم کو منن گے نہ گایتری ترپن۔ اشنان دھرم نہ نیم
نہ تیرتھ نہ پوجا۔ نہ دیوی نہ دیہورا۔ نہ دھرمسالہ نہ مسیت۔ نہ بانگ نہ نماز۔
نہ فاتحہ نہ دعا سلام۔ نہ کوئی کسے دے سیانے سی۔ نہ دلوی کی پوجا سنسار کریگا
تس سمے جو کوئی آتنے جائیگے پرمیشور دا نام لویگا۔ تس کو مارن گے ایسا ورتارا
ورت جاویگا۔ دوہاں دھراں دا ناس ہو جاویگا۔ تاں اس سمے اک بھگت پیدا
ہو جاویگا۔ سو نیل بستر پہریگا۔ اتے اُنتر دُ شبد پوتھیاں اوچاریگا۔ تاں اس
دے واسطے پرمیشور آپ اتاری ہوئے کرسہائتا کریگا۔ اتے شبد الپ رہ جاویگا
کوئی ورلا ہی جانیگا۔ اس پاس کوئی ورلا ہی جاویگا۔ تاں جینے رندھاوے
اور داس کیتی۔ سچے پادشاہ جی! اوہ کون بھگت ہو ویگا؟ تاں بچن ہویا اے
بچہ اجیتیا تو سن!

شلوک :- نہہ کلنگ ہوئے اتر سی مہاں بلی اوتار
سنت رچھیا جگ جگ وشٹاں کرے شنگار
نواں دھرم چلائسی جگ ہوم ہوئے وار
نانک کلجگ تارسی کیرتن نام ادھار
(جنم ساکھی بالا کلاں صفحہ ۶۶۰)

ارتھ - گورو صاحب خود فرماتے ہیں کہ :- تسدا پرمارتھ بھائی اجیتیا - جو گورو کلجگ وچ آیا ہے۔ اتے جاں گورو جامال پہن سی۔ تاں دھرم کار درنت جاویگا - اس سمے اک بھگت پرمیشور دی پوجا کریگا - اسدے گھر اک استری بہت چنڈالی ہووے گی۔ اوہ نار جائے لوکاں اگے چغلی کرے گی۔ نت کر کے سنت کو بہت دکھ دیون گے - تاں اوہ سنت واسطے گورو جامہ پہن سی - جہاں تک اس سنت دے دوکھی ڈشٹ ہودن گے۔ اتہاں نوں چن چن کر مارے گا۔

مطلب - اے اجیتیا جب گورو اس سرزمین سے گذر جائیں گے۔ تو باہمی ہمدردی درمیان سے اٹھ جاوے گی۔ ظلم سے آسمان ایسا تاریک ہو جاویگا کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اپنے فرائض منصبی کو بالائے طاق رکھ دیں گے اور جو کوئی الگ ہو کر یادِ الہٰی میں مشغول ہوگا - لوگ اسے ایذا دیں گے - ایسا زمانہ آجاویگا کہ ہر دو فریق کا ناش ہوگا - یعنی ہندو مسلمان دونو آپسمیں لڑ لڑ کر مر مٹیں گے - پس ایسے زمانہ میں ایک بھگت پیدا ہوگا - جو مسلمانی لباس پہنے گا - یعنی مسلمان جامہ میں گورو آئے گا - اور غیب کی باتوں

سلہ حق کے قبول کرنے میں بخیل ہوگی۔

والی کتابیں تالیف کریگا۔ یعنی پیشگوئیوں کی اشاعت کر کے نبی اللہ کہلائیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ خود زمین پر اُتر کر اس گورو کی نصرت فرمائیگا۔ اس کی تعلیم اور حقائق و معارف جاننے والے قدرے قلیل لوگ ہونگے۔ اور اس کے پاس جانیوالے بھاگوان بہت تھوڑے ہونگے۔ پھر جینتے زند معاوٗے نے دست بستہ عرض کی۔ کہ اے سچے بادشاہ! وہ بھگت کون ہوگا؟ تب گورو نانک نے فرمایا۔

ترجمہ شلوک۔ وہ آنیوالا گورو نشری نہہ کلنک اُذمار ہوگا۔ بھلے لوگوں کی بھلائی کریگا اور دشٹوں کو چُن چُن کر ہلاک کریگا۔ اور وہ از سرِ نو مذہب جاری کریگا کیونکہ دُوسری قومیں اپنے اپنے مذہب کو فراموش کر چکی ہوں گی۔

اس گورو کی بعثت کے قریب فساد عظیم برپا ہوگا۔ ایسے وقت میں وہ بھگت ایشور کی پوجا کریگا۔ اس کی بڑی بیوی عندری یعنی حق کی مخالف ہوگی۔ اور لوگوں اور جشریکوں کے ہاں جا جا کر غیبت کیا کریگی۔ اور بُرے لوگ اس بھگت کو ایذا دیں گے۔ اور وہ گورو دشٹوں کو چُن چُن کر (دعائے مباہلہ سے) ہلاک کریگا۔ چنانچہ امریکہ کا ڈوئی اور لیکھرام آریہ مباہلہ سے ہلاک ہوئے۔

۱۵۔ مرزا مہدی ہوگا اور کرشن اوتار

(دسم گرنتھ گورو گوبند سنگھ جی کا)

توہر چھند	جگ جیتیو جب سرب	تب باڈِھیو اَت گرب
	دیا کال پُرکھ بسار	ایہہ بھانت کیں بچار
	جگت جیت کیں غلام	اپنا جپاوت نام

یعنی دنیا میں دجالی عام طور سے غلبہ حاصل کرلے گا۔ اور بہت غصہ میں آکر سب کو
زیر کر کے غلام بنالیگا۔ اور خدا کو چھوڑ کر اور دُنیا کو غلام بنا کر اپنا نام جپائے گا۔

جگ ایس یہ بہت چلائے سر اتر پتر بھرائے
نہیں کال برکھ جینت نہیں دیو جاپ بھننت
تب کال دیور سائے اک اور برکھ بنائے
بچے انس مہدی میر رسونت ہاٹھ ہمیر
بہ توں کو بدھ کیں پن آپ موکیین
نہ جیت آپ نہ کیں سب انت اکال ادھین
اِیہ بھانت پورن سدھار بھئے چوبیس اوتار

(مرزا امام مہدی اور کرشن اوتار ہوگا۔ دجال کو قتل کرے گا۔)

مہدی میر سے مہدی مرزا مراد ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی کے صفحہ ۴۰۰
پر ساکھی میر بابر میں بابر مغل بادشاہ کو سری گورو نانک جی نے میر
بابر کہا ہے۔

مطلب:۔ گورو گوبند سنگھ جی دسم گرنتھ میں فرماتے ہیں۔ کہ جب دنیا میں
لوگ خدا کو چھوڑ دینگے۔ اور ہر ایک اپنی بڑائی کریگا۔ اور دوسرے کو
حقارت سے دیکھے گا۔ اور لوگ خدا کی عبادت چھوڑ دینگے۔ اور دہریہ
ہو جائیں گے۔ تب خدا کی صفت قہاریت جوش میں آویگی۔ اور وہ ایک
شخص کو اصلاح خلق کیلئے مبعوث فرمائیگا۔ وہ

۴۔ امام مہدی قوم مغل سے ہوگا

وہ مستقل مزاج اور خلیق ہوگا۔ دجال کو بدھ یعنی قتل کردیگا۔ آخر کار لوگ

عاجز آجائیں گے۔ اور وہ آہستہ آہستہ دُنیا پر فتح پائے گا۔ اور چوبیسواں اوتار (کرشن ثانی) یعنی شری نہہ کلنک اوتار وہی ہوگا جس کی قومیں منتظر ہوں گی۔ جیسے کہ خود حضرت مسیح موعود قادیانی نے لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳ میں دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کے لئے مسیح موعود ہوں۔ اور ہندوؤں وغیرہم کیلئے نہہ کلنک اوتار کرشن ثانی ہوں۔

گرنتھ صاحب میں لکھا ہے کہ:۔

"بلے چھلن سبل ملن بھگت پھلن کا ہن کور نہہ کلنک۔ بجی ڈنک چڑھو دل روند جیو" دیکھو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۲۹۸۔

بھاٹ جی فرماتے ہیں کہ مہاراج نے باون روپ ہو کر راجہ بل کو چھلن کیا۔ اور پاپیوں اور ظالموں کا نشٹ کیا۔ اور بھگتوں یعنی تابعداروں کو ترقی دی۔ سر سبز کیا۔ اور مہاراج کرشن جی جب نہہ کلنک ہو کر دوبارہ تشریف لاوینگے تو اسوقت دو (سورج اور اندر یعنی چاند) اُن کے ساتھ ہونگے یعنی اسکے گواہ ہونگے۔ یہ پیشگوئی ۱۸۹۴ء میں پوری ہو چکی ہے +

۵۔ آنے والے گورو کا مقام

(۱) تاں مردانے پچھیا۔ گورو جی۔ کبیر بھگت جیہا کوئی ہور بھی ہو گیا ہے۔ سری گورو نانک جی آکھیا۔ مردانیاں۔ اک جٹیٹا ہوسی۔ پر اساں تو ں پچھے سو برس توں بعد ہوسی۔ پھر مردانے پچھیا۔ جی کیہڑے تھائیں اسنے ملک وچ ہوسی؟ تاں گورو نے کہیا۔ مردانیاں وٹالے توں بارہ کوہ تے ہوسی۔ سُن مردانیاں۔ نرنکار دے بھگت سب اِکو رُوپ ہوندے ہین۔ پر اوہ کبیر بھگت نالوں وڈا ہوسی۔ (دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا والی وڈی ساکھی

صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز)۔

ترجمہ۔ تب مردانے نے پوچھا۔ گورو جی! کوئی بھگت کبیر جیسا بھی ہوا ہے؟ گورو صاحب نے فرمایا۔ اے مردانے ایک زمیندار ہوگا لیکن ہم سے سو سال کے بعد ہوگا پھر فرمایا کہ وہ گورو پرگنہ بٹالہ یعنی تحصیل بٹالہ میں ہوگا۔ اے مردانے! سنو! خدا کے بھگت سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں (لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ) لیکن وہ بھگت کبیر سے بڑا ہوگا۔ (فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ) یعنی ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔

پس یہ گورو مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ ہیں۔ جو حسب حدیث وحادث حراث۔ معزز زمیندار ہیں۔

اعتراض۔ بھائی سیوا سنگھ جی کہتے ہیں کہ بابا ہنڈال جٹ کے چیلوں نے یہ ساکھی جنم ساکھی میں ڈال دی۔ اور کہ آنے والا گورو ہنڈال جٹ ہوگا۔ اس کے مصداق حضرت مرزا صاحب قادیانی نہیں ہیں۔

جواب۔ صفحہ ۲۵۱ میں ہنڈال کا نام و نشان بھی نہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہنڈال کے مریدوں نے یہ پرسنگ خود ڈال دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہنڈال جنڈیالہ ضلع امرتسر میں ہوا۔ نہ کہ پرگنہ بٹالہ میں۔ دیکھو تاریخ گورو خالصہ صفحہ ۶-۷۔ پس اس پرسنگ سے ہنڈال اور اس کے مریدوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

بابی یا بہائی مذہب

یہ فتنہ اگرچہ پُرانا ہے۔ مگر چونکہ کبھی مقابل پہ نہیں آیا۔ اس لئے دبا رہا۔ اور اس کی تردید و تنقید کی طرف چنداں ضرورت پیش نہ آئی۔ مگر چند سالوں سے دو تین شخصوں کے بابی ہو جانے کے باعث اس کا چرچا ہوا ہے۔ اور چونکہ بابیوں کا وطیرہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ بظاہر بھیڑ اور صلح کل بنتے ہیں۔ لیکن باطن میں بھیڑیئے۔ اور نسل انسانی اور حق کے دشمن قاتل ہیں۔ اور بالخصوص اِسلام اور نبی اسلام کے دشمن ہیں۔ اور بظاہر اپنے تئیں مسلمان بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کے کذب اور ملمع سازی کی پردہ دری کرنے کے لئے ان کی کتب سے ان کے مذہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آویں۔

اِن میں ایک بڑا مرض یہ بھی ہے کہ اپنی کتب کی اشاعت عام نہیں کرتے جس طرح قرآن کریم بوجہ ایک کامل اور سچی شریعت ہونے کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اور صدہا زبانوں میں اشاعت پا رہا ہے۔ اور کوئی مسلمان کبھی قرآن کریم کو پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ اسی طرح بابی اپنی کتابوں کو شائع نہیں کرتے بلکہ ڈرتے ہیں۔ تاہم بڑی دقّت اور مشکل سے جناب مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان کی کتب کو دستیاب کر کے

یہ ذخیرہ بہم پہنچایا ہے۔

بہاءُاللہ کا دعویٰ خدائی

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ بہاءاللہ کی اصل کتابوں کی رُو سے وہ اسلام سے کوسوں دُور ہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم اولاً بہاءاللہ کا دعویٰ خدائی کے ۱۶ حوالجات پیش کرتے ہیں۔ دعویٰ خدائی اور اسلام ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

(۱) کتاب اقدس مطبوعہ مطبع ناصری بمبئی کے صفحہ ۱۶۲ پر جناب بہاءاللہ اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے لکھتے ہیں۔

یا اکبر یذکرک مالک القدر فی حین احاطۃ الاحزان من الذین کفروا بالرحمن۔ کہ اے اکبر! تجھ کو قضاء و قدر کا مالک ایسے وقت میں یاد کرتا ہے۔ جبکہ اس کو غموں نے گھیرا ہوا ہے۔

اِس عبارت میں قضاء و قدر کے مالک سے مُراد بہاءاللہ خود ہے۔ اگر دعویٰ خدائی نہ ہوتا۔ تو اپنے تئیں قضاء و قدر کا مالک نہ کہتے۔

(۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۲۵ ۔

الذی ینطق فی السجن الاعظم انہ خالقُ الاشیاء و موجدُھا حمل البلایا العالم و انہ لھو الاسم الاعظم الذی کان مکنونا فی ازل الازال۔ کہ وہ شخص جو عکہ کے بڑے قید خانہ میں بولتا ہے۔ وہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔ اُس نے مصیبتوں کو دُنیا کے زندہ کرنے کے لئے

اپنے اوپر اٹھایا اور اسمِ اعظم ہے جو ہمیشہ سے مخفی تھا۔

یہ بہاء اللہ خود عکہ کے قید خانہ میں سے اپنے متعلق لکھ رہا ہے۔

جلی الفاظ قابلِ غور ہیں۔

(۳) والکتٰبُ یقول قَدْ جَاءَ مُنْزِلِی۔ (کتاب اقدس صفحہ ۲۴۰)

کہ کتاب بیان پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا اُتارنے والا آگیا ہے۔

یہ کتاب بیان خدا کی طرف سے اُتاری ہوئی بتلائی جاتی ہے۔

بہاء اللہ کہتا ہے کہ اس کے اُتارنے والا میں آگیا ہوں۔

(۴) یا عیسیٰ افرح بما یذکرک مالک العرش والثریٰ (کتاب اقدس صفحہ ...)

یہ بہاء اللہ کے خط بنام مرید کا ایک فقرہ ہے۔ اس میں عرش فرش

کا مالک بہاء اللہ اپنے تئیں قرار دیتا ہے۔

(۵) کتاب اقدس صفحہ ۶۹ پر بہاء اللہ نے محیط کل ہونے کا دعویٰ کیا

ہے۔ جو خدا کی صفت ہے۔

(۶) کتاب اقدس صفحہ ۵۸ پر مہیمن۔ قیوم۔ رسولوں کو بھیجنے والا۔ اور

معبود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(۷) کتاب اقدس صفحہ ۱۸۸ پر عالم کل یعنی محیط کل عالم ہونیکا دعویٰ کیا ہے

(۸) کتاب اقدس باب شریعت میں عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح انسانی ہیکل

میں خدا تھے۔ کیونکہ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسانوں کی ہر حال میں مدد کرنے پر

قادر ہوں۔ اور یہ صرف خدا کا کام ہے۔

(۹) کتاب اقدس باب شریعت میں تمام بادشاہوں کو پیدا کنندہ

قرار دیا ہے۔ اور یہ صفات خدائی ہیں۔

(۱۰) کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ پر ہے۔ یذکرون نقطة البیان ویفتون علی رسلہ ویقرء ون الآیات وینکرون منزلہا۔ اس میں بہاء اللہ بابی گروہ کے اس حصہ کو جو بہاء اللہ کے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتا۔ مخاطب کر کے اپنی حیثیت یہ قرار دیتے ہیں کہ باب کو بھیجنے والے اور اس پر کتاب بیان اُتارنے والے خود بہاء اللہ ہیں اور کتاب اور رسول کا اُتارنا خدا کا کام ہے۔

(۱۱) کتاب مبین (سورۂ ہیکل) میں بہاء اللہ اپنے منکرین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ایاکم ان تفعلوا بی ما فعلتم بمبشری انا نزلت الیکم آیات اللہ من شطر فضلی کہ تقولوا ان ھا ما نزلت علی الفطرة ان الفطرة قد خلقت بقولی۔ اس میں بہاء اللہ نے اپنے تئیں خالق فطرت بیان کیا ہے۔ اور یہ صفت خدائی ہے۔

(۱۲) کتاب مبین ص۲۹۵ میں بہاء اللہ کہتے ہیں: حملنا الشدائد من کل دنی بعد اذ کان فی قبضتنا ملکوت السموات والارضین۔ کہ ہم نے ہر ایک ذلیل سے ذلیل آدمی سے تکلیفیں اٹھائی ہیں باوجودیکہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہمارے قبضہ میں ہے۔

(۱۳) کتاب مبین ص۲۳۳ (الاقدس الاعظم) میں بہاء اللہ لکھتے ہیں کہ:۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے عزیز حکیم کی طرف سے جو کہتا ہے کہ میں عکہ کے قید خانہ میں قید ہوں۔

(۱۴) اقتدار صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ:۔ قلم اعلیٰ نے اسی طرح پر نطق

فرمایا جبکہ مخلوق کا قدیمی مالک ظالموں کی شرارت سے قید خانہ میں پڑا تھا۔ اِس میں بہاء اللہ مالک قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۱۵) اقتدار صفحہ ۱۱۳ میں لکھتے ہیں کہ :۔

بہاء اللہ کو دیکھنے والا شخص ظاہر میں اسکو انسانی شکل میں دیکھتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اس کے باطن پر غور کرے گا۔ تو آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق کا اس کو محافظ پاتا ہے۔

(۱۶) اقتدار صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں :۔

"اے مخاطب دیکھ! خدا کا فضل اس حد تک پہنچا ہے کہ تُو اپنے گھر میں آرام سے ہے اور خدا تعالیٰ جو بیحد مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ قید خانہ میں تجھ کو یاد کرتا ہے"

مشتے از خروارے حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ جس طرح عیسائی مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ کامل انسان بھی تھے اور کامل خدا بھی تھے۔ جو دنیا کو نجات دینے کے لیے انسانی شکل میں ظاہر ہوئے تھے اسی طرح بہاء اللہ بھی اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔

اس بات سے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ بہاء اللہ کی کتابوں میں ایسی عبارتیں بھی موجود ہیں جن میں وہ اپنے تئیں انسان بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ خدائی کا دعویٰ کرنیوالے جیسا کہ بہاء اللہ سے پہلے کئی گذر چکے ہیں۔ اس رنگ میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں کچھ نہ کچھ معقولیت کا رنگ بھی لوگوں کو نظر آئے کیونکہ انکی ظاہری حالت کھاتے پیتے ہگتے موتتے اور بشری لوازمات دیکھ

موانع ہیں جنکے ہوتے ہوئے خصوصاً اس زمانہ میں کوئی بھی خالص خدا نہیں منوا سکتا۔ جیساکہ عیسائی اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انسانی ہیکل اور خدائی صفات ملا جلا کر ایسا گورکھ دھندا پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر بہائی امریکہ اور یورپ کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی دوعملی کے رنگ سے بہاءاللہ نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اپنی کتاب مبین صفحہ ۵۳ پر لکھتا ہے:۔

قد ظہرت الکلمة التی سترھا الابن انھا قد نزلت علی ھیکل الانسان فی ھذا الزمان تبارك الرب الذی ھو الذی فداتی لمجدته الاعظم بین الامم۔ کہ وہ کلمہ ہے جسے بیٹے نے پردہ میں رکھا تھا وہ ظاہر ہوگیا ہے اور وہ اس زمانہ میں ہیکل انسانی پر اترا ہے۔ مبارک ہے وہ رب جو اپنی عظمت کے ساتھ امتوں کے درمیان آیا ہے۔

اس حوالہ میں بہاءاللہ نے وہی باپ۔ بیٹے۔ رُوح القدس کا گورکھ دھندہ پیش کرکے خدا اور انسان ہر دو حالتیں پیش کرکے دھوکہ دیا ہے۔ پس جہاں باقی لوگ بہاءاللہ کی انسانیت والی عبارتیں پیش کریں وہاں انکو یہ حوالہ پیش کرکے ملزم کرنا چاہیئے! اور یہ سب کچھ عیسائیوں کی کاسہ لیسی ہے یا عیسائیوں کو پھنسانے کی ترکیب ہے کیونکہ وہ اس قسم کا لچر عقیدہ رکھنے کے عادی ہیں

(۱۷) کتاب ادعیہ ۱۶۷/۱۵۹ میں بہاءاللہ ملاء اعلیٰ کو حکم کرتا ہے۔ ان دنوں تمام مخلوقات کے رب بہاءاللہ کی زیارت کرلو۔ اور اس کا طواف بھی۔

(۱۸) الواح مبارکہ صفحہ ۱۴ میں ایران کے بادشاہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بہاءاللہ لکھتے ہیں:۔

"حال آنکہ شانِ حق نیست کہ بہ نزد احدے حاضر شود جمیع از بر دے اطاعت از خلق شدہ اند ولیکن نظر بایں اطفال صغیرہ جمیع از نسا کہ ہمہ از یار و دیار دُور ماندہ اند - ایں آرزو قبول نمودیم"

یعنی خدا کی شان نہیں کہ کسی کے پاس جائے۔ مگر دُور افتادہ بچوں اور عورتوں کی خاطر میں نے ایسا کرنا پسند کیا ہے۔

(۱۹) اقتدا صفحہ ۱۳۰ پر لکھتے ہیں:۔

ونفسی عندی علم ما کان وما یکون کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے۔ کہ مجھے گذشتہ اور آیندہ سب کا علم ہے۔

اس میں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ ہے۔

(۲۰) الواح مبارکہ کے صفحہ ۱۵۴ میں اپنے مریدوں کو کہتے ہیں:۔ (ترجمہ یہ ہے) "اے اللہ کے دوستو! تم فرش راحت پر آرام نہ کرو۔ جب تم نے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان لیا۔ اور جو مصائب اس پر وارد ہیں۔ ان کو سُن لیا۔ تو اس کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

بہاء اللہ کے نزدیک آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء کا درجہ

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں یا آپکو افضل الانبیاء مانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں بھی شیعوں کی طرح تقیہ جائز ہے۔ اس لئے اس دھوکا دہی کو بھی وہ مذہبًا جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بالکل جھوٹ ہے۔ اِس کے لئے ذیل

کے حوالجات ملاحظہ ہوں :-

(۱) کتاب ایقان صفحہ ۲۰۵ میں بہاءاللہ علی محمد باب کے متعلق لکھتا ہے:

"قدر و رتبہ آنحضرت باب را ملاحظہ فرما کہ قدرش اعظم از کل انبیاء و امرش اعلیٰ وارفع از عرفان و ادراک کل اولیاء است"

اس میں باب کو بہاءاللہ نے اپنے متعلق صرف بشارت دینے والا ظاہر کیا ہے۔ تو جب خود دعویٰ خدائی کیا۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے تئیں اولیاء سے کسقدر بزرگ تر سمجھتا ہوگا۔ چنانچہ ذیل کے حوالجات سے ظاہر ہے۔

(۱) بہاءاللہ اپنی کتاب لوح رئیس میں صفحہ ۳۵ کی ایک طویل عبارت میں لکھتا ہے کہ آنحضرت کا قول مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ کہ اے خدا جیسا حق تھا ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ اگر وہ تیرے زمانے میں ہوتے۔ تو فوراً بول اٹھتے کہ اے رسولوں کے مقصود! ہم نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور حضرت ابراہیم کا یہ قول کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ کہ اے رب دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ تو جواب ملا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ کیا تو اس بات پر ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ اطمینان قلب کے لئے۔ اگر ابراہیم میرے زمانے میں ہوتے تو اقرار کرتے کہ میرا دل مطمئن ہو گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ رَبِّ اَرِنِیْ وہ بھی میرے زمانے میں ہوتے۔ تو ان کی مراد پوری ہوتی"

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ بہاءاللہ تمام نبیوں کے متعلق اپنا زمانہ مبارک قرار دیتا ہے۔

(۲) مبین صفحہ ۹ لوح ملاک رؤس میں بہاء اللہ لکھتے ہیں:-

قد ارتفعت ایادی الرسل للقائی - کہ تمام رسولوں کے ہاتھ میری زیارت کے لئے اٹھتے ہیں۔

(۳) مبین صفحہ ۹۷ - ما نزلت الکتاب الا لذکری کہ رسولوں پر جو تمام کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کے نازل کرنے سے صرف میری ذات کا ذکر کرنا مقصود تھا۔

(۴) مبین صفحہ ۱۲۸ - ظہر نشان ما ظہر فی الابداع شبہہ کما رأیتم و سمعتم - کہ بہاء اللہ اس شان سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ بینظیر ہے جیسا کہ خود تم نے اس کو دیکھا اور سنا ہے۔

(۵) مبین سورۃ ہیکل :- یعترضون علی الذین شعرۃ منہ خیر عند اللہ ممن فی السمٰوات والارض - کہ تم اسپر اعتراض کرتے ہو کہ جس کا ایک بال خدا کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات سے بہتر ہے۔

آسمان و زمین کی مخلوقات میں ملائکہ رسل سے افضل ہونے کا دعویٰ۔

(۶) مبین ۲۴۶ لوح رئیس - مالکم اعرضتم من ذالذی خلقتم بامرہٖ - اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا - جو اس ذات (بہاء اللہ) سے روگردانی کرتے ہو - جس کے حکم ماننے کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

(۷) مبین صفحہ ۲۱۴ - عمرات السمٰوات والارض باسمہٖ - کہ آسمانوں اور زمینوں کی آبادی اسی بہاء اللہ کے نام سے ہے۔

(۸) کتاب اقدس صفحہ ۷۵ - اِنَّا خلقنا الخلق لھٰذا الیوم - کہ ہم نے

تمام مخلوقات کو بہاء اللہ کے ظہور فرمانے کے دن کے لیئے پیدا کیا ہے۔

(۹) مبین صفحہ ۲۱۵ - لولاہ ما نزل الوحی فی ازل الازال - کہ اگر یہ بہاء اللہ نہ ہوتا - تو ازل سے ابد تک کسی پر بھی وحی کا نزول نہ ہوتا۔

(۱۰) بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفا میں باب کی نسبت لکھتا ہے کہ اِنَّہٗ سُلْطَانُ الرسل - باب تمام رسولوں کا بادشاہ ہے - یہ دوسری طرف باب کی عبارت الواح مبارکہ صفحہ ۱۹۰ میں بہاء اللہ نے نقل کی ہے - کہ

"محمدؐ رسول را مبعوث مے فرمودیم"

کہ آنحضرتؐ کو میں نے مبعوث کیا تھا - اس سے ظاہر ہے کہ باب رسولوں کا بادشاہ اور آنحضرتؐ کو نبی بنا کر بھیجنے والا مانا جاتا ہے تو بہاء اللہ جو اپنی کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ - صفحہ ۱۹۵ میں لکھتا ہے کہ باب کو بھیجنے والا میں ہوں - اس کے مقابلہ میں آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء کا کیا درجہ ہو سکتا ہے؟

شریعت بابیہ نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دیا

اہل بہاء کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جو وعدہ قیامت کا دیا گیا ہے۔ وہ وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک قیامت صغریٰ سے مراد علی محمد باب کا زمانہ ہے۔ جو سنہ ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا اور قیامت کبریٰ سے مراد بہاء اللہ (مرزا حسین علی ایرانی) کا زمانہ ہے۔ جو سنہ ۱۳۰۹ھ میں فوت ہوا۔ چنانچہ بہائیوں کی مسلمہ کتاب بحر العرفان کے صفحہ ۷۲ میں لکھا ہے:-

قیامت صغریٰ ظہور حضرت اعلیٰ روح ما سوای فداہ بودہ کہ در سن ستین ظاہر شدہ و قیامت کبریٰ این ایام است کہ دریں قیامت جمال قدم جل ذکرہٗ الاعظم ظاہر گردیدہ۔

اسی طرح کتاب نقطۃ الکاف صفحہ ۲۹ میں جو بابیوں اور بہائیوں کی معتبر کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ "مراد از قیامت قیام و ظہور او ست" کہ قیامت سے علی محمد باب کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ تو اب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی مقرر کردہ قیامت باب اور بہاء اللہ کی آمد پر آ گئی۔ تو اب جہاں کہیں بھی قیامت کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس سے باب اور بہاء اللہ مراد ہے۔ اس سے آگے نیا دَور ہو گا۔ اب وہ حوالے پیش کئے جاتے ہیں کہ جن سے باب اور بہاء اللہ کے آنے سے شریعت محمدیہ منسوخ ہو گئی۔

(۱) بحر العرفان صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶:۔

"حلال محمد حلال الیٰ یوم القیمۃ و حرام محمد حرام الیٰ یوم القیمۃ" یعنی آنحضرتؐ کے حرام حلال کئے ہوئے قیامت یعنی آمد باب اور بہاء اللہ تک حرام و حلال تھے۔ اب نیا دَور ہے۔

(۲) بحر العرفان صفحہ ۱۱۷ "میگویند قائم کہ ظاہر مے شود۔ بشریعت مقدسہ نبوی رفتار مے فرمایند و احکام را تغیر و تبدل نمے دہد و برہم نمے زند پس ظاہر مے شود از برائے چہ و شغلش چیست"

یعنی شیعہ جو کہتے ہیں کہ جب قائم آلِ محمد ظاہر ہو گا تو آنحضرت صلعم کی مقدس شریعت کا پیرو ہو گا۔ اور احکامِ شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کریگا تو ہم

اہل بہاء کہتے ہیں کہ اگر قائم نے آکر شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی۔ تو اس کا آنا کس لئے اور اس کے آنے سے کیا مطلب؟

مدعا یہ کہ قائم آل محمد (علی محمد باب) کے آنے کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامی کو منسوخ کر کے ایک نئی شریعت کو قائم کرے۔

(۳) بحر العرفان صفحہ ۱۱۸ "البتہ شکے نیست کہ بدین و آئین جدید ظاہر مے شود" کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ قائم آل محمد نیا دین اور نیا طریقہ لیکر آئیگا۔

(۴) بحر العرفان صفحہ ۱۲۶ "اینکہ جمع ادیان رایکے مے فرمائید یعنی نسخ مے فرمائید شریعت قبل را" یعنی وہ قائم آل محمد تمام دینوں کو ایک یعنی پہلی شریعت (شریعت محمدیہ) کو منسوخ کر دے گا۔

(۵) بحر العرفان صفحہ ۱۴۶ میں لکھا ہے کہ نماز کا حکم جو قرآن میں ہے وہ ۱۲۶۱ھ تک ہے۔ اس کے بعد اسلامی نماز کا حکم منسوخ ہو گا۔ اور اس وقت نئی شریعت اور نئے احکام جاری ہوں گے۔

(۶) اسی طرح بحر العرفان صفحہ ۱۳۵ و کتاب الفرائد صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۳۰۲ و نقطۃ الکاف صفحہ ۱۵ سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی منسوخ اور نئی شریعت بابیہ قابل عمل ہے

شریعت بابیہ بہائیہ کی اتباع کرنے کی تاکید

(۱) بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفحہ ۱۹۵ میں لکھتے ہیں "یا قوم فاتبعوا حدود اللہ التی فرضت فی البیان من لدن عزیز حکیم قل انہ بسلطان الرسل وکتابہ لام الکتاب"۔ اس حوالہ میں کتاب البیان کو تمام کتابوں کی ماں اور اس کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

(۲) کتاب ایقان مصر صفحہ ۱۶۶ پر بہاء اللہ لکھتے ہیں :۔ در عہد موسیٰ توریت بود۔ در زمن عیسیٰ انجیل و در عہد محمدؐ الرسول اللہ فرقان۔ و دریں عصر بیان۔ صاف نسخ قرآن موجود ہے۔

(۳) کتاب اقدس ۱۶۱ میں لکھتے ہیں (کن) " خذ کتابی الذی اذا انزل خضعت له کتب العالم " اے میرے تبع! میری کتاب کو پکڑ لے۔ جس کے اُترنے پر دنیا کی تمام کتابیں اسکے سامنے سرنگوں ہیں۔ یعنی اللہ کی تمام کتابیں اسکے آنے سے منسوخ ہوگئی ہیں۔

(۴) اسی طرح کتاب مبین کے صفحہ ۲۷ و کتاب اقتدار صفحہ ۴۳ و مکاتیب کی تیسری جلد صفحہ ۵۰۰ سے نسخ شریعت محمدیہ ثابت ہے۔

شریعت بابیہ بہائیہ کے منکروں پر فتویٰ کفر

بابی صلح کل ہونیکا دعویٰ کرتے رہتے ہیں مگر ذیل کے فتووں سے انکی حقیقت ظاہر ہے :۔

(۱) علی محمد باب نے رُوح المعانی ہیں محمد بغداد شہاب الدین السید محمود السنوسی کے نام خط ہیں لکھا کہ جب تک تم البیان کی شریعت کے احاطہ میں داخل نہ ہو جاؤ۔ تمہارے اعمال کچھ بھی قبول نہ کریگا خواہ تم ہر ایک چیز قربان کردو۔ اور سب کچھ خرچ کردو تو خدا ہرگز تم سے راضی نہ ہوگا۔ سوائے اس تعلیم کے ذریعہ جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ جو لوگ میرے اس دین میں داخل نہ ہونگے۔ ان کی وہی حالت ہے جیسی ان کی جو اسلام کے زمانہ میں اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے (یعنی کفار) آج مسلمانوں کو ان کا دین اور اعمال اس طرح نفع نہ دینگے جس طرح محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونیکے بعد یہود و نصاریٰ کو انکا دین کوئی نفع نہیں دے سکتا۔

(۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۴۸ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں۔ انہ یاخذ من کفر بہ ویعذب الذین انکروا ما ظہر۔ کہ خدا ہر اس شخص سے مؤاخذہ کریگا جس نے اس بات کو نہ مانا۔ اور انکو عذاب دے گا جنہوں نے ان باتوں کا انکار کیا۔

اسی طرح کتاب المبین صفحہ ۱۸۱ پر منکرین بہائیت کو گمراہ اور صفحہ ۲۸۳ پر مکذبین بابیت کو خاسرین اور الواح مبارکہ صفحہ ۱۷۸ میں مکذبین کو دوزخی کہا ہے۔

چند احکام شریعت بابیہ

(۱) کتاب البیان باب دہم واحد اور چہارم کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ باب کی کتاب البیان کے سوا کوئی دوسری کتاب پڑھے یا پڑھائے۔ اور یہ کہ جس قدر علوم متداولہ ہیں۔ ان کو حاصل کرے۔ یا آگے ان کی تعلیم دے۔

(۲) ایضاً۔ سوائے ان کتب کے جو بابیہ مذہب کی تائید میں ہیں۔ باقی سب کتب کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے۔

(۳) جو لوگ علی محمد باب پر ایمان نہیں لاتے وہ پلید اور واجب القتل ہیں۔ نقطۃ الکاف مقدمہ میں لکھا ہے :-

"ایشاں کسانے راکہ مومن بباب نبود نجس و واجب القتل مے دانستند"

اسی کی تائید میں بہاء اللہ کے بیٹے اور جانشین عبد البہاء اپنی کتاب مکاتیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ میں لکھتے ہیں :-

"در یوم ظہور حضرت اعلیٰ منطوق بیان ضرب اعناق وحرق کتب و

اوراق زہد بقاع و قتل عام الا من آمن و صدق بود" کہ حضرت باب کا یہی حکم ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں۔ اُن کا قتل عام کیا جاوے۔ علوم و فنون اور مذاہب عالم کی سب کتابیں جلادی جائیں۔ اور ان کا ہر ایک ورق نذرِ آتش کیا جاوے۔ اور تمام مقامات مقدسہ اور قبور انبیاء وغیرہ سب گرا دئے جائیں۔ تاکہ بابی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب دُنیا میں نہ رہے۔

(۴) کتاب فروع میں علی محمد باب نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ "اے اصحاب ہر چہ را در بازار گرفتید۔ بیاوردید من نظر نمایم تا حلال شود" یعنی ہر ایک حرام چیز باب کے نظر کرنے سے حلال ہو جاتی ہے۔

اِس حکم کی تفصیل نقطۃ الکاف صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۵۱ میں ملتی ہے۔ کہ مُریدین بغیر اجازت دُکانوں سے چیزیں اٹھا لیتے تھے۔ اور علی محمد باب کے سامنے لاکر اس کی نظر سے گذار کر حلال کرا لیتے۔

(۵) دلائل العرفان صفحہ ۲۴۷ مصنفہ مرزا حیدر علی بابی میں لکھا ہے۔ الباب التاسع من الواحد التاسع فی حرمۃ الصلوٰۃ الجماعۃ اِلّا صلوٰۃ المیّتِ۔ برخلاف شریعت اسلام کے نماز باجماعت سوائے نماز جنازہ کے حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

(۶) نقطۃ الکاف صفحہ ۲۳۰ میں مرزا جانی بابی لکھتے ہیں کہ مَیں نماز جمعہ پڑھا کرتا تھا۔ مگر جب علی محمد باب نے دعویٰ کیا۔ اور اپنی کتاب فروع میں نماز جمعہ کو حرام ٹھہرایا۔ تو مَیں نے نماز جمعہ چھوڑ دی۔

(۷) کتاب اقدس میں لکھا ہے کہ باب نے لڑکے اور لڑکیوں کے معاملہ نکاح میں کسی ولی یا کسی وکیل یا گواہ کی ضرورت نہیں رکھی۔ بلکہ لڑکے لڑکی کی باہمی رضامندی کافی رکھی ہے۔ لیکن بہاء اللہ ان کی رضامندی کے ساتھ والدین کی رضامندی بھی ضرور قرار دیتا ہے اور ہر دو متضاد حکموں سے ظاہر ہے کہ باب اور بہاء اللہ دونوں کے حکموں کا منبع ایک نہیں ہے۔ اور دونوں حکم خود ساختہ ہیں۔

اِن مشتے از خروارے احکام سے شریعت بابیہ کے غیر معقول ہونے کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے! اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان سے نسخ شریعت محمدؐیہ بھی ثابت ہے۔ مزید چند حوالے بھی ذیل میں دیئے جاتے ہیں:۔

بہاء اللہ کی تعلیم اِسلام کے خلاف

اِسلام کی تعلیم ہے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں مگر اس کے بالمقابل بہاء اللہ کی تعلیم ملاحظہ ہو:۔

(۱) اطرازات طراز ششم صفحہ ۱۳ مطبوعہ آگرہ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں ''انني انا الله لا اله الا انا المهيمن القيوم''۔ پھر

(۲) تجلیات (تجلی چہارم) صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں:۔ انني انا الله لا اله الا انا رب كل شيء و ان ما دوني خلقي ان يا خلقي اياي فاعبدون کہ میں خدا ہوں۔ میرے سوا تمام مخلوق ہے۔ اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو۔

(۳) کتاب مبین میں بہاءاللہ لکھتا ہے :-

لَااِلٰہَ اِلَّا انا المسبحون الفرید ۔ کہ کوئی خدا نہیں ۔ مگر میں اکیلا (بہاءاللہ) جو قید ہوں ۔

بہاءاللہ کے مُرید بہاءاللہ کے روضہ کی پرستش کرتے ہیں ۔ دیوان نوش صٹ بہاءاللہ کے روضہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے ۔ ۵

جز خاک آستاں تو معبود خلق نیست
لے سجدہ گاہ جان وروال روضۂ بہا

گردیدا انبیاء ہمہ ساجد بر ایں تراب	اے قبلہ گہ کرّوبیاں روضۂ بہا
اے مقصد و مقصودِ زماں روضۂ بہا	اے معبد معبود جہاں روضۂ بہا
اے معنی اسرار نہاں روضۂ بہا	اے سجدہ گاہ عالمیاں روضۂ بہا

(۲) شریعتِ اسلامیہ میں جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ۔ ان کی تفصیل دی گئی ہے ۔ مگر بر خلاف اس کے شریعتِ بہائیہ کتاب الاقدس میں صرف ماں سے نکاح حرام کیا گیا ہے ۔ باقیوں کا ذِکر نہیں ۔

(۳) اسلامی شریعت میں چار تک نکاح کو جائز رکھا ہے ۔ مگر برعکس اسکے شریعت بہائیہ میں دو سے زیادہ عورتیں ناجائز ہیں ۔ دیکھو کتاب الاقدس ۔

(۴) شریعت اسلامی میں مہر حسب توفیق وحیثیت جس قدر چاہیں مقرر کیا جا سکتا ہے ۔ مگر شریعت بہائیہ کتاب اقدس میں مہر کی مقدار شہروں میں ۱۹ مثقال سونا اور دیہات میں ۱۹ مثقال چاندی ۔ اور زیادہ سے زیادہ ۹۵ مثقال سونا اور ۹۵ مثقال چاندی علی الترتیب ہو سکتا ہے ۔ اس سے زیادہ مہر

باندھنا حرام ہے۔

(۵) اسلامی شریعت میں تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ مگر شریعتِ بہائیہ کتاب اقدس میں تین طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔

(۶) اسلامی شریعت میں سُود حرام اور خُدا سے جنگ کرنے کے برابر ہے مگر شریعتِ بہائیہ میں جائز ہے۔ (دیکھو اشراقات۔ اشراق نہم صکے)

(۷) اسلامی شریعت میں مَردوں کے لئے سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کا استعمال ناجائز ہے۔ مگر شریعتِ بہائیہ میں جائز ہے۔

(۸) سر کا منڈوانا جو شریعتِ اسلامیہ میں جائز تھا اس کو شریعتِ بہائیہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ "لا تحلقوا رؤسکم قد زینھا اللّٰہُ بالشعر" یعنی اے اہلِ بہاد! اپنے سروں کو ہرگز نہ منڈوانا کہ بالوں سے اُن کی زینت ہے۔

(۹) شریعتِ اسلامیہ میں کھلے طور پر گانے بجانے کی ممانعت ہے مگر برخلاف اس کے کتاب اقدس میں لکھا ہے:۔

اِنّا حللنا لکمُ اصغاءَ الاَصْواتِ وَالنَّغمات۔ کہ ہم نے تمہارے لئے گانا بجانا جائز کر دیا ہے۔

(۱۰) شریعت بہائیہ کے رُو سے ایک خاوند جو سفر پہ گیا ہوا ہو۔ اس کی بیوی ۹ ماہ انتظار کرنے کے بعد نیا نکاح کر سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی شریعت میں یہ جائز نہیں:۔

مذہب شیعہ

کتبِ شیعہ

کافی۔ مجمع البیان۔ عمدۃ البیان۔ الروضہ بہیمیہ۔ شرع عرشیہ۔
تاج البلاغتہ۔ شرح نہج البلاغتہ مؤلفہ عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی۔ الصافی۔
بحار الانوار۔ کتب الخصال۔ غرر فوائد۔ اکمال الدین۔ اسرار التنزیل۔ امالی۔
انارۃ البصائر۔ بشریٰ بالحسن۔ حقایق لدنی۔ الصراط السوی۔ کشف الغمہ
کلینی۔ حیات القلوب۔ ناسخ التواریخ۔ محجاج السالکین۔ جلاء العیون۔
(ملا محمد باقر مجلسی) تذکرۃ الائمہ۔ حق الیقین (مصنفہ علامہ مجلسی)۔
مجالس المومنین۔ روضتہ الصفا (تاریخ) استبصار۔ مہیج الاحزان۔

کتب ردِّ شیعہ

سر الخلافتہ۔ خلافتِ راشدہ۔ تحفہ اثنا عشریہ۔ شرائط المذاہب۔ آیات
بیّنات۔ براہین قاطعہ۔ تشریف البشر۔ رسال فدک۔ معیار المذاہب۔
اسباب مغالطہ درمیان سُنی و شیعہ۔ تحقیقات واقعاتِ کربلا۔

اسماءِ ائمۂ شیعہ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت حسنؓ بن علیؓ (۳) حضرت حسینؓ بن علیؓ
(۴) ابو محمد علی بن حسینؓ زین العابدین (۵) ابو جعفر محمد بن علی الباقر (محمد باقر)
(۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظمی (۸) علی رضا (۹) ابو جعفر محمد بن علی الجواد

(۱۰) ابوالحسن علی بن علی بن محمد انقا (۱۱) ابو محمد حسن بن عسکری ۔ (۱۲) امام مہدی علیہ السلام ۔

خلفائے ثلاثہ کا ایمان

از روئے قرآن

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ (بقرہ ع ۲۷)

ترجمہ تحقیق جو ایمان لائے اور جنہوں نے جہاد کیا راہِ خدا میں وہی امید رکھتے ہیں رحمتِ الٰہی کی ۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

(۲) وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔ (مائدہ ع ۸) ترجمہ ۔ اور جو دوست رکھے اللہ اور اس کے رسول کو اور ان کو جو ایمان لائے ۔ پس یقیناً گروہ اللہ کا ہی غالب ہے ۔

(۳) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ (توبہ ع ۳)

ترجمہ ۔ جو کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بڑے درجے ہیں اللہ کے حضور اور یہی ہیں مُراد پانے والے ۔

ہر سہ خلفاء مہاجر اور مجاہد تھے ۔ ضروری تھا کہ اس وعدہ الٰہی کے مطابق ان کو وہ درجات ملتے ۔ اور چونکہ وہ آخر تک کامیاب ہوئے ۔ اِس لئے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا ۔

(۴) فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا في سبيلي۔ (آل عمران ع ۲۰)

(۵) يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم وماوٰهم جهنم وبئس المصير۔ (توبہ ع ۱۰)۔ ترجمہ۔ اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور سختی کر انپر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور وہ بری ہے جگہ پھر جانے کی۔

(۶) لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلا۔ (احزاب ع ۸) ترجمہ۔ اگر باز نہ رہیں گے منافق اور وہ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور بد خبر اڑانے والے شہر میں البتہ لگا دیں گے ہم تجھ کو ان کے پیچھے۔ پھر نہ قریب بسنے پاویں گے تیرے اس شہر میں مگر بہت کم۔

اگر خلفاء بخیال شیعوں کے منافق تھے تو ضرور تھا کہ آنحضرت صلعم ان سے جہاد کرتے اور ان کو آنحضرت کے قریب رہنے کا موقعہ نہ ملتا۔

(۷) يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم وماوٰهم جهنم وبئس المصير۔ مگر چونکہ اس حکم کا کوئی جہاد ثابت نہیں اور نہ ہی یہ خلفا آپ سے تا وفات الگ ہوئے بلکہ وفات کے بعد بھی تا زیست قبر میں بھی ساتھ رہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ موجب قرآن یہ مومن تھے۔ توضیح

(۸) لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبا (ع ...)

چونکہ تحت الشجرۃ کے حاضرین میں سے یہ خلفا بھی تھے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ آپ ہی کو رضی اللہ کا سرٹیفکیٹ ملا۔

(۹) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (نور ع ۷) چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ان خلفا کے عہد میں اسلام دُور دراز ملکوں میں پھیلا۔ اور اسلام نے وہ موعودہ زور اور عروج پکڑا۔ اور وعدہ الٰہی تھا کہ مومنوں کے ذریعہ اسلام تمکنت پکڑیگا پس خلفا کا ایمان ثابت ہے

(۱۰) وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ الخ (مجادلہ ع ۳) جنکو روح القدس سے تائید کی۔ منجملہ یہ خلفا بھی تھے اور یہی حزب اللہ ٹھہرے۔

(۱۱) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (توبہ ع ۶)

یہ یارِ حضرت ابو بکر صدیق رضہ تھے جن پہ اللہ تعالیٰ نے سکینت اُتاری اور آنحضرت صلعم نے انہی کو اپنا رفیق الطریق بنایا۔

شیعہ مفسرین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضہ ہی اس وقت

آنحضرت صلعم کے ساتھ غار ثور میں موجود تھے۔ اور صاحبہٖ سے مراد آپ ہی ہیں (دیکھو تفسیر مجمع البیان و تفسیر صافی سورۃ توبہ رکوع ۶ زیر آیت اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ۔)

اصحابِ ثلاثہ کے ایمان کے دلائل کتب شیعہ سے

(۱) اگر اصحاب ثلاثہ مسلمان نہ تھے تو انکے عہد خلافت میں قیصر و کسریٰ کے ساتھ جو جہاد ہوئے وہ بھی ناجائز ٹھہرے اور جو مال غنیمت اِن جہادوں میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا وہ بھی حلال نہ ہوا۔ اور جو لونڈیاں ان جہادوں میں حاصل ہوئیں وہ بھی حلال نہ ہوئیں۔ شہر بانو خسرو پرویز کی لڑکی جو حضرت حسین رضؓ کے قبضہ میں حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں اسیر ہو کر آئی۔ وہ بھی جائز نہ ہوئی۔ اور اس سے جو اولاد ہوئی۔ اسکے متعلق کیا فتویٰ شیعہ حضرات لگائیں گے؟

(۲) قیصر و کسریٰ کے ساتھ حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں جو جہاد ہوا۔ وہ خدا کے حکم کے مطابق تھا۔ جیساکہ فروع کافی باب مَنْ یَجِبُ عَلَیْهِ الْجِهَادُ۔ میں ابو عمیر زبیری نے حضرت امام جعفر صادق سے روایت کی ہے :۔

وَاِنَّهٗ لَیْسَ كَمَا ظَنَنْتَ وَلَا كَمَا ذَكَرْتَ وَلٰكِنَّ الْمُهَاجِرِیْنَ ظُلِمُوْا مِنْ جِهَتَیْنِ ظَلَمَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ بِاِخْرَاجِهِمْ مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ فَقَاتَلُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ لَهُمْ فِیْ ذَالِكَ وَظَلَمَهُمْ قَیْصَرُ وَ كِسْرٰی وَمَنْ كَانَ دُوْنَهُمْ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ بِمَا كَانَ فِیْ اَیْدِیْهِمْ مِمَّا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَحَقَّ بِهِمْ

مِنْھُمْ فَقَدْ قَاتَلُوْھُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ ذَالِکَ وَ لِحُجَّۃِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ یُقَاتِلُ مُؤْمِنُوْا کُلِّ زَمَانٍ ۔ یعنی جس طرح تو نے سمجھا یا کہا۔ (یعنی یہ کہ قیصر و کسریٰ کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیاں ناجائز تھیں) نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا تھا۔ ان پر اہلِ مکہ نے ان کے گھروں اور مال و دولت سے نکال کر ظلم کیا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خدا کے حکم سے جہاد کیا۔ اسی طرح قیصر و کسریٰ اور دیگر عربی و عجمی قبائل نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ اس ملک اور حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ سے جس پر اُن سے زیادہ مسلمانوں کا حق تھا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خدا کے حکم کے ساتھ جنگ کی۔ اور اسی آیت کے مطابق (یعنی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا) ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کرتے ہیں۔

(۲) آنحضرت صلعم نے خندق کھودتے وقت پہلی مرتبہ پتھر پر کدال مار کر فرمایا اللہ اکبر۔ شام کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ دوسری دفعہ کدال مار کر فرمایا۔ اللہ اکبر فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ پھر تیسری کدال مار کر فرمایا یمن کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (دیکھو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ نولکشور و تمہ ناسخ التواریخ کتاب ۲ جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ ایران) یہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ گویا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت

(۴) وَکَانَ اَفْضَلَهُمْ فِی الْاِسْلَامِ کَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ الْخَلِیْفَةُ الصِّدِّیْقُ وَخَلِیْفَةُ الْفَارُوْقُ وَلَعَمْرِیْ وَاِنَّ مَکَانَهُمَا فِی الْاِسْلَامِ لَعَظِیْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِی الْاِسْلَامِ شَدِیْدٌ یَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا اللّٰهُ بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا (نہج البلاغت ابتداء خط فاروق فومنا قتل نبینا)۔

اور خلفا میں سے اسلام میں سب سے افضل اور خدا اور رسول کے لیے سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ و خلیفہ فاروق رضؓ تھے۔ اسی طرح سے جس طرح تیرا خیال ہے۔ اور بخدا ان کا مقام اسلام میں بہت بلند ہے۔ اور ان کی (جدائی کی) وجہ سے اسلام کو سخت زخم لگا ہے۔ ان دونوں پر خدا تعالٰے کی رحمت ہو۔ اور خدا تعالٰے ان کے اچھے اور اعلیٰ کاموں کا ان کو اجر دے۔

(۵) وَلَا رَیْبَ اَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ عَلِیًّا کَانَ هُوَ السَّابِقُ وَاَنَّ اَبَا بَکْرٍ هُوَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ (شرح نہج البلاغۃ مؤلفہ عبدالحمید ابن ابی الحدید شیعہ جز ۴ صفحہ ۲۱۲)۔

اور بے شک جس بات کا ابو عمر نے ذکر کیا ہے سچ ہے کہ گو علی رضؓ نے پہلے اسلام قبول کیا۔ لیکن ابوبکر رضؓ نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا۔

(۶) عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیْ قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْ بَکْرٍ (شرح

نہج البلاغت جزو ۴ صفحہ ۱۳)۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ نَصْرٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ لِعَلِیٍّ اَنَا اَسْلَمْتُ قَبْلَکَ فِیْ حَدِیْثٍ ذِکْرُہٗ فَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ۔ (شرح نہج البلاغت جزو ۴ صفحہ ۲۱۳) ابونصر کہتے ہیں کہ کسی گفتگو میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں آپ سے پہلے مسلمان ہوا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا۔

(۸) وَقَالَ عَلِیٌّ وَالزُّبَیْرُ مَا قَضَیْنَا اِلَّا فِی الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَرٰی اَبَابَکْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِھَا اِنَّہٗ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَاِنَّا لَنَعْرِفُ لَہٗ سُنَنَہٗ وَلَقَدْ اَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ بِالصَّلٰوۃِ بِالنَّاسِ وَھُوَ حَیٌّ۔

(شرح نہج البلاغۃ مؤلفہ ابن ابی الحدید شیعی جزو ۲ صفحہ ۵۰) حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سوائے مشورے کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو اپنوں میں سب سے زیادہ اس امر کا مستحق خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ صاحبِ غار ہیں۔ اور ہم ان کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے جبکہ آپ زندہ تھے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(۹) کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں ہے۔

اِنَّہٗ سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْ حِلْیَۃِ السَّیْفِ قَالَ نَعَمْ حَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ الصِّدِّیْقُ سَیْفَہٗ بِالْفِضَّۃِ فَقَالَ الرَّاوِیْ تَقُوْلُ ھٰکَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَکَانِہٖ فَقَالَ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ

فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا۔ کہ امام جعفر سے پوچھا گیا کہ کیا تلوار کو سونا چڑھانا جائز ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں جائز ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے اپنی تلوار کو سونا چڑھایا تھا۔ اسیر راوی نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ ایسا (یعنی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں) تو امام اپنی جگہ سے اٹھ کر کہنے لگا۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں اور جو اُن کو صدیق نہ کہے خدا دنیا میں اس کی بات کو سچا نہیں کریگا۔

(۱۰) حضرت علی حضرت عثمان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَكَ مَا اَعْرِفُ شَیْئًا تَجْهَلُهٗ وَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی اَمْرٍ لَا تَعْرِفُهٗ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاكَ اِلٰی شَیْءٍ فَنُبَلِّغُكَهٗ وَقَدْ رَأَیْتَ كَمَا رَأَیْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا صَحِبْنَا وَمَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَمَا ابْنُ الْخَطَّابِ اَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ . . . . وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهٖ مَا لَمْ یَنَالَا۔ (نہج البلاغت مشہدی ص۱۱۳)

بخدا میں نہیں جانتا کہ میں آپ کے سامنے کیا بیان کروں مجھ کوئی ایسی بات معلوم نہیں جو آپ نہ جانتے ہوں۔ اور میں آپکو کوئی ایسی نئی بات نہیں بتا رہا جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ میرا علم آپ سے زیادہ نہیں۔ ہم آپ سے کسی امر میں سبقت نہیں رکھتے کہ ہم آپ کو اس کی اطلاع دینے کے قابل ہوں۔ اور نہ ہم کسی امر میں منفرد ہی ہیں کہ وہ امر آپ تک پہنچائیں۔ بے شک آپ نے وہ سب کچھ دیکھا اور سُنا۔ جو ہم نے دیکھا اور سُنا۔ اور آپ بھی اسی طرح

آنحضرت صلعم کے صحابی رہے جس طرح ہم تھے۔ ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ سے کسی امر میں سبقت رکھنے والے نہ تھے۔ اور آپ آنحضرت صلعم کی دامادی کے باعث آنحضرت کے ان دونوں سے زیادہ مقرب ہیں۔

(۱۱) وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اِنَّهُ بَايَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰى مَا بَايَعُوْاهُمْ عَلَيْهِ . . . اِنَّهُمْ اُنَاسٌ اِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَسَمُّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا"

(نہج البلاغت مشہدی صفحہ ۱۸۸)۔

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کو ایک خط میں (اپنی خلافت کا یہ ثبوت) لکھا کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے۔ جنہوں نے ابو بکرؓ عمرؓ وعثمانؓ کی بیعت کی۔ اور اسی امر پر کی ہے جس پر ان کی کی تھی . . . یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ایک شخص پر مجتمع ہو کر اس کو اپنا امام کہدیں۔ تو یہی امر خدا کے ہاں بھی موجبِ رضا ہوتا ہے۔

(۱۲) لِلّٰهِ بَلَاءُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَى الْعَمَدَ خَلَفَ الْفِتْنَةَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهُ اتَّقَاهُ بِحَقِّهِ "

(نہج البلاغۃ مشہدی صفحہ ۱۸۱)۔

"فلاں آدمی کیا ہی اچھا تھا کیونکہ اُس نے کجی کو درست کیا اور دلوں کی بیماریوں کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا۔ اور سنت کو قائم کیا اور انتقال کیا۔ ایسی حالت میں کہ وہ پاک اور بے عیب تھا۔ خلافت کا اچھا حصہ پایا۔ اور اس میں پیدا

ادنے والے شر سے پہلے گذر گیا۔ اللہ کی اطاعت گذاری کی اور اس کے حقوق میں تقویٰ سے کام لیا۔" یہ سب عبارت حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی نسبت کہی۔ چنانچہ اس خطبہ کے حاشیہ میں عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی نے لکھا ہے کہ فلاں سے مراد عمرؓ ہیں۔

(۱۳) امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا:-

هُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رسالہ ادلہ تقیہ فی ثبوتِ تقیہ مولفہ (سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد)۔

کہ وہ دونوں امام تھے عدل اور انصاف کرنیوالے وہ دونوں حق پر تھے اور حق پر ہی ان کی وفات ہوئی۔ اور قیامت کے دن ان پر خداتعالیٰ کی رحمت ہوگی

نوٹ:- شیعوں کا اس قول کے متعلق یہ کہنا کہ امام جعفر نے دوسرے دن اس قول کی تشریح یہ کی تھی کہ "اِمَامَانِ" سے مراد میری "اہل جہنم کے امام" تھی۔ غلط ہے۔ بوجوہات ذیل:-

(۱) "هُمَا اِمَامَانِ" سے مراد اہل جہنم کے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عربی زبان اس کی اجازت نہیں دیتی۔ هُمَا اِمَامَا اَهْلِ النَّارِ کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ تثنیہ یا جمع کا صیغہ جب مضاف ہو تو اسکے آخر سے "ن" گر جاتا ہے۔ جیسے هُمْ مُسْلِمُوْا مَكَّةَ (یعنی وہ مکہ کے مسلمان ہیں۔) هُمْ مُسْلِمُوْنَ مَكَّةَ نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام سے جس شخص نے فتویٰ پوچھا۔ اسکو تو آپنے مندرجہ بالا صاف الفاظ میں جواب دے دیا۔ وہ تو اب اس فتویٰ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو مومن ہی سمجھے گا۔ اسکے چلے جانے کے بعد دوسرے دن اس قول کے الفاظ کی ظاہری مفہوم کے خلاف غلط تاویل کرنا بالکل غیر معقول ہے۔ اس شخص کی گمراہی (بقول شما) کا باعث تو حضرت امام جعفرؒ ہی کا یہ قول ہوگا۔ امام جعفرؒ نے اگر کوئی تشریح اپنے الفاظ کی کرنی ہوتی۔ تو اس شخص کے سامنے ہی کرنی چاہیئے تھی۔

(۱۴) علامہ کاشانی اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھتے ہیں:-

"آنحضرت فرمود بدوزخ نرود یک کس ازاں مومناں کہ اوزیر شجر بیعت کردند و اس را بیعت الرضوان نام نہادہ اند۔ بجہتِ آنکہ حق تعالےٰ در حق ایشاں فرمود کہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"

کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنیوالوں میں سے سب کے سب جنتی ہیں کیونکہ خدا نے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کا انکو خطاب دیا ہے۔

(۱۵) کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں روایت ہے۔ از جابر بن عبداللہ انصاری روایت است کہ ما در آں روز ہزار و چہار صد (یعنی چودہ سو) کس بودیم۔ دراں روز من از آنحضرت صلعم شنیدم کہ آنحضرتؐ خطاب بحاضراں نمود و فرمود کہ شما بہترین اہل روئے زمین اند۔ و ما ہمہ دراں روز بیعت کردیم و کسے از اہل بیعت نکث نہ نمود۔ مگر احد بن قیس کہ آں

منافق بیعت خود را شکست"۔

گویا بیعت رضوان کرنے والے چودہ سو مسلمان تھے اور سوائے اجد بن قیس کے سب کے سب جنتی ہیں۔ مگر شیعہ تو صرف پنجتن یا سارھے چھ تن کو جنتی مانتے ہیں۔

(۱۶) حضرت عثمانؓ اس بیعت کے وقت موجود نہ تھے بلکہ بطور سفیر مکہ میں گئے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے۔ فَلَمَّا انْطَلَقَ عُثْمَانُ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صلعم بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلعم مَا كَانَ لِيَفْعَلَ فَلَمَّا جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ءَ طُفْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللهِ صلعم لَمْ يَطُفْ بِهٖ (فروع کافی جلد ۲ کتاب الروضہ صفحہ ۱۵) حضرت عثمانؓ چلے گئے۔۔۔۔ تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور آنحضرتؐ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر حضرت عثمان کی بیعت لینے کیلئے رکھا۔ اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمان رضؓ بڑا خوش قسمت ہے کہ اس نے کعبہ کا طواف بھی کر لیا اور صفا اور مروہ کے درمیان بھی سعی کر لی۔

(نوٹ: یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ تو بطور سفیر مکہ چلے گئے۔ اور باقی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کفار نے روکا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی یہ بات سنکر فرمایا کہ عثمان رضؓ تو ایسا کرنے والا نہیں ہے"۔

(یعنی اس نے ایسا نہیں کیا ہوگا) پس جب حضرت عثمان رض واپس آئے۔ آنحضرت ؐ نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ نے کعبہ کا طواف کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں طواف کر لیتا۔ اس حالت میں کہ آنحضرت ؐ نے طواف نہ کیا ہو۔ یہ جواب حضرت عثمان رض کی شانِ ایمانی ثابت کرتا ہے۔

دلائل و مطاعنِ شیعہ کا جواب

شیعہ۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مائدہ رکوع ۸) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حضرت علی رض مراد ہیں۔ لہٰذا وہ خلیفہ بلا فصل ہوئے؟

الجواب۔ اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اگر وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی رض ہوں۔ تو شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔ کیونکہ پھر سوائے اللہ۔ رسول اور علی رض کے کسی اور کی امامت ممتنع ہو جائے گی۔

(۲) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے علی رض واحد مراد نہیں لیا جا سکتا۔

(۳) اس کے آگے ہی یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ۔ حضرت علی رض کا زکوٰۃ دینا ثابت نہیں۔ (۴) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد اگر حضرت علی رض ہوں تو اسکے آگے انکے ساتھ دوستی کرنے والے گروہ کو غالب قرار دیا گیا ہے مگر بقول شما علی رض کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

(۵) اہلِ سنت کی تفاسیر میں جہاں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی رض

کو لکھا گیا ہے۔ وہاں علماء اہل سنت نے شیعوں کا قول نقل کرکے اس کی آگے اسکی تردید کی ہے۔ پس وہ تمہارے لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔

(۶) لفظ "ولی" دوست۔ ناصر اور حاکم کے معنوں میں مشترک ہے۔ اگر معنے صرف حاکم لینا حجت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کیلئے دلیل نہ دیجائے۔

(۷) اس آیت میں "ولی" کے معنے محب و ناصر کے ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے مومنوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا ہے اور اسکے بعد اس آیت میں اللہ رسول اور مومنوں کو دوست بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۸) یہ آیت اصحاب ثلاثہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت میں "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ" ہے۔ کہ اے مسلمانوں اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو خدا ایک اور قوم کو لائیگا وغیرہ۔ آنحضرتؐ کی وفات پر "ظہورِ عرب" جو ہوا۔ یعنی تمام عرب والے مرتد ہو گئے۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ اور انکے اصحاب کے سوا اور کون مسلمان بنانے والا ہوا۔

(۹) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے دوستی رکھنے والوں کو خدا نے غالب گروہ قرار دیا ہے۔ اور وہ اصحاب ثلاثہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

شیعہ: "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ"۔

خم غدیر کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے سامنے خلافت علیؓ کا آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا۔

جواب: اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ جو مجھ سے محبت کرے وہ علیؓ سے بھی محبت کرے۔

"جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ علیؓ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔"

"مولیٰ" ظرف ہے۔ جس کے معنے محلِ محبت کے ہیں۔

(۲) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کے سامنے اعلان کیا۔ تو اس کے دو تین ماہ ہی بعد آنحضرت صلعم کی وفات کے دن وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کہاں گئے تھے؟ ان میں سے ایک بھی تو خلافت کے لئے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیتا۔

(۳) حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش نہیں کرتے۔

(۴) یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کی وفات پر حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت معاویہ نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو اپنی خلافت منوانے کے لئے متعدد دلائل دیئے مگر خم غدیر کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بعد کی اختراع ہے۔

"اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا"

جواب۔ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھو (ترمذی جلد ۲ کتاب المناقب)

(۲) اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

"ذَکَرَہٗ اِبْنُ الْجَوْزِیْ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ مِنْ عِدَّۃِ طُرُقٍ وَجَزَمَ بِبُطْلَانِ الْکُلِّ" (لمعات برحاشیہ مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی صفحہ ۵۶۴)

کہ اس حدیث کو ابن جوزی نے متعدد طرق سے روایت کر کے موضوع قرار دیا ہے۔ نیز اس کے سب طریقوں کو باطل قرار دیا ہے۔

(۳) اس کا ترجمہ ہے۔ "میں علم کا شہر ہوں۔ اور اس کا دروازہ بہت بلند ہے۔" کہاں ہے ذکر علیؓ؟۔

(۴) کبھی ایک دروازہ والا بھی شہر ہوا ہے؟ ہاں جیل خانے اور کوٹھڑی کا ایک دروازہ ہوتا ہے۔ شہر کے کم از کم چار دروازے ہونے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک آنحضرت صلعم علم کا شہر ہیں اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اس شہر کے چار دروازے ہیں۔ حضرت علی رض بھی ان میں سے ایک ہیں۔ یاد رہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں ایک دروازے کا حصر نہیں۔

(۵) خود حضرت علی رض نے حضرت عثمان کو فرمایا۔ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ۔ (نہج البلاغۃ مشہدی صفحہ ۱۱۲)

کہ اے عثمان رض تو اتنا ہی عالم ہے جتنا میں۔ پس حضرت عثمان کی حضرت علی رض سے مساوات علمی ثابت ہے۔ اگر وہ علم کا دروازہ ہیں۔ تو حضرت عثمان رض بھی بوجہ مساوات علمی رکھنے کے علم کا دروازہ ہوئے۔

حضرت عثمان رض کا جنازہ

اعتراض شیعہ۔ حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض کا جنازہ نہیں پڑھا۔

جواب۔ غلط ہے۔ حضرت عثمان رض کے جنازہ پر حضرت علی رض حاضر ہوئے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

(۱) وَقِيلَ شَهِدَ جَنَازَتَهُ عَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَزَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ وَكَعْبُ ابْنِ مَالِكٍ ۔ (کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۶)

ترجمہ:۔ حضرت عثمان رض کے جنازہ پہ حضرت علی۔ طلحہ۔ زید بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے۔

(۲) اسی طرح شیعوں کی "ناسخ التواریخ" میں ہے:۔

حسن بن علی با عبد اللہ بن زبیر و ابو جہم بن حذیفہ و چند تن جسد او را بر تختہ پارہ نہادند . . . و حسن نام پیشانی است و آنجماعت پس پردند۔"
(ناسخ التواریخ کتاب دوم جلد ۲ صفحہ ۳۶۵) گویا حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ بوساطت امام حسن کرایا۔ یاد رہے کہ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے نیز جو امر حضرت علیؓ کو (بقول شما) جنازہ عثمانی پڑھنے سے مانع تھا۔ وہ حضرت حسنؓ کو کیوں مانع نہ ہوا؟

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا جنگ سے بھاگنا

اعتراض شیعہ۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جنگ سے بھاگے۔

جواب۔ غلط ہے۔ طبری میں ہے:۔

(۱) "وَنَهَضَ عَنِ الشِّعْبِ مَعَهُ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَعُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ" (طبری مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۷)
او گھاٹی کے پاس آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کھڑے (دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے میں) ہے۔

(۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْصَرَفَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَاءَ" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۵)
حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب آنحضرت صلعم کے پاس سے سب لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے تو سب سے پہلے میں آپؐ کے پاس پہنچا۔

(۳) "وَمِمَّنْ ثَبَتَ مَعَهُ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ"

(تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۰ مطبوعہ لنڈن)

کہ جنگ حنین میں حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۴) وَثَبَتَ (ابو بکر) يَوْمَ اُحُدٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳)

کہ حضرت ابو بکر جنگ اُحد اور حنین میں ثابت قدم رہے۔

(۵) اسی طرح جنگ خیبر کے متعلق لکھا ہے:۔

وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ اَخَذَ رَايَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ نَهَضَ فَقَاتَلَ قِتَالًا شَدِيْدًا هُوَ اَشَدُّ مِنَ الْقِتَالِ الْاَوَّلِ (طبری جلد ۳ ص ۱۵۸۰ مطبوعہ لنڈن) کہ خیبر میں (جب آنحضرت صلعم بیمار ہوگئے تھے تو) حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے یکے بعد دیگرے آنحضرت صلعم کا جھنڈا لیکر آگے و نہر سے بڑھ کر کفار سے جنگ کی۔

(۶) اسی طرح تاریخ الخلفا میں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی شہادت موجود ہے۔

"فَوَاللّٰهِ مَا دَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْ بَكْرٍ شَاهِرًا بِالسَّيْفِ عَلٰى رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم فَهُوَ اَشْجَعُ النَّاسِ" (تاریخ الخلفا ص ۲۵)

کہ خدا کی قسم! حضرت ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی ہم میں سے آنحضرتؐ کے قریب نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ تلوار سونت کر آنحضرتؐ کے سر پر پہرہ دیتے رہے تھے۔ پس آپؓ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ پس کتب اہل سنت سے اصحاب ثلاثہ کا جنگوں کے موقع پر ثابت قدم رہنا ثابت ہے۔ اسلئے

اہل سنت کے بالمقابل یہ طعن کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ باقی رہیں اہل شیعہ
کی روایات۔ سو وہ حجت نہیں۔

باغ فدک

(۱) حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کو آنحضرت صلعم کے ترکہ سے کچھ نہ دیا۔ حالانکہ
حضرت ابوبکرؓ کے لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ والی حدیث کے پیش کرنے
پر فاطمہؓ نے قرآن کی آیت پیش کی۔ کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔

جواب نمبر ۱:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ضد سے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ
سے حدیث سنی ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم کو آنحضرتؐ ہی زیادہ سمجھتے
تھے۔

جواب نمبر ۲:۔ اگر فاطمہؓ سے ضد تھی۔ تو دیگر ازواج مطہرات اور خصوصاً
اپنی لڑکی حضرت عائشہؓ کو وراثت دیتے۔ لیکن انہوں نے اس لئے نہ مانگی۔ کہ
ان کو مندرجہ بالا حدیث مانع تھی۔ اگر یہ کہیں کہ ان کو اس لئے نہ
دی۔ کہ فاطمہؓ دعویٰ نہ کر بیٹھیں؟ تو فاطمہؓ تو بہت جلد رخصت ہو
گئیں۔ بعد ان کے دے دیتے۔ مگر ایسا نہ کیا۔

جواب نمبر ۳:۔ لَا نُوْرِثُ وَلَا نُوْرَثُ والی حدیث شیعوں کے نزدیک
بھی درست ہے چنانچہ اسی مفہوم کی حدیث شیعوں کی کتاب کافی میں محمد بن یعقوب
رازی نے ابوالبختری سے وہ ابو عبد اللہ جعفر بن صادق سے روایت

کرتے ہیں۔ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ وَذَالِكَ اِنَّ الْاَنْبِیَا لَمْ یُوَرِّثُوْا فِیْ نُسْخَةٍ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِیْنَارًا وَّ اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِهِمْ وَاِنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ انبیاء نے وراثت نہیں چھوڑی۔ اور ایک نسخہ میں ہے "نہ وارث ہوئے" کسی درہم یا دینار کے بلکہ وارث کیے گئے ان کے کلام میں سے کلام کے۔ اور اگر اس میں سے کسی نے کچھ لیا۔ تو گویا اس نے بہت بڑا حصّہ لیا۔

جواب ۴:۔ اگر حضرت ابو بکرؓ نے مذکورۃ الصدر حدیث حضرتؐ کے منہ سے نہیں سنی تھی تو ان کو فاطمہؓ کو ورثہ سے محروم کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین خود لے لی۔ یا اپنے خاندان کو دے دی۔ اگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقصد سوائے شریعت کے حکم کو پورا کر دینے کے اور کچھ نہ تھا۔

جواب ۵:۔ اگر حضرت فاطمہؓ کو انہوں نے اس حدیث کی وجہ سے محروم کیا۔ تو اس وجہ سے اپنی اور اپنے دوست حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم کیا۔

جواب ۶:۔ جب حضرت علیؓ خود خلیفہ ہوئے۔ تو کیوں انہوں نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد (حضرت امام حسن و حسینؓ) کو آنحضرت صلعم کا ورثہ نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی آنحضرت صلعم کا ورثہ قابل تقسیم نہ تھا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ اس واسطے غاصب ہیں

کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضؓ کو فدک کا حصّہ نہ دیا۔ تو بعینہٖ حضرت علی رضؓ بھی ویسے ہی غاصب ہیں۔

(۴) اعتراض۔ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہ رضؓ کے واسطے فدک کی وصیت کی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بخلاف وصیت حضورؐ فاطمہ رضؓ کو فدک پر تصرّف نہ دیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ سخت ناراض ہوئیں۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ یعنی جس نے فاطمہ رضؓ کو ناراض کیا۔ اُس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب نمبر ا۔ شیعہ لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت حضرت ابوبکر رضؓ نے اس وصیت اور ہبہ نامہ کو جاری نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت علی رضؓ نے بھی جاری نہ فرمایا تھا۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تو اس واسطے اس کا اجراء نہ فرمایا کہ اُن کو یہ حدیث معلوم تھی۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو ہم چھوڑیں گے۔ وہ صدقہ ہوگا۔ لیکن پھر حضرت علی رضؓ نے اپنی چند روزہ خلافت میں کیوں اس کو جاری نہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علی رضؓ کو بھی یہ روایت چونکہ پہنچ چکی تھی اور وہ اس کو درست تسلیم کرتے تھے۔ اسی واسطے آپ نے بھی اس کو ویسے ہی رکھا۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ اور عثمان رضؓ کے عہد میں چلی آتی تھی۔

باقی ناراضگی کے متعلق یہ ہے کہ یہ الفاظ آپؐ نے اس وقت فرمائے تھے۔ جب حضرت علی رضؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور فاطمہ رضؓ آپؐ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپؐ نے اس وقت کھڑے ہو کر ایک

خطبہ پڑھا جس میں آپؐ نے فرمایا :-

اَلَا اِنَّ فَاطِمَۃَ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا وَیُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ ۔ یعنی فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے اگر اسے تکلیف ہوئی ۔ تو مجھے بھی ہوئی ۔ پس جس نے اس کو ناراض کیا ۔ اس نے گویا مجھے بھی ناراض کیا ۔

حدیث میں آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا کہ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے گویا مجھے ناراض کیا ہے ۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے فاطمہؓ کو تکلیف پہنچی تھی ۔ کہ جس کے باعث آنحضرتؐ کو بھی تکلیف پہنچی ۔ اور آپ نے تکلیف اور جوش میں ہی ایک خطبہ بھی پڑھا جس میں پہلے مورد جناب علیؓ ہی ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ سے اگر وہ ایک بات پر جو واقعہ میں حق تھی ۔ ناراض ہوگئیں ۔ تو آپ اس حدیث کے نیچے نہیں آسکتے کیونکہ یہ بعد کا واقعہ ہے اور آپ نے یہ کوئی قانون نہیں باندھا تھا ۔ بلکہ ایک خاص واقعہ پر فرمایا تھا ۔ کہ فاطمہؓ کو جس نے تکلیف دی ہے ۔ اس نے مجھے بھی تکلیف دی ہے ۔

جواب ۲ :- کتاب نہج البلاغت میں شیخ ابن مطہر نے ایک بات کہی ۔ جس سے تمام جھگڑے دور ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ یہ ہے اِنَّہٗ لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَۃُ اَبَا بَکْرٍ فِیْ فِدَکٍ کَتَبَ لَھَا کِتَابًا وَرَدَّھَا عَلَیْھَا ۔ جب فاطمہؓ نے ابوبکرؓ کو فدک کے معاملہ

میں بہت نصیحت وغیرہ کی۔ تو انھوں نے اس کو نوشتہ لکھ دیا۔ یعنی فدک اس کو دے دیا۔ اگر یہ روایت درست ہے۔ تو پھر حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا کوئی موقعہ ہی نہ رہا۔

فَاقْسَمَ عَلَيْهَا لِتَرْضٰى فَرَضِيَتْ" (تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر) کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی ہونے کے لئے قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہو گئیں۔

"فَمَشٰى اِلَيْهَا اَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَ ذَالِكَ وَ شَفَعَ لِعُمَرَ وَطَلَبَ اِلَيْهَا فَرَضِيَتْ عَنْهُ" (شرح نہج البلاغت جزد دوم ص۱۹)

کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں گئے۔ اور حضرت عمرؓ کی سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہو گئیں۔

پھر آیت مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (حشر ع ۱)

ترجمہ:۔ جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں سے پس اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ نہ ہووے ہاتھوں ہاتھ لینا درمیان دولتمندوں کے تم میں سے

اور جو کچھ دے تم کو رسول اور جو منع کرے تم کو تو باز رہو۔ اور ڈرد اللہ سے۔ یقیناً اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فدک کے مال میں کتنے حصہ دار تھے۔ یہ باغ فدک مال فئ میں سے تھا۔

تردید دلائل تقیہ

تقیہ کی تعریف از کتب شیعہ

"جو مومن باطمینانِ قلب موافق شرع کے رہ کر بخوف دشمن دین فقط ظاہر میں موافقت کرے۔ دشمنِ دین کی تو دیندار ممدوح و متقی ہے۔" (قول فیصل مصنفہ مرزا رضا علی صفحہ ۴)

قولہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تقیہ کیا۔ جبکہ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ اور بسم اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

اقول:۔ یہ تقیہ نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ بوجہ معاہدہ فریقین دونوں فریقوں کا لحاظ ہونا تھا۔ اس واسطے آپ نے کفار کا لحاظ رکھتے ہوئے بسم اللہ کی بجائے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھوایا۔ اور آپ نے یہ انکار نہیں کیا۔ کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں۔ بلکہ اقرار کیا ہے۔ اور فرمایا تھا۔ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

قولہ:۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ الخ (پ ۱۴ ع ۲۰)۔ کہ کافر کے غلبہ کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اقول۔ جواب ۱:۔ کفر دو قسم کا ہے۔ (۱) عقاید۔ (۲) اعمال۔

عقائد انسان کے دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اکراہ ممکن نہیں کیونکہ کسی کے عقائد کو کوئی دوسرا شخص جبراً نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ جبراً اور "اکراہ" کے معنی تو یہ ہیں کہ "قوتِ فیصلہ" کو معطل کر دیا جائے۔ عقائد میں اکراہ اس لئے ممکن نہیں کہ ان کے بدلنے یا نہ بدلنے میں بہر حال "قوتِ فیصلہ" کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

زید اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے۔ بکر اس کو کہتا ہے کہ اگر تم خدا کا انکار نہ کرو گے تو میں تمہیں قتل کر دونگا۔ اب زید کو دو چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ یا تو خدا کی ہستی پر ایمان کو مقدم کرے یا اپنی زندگی کو۔ اگر وہ اپنی زندگی کو مقدم کرکے خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ" میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ انکار اس کی "قوتِ فیصلہ" کے استعمال کے نتیجہ میں ظاہر ہوا ہے۔

کفر کی دوسری قسم اعمال کے متعلق ہے۔ اس میں "جبر اور اکراہ" کئی صورتوں میں ممکن ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص سے جبراً بعض ایسے اعمال سرزد کرائے جائیں۔ جن میں اس کی قوت فیصلہ کا ایک ذرہ بھی دخل نہ ہو۔ مثلاً اگر زید و بکر اور عمر پکڑ کر خالد کو جبراً شراب پلانا چاہیں یا کسی اور ناجائز فعل کا ارتکاب چاہیں۔ تو گو خالد اس سے بچنے کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ پھر بھی ممکن ہے کہ اسے لٹا کر جبراً شراب اسکے منہ میں ڈال دیجائے۔ اب اس طریق پر شراب پینے میں خالد کے ارادہ اور اسکی "قوتِ فیصلہ" کا ایک ذرہ بھی دخل نہیں

یوں تو شراب پینا یا زنا کرنا ایمان کے خلاف ہیں۔ مگر مندرجہ بالا طریق پر ان کا ارتکاب کرایا جانا یقیناً اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ کے ماتحت آتا ہے۔ کیونکہ وہ باوجود اپنے انتہائی طور پر مصمم اور غیر متزلزل ارادہ کے اس سے بچ نہ سکا لیکن کسی شخص کی زبان کو کوئی دوسرا شخص زبردستی پکڑ کر چلا نہیں سکتا کہ وہ اپنے عقائد کے خلاف کہے۔ مگر اعمال کا ارتکاب جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعض اوقات جبراً کرایا جا سکتا ہے۔ پس آیت مندرجہ بالا میں لفظ "ایمان" "کفر" کے بالمقابل ہے۔ اور کفر کے معنی زبانی انکار ہی کے نہیں۔ بلکہ اعمال کے رنگ میں بھی نافرمانی کے ہیں جیسا کہ لغت میں ہے:۔

"اَلْکُفْرُ یَوْمُ الْکُفْرِ وَالْعِصْیَانِ بَعْدَ الطَّاعَۃِ وَالْاِیْمَانِ"

(المنجد صفحہ ۷۰۹ زیر لفظ کفر)

اس نے کفر کیا۔ یعنی کفر اور عصیان سے وابستہ ہوا۔ فرمانبرداری اور ایمان کے بعد۔

گویا لفظ کفر میں ہر قسم کا عصیان داخل ہے۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ "عقائد" کے متعلق اکراہ ممکن ہی نہیں اور اس زبردستی یا جبر کو "اکراہ" کہا ہی نہیں جا سکتا۔ جو عقائد کے تبدیل کرانے کے لئے کسی شخص پر کیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں دو مشکل راہوں میں سے ایک کو دوسری پر مقدم کرنے کا فیصلہ خود اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس پر جبر کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ "ایمان" کے مقابلہ میں "جان" کی کوئی حیثیت نہیں۔ پس جو شخص "جان" کے خوف سے "ایمان" کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی بجائے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے دنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس نے یہ فیصلہ "اکراہ" کے ماتحت کیا ہے۔ کیونکہ اکراہ تو اس صورت میں ہوتا۔ جب وہ یہ کہہ سکتا کہ یہ جو کچھ ہوا میرے "فیصلہ" سے نہیں ہوا۔ ہاں بعض "اعمال" ایسے رنگ میں دوسرے شخص سے جبراً صادر کرائے جا سکتے ہیں۔ جن میں اس کے اپنے فیصلہ کا دخل نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر مثال دی گئی ہے۔ پس شیعوں کا تقیہ اس آیت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ وہ "اعمال" کے متعلق اس رنگ میں استثنا نہیں مانتے جس رنگ میں اوپر بیان ہوا۔ بلکہ وہ عقائد کو کسی کے خوف سے چھپانے اور اس کے خلاف کہنے کا نام "تقیہ" رکھتے ہیں۔

(۲) اگر عقائد کو اس طریق پر چھپانے کی اجازت مل جائے تو کسی نبی کی جماعت بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر اس رنگ میں تقیہ جائز ہوتا۔ تو حضرت علی۔ حضرت بلال۔ حضرت ابو بکر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین صحابہ جن کو محض اسلام لانے کی وجہ سے سخت تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ضرور اس سے فائدہ اٹھاتے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو مسلمانوں کو حق ہوتا؟ پس ان بزرگوں کا انتہائی مصیبتیں اٹھا کر بھی انکار نہ کرنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک "عقائد" کے متعلق "اکراہ" ممکن ہی نہیں۔ اور یہ کہ ڈر کر عقائد کو تبدیل کرنا الخ

مَنْ اُکْرِہَ کی استثنا میں نہیں آتا۔

جواب ۳: تقیہ کے متعلق ایک نہایت ضروری سوال ہے۔ اور وہ یہ کہ "تقیہ کرنا اچھا ہے یا بُرا"؟

اگر کہو بُرا تو (۱) یہ عقائد شیعہ کے خلاف ہے (۲) حضرت علیؓ نے کیوں کیا (بقول شما) اگر کہو کہ اچھا۔ تو حضرت امام حسینؓ نے یزید کے بالمقابل کیوں نہ کیا؟

جواب ۴: اللہ تعالیٰ نے جو "اکراہ" اور "جبر" کے نتیجہ میں استثنا بیان فرمائی ہے۔ جس کی تفصیل جواب ۱ میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی مستحسن قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے بھی ایک قسم کا گناہ ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کے آگے ہی فرمایا ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ کہ پھر اس اکراہ کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جو بعض اعمال اور افعال کے متعلق "جبر" اور "اکراہ" کے ماتحت استثنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشش کے ماتحت رکھا ہے۔ پس صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ یہ "اکراہ" اور "جبر" کی حالت اعلےٰ درجہ کے مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ "عوام کے کمزور ایمان والوں کے متعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاءؑ اور خواص مقربین کی ملائکہ کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے۔ اس لیے کفار کو ان پر اس رنگ میں تصرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ جبراً از راہ "اکراہ" اعمال خلاف شریعت کا

ارتکاب کر سکیں۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ڈر کر بیعت کر لی۔ اور اپنے عقائد کے خلاف عقائد ظاہر کئے۔ اور نعوذ باللہ جھوٹے اور خائن اور غاصب خلفاء پر ایمان لے آئے انتہائی طور پر حضرت علی رض کی ہتک ہے۔

حقیقی ایمان نمبر ۔ اگر فی الواقعہ حضرت علی رض نے تقیہ کیا تھا۔ (بقول شما) تو بعد میں ان کو بطور احتجاج ہجرت کر کے خلفاء ثلاثہ کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے تھا۔ جنہوں نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور کیا تھا۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ حضرت علی رض نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس کے قائل تھے۔ خادم

قولہ۔ وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ الخ (پ ۲۴ ع ۹)

کہ آل فرعون میں سے ایک شخص حزقیل نامی نے تقیہ کیا۔ فرعون سے تو وہ ممدوح خدا ہو گیا حالانکہ یہ تقیہ توحید خدا میں تھا۔ اور شیعہ کا تقیہ ولایت اور خلافت علی میں تھا۔ تو اس سے بڑھ کر ممدوح خدا ہیں۔

اقول۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے قتل کی دھمکی دی حزقیل بول اٹھا اَتَقْتُلُونَ رَجُلاً الخ تو اس وقت کیا موسیٰ نے تقیہ کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کا خطرہ تھا۔ اب وقت بھی انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ اور اگر تقیہ کوئی اچھی بات ہوتی

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کو اختیار کر سکتے۔ اب رہا حزقیل
تو اس نے زیادہ سے زیادہ کتمِ ایمان کیا۔ نہ کہ تقیہ۔

اور کتمِ ایمان اور تقیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوسرے یہ
کہ یکتم ایمانہ کے یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ آدمی اس
دن سے پہلے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اور اس دن آخر اس نے
اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ تو اس نے اظہار ایمان کیا نہ کہ تقیہ۔ اور
یہ بھی اس کے معنے ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ایمان چھپا تھا۔ اسی وقت دربار
میں حضرت موسیٰ کی تقریر و معجزات کے اثر کے ماتحت اس کے سینے میں
ایمان کی چنگاری سلگ اٹھی۔ اور جس وقت فرعون نے موسیٰ کو قتل
کی دھمکی دی۔ وہ فوراً بول اٹھا۔ کہ یہ ظلم ہے۔ گویا اس نے اظہار
ایمان کر دیا۔

قولہ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور ابراہیم نے اصنام باطلہ کو الٰہ سے
تعبیر کیا۔ اور فرمایا فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِھَتِھِمْ (الصّٰفّٰت پ ۲۳ رکوع ۳) اور
ایسا کرنے سے الٰہ حق میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس طرح اگر امام حق نے مصلحتاً
شریعت خلیفۂ باطل کو خلیفہ یا امام کہا۔ تو نہ قائل کو کوئی ضرر ہے۔ اور نہ
خلیفۂ باطل کو کوئی شرف حاصل ہوا (قولِ فیصل صفحہ ۱۴۳)

اقول۔ الٰہتہم میں ھم سے مراد وہ کافر ہیں۔ جو ان کو معبود
سمجھتے تھے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کہ الٰہتہم میں تو مشرک ان
کو معبود مانتے تھے۔ اب اگر حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیرالمومنین کہتے

تھے۔ تو آپ حضرت ابوبکر کو برحق مانتے تھے۔ تو اس میں کوئی تقیہ نہیں۔ اگر کہو کہ آپ ان معنوں میں انہیں امیر المومنین کہتے تھے۔ کہ آپ ان لوگوں کے خلیفہ تھے۔ جو ان کی خلافت پر ایمان لائے تھے۔ تو اس صورت میں بھی آپ تقیہ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے۔ اور خلیفہ برحق نہ ماننے کی صورت میں تقیہ نہ رہا

(۱) اگر حضرت علی رضؓ کا خلافت ابوبکر رضؓ سے لے کر حضرت عثمان تک جو کہ پچیس سال کا عرصہ ہے۔ کافر خلفاء کی بیعت کرنا . . . . اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کو سچا خلیفہ ماننا بسبب تقیہ کے ہو سکتا ہے۔ تو اگر کوئی خارجی یہ کہے کہ حضرت علی رضؓ کا ۲۳ برس تک رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننا بھی تقیہ کے سبب سے ہے۔ تو جواب اس کا شیعہ دینگے۔ وہی جواب ہمارا بھی ہوگا۔ پس تقیہ ماننے کی صورت میں دلیل اسلام حضرت علی رضؓ کی اڑ جائے گی۔

(۲) یہ طبعی قاعدہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں کسی کا بغض ہو۔ لیکن ظاہر میں اس سے محبت کرے۔ اور تعظیم سے پیش آوے۔ تو آہستہ آہستہ وہ بغض دور ہو جائیگا۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اگر اس کے مطابق نیک عمل نہ کیا جائے۔ تو وہ آہستہ آہستہ دل سے مفقود ہو جاتا ہے۔ پس تقیہ اس سے ناجائز ہوا

کہ اسپر عمل کرنے کی صورت میں ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔

(۳) عقلاً کفر اور ایمان کے بارے میں چار گروہ ہو سکتے ہیں۔

(الف) دل میں اور ظاہر میں دونوں میں ایمان ہو۔

(ب) دل میں کفر اور ظاہر میں بھی کفر۔

(ج) دل میں کفر اور ظاہر میں ایمان۔

قرآن شریف نے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر چوتھا گروہ کہ "دل میں ایمان اور ظاہر میں کفر ہو" کا ذکر نہیں کیا۔ اسلئے کہ یہ گروہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں ہے جو دل میں چھپ سکے سوائے اس کے کہ وقتی طور پر ہو۔ وہ بھی کمزور ایمان والا کریگا۔ اور وہ مجرم ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (نحل ع ۱۴)

(۴) منافق اور کافر میں بلحاظ کفر کے کوئی فرق نہیں۔ مگر باوجود اسکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافقوں کو سب سے زیادہ سزا ملیگی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان لوگوں نے دلی عقیدہ کو چھپایا۔ پس جب کفر کے چھپانے پر سزا بڑھ جاتی ہے تو ایمان کے چھپانے پر بدرجہ اولیٰ بڑھ جانی چاہیئے۔

(۵) حضرت علی رضؓ نے مکہ کی زندگی میں دل میں اسلام رکھا۔ اور ظاہر میں بھی اسلام رکھا۔ اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو ظاہر میں بت پرستی کرتے۔ کیونکہ وہاں زیادہ خطرہ تھا۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جب مکہ میں کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچی۔ تو

انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے وہاں سے ہجرت کرلی۔ اگر مدینہ میں بھی کسی وقت ان کو ایمان کے بچانے کی ضرورت پڑتی تو وہ ضرور وہاں سے ہجرت کرتے۔ مگر انہوں نے خلافت حضرت عثمان رضؓ تک وہاں سے ہجرت نہ کی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ان کو وہاں ایمان بچانے کی ضرورت نہ پڑی۔ اگر کہو کہ انہوں نے کوفہ میں ہجرت کی تھی۔ تو وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں کی تھی۔ جب کہ ڈر نہیں رہا تھا۔

(۷) جبر کی صورت میں ایمان چھپانا جائز ہے یا فرض۔ اگر کہو جائز ہے۔ تو پھر وہ افضل ہے یا کہ اس کا غیر افضل ہے۔ اور اگر فرض ہے تو اسکی عدم تعمیل بقیناً گناہ کا موجب ہوگی۔ اور پھر اگر فرض ہے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟ پس معلوم ہوا۔ کہ تقیہ فرض نہیں۔ اور اگر جائز ہے تو وہ اولیٰ ہے یا اس کا غیر اولیٰ ہے۔ قرآن مجید تو اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہہ کر جبر کی وجہ سے تقیہ کرنے والوں کو گنہگار قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ کا غیر اولیٰ ہے۔ اور امام کو بھی سزاوار ہے کہ وہ اولیٰ پر عامل ہو۔

(۸) حضرت عمار بن یاسر کو اگر تقیہ کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے تو ان کے ماں باپ کو شیعہ کیا سمجھتے ہیں؟ یقیناً ان کو نیک اور شہید جانتے ہیں۔ پس ایک بات جو کسی کی غلطی ہو۔ اس کو ائمہ کے حق میں تجویز کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ائمہ کے حق میں اولیٰ بات تجویز کی جائے۔

(۹) جس طرح اسلام میں کمزوروں کی رعایت کے لئے ڈر کے مارے ایمان

چھپانے کو کفر نہیں قرار دیا ہے۔ اسی طرح کامل مومنوں اور نبیوں کے لئے شجاعت اور بے خوفی کو لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ۔ لَا یَخْشَوْنَ اِلَّا اللّٰہُ وَھُمْ مِنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ لَا یُخَافُوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہُ۔ لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (انبیاء رکوع ۲)

پس عجیب بات یہ ہے کہ جو بات کمزوروں کے لئے جائز ہے۔ وہ حضرت علی رضؓ میں پائی جائے۔ اور جو بات کامل مومنوں کے لئے لازم تھی۔ وہ آپؓ میں مفقود ہو۔

(۱۰) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ الخ (نور ع ۷) آیت استخلاف جس میں صرف خلفاء کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی ایک پہچان بتائی ہے کہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ یعنی ایام خلافت میں خوف کے معاملے بھی پیش آئیں گے۔ مگر وہ دور ہو جائیں گے۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ کہ ان کا دین پوشیدہ نہیں ہوگا۔ اور فرمایا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ یعنی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

پس اس میں خلفاء کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں :-

(الف) ان سے خوف کا دور رہنا۔

(ب) ان کا اپنے دین کو ظاہر کرنا۔

(ج) عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

اگر ہم حضرت علی رضؓ کو تقیہ باز سمجھیں۔ اور ان کو پہلا خلیفہ سمجھیں۔ تو ان تینوں میں سے کوئی علامت بھی حضرت علیؓ میں پوری نہیں ہوتی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں یہ تینوں پوری ہوئی ہیں۔ اگر تقیہ نہ ہو۔ تو پھر تینوں باتیں حضرت علی رضؓ میں پوری ہوئی ہیں۔

نوٹ:۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ صَدْرًا بِالْكُفْرِ فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ الخ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مُکرہ کو وہ سزا نہیں ملے گی جو کفر بعد الایمان اور کافر بالشرح صدر کو ملے گی۔ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ مُکرہ کلمہ کفر کہے۔ تو جائز ہے۔ اور گناہ نہیں۔ آیت تو کہہ رہی ہے کہ گناہ ہے۔ تبھی اس کا تدارک فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ الخ . . . اگر یہ گناہ ہی نہ ہوتا تو تدارک بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟ پس تقیہ جائز نہیں۔

مسئلۂ وراثت

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (نساء ع ۲)

استدلال شیعہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اسلامی قانون پیش کیا ہے کہ ہر شخص کی وارث اس کی اولاد ہے۔ چونکہ تمام احکام قرآنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں بھی آپؐ کوئی استثناء نہیں۔ بدیں وجہ حضرت ابوبکر رضؓ نے فاطمہ رضؓ کو وراثت سے محروم کرکے ان کی حق تلفی کی۔

جواب - بیشک یہ آیت عام ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوں۔ جیسا کہ وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ میں باوجودیکہ خطاب عام ہے۔ پھر بھی رسول کریم صلعم کی بیویاں اس سے مستثنےٰ ہیں۔ اسی طرح یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ والی آیت میں آنحضرت صلعم کا استثناء ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی والی آیت میں اس واسطے استثنا مانتے ہیں کہ اس استثنا کا خود قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر ہے جہاں فرمایا۔ وَلَا تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا۔ (احزاب) لیکن یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ والی آیت کا استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی عمومیت میں استثناء ضرور قرآن ہی کے ذریعہ ہو۔ بلکہ حدیث یا تعامل کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ لَا تَقُلْ لَّہُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا۔ (یعنی اپنے والدین کو اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو) کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام ہے۔ مگر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں اور یہ استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہے کیونکہ آپ کے والدین بچپن ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اسی طرح یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ والی آیت میں جو استثناء ہے۔ وہ آپکی اسی صحیح حدیث کی بنا پر ہے۔ جو بخاری اور مسلم بلکہ تمام صحاح میں موجود ہے۔ "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ" جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

حدیث القرطاس

شیعہ اور سنیوں کے درمیان ایک بحث قرطاس کے نام سے مشہور ہے اس کی بنا بخاری کی ایک حدیث پر ہے جو یہ ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷ باب مرض النبی صلعم ووفاتہ) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صلعم ھَلُمُّوْا اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ فَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْبَیْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ وَمِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ غَیْرَ ذٰلِکَ فَلَمَّا اَکْثَرُوا اللَّغْطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ النَّبِیِّ التَّنَازُعُ ۔

ترجمہ :- ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرتؐ کی وفات قریب ہوئی آپؐ کے گھر میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ آؤ کہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ بعض لوگوں نے کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیماری کا سخت غلبہ ہے۔ اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اللہ کی کتاب ہے۔ اور ہمیں کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ کوئی کہتا تھا۔ قلم دوات۔ کاغذ لاؤ۔ تاکہ آپؐ وہ

بات لکھوا دیں۔ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اور بعض اس کے خلاف کہتے تھے۔ پس جب شور و شغب زیادہ ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ نبی کے پاس باہم جھگڑنا نہیں چاہیئے۔

(۱) اس کے متعلق ایک بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ روایت صرف ابن عباسؓ کی ہے جو عمر کے لحاظ سے صرف گیارہ برس کے تھے۔ اور بالغ نہیں تھے۔ اس لیئے بہت امکان ہے کہ واقعات میں اس قدر انضباط نہ ہو جتنا کہ ایک عاقل بالغ کی روایت میں ہو سکتا ہے۔

(۲) دُوسری بات یہ کہ مخاطب حکم رسولؐ کا کوئی خاص شخص نہیں ہے اس واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت عمرؓ قلم دوات نہ لانے کے ایک جیسے مجرم ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو وہ گروہ جو قلم دوات لانے کا حامی تھا۔ وہ بلاشک مجرم ہیں کہ باوجود یہ سمجھنے کے کہ حضرتؐ حقیقتاً حکم دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے قلم دوات لاکر تعمیل نہ کی۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ :۔ قُومُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ النَّبِیِّ التَّنَازُعُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم دوات نہ لانا آنحضرتؐ کے نزدیک کوئی بُری بات نہیں۔ بلکہ آپؐ کو یہ بات بُری لگی کہ یہ لوگ آپس میں میرے سامنے جھگڑتے ہیں۔

(۴) اگر رسول مقبولؐ واقعہ میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے۔ تو کیوں نہیں آپؐ نے باوجود چار دن زندہ رہنے کے لکھوائی۔ اگر لکھوانے کا موقع نہیں ملا اور وہ بات نہایت ضروری تھی تو کم از کم زبانی طور پر آپؐ لوگوں کو وہ

بات بتا دیتے۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔

یعنی کوئی ایک پیغام نہ پہنچانا بھی رسالت کے منافی ہے۔ پس اگر وہ قرطاس والی حدیث الہٰی منشاء کے ماتحت تھی۔ اور حضرتؐ اس کو پہلے نہیں پہنچا چکے تھے۔ تو اب آپکا فرض تھا کہ آپؐ باوجود حضرت عمرؓ کے روکنے کے لکھوا دیتے۔ یا کم ازکم زبانی یہ پیغام پہنچا دیتے۔ اگر کہو کہ حضرت عمرؓ کا ڈر تھا۔ تو قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی پیغام الہٰی کے پہنچانے میں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

(۶) قرطاس میں ایسی بات حضرتؐ نے لکھوانی تھی جس سے مسلمان گمراہی سے بچیں۔ تو اگر کسی جگہ قرآن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا کہ اس قرطاس میں حضرتؐ نے قرآن کریم ہی کیطرف لوگوں کو متوجہ کرنا تھا۔ تبھی حضرت عمرؓ نے کہا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔ اور قرآن میں ہے کہ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔ کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔

(۷) آنحضرتؐ اپنی وفات سے دو۲ ماہ پیشتر حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے خم غدیر کے مقام پر تمام مسلمانوں کو جمع کرکے فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ۔

یعنی میں تم میں وفات پاکر دو۲ چیزیں چھوڑ جاؤنگا۔ ایک قرآن مجید اور

دُوسرے اپنے حقیقی منبع (خلفاء) اس سے معلوم ہُوا کہ رسول مقبول اپنی وفات کے بعد اگر کسی تحریر کے پکڑنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ کتاب اللہ ہے۔

(۸) یہ عجیب بات ہے کہ کلام اللہ جو تیئیس سال تک نازل ہوتا رہا ہے جس میں اختتام پر یہ کہدیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ اس سے تو گمراہی کا سدِّ باب نہ ہُوا۔ مگر آپؐ کی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کیلئے بند ہو جاتی۔

(۹) ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ رسُول مقبولؐ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنانے لگے تھے مگر اس میں لَنْ تَضِلُّوْا کی نفی غلط ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ سُنّی لوگ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ اوّل نہیں سمجھتے۔ مگر شیعہ سمجھتے ہیں۔ باوجود اِس کے خود شیعوں کے آپس میں بیسیوں فرقے ہیں۔ مثلاً آغا خانی۔ بوہرے۔ زیدی۔ علی اللاھی نصیری اسمٰعیلی وغیرہ۔

(۱۰) اگر حضرت عمر رضؓ کا قلم دوات نہ لانا اس لئے کفر و فسق ہے کہ آپ نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ تو حضرت علی رضؓ نے علاوہ اس حکم کی عدم تعمیل کے حدیبیہ کے موقع پر بھی ایک حکم کی قولاً و فعلاً عدم تعمیل کی ہے۔ جہاں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز آپؐ کا نام نہیں مٹاؤنگا۔ باوجودیکہ رسُول اللہ نے حکم دیا تھا کہ "اُمْحُ اِسْمِیْ"۔ مگر حضرت علی رضؓ نے کہا۔ وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ اَبَدًا اَحَتّٰی مَحَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کہ خدا کی قسم میں آپؐ کا نام کبھی نہیں مٹاؤنگا۔ یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اسے مٹا دیا۔

تردیدِ متعہ

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو عرب میں
آٹھ دس قسم کے نکاح رائج تھے۔ جن میں سے ایک متعہ یعنی میعادی نکاح
بھی تھا۔ جس طرح باوجود اپنے نقائص کے شراب ایک مُدّت تک
حرام نہیں ہوئی۔ اسی طرح متعہ بھی جنگ خیبر تک حرام نہیں ہُوا حضرت
علی کرم اللہ وجہٗ کی روایت بخاری میں پائی جاتی ہے کہ رسول کریم
صلعم نے اعلان کیا کہ متعہ حرام کر دیا گیا ہے۔ پھر جنگ اوطاس پر
جو فتح مکّہ کے دنوں میں ہوئی تھی۔ رسُول مقبول صلعم نے متعہ کی اجازت
تین دن کیلئے دی تھی۔ اسکے بعد ابد تک کے لئے حرام ہو گیا۔ اِس لئے
پہلی حرمت کے قبل کے واقعات یا تین دن کے واقعات حجت نہیں ہو سکتے
ورنہ شراب پینا بھی اس دلیل سے جائز ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے
کہ ابن عباس رضٰ یا ابن مسعود رضٰ یا بعض اور اصحاب اخیر تک حلت متعہ
کے قائل تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ رضٰ کے دو گروہ ہیں۔ ایک
حرمت کا قائل اور ایک حلت کا قائل۔ چونکہ حرمت کا قائل گروہ بغیر حضرتؐ
سے حرمت کے سننے کے ایک حلت کو حرمت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور
حلت کا قائل گروہ حرمت کے فتویٰ کے نہ پہنچنے کی وجہ سے حلت کا
اظہار کر سکتا ہے۔ اس لئے حرمت کے گروہ کو حلت کے گروہ پر ترجیح
دیجاویگی۔ اور وہ احادیث جن میں لکھا ہے کہ حضرتؐ کے عہد میں متعہ

تھا۔ مگر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کر دیا۔ وہاں متعۃ الحج مُراد ہے۔ نہ کہ متعۃ النساء۔

اور حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ مُتْعَتَانِ کَانَتَا عَلیٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم فَاَنَا اُحَرِّمُهُمَا۔ یہاں پر حرام سے مُراد اعلان اور اظہار حرمت ہے۔ جیسا کہ حدیث اَنَا اُحَرِّمُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ میں ہے۔ یعنی متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو جو حضرتؐ کے زمانے میں ایک وقت تک ہوتے تھے مگر بعد میں وہ حرام ہو گئے۔ اور کئی لوگوں کو اس کی حرمت معلوم نہ ہوئی۔ اس لئے میں لوگوں پر ان دونوں کی حرمت ظاہر کرتا ہوں۔ اور وہ احادیث جن میں جنگ اوطاس کے تین دن کے متعہ کا ذکر ہے۔ شیعوں کی کتب میں اس کے پہلے ٹکڑے دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ پوری حدیثیں یوں ہیں۔ کہ تین دن کے بعد متعہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ فَهُوَ الْحَرَامُ اِلیٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ اور یہ کہنا کہ اہل بیعت کا اتفاق ہے کہ متعہ حلال ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ بارہ اماموں میں سے پہلے امام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے کہ متعہ حرام ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے متعہ کو حرام کر دیا۔ ملاحظہ ہو:-

اِنِّیْ كُنْتُ اَحْلَلْتُ لَكُمُ الْمُتْعَةَ وَاِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهَا حَرَامٌ اِلیٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۱۳ سطر ۳)

کہ "آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیئے متعہ حلال کیا تھا۔ مگر جبرائیل ؑ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اطلاع دی کہ متعہ قیامت تک حرام ہے۔"

(نوٹ:۔ دیلمی کے صفحہ اور سطر کا حوالہ "فردوس الاخبار" کے اس نسخہ کیمطابق ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ خادمؔ

پس حضرت عمرؓ پر کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فتویٰ اور حکم کے مطابق کیا۔ اور یہ کہنا کہ اگر متعہ کا رواج ہو جاوے تو زنا مفقود ہو جاویگا۔ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ اگر شریعت نہ اتاری جاتی تو کوئی شخص گنہگار نہ ہوتا۔

اب ہم قرآن مجید سے پہلے وہ مقام دیکھتے ہیں جہاں سے شیعہ لوگ متعہ نکالتے ہیں۔ اور وہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کے الفاظ ہیں۔ لیکن اگر اس آیت کے ماقبل اور مابعد میں تدبر کیا جاوے تو یہ آیت متعہ کی تائید میں نہیں۔ بلکہ متعہ کے برخلاف ہے۔ اِس رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الخ۔ یعنی ماؤں اور ان تمام عورتوں سے ہمبستر ہونا جن کا ماؤں کے بعد ذکر ہے حرام ہے۔ یعنی ان سے مجامعت حرام ہے۔ آگے فرمایا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ یعنی ان عورتوں کے سوا باقی تمام عورتوں سے مجامعت کرنا جائز ہے

مگر مجامعت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ پہلے وہ پوری کرو۔ پھر مجامعت کرو۔ یعنی (۱) اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ۔ یعنی مہر مقرر کرو۔ (۲) مُحْصِنِیْنَ۔ اس عورت کو قید میں لانے والے ہوں۔ یعنی ایسا معاہدہ کریں کہ عورت پھر مرد سے چھوٹ نہ سکے۔ (۳) غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ الخ۔ یعنی غرض اس معاہدہ کی شہوت فرو کرنا نہ ہو۔ اب ان تین شرطوں کے بعد جب مرد ہمبستر ہو جاوے۔ تو وہ جو پہلی شرط ہے یعنی مال مقرر کرنا۔ اب اس کی پوری ادائیگی ضرور ہوگی۔ اسلئے فرمایا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ الخ۔ یعنی چونکہ تم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ اسلئے ان کے مہر ادا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عورت سے ہمبستر ہونے کے لئے تین شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ چونکہ متعہ میں دوسری شرط یعنی عورت کا قید ہو جانا مفقود ہے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ متعہ کے ذریعہ ہمبستر ہونا حرام ہے آگے وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الخ اس کے بعد فرمایا ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ یعنی لونڈی کو بیوی بنانا زنا سے بچنے کے لئے ہم نے جائز قرار دیا۔ ورنہ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے مشکلات کا حل متعہ نہیں ہے۔ بلکہ لونڈیوں کو بیوی بنانا ہے۔ اب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا میعادی نکاح عقلاً قابلِ عملدرآمد ہے یا کہ نہیں۔ غور کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) جو وفاداری خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد کی طبیعت میں پیدا

کی ہے۔ وہ اس فعل سے مفقود ہو جائے گی۔

(۲) شریعت کہتی ہے کہ اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ یعنی گو طلاق اپنے موقعہ پر جائز ہے۔ مگر یہ سخت تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ شریعت مرد و عورت کے تعلق کے بعد جدائیگی کو ناپسند کرتی ہے۔ حالانکہ متعہ میں پہلے ہی سے جدائیگی کی شرط کر لی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ متعہ عقلاً جائز نہیں ہے۔

(۳) تیسرا نقص یہ ہے کہ قرآن کریم نے عدت کی صرف دو صورتیں کی ہیں مطلقہ کی اور متوفی عنہا زوجہا کی تیسری کوئی عدت اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ متعہ والی جدائیگی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہوئی۔ تو یہی متعہ کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) متعہ میں اختلاط نسل کا ڈر ہے۔

(۵) ایک شخص ایک عورت سے سفر میں تین دن کے لئے متعہ کرتا ہے۔ اور تین دن کے بعد اپنے ملک میں واپس چلا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں اولاد کے ضائع ہونے کا ڈر ہے

(۶) جو دلیل نیوگ کے خلاف پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ فطرت صحیحہ کے مطابق ہوتا تو اس کا اعلان ہوتا۔ کیونکہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں نکاح کے نتیجہ میں ہوں۔ یہی دلیل بعینہٖ متعہ کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ اس ملک میں لاکھوں شیعہ ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں متعہ کے نتیجہ میں ہوں۔ اور

نہ یہ کبھی کسی سے سُنا ہے۔ کہ مَیں اپنی لڑکی کا متعہ کرانا چاہتا ہوں۔ پس معلوم ہُوا کہ متعہ فطرت صحیحہ کے خلاف ہے۔

(۷) آنحضرت صلعم نے گیارہ نکاح کئے۔ دوست اور دشمن آپکی بیویوں کے نام جانتے ہیں۔ مگر کوئی عورت ایسی نہیں۔ جس سے آپؐ نے متعہ کیا ہو۔ باوجودیکہ آپکو تعدادِ ازدواج کی دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ضرورت تھی۔ پس آپؐ کا متعہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ متعہ مستحسن امر نہیں۔

(۸) تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے متعدد نکاح کئے ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں کہ آپنے کوئی متعہ کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو عورت کا نام متعہ اور مہر وغیرہ پوری کیفیت کے ساتھ بیان کیجئے؟

(۹) ہمارے نزدیک ائمہ اثنیٰ عشرہ میں سے کسی نے متعہ نہیں کیا اور ہم کسی مشتبہ مبہم یا عمومی روایت کے قائل نہیں۔ ہم اُسوقت ائمہ کے متعہ کو تسلیم کرینگے جبکہ شیعہ بالیقین کسی امام یا امام کی اولاد کو متعہ کی اولاد قرار دینگے۔

(۱۰) جو ماحصل زنا کا ہے۔ اور جو نقائص زنا میں ہیں۔ وہی متعہ کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ شیعہ جو نقص زنا میں نکالینگے۔ اگر غور کیا جائے تو وہی نقص متعہ میں بھی پایا جاویگا۔ پس بحث مباحثہ میں شیعوں سے نقائص زنا پُوچھنے چاہئیں۔ پھر جب چھان بین کی جاوے تو لازماً وہی نقائص متعہ میں بھی ثابت ہونگے۔

(۱۱) ممتوعہ کی کوئی عدت شریعت میں نہیں۔ لہذا اختلاط النسل کا خطرہ ہے۔ عدت خاوند کے طلاق دینے یا مرجانے کیوجہ سے ہوتی ہے۔ مگر متعہ میں نہ خاوند مرتا ہے اور نہ وہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اسلئے اسکی کوئی شرعی عدت نہیں۔ اور جب عدت نہیں۔ تو معلوم ہُوا کہ متعہ جائز نکاحوں میں سے کوئی نکاح نہیں۔

قاتلین حضرت امام حسین رضؓ کون تھے؟

اہلِ کوفہ پکّے شیعہ تھے۔

۱۔ "وبالجملہ تشیع اہلِ کوفہ حاجت باقامتِ دلیل ندارد۔ وسُنّی بودن کوفی الاصل خلافِ اصل محتاج بدلیل است۔" (مجالس المومنین مجلس اول ص۲۵ مطبوعہ ایران)

یعنی اہلِ کوفہ کا شیعہ ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔ اور ایک ثابت شدہ حقیقت ہے ہاں کسی کوفی الاصل کو سُنّی قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

۲۔ مجالس المومنین میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے:۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ مَکَّۃُ وَاَلَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ الْمَدِیْنَۃُ وَاَلَا اِنَّ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَمًا وَھُوَ الْکُوْفَۃُ۔ (مجالس المومنین مجلس اول ص۳۶)

۳۔ کوفہ وہ زمین ہے جس نے حضرت علی رضؓ کی محبت ابتدائے آفرینش سے قبول کی تھی۔ (جلاء العیون ب۳ فصل ۲ ص۲۲۷)

۴۔ اہلِ کوفہ سلیمان بن خرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ تو ان کو مخاطب کرکے سلیمان بن خرد نے کہا:۔ "اَنْتُمْ شِیْعَتُہٗ وَشِیْعَۃُ اَبِیْہِ" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص۱۳)

کہ اے اہلِ کوفہ تم امام حسین رضؓ اور ان کے باپ حضرت علی رضؓ کے شیعہ ہو۔

اہلِ کوفہ کا خط حضرت امام حسین رضؓ کے نام

جب حضرت امام حسین رضؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ تو پہلے مکہ کی طرف

ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (جلاء العیون مترجم اردو مطبوعہ لکھنؤ ص۴۲۶)۔

مگر شیعان اہل کوفہ کی طرف سے مندرجہ ذیل عریضہ حضرت امام کو پہنچا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدیوں اور مخلصوں کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی ابی طالب ہے۔

اما بعد:۔ بہت جلد آپ اپنے دوستوں۔ ہوا خواہوں کے پاس تشریف لائیے کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں۔ اور بغیر آپ کے دوسرے شخص کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں ہے۔ البتہ بہ تعجیل تمام ہم مشتاقوں کے پاس تشریف لے آئیے" (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۳۱)۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت کے بارہ ہزار خطوط امام حسینؓ کو ملے تھے۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۳۱)

حضرت امام حسینؓ کا جواب

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علیؓ کا مومنوں۔ مسلمانوں۔ شیعوں کی طرف ہے۔ اما بعد بہت سے قاصدوں اور خطوط بیشمار کے جو تم نے مجھے لکھے۔ ہانی و سعید بھی ایک خط تمہارا لائے۔ میں تمہارے سب خطوط کے مضامین سے مطلع ہوا۔ واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر پسرِ عم و محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو کچھ تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے۔ بمشورہ عقلاء و دانایانِ اشراف و بزرگانِ قوم لکھا ہے۔ اسوقت میں انشاء اللہ بہت جلد تمہارے پاس چلا آؤنگا" (جلاء العیون ص۴۳۱ و ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص۱۳۱)۔

امام مسلم کا کوفہ پہنچنا

امام مسلم کی اہلِ کوفہ میں سے اسّی ہزار آدمیوں نے

بیعت کی۔ (بروایت ابو مخنف۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص ۱۳۲)

"بروایت ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد"

امام مسلم کی شہادت اور وصیّت

شیعانِ اہلِ کوفہ نے امام مسلم کے ساتھ کس طرح غداری کر کے ان کو اور ان کے دونوں بچوں کو شہید کیا۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام مسلم نے بوقت شہادت عمر بن سعد کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل وصیّت کی:۔

"میری وصیّت اوّل یہ ہے کہ اس شہر میں سات سو درہم کا قرضدار ہوں۔ لازم ہے کہ میری شمشیر و زرہ فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا دوسری وصیّت یہ ہے کہ جب مجھے قتل کریں۔ ابن زیاد سے اجازت لے کر مجھے دفن کر دینا۔ تیسری وصیّت یہ ہے کہ امام حسین کو اس مضمون کا خط لکھیں کہ کوفیوں نے مجھ سے بیوفائی کی۔ اور آپ کے پسرِ عم کی نصرت و یاوری نہ کی۔ ان کے وعدوں پر اعتماد نہیں ہے۔ آپ اس طرف نہ آئیں" (جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۳)

ناسخ التواریخ میں ہے:۔

"وَالثَّالِثَةُ اَنْ تَكْتُبُوا اِلَىٰ سَيِّدِ الْحُسَيْنِ اَنْ يَّرْجِعَ عَنْكُمْ فَقَدْ بَلَغَنِيْ اِنَّهٗ خَرَجَ بِنِسَائِهٖ وَاَوْلَادِهٖ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ لَكَ اِرْجِعْ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ بِاَهْلِ بَيْتِكَ فَلَا يَغُرَّنَّكَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ اَبِيْكَ الَّذِيْ تَمَنّٰى فِرَاقَهُمْ بِالْمَوْتِ" (جلد ۶ کتاب دوم ص ۱۳۲)

کہ میری تیسری وصیت یہ ہے کہ تم میرے آقا حضرت امام حسین رضؓ کو لکھنا کہ وہ ہمارے پاس نہ آئیں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ مع عورتوں اور بچوں کے تشریف لا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی وہی مصیبت پہنچے۔ جو مجھے پہنچی ہے۔ پھر انہیں لکھنا کہ مسلم کہتا ہے کہ اے امام حسینؓ (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں) اپنے اہل بیعت سمیت واپس لوٹ جائیے اور اہل کوفہ کے وعدے آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ وہ آپکے والد (حضرت علیؓ) کے وہی صحابی ہیں۔ جن سے جدائی کے لئے آپ کے باپ نے موت کی خواہش کی تھی۔

امام حسینؓ کی روانگی جانب کوفہ لیکن حضرت امام حسینؓ کوفہ کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اُن کو امام مسلم کی شہادت کی خبر مقام ثعلبیہ پر پہنچی۔ منزل زبالہ پر اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی آپکو ملی۔ اسپر آپنے اپنے تمام اصحاب کو جمع کرکے فرمایا۔ "خبر پہنچی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کو شہید کیا گیا ہے۔ اور ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے جسے منظور ہو۔ مجھ سے جدا ہو جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ پس ایک گروہ جو بطمع مال و غنیمت و راحت و عزت دنیا حضرت کے رفیق ہوئے تھے۔ ان اخبار کے استماع سے متفرق ہو گئے۔ اور اہل بیعت و خویشان آنحضرت اور ایک جماعت کہ از روئے ایمان و یقین رفیق حضرت تھے۔ باقی رہ گئے"۔ (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۵۲)

خلاصۃ المصائب میں ہے :-

"بَلَغَنِیْ خَبَرُ قَتْلِ مُسْلِم وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یقطر وَ قَدْ خَذَلَنَا شِیْعَتُنَا۔" (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور روایت ہفتم ص ۵۶)

کہ مجھے مسلم اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر پہنچی ہے۔ اور ہم کو ہمارے شیعوں نے ہی ذلیل و بیکس کیا ہے۔

نوٹ :- اس عبارت میں "قَدْ خَذَلَنَا شِیْعَتُنَا" کے الفاظ خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ ہماری ان تمام مصیبتوں کا موجب ہمارے شیعوں کے سوا اور کوئی نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کا خط اہلِ کوفہ کے نام

امام مسلم بن عقیل اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی اطلاع ملنے سے قبل حضرت امام حسین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل خط اہلِ کوفہ کو لکھا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسینؓ ابن علیؓ کی طرف سے برادران مومن مسلم کو ہے۔ تم پر سلام الٰہی ہو۔ اما بعد بدرستیکہ خط مسلم بن عقیل کا میرے پاس پہنچا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ اپنا احسان مجھ پر تمام کرے اور تم کو تمہارے حسنِ نیت و کردار پر بہترین جزائے ابرار عطا فرمائے۔ بدرستیکہ میں آٹھویں ماہ ذی الحجہ روز سہ شنبہ کو مکہ سے باہر آیا۔ اور تمہاری جانب آتا ہوں۔ جب میرا قاصد

تم تک پہنچے۔ تم پر لازم ہے کہ کمر متابعت مضبوط باندھو۔ اور اسباب کارزار آمادہ رکھو۔ اور میری نصرت کے لئے مہیا رہو کہ میں اب بہت جلد آپ تک پہنچتا ہوں۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ" (جلاء العیون ص ۴۴۹)

نوٹ :۔ اس خط سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :۔

۱۔ بقول شیعیان امام حسینؓ کی روانگی بجانب کوفہ لڑائی اور کارزار کے لئے تھی نہ کہ پرامن رہنے کی نیت سے۔

۲۔ امام حسینؓ علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا۔ نہ انہیں امام مسلم بن عقیل کی شہادت کا علم ہو سکا۔ اور نہ اہل کوفہ کی غداری کا علم ان کو ہوا۔ حالانکہ اس خط کی تحریر سے قبل امام مسلم بن عقیل انہی کوفیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔

نزول کربلا اور اس کے بعد جب حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں اترے تو ابن زیاد نے (جو یزید کی فوج کا سپہ سالار تھا) مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امام حسینؓ کو لکھا :۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ کربلا میں اترے۔ یزید بن معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کو مہلت نہ دوں یا آپ کی بیعت لوں۔ اور اگر انکار کیجئے تو یزید کے پاس بھیجدوں" (جلاء العیون ص ۴۵۶)

نوٹ :۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو یزید کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کی ہدایت یا اجازت نہ تھی۔ اس خط کو امام حسین علیہ السلام نے پھاڑ دیا۔ بعد ازاں جب قرۃ

بن قیس کوئی آپ سے ملنے کے لئے آیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

"تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بیشمار مجھے لکھے۔ اور بہت مبالغہ اور اصرار کر کے بلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے تو مجھے واپس جانے دو" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۷۵)

فرشتے لیٹ ہو گئے

حضرت امام حسینؓ کی تکلیف اور بے بسی کو دیکھ کر ملائکہ نے خدا تعالیٰ سے بصد اصرار عرض کیا کہ حضرت امام حسینؓ کی مدد کرنے کی اجازت دیجائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اجازت دی لیکن جب فرشتے زمین پر جا پہنچے۔ اُس وقت حضرت امام حسینؓ شہید ہو چکے تھے" (جلاء العیون باب پنجم فصل ۱۵ صفحہ ۴۹۸ و صفحہ ۵۴۰)

ع
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پانی کا معجزہ

ذاکرین عام طور پر کربلا میں پانی کا بند کیا جانا کئی دن تک امام حسینؓ اور ان کے مصاحبین کی تشنگی اور اس کے ساتھ بلبلیوں متعلقہ روایات بیان کر کے عوام کو رلایا کرتے ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل روایت ان سب روایات کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جلاء العیون صفحہ ۴۵۹ پر ہے کہ امام حسینؓ نے ایک بیلچہ اپنے ہاتھ میں لیا اور پشتِ خیمہ حرم محترم سے سمتِ قبلہ ۹ قدم کے فاصلہ پر جا کر بیلچہ کو زمین پر مارا کہ بہ اعجاز آنحضرت چشمۂ آبِ شیریں ظاہر ہوا۔ اور امام حسینؓ نے معہ اصحاب وہ پانی نوش کیا اور

مشکیں وغیرہ بھر لیں۔ پس وہ چشمہ غائب ہوگیا۔ اور پھر اس کا اثر بھی کسی نے نہ دیکھا۔" (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۵۹)

پس ایسے اعجازی بیلچے کی موجودگی میں حضرت امامؓ کی تشنگی کی روایات گھڑ گھڑ کر بیان کرنا مضحکہ خیز ہے۔

کیا یزید حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنا چاہتا تھا؟ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل روایات اہل شیعہ سے نفی میں ملتا ہے:۔

(۱) جلاء العیون ص ۴۵۶ کی روایت جو "نزول کربلا اور اس کے بعد" کے عنوان کے نیچے اوپر درج ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۳۰۹)

(۲) ناسخ التواریخ صفحہ ۲۶۹ پر درج ہے کہ یزید کو تین شخصوں نے باری باری حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی۔ اور ان تینوں کو یزید نے زجر و توبیخ اور تنبیہ کی۔ وہ اشخاص زجر بن قیس۔ محضر بن ثعلبہ اور شمر ذی الجوشن تھے۔

زجر بن قیس نے جب قتل حسینؓ کی اطلاع دی تو لکھا ہے:۔

"یزید لختے سر فرو داشت و سخن نہ کرد۔ و بس سر بر آورد و گفت قَدْ كُنْتُ اَرْضٰى مِنْ طَاعَتِكُمْ بِدُوْنِ قَتْلِ الْحُسَيْنِ۔ اَمَا لَوْ كُنْتُ صَاحِبَهٗ لَعَفَوْتُ عَنْهُ۔ اگر من حاضر بودم حسین معفو مے داشتم۔"

یعنی یزید دم بخود ہونے کے باعث سکتہ میں چلا گیا۔ اور بعد ازاں سر اٹھا کر کہنے لگا کہ میں اس بات پر زیادہ راضی تھا کہ تم میرے حکم کی اطاعت کرتے اور امام حسینؓ کو قتل نہ کرتے۔ اور میں وہاں موجود ہوتا۔ تو انہیں چھوڑ دیتا۔

اسی طرح محضر بن ثعلبہ نے اطلاع دیتے ہوئے اہل بیت امام حسینؑ کی شان میں کچھ گستاخی کی تو یزید نے کہا :-

مَا وَلَدَتْ اُمُّ مُحْضِرٍ اَشَدَّ وَاَلْاَمَ وَلٰكِنْ قَبَّحَ اللّٰهُ اِبْنَ مَرْجَانَةَ۔ یعنی محضر کی ماں نے ایسا سخت ترین اور کمینہ بچہ نہ جنا ہوگا لیکن خدا ابن زیاد کا بھلا نہ کرے۔

اسی طرح شمر ذی الجوشن دربار یزید میں آیا۔ اور طالب انعام ہوا تو یزید نے اُسے بھی ناکام و نامُراد پھرایا۔ اور کہا۔ خدا تیری رکاب کو آگ اور ایندھن سے بھردے۔ (ناسخ التواریخ ص ۲۶۹)

پہلا ماتم کرنے اور کرانیوالا یزید تھا

(۱) جب بعد از واقعۂ کربلا ممبران اہل بیت امام حسینؑ دمشق میں یزید کے ہاں لائے گئے تو اس نے حکم دیا کہ انکو فوراً حرم سرائے (زنان خانہ) میں لے جاؤ۔ یزید کے اپنے متعلق لکھا ہے:-

"كَانَ بِيَدِهٖ مِنْدِيْلٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ دُمُوْعَهٗ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَحُوْلَنَّ اِلٰى هِنْدَ بِنْتَ عَامِرٍ فَاِذَا دَخَلْنَ عِنْدَهَا فَسَمِعَ عَنْ دَاخِلِ الْقَصْرِ بُكَاءً وَ نِدَاءً وَ عَوِيْلًا"۔ (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۲)

یعنی یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے وہ اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا یزید نے کہا کہ حرم محترم کو ہند بنت عامر کے ہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ جب وہ اندر داخل ہوئیں تو رونے اور چلانے کی صدا بلند ہوئی۔

(۲) جب مخدرات اہل بیت عصمت و طہارت اس ملعون (یزید) کے گھر

میں داخل ہوئے تو عورات ابوسفیان (خاندان یزید۔ ناقل) نے اپنے زیور اتار ڈالے۔ اور لباس ماتم پہن کے آواز بہ نوحہ و گریہ بلند کی۔ اور تین روز ماتم رہا۔" (جلاء العیون صفحہ ۵۲۶)

(۳) ہند بنت عامر جو یزید کی بیوی تھی کے متعلق لکھا ہے:۔

" اُس نے پردہ کا مطلق خیال نہ کیا۔ اور گھر سے نکل کر مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ مجمع عام تھا آکے کہا۔ اے یزید! تُو نے سر مبارک امام حسین پسر فاطمہ زہرہ کا میرے گھر کے دروازہ پر آویزاں کیا ہے۔ یزید نے دوڑ کر کپڑا اس کے سر پر ڈال دیا۔ اور کہا کہ گھر میں چلی جا اور فرزند رسولِ خدا بزرگ قریش پر نوحہ و زاری کر کہ ابن زیاد نے ان کے بارے میں جلدی کی۔"

"میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا" پس اہلِ بیت رسولِ خدا کو اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دی۔ اور ہر صبح و شام امام زین العابدین کو دسترخوان پر بلاتا تھا۔" (جلاء العیون صفحہ ۵۲۷ و ناسخ التواریخ صفحہ ۲۷ و مہیج الاحزان صفحہ ۳۲۶)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حوالہ میں جو یہ ذکر آتا ہے کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کا کاسئہ سر اپنے محل کے دروازہ پر آویزاں کر دیا تھا۔ یہ اہلِ شیعہ کی دُوسری روایات کے پیشِ نظر محض غلط اور مبالغہ آمیزی ہے۔ کیونکہ دُوسری روایت میں ہے کہ امام حسین رضؓ کا سر مبارک کوفہ کے راستہ میں شام تک جانے سے پہلے ہی بذریعہ ایک مخلص و خیرخواہ کے نجف اشرف میں پہنچ گیا تھا۔ دمشق میں تو پہنچا ہی نہیں۔

(فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ مطبع نولکشور باب موضع راس الحسین)

اس فروع کافی والی روایت کو صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کتاب کامل الزیارہ امام جعفر صادق سے تسلیم کیا ہے (ناسخ التواریخ صفحہ ۳۸۹)

(۴) "حضرت سکینہ دختر حضرت امام حسین رض نے ایک خواب دیکھا جو کہ یزید کے آگے بیان فرمایا۔ یزید نے جب یہ خواب سنا۔ تو اپنے منہ پر طمانچے مار کر گریہ کیا اور کہا۔ مجھے قتل حسین رض سے کیا مطلب تھا؟" (جلاء العیون صفحہ ۵۲۸)

(۵) "آں ملعون طمانچہ بر روئے نحس خود زد وگفت مرا چہ کار با قتل حسین رض بود" (مہیج الاحزان صفحہ ۲۲۵)

کہ اس ملعون (یزید) نے اپنے منحوس چہرہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مجھے قتل حسین رض سے کیا تعلق یا واسطہ تھا؟۔

(۶) یزید نے اہل بیت رسالت کو طلب کر کے انکو نہایت عزت و حرمت سے شام میں رہنے یا مدینہ منورہ کی طرف چلے جانے پر اختیار دیا۔ اور انہوں نے ماتم برپا کرنے کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی۔ اور ملک شام میں جس قدر قریش و بنی ہاشم تھے۔ وہ ماتم و گریہ زاری میں شریک ہوئے اور سات روز تک آنحضرت پر نوحہ و زاری کی۔ روز ہشتم یزید نے ان کو طلب کیا اور عذر خواہی کر کے شام میں رہنے کی ان کو تکلیف دی۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا۔ تو محملہائے مزین ان کے واسطے آراستہ کئے۔ اور خرچ کے لئے مال حاضر کیا۔ اور ان سے کہا۔ یہ اس ظلم کا عوض ہے۔ جو تم پر ہوا۔ (جلاء العیون صفحہ ۵۲۱ و مہیج الاحزان صفحہ ۳۲۵)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے خود امام حسینؓ کے ماتم کی اجازت دی۔ اور ملک شام میں جو ماتم ہوا وہ خود یزید کی اجازت سے ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ امام حسینؓ کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ اس کو یزید ظلم سمجھتا تھا۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ یزید باوجود اس کو "ظلم" قرار دینے اور سمجھنے کے خود اسے روا رکھتا تھا؟۔

(۷) "یزید نے امام زین العابدین کو طلب کیا اور بخیال رفع تشنیع کہا خدا ابن مرجانہ "ابن زیاد" پر لعنت کرے۔ اگر میں اسکی جگہ ہوتا تو امام حسین رضؓ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کرتے۔ میں اُن کو دیتا۔ اور انکے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں اور جو حاجت ہو مجھ سے طلب فرمائیں کہ میں بجالاؤنگا۔ (جلاء العیون ص۳۲)

ایک سوال خلاصۃ المصائب وغیرہ کتب کی روایات کی بنا پر یزید کا امام حسین رضؓ کے قتل پر آنسو بہانا ثابت ہے۔ مگر جلاء العیون ج فصل ۵ صفحہ ۲۷۳ پر درج ہے کہ جو امام حسین رضؓ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے بقدر پرِ مگس آنسو نکلے۔ ثواب اس کا خدا پر ہے۔ اور خدا اُس کے لئے کسی ثواب پر راضی نہیں ہے۔ بغیر بہشت عطاء کرنے کے"! فرمائیں بریں صورت یزید کے انجام کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟۔

خود شیعہ ہی قاتلین امام حسینؓ ہیں ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ ابن زیاد سپہ سالار لشکر یزید جس نے امام حسین رضؓ کو شہید کیا۔ اسّی ہزار کوفیوں پر مشتمل تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

"داني مخنف لشکر ابن زیاد را ہشتاد ہزار سوار نگاشتہ وگوید
ہمگاں کوفی بودند و حجازی و شامی با ایشاں نہ بود"
(ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب دوم ص ۱۰۴)

اور ابو مخنف نے ابن زیاد کے لشکر کو اسی ہزار بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ
وہ سب کے سب کوفی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا نہ شامی۔

(۲) "فَتَكَمَّلَ الْعَسْكَرُ ثَمَانُوْنَ اَلْفًا فَارِسٍ مِنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ
لَيْسَ شَامِيٌّ وَلَا حِجَازِيٌّ" (مرقع کربلا مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ ص ۲۰)
کہ ابن زیاد کا لشکر سب کا سب ۸۰۰۰۰ کوفی سواروں پر مشتمل
تھا۔ ان میں نہ کوئی شامی تھا نہ حجازی۔

اب دیکھئے اسی ابو مخنف کی دوسری روایت جس میں وہ کہتا ہے کہ امام مسلم
بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اسی ہزار کوفی تھے۔

"بروایت ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد"
(ناسخ التواریخ صفحہ ۱۲۳)

(۳) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ کربلا میں جب وقت ظہر ہوا تو حضرت
امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور اپنے اور ابن
زیاد کے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر ابن زیاد کے لشکر کو مخاطب کر کے
فرمایا۔ "ایھا الناس" میں تمہاری طرف نہیں آیا۔ مگر جبکہ تمہارے
خطوط متواتر اور تمہارے قاصد پے در پے میرے پاس پہنچے۔ تم نے
لکھا ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ کہ ہمارا امام پیشوا کوئی

نہیں ہے۔ شاید خدا ہم کو اور آپ کو حق و ہدایت پر متفق کرے۔ اگر تم اپنے عہد و گفتار پر برقرار ہو تو مجھ سے پیمان تازہ کر کے میرا دل مطمئن کرو۔ اور اگر اپنے گفتار سے پھر گئے۔ اور عہد و پیمان کو شکستہ کر دیا ہے اور میرے آنے سے بیزار ہو۔ تو میں اپنے وطن کو واپس جاتا ہوں۔"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۴ صفحہ ۴۵۳)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رض کے نزدیک بھی آپ کے قاتلین وہی تھے جنہوں نے کوفہ سے آپ کو بیشمار خطوط بھیجکر اور بیعت مسلم کر کے بُلایا تھا۔

(۴) ناسخ التواریخ میں ہے کہ امام حسین رض نے لشکر یزید کے قاصد قُرّۃ بن قیس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بلیشمار مجھے لکھے۔ بہت مبالغہ اور اصرار کر کے بُلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے۔ تو مجھے واپس جانے دو۔" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۷۵)

(۵) جب حضرت امام حسین رض دشتِ کربلا میں خیمہ زن تھے۔ ایک عراقی مکہ کو جا رہا تھا۔ دیکھا کہ خیمہ کے باہر کرسی پر بیٹھ کر خطوط کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب السّی نے وجہ بیکسی و بیوطنی کی دریافت کی۔ تو امام نے فرمایا:۔

"بنی امیہ مرا بیم قتل دادند و مردم کوفہ مرا دعوت کردند۔ اینک مکاتیب ایشاں است۔ وحالانکہ کشندۂ من ایشانمند۔"

(ناسخ التواریخ صفحہ ۱۵۹)

کہ بنو امیہ نے مجھے قتل کی دھمکی دی۔ اور کوفہ والوں نے مجھے بُلایا۔

یہ سب خطوط اُنہی کے ہیں۔ اور حالانکہ میرے قاتل یہی لوگ ہیں۔"

نوٹ:۔ اس روایت میں تو خود حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قتل اور واقعات کربلا کی تمام ذمہ داری یزید سے ہٹا کر اہلِ کوفہ پر رکھی ہے۔

(۶) ناسخ التواریخ میں بحوالہ کتاب نور العین مرقوم ہے۔ حضرت سکینہؓ دختر حضرت امام حسینؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے خیمہ میں تھی ناگاہ رونے کی آواز سنائی دی۔ میں چپکے سے اپنے پدر بزرگوار کے پاس چلی گئی۔ وہ رو رہے تھے۔ اور اپنے اصحاب سے فرماتے تھے:۔

"اے جماعت! جس وقت تم میرے ساتھ باہر نکلے۔ تم نے ایسا جانا کہ میں ایسی قوم میں جاتا ہوں جس نے دل وزبان سے میری بیعت کرلی ہے۔ اب وہ خیال دگرگوں ہوگیا ہے۔ شیطان نے ان کو فریفتہ کرلیا۔ یہاں تک کہ خدا کو بھول گئے۔ ان کی ہمت اب اس پر لگی ہے کہ مجھ کو قتل کریں۔ اور میرے مجاہدین کو قتل کریں۔" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۶۶)

حضرت زینبؓ و دیگر اہل بیت امام کی تقریریں بعد از واقعہ کربلا

جب خاندان حضرت امام حسینؓ کے بقیہ ہمراہان کو دمشق کی طرف لے جایا جارہا تھا تو جب یہ قافلہ کوفہ کے پاس سے گذرا تو کوفہ کے بہت سے لوگ دیکھنے کیلئے آئے اور ہمراہان اہل بیت امام حسینؓ کو دیکھکر رونے اور ماتم کرنے لگے۔ اسپر حضرت زینبؓ ہمشیرہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

"اما بعد! اے اہل کوفہ! اے اہل عذر و مکر و حیلہ۔ تم ہم پر گریہ کرتے ہو۔ اور خود تم نے ہم کو قتل کیا۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا

رونا موقوف نہیں ہوا۔ اور تمہارے ستم سے ہمارا فریاد و نالہ ساکن نہیں ہوا۔ اور تمہاری مثال اس عورت کی ہے۔ جو اپنے رسّے کو مضبوط بٹتی ہے اور پھر کھول ڈالتی ہے۔ . . . . تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو۔ حالانکہ خود تم نے ہی ہم کو قتل کیا ہے۔ سچ ہے واللہ! لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ ہو۔ تم نے عیب و عارِ ابدی خود خرید کیا اس عار کا دھبّہ کسی پانی سے تمہارے جامے سے زائل نہ ہوگا۔ جگر گوشہ خاتم پیغمبراں و سیّد جوانانِ بہشت کے قتل کرنے کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو؟ اے اہلِ کوفہ! تم پر وائے ہو! تم نے کن جگر گوشہ ہائے رسُول کو قتل کیا۔ اور کن پردگیانِ اہلِ بیتِ رسول کو بے پردہ کیا کس قدر فرزندانِ رسول کی تم نے خونریزی کی۔ انکی حرمت کو ضائع کیا۔ تم نے ایسے بُرے کام کئے جن کی تاریکیوں سے زمین و آسمان گھر گیا۔" (جلاء العیون باب ۵ فصل ۵، صفحہ ۵۰۳ و نیز ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوئم صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ ایران)

(۲)۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ بنت حضرت امام حسین رضؓ نے بھی اہلِ کوفہ کو لعن طعن کی۔ تو لکھا ہے:۔

"در و دیوار سے صدائے نوحہ بلند ہوئی۔ اور سامعین نے کہا اے دخترِ پاکان و معصومان! بس کرو کہ ہمارے دِلوں کو تم نے جلا دیا اور ہمارے سینہ میں آتشِ حسرت روشن کر دی۔ اور ہمارے دلوں کو کباب کر دیا۔"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۵)

(۳) اس کے بعد حضرت اُمّ کلثوم خواہر امام حسینؑ نے ہودج میں سے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :-

"اے اہلِ کوفہ! تمہارا حال بد ہو۔ اور تمہارے مُنہ سیاہ ہوں۔ تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسینؑ کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی۔ اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب اُن کا لوٹ لیا۔ اور ان کی پردگیانِ عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر۔ اور لعنت ہو تم پر۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا ہے اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار لگایا۔ اور کیسے خون ہائے محترم کو بہایا۔ اور دخترانِ رسُول مکرم کو نالاں کیا۔ بعد اسکے مرثیہ سیّد الشہداء میں چند شعر انشاء فرمائے جن کے سننے سے اہلِ کوفہ نے خروش واویلا واحسرتا بلند کیا۔ انکی عورتوں نے بال اپنے پریشان کئے۔ خاکِ حسرت اپنے سَر پر ڈال کے اپنے مُنہ پر طمانچے مارتی تھیں اور واویلا واثبورا کہتی تھیں۔ اور ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا۔" (جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ ص ۵۰۶ و ناسخ التواریخ ص ۲۴۶)۔

(۴) اِمام زین العابدین کی تقریر

پھر امام زین العابدین نے اہلِ کوفہ سے خطاب کیا۔ اور فرمایا :-

"میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھے اور ان کو فریب دیا۔ اور ان سے عہد و پیمان کیا اور ان سے بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی۔ اور دشمن کو ان پر مسلط کیا۔ پس لعنت ہو تم پر۔ تم نے اپنے پاؤں سے جہنّم کی راہ اختیار کی۔ اور راہِ بد اپنے واسطے

پسند کی۔ اب کن آنکھوں سے حضرت رسول صلعم کی طرف دیکھو گے جس روز وہ تم سے فرمائینگے۔ کہ تم نے میری عزت کو قتل کیا۔ اور میری ہتک کی ہے کیا تم میری اُمت میں سے نہ تھے؟" پس دوبارہ صدائے گریہ بلند ہوئی۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہتا تھا "ہم لوگ ہلاک ہوئے"
جب صدائے فغاں کم ہوئی۔ حضرت نے فرمایا:۔ "خدا اُسپر رحمت کرے۔ جو میری نصیحت قبول کرے" سب نے فریاد کی۔ یا ابن رسول اللہ! ہم نے آپکا کلام سُنا۔ ہم آپ کی اطاعت کرینگے۔ جو آپ سے جنگ کرے۔ ہم اُس سے جنگ کرینگے۔ اور جو آپ سے صلح کرے اُس سے صلح کرینگے۔ اگر آپ کہیئے۔ آپکے ستمگاروں سے آپکا طلب خون کریں" حضرت نے فرمایا:۔ "ہیہات! ہیہات!! اے غدارو! اے مکارو!! اب پھر دوبارہ میں تمہارے فریب میں نہ آؤنگا۔ اور تمہارے جھوٹ کو باور نہ کرونگا۔ تم چاہتے ہو۔ کہ مجھ سے بھی وہ سلوک کرو جو میرے بزرگوں سے کیا ہے؟ بحق خداوند آسمان ہائے دوار! میں تمہارے قول و قرار پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور کیونکر تمہارے دروغ بے فروغ کو باور کروں۔ حالانکہ ہمارے زخمہائے دل ہنوز تازہ ہیں میرے پدر اور ان کے اہل بیت کل کے روز تمہارے مکر سے قتل ہوئے! اور ہنوز مصیبت حضرت رسول و پدر و برادر و عزیز و اقربا میں نہیں بھولا۔ اور اب تک ان مصیبتوں کی تلخی میری زبان پر ہے۔ اور میرے سینے میں ان محنتوں کی آگ بھڑک رہی ہے" (جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۷)

(۵) ایک دوسری روایت میں ہے کہ:۔

"فَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ بِصَوْتٍ ضَعِیْفٍ اَتَنُوْحُوْنَ وَ تَبْکُوْنَ لِاَجْلِنَا فَمَنْ قَتَلَنَا؟ سید سجاد بآواز ضعیف فرمود۔ ہاں۔ اے مردم بر ماگریند و بر ما نوحہ مے کنند۔ پس کشندۂ ما کیست؟ ما را کہ کشت و کہ اسیر کرد؟" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم صـ ۲۴۳)۔

کہ امام زین العابدینؓ نے کمزور آواز سے کہا۔ تم ہم پر نوحہ و ماتم کرتے اور روتے ہو۔ تو پھر ہم کو قتل کس نے کیا ہے؟

(۶) حضرت اُم کلثوم نے اہلِ کوفہ کی عورتوں کے رونے پر محمل پر سے کہا:۔

"اے اہلِ کوفہ! تمہارے مَردوں نے ہم کو قتل کیا۔ اور اب تمہاری عورتیں روتی ہیں؟ خداوند عالم بروز قیامت ہمارا تمہارا حاکم ہے"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صـ ۵۰۷ و ناسخ التواریخ کتاب دوم صـ ۲۴۸)

نوٹ:۔ ان سب تقاریر سے تین باتیں ثابت ہیں۔ اوّلؔ۔ قاتلین امام حسینؓ شیعہ تھے۔ اور حضرت امام حسینؓ کے مبایعین تھے۔ جیسا کہ حضرت امام زین العابدین کی تقریر میں "بیعت" کا لفظ بھی موجود ہے۔ دوّمؔ۔ سب سے پہلے عالمگیر ماتم کرنے والے (یزید کے بعد) خود اہل کوفہ قاتلین امام حسینؓ ہی تھے جیسا کہ الفاظ "ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا" سے ظاہر ہے۔ سوّمؔ۔ موجودہ ماتم محض حضرت زینبؓ کی بددعا کا نتیجہ ہے:۔ "واللہ لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو۔ اور مت خندہ ہو" سچ ہے۔ ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپیگا کشتوں کا قتل کیونکر؟

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا!

چار سوال چکڑالویوں سے!

قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی ہے

اہل قرآن حضرات ہم سے قرآن مجید میں مندرجہ وحی الٰہی کے علاوہ کسی اور وحی کے ہونے کا ثبوت طلب کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام وحی الٰہی جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ وہ صرف قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے متعلق ہم ان سے مندرجہ ذیل چار سوالات کرتے ہیں:-

(۱) وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ (انفال ع۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ الٰہی جو مسلمانوں سے ہوا۔ قرآن پاک میں کہیں درج ہے؟ اگر درج ہے تو کہاں؟ اور اگر درج نہیں۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ ایسی وحی الٰہی بھی ہے۔ جو قرآن کریم میں درج نہیں۔

(۲) مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی اے مسلمانوں تم نے جو کھجور کے تنے کاٹے۔ یا ان کو اپنی جڑوں پر قائم کھڑا رہنے دیا۔ یہ خدا کے ہی حکم سے تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کھجور کے تنوں کو کاٹنے یا چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا ذکر فَبِاِذْنِ اللّٰہِ میں ہے۔ کیا وہ قرآن میں درج ہے؟ اگر درج ہے تو کہاں؟ اگر درج نہیں تو ثابت ہوا کہ ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں درج نہیں۔

(۳) وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ

بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (تحریم ع)

یعنی جب رسول کریم صلعم نے کوئی بھید اپنی بیوی کو بتایا۔ تو اس نے راز فاش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بھید کا فاش ہونا بتا دیا۔ تو آپ نے بیوی سے پوچھا۔ کچھ بات تو بتا دی۔ اور کچھ چھپائی۔ اس بیوی نے پوچھا۔ کہ آپ کو کس نے بتایا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے رسول کریم صلعم کو واقعہ کی خبر دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اظہار الٰہی کیا قرآن میں ہے؟ اگر ہے تو کہاں؟ اگر نہیں۔ تو کیا یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ایسی وحی بھی ہے۔ جو رسول کریم صلعم پر نازل ہوئی۔ مگر قرآن میں درج نہیں؟

(۳) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۔ (نساء ع ۹) یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے خدا نے نازل کیا (قرآن) اور رسول کی طرف تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے (رسول سے) رکتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو چیزیں منوانا چاہتا ہے (۱) مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآن۔ (۲) الرَّسُوْلِ یعنی رسول صلعم۔ مگر فرمایا۔ کہ منافق قرآن تو مان لیتے ہیں۔ مگر رسول سے بھاگتے ہیں۔ اب حل طلب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ منافق ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہی جو احادیث کے منکر ہوں۔ اور صرف قرآن کے ماننے کے مدعی ہیں۔ خادم۔

وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

از رُوئے قرآن کریم

پہلی دلیل:۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ (سورہ مائدہ آخری رکوع)۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ! کیا تُو نے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی؟ آپ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میں نے تعلیم تو کیا دینی تھی۔

میری زندگی میں اور میرے سامنے یہ عقیدہ ظاہر نہیں ہوا۔ میں انکا نگران تھا۔ مَا دُمْتُ فِيهِمْ۔ جب تک ان میں تھا۔ پھر جب تُو نے میری توفّی کرلی۔ تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اور تُو ہر چیز کا محافظ ہے۔

استدلال ملا:۔ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو زمانے بتائے ہیں۔ پہلا اپنی قوم میں حاضری کا (مَا دُمْتُ فِيهِمْ) اور دُوسرا غیر حاضری کا (كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) اور ان دونوں زمانوں کے درمیان حدِ فاصل "تَوَفَّيْتَنِي" ہے۔ گویا ان کی اپنی قوم سے غیر حاضری سے پہلے "وفات" ہے کیونکہ غیر حاضری کی وجہ "تَوَفَّيْتَنِي" ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں حاضر ہیں یا غیر حاضر؟ چونکہ غیر حاضر ہیں۔ لہذا

ان کی توفّی ہو چکی ہے۔

استدلال ۱۲:۔ اس آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام اقرار فرماتے ہیں۔ کہ تثلیث پرستی کا عقیدہ میری زندگی میں نہیں پھیلا بلکہ میری توفّی کے بعد پھیلا ہے۔ اور اس زمانہ میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی ایک کھلی حقیقت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ" (مائدہ ع ۱۰) "لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ" (　　) کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ اور ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے + پس صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفّی ہو چکی ہے۔ یعنی وہ فوت ہو چکے ہیں ٭

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے چشمہ معرفت ص۲۵۴ پر لکھا ہے:۔

"انجیل پر ابھی تیس برس پورے نہیں گذرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۲۹)

جواب:۔ اس حوالہ میں "انجیل" کا ذکر ہے مسیح کی "ہجرت" کا ذکر نہیں۔ اور "انجیل" اس وحی کے مجموعہ کا نام ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ان کی وفات تک نازل ہوتی رہی۔ جس طرح قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب زمانہ تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ "اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ ...... عِیْسٰی" (نساء ع ۲۳)۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے

آپ پر اُسی طرح وحی نازل کی ہے۔ جس طرح نوح اور عیسیٰ علیہما السلام اور دیگر انبیاءؑ پر۔ پس چشمہ معرفت کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر (جو ۱۲۰ برس کی عمر میں ہوئی) کے تیس برس کے قریب گذرنے پر عیسائی بگڑ گئے۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں مسیحؑ کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔

توفّی کے معنے

حضرت امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

"قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُمِيتُكَ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي آخری رکوع) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "تَوَفِّي" کے معنے موت کے ہیں۔ لہٰذا بخاری اور حضرت ابن عباسؓ کے فیصلے کے بعد کسی دوسرے شخص کی بات قابل قبول نہیں۔ اس حالت میں کہ جب قرآن مجید و احادیث ولغت و تفاسیر کے مندرجہ ذیل حوالجات ان کی تائید میں ہوں۔ (تفسیر ابن عباسؓ کے متعلق نوٹ آگے ملاحظہ فرمائیں ص۳۳۰)

لفظ توفی باب تفعل کا مصدر ہے۔ سو قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ اس کا فاعل ہوں یا صیغہ مجہول ہو۔ اور نائب فاعل اس کا انسان ہو۔ تو سوائے قبض رُوح کے اور کوئی معنے نہیں۔ اور وہ قبض رُوح بذریعہ موت ہے سوائے

اس مقام کے کہ جہاں لیل یا منام کا قرینہ موجود ہو۔ وہاں قبض روح کو نیند ہی قرار دیا گیا ہے۔ بہر حال قبض جسم کسی جگہ بھی مراد نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ جگہ کے ۲۳ جگہ لفظ توفی کا مشتق استعمال ہوا ہے۔

(۱) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (بقرہ رکوع ۳۰ و ۳۱ دو مرتبہ) (۳) تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران رکوع ۲۰)۔ (۴) حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ (نساء رکوع ۳)۔ (۵) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (نساء رکوع ۱۴)۔ (۶) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (انعام رکوع ۸)۔ (۷) يَتَوَفَّوْنَهُمْ (اعراف رکوع ۴)۔ (۸) تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (اعراف رکوع ۱۴)۔ (۹) اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (رعد رکوع ۶) (۱۰) نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس رکوع ۵)۔ (۱۱) تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا (یوسف رکوع ۱۱)۔ (۱۲) تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ دو مرتبہ (نحل رکوع ۴)۔ (۱۳) ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ (نحل ع ۹)۔ (۱۴) مَنْ يُّتَوَفّٰى (حج ع ۱)۔ (۱۵) قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ (سجدہ ع ۱)۔ (۱۶) يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر ع ۵)۔ (۱۷) وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى (مومن ع ۷) (۱۸) نَتَوَفَّيَنَّكَ (مومن رکوع ۸)۔ (۱۹) فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (محمد رکوع ۳)۔ (۲۰) يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ (انفال ع ۷)۔ (۲۱) يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (انعام ع ۷)۔ (۲۲) وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ (یونس آخر ع)

کتب احادیث سے اسکی مثالیں

بخاری میں ایک باب ہی ہے "باب توفی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی

توفّی کے وہی معنے ہیں جو میری توفی کے ہیں۔ فرمایا:" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اِنَّہٗ یُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُ بِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُصَیْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ فَیُقَالُ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ۔"

(بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ ص ۷۹ وجلد ۲ ص ۱۵۹ باب بدء الخلق)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ دوزخ کیطرف لیجائے جائینگے تو میں کہونگا۔ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملیگا۔ تو نہیں جانتا کہ تیرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ اسوقت میں وہی کہونگا جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیسےٰؑ نے کہا تھا کہ میں ان کا اسی وقت تک نگران تھا۔ جبتک ان میں تھا اور جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

نتیجہ:۔ اس حدیث سے صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفّی کی صورت وہی ہے جو آنحضرت صلعم کی توفی کی ہے۔ ورنہ آپؐ کا یہ فرمانا فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ درست نہیں رہتا۔

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ وہی لفظ توفیتنی جو مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اپنے لئے استعمال فرمایا ہے۔ پس تعجب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جب لفظ توفی آئے تو اس کے معنے "موت" لیئے جائیں۔ مگر جب وہی لفظ حضرت مسیح کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنے

آسمان پر اُٹھا نا لئے جائیں۔

ایک لطیفہ

اِس کے جواب میں مؤلف محمدیہ پاکٹ بک لکھتا ہے:۔

"ایک ہی لفظ جب دو مختلف اشخاص پر بولا جائے۔ تو حسب حیثیت و شخصیت اس کے جدا جدا معنے ہو سکتے ہیں۔ دیکھیئے حضرت مسیح اپنے حق میں نفس کا لفظ بولتے ہیں اور خدائے پاک بھی۔۔۔ اب کیا خدا کا نفس اور مسیح کا نفس ایک جیسا ہے۔"

جواب:۔ گویا آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حضرت مسیح علیہ السلام کے بالمقابل ویسی ہی ہے جیسی حضرت مسیح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل! اور گویا آپ کے نزدیک آنحضرت ؐ کی "حیثیت" اور "شخصیت" مسیح کی حیثیت اور شخصیت سے مختلف نوعیت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک بھی در پردہ الوہیت مسیح کا قائل ہے۔ ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیحؑ کی حیثیت نبوت اور بشریت کے لحاظ سے بلحاظ نوع ہرگز مختلف نہیں۔ اور نہ خدا کی مثال پر حضرت مسیح علیہ السلام کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ پس غیر احمدی کا جواب محض نفس کا دھوکہ اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ تو درست ہے کہ انسان کا قیاس خدا پر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی کا قیاس نبی پر۔ اور انسان کا قیاس انسان پر تو کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے:۔

"مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" کہ اے محمد رسول اللہ! کہدے کہ

میں بھی پہلے انبیاء کی طرح ایک نبی ہوں۔ نیز "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"۔ پس جو معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی کے ہیں بعینہٖ وہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کے بھی لینے پڑینگے۔
پھر بخاری میں ہے۔ "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ"۔
کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنی موت کئے ہیں۔
(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ زیر آیت فلما توفیتنی)

تفسیر ابن عباسؓ

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی مولوی "تفسیر ابن عباس" کے حوالہ سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ تو حیات مسیح کے قائل تھے، اور وہ آیت يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ الخ میں تقدیم تاخیر کے قائل تھے۔ تو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے حضرت ابن عباس کا جو مذہب پیش کیا ہے۔ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری میں درج ہے۔ جس کی صحت اور اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ مختلف اقوال جو دوسری تفاسیر یا "تفسیر ابن عباس" کے نام سے مشہور کتاب میں درج ہیں وہ قابل استناد نہیں کیونکہ ان تمام تفاسیر کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وہ جعلی اور جھوٹی تفسیریں ہیں جو حضرت ابن عباس کیطرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔
(۱) وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيْرِ الَّتِيْ لَا يُوْثَقُ بِهَا تَفْسِيْرُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِنَّهٗ مَرْوِيٌّ مِنْ طَرِيْقِ الْكَذَّابِيْنَ (فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ

مصنفہ علامہ شوکانی صفحہ ۱۱۱ و مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۲ھ مٹ۱۰۴)
یعنی نا قابل اعتبار اور غیر معتبر تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن عباس رضؓ
بھی ہے۔ کیونکہ وہ کذاب راویوں سے مروی ہے۔

(۲) حضرت امام سیوطی فرماتے ہیں۔ هٰذَا التَّفَاسِيْرُ الطِّوَالُ الَّتِيْ
اَسْنَدُوْهَا اِلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ مَرْضِيَّةٍ وَرُوَاتُهَا مَجَاهِيْلُ۔
(تفسیر اتقان جلد ۲ صہ ۱۸۸) - یہ لمبی لمبی تفسیریں جنکو مفسرین نے ابن عباس کی
طرف منسوب کیا ہے ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی غیر معتبر ہیں (خادم)

توفی کے معنے عرف عام میں!:- قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ
اگر عرف کو بھی دیکھا جائے تو بھی متوفی کے معنے میت کے ہی ہوتے
ہیں۔ مثال کے طور پر پٹواری کے رجسٹر اور دیگر دفاتر کو دیکھ لو۔
اور جنازہ کی دعا میں وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ
اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے تو اس کو اسلام پر ہی وفات دے۔

توفی کے معنے لغت سے۔ صراح میں لفظ توفی کے نیچے ہے تَوَفَّاهُ
اللّٰهُ اے قَبَضَ رُوْحَهٗ پھر لکھا ہے۔ تُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ
اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاتُ۔ پایا اس کو موت نے (اساس البلاغۃ جلد ۲ صہ ۳۲۱)
اَلْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صہ ۲۰۳)۔
تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ (تاج العروس جلد ۱۰ صہ ۳۹۴)
اَلْوَفَاةُ الْمَنِيَّةُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ
اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ وَفِي الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ (لسان العرب

جلد ۲۰ صہ ۲۸) - جب اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کرے - اور صحاح جوہری میں بجائے نفس کے رُوح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تَوَفَّی اللّٰہُ فَلَانًا اے قَبَضَ رُوْحَہٗ (صحاح جوزی) متوفی - وفات یافتہ مرا ہوا - انتقال کردہ شدہ - جہان سے گذرا ہوا (فرہنگ آصفیہ جلد ۴ صہ ۲۸۲)

بعض تراجم میں توفی کے معنے بھر لینے کے لکھے ہیں اور اس کا مطلب بھی موت دینا ہے - (فرہنگ آصفیہ) -

توفی کا مادہ - کلیات ابو البقاء صہ ۱۲۹ پر لکھا ہے - اَلتَّوَفِّیُ الْاِمَاتَۃُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْہِ اِسْتِعْمَالُ الْعَامَّۃِ ... وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاۃِ تُوُفِّیَ عَلٰی مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا یَتَوَفّٰی نَفْسَہٗ فَالْمُتَوَفِّیْ ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَوْ اَحَدٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ زَیْدٌ ھُوَ الْمُتَوَفّٰی۔

یعنی توفی کے معنے مارنے اور قبض رُوح کرنے کے ہیں - اور عام لوگوں کا استعمال اسی معنی پہ ہے - اور اشتقاق اس کا وفات سے ہے - توفی مجہول استعمال کیا جاتا ہے - کیونکہ انسان خود اپنی جان کو قبض نہیں کرتا - کیونکہ مارنے والا اللہ تعالےٰ ہے یا کوئی اس کا فرشتہ ہے اور انسان وہ ہے - جس کو موت دی جاتی ہے -

توفّی کے معنے احادیث سے

(۱) قَالَ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ مِنْ ذٰلِکَ مَا شَاءَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰہُ رِیْحًا طَیِّبَۃً فَیَتَوَفّٰی کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ

حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ فَیَبْقٰی مَنْ لَاخَیْرَ فِیْهِ فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی دِیْنِ اٰبَائِهِمْ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۳۸۴ و ص ۳۸۶)۔

(۲) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبِسُ الْمُعَصْفَرَةَ مِنَ الثِّیَابِ. الخ۔ (مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ جلد ۶ ص ۳۰۲)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَکٰی وَ بَکٰی اَصْحَابُهٗ حِیْنَ تُوُفِّیَ سَعْدُ ابْنُ مُعَاذٍ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔ (رواہ ابن جریر کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)۔

(۴) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اشْتَکٰی نَفَثَ عَلٰی نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَ مَسَحَ عَنْهُ بِیَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَکٰی وَجَعَهُ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ طَفِقْتُ اَنْفُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الخ۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۳۹)۔

(۵) اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَاَیْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حُجْرَتِیْ فَقَصَصْتُ رُؤْیَایَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ دُفِنَ فِیْ بَیْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَکْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَ هُوَ خَیْرُهَا (موطا امام مالک جلد ا صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر)

(۶) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَالَّذِیْ تُوُفِّیَ نَفْسَهٗ تَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّیَ حَتّٰی کَانَتْ اَکْثَرُ صَلَا

قَاعِدًا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ اِلخ (مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۳۰۴)۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ اَيُّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلخ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۱۸)

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ رَفِيْهِ بِطَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ مَالِيْ اَرٰىكَ قَدْ شَعِثْتَ وَ اغْبَرَرْتَ مُنْذُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلخ (مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۸)

(۹) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِاَبِيْ بَكْرٍ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اِلخ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۳)

توفی کے لئے انعامی اشتہار

چونکہ متنازعہ فیہ جگہ میں توفّی باب تفعل سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فاعل ہو۔ اور ذی رُوح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مفعول ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی صورت میں توفی کے معنے سوائے قبض رُوح کے دکھانے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام مقرر فرمایا ہے۔ مگر آجتک کوئی مردِ میدان نہیں بنا۔ جو انعام حاصل کرتا۔ اور نہ ہی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعض غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں کہ تم نے توفّی کے متعلق یہ قاعدہ کہاں

سے لیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل اور کوئی ذی رُوح مفعول ہو۔ تو اسکے معنے قبض رُوح یا موت کے ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ کوئی من گھڑت قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ کتب لغت میں مذکور ہے جیساکہ قاموس تاج العروس اور لسان العرب میں ہے۔

(۱) تَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ذی رُوح کو توفّی کی۔ یعنی اس کی رُوح قبض کر لی۔ اس حوالہ میں لفظ "توفّی" باب تفعل سے ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور "ہٗ" کی ضمیر بھی جو ذی رُوح کیطرف پھرتی ہے موجود ہے۔ اس کے معنے قبض رُوح صاف طور پر لکھے ہیں۔

اسی طرح تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴ اور لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۰ کے حوالے اُوپر درج ہو چکے ہیں۔

(۲) "تَوَفَّی اللّٰهُ فُلَانًا اے قَبَضَ رُوْحَهٗ" اللہ نے فلاں شخص کی توفّی کی۔ یعنی اس کی رُوح کو قبض کیا۔ (صحاح جوزی)۔

(۳) استقراء کے طور پر یہ قاعدہ ہے۔ اِس کے خلاف ایک مثال ہی بموجب شرائط پیش کرو۔ جو یقیناً ناممکن ہے۔ خادم

غیر احمدیوں کے عذر کا جواب

محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۴ پر ہو "توفّی" کے معنی تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے "اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا" اور "تَوَفَّیْتُ مِنْهُ دَرَاهِمِیْ" مذکور ہیں۔ ان ہر دو مثالوں میں "توفّی" کا مفعول ذی رُوح نہیں بلکہ پہلی مثال میں "شیءٌ" اور دُوسری میں

دَرَاهِمْ" غیر ذی رُوح مفعول ہے۔ مگر "یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" اور "فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ" میں مفعول حضرت عیسٰیؑ ذی رُوح ہیں۔

براہین احمدیہ کے حوالہ کا جواب

اسی طرح محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۰ پر جو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۹ حاشیہ کے حوالہ سے جو ترجمہ آیت "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" کا بدیں الفاظ درج کیا گیا ہے کہ "میں تجھ کو پوری نعمت دُونگا۔" وہ حجت نہیں۔ کیونکہ اسی براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۹ پر "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" کا ترجمہ "وفات دُونگا۔" بھی درج ہے جو درست ہے۔ "نعمت دُونگا۔" والا ترجمہ لائقِ استناد نہیں۔ کیونکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ترجمہ مستند نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

(الف) "یاد رہے کہ براہین احمدیہ میں کلمات الٰہیہ کا ترجمہ ہے۔ وہ بباعث قبل از وقت ہونے کے کسی جگہ مجمل ہے اور کسی جگہ معقولی رنگ کے لحاظ سے کوئی لفظ حقیقت سے پھیر اگیا ہے۔ یعنی صرف حسن الظاہر کیا گیا ہے۔ . . . . پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ کسی ایسی تاویل کی پرواہ نہ کریں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

(ب) "میں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفی کے معنی ایک جگہ پُورا دینے کئے ہیں۔ جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے الہامی غلطی نہیں۔ میں بشر ہوں۔ اور بشریت کے عوارض مثلاً جیسا کہ سہو اور نسیان اور غلطی یہ تمام انسانوں کی طرح مجھ میں بھی ہیں۔ گو میں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالیٰ قائم نہیں رکھتا۔ مگر یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتا۔

خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ سہو و نسیان لازمۂ بشریت ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۴۱)

(ج) حضرت مسیح موعود ؑ نے جو کچھ ایام الصلح کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ یہی بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِيْبُ۔"

(نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص ۳۹۲)

"کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی وحی سے کہوں تو وہ درست ہوتی ہے۔ (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں) لیکن جو بات میں اس وحی الٰہی کے ترجمہ اور تشریح کے طور پر اپنی طرف سے کہوں۔ تو یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں میں اپنے خیال میں غلطی بھی کر سکتا ہوں (تفصیل کیلئے دیکھو پاکٹ بک ہذا الہامات پر اعتراضات کا جواب صفحہ ۶۶۷)

اسی طرح بخاری میں بھی ہے:۔

"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ۔" (بخاری جلد ا ص ۵۳)

کہ میں بھی انسان ہوں۔ تمہاری طرح مجھ سے بھی نسیان ہو جاتا ہے۔

توفّی کے معنے تفاسیر سے۔ تفسیر خازن جلد ا ص ۲۸۵ پر ہے:۔

(ا) "اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّيْ حَقِيْقَةُ الْمَوْتِ۔" یعنی توفّی سے مراد موت کی حقیقت ہے

(۲) تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۴۸۹ پر لکھا ہے۔ "مُتَوَفِّيْكَ کے معنی ہیں مُتَمِّمُ

عُمْرَكَ فَحِيْنَئِذٍ اَتَوَفَّاكَ فَلَا اَتْرُكُهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكَ۔

(۳) تفسیر در منثور جلد ۲ صـ۳۶ طبع مصر پر لکھا ہے :۔

"اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ عَلِيٍّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ يَقُوْلُ اِنِّيْ مُمِيْتُكَ"

یعنی ابن عباسؓ مُتَوَفِّيْكَ کے معنے مارنے والا کرتے تھے۔

(۴) تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ پر لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے نیچے قِيْلَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ"

یعنی خداتعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اٹھانے سے پہلے وفات دے دی تھی۔

(۵) تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ پر مُتَوَفِّيْكَ کے معنے لکھے ہیں۔ وَمُمِيْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ۔ یعنی طبعی موت سے مارنے والا ہوں۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ ایضاً۔

(۷) تفسیر سرسید احمد خاں صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ ۔

"پھر جب تُو نے مجھ کو فوت کیا۔ تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا"

(۸) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر ہے۔ زیر آیت متوفیک۔

"قَالَ اَبُوْ زَيْدٍ مُتَوَفِّيْكَ قَابِضُكَ ... وَالْمَعْنٰى كَمَا قَالَ فِي الْكَشَّافِ الخ" اس نے بھی کشاف کے معنوں کو قبول کیا ہے اور وہ گذر چکے ہیں

(۹) تاج التفاسیر جلد ۱ صـ۲۶ زیر آیت يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (بقرہ ع ۳) اسے يَمُوْتُوْنَ مِنْكُمْ۔

(۱۰) سراج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ يُتَوَفَّوْنَ اسے يَمُوْتُوْنَ۔

(۱۱) مجمع البیان جلد ۱ صـ۲۳۴ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اے یُقْبَضُوْنَ وَیَمُوْتُوْنَ۔

(۱۲) فتح البیان جلد ۱ صـ۲۰۷ ۔ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَالْمَعْنٰی اَلَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ۔

(۱۳) دُرالاسرار جلد ۱ صفحہ ۴۰ ۔ یَتَوَفَّوْنَ لِوَرُوْدِ حِمَامِهِمْ۔

(۱۴) ترجمۃ القرآن تفسیر عبداللہ چکڑالوی صـ۲۰۱ "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ

اور جو لوگ مر جاوینگے تم میں سے"

(۱۵) رُوح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ ۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ۔ اے یَمُوْتُوْنَ وَیُقْبَضُ اَرْوَاحُهُمْ بِالْمَوْتِ۔

(۱۶) فتح البیان جلد ۸ صـ۲۲۷ ۔ اَلَّذِیْنَ یَتَوَفَّاهُمْ اے نَقْبَضُ اَرْوَاحُهُمْ

(۱۷) فتح البیان جلد ۸ صـ۱۶۰ ۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا اے یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حُضُوْرِ اٰجَالِهَا۔

(۱۸) رُوح المعانی جلد ۵ صـ۲۰۹ ۔ وَمِنْکُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی اے مِنْکُمْ مَنْ یَمُوْتُ قَبْلَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ۔

(۱۹) رُوح البیان جلد ۳ صـ۴۰۳ وصـ۴۰۴ ۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا یُقَالُ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ.... وَمَعْنَی الْاٰیَةِ یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْوَاحَ الْاِنْسَانِیَّةَ عَنِ الْاَبْدَانِ الخ۔

(۲۰) رُوح البیان جلد ۳ صفحہ ۷۴ ۔ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ قَالَ فِی الصِّحَاحِ تَوَفَّاهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ۔

(۲۱) رُوح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۶۵ ۔ وَمِنْکُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی یُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَیَمُوْتُ۔

(۲۲) رُوح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۶۹ - اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ - اگر بمیرانیم ترا پیش از ظہور آن عذاب -

(۲۳) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۳۴۱ - تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اے تقبض اَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَاَعْوَانُهٗ -

(۲۴) رُوح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ - اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ اے نقبض رُوْحَكَ الطَّاهِرَةَ قَبْلَ اِرَاءَةِ ذَالِكَ -

(۲۵) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۶۴۳ - وَمِنْكُمْ مَنْ يُّتَوَفّٰى اے يُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَيَمُوْتُ بَعْدَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ اَوْ قَبْلَهٗ . . . وَالتَّوَفِّي عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْتِ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ -

(۲۶) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۲۱۲ - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اے اِقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ مُخْلِصًا بِتَوْحِيْدِكَ -

(۲۷) انوار التنزیل - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اِقْبِضْنِيْ -

مفسّرین کو غلطی لگی ہے

فتح البیان جلد ۲ صہ ۴۹ زیر آیت متوفیک لکھا ہے -

وَ اِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰى تَاْوِيْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ الصَّحِيْحَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفَعَهٗ اِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ كَمَا رَجَّحَهٗ كَثِيْرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِيْنَ وَاخْتَارَهُ ابْنُ جَرِيْرِ الطَّبَرِيُّ وَوَجْهُ ذَالِكَ اَنَّهٗ قَدْ صَحَّ فِي الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نُزُوْلُهٗ وَقَتْلُهُ الدَّجَّالَ - یعنی کہتے ہیں کہ

مفسرین نے جو وفات عیسیٰ علیہ السلام کی نص کی تاویلیں کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیثوں میں ان کیلئے نزول کا لفظ دیکھا۔ اور ان کے قتل دجال کا بیان پڑھا۔ حالانکہ نزول سے آسمان پر جانا اور قتل دجال کے ذکر سے بجنسہٖ ان کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ (تفصیل اپنی جگہ پر دیکھیں)۔

دُوسری دلیل۔ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ (آل عمران رکوع ۶)

ترجمہ:۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دینے والا ہوں اور عزت دینے والا ہوں تجھ کو۔ اور یہود نا مسعود کے اعتراضات سے تجھے بری الذمہ کرنے والا ہوں۔ اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک نہ ماننے والوں پر غالب کرنے والا ہوں۔

استدلال۔ اللہ تعالیٰ نے متوفیک کو پہلے رکھا ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب کو بدلیں۔ ورنہ اس کی حکمت پر الزام آئیگا کہ اس نے اس چیز کو جو پیچھے تھی بلا وجہ آگے کر دیا۔ (نعوذ باللہ)

دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ حضورؐ پہلے صفا کا طواف کرینگے یا مروہ کا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اَبْدَأُ بِمَا بَدَءَ اللّٰہُ۔ اس سے شروع کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ پس ہمیں بھی پہلے وہی رکھنا چاہیئے۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے (نیز دیکھو محمدیہ پاکٹ بک ص۵۶۱ بحوالہ مسلم و جلالین)

سوم۔ اگر متوفیک کو پیچھے کیا جائے۔ تو ساری ترکیب ہی درہم برہم ہو جائیگی اور

صحیح طور پر متوفیک کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ کیونکہ وعدہ ۲؎ اب شروع ہے۔ اور الیٰ یوم القیامۃ رہیگا۔ توفی کے معنے اوپر گذر چکے ہیں۔ اور رفع کے معنے بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

غیر احمدی۔ واؤ ترکیب کے لئے نہیں ہوتی۔ جیساکہ قرآن مجید کی آیت " وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ " (نحل ع ۱۱) میں ہے۔

جواب آیت محولہ میں تو نہایت پُرمعارف ترتیب ہے کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسوقت اُسکی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ ہاں کان کھلے ہوتے ہیں۔ سُن سکتا ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے اسکے کان میں اذان دینے کا حکم ہے۔ پس اس وجہ سے قرآن مجید میں " سمع " (سُننے کو) پہلے رکھا گیا ہے۔ دیکھنے کی قوت بعد میں ظاہر ہوتی ہے اس لئے ابصار کو بعد میں بیان کیا گیا۔ اور چونکہ عقل اور سمجھ بہت بعد میں آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے " افئدہ " (دل) کو سب سے پیچھے رکھا۔ " دِل " عقل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔ " لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا " (اعراف ع ۲۲ پ ۹ ع ۱۲) کہ ان کے دِل ہیں مگر ان دلوں سے سمجھتے نہیں۔ پس آیت قرآنی میں حد درجہ ایمان افروز ترتیب ہے۔ اسی طرح ادخلوا الباب سجدًا و قولوا حطۃ میں بھی ہر دو مقامات پر عدم ترتیب نہیں کیونکہ حطۃ کہنا دروازے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ہر دو مقامات پر بیان ہوا ہے یعنی دروازہ میں داخل ہونا اور حطہ کہنا قرآن مجید کی دونوں آیات " ادخلوا الباب سجدًا و قولوا حطۃ " اور قولوا حِطَّۃٌ و ادخلوا الباب سجدًا

میں بیک وقت وقوع میں آنا بیان ہوا ہے۔ پس اس میں بھی تقدیم تاخیر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس حق اور سچ بات یہی ہے کہ انسان کے کلام میں تو واؤ حالیہ اگر بغیر صحیح ترتیب کے مستعمل ہو تو ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر ترتیب کے نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ حیات مسیح کے باطل عقیدہ نے تم کو قرآن مجید کے مرتب اور مسلسل کتاب ہونے کا بھی منکر بنا دیا۔ سچ ہے ؎ خشتِ اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا مے رود دیوار کج

تیسری دلیل۔ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط وَ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ط کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ ط مائدہ ع ۱۰)

ترجمہ۔ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول البتہ آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے اور آپکی والدہ راستباز تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔

استدلال۔ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰؑ اور مریم کے ترک طعام کو ایک جگہ بیان فرما کر ظاہر کر دیا کہ دونوں کے یکساں واقعات ہیں۔ اب مریم کے ترک طعام کی وجہ موت مسلم ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیحؑ کے ترک طعام کی بھی یہی وجہ تھی۔ کیونکہ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ ماضی استمراری ہے۔ گویا اب نہیں کھاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ (انبیاء ع ۱) یعنی ان کو (انبیا کو) ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتا ہو یا ہمیشہ رہنے والا ہو۔ حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وَلَا مُسْتَغْنِیْ عَنْہُ

رَبَّنَا (بخاری) - اے ہمارے رب ہمارے لئے اس سے استغنا نہیں ہو سکتا - پس بشر بصورت زندگی تو محتاج طعام ہے - پس مسیح علیہ السلام کا اس احتیاج سے بری ہونا سوائے موت کے کیونکر ممکن ہے - فتدبروا -

چوتھی دلیل - وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران رکوع ۱۵)

ترجمہ - آنحضرت صلعم صرف ایک رسول ہیں - آپ سے پہلے کے سب رسول گذر چکے ہیں پس اگر یہ مرجائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے ؟

استدلال - اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت گذر جانے کی خبر دی ہے اور گذر جانے کے طریق صرف دو قرار دئے ہیں - موت اور قتل - یعنی بعض بذریعہ موت طبعی گذر ے اور بعض بذریعہ قتل - اگر کوئی تیسری صورت گذرنے کی ہوتی تو اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا مثلاً آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صورت جو مسیح کے متعلق خیال کی جاتی ہے - چنانچہ اس کی تائید تفسیروں کے اُن حوالجات سے بھی ہوتی ہے - جو زیر عنوان "خلا کے معنے تفسیر میں" درج ہیں - (دیکھو صفحہ ۳۴۸ و ۳۴۹) -

اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں یعنی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی شامل ہیں - بلکہ یوں کہنا چاہیئے - کہ چونکہ آیت مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ میں سے بظاہر حضرت مسیح باہر رہ جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکی وفات کا بالتخصیص ذکر فرمانے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی

غیر احمدی عذرات کا جواب

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے اس ضمن میں ص۵۷۶ پر جو ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفہ اول رضؓ کا جنگ مقدس۔ شہادۃ القرآن اور فصل الخطاب کے حوالہ سے دیا ہے کہ "کئی رسول" یا "بہت سے رسول"۔ یہ غیر احمدیوں کے چنداں مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس ترجمہ سے باقی رسولوں کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر "چند رسول" یا "بعض رسول" ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ ورنہ جس قدر رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گذر چکے تھے اس میں کیا شک ہے کہ وہ "کئی" اور "بہت سے" تھے۔

غیر احمدی۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ" (رعد) اس سے پہلے بہت سے عذاب گذر چکے ہیں۔ کیا یہاں خلا کے معنی موت ہیں؟

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۷۷)

جواب۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ خلا کا لفظ بصیغہ ماضی جب انسانوں کے متعلق استعمال ہو تو ہمیشہ وفات یافتہ انسانوں ہی کے متعلق آتا ہے۔ مگر کیا تمہاری پیش کردہ آیت میں "مثلٰت" (عذاب) ذی روح یا انسان ہیں؟

محمدیہ پاکٹ بک کی پیش کردہ دوسری آیت "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ" میں ہلاک شدہ قومیں ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ رعد میں فرماتا ہے:۔

"اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ" (ابراہیم ع ۲ پ ۱۳)

یعنی کیا تمہیں اُن قوموں کی خبر نہیں ملی جو تم سے پہلے تھیں یعنی قوم نوح۔ عاد۔ ثمود

اور وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوئے جن کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اُن کے پاس رسول آئے۔ تو اُنہوں نے ان کا انکار کیا۔

انہی اقوام کی تباہی اور ہلاکت کی تفصیل سورہ ہود اور دوسری سورتوں میں متعدد مقامات پر قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ پس تمہاری پیش کردہ سورۃ رعد والی آیت میں بھی "خلت" کے معنے ہلاکت شدہ ہی ہے نہ کچھ اور۔

خلا کے معنی از روئے قرآن کریم

رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ۔ خلا کے اندر داخل نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا خلا کسی کا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان پر نہ جانا تھا۔ اس لئے وہ ذکر نہ کیا گیا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل بھی تو نہ ہونا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا۔ اَللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ پھر قتل کا ذکر کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ رَفَعَ اِلَی السَّمَآءِ خلا میں شامل نہیں۔ دوم۔ بہت جگہ یہ لفظ قرآن کریم میں موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ۔ دو مرتبہ (سورہ بقرہ رکوع ۱۶)۔

۲۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ (سورہ مائدہ رکوع ۱۰)۔

۳۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھَآ اُمَمٌ (رعد رکوع ۴)۔

۴۔ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ

۵۔ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِیْ۔ (احقاف رکوع ۲)۔

۶۔ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ۔ (احقاف رکوع ۲)

۷- وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (احقاف رکوع ۳)

۸- الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس رکوع ۱۰)

۹- وَمَثَلًا مِنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (نور رکوع ۴)

۱۰- الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ - (احزاب رکوع ۵)

خلا کے معنے از لغتِ عرب

سوم۔ لغت سے خلا کے معنے مَاتَ کے ثابت ہیں۔ خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ (لسان العرب) خَلَا الرَّجُلُ اے مَاتَ (اقرب الموارد جلد ۱ صـ۲۹۹)۔ خَلَا فُلَانٌ اے مَاتَ (تاج العروس شرح قاموس جلد ۱۰ صـ۱۱۹) شعر کی مثال:۔

ؔ اِذَا سَيِّدٌ مِّنَّا خَلَا قَامَ سَيِّدٌ قَؤُوْلٌ لِمَا قَالَ الْكِرَامُ فَعُوْلٌ

خلا کے معنے تفاسیر :- (۱) تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ :- قَدْ خَلَتْ مَضَتْ وَمَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَسَيَمُوْتُ هُوَ اَيْضًا۔

(۲) تفسیر جامع البیان صـ۶۱۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَيَخْلُوْا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَيْضًا۔

(۳) تفسیر بحر مواج جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ - معنی ایں است کہ بدرستی پیش ازو پیغمبران گذشتہ اند و ہمہ از جہاں رفتہ اند۔

(۴) تفسیر سراج منیر جلد ۱ صـ۲۳۹ - فَيَخْلُوْ كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ یعنی پہلے رسول یا مر گئے یا قتل ہو گئے۔ اسی طرح آنحضرتؐ بھی ہونگے۔

(۵) تفسیر خازن جلد ۱ صـ۳۴۳ - وَمَعْنَى الْاٰيَةِ فَسَيَخْلُوْ مُحَمَّدٌ كَمَا خَلَتِ الرُّسُلُ مِنْ قَبْلِهٖ۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ۱ صـ ۲۴۱ " خَلَتْ۔ مَضَتْ فَسَيَخْلُوْا "

(۷) تفسیر کشاف جلد ۱ صـ ۳۲۸ " فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا " نبی کریم صلعم کا خلا ویسے ہی ہوگا جیسے پہلوں کا ہو چکا۔

(۸) تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد ۳ صـ ۱۲۴ ۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ۔۔۔۔ إِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا أَنَّهُ رَسُوْلٌ كَسَائِرِ الرُّسُلِ فِيْ أَنَّهُ يَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا رُدَّ عَلَيْهِمْ أَنَّهُ لَيْسَ إِلَّا رَسُوْلًا كَسَائِرِ الرُّسُلِ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا۔

یعنی لوگوں نے اعتقاد کیا کہ آنحضرت صلعم فوت نہ ہونگے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ باقی رسول جب فوت ہو گئے تو یہ کیوں نہ فوت ہونگے۔

اس آیت سے وفاتِ مسیحؑ پر صحابہؓ کا اجماع

آنحضرت صلعم کی وفات صدمہ آفات نے صحابہؓ کی کمر ہمت کو توڑ دیا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے کہنا شروع کیا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوت شدہ کہیگا۔ اس کی گردن اڑا دونگا۔ چنانچہ بخاری کتاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی کسریٰ وقیصر میں مندرجہ ذیل حدیث ہے:-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ يَا عُمَرُ فَأَبٰى عُمَرُ أَنْ يَجْلِسَ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلٰى قَوْلِهِ الشَّاكِرِيْنَ وَقَالَ وَاللّٰهِ كَانَ النَّاسُ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا۔

فَاَخْبَرَنِیْ سَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيِّبِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا سَمِعْتُ اَبَابَكْرٍ تَلَاهَا فَعَقِرْتُ حَتّٰى مَا تُقِلُّنِیْ رِجْلَایَ وَحَتّٰى اَهْوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ حِيْنَ سَمِعْتُهٗ تَلَاهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔

یہ خطبہ مسند امام ابو حنیفہؒ ص ۱۸۸ اور حمام الاسلمتہ ص ۵۴ پر بھی موجود ہے تو حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ پڑھا جس میں بتایا کہ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فوت ہو گئے ہیں۔ جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہ کیا۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ اور زمین پر گر گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع فوت ہی ہو چکے ہیں۔ اس سے یوں استدلال ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کو اس طرح توڑا ہے۔ کہ آپؐ ایک رسول ہیں۔ اور آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کے ذہن میں بھی یہ بات ہوتی کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ بجسدہ العنصری ہیں تو وہ آگے سے فوراً کہہ دیتا کہ ابھی عیسٰیؑ بھی تو رسول ہی تھے۔ وہ پھر کیوں زندہ ہیں۔ یہ آپ کا کلیہ غلط ہے کہ سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰیؑ زندہ ہیں۔ لیکن کسی کا ایسا نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ انکے ذہن میں بھی حیات عیسٰیؑ کا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کو وفات یافتہ تسلیم کرتے

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور بالکل چون و چرا نہیں کی۔

اس اجماع سے اُن روایات کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے جو بعض صحابہ کرام رضؓ کی طرف حیاتِ عیسیٰؑ کے بارہ میں منسوب کی جاتی ہیں کیونکہ اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ اس اجماع سے پہلے کی ہے۔ (۲) یا بعد کی۔ صورت اول میں وہ قابلِ استناد نہیں کیونکہ اجماع سے وہ گر جائیگی۔ اور صورت ثانی میں بہر حال قابلِ ردّ۔

اعتراض۔ اگر "الرسل" کا الف لام استغراقی مانا جائے تو لازم آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہو جائیں۔ کیونکہ "مِنْ قَبْلِهٖ" بوجہ مقدم ہونے کے "الرسل" کی صفت نہیں بن سکتی ہاں خلت فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے۔ لہذا لازم آیا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہوں۔ آنحضرت صلعم اور مرزا صاحب دونوں کی نفی ہوئی۔

جواب۔ "مِنْ قَبْلِهٖ" "الرُّسُلُ" کی صفت ہی ہے جس کے معنی ہیں کہ تمام وہ رسول فوت ہو گئے۔ جو آنحضرت صلعم سے پہلے تھے اور صفت کا موصوف سے پہلے آنا جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

"صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ اللّٰهِ" (ابراہیم رکوع ۱)

عَزِیْز اور حَمِیْد اللہ کی صفات ہیں۔ جو اس پر اس آیت میں مقدم مذکور ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "وَيَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ الْعَزِيْزُ الْحَمِيْدُ صِفَتَيْنِ مُتَقَدِّمَتَيْنِ وَيُعْرَبُ الْاِسْمُ الْجَلِيْلُ مَوْصُوْفًا مُتَاَخِّرًا" (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۸)

(۲) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ

رَبَّکُمْ۔ (سپارہ ۲۳ رکوع ۸ سورۃ الصّٰفّٰت ع ۴)

کیا تم بعل بُت کو پکارتے (پوجتے) ہو۔ اور "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" (یعنی سب سے اچھا بنانے والے) خدا کو جو تمہارا رب ہے چھوڑتے ہو۔ اس آیت میں "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" صاف طور پر اللہ کی صفت ہے۔ مگر موصوف (یعنی اللہ) بعد میں ہے۔ اور صفت (احسن الخالقین) اس پر مقدم مذکور ہے۔ اسی طرح مِنْ قَبْلِہٖ بھی "الرُّسُلُ" کی صفت ہے۔ اور اس پر مقدم مذکور ہے۔ فلا اعتراض۔

پانچویں دلیل۔ آیت وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ۔ (نحل رکوع ۲)

ترجمہ۔ یہ مشرک جن لوگوں کو اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ پیدا کئے گئے ہیں مُردہ ہیں زندہ نہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

استدلال۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی ان ہستیوں میں سے ہیں جن کو معبود مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (مائدہ ع ۳ و ع ۱۰) پس وہ بھی وفات یافتہ ہیں انکا کہیں استثنا نہیں۔

نوٹ:۔ بعض حیلہ ساز لوگ اس جگہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اموات میت کی جمع ہے۔ یعنی مرنے والے ہیں۔ کسی وقت ضرور مرینگے۔

جواب ۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اموات" "میت" کی جمع ہے۔ "اموات" تو "مَیْتٌ" کی جمع ہے۔ جس کے معنے ہیں "مرے ہوئے"۔ اور "میّت" کی جمع "مَیِّتُوْنَ" ہے دیکھو لغت کی کتاب المنجد زیر لفظ موت۔

اور آیت بھی اسی کی مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں ہے اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ یعنی ایسے "اموات" جو زندہ نہیں ہیں۔ پس "اموات" کو "میّت" کی جمع قرار دینا۔ زبان اور قرآن دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اگر ملائکہ اور جنوں کا اعتراض کرو تو یاد رہے کہ وہ عالم امر سے ہیں۔ اور یُخْلَقُوْنَ میں عالم خلق کا بیان ہے اسلئے ان کا یہاں ذکر نہیں۔ ہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ملائکہ اور جنوں کے متعلق نہ مرنے کا کیا ثبوت ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے کلیہ سے وہ کیونکر باہر رہتے ہیں۔

چھٹی دلیل ۔ آیت وَقَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۔ (اعراف رکوع ۲)

ترجمہ :۔ اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کو فرمایا۔ تم اسی زمین میں ہی زندگی بسر کروگے اور اسی میں مروگے۔ اور پھر اسی سے اٹھائے جاؤگے۔

استدلال ۔ یہ ایک عام قانون الٰہی ہر فرد بشر پر حاوی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ فِیْهَا تَحْیَوْنَ کے صریح خلاف حضرت عیسٰے آسمان پر زندہ موجود ہوں۔ اس آیت میں "تَحْیَوْنَ" فعل پر "فِیْهَا" ظرف مقدم ہے۔ پس از روئے قواعد نحو اس میں حصر ہے۔ جس سے استثنا ممکن نہیں۔

نوٹ :۔ اس آیت کی تائید میں یہ آیتیں بھی ہیں ۔

(۱) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًا (مرسلات ع ۱)

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

(۲) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (بقرہ ع ۴)

اور تمہارے لیئے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور فائدہ اُٹھانا ایک مدت تک۔

ساتویں دلیل۔ آیت۔ وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم رکوع ۲)۔

ترجمہ:۔ (حضرت عیسٰے علیہ السلام کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں۔ نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

استدلال۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ دینا ان کی تمام زندگی بھر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے لازم آتا ہے کہ اُن کے پاس زکوٰۃ دینے کے لائق روپیہ بھی ہو۔ اور مستحقین زکوٰۃ بھی زندہ رہیں۔ پس آسمان میں اگر وہ زندہ فرض کیئے جائیں تو وہاں روپیہ اور زکوٰۃ لینے والوں کا ایک گروہ بھی اُن کے ہمراہ ہونا ضروری ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں اگر کہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس وہاں مال نہیں اسلیئے اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے پاس مال نہیں رہنا تھا تو مَا دُمْتُ حَيًّا کی بجائے مَا دُمْتُ عَلَى الْاَرْضِ" کہنا چاہیئے تھا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "میں جب تک زمین پر رہوں" زکوٰۃ دیتا رہوں۔ پس حضرت عیسٰے کو خدا تعالیٰ کا خاص طور پر زکوٰۃ دینے کا حکم دینا بتاتا ہے کہ حضرت

عیسیٰؑ صاحب نصاب تھے اور جبتک زندہ رہے صاحبِ نصاب رہے۔

دُوسرا سوال اس آیت کے متعلق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جو نماز پڑھتے ہیں تو کس طرف مُنہ کرکے؟ اگر کہو کہ عرش خداوندی کی طرف مُنہ کرکے پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی کونسی آیت کے ماتحت عرش خداوندی کو قبلہ بنانا جائز ہے؟

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کونسی نماز پڑھتے ہیں۔ اسرائیلی یا اسلامی؟ اگر کہو اسرائیلی۔ تو معلوم ہوا کہ ابھی تک اسرائیلی نماز آسمان پر منسوخ نہیں ہوئی۔ حالانکہ کوئی امر زمین پر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلے آسمان پر قرار نہ پائے۔ اگر کہو کہ اسلامی نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے کہ ان کو وہ کیسے معلوم ہوئی؟ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بذریعہ وحی بتادی ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ اسلامی نماز اس لیئے نہیں پڑھتے کہ یہ آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اسلیئے کہ یہ خود ان پر نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابھی تک موسوی شریعت منسوخ نہیں ہوئی۔ اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو معراج کی رات عند الملاقات بتادی ہوگی تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ معراج کی رات جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے ہیں۔ اس وقت تک ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے بعد فرض ہوئی اور نماز کے فرض ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام دار العمل میں ہیں یا دار الجزاء میں؟
اگر کہو دار العمل میں۔ تو پھر ان پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال کا بجالانا فرض ہے
اور اگر کہو۔ دار الجزاء میں۔ تو وہ دو قسم کا ہے۔ (۱) دوزخ۔ (۲) جنت
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوّل الذکر میں تو جا نہیں سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ
جنّت میں ہیں۔ اور جنّت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔
"وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ" (حجر رکوع ۴) کہ جنتی جنت سے نکالے
نہیں جائینگے پس حضرت عیسےٰ علیہ السلام اب دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

آٹھویں دلیل ۔آیت۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم ع ۲)۔ ترجمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔
سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن میں مرونگا۔ اور جس
دن میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔

استدلال۔ سلامتی کے یہ تینوں اوقات بعینہٖ اس سورۃ میں حضرت یحییٰ
کے لئے بھی آئے ہیں۔ اور اگر بفرض محال حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں
اور یہود نامسعود کے نرغے سے بچ کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ تو اس
سلامتی کا کہاں ذکر ہے؟ وہ تو زیادہ اظہار امتنان کا موقع تھا۔ ان
مواقع مذکورہ میں تو سب نبی مورد سلامتی بنتے ہیں آپ کے شریک ہیں
لیکن جن دو اہم اور عظیم الشان واقعات کی مسیح علیہ السلام کے ساتھ
خصوصیت ہے۔ یعنی آسمان پہ جانا اور آسمان سے واپس آنا یہ سلامتی
کے ساتھ ذکر کرنے کے زیادہ قابل تھے خصوصاً جب کہ یہ مسیح کا کلام

ان کے اختیار سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت ہے۔

نویں دلیل۔ آیت۔ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل رکوع ۱۱) کفار نے آنحضرت صلعم سے جو نشانات طلب کئے۔ ان میں سے ایک یہ بھی نشان انہوں نے طلب کیا۔ اور سب سے اس کو آخر میں رکھا۔ اور اپنے ایمانی فیصلہ کو اس پر ٹھہرایا کہ آپ آسمان پر جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں جس کو ہم پڑھ کر آپ پر ایمان لائیں۔ آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا کہ کہو میرا رب پاک ہے۔ مَیں بندہ رسُول ہوں۔ یعنی اللہ کی قدرت میں تو کسی قسم کا نقص نہیں۔ لیکن رسُول کو آسمان پر لے جانا سُنّت اللہ نہیں۔

جائے غور ہے کہ کفار کا یہ کہنا کہ تو آسمان پر چڑھ جاوے۔ اور کتاب لادے۔ تب ہم ایمان لادیں گے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو آسمان پر نہیں اُٹھالیا۔ نہ سب کفار ایمان لے آویں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ تو ایک بشر رسُول ہے اور بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ بھائیو! غور کرو۔ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام بشر رسول ہیں۔ تو وہ کیونکر آسمان پر جاسکتے ہیں۔ ؎

غیرت کی جا ہے عیسٰیؑ زندہ ہوں آسماں پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

دسویں دلیل۔ آیت۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ - (انبیاء ع ۳) -

ترجمہ :- اور ہم نے تجھ سے پہلے (اے محمد صلعم) کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی کیا ہو سکتا ہے کہ تُو تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔

استدلال مسلمانو! دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے۔ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔ لیکن ایک تم ہو کہ عیسیٰؑ کو تو زندہ مانتے ہو۔ مگر اس سید المعصومین کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو۔ استدلال صاف ہے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ تُو تو جو انفع الناس ہے دُنیا سے رحلت کر جائے۔ اور اور کوئی تجھ سے پہلے کا زندہ ہو۔ پس ثابت ہؤا کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔

گیارھویں دلیل - آیت - وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ - (سورہ صف ع ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا۔ اُس کا نام احمدؐ ہو گا۔

تم کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم "احمدؐ" ہیں۔ تو ثابت ہؤا کہ عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ "احمدؐ" نے بہر حال مِنْۢ بَعْدِی ہی آنا ہے۔ اگر آج بقول تمہارے وہی عیسےٰ بن مریم واپس آجائیں۔ تو آنحضرتؐ (احمدؐ) ان سے پہلے ہو جائینگے نہ کہ بعد۔ تو کیا اسوقت قرآن سے مِنْۢ بَعْدِی کاٹ کر اسکی جگہ مِنْ قَبْلِی کر دو گے؟

پس ثابت ہؤا کہ اب جبکہ "احمدؐ" آچکا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آسکتے۔

بارھویں دلیل۔ آیت۔ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (یونس رکوع ۳)۔

اور جس دن ہم ان کو اکٹھا کریں گے۔ پھر ہم ان سے جنہوں نے شرک کیا۔ کہیں گے۔ کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دینگے۔ اور ان کے معبود مشرکوں سے کہینگے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے ہم تو یقیناً تمہاری عبادت سے غافل ہیں۔

(فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ)

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام معبودانِ باطلہ خدا کو گواہ رکھ کر کہینگے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی انہی معبودوں میں سے ہیں جن کی خدا کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ (مائدہ ع ۳) سے ثابت ہے۔ اب اگر بقول غیر احمدیاں حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں اور صلیبوں کو توڑ دیں۔ تو وہ کس طرح قیامت کے دن خدا تعالٰے کو گواہ رکھ کر یہ کہینگے۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائی میری عبادت کرتے اور مجھے خدا بناتے تھے؟ یا تو یہ کہو کہ نعوذ باللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام غلط بیانی کریں گے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ اب وہ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) غلط بیانی سے کام لیں۔ پس دوسری بات ہی درست ہے کہ وہ واپس دنیا میں تشریف نہیں لائینگے۔ وَھٰذَا ھُوَ الْمُرَادُ۔

دیگر آیات۔ ان مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (نحل رکوع ۹)۔

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو وفات دیتا ہے۔ اور بعض تم میں سے رذیل ترین عمر (انتہائی بڑھاپا) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جاننے کے بعد نہ جاننے والا بن جاتا ہے۔

ہمارے دوست بتائیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے اس قانون سے مستثنا ہونے کا کوئی ثبوت اُن کے پاس ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۲) وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (حج رکوع ۱) ترجمہ اُوپر گذر چکا ہے

(۳) وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ۔ (یٰس رکوع ۵)۔

ترجمہ:۔ جس کو ہم عمر لمبی دیتے ہیں۔ ہم پھر اس کو خلقت میں اُلٹاتے ہیں یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے سے ہوتا ہوا نادان بن جاتا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ قانون حاوی نہیں؟

(۴) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً الخ (روم ع ۶)۔

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کیلئے قوت عطا فرمائی۔ اور پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔

بقول مخالفین احمدیت بھی حضرت عیسیٰ ؑ نے آسمان پر جانے سے پیشتر قُوّت پائی تھی۔ اب اتنے عرصہ کے بعد ضرور ہے کہ آپ دوبارہ **ضعف** کا شکار ہو چکے ہوں اور دُنیا میں آکر بجائے خدمتِ دین کرنے کے اپنی ہی خدمت کرائیں۔

(۵) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (فرقان ع ۲)

ترجمہ:۔ ہم نے اے محمد صلعم تجھ سے پہلے رسُول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل مُحَمَّد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سب رسُولوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ منجملہ انکے ایک حضرت عیسیٰ ؑ بھی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ بھی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

وفاتِ مسیح از احادیث

اِستدلال نو نیتنی:۔ (۱) لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اِتِّبَاعِيْ۔ (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ صفحہ ۳۷۴۔ فتح البیان حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و طبرانی کبیر)

ترجمہ:۔ اگر موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ

نہ ہوتا۔ (نیز بحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ استدلال بر وفاتِ خضر)

(۲) لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى فِيْ حَيَاتِهِمَا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ (مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۳۱۳۔ بشارات احمدیہ مصنفہ علی حائری شیعہ صفحہ ۲۴۔ براہین محمدیہ برحاشیہ بشارات احمدیہ صفحہ ۴۲)۔

ترجمہ:۔ اگر موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ زندہ ہوتے تو ضرور آنحضرت صلعم کے اتباع میں ہوتے۔

(۳) لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ (شرح فقہ اکبر مصری)

ترجمہ:۔ اگر عیسیٰ زندہ ہوتا۔ تو اُسے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا

نوٹ:۔ غیر احمدی علماء نے اس حدیث میں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مطابق یہودیانہ خصلت کو پورا کرنے کے تحریف کر دی ہے۔ شرح فقہ اکبر کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے۔ اس میں انہوں نے بجائے "عیسیٰ" کے "موسیٰ" کر دیا ہے۔ اور اس تحریف کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شرح فقہ اکبر مصری ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے "موسیٰ" کی بجائے "عیسیٰ" لکھا گیا تھا۔ ہم نے ہندوستانی ایڈیشن میں درست کر دیا ہے۔ لیکن یہ عذر کس قدر غیر معقول ہے۔ اس کا علم اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر جہاں یہ حدیث ہے موسیٰ کا ذکر ہی نہیں۔ بلکہ بحث حضرت عیسیٰ ؑ اور امام مہدی کی آمد کی ہے۔ پھر موسیٰ ؑ کا نام اس موقعہ پر آنا قرینِ قیاس ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ہم مکمل حوالہ نقل کر دیتے ہیں:۔

"يَجْتَمِعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمَهْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيُشِيْرُ الْمَهْدِيُّ لِعِيْسٰى بِالتَّقَدُّمِ

فَيَمْتَنِعُ مُعَلِّلًا بِاَنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اُقِيْمَتْ لَكَ فَاَنْتَ اَوْلٰى بِاَنْ تَكُوْنَ الْاِمَامُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَ يَقْتَدِيْ بِهٖ لِيُظْهِرَ مُتَابَعَتَهٗ لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ"۔۔۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مہدیؓ کے ساتھ ملینگے۔ نماز کی اقامت کہی جائیگی۔ تب مہدی آگے کھڑا ہونے کے لئے حضرت عیسیٰ کو اشارہ کرینگے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عذر پر انکار کرینگے کہ یہ نماز آپ کی خاطر قائم کی گئی ہے۔ پس اس وجہ سے آپ امامت کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس حضرت عیسےٰ ع امام مہدی کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔ تاکہ حضرت عیسےٰ ع اس بات کو ظاہر کردیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر عیسےٰ زندہ ہوتا تو اس کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا"۔

اب دیکھ لیں اس موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنحضرت صلعم کی متابعت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی متابعت کا؟ پس مصری ایڈیشن میں جو "عیسیٰ" کا لفظ ہے وہ "کاتب کی غلطی" نہیں۔ بلکہ ہندوستانی ایڈیشن میں "موسیٰ" کا لفظ یقیناً تمہاری خیانت کا نتیجہ ہے۔ خادم

(۴) "اَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ عَنْ عَائِشَةَ رض ۔۔۔۔ اِنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ۔ بحوالہ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸

مواہب اللدینہ جلد ا صت ۴۲ وجلالین زیر آیت یَاعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
راوی ابن عمرؓ حاشیہ - ترجمہ :- تحقیق عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال تک
زندہ رہے - نیز دیکھو ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صت ۲۴٦

(اِنَّ عِیْسٰی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃً وَاِنِّیْ لَا
اَرَانِیْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ -

(کنز العمال جلد ٦ صت ۱٦۰ راوی فاطمۃ الزہرا)

ترجمہ :- فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ تحقیق عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال تک
زندہ رہا تھا اور میں غالباً ساٹھ سال کی عمر کے سر پر کوچ کرونگا -

غیر احمدی :- "اِس روایت کا ایک راوی ابن لہیعہ سخت ضعیف ہے -"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۹۱)

جواب - یہ حدیث ایک طریق سے نہیں بلکہ کم از کم تین طریقوں سے
مروی ہے - یعنی حضرت عائشہ رضؓ - حضرت ابن عمرؓ - اور حضرت فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ عنہا سے اور یہی امر اس حدیث کے صحیح ہونے کا ہے - ابن لہیعہ
تو ایک طریق کا راوی ہے - مگر دوسرے طریقوں کے متعلق تمہارا کیا جواب
ہے؟ خصوصاً اِس کا کیا جواب ہے جو لکھا ہے :-

" اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیْ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالٍ
ثِقَاتٍ " (حجج الکرامہ صت ۴۲۸) کہ اِس حدیث کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں -

(۲) باقی رہا ابن لہیعہ - سو اُس کی نسبت اسی تہذیب التہذیب میں جس کا
حوالہ تم نے دیا ہے - لکھا ہے :- " سَمِعْتُ الثَّوْرِیَّ یَقُوْلُ عِنْدَ

ابنِ لُهیعَۃ الاُصُولُ وَعِنْدَ نَا الفُرُوْعُ ۔ قَالَ یعقوبُ بن عُثمانَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ ابنَ صَالِحٍ وَکَانَ مِنْ خِیَارِ المتقین وُیُثْنِیْ عَلَیْہِ ۔ ۔ ۔ ۔ وَقَالَ الحاکِمُ اِسْتَشْھَدَ بِہٖ مُسْلِمٌ فِیْ مَوْضِعَیْنِ ۔ ۔ ۔ وَحَکٰی السَّاجِی عَنْ اَحْمَدَ بْنِ صَالِحٍ کَانَ ابْنُ لُھَیْعَۃَ مِنَ الثِّقَاتِ ۔ ۔ ۔ قَالَ ابْنُ شَاھِیْنَ قَالَ اَحْمَدُ بن صَالِحٍ ابْنُ لُھَیْعَۃَ لِثِقَۃٌ ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صـ۳۷۵) یعنی ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں۔ اور ہمارے پاس فروع۔ اور بقول یعقوب بن عثمان ابن لہیعہ کی تعریف احمد بن صالح نے کی ہے۔ اور امام حاکم نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ سے امام مسلم نے بھی دو مواقع پر استشہاد کیا ہے۔ اور ساجی اور ابن شاہین کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے کہا کہ ابن لہیعہ ثقہ راوی ہے۔ نیز لکھا ہے:۔

"قَالَ اَبُوْدَاؤدَ عَنْ اَحْمَدَ وَمَنْ کَانَ مِثْلُ ابْنِ لُھَیْعَۃَ بِمِصْرَ فِیْ کَثْرَۃِ حَدِیْثِہٖ وَضَبْطِہٖ وَاتْقَانِہٖ"۔ (تہذیب جلد ۵ صـ۳۷۵) کہ ابوداؤد نے احمد سے نقل کیا ہے کہ تمام مصر میں ابن لہیعہ کے برابر کوئی شخص بھی حدیث کی کثرت اور مضبوطیٔ روایت اور تقوی کے لحاظ سے نہ تھا۔ بانیٔ مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے جو قول احمد کا ابن لہیعہ کے غیر ثقہ ہونے کی تائید میں نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی لکھا ہے: "وَھُوَ یُقَوِّیْ بَعْضُہٗ بِبَعْضٍ" (تہذیب جلد ۵ صـ۳۷۵) کہ ابن لہیعہ کی ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت پہنچتی ہے۔ پس حدیث متنازعہ ایسی ہی ہے

جو صرف ایک طریقہ سے مروی نہیں بلکہ تین مختلف طرق سے مروی ہے پس نہایت ثقہ اور مضبوط ہے۔ وَھُوَ الْمُرَادُ ؃

(۶) مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَۃٍ فِی الْیَوْمِ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَّھِیَ یَوْمَئِذٍ حَیَّۃٌ (کنز العمال جلد ۷ ص۱۷۱ راوی جابر و مسلم کتاب ۱)

ترجمہ:۔ آج کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اس پر سو سال آئے اور وہ فوت نہ ہو بلکہ زندہ ہو۔ یعنی سو سال کے اندر ہر جاندار انسان جانور وغیرہ مر جائیں گے۔ پس عیسیٰؑ بھی فوت ہو گئے ہیں۔

(۷) "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ رِیْحًا یَبْعَثُھَا عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ تَقْبِضُ رُوْحَ کُلِّ مُؤْمِنٍ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ" (مستدرک جلد ۴ ص۴۵۷)

ترجمہ:۔ "کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک ایسی ہوا بھیجتا ہے جو ہر مومن کی روح قبض کر لیتی ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔" پس حضرت مسیح بھی بوجہ مومن ہونے کے اس "ہوا" کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں زمین یا آسمان کی کوئی قید نہیں ہے۔

(۸) ابن مردویہ نے ابو سعید سے روایت کیا کہ:۔

"اٰدَمُ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا تُعْرَضُ عَلَیْہِ اَعْمَالُ ذُرِّیَّتِہٖ وَ یُوْسُفُ فِی السَّمَاءِ الثَّانِیَۃِ وَابْنَا الْخَالَۃِ یَحْیٰی وَعِیْسٰی فِی السَّمَاءِ الثَّالِثَۃِ وَاِدْرِیْسُ فِی السَّمَاءِ الرَّابِعَۃِ وَھَارُوْنُ فِی السَّمَاءِ الْخَامِسَۃِ وَمُوْسٰی فِی السَّمَاءِ السَّادِسَۃِ وَاِبْرَاھِیْمُ فِی السَّمَاءِ

السَّابِعَۃِ" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)۔

ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدم پہلے آسمان پر ہے۔ اس پر اس کی اولاد کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یوسفؑ دوسرے آسمان پر ہے اور پھوپھی زاد بھائی یحییٰؑ اور عیسیٰؑ دونوں تیسرے آسمان پر ہیں اور حضرت ادریسؑ چوتھے میں۔ اور ہارونؑ پانچویں میں۔ اور موسیٰؑ چھٹے میں۔ اور حضرت ابراہیمؑ ساتویں آسمان پر ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ بجسد عنصری زندہ ہیں۔ تو کیا باقی انبیاء کرام کو بھی اسی جسم سے زندہ ماننے کے لئے تیار ہو؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اکیلے حضرت عیسیٰؑ کی کیا خصوصیت ہے۔ کہ آپ سب سے نرالے زندہ ہیں؟

(۹) اختلافِ حُلیتین:۔ آنحضرتؐ نے پہلے مسیح کا حُلیہ "فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ" (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع الٰہیہ مصر)

ترجمہ:۔ سُرخ رنگ۔ گھنگھریالے بال۔

اور مسیح قاتلِ دجال کا حُلیہ:۔

"فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ رَجِلُ الشَّعْرِ" (ایضاً)

یعنی ایسا آدمی جو گندم گوں۔ آدمیوں میں سے خوبصورت تر۔ اس کے بال اس کے کندھوں پر پڑتے ہیں اور وہ سیدھے بالوں والا ہے۔ ایک آدمی کے دو حلیئے نہیں ہو سکتے۔ ثابت ہوا کہ یہ دو الگ الگ آدمی ہیں۔ مسیح ناصری اور مسیح موعود اور۔

پس پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اور آنے والا مسیح اسی اُمّت میں سے ہے۔ جیسا کہ " اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ " سے ثابت ہے۔

(۱۰) الف۔ " اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الیٰ مکان لئلا تعرف فتوذی "۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جا۔ تا ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جائے۔ اور تجھے تکلیف دی جائے۔

ب۔ (عن جابرؓ) " کَانَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یَسِیْحُ فَاِذَا اَمْسٰی یَاْکُلُ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَیَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ "۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱) کہ عیسیٰ بن مریم زمین کی سیاحت کیا کرتے تھے اور جنگل کی سبزیاں اور چشموں کا صاف پانی پیا کرتے تھے۔

وفاتِ مسیحؑ پر اقوالِ ائمہ سلف سے استنباط

(۱) امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ والی مفصّل حدیث اور حضرت ابو بکرؓ کا خطبہ اور حضرت ابن عباسؓ کے معنی مُمِیْتُکَ کو اپنی صحیح میں درج فرما کر اپنا عقیدہ دربارہ وفاتِ مسیحؑ وضاحت سے بیان کر دیا۔

(۲) امام مالکؒ کے متعلق صاف لکھا ہے۔ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ (مجمع بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶) یعنی حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ نیز لکھا ہے:۔

" فِی الْعُتْبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ "

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

(۳) امام ابوحنیفہ کا امام مالک پر انکار ثابت نہیں۔

(۴) صاحبین حضرت امام ابو یوسف و محمدؒ اور حضرت احمد بن حنبل اور امام شافعی نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کر کے بتا دیا کہ ہم اس مسئلہ میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں۔

(۵) جلالین مع کمالین صفحہ ۱۰۹ مطبع مجتبائی کے حاشیہ بین السطور پر ہے۔ وَ تَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَ قَالَ بِمَوْتِهٖ۔ امام ابن حزم نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ والی آیت کو ظاہر پر محمول کر کے عیسیٰؑ کے فوت ہو جانے کے عقیدہ کو بیان کیا۔ اور وفات کے قائل ہوئے۔

(۶) عبدالحق صاحب محدث دہلوی اپنے رسالہ ماثبت بالسنۃ صفحہ ۴۹ و صفحہ ۱۱۸ پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ایک سو پچیس ۱۲۵ برس تک زندہ رہے۔
"قَدْ عَاشَ عِيْسٰى خَمْسًا وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَّ مِائَةً"

(۷) نواب صدیق حسن خانصاحب نے ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ پر لکھا ہے کہ سب انبیاءؑ جو نبی کریم صلعم سے پہلے تھے مر چکے ہیں اور مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ (نیز عمر مسیح ۱۲۰ سال کے لئے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸)۔

(۸) حافظ لکھو کے والا لکھتا ہے۔ ع

"یعنے جویں پیغمبر گذرے زندہ رہیا نہ کوئی"

(تفسیر محمدی جلد ۱ صفحہ ۳۲۰)

(۹) حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ "وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں کسی دوسرے

وجود میں نازل ہونگے۔ (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

(۱۰) بعض صوفیاء کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروز کے طور پر نزول ہوگا (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲) عبارت یہ ہے:" وبعضے بر آنند کہ روحِ عیسیٰ ؑ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است "

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے گواہی دی کہ حضرت مسیح کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ برس تھی۔ (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۲)۔

(۱۲) تفسیر محمدی منزل اول صفحہ ۲۴۷ پر وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت بحث نجران یوں رقمطراز ہے۔ ؎

جو ہووے نال مشابہ بیٹھا ہوندا شک نہ کائی
زندہ رب ہمیش نہ مرسی موت عیسیٰ نوں آئی

(۱۳) قَدْ مَاتَ عِیْسٰی۔ عیسیٰ فوت ہوگیا ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)۔

(۱۴) امام جبائی۔ اللہ نے مسیح کو وفات دی۔ اور اپنی طرف بلایا۔ (تفسیر مجمع البیان زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔

(۱۵) تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹ پر مسیح کی قبر کے کتبہ کی عبارت نقل کی گئی ہے
ھٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ۔

(۱۶) حضرت علی رضؓ کی شہادت کی رات حضرت امام حسن رضؓ نے خطبہ پڑھا۔ اور اس میں کہا۔ لَقَدْ قُبِضَ اللَّیْلَةَ عَرَجَ فِیْهِ بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ (طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۱) کہ آپ (حضرت علی رضؓ) اس رات فوت ہوئے ہیں۔ جس رات حضرت عیسیٰ ؑ کی

روح آسمان پر اُٹھائی گئی تھی - یعنی ۲۷ رمضان کو - اس حوالہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر فیصلہ فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم آسمان پر نہیں گیا - صرف روح اُٹھائی گئی -

(۱۷) حضرت خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب کے ص۴۴۶ پر تحریر فرماتے ہیں :- "وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَوْ اَدْرَکَاہُ لَزِمَھُمَا الدُّخُوْلُ فِیْ شَرِیْعَتِہٖ" کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو پاتے تو اُن پر آپ کی شریعت میں داخل ہونا لازم تھا -

حیاتِ مسیح کا عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر آیا

لکھا ہے - "فَفِیْ زَادِ الْمَعَادِ لِلْحَافِظِ ابْنِ قَیِّمٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا یُذْکَرُ اَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِیْنَ سَنَۃً لَا یُعْرَفُ بِہٖ اَثَرٌ یَجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْہِ قَالَ الشَّامِیُّ وَھُوَ کَمَا قَالَ فَاِنَّ ذٰلِکَ اِنَّمَا یُرْوٰی عَنِ النَّصَارٰی -" (فتح البیان جلد ۲ ص۴۹)

ترجمہ :- حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ۳۳ سال کی عمر میں اُٹھائے گئے - اس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی - تا اس کا ماننا واجب ہو - شامی نے کہا ہے کہ جیسا کہ امام ابن قیم نے فرمایا ہے - فی الواقع ایسا ہی ہے - اس عقیدہ کی بناء احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں بلکہ یہ نصاریٰ کی روایات ہیں - اور ان سے ہی یہ عقیدہ آیا ہے -

تردید حیاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

پہلی دلیل اور اُس کی تردید:۔ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ۔ ۔ ۔ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ (سورہ نساء رکوع ۲۳)۔

ترجمہ:۔ نہ انہوں نے (یہود نامسعود نے) مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ صلیب پر مارا۔ بلکہ اللہ نے مسیح کو اٹھا لیا۔

بل ابطالیہ کا ابطال

استدلال علماء:۔ "بل" اضرابیہ ابطالیہ ہے۔ جو ابطال جملہ اُولیٰ واثبات جملہ ثانیہ کی غرض سے آتا ہے۔ جب نہ قتل ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے۔ تو یقیناً زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔

الجواب۔ آسمان پر جانے اور مقتول و مصلوب ہونے میں کوئی ضدیت نہیں کیا جو نہ مقتول ہو نہ مصلوب وہ آسمان پر اُٹھایا جاتا ہے؟ کیا آنحضرت صلعم وحضرت موسیٰ ؑ کو زندہ آسمان پر مانتے ہو کیونکہ وہ نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب!

جواب ۲۔ آیت مذکورہ میں "بل" کو ابطالیہ قرار دینا غلط ہے بوجوہات ذیل قرآن میں ہے۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ (نمل رکوع ۵)۔

(الف) اس آیت میں تین دفعہ "بل" آیا ہے اور تینوں جگہ ابطالیہ نہیں بلکہ ترقی (اِنْتِقَال مِنْ غَرْضٍ اِلٰی اُخْریٰ) کے لئے آیا ہے۔

"بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" والی آیت میں "بل" کا ماقبل اور مابعد کلام خدا ہے پس "بل" ابطالیہ نہیں ہو سکتا۔

(ب) نحویوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں "بل" ابطالیہ نہیں آسکتا۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کفار کا قول نقل کرے۔ تو بغرض تردید اس میں "بل ابطالیہ" آسکتا ہے۔ ورنہ اصالتاً خدا تعالیٰ کے کلام میں ابطالیہ وارد نہیں ہوسکتا۔

ملاحظہ ہو:۔

(۱) مشہور نحوی ابن مالک کہتا ہے۔ اِنَّھَا لَا تَقَعُ فِی التَّنْزِیْلِ اِلَّا عَلٰی هٰذَا الْوَجْهِ (اَیْ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰی اٰخَرَ) (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۲) کہ قرآن مجید میں "بل" سوائے ترقی کے اور کسی صورت میں (یعنی بغرض ابطال) نہیں آتا۔

(۲) "قَالَ السُّیُوْطِیُّ بَعْدَ اَنْ نَقَلَ غَیْرَ ذَالِکَ اَیْضًا فَهٰذِهِ النُّقُوْلُ مُتَضَافِرَةٌ عَلٰی مَا قَالَ ابْنُ مَالِکٍ مِنْ عَدَمِ وُقُوْعِ الْاِضْرَابِ الْاِبْطَالِیِّ فِی الْقُرْاٰنِ" (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۲)۔

کہ سیوطی نے بہت سے اقوال اور مثالیں نقل کرکے کہا ہے کہ یہ تمام مثالیں ابن مالک کے اس قول کی تائید کرتی ہیں کہ قرآن میں "بل" ابطالیہ نہیں آتا۔

(۳) فَاِنَّ الَّذِیْ قَرَّرَهُ النَّاسُ فِیْ اِضْرَابِ الْاِبْطَالِ اِنَّهٗ الْوَاقِعُ بَعْدَ غَلَطٍ اَوْ نِسْیَانٍ اَوْ تَبَدُّلِ رَاْیٍ وَ الْقُرْاٰنُ مُنَزَّهٌ عَنْ ذَالِکَ" (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۳)

کہ نحویوں نے لکھا ہے کہ "بل" ابطالیہ یا تو غلطی یا نسیان کے بعد آتا ہے۔ اور یا تبدیلیٔ رائے کے موقع پر۔ اور قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاسکتیں۔ اس لئے قرآن میں ابطالیہ نہیں آسکتا۔

فَجَوَابُ اِنَّهٗ یُحْکٰی۔ (برحاشیہ مغنی اللبیب)

کہ ابن مالک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حکایتاً عن الخبر "بل" ابطالیہ آسکتا ہے ورنہ نہیں۔

استدلال ۲۔ قَتَلُوْہُ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسےٰؑ مع الجسم ہیں۔ تو رَفَعَہُ میں بھی حضرت عیسےٰؑ مع الجسم اُٹھائے گئے ہیں۔

جواب ۱۔ اوّل تو رفع کے معنی ہی یہ نہیں۔ لیکن اگر ہوں بھی تب بھی یہ ضروری نہیں کہ رَفَعَہُ والی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ مع الجسم ہی ہوں۔ چنانچہ دیکھیئے قرآن مجید میں ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (بقرہ رکوع ۱۹) نہ کہو اُن لوگوں کو مُردہ جو خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں۔ بلکہ وُہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس۔ اب اَحْیَاۤءٌ کا مبتدا محذوف ھُمْ ہے۔ اس کا مرجع مَنْ یُّقْتَلُ ہے۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ حالانکہ لفظ مَنْ میں بھی جسم مُراد ہے۔ پس کیا ضرور ہے کہ ہم رفع میں جسم بھی مُراد لیں۔

پھر سورۃ عبس میں ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَکْفَرَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ . . . ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔ (عبس رکوع ۱)۔

اَمَاتَہٗ اور فَاَقْبَرَہٗ کی ضمائر کا مرجع "الانسان" ہے جو رُوح اور جسم سے مرکب ہے۔ مگر کیا قبر میں رُوح اور جسم دونوں اکٹھے رکھے جاتے ہیں؟ "موت" تو نام ہی "اِخْرَاجُ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ" کا ہے۔ اگر "رُوح مع الجسم" مدفون ہو تو پھر زندہ دفن ہوا جو محال ہے۔ پس یہاں

آقبرہ کی ضمیر کا مرجع "انسان" بمعنی مجرد جسم ہوگا۔

(ب) علم بدیع کی اصطلاح میں اِسے صنعتِ استخدام کہتے ہیں:۔

"وَمِنْهُ الْاِسْتِخْدَامُ وَهُوَ اَنْ يُّرَادَ بِلَفْظٍ لَهٗ مَعْنَيَانِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِضَمِيْرِهِ الْاٰخَرُ اَوْ يُرَادُ بِاَحَدِ ضَمِيْرَيْهِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِالْاٰخِرِ الْاٰخَرُ" (تلخیص المفتاح صفحہ ۱۷)۔

کہ ایک لفظ جو ذو معنی ہو۔ اس کی طرف دو ضمیریں پھیر کر اُس سے دو الگ الگ مفہوم مُراد لینا۔ مثالیں اُوپر درج ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی کہے کہ عیسےٰؑ تو جسم اور رُوح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے پھر تم اکیلی رُوح کا رفع کیوں مُراد لیتے ہو۔ تو اوّل تو اُسے کہنا چاہیے کہ کسی کا نام مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں زید سیاہ ہے تو صرف جسم مُراد ہوگا۔ حالانکہ ہم نے لفظ زید بولا تھا۔ جو جسم اور رُوح دونو کا نام تھا مگر قرینہ حالیہ نے اس جگہ اس معنی کو روک دیا۔ یا کہیں زید نیک ہے۔ تو صرف رُوح مُراد ہوگی۔ اِسی طرح رفع ہمیشہ رُوح کا ہوتا ہے۔ اس تماکی جسم کے متعلق تو ازل سے یہی قانونِ الٰہی ہے۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔

لفظ رفع کی بحث

دوم۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے قائل ہیں مگر وہ رفع تھا رُوحانی جو کہ جسم سے اعلیٰ ہے جس طرح کہ رُوح جسم سے اعلیٰ ہے۔

جواب۔ بندہ کے لئے جب لفظ رفع استعمال ہو۔ تو ہر جگہ درجات کا

رفع مُراد ہوتا ہے خصوصاً جب رفع اللہ تعالیٰ کیطرف ہو۔ کیونکہ اسکی شان ہے۔

قرآن مجید اور لفظ رفع

(۱) وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ" (انعام ع۱) کہ وُہ خدا آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ (۲) اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (بقرہ ع ۱۴) جدھر تم مُنہ کرو۔ اُدھر ہی اللہ ہے۔ (۳) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق ۲) کہ ہم انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ تو اس کی طرف رفع کے لئے آسمان وغیرہ پر جانا ضروری نہیں بلکہ وہ رفع اسی زمین پر ہوتے ہوئے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ آنحضرت صلعم بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ (دو سجدوں کے درمیان) جو دُعا پڑھا کرتے تھے۔ اس میں ایک لفظ وَارْفَعْنِیْ بھی ہے۔ یعنی اے اللہ میرا رفع کر۔ (کتاب ابن ماجہ)۔

سب مومن مانتے ہیں کہ آپؐ کا رفع ہوا مگر زمین پر ہی رہ کر۔ بھائیو جب وہی لفظ رفع آنحضرت صلعم کیلئے آتا ہے تو آسمان پر جانا مُراد نہیں لیتے۔ اور جب عیسیٰ ؑ کے لئے آوے تو وہاں مُراد لیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پھر طرفہ یہ کہ تمام قرآن اور احادیث میں کہیں بھی اس لفظ رفع کے معنی آسمان پر جانا نہیں۔ چنانچہ دیکھئے فرمایا:۔

(۱) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (اعراف ع ۲۲) اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا رفع کر دیتے۔ لیکن وُہ جُھک گیا زمین کی طرف۔ اِس جگہ بالاتفاق درجات کی ترقّی مُراد ہے آسمان پر لے جانے کا ارادہ بتانا مدِنظر نہیں

(۲) وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا (مریم ع ۴) یعنی ہم نے ادریسؑ کا رفع بلند مکان پر کیا۔

(۳) فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ (نور رکوع ۵)۔

(۴) فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (سورہ عبس)

(۵) وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (واقعہ رکوع ۱)۔

(۶) یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔ دَرَجٰت (مجادلہ رکوع ۲)

گویا جب بھی کسی مومن اور عالم کے متعلق اللہ یہ کہے کہ میں نے اس کا رفع کیا ہے تو اس سے مراد آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ "درجات" کا بلند ہونا ہوتا ہے۔ عیسیٰؑ سے زیادہ ان کے زمانہ میں کون مومن اور عالم تھا؟ پس آپ کے رفع سے مراد بھی ترقی درجات ہے۔

احادیث اور لفظ "رفع"

(۱) اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵۳) جب بندہ فروتنی کرتا ہے (خدا کے آگے گرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کر لیتا ہے۔

نوٹ:۔ یہ حدیث محاورۂ زبان کے لحاظ سے بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے معنی کرنے کیلئے واضح نص ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ "رفع" بھی موجود ہے۔ "رفع" کرنیوالا بھی اللہ ہے۔ اور خاص بات جو اس میں موجود ہے وہ یہ کہ "رفع" کے فعل کا صلہ بھی "اِلیٰ" ہی آیا ہے۔ جیساکہ آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں ہے اور زاید بات یہ کہ اس میں "ساتویں آسمان" کا لفظ بھی موجود ہے (السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ) حالانکہ آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں "آسمان" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ وہاں "رفع" "اللہ" کیطرف ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ "وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ

وَفِی الْاَرْضِ"۔ (انعام ع ۱) کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی۔
مگر مندرجہ بالا حدیث میں تو لفظ "آسمان" بھی موجود ہے۔ مگر پھر بھی مولوی صاحبان اس کا ترجمہ رُوحانی رفع یعنی بلندی درجات ہی لیتے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ حضرت عیسےٰؑ کیلئے جو لفظ "رفع" استعمال ہُوا ہے۔ اس میں بھی "رفع" کے معنی "بلندی درجات" ہی کے ہیں نہ کہ آسمان پر چڑھ جانے کے۔

(۲) مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ مصری) کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ اللہ کے آگے گرا ہو۔ اور پھر اللہ نے اس کا "رفع" نہ کیا ہو۔ (یعنی جو اللہ کے آگے گرے۔ اللہ اس کا رفع کرلیتا ہے)۔

(۳) آنحضرت صلعم اپنے چچا حضرت عباسؓ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:۔
"رَفَعَکَ اللّٰہُ یَا عَمِّ"۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۶۸)۔ اے میرے چچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا "رفع" کرے۔

(۴) "اَلتَّوَاضُعُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَۃً فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعُکُمُ اللّٰہُ"۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶)
خاکساری انسان کو رفعت میں بڑھاتی ہے۔ پس تم انکساری کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رفع کریگا۔

(۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵)۔
جو شخص اللہ کے آگے گر جائے۔ اللہ اُس کا رفع کرتا ہے۔

(۶) "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ تَخَشُّعًا لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ"۔ جو انکساری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے آگے گرے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔

لغاتِ عرب اور لفظ "رفع"

(۱) صحاح جوہری جلد ۱ صفحہ ۵۹۴ :- الرَّفْعُ تَقْرِیْبُكَ الشَّیْءَ ۔ رفع سے مُراد کسی چیز کو قریب کرنا ہے۔

(۲) اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ :- رَفَعَهٗ اِلَی السُّلْطَانِ اے قَرَّبَهٗ قریب کیا اس کو بادشاہ کے ۔ یعنی اس کا مقرب بنایا۔

(۳) لسان العرب جلد ۹ صفحہ ۴۸۸ :- فِیْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی الرَّافِعُ ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ وَالرَّفْعُ تَقْرِیْبُكَ الشَّیْءَ مِنَ الشَّیْءِ وَفِی التَّنْزِیْلِ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُقَرَّبَۃٍ لَھُمْ وَیُقَالُ نِسَاءٌ مَرْفُوْعَاتٌ اے مُکَرَّمَاتٌ مِنْ قَوْلِكَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ مَنْ یَشَاءُ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ قَالَ الزُّجَاجُ قَالَ الْحَسَنُ تَاوِیْلُ اَنْ تُرْفَعَ اَنْ تُعَظَّمَ ۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رافع کا لفظ ہے ۔ کیونکہ وہ بلند کرتا ہے ۔ مومن کو سعادت کے ساتھ اور اپنے دوستوں کو قرب کے ساتھ اور رفع کسی چیز کو کسی چیز کے قریب کرنا ! در قرآن شریف میں ہے یعنی انکی عزت کی جائے گی ۔

(۴) تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ :- اَلرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَمِنْہُ حَدِیْثُ الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْنِیْ ۔ کہ رفع "وضع" کی ضد ہے جیسا کہ حدیث دعا میں ہے کہ اے میرے رب میرا رفع کر۔

(۵) منتہی الارب جلد ۱ صفحہ ۱۷۷ :- رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ رَفْعًا اے

قرابتہ (۶) "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَحْتَمِلُ رَفْعَهٗ اِلَی السَّمَاءِ وَ رَفْعَهٗ مِنْ حَیْثُ التَّشْرِیْفِ۔" (مفردات راغب حاشیہ نہایہ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۸)

تفاسیر سے "رفع" کے معنے

آنحضرت صلعم کیلئے رَفَعَهُ اِلَیْهِ کا استعمال (۱) یہ عجیب بات ہے کہ رَفَعَهُ اِلَیْهِ کے الفاظ بعینہٖ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوئے ہیں۔ اور اس استعمال سے آیت متنازعہ فیہ کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔ "حَتّٰی اِذَا دَعَا اللّٰهُ نَبِیَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَیْهِ۔" (تفسیر صافی ص ۱۱۳ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) یعنی حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلایا اور آپ کا اپنی طرف رفع کیا۔ (یعنی آپ کو وفات دی)۔ بعینہٖ اسی طرح آنحضرت صلعم کے لئے "رَفَعَهُ اِلَیْهِ" کا لفظ بمعنی وفات کتاب وَمَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص ۹۲ پر بھی ہے۔ ان ہر دو حوالوں میں لفظ رفع بھی ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور صلہ اِلٰی ہے۔ مگر معنی موت کے ہیں۔

(۲) تفسیر سرسید احمد خاں جلد ۲ ص ۴۷:۔ "پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے۔ جس سے عیسیٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھا لینے کا۔"

(۳) تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۹۰:۔ "وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اسے درپہ رفع عملک۔"

اِلَیَّ وَھُوَ کَقَوْلِہٖ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ اَنَّهٗ تَعَالٰی بَشَّرَهٗ بِقَبُوْلِ طَاعَتِهٖ وَاَعْمَالِهٖ

...... الخ کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کے معنے ہیں کہ میں تیرے اعمال کو اٹھانیوالا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کیطرح ہے کہ "اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ"۔ اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ کو انکی نیکیوں کے قبول کرنے کی بشارت دی۔ وَاَعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفْعَهٗ فِیْ قَوْلِهٖ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ھُوَ الرِّفْعَةُ بِالدَّرَجَةِ وَالْمُنْقَبِلَةِ بِالْمَکَانِ وَالْجِهَةِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱)

یعنی اس آیت سے جو مسیح کا رفع ثابت ہوتا ہے۔ یہ درجات کی ترقی اور عزت کا رفع مراد ہے۔ رفع مکانی (جیسا کہ غیر احمدی مانتے ہیں) اور جہت والا مراد نہیں۔

(۴) تفسیر جامع البیان صفحہ ۵۲:۔ رَافِعُكَ اِلَیَّ اے اِلٰی مَحَلِّ کَرَامَتِیْ یعنی اپنے عزت کے مقام کیطرف تیرا رفع کرنیوالا ہوں۔ گویا جنت میں داخل کرونگا۔ بمصداق يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

(۵) تفسیر روح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۳۱:۔ رَافِعُكَ اِلَیَّ اے اِلٰی مَحَلِّ کَرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلٰٓئِکَتِیْ وَجَعَلَ ذٰلِكَ رَفْعًا اِلَیْهِ لِلتَّعْظِیْمِ مِثْلُهٗ قَوْلُهٗ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ وَاِنَّمَا ذَهَبَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَی الشَّامِ یعنی اللہ تعالےٰ کا اپنی طرف رفع فرمانا صرف تعظیم کیلئے

ہے جیسا کہ اس قول میں ہے۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔

لفظ "رفع" کے متعلق چیلنج

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہے۔ کہ قرآن مجید۔ احادیث۔ تفاسیر اور عرب کے محاورہ کے رُو سے لفظ "رفع" جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان کی نسبت بولا جائے۔ تو اس کے معنی ہمیشہ ہی بلندی درجات اور قربِ رُوحانی کے ہوتے ہیں۔ ہم نے غیر احمدی علماء کو بارہا یہ چیلنج دیا ہے۔ کہ وہ کلام عرب سے ایک ہی مثال اس امر کی پیش کریں۔ کہ لفظ "رفع" کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو۔ اور کوئی انسان اس کا مفعول ہو۔ اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لینے کے ہوں۔ مگر آج تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکی۔ اور نہ آئندہ پیش کی جا سکے گی۔

غیر احمدی علماء کے مطالبہ کا جواب

ہمارے مندرجہ بالا چیلنج کا مُنہ چڑانے کے لئے مؤلف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اپنی پاکٹ بک کے ص۵۱۶ پر یہ لکھ کر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہ

"جب رَفَعَ۔ یَرْفَعُ رَفْعاً فَھُوَ رَافِعٌ میں سے کوئی بولا جائے۔ جہاں اللہ تعالےٰ فاعل ہو۔ اور مفعول جوہر ہو۔

(عوض نہ ہو) اور صلہ اِلیٰ مذکور ہو۔ اور مجرور اس کا ضمیر ہو۔ اسم ظاہر نہ ہو۔ اور وہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو۔ وہاں سوائے آسمان پر اُٹھانے کے دُوسرے معنی ہوتے ہی نہیں"۔

جواب ملا:۔ تم نے یہ من گھڑت قاعدہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اگر کہو کہ جس طرح تم نے "رفع" کے متعلق اپنے چیلنج میں ایک قاعدہ خود ہی بنالیا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی بنالیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم لفظ "رفع" کے متعلق چیلنج مندرجہ بالا میں جو شرائط درج کی ہیں۔ وہ ہمارے خود ساختہ قاعدہ کی بناء پر نہیں۔ بلکہ لغتِ عرب میں درج ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے:۔

"فِی اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالیٰ الرَّافِعُ ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَ اَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ"

کہ رافع اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ وُہ مومنوں کا رفع اِن معنوں میں کرتا ہے۔ کہ ان کو سعادت بخشتا ہے۔ اور اپنے دوستوں کا رفع اِن معنوں میں کرتا ہے کہ ان کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

گویا اللہ کے رفع کا فاعل اور انسان (مومن اولیاء) کے مفعول ہونے کی صورت میں لفظ "رفع" کے معنی بلندی درجات و حصولِ قربِ الٰہی ہے۔ پس ہمارے چیلنج کی شرائط

تو مندرجہ بالا حوالۂ لغت پر مبنی ہیں۔ مگر تم بتاؤ کہ تم نے جو قاعدہ درج کیا ہے۔ اس کی سند محاورۂ عرب میں کہاں ہے؟ یعنی تم نے کس محاورۂ عرب کی بناء پر یہ قاعدہ وضع کیا ہے؟

جواب نمبر ۲:۔ تمہارے من گھڑت قاعدہ کی تغلیط کے لئے مندرجہ ذیل دو۲ مثالیں کافی ہیں:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ "حَتّٰی اِذَا دَعَی اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ" (تفسیر صافی ص۱۱۲ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل)۔ یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور ان کا اپنی طرف رفع کر لیا۔

(۲) حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی حافظ ابن عبد البرّ کا مندرجہ ذیل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی نسبت نقل کرتے ہیں:۔

"کَانَ الْحِکْمَۃُ فِیْ بَعْثِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِدَایَۃُ الْخَلْقِ وَتَتْمِیْمُ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَکْمِیْلُ مَبَانِی الدِّیْنِ فَحِیْنَ حَصَلَ ھٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ ھٰذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" (ماثبت بالسنۃ ص۹۲ مطبع محمدی لاہور ص۳۹)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں حکمت محض یہ تھی کہ مخلوق کو ہدایت ہو۔ اور اخلاق اور دین کی تکمیل ہو

پس جب یہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طرف رفع فرمالیا۔

ان ہر دو حوالجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دفعہ اللہ الیہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن میں اللہ فاعل۔ مفعول جوہر ہے عرض نہیں۔ صلہ بھی اِلیٰ مذکور ہے۔ اور مجرور اسم ظاہر نہیں۔ بلکہ "ہ" کی ضمیر ہے اور یہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے۔ مگر یہاں معنی آسمان پر مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں بلکہ متفقہ طور پر فوت ہو جانے کے معنی ہیں۔

(لفظ رفع کی دوسری مثالیں پہلے گذر چکی ہیں)

قرآن کریم اور لفظ اِلیٰ (۱) انی ذاھبٌ الیٰ ربّی (صفت ع ۳) (۲) انّی مھاجر الیٰ ربّی (عنکبوت رکوع ۳) (۳) اِلیہِ مرجعکُم (انعام ع ۷، یونس ع ۱) (۴) ففرّوا الی اللہ (الذاریٰت ع ۳) (۵) انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعُون (بقرہ ع ۹) (۶) الیہ ترجعُونَ (یوسف ع ۷)

اس استدلال پر چند اعتراضات۔ اس آیت سے اگر حضرت عیسےٰ کا آسمان پر جانا مراد ہو سکتا ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالےٰ آسمان پر محدود ہے۔ اور وہ بھی دوسرے آسمان پر۔ حالانکہ محدودیت باری محال ہے۔ پس عقیدہ حیات مسیح بھی محال ہے۔

دوم۔ کتب نحو میں اِلیٰ کے معنے لکھے ہیں۔ کہ یہ انتہا غایت کے لئے آتا ہے تو اب اگر آسمان پر جانے کے معنے درست ہوں۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھے

ہیں۔ درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہیں۔ ورنہ پورے طور پر اِلیٰ کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ پس ان معنوں پر ضد کرنا سراسر جہالت ہے

استدلال ۳۔ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنی طاقت اور قدرت کا ذکر کر کے بتا دیا ہے۔ کہ یہاں آسمان پر ہی جانا مراد ہے۔

جواب ۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا تھا۔ تو اس کا ذکر سورہ توبہ ع ۶ میں کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس موقعہ پر آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ یا زمین پر ہی رکھ کر خدا تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ اور اپنی قدرت کا ثبوت دیا تھا۔ کیا قدرت کسی چیز کو چھپانے میں نہیں بلکہ دشمن کے سامنے رکھ کر محفوظ رکھنے میں ہے۔ لہذا تمہارے اعتقاد کی رو سے خدا تعالیٰ بزدل ٹھہرتا ہے۔ کیا زمین پر عیسیٰ کو رکھتے ہوئے یہودیوں سے ڈرتا تھا؟ (نعوذ باللہ)

حیات مسیح کی دوسری دلیل۔ وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِہَا (زخرف ع ۶) ترجمہ:۔ بقول غیر احمدیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں۔ پس تم اس میں مت شک کرو۔ بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

جواب ۱۔ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا مرجع قرآن کریم یا آنحضرت صلعم ماننے چاہئیں۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں زیر آیت ہذا لکھا ہے۔

قَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَۃٌ اِنَّہٗ یَعْنِیْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ

امام حسنؓ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔ پھر تفسیر جامع البیان میں بھی اس آیت کے نیچے لکھا ہے وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ ۔ کہ بعض نے اس ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا ہے۔

پھر تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے وَقِیْلَ اَنَّ مَعْنٰہُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلِیْلٌ لِلسَّاعَۃِ لِاَنَّہٗ اٰخِرُ الْکُتُبِ ۔ کہ بعض نے اس کے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ قرآن کریم قیامت کی دلیل ہے کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔ اگر تمہاری بات ہی کو درست فرض کر لیا جائے۔ تو اس صورت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع "ابن مریم مثلاً" (یعنی مثیل مسیح) کی طرف ہوگا۔ "مثل" کے معنے لغت میں "اَلشِّبْہُ وَالنَّظِیْرُ" (المنجد) مانند اور نظیر کے ہیں یعنی "مثیل"۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ" کہ جب ابن مریم کا مثیل بھیجا جائے گا۔ تو خود آنحضرت صلعم کی قوم کہلانے والے لوگ اس پہ تالیاں بجائیں گے؟

نیز منتہی الارب فی لغات العرب میں بھی "مثل" کے معنی مانند اور ہمتا اور نظیر کے لکھے ہیں چنانچہ ہمارے بیان کردہ ان معنوں کی تائید نبراس شرح عقاید نسفی (جو اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتاب ہے) کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے "قَالَ مُقَاتِلُ بْنُ سُلَیْمَانَ وَمَنْ تَابَعَہٗ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَۃِ قَالَ ھُوَ الْمَھْدِیُّ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَبَعْدَ خُرُوْجِہٖ تَکُوْنُ اَمَارَاتُ السَّاعَۃِ" (نبراس صفحہ ۳۸۸ حاشیہ) کہ مقاتل بن سلیمان اور اس کے ہم خیال مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّہٗ

اَعلَم لِلسَّاعَۃِ سے مراد مہدی ہے۔ جس کی آمد کے بعد قیامت کی شرائط ظاہر ہوں گی۔

نوٹ:۔ تالیاں بجانے کی قرآنی پیشگوئی کو غیر احمدی قریباً ہر مناظرہ کے موقعہ پر پورا کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ "اِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ا صـ۸۷ مصری و تجرید بخاری مترجم حدیث ۳۸۷) یعنے تالیاں بجانا صرف عورتوں کا کام ہے۔ خادم

غیر احمدی:۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے مسند احمد جلد ا صـ۳۱۷ و درّ منثور جلد ۶ صـ۲۰ ۔ فتح البیان جلد ۸ صـ۳۱۱ و ابن کثیر جلد ۹ صـ۱۷۱ میں مروی ہے۔ کہ اس آیت میں نزول مسیح قبل از قیامت مراد ہے۔ ایسا ہی ابن جریر جلد ۱۵ صـ۴۸ میں ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صـ۵۳۲)

جواب:۔ فتح البیان اور درّ منثور میں تو تمہاری پیش کردہ روایت کی سند درج نہیں ہے۔ البتہ ابن کثیر اور ابن جریر میں جسقدر سندوں سے یہ تفسیر مروی ہے وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن کثیر میں یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے۔ اور دونوں کا راوی عاصم بن ابی النجود ہے جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"ثبت فی القراءۃ وھو فی الحدیث دون الثبت ....

قَالَ یحیی القطان مَا وجدت رجلًا اسمہ عاصم الّا وجدتہ ردیٔ الحفظ وقال النسائی لیس بحافظ وقال الدارقطنی فی حفظ عا

شیئ ..... وقال ابن خراش فی حدیثہ نکرۃ ..... وقال ابو حاتم لیس محلہ ان یقال ثقۃ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۶)

کہ یہ راوی قرآن مجید اچھا پڑھتا تھا۔ لیکن حدیث میں مضبوط راوی نہ تھا۔ یحیی کہتے ہیں کہ عاصم نام کا میں نے کوئی راوی اچھے حافظہ والا نہیں دیکھا۔ امام نسائیؒ نے بھی اس راوی کے متعلق کہا ہے۔ کہ یہ اچھا راوی نہ تھا۔ ابن خراش نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ ثقہ نہ تھا۔

ابن جریر کے طریقوں میں سے پہلے تین میں تو یہی عاصم بن ابی النجود راوی ہے جو منکر الحدیث اور غیر ثقہ ہے۔ علاوہ ازیں پہلے طریقہ میں اس عاصم کے علاوہ ایک راوی ابویحیی مصدع بھی ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ نیز لکھا ہے کہ "تذکرہ الجوزجانی فی الضعفاء ..... وقال ابن حبان فی الضعفاء کان یخالف الاثبات فی الروایات وینفرد بالمناکیر" (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۸) کہ یہ راوی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے

ابن جریر کے دوسرے طریقہ میں عاصم کے علاوہ ایک راوی غالب بن خالد ہے اس کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "قال الازدی یتکلمون فیہ وقال العقیلی یخالف فی حدیثہ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۲۹) کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں محدثین کو کلام ہے۔ اور عقیلی نے کہا ہے۔ کہ اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۳۸۹ پر عقیلی کا قول اس راوی کی نسبت نقل کیا ہے

کہ "صَاحِبُ وَھْمٍ" کہ یہ وہمی آدمی تھا۔ اسی طرح ابن جریر کی چوتھی روایت کا ایک راوی فُضَیل بن مرزوق الرقاشی ہے۔ جو شیعہ تھا۔ اس کے متعلق ابوحاتم کا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ اس راوی کی روایت حجت نہیں اور "قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ" نیز ابن حبان نے اسے خطا کار اور ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز ابن معین نے بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۹۹)

پس یہ ہے تمہاری پیش کردہ "تفسیر ابن عباس" کی حقیقت! باقی رہی تمہاری شب معراج میں انبیاء کی چار کونسل والی ابن ماجہ کی روایت سو اس کی حقیقت حیات مسیح کی چودھویں دلیل کے جواب میں دیکھو۔

غیر احمدی :۔ حضرت مرزا صاحب نے اعجاز احمدی صفحہ ۱۲ اور حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۰ پر "اِنَّہٗ" کی ضمیر کا مرجع مسیح کو مانا ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۲۵)

جواب ۱ :۔ حضور نے بھی اسی صورت میں مانا ہے۔ جس صورت میں ہم نے ویسا ہی مان کر جواب نمبر ۲ و ۳ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ یعنی اس رنگ میں کہ اگر "اِنَّہٗ" کی ضمیر کا مرجع مسیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی اس سے حیات مسیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے مراد مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی یا ہلاکت بنی اسرائیل کی پیشگوئی لی جائے گی۔

جواب ۲ :۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ یہ مصدر ہے۔ اور مصدر کبھی کبھی مبالغہ کے لئے بھی آ جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں زَیْدٌ عَدْلٌ زید بہت عادل ہے۔ اسی طرح یہاں ہے کہ مسیح قیامت کا اچھی طرح جاننے والا تھا۔ یعنی اس کو یقین تھا

کہ قیامت ہوگی۔ اور وہاں وہ اپنے دشمنوں کو پابہ زنجیر دیکھے گا۔ اس میں یہود پر بھی ایک حجت ہے۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ منکر قیامت تھا۔ یا وہ یہود نامسعود کی ہلاکت کے وقت کو جانتا تھا۔

اگر "نشانی" بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو ساعت سے مراد قیامت کبریٰ تو ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ جواب ۱ میں گذر چکا ہے ہاں یہود کی ہلاکت کی گھڑی مراد ہو سکتی ہے۔ اور مطلب یہ بن جائے گا۔ کہ عیسےٰ بن مریم کا بے باپ پیدا ہونا اس بات کا بدیہی نشان تھا کہ سب بنی اسرائیل گندے ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ہلاکت دروازہ پر کھڑی ہے۔

جواب ۳: ساعت سے مراد ہلاکت بنی اسرائیل کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے!

جواب ۴: اگر فی الواقع یہ معنے درست ہوتے جو ہمارے دوست کرتے ہیں۔ تو اگلے حصے فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا کا لانا لغو بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقلمندی سے بعید ہے۔ کہ ابھی وہ نشانی آئی بھی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ آنحضرت صلعم کے منکروں کو فرماتا ہے۔ کہ تم اس میں شک نہ کرو۔ بھلا کبھی ایسے ابھی نشانی نے ایک نامعلوم مدت کے بعد آنا ہے۔ تو ان کو شک سے کس طرح پر روکا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اس جگہ مسیح کا قیامت کی نشانی ہونے کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو قیامت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔ ورنہ یہ حصہ بے معنی بنتا ہے۔

جواب ۵: فَلَا تَمْتَرُنَّ کے بعد ہے وَاتَّبِعُونِ کہ میری پیروی کرو اگر قیامت کی نشانی حضرت مسیح تھے۔ تو اس کی مناسبت میں یہ فرمانا چاہیئے

تھا کہ تم اس کی پیروی کرنا۔ یہ کہنے کے کیا معنی کہ میری اتباع کرو۔ اس میں یہ بھی کہ میری پیروی کرو۔ صاف بتا دیا۔ کہ کوئی مسیح ناصری نہ آئے گا۔ بلکہ تم اے مسلمانو! خود مسیح بنو۔ اور اس کا طریق یہ ہے۔ کہ تم میری اتباع کرو۔

لطیفہ:۔ یہ متنازعہ فیہا آیت سورہ زخرف کی ہے۔ جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ مسیح چونکہ علم للساعۃ ہیں۔ اس لئے وہ ضرور قیامت سے پیشتر تشریف لائیں گے لیکن اگر حضرت مسیحؑ کو علم للساعۃ مان بھی لیا جائے۔ تب بھی آپ اُمت محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالےٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کہ وہ علم الساعۃ جسے تم دوبارہ زمین پر اتار رہے ہو۔ وہ اب اللہ کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ تو تمہارے پاس ہرگز نہ آئے گا۔ ہاں تم ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے پس اس کی انتظار فضول ترک کر دو۔

حیات مسیحؑ کی تیسری دلیل:۔ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (پ۶ نساء رکوع ۲۲) ترجمہ:۔ اور کوئی اہل کتاب (یہودی) نہیں مگر وہ حضرت عیسےٰؑ پر ضرور ایمان لائیگا۔ اس کی موت سے پیشتر یعنی عیسےٰؑ کے مرنے سے پہلے سب یہود ایمان لائیں گے۔ چونکہ تا زمانا وہ سب ایمان نہیں لا رہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور آخری زمانہ میں تشریف لاکر کفار سے منوائیں گے

الجواب۔ غیر احمدیوں کا مندرجہ بالا استدلال بایں وجوہ باطل ہے۔

وجہ اوّل یہ وہ ایمان ہے جس میں اہل کتاب کا ہر فرد شامل ہے۔ کیونکہ لفظ "اِنْ"

مِنْ" حصر کے لئے آتے ہیں۔ اور جو ایمان غیر احمدی مراد لیتے ہیں۔ وہ ہزارہا مرنے والے اہل کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ پس اگر یہ معنے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان سب اہل کتاب کو حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی تک زندہ رکھتا تا وہ ایمان لے آویں۔ اور خدا کا فرمودہ سچ ثابت ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ معنے ہی غلط ہیں۔

اس جگہ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ وہ سب یہودی ایمان لائیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے تو اوّل تو آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ دوم احادیث میں تو لکھا ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار یہود دجال کے ساتھ ہوں گے جو مارے جائیں گے۔ اور کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ پر لکھا ہے۔ کہ تیرہ ہزار یہودی عورتیں مسیح کا اتباع کریں گی۔ پس یہ معنی بھی غلط ہیں۔

وجہ دوئم۔ یہ معنی اس لئے غلط ہیں کہ آگے پیچھے اس کے سب بدیاں بھری ہوئی ہیں اور جو ان میں سے نیک ہیں۔ ان کی نیکیوں کا ذکر لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ سے شروع ہوتا ہے۔ تو اب یہ طریق حکمت کے خلاف ہے۔ کہ ایسی عظیم الشان نیکی کے بعد بھی ان کی بدیاں مذکور ہوں۔ اور معاف نہ کی جائیں۔ پھر جس طرح یہ بات حکمت کے بر خلاف ہے۔ اسی طرح یہ قرآن کریم کے طرز بیان کے بھی برعکس ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ سوم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ضرور کوئی اختلاف (توانین قدرت کے مضامین

وغیرہ میں) ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت پر دلیل بیان فرمایا ہے۔ لیکن اگر غیر احمدیوں کے معنے صحیح تسلیم کئے جائیں تو قرآن کریم میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ماقبل فرمایا ہے فَلَا یُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ کہ یہ تھوڑا مانیں گے۔ بلکہ مانیں گے ہی نہیں لیکن یہاں کہہ دیا۔ کہ سب ایمان لے آئیں گے۔ (بقول غیر احمدی صاحبان)

وجہ چہارم۔ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو فرماتا ہے۔ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (آل عمران) میں تیرے متبعین کو یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ کہ ہم نے ان میں قیامت تک بغض اور عداوت ڈال دی ہے۔ (مائدہ ۳۶) اور مائدہ رکوع ۹ میں ہے۔ وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ۔ اب ذرا سوچو۔ کہ سب اہل کتاب ایمان لے آئیں اور سب یہودی حضرت عیسیٰؑ کے متبع ہو جائیں۔ تو ان پر قیامت تک غلبہ کیونکر؟ اور ان میں بغض و عداوت کیسا؟ پس ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ پنجم۔ مَوْتِهٖ میں ہٖ کی ضمیر کی بجائے دوسری قرأت میں هُمْ کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے۔ اور جس سے صرف اہل کتاب ہی مراد لئے جا سکتے ہیں هُمْ کے لئے دیکھیں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ هِیَ فِیْ قِرَاءَةِ اُبَیٍّ قَبْلَ مَوْتِهِمْ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۵) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ ابیؓ بن کعب کی قرأت میں مَوْتِهٖ کی جگہ مَوْتِهِمْ آیا ہے۔

قَبْلَ مَوْتِهِمْ کے راوی

غیر احمدی:۔ قَبْلَ مَوْتِہِمْ والی قرأت جو ابن عباس سے مروی ہے کذب محض ہے۔ اس میں دو راوی خصیف اور عتاب بن بشیر مجروح ہیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۰ بار دوم)

جواب:۔ ابن جریر نے ابن عباس سے پانچ روایات "قَبْلَ مَوْتِهِمْ" والی قرأت کی نقل کی ہیں۔ جن میں سے چار روایات ایسی ہیں جن میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ پس دوسری روایات تو تمہارے نزدیک بھی قابل اعتراض نہ ٹھہریں۔ تو ابن عباس سے "مَوْتِهِمْ" والی قرأت تو ثابت ہو گئی اعتراض کیا رہا؟

(۲) باقی رہی پانچویں روایت۔ جس کے راوی خصیف اور عتاب بن بشیر ہیں۔ تو یہ روایت بھی درست ہے۔ خصیف بن عبد الرحمٰن کے متعلق لکھا ہے "قَالَ ابْنُ مَعِینٍ لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ وَقَالَ مَرَّۃً ثِقَۃٌ ...... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ ثِقَۃً ...... قَالَ السَّاجِیُّ صَدُوْقٌ" (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ $\frac{143}{144}$) کہ خصیف ثقہ راوی تھا۔ جن لوگوں نے خصیف پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ روایت جو خصیف سے عبد العزیز بن عبد الرحمٰن روایت کرے۔ وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے کیونکہ لکھا ہے کہ "وَالْبَلَاءُ مِنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ لَا مِنْ خُصَیْفٍ" (تہذیب حوالہ مذکور) (یعنی نقص عبد العزیز میں ہے نہ کہ خصیف میں) لیکن روایت متنازعہ میں عبد العزیز راوی نہیں ہے۔ اسی طرح سے اس

روایت کا دوسرا راوی "عتاب بن بشیر" بھی قابل اعتبار اور ثقہ ہے
جیسا کہ لکھا ہے :- "قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ عَنْ ابْنِ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ....
كذا أرخه ابن حبان في الثقات قال الحاكم عن الدارقطني ثقة
(تہذیب جلد ۷ صفحہ ۹۱) یعنی عتاب بن بشیر کو ابن معین اور ابن حبان اور
دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

غیر احمدی :- ابن جریر میں ابن عباس کا قول "قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى"
سعید بن جبیر کے طریق سے باسنادِ صحیح درج ہے۔ بحوالہ ارشاد الساری
شرح صحیح بخاری" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۲۸)

جواب :- ابن جریر میں سعید بن جبیر کے طریق سے صرف دو روایات
درج ہیں۔ پہلی روایت محمد بن بشار نے ابن مہدی عبدالرحمٰن سے اور اس
نے سفیان سے اور اس نے ابی حصین سے اور اس نے سعید بن جبیر سے
سو یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ لکھا ہے :- "قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ
بن سيار سمعت عمرو بن علي يحلف ان بندارا يكذب فيما يروي
عن يحيى.... قال عبد الله بن علي بن المديني سمعت ابي وسألته عن
حديث رواه بندار عن ابن مهدي.... فقال هذا كذب... فرأيت
يحيى لا يعبأ به ويستضعفه ورأيت القواريري لا يرضاه (تہذیب
التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱) کہ عبد اللہ بن محمد کہتے ہیں۔ کہ عمرو بن علی نے حلف اٹھا کر
کہا کہ محمد بن بشار بندار جھوٹ بولتا تھا۔ ان روایات میں جو اس نے یحییٰ سے
روایت کی ہیں۔ اسی طرح سے علی بن المدینی سے محمد بن بشار کی ایک روایت جو

ابن مہدی سے لی ہے پوچھی گئی۔ تو انہوں نے اس روایت کو کذب محض قرار دیا۔ اسی طرح یحیٰی بن معین، محمد بن بشار کو اچھا نہیں سمجھتے تھے (اس کی پرواہ نہ کرتے تھے) بلکہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی طرح قواریری بھی اسے پسند نہ کرتا تھا۔ یہ تو حال ہے پہلی روایت کا (یاد رہے کہ یہ روایت بھی محمد بن بشار نے ابن مہدی سے روایت کی ہے) دوسری روایت کا ایک راوی ابی بن العباس بن سہل الانصاری ہے جس کے متعلق لکھا ہے "قَالَ اَبُوبشر الدولابی لَیْسَ بالقوی قلت وقال ابن معین ضعیف وقال احمد منکر الحدیث وقال النسائی لیس بالقوی وقال العقیلی لہ احادیث لا یتابع علیٰ شیء منھا ... قال البخاری لیس بالقوی" (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۱۸۶) کہ ابو بشر الدولابی نے کہا ہے کہ یہ راوی ثقہ نہیں ابن معین نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک منکر الحدیث تھا۔ اور نسائی نے بھی غیر قوی قرار دیا ہے عقیلی نے لکھا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابل اتباع نہیں ہوتی۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ راوی قوی نہیں ہے۔

ابن جریر میں "موت عیسیٰ" والی ابن عباس سے صرف ایک ہی اور روایت ہے۔ اگرچہ وہ سعید بن جبیر کے طریق سے تو نہیں۔ لیکن پھر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی یہی ابی بن العباس راوی ہے جو ضعیف ہے۔ پھر لکھا ہے۔ "وتنزل علیہ قراءۃ ابی الا لیؤمنن بہ قبل موتہم علی معنی وان منھم احد الا لیؤمنون بہ قبل موتہم" (تفسیر

کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۹۵) یعنی ان معنوں پر حضرت ابی ابن کعب کی یہ قرأت دلالت
کرتی ہے "اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہِمْ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں
سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے

حضرت ابی ابن کعب کی قرأت کی اہمیت بخاری کی اس حدیث سے
ظاہر ہے سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلعم یَقُوْلُ خُذُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَۃٍ
مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَبَدَءَ بِہٖ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ
وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب
ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ مصری)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ حضرت سالمؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ سے سیکھو
اب منتقی مومن کا فرض ہے کہ وہ دونوں قرأتوں کو مدنظر رکھ کر معنے کرے
اور وہ یہی ہوں گے کہ یہود کا ہر فرد حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے پر ایمان
لائیگا اور لاتا ہے۔ ورنہ وہ یہودیت کو ترک کرکے صداقت عیسیٰؑ کا قائل ہو جائیگا جو باطل
ہے۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی وَعَنْہُ اَیْضًا قَالَ
قَبْلَ مَوْتِ الْیَہُوْدِیِّ .... وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ الْاَوَّلُ لِلّٰہِ وَقِیْلَ اِلٰی
مُحَمَّدٍ صلعم وَبِہٖ قَالَ عِکْرِمَۃُ (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۳۴۴)

کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کی موت سے پہلے اور انہی حضرت
ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہودی کی موت سے پہلے .....
اور کہا گیا ہے کہ پہلی ضمیر "اللہ" کی طرف پھرتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
آنحضرت صلعم کی طرف پھرتی ہے۔ اور حضرت عکرمہؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس آیت میں دو ضمیریں ہیں۔ ایک بِہٖ اور دوسری بِھِمْ۔ ان دونوں ضمیروں کے مرجع کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پہلی ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ اللہ یعنی قرآن بتاتے ہیں۔ اور دوسری ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ اور کتابی بتاتے ہیں۔ پس دلیل غیر احمدیوں کی تب صحیح ہو سکتی کہ تعیین مرجع میں مسیحؑ پر اتفاق ہوتا۔ اور وہ نہیں پس اس قرأۃ کے ہوتے ہوئے غیر احمدیوں کے معنے بالکل نہیں بن سکتے۔

وجہ ششم۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا کہ وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا یعنی ان کے خلاف گواہی دیگا۔ اب اگر اس آیت کے معنی ہیں کہ وہ سب مان جائینگے تو گواہی کیسی؟ اس گواہی کی کیا ضرورت کیونکہ گواہی کی ضرورت تو ہمیشہ انکار کے بعد ہوتی ہے۔ قیامت کی اس گواہی کو مخصوص کرنا بتاتا ہے کہ مسیح دنیا میں نہیں آئیگا۔ ورنہ کہنا چاہئیے تھا کہ وہ دنیا میں آکر گواہی دیگا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جملہ کے معنی حال کے بھی کئے ہیں۔ اِنْ مِّنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ کا ترجمہ کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے۔ (تفسیر ثنائی سورۃ نساء ع ۱۰)

نوٹ: بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات لیتے تھے۔ لیکن یہ صریحاً مغالطہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع "کتابی" ہی لیتے تھے۔ اور یہ ترجمہ غیر احمدی فصل الخطاب جلد ۲ صفحہ ۰ کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔ اسمیں "اس میں اس کی موت سے پہلے" کے الفاظ ہیں۔ یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ اس سے مراد کتابی ہے یا حضرت مسیحؑ؟ ورنہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کا مذہب وہی

جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ کا ترجمہ یہ ہے اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر ضرور ایمان لائیگا ساتھ اس قتل کے قبل موت اپنی کے" (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳ - ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ حاشیہ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ کا اجتہاد

بعض غیر احمدی مولوی حضرت ابوہریرہ رضؓ کا اجتہاد بخاری کے حوالے سے پیش کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے نزول مسیح کی حدیث کو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ والی آیت کے ساتھ منطبق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے نزول مسیح ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کا اپنا اجتہاد ہے۔ جو حجت نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضؓ راوی تو اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر مجتہد نہیں ملاحظہ ہو۔ "اَلْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الرُّوَاةِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰى كَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ" (اصول شاشی) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ مگر اجتہاد اور فتویٰ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں جیسے ابوہریرہ رضؓ و انس بن مالک۔"

(ب) مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر بنام تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: "تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ" (تفسیر مظہری زیر آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ)

یعنی آیت زیر بحث میں ضمیر ثانی (یعنی مَوْتِہٖ کی ضمیر) کو عیسیٰ کی طرف
پھیر کر آیت کے معنی کرنا غلط ہے جائز نہیں۔ یہ تو محض ابوہریرہؓ کا اپنا زعم
ہے جو احادیث کے بالمقابل وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہوتا
پس اہلِ اصول اور محدثین کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ ثقہ راوی ہیں۔ اور ان کی
روایت درست مگر انکا اپنا خیال اور قول ہرگز حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ
قرآن مجید کی بیّن آیات۔ متعدد احادیث اور راہبرانِ اُمت کے بیسیوں اقوال کے
خلاف ہوں۔ چنانچہ اسی بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کا ایک اور اجتہاد
درج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث "مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ
یُوْلَدُ وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ" الخ (کہ ہر بچہ کو بوقت
پیدائش شیطان مس کرتا ہے بجز مریم اور ابن مریم کے کہ وہ دونوں مسِ شیطان
سے پاک ہیں) کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّیْ
اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (بخاری کتاب التفسیر
تفسیر سورہ آل عمران جلد ۳ مطبع البہیہ مصر) کہ آنحضرت صلعم کی اس حدیث کے
سمجھنے کیلئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو کہ حضرت مریم کی والدہ نے کہا کہ میں مریم
اور اسکی ذریت کے لئے شیطان الرجیم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حالانکہ
حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اجتہاد قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مریم رضی اللہ
عنہا کی والدہ کی مندرجہ بالا دعا حضرت مریمؓ کی ولادت کے بعد کی ہے اور
حدیث میں جس مسِ شیطان کی نفی ہے وہ وقتِ ولادت کی ہے پس
جس طرح حضرت ابوہریرہؓ کا اس آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بالا قطعاً غلط

ہے۔ اسی طرح ان کا "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ" والی آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری بھی غلط ہے اور ناقابل استناد۔

اگر انکا یہ قول اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ... الخ اس ضمیر کا مرجع ہو تو مطلب ہوگا کہ باوجود اسکے کہ خدا نے یہودیوں کے اس قول کی تردید پوری طرح کر دی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے اس قول پر ایمان رکھینگے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا۔ ورنہ انکا مذہب ہی درہم برہم ہو جاتا ہے مثلاً دیکھ لو۔ اگر ایک یہودی حضرت عیسےٰؑ کو غیر مصلوب تسلیم کرلے تو پھر وہ آپ پر ایمان لائیگا۔ اور اسی طرح اگر ایک عیسائی مصلوبیت مسیح چھوڑ دے تو پھر انکے مذہب کا بھی کچھ نہیں رہتا اور کفارہ معہ دیگر اصولوں کے رخصت ہو جاتا ہے۔ بس یہی معنی ہیں۔ انکے ایمان سے حقیقی اور قابل قبول ایمان مراد نہیں۔

حیاتِ مسیح کی چوتھی دلیل۔ "مَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" کہ خدا کو کون روک سکتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ بن مریم کو مارنے کا ارادہ کرے۔ ثابت ہوا۔ ابھی تک خدا تعالیٰ نے ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جواب۔ اس کے آگے وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا بھی پڑھ۔ کہ اگر خدا چاہے عیسیٰؑ ان کی والدہ اور موجودات ارضی کو ہلاک کرنا۔ کیا حضرت مریم بھی زندہ ہیں؟ اور کیا دنیا کی کوئی چیز ہلاک نہیں ہوتی حالانکہ کوئی سیکنڈ اور سیکنڈ کا کوئی حصہ نہیں گذرتا جب دنیا میں کوئی جاندار نہیں مرتا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو مسیح۔ مریم اور موجودات ارضی کو جمیعاً (یکدم) ہلاک کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ دنیا کو ہلاک

کرتا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا۔

حیاتِ مسیح کی پانچویں دلیل۔ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا۔
کہ عیسیٰ مہد اور چالیس سال کی عمر میں کلام کرینگے۔ انہوں نے مہد میں تو کلام کیا۔ مگر ۳۳ سال کی عمر میں چونکہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اِس لئے ابھی تک انہوں نے کہل کی عمر میں کلام نہیں کیا۔ لہذا آسمان سے واپس آکر وہ **کہل** میں بھی کلام کریں گے۔

جواب۔ "کہل" کے معنی لغت میں تیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے۔ (مجمع البحار) بقول تمہارے جب وہ ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔ تو تین سال انہوں نے "کہل" میں بھی کلام کرلیا۔ واپس لانے کی کیا ضرورت ہے۔

(۲) ہم تو احادیث صحیح کی بنا پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ لہذا ان کا "کہل" کی عمر میں بھی کلام کرنا ثابت ہوگیا۔

حیاتِ مسیح کی چھٹی دلیل:۔ وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ (آل عمران)
"الکتاب اور الحکمۃ" سے قرآن میں ہر جگہ قرآن اور حدیث مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ عیسےٰؑ کو قرآن و حدیث سکھائے گا۔ آمد ثانی ثابت۔

جواب۔ یہ قاعدہ غلط ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (نساع ۸) لہذا تمہارا خود ساختہ قاعدہ غلط ہے۔

حیاتِ مسیح کی ساتویں دلیل۔ اِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ۔
یعنی اے عیسیٰ! جب میں نے بنی اسرائیل کا ہاتھ تجھ سے روک لیا۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ لگنے ہی نہیں دیا

اگر یہ مانا جائے کہ وہ صلیب پر لٹکائے گئے۔ اور ان کے ہاتھوں سے خون بہا اور پھر اس قدر مصیبتیں جھیلنے کے بعد صلیب پر سے زندہ اُتار ے گئے۔ تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

الجواب "کف۔ عن" کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ (مائدہ رکوع آخری آیت) "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ" کہ اے مسلمانو! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جبکہ قوم (کافرین) نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔ کیا جنگوں کے موقعہ پر کبھی کوئی مسلمان زخمی یا شہید نہیں ہوتا تھا؟ پس درحقیقت "کفِّ ید" سے مراد حقیقی فتح سے کافروں کو روکنا ہے یعنی یہ کہ کافر مسلمانوں پر حقیقی فتح نہیں پا سکتے۔

حیاتِ مسیح کی آٹھویں دلیل:۔ "وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا" خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو کافروں سے پاک کرونگا یعنی کامل طور پر یہودیوں کے ہاتھوں سے بچاؤنگا۔ اگر احمدیوں کا مذہب مانا جائے۔ کہ حضرت عیسےٰ صلیب پر لٹکائے گئے۔ مگر زندہ اُتر آئے۔ تو اس سے اس وعدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

الجواب "تطہیر" سے مراد اس آیت میں کافروں کے الزامات سے بری کرنا ہے نہ کہ اُن کے ہاتھوں سے زخمی ہونے سے بچانا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيْرًا۔" (احزاب ع ۴) کہ اے اہلبیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دُور کرے۔ اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ازواج نبوی کے علاوہ حضرت امام حسین رضہ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ ان کی بھی تطہیر ہوئی۔ کیا انکو یزیدیوں کے ہاتھ سے جسمانی طور پر کوئی گزند نہیں پہنچا؟ پس حضرت عیسےٰ ؑ کے لئے تطہیر کے اور معنی لینا خلاف اسلوب قرآن ہے۔

حیاتِ مسیح کی نویں دلیل۔ "لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ" (نساء رکوع ۲۴)۔

کہ مسیح خدا کی عبادت سے انکار نہیں کریگا۔

جواب۔ ہاں بیشک حضرت مسیح ؑ نے خدا تعالیٰ کا "عبد" ہونے سے نہ کبھی پہلے انکار کیا۔ اور نہ خدا کی عبادت کرنے اور کرانے سے قیامت کے دن منکر ہونگے چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح ؑ سے پوچھے گا کہ کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا کر ہماری عبادت کیا کرو؟ تو مسیح اس کے جواب میں کہیں گے "مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ" کہ میں نے اُن سے وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔ یعنی یہ کہ تم بھی اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ غرضیکہ "لَنْ يَّسْتَنْكِفَ" والی آیت میں

جس علامِ انکار از عبادت کا ذکر ہے نہ قیامت کے دن ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے دوسری جگہ خود اس کا ذکر بالتفصیل کر دیا ہے۔ یعنی سورہ مائدہ آخری رکوع میں جس کا حوالہ اُوپر دیا گیا ہے۔

لطیفہ

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے حیاتِ مسیح کی نویں دلیل یہ لکھی ہے:۔

"قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی شخص کو مُقرب فرمایا ہے۔ سب جگہ مذکور ساکنین آسمان ہیں۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں جنتیوں کے حق میں لفظ مقرب وارد ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ظاہر ہے کہ جنت آسمان پر ہے۔ دُوسرے موقعہ پر حضرت مسیح کے لئے "ومن المقربین" آیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر ہیں۔" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۴۰ بار دوم)

احمدی۔ جنت زمین پر ہو یا آسمان پر لیکن ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الواقعہ "جنتیوں" میں سے ہیں۔ کیونکہ بقول تمہارے لفظ "مقرب" جہاں کہیں قرآن مجید میں آیا ہے وہاں یا تو اس سے مراد فرشتے ہیں یا جنتی۔ حضرت مسیح فرشتے تو تھے نہیں۔ لہٰذا جنتی ضرور ہیں۔ بہرحال انکی وفات ثابت ہے۔ کیونکہ جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے "مَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ"

۲۔ باقی رہا تمہارا یہ لکھنا کہ "قرآن مجید میں مقرب کا لفظ صرف ساکنین آسمان کے متعلق آیا ہے" تمہاری قرآن دانی کی دلیل ہے۔ سورۃ اعراف ع ۱۴۔ اور سورۃ شعراء ع ۳ میں فرعون کے جادُوگروں کی نسبت "لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ" کا لفظ آیا ہے۔ تمہارے نزدیک کیا فرعون کا دربار "آسمان پر" منعقد ہوتا تھا؟

۳- ذرا یہ بھی بتا دینا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تمہارے نزدیک اپنی وفات تک اللہ تعالیٰ کے "مقرب" تھے یا نہیں؟

۴- مسیح کیلئے جہاں مقرب کا لفظ آیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

"وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ" (آل عمران ع ۵)

کہ وہ دُنیا میں بھی وجیہ ہوگا اور آخرۃ میں بھی وجیہہ اور مقرب ہوگا۔ پس حضرت مسیح کا مقرب ہونا "الآخرۃ" کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔ لہذا اگر تمہارا خود ساختہ قاعدہ مان بھی لیا جائے تب بھی مسیح علیہ السلام کی وفات ہی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس طرح تم نے اسے حیاتِ مسیح کی دلیل ٹھہرا لیا ہے؟

غیر احمدی۔ حضرت مسیح کا صلیب پر لٹکایا جانا ان کے "وجیہہ" ہونے کے منافی ہے۔

جواب:- جی نہیں! صلیب پر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارا جانا بیشک وجاہت کے خلاف تھا کیونکہ عہد نامہ قدیم میں صلیب پر مارے جانے والے کو لعنتی کہا گیا ہے نہ کہ صلیب پر لٹکائے جانے والے کو۔ پس مسیح کا محض صلیب پر لٹکنا اور زخمی ہونا اُن کے وجیہہ ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانت اُحد میں شہید ہو گیا۔ حضورؐ دشمنوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر بیہوش ہو گئے۔ لیکن کیا تمہارے نزدیک حضورؐ "وجیہہ" نہ تھے؟

حیاتِ مسیح کی دسویں دلیل۔ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ (رواہ بخاری) اے مسلمانو! تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی۔ جب تم میں ابن مریم نزول فرما ہوں گے۔

اس حدیث میں مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ تو آیا نہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں جن سے ہمارے دوستوں کو مغالطہ لگا ہے۔ ایک نَزَلَ۔ ایک ابن مریم۔ نزول کے متعلق یاد رہے کہ اس کیلئے آسمان سے اُترنا ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لفظ نزول قرآن میں

(۱) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ۔۔۔ الخ (طلاق رکوع ۲)۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف محمد رسول اللہ صلعم کو نازل فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی نشانیاں پڑھتا ہے۔ کیا آپ آسمان سے آئے تھے؟۔

(۲) اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (زمر ع) اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے جانور نازل کئے۔

(۳) اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (حدید ع ۳) - ہم نے لوہا نازل کیا۔

(۴) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ - اور کوئی چیز بھی نہیں۔ مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں۔ اور نہیں اُتارتے ہم اس کو مگر ایک مقرر اندازہ پر۔

(۵) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا۔ (اعراف ع ۳) ہم نے لباس نازل کیا۔

لفظ نزول اور احادیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے

(۱) اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۵۹) آنحضرت صلعم ایک درخت کے نیچے اُترے۔

(۲) كَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا فِیْ سَفَرٍ لَمْ یَرْتَحِلْ حَتّٰی یُصَلِّیَ فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۹)۔ آنحضرت صلعم سفر میں مقام کرنے کے بعد ۲ دو رکعتیں پڑھ کے کوچ کرتے تھے۔

(۲) لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۹۶۵)۔

جب آنحضرتؐ حجر کی زمین میں اترے۔

اُمتِ محمدیہ کیلئے نزول کا لفظ۔ لَتَنْزِلَنَّ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْضًا یُقَالُ لَهَا الْبَصْرَةُ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۱)۔ میری اُمت کا ایک گروہ ایک ایسی زمین میں اُتریگا جس کا نام بصرہ ہوگا۔

دجّال کیلئے لفظ نزول۔ یَأْتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَ هِمَّتُهُ الْمَدِیْنَةُ حَتّٰی یَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۵۰) فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ (بخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینة جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ مصری)۔

ترجمہ:۔ کہ مسیح الدجال مشرق کی طرف سے مدینہ کا قصد کر کے آئیگا یہانتک کہ احد کی پیٹھ کی طرف اُتریگا۔ (۲) مدینہ کی ایک شور زمین میں اُتریگا۔

پس لفظ نزول سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے ہی آویں۔

بیہقی کا من السماء

نوٹ:۔ اس جگہ بعض جاہل امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۳۰۱ سے یہ حدیث پیش کر دیا کرتے ہیں۔ کَیْفَ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

اوّل۔ یاد رہے کہ امام موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ (رواہ البخاری فی الصحیح عن یحیی بن بکیر و اخرجه مسلم و من وجه اٰخر عن یونس و انما اراد نزوله من السماء بعد الرفع الیه۔ صفحہ ۳۰۱

کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ایک اور وجہ سے یونس سے لیا ہے۔ اور اس نے ارادہ نزول من السماء کا ہی کیا ہے۔

امام کہتا ہے۔ رواہ البخاری۔ بخاری میں راوی اور الفاظ سب موجود ہیں مگر من السماء نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا۔ یہ حدیث کا حصہ نہیں۔

دوم۔ اس روایت کا ایک راوی ابوبکر بن اسحاق بن محمد الناقد ہے جسکے متعلق لکھا ہے "کَانَ فِیْهِ بَعْضُ التَّسَاهُلِ" (لسان المیزان ابن حجر جلد ۵ صفحہ ۶۹) کہ اس راوی میں تساہل پایا جاتا ہے۔ پس "من السماء" کے الفاظ کا اضافہ بھی اسی راوی کا تساہل ہے۔ اصل حدیث کے الفاظ نہیں۔ اسی طرح اس روایت کا ایک اور راوی احمد بن ابراہیم بھی ضعیف ہے (دیکھو لسان المیزان جلد ۱) پس "مِنَ السَّمَاءِ" حجت نہیں۔ علاوہ ازیں اس روایت کا راوی یحییٰ بن عبد اللہ ہے۔ اسکے متعلق لکھا ہے "قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ ... لَا یُحْتَجُّ بِهٖ ... وَقَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ ... لَیْسَ بِثِقَةٍ قَالَ یَحْیٰی ... لَیْسَ بِشَیْءٍ" (تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ مطبع انوار محمدی)۔ اسی طرح اسی روایت کا ایک اور راوی یونس بن یزید بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت یونس بن یزید نے ابن شہاب الزہری سے روایت کی ہے۔ اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"قَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ الدِّمَشْقِیُّ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ فِیْ حَدِیْثِ یُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ مُنْكَرَاتٌ ... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ ... لَیْسَ بِحُجَّةٍ ... كَانَ سَیِّئَ الْحِفْظِ" (تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۱)

کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ یونس کی اُن روایات میں جو زُہری سے اُس نے روایت کی ہیں منکرات ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یونس۔ قابلِ حجت نہیں ہے۔ اور وکیع کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔

اس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ: "کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ" (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ مطبع انوار محمدی) کہ کبھی کبھی یہ تدلیس سے بھی کام لیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی "مِنَ السَّمَاءِ" کے لفظ کی ایزاد بھی اسکے حافظہ کی غلطی یا تدلیس کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

سوم۔ بیہقی کا قلمی نسخہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں چھپا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ بلکہ وفات کے بعد۔ اس لیے مولویوں نے اس میں مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ اپنے پاس سے ازراہِ تحریف اور الحاق زاید کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس میں "مِنَ السَّمَاءِ" کا لفظ نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ پر اس حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں:۔ وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

امام مذکور کا باوجود اس محولہ بالا روایت کو دیکھنے کے مِنَ السَّمَاءِ چھوڑ دینا بتاتا ہے۔ کہ یہ حدیث کا حصہ نہیں۔ بعد کی ایزاد ہے۔ بہرحال حدیث نہیں۔ فاندفع الشک منہ۔

حیاتِ مسیح کی گیارھویں دلیل۔ حدیث میں ہے کہ "اِنَّ عِیْسٰی لَمْ

بتمسّک "(ابن جریر) کہ یقیناً عیسیٰ نہیں مرے۔

جواب۔ ابن جریر بلحاظ حوالۂ حدیث قابل اسناد نہیں بوجوہ ذیل:۔
شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی اپنی۔۔ تصنیف عجالۂ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں "اور طبقہ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا۔ اور متاخرین نے روایت کی ہیں۔ تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا اور اُن کی اصل نہ پائی کہ اُن کی روایت سے مشغول ہوتے۔ یا اُن کی اصل پائی۔ اور اُن میں قدح وعلت دیکھی کہ روایت نہ کیا۔ اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر یا عمل کرنے کو ان سے سند لیں۔۔۔ اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے۔۔۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔ تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں "کتاب الضعفاء لابن حبان۔ تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفاء للعقیلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیفِ خطیب تصانیفِ ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر" (عجالۂ نافعہ ص۔)

مراسیل حسن بصری۔ (۲) یہ روایت مرفوع متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے۔ جو تابعی تھے صحابی نہ تھے۔ مراسیل حسن بصری کے متعلق لکھا ہے:۔

"مَا اَرْسَلَ فَلَیْسَ بِحُجَّۃٍ" (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶)
یعنی حسن کی مرسل روایت حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا "تمسّک"

والی روایت بھی حجت نہیں۔

غیر احمدی:- "حضرت حسن بصری کی مرسل میں تو وہی کلام کریگا جس کو اُنکے اقوال کا پورا علم نہ ہو۔ کیونکہ حسن بصری نے جس قدر روایات صحابی کا نام لیئے بغیر آنحضرت صلعم سے کی ہیں وہ سب کی سب انہوں نے حضرت علیؓ سے لی ہیں۔ لیکن حجاج بن یوسف کے خوف سے انہوں نے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

جواب۔ (أ) یہ تو حضرت حسن پر کسی انسان کے خوف سے حق نہ کہنے کا الزام ہے۔

(ب) یہ ثابت ہے کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علیؓ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ ملاحظہ ہو:- "سُئِلَ اَبُوْ زُرْعَةَ هَلْ سَمِعَ الْحَسَنُ اَحَدًا مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ قَالَ رَاٰهُمْ رُؤْيَةً رَاٰى عُثْمَانَ وَعَلِيًّا قِيْلَ هَلْ سَمِعَ مِنْهُمَا حَدِيْثًا قَالَ لَا۔" (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶-۲۶۷)

یعنی ابو زرعہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حسن بصری نے کسی بدری صحابیؓ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں حضرت عثمانؓ اور علیؓ کو صرف ایک نظر دیکھا ہے۔ پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث بھی سنی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ اسی طرح لکھا ہے:-

"مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ مُشَافَهَةً ... قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُعْرَفُ لَهٗ سَمَاعٌ مِنْ عَلِيٍّ" (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶-۲۷۰)

کہ حضرت حسن بصری نے کسی بدری صحابی سے کبھی کوئی حدیث نہیں سُنی۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں ہے۔

(۳) علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔ "فَاِنَّ اَئِمَّۃَ الْحَدِیْثِ لَمْ یُثْبِتُوْا لِلْحَسَنِ مِنْ عَلِیٍّ سِمَاعًا" (کتاب فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ صفحہ ۸۳ مطبع محمدی لاہور) کہ آئمہ حدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کا کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں ہے۔ (نیز دیکھو خاتمہ مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۵۱۸)۔

(۴) اس روایت کے چار راوی ضعیف ہیں:۔

۱۔ اسحٰق بن ابراہیم بن سعید المدنی اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"قَالَ اَبُوْ زُرْعَۃَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَیِّنُ الْحَدِیْثِ" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۱۴ و میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۸۳) کہ ابو زرعہ نے کہا کہ یہ راوی کی حدیث قابل انکار ہے اور قوی راوی نہیں ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اسکی روایت کمزور ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا راوی عبد اللہ بن ابی جعفر عیسیٰ بن ماہان ہے۔ اسکی نسبت لکھا ہے:۔ "قَالَ عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنِ سَلَّامٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ حُمَیْدٍ یَقُوْلُ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ کَانَ فَاسِقًا ...... یُعْتَبَرُ حَدِیْثُہٗ مِنْ غَیْرِ رِوَایَتِہٖ عَنْ اَبِیْہِ وَقَالَ السَّاجِیُّ فِیْہِ ضُعْفٌ"

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۷۶ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۶)

یعنی عبد العزیز بن سلام کہتے ہیں کہ یہ راوی فاسق تھا اور جو روایت یہ اپنے باپ سے کرے۔ وہ قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ اور ساجی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت کمزور ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ "لم یبعث" والی روایت اس راوی نے اپنے باپ سے ہی کی ہے۔ لہذا یہ روایت تو بہرحال مردود ہے

۳۔ تیسرا راوی اُس دوسرے راوی عبداللہ کا باپ ابوجعفر عیسٰی بن ماہان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہِ لَیْسَ بِقَوِیٍّ فِی الْحَدِیْثِ . . . قَالَ عُمَرُ بْنُ عَلِیٍّ فِیْہِ ضُعْفٌ . . . قَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۵۷ نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)۔

یعنی امام احمد کے نزدیک یہ راوی قوی نہیں۔ عمر بن علی کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور نسائی اور عجلی کے نزدیک بھی قوی نہیں۔ نیز اس راوی کو خطا کار اور سیئ الحفظ بھی کہا گیا ہے۔

۴۔ چوتھا راوی ربیع بن انس البکری المصری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔ "قَالَ ابْنُ معین کَانَ یَتَشَیَّعُ فَیُفْرِطُ النَّاسُ یَتَّقُوْنَ مِنْ حَدِیْثِہٖ مَا کَانَ رِوَایَةَ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَنْہُ لِاَنَّ فِیْ حَدِیْثِہٖ عَنْہُ اِضْطِرَابًا کَثِیْرًا" (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹) کہ یہ راوی غالی شیعہ تھا۔ اور جو روایت اس سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان کرے۔ اس روایت سے لوگ بچتے ہیں۔ کیونکہ ایسی روایت سخت مخدوش ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ "لَمْ یَمُتْ" والی روایت وہ ہے۔ جو اس راوی سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان نے کی ہے۔ لہٰذا قابلِ حجت نہیں۔

پس اوّل تو یہ روایت مرسلاتِ حسن سے ہے۔ اور اس وجہ سے

حدیث مرفوع متصل نہیں۔ دُوسرے اِس کے پانچ میں سے چار راوی ضعیف اور غیر ثقہ ہیں۔ اور بعض شیعہ بھی۔ پس سخت جھوٹی اور جعلی ہے۔

حیاتِ مسیح کی بارھویں دلیل۔ "اِنَّ عِیْسٰی یَأْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَآءُ"

(ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)

جواب۔ اِس روایت کے راوی وہی ہیں جو "اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ" والی روایت کے۔ یعنی اسحٰق بن ابراہیم بن سعید۔ عبداللہ بن ابی جعفر۔ ابو جعفر عیسٰی بن ماہان اور ربیع بن انس۔ جن پر جرح پچھلی روایت پر بحث کے دَوران میں درج ہو چکی ہے۔

حیاتِ مسیح کی تیرھویں دلیل۔ یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ۔

جواب۔ اس کے دس جواب ہیں۔ (۱) فرض کرو کہ آج حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر مدینہ میں تشریف لے جا کر فوت ہو جائیں۔ آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کو کونسا سعید الفطرت مسلمان اکھاڑیگا؟

(۲) حضرت عائشہؓ کا خواب اس حدیث کے ظاہری معنے لینے سے روکتا ہے:۔

"اِنَّ عَائِشَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صلعم قَالَتْ رَأَیْتُ ثَلَاثَۃَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حُجْرَتِیْ فَقَصَصْتُ رُؤْیَایَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِیْ بَیْتِھَا قَالَ لَھَا اَبُوْ بَکْرٍ ھٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِکِ وَھُوَ خَیْرُھَا" (مؤطا امام مالک جلد ا صفحہ ۱۲ مصری)

کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ تین چاند میرے حجرہ میں گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے ابا حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے بیان کیا پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے۔ تو حضرت ابو بکر رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ سے کہا۔ کہ یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے جو سب سے بڑا ہے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ فوت ہوئے۔ اور اسی حجرہ میں مدفون ہوئے۔ گویا حضرت عائشہ رضؓ کی خواب کے مطابق تین چاند ان کے حجرہ میں گر چکے۔ اب اگر حضرت عیسےٰؑ بھی اس میں مدفون ہوں تو حضرت عائشہ رضؓ کا خواب غلط ہوتا ہے۔

(۳) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ" (مسلم جلد ۲ صؒ مصری)، کہ میری خصوصیت یہ ہے کہ میں پہلا انسان ہوں گا جس کی قیامت کے دن قبر پھاڑی جائے گی۔ اب اگر حضرت عیسےٰؑ بھی آنحضرتؐ کی قبر میں ساتھ ہی مدفون ہوں۔ تو جس وقت آنحضرت صلعم کی قبر پھاڑی جائے گی۔ تو وہ بھی اس خصوصیت میں شامل ہو جائیں گے۔

(ب) ترمذی میں ہے:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ" (ترمذی جلد ۲- ابواب المناقب مناقب عمرؓ) کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں پہلا انسان ہوں جس کی زمین (قبر) پھاڑی جائے گی۔ پھر میرے بعد ابو بکر رضؓ اور ابو بکر رضؓ کے بعد عمر رضؓ اور عمر رضؓ کے بعد جنت البقیع کے باقی مومن۔ پس جب

اکٹھے کئے جائیں گے؛

اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں یا بقول شما حضور کے "روضہ" میں دفن ہونا ہوتا۔ تو دوسرے تیسرے یا کم از کم چوتھے نمبر پر ہی ان کا نام آجاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روضہ (حجرہ عائشہؓ) میں مدفون ہونے والے اپنے سمیت "تینوں چاندوں" کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان کے بعد جنت البقیع (قبرستان) میں مدفون صحابہؓ کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عیسےٰؑ کا نام نہیں لیا پس یہ اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ والی قبر میں یا حضور کے روضہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دفن ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تیسرے دن کے بعد اپنی قبر میں نہ رہونگا۔ تو جب حضرت عیسےٰؑ آنحضرت صلعم کی قبر میں بقول تمہارے مدفون ہونگے اسوقت تو آنحضرت صلعم وہاں موجود نہ ہوں گے۔ تو پھر معیّ کی شرط پوری نہ ہوئی۔

(۵) تم لوگ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۹ کی روایت پیش کیا کرتے ہو کہ "مَاتُوُفِّیَ اللہُ نَبِیًّا اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ" کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کیا کرتے ہو۔ اور اس کا جواب دوسری جگہ دیا ہے) اور تم مانتے ہو۔ کہ اسی بنا پر آنحضرتؐ چونکہ حجرہ عائشہؓ میں فوت ہوئے لہذا اسی میں مدفون بھی ہوئے۔ تو اب اگر حضرت عیسےٰؑ واقعی آسمان سے آجائیں۔ تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اندر جاکر فوت ہوں گے۔

(۶) اسی حدیث میں ہے "فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَے ابْنَ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ" کہ پھر میں اور عیسٰے ابن مریم ایک ہی قبر میں جو ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کے درمیان ہوگی کھڑے ہوں گے۔ تو گویا اس کے مطابق حضرت عیسٰےؑ جس قبر میں مدفون ہوں گے۔ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان ہونی چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمر رضؓ کی قبروں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

(۷) اگر کہو کہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔ تو کسی لغت کی کتاب سے دکھاؤ اور انعام لو۔

(ب) اندریں صورت فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ میں "قبر" کا ترجمہ "مقبرہ" کرو گے؟ کیا حضرت ابوبکر رضؓ و حضرت عمر رضؓ کے درمیان ایک مقبرہ ہوگا؟

(ج) مقبرہ تو کہتے ہی "موضع القبور" کو ہیں۔ پھر قبر کس طرح مقبرہ بن سکتی ہے؟

(د) جب تم خود اس حدیث کے لفظی معنی نہیں کرتے بلکہ غلط تاویل کرتے ہو۔ تو ہمارے لئے کیوں ناجائز ہے کہ ہم قرآن و حدیث اور واقعات کی روشنی میں اس کے صحیح معنے بیان کریں؟

(۸) قرآن مجید میں ہے "قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ...... ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ" (عبس ع۱) گویا ہر انسان خواہ وہ ہندو ہو خواہ وہ پارسی مرکر "قبر" ہی میں جاتا ہے۔ پھر بتاؤ کہ وہ لوگ جن کی لاشیں جلا دی جاتی ہیں۔ یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں۔ یا جن کو مچھلیاں سمندر میں کھا جاتی ہیں وہ بھی اس آیت کے مطابق "قبر" میں جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں جاتے تو ثابت ہوا

(۱) وہ انسان نہیں (۲) ان کو (غیر مسلموں کو) عذاب قبر نہیں ہوگا۔ اور اگر کہو کہ "قبر" میں جاتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ قبر سے مراد ظاہری قبر کی مٹی نہ رہی۔ بلکہ کوئی روحانی حالت "قبر" کے نام سے موسوم ہوئی۔ پس کیوں "قبر" کے وہی معنے "یُدْفَنُ مَعِیَ فِی قَبْرِیْ" والی حدیث میں نہ لیئے جائیں؟ اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے۔ "اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ" (ترمذی) کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۹) اگر آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام آجائیں۔ تو کیا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ وہ مر کر آنحضرت صلعم کی قبر میں مدفون نہ ہو جائیں؟

(۱۰) اگر اس حدیث میں عیسےٰ ابن مریم سے مسیح ناصری مراد لیتے ہو۔ تو پھر اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "یُدْفَنُ مَعِیَ" کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے۔ گویا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں اگر کسی انسان کو خدا تعالیٰ اتنا لمبا زمانہ زندہ رکھتا تو یقیناً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے۔ آپؐ سے زیادہ خدا کو اور کون پیارا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ "اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ" کہ خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ آنحضرت صلعم تو فوت ہو جائیں۔ اور آپؐ سے پہلے انبیاء اتنا عرصہ زندہ رہیں۔ پس آنحضرت صلعم نے فرمادیا کہ یاد رکھو۔ جب تم مجھ کو دفن کر رہے ہو گے تو اسی وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ پہلا کوئی نبی زندہ نہیں رہا۔ "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" کم از کم اس

وقت تو مانو گے کہ عیسیٰؑ ابھی زندہ نہیں۔ گویا عیسیٰؑ میرے ساتھ ہی دفن ہو جائیں گے (فَافْهَمُوْا اَيُّهَا الْعَاقِلُوْنَ)۔

حیاتِ مسیحؑ کی چودھویں دلیل :- ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ پر ایک روایت ہے جس میں عبداللہ بن سلام نے اپنے دادا سے یہ روایت کیا ہے کہ "قال مکتوب فی التوراۃ صِفَةُ محمدٍ وعیسٰی بن مریم یدفن معہٗ۔ قال ابو مودود قَدْ بقی فی البیت موضع قبرٍ ھٰذا حدیثٌ حسن غریبٌ"

الجواب :- (۱) یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں اس لئے حجت نہیں۔

(۲) خود ترمذی نے اسے "غریب" قرار دیا ہے۔

(۳) اس کا ایک راوی مسلم بن قتیبہ ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں "قال ابو حاتم کثیر الوھم" (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۶۲) یہ بڑا وہمی آدمی تھا۔ اس روایت کا دوسرا راوی عثمان بن الضحاک ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ قال الآجری سألت ابا داؤد عن الضحاک بن عثمان الحزامی فقال ثقۃٌ وابنہٗ عثمان ضعیفٌ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۲۳) کہ ابو داؤد کہتے ہیں۔ کہ عثمان بن ضحاک خود ضعیف ہے لیکن اس کا باپ ثقہ تھا۔ نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ "ضعفہ ابو داؤد" کہ اسے ابو داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

نوٹ :- اس راوی کا باپ بھی بعض محدثین کے نزدیک ثقہ نہ تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۷۲ "فی حدیثہٖ ضعفٌ..... قال ابو حاتم لا یحتج بہٖ وقال ابو زرعۃ لیس بالقوی"۔ اسی طرح ملاحظہ تہذیب التہذیب

جلد ۴ صـ۲۷۴ جہاں لکھا ہے :۔ "قال ابن عبد البر کان کثیر الخطاء لیس بحجۃ" - اسی طرح اس روایت کا تیسرا راوی محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام ہے - اس کے متعلق لکھا ہے :۔ "ذکر لہ البخاری حدیثاً وقال لا یتابع علیہ ولا یصح" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صـ۵۳۴) کہ اس راوی سے امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے - اور امام بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ راوی قابل اتباع نہیں اور نہ ثقہ ہے -

پس اس روایت کے تین راوی غیر معتبر ہیں - لہذا حجت نہیں -

حیات مسیح کی پندرھویں دلیل :- ابن ماجہ میں موقوفاً اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے - کہ معراج کی رات انبیاء کی چار کونسل میں جب قیامت کا ذکر ہوا تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا "فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتلہ" (ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسٰے ابن مریم عن عبد اللہ بن مسعود) (محمدیہ پاکٹ بک صـ۵۳۳)

جواب :- (۱) یہ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے - حدیث نبوی نہیں ہے -

(۲) اس روایت کا پہلا راوی محمد بن بشار بن عثمان البصری بندار ہے - جس کے متعلق لکھا ہے :۔ "قال عبد اللہ بن محمد بن سیار سمعت عمرو بن علی یحلف ان بنداراً یکذب فیما یروی عن یحیی ..... قال عبد اللہ بن علی ابن المدینی سمعت ابی وسألتہ عن حدیث رواہ بندار عن ابن المھدی ..... فقال ھذا کذب وانکرہ اشد الانکار قال عبد اللہ بن الدورقی ..... فرأیت یحیی لا یعبأ بہ ویستضعفہ قال ورأیت

القَوَارِیرِیُّ لَا یَرْضَاءُ بِہٖ" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ)

یعنی عمر بن علی نے حلف اٹھا کر کہا کہ یہ راوی ہر اس روایت میں جو وہ یحیی سے روایت کرتا تھا۔ جھوٹ بولتا تھا۔ علی ابن المدینی نے اس راوی کی اس روایت کو جو اس نے ابن مہدی سے لی ہے کذب قرار دیا۔ یحیی ابن معین نے اس راوی کو بے وقعت اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اسے قواریری نے بھی پسندیدہ راوی قرار نہیں دیا۔ اسی طرح اس روایت کا دوسرا راوی یزید بن ہارون ہے۔ اس کے متعلق یحیی ابن معین کا قول یہ ہے کہ: "یَزِیْدُ لَیْسَ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّہٗ لَا یُمَیِّزُ وَلَا یُبَالِیْ عَمَّنْ رَوٰی" (تہذیب التہذیب ابن حجر العسقلانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۹) کہ یہ راوی تو حدیث کے جاننے والوں میں سے بھی نہیں۔ کیونکہ نہ یہ تمیز کرتا تھا۔ اور نہ پرواہ کرتا تھا کہ کس سے روایت لے رہا ہے۔ پس یہ "چار کونسل" والی روایت بھی ناقابل اعتبار ہے۔

حیاتِ مسیح کی سولہویں دلیل:۔ یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلِ اَفِیْقَ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸)

جواب:۔ یہ بے سند قول ہے۔

(۱) صاحبِ کنز العمال نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اس کے آگے "کر" کے حروف درج ہیں۔ اور ابن عساکر کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ عجالۂ نافعہ صفحہ ۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "وطبقۂ رابعہ احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرونِ سابقہ معلوم نبود۔ ومتاخران آں را روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند

وآنہا را اصلے نیافتہ اند تا مشغول۔ بہ روایت آنہا مے شدند۔ یا یافتند
و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بہ ترک روایت آنہا و علی
کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدہ یا عملے بآنہا
تمسک کردہ شود۔ ولنعم ما قال بعض الشیوخ فی امثال ھذا اسہ
فَاِن کُنتَ لَا تَدرِی فَتِلکَ مُصِیبَۃٌ۔ وَاِن کُنتَ تَدرِی فَالمُصِیبَۃُ اَعظَمُ
وایں قسم احادیث راہ بسیارے از محدثین زدہ است۔۔۔۔ دریں قسم احادیث
کتبِ بسیار مصنفہ شدہ اند بعضے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان۔۔۔۔ تفسیر
ابن جریر۔۔۔۔ تصانیف ابن عساکرؒ (عجالہ نافعہ صـ۸ـ)

یعنی طبقہ رابعہ وہ حدیثیں ہیں۔ جن کا نام و نشان پہلے قرنوں میں معلوم
نہیں تھا۔ اور متاخرین نے روایت کی ہیں۔ تو ان کا حال دو شقوں سے خالی
نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا۔ اور ان کی اصل نہ پائی۔ کہ ان کی روایت سے مشغول
ہوتے۔ یا ان کی اصل پائی۔ اور ان میں قدح اور علت دیکھی کہ روایت نہ کیا۔
اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں۔ کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر یا
عمل کرنے کو ان سے سند لیں۔ اور کسی بزرگ نے ان جیسوں کے متعلق کیا خوب
شعر فرمایا ہے کہ۔ اگر تو تجھے علم نہ ہو تو یہ مصیبت ہے۔ لیکن اگر تجھے علم ہو تو یہ
مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین
کی راہزنی کی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔
تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں۔ کتاب الضعفاء لابن حبان۔۔۔۔ تفسیر ابن جریر
۔۔۔۔ ابن عساکر کی جملہ تصانیف۔ پس یہ روایت ابن عساکر میں ہونیکے باعث ہی کر در ہے

(۴) تمہاری وہ منارۂ دمشق کے پاس نازل ہونے والی روایت مندرجہ ترمذی مسلم۔ ابوداؤد وغیرہ کہاں گئی ؟

حیاتِ مسیح کی سترھویں دلیل :- معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو دیکھا۔ تو ان کا حلیہ عروہ بن مسعود کی طرح بیان فرمایا (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق فصل اوّل) اور مسلم میں دوسری جگہ جہاں آخری زمانہ میں نزول مسیح کا ذکر کیا ہے وہاں بھی اس کا حلیہ "کَاَنَّہٗ عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ" (عروہ بن مسعود کی طرح) بیان فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح ایک ہی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک بار دوم ص۵۵۲)

الجواب :- تمہاری پیش کردہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں :-

پہلی روایت :- یہ روایت مسلم جلد ۲ ص۵۱۸ مصری پر ہے۔ اس کا ایک راوی ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی ہے۔ جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے :-

"کَانَ اَیُّوْبُ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوالزُّبَیْرِ وَ اَبُوالزُّبَیْرِ اَبُوالزُّبَیْرِ ..... کَانَ یُضَعِّفُہٗ ..... قُلْتُ لِشُعْبَۃَ مَالَکَ تَرَکْتَ حَدِیْثَ اَبِی الزُّبَیْرِ؟ قَالَ رَاَیْتُہٗ یَزِنُ ..... قَالَ شُعْبَۃُ ..... قَدِمْتُ مَکَّۃَ فَسَمِعْتُ مِنْ اَبِی الزُّبَیْرِ فَبَیْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَہٗ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ فَسَاَلَہٗ عَنْ مَسْئَلَۃٍ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَافْتَرٰی عَلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ یَا اَبَا الزُّبَیْرِ اَتَفْتَرِیْ عَلٰی رَجُلٍ مُسْلِمٍ قَالَ اَغْضَبَنِیْ قُلْتُ وَ مَنْ یُغْضِبُکَ تَفْتَرِیْ عَلَیْہِ"

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۴۴۱-۴۴۲ نیز میزان الاعتدال جلد ۲ ص۴۴۶/۴۴)

کہ ایوب اور ابو عیینہ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم سے ابو زبیر نے روایت کی ہے

اور "ابو زبیر بس ابو زبیر ہی ہے۔" یعنی وہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا۔ کہ آپ نے ابو زبیر کی روایت کو ترک کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ کیونکہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے ..... ایک دفعہ میں مکہ میں ابو زبیر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے سامنے ابو زبیر نے ایک شخص پر افترا کیا۔ اس سے پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ایک مسلمان پر افترا کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے اس پر افتراء اس لئے کیا ہے کیونکہ اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا جو شخص تم کو ناراض کریگا تو اس پر افتراء کرے گا؟

(۲) اس روایت کا دوسرا راوی قتیبہ بن سعید التیمی ہے یہ بھی ضعیف ہے چنانچہ لکھا ہے:۔ "قَالَ العقیلی حَدِیْثُہٗ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ مَجْھُوْلٌ فِی النَّسَبِ وَالرِّوَایَۃِ وَاِسْنَادُہٗ لَایَصِحُّ" (تہذیب التہذیب ابن حجر۔ جلد ۴ صفحہ ۳۶۴ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

یعنی عقیلی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت بالکل غیر محفوظ ہوتی ہے۔ یہ اپنے نسب اور روایت کرنے اور سند دینے میں مجہول تھا۔ اور اس کی حدیث نہ مستند ہوتی ہے نہ درست! یہ تو تمہاری پہلی حدیث کا حال ہے۔ باقی رہی دوسری روایت (حلیہ بوقتِ نزول) سو وہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اسکا ایک راوی "شعبۃ بن الحجاج الواسطی البصری" ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔ "کَانَ یُخْطِیُٔ فِی اَسْمَاءِ الرِّجَالِ ..... قَالَ الدَّارَقُطْنِی فِی العِلَلِ کَانَ یُخْطِیُٔ فِی اَسْمَاءِ الرِّجَالِ کَثِیْرًا" (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۳۴۵-۳۴۶)

کہ عجلی کے نزدیک یہ راوی اسماء الرجال میں غلطی کیا کرتا تھا۔ اور یہی خیال دار قطنی کا ہے۔

اس دوسری روایت کا دوسرا راوی عبید اللہ بن معاذ العنبری ہے۔ سو اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں:۔ "ابنُ عیینۃ وشبابُ وعبیدُ اللہ بنُ مُعاذٍ لیسُوا اصحابَ حدیثٍ لیسُوا بشیءٍ" کہ ابن عیینہ اور شہاب اور عبید اللہ بن معاذ تینوں علم حدیث نہ جانتے تھے۔ اور نہ یہ راوی کسی حیثیت کے ہیں۔ پس جب سابقہ مسیح کا حلیہ جس حدیث میں بتایا گیا ہے وہی ضعیف ہے۔ اور اسی طرح نزول والی حدیث بھی۔ تو اندریں حالات اس مزعومہ یگانگت کو دلیل ٹھہرانا عبث ہے۔

حیاتِ مسیح کی اٹھارھویں دلیل:۔ کیا حضرت موسیٰ ؑ زندہ ہیں؟

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے نور الحق ص۵ پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ "حضرت موسیٰ ؑ کی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پس ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے آسمان پر زندہ ہونے پر ایمان لائیں۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص...)

جواب:۔ اسی نور الحق میں تمہاری محولہ عبارت سے سات ہی سطریں آگے لکھا ہے۔ "وَمَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّیَ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِ عِیْسٰی الرُّسُلُ"۔ اور اس کا ترجمہ بھی اسی جگہ یہ درج ہے کہ "اور کوئی بھی ایسا نہیں جو فوت نہ ہوا ہو۔ اور حضرت عیسےٰ ؑ سے پہلے جو نبی آئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔" (نور الحق ص۵۱)

پس جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جسمانی وفات کا تعلق ہے

اس کا فیصلہ تو اسی جگہ پر موجود ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا یہی مذہب ہے۔ کہ سب کے سب نبی بلا استثناء جسمانی طور پر فوت ہو چکے ہیں۔ ایک بھی زندہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کا ذکر فرمایا ہے۔ تو وہ الزامی طور پر ہے۔ یعنی یہ کہ اگر نصوص صریحہ قرآنیہ وحدیثیہ وعقلیہ کے باوجود حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں۔ تو پھر کسی نبی کی بھی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً حضرت موسیٰ ؑ کی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعینہٖ یہی مضمون دوسری جگہ بالتفصیل تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"اب بتلاؤ کہ اس قدر تحقیقات کے بعد حضرت عیسےٰ ؑ کے مرنے میں کسر کیا رہ گئی؟ اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں قرآن اور حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخۂ مرہم عیسےٰ اور وجود قبر سری نگر ہیں۔ اور معراج میں بزمرۂ اموات دیکھے جانا۔ اور عمر ۱۲۰ سال مقرر ہونا۔ اور حدیث سے ثابت ہونا۔ کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے۔ اور اسی سیاحت کی وجہ سے ان کا نام نبی سیاح مشہور تھا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا۔ سب بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ کیونکہ اسقدر شہادتیں ان کی موت پر ہمارے پاس موجود نہیں۔ بلکہ حضرت موسیٰ ؑ کی موت خود

مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی پر یہ آیت قرآنی گواہ ہے یعنی یہ کہ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵ بارسوم)

(ب) ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔ "انہی مولویوں کی ایسی ہی کئی مفسدانہ باتوں سے عیسائیوں کو بہت مدد پہنچ گئی۔ مثلاً جب مولویوں نے اپنے مونہہ سے اقرار کیا۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نعوذ باللہ مردہ ہیں۔ مگر حضرت عیسےٰؑ قیامت تک زندہ ہیں تو وہ لوگ اہل اسلام پر سوار ہو گئے۔ اور ہزارہا سادہ لوحوں کو انھوں نے انہی باتوں سے گمراہ کیا۔ اور ان بے تمیزوں نے یہ نہیں سمجھا کہ انبیاء تو سب زندہ ہیں مُردہ تو ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی سب زندہ تھے۔ دیکھئے اللہ جلشانہ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا۔ اور آسمان پر اٹھائے جانا۔ اور رفیق اعلےٰ کو جاملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو برابر زندہ دیکھا۔ اور حضرت عیسےٰؑ کو حضرت یحیؑ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک

محدث وقت کا قول لکھتے ہیں۔ کہ ان کا یہی مذہب ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے۔ تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے۔ لیکن یہ مولوی ایسے فتنوں سے باز نہیں آتے۔ اور محض اس عاجز سے مخالفت ظاہر کرنے کے لئے دین سے نکلتے جاتے ہیں۔ خداتعالےٰ ان سب کو صفحۂ زمین پر سے اٹھالے تو بہتر ہے۔ تا دین اسلام ان کی تحریفوں سے بچ جائے۔" (اشتہار مشمولہ آئینہ کمالات اسلام مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ و نیز تبلیغ رسالت جلد ۲ صـــ ۱۳۶)

(ج) اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

"ہاں اگر نصّ صریح سے ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود جسمانی حیات کے جسمانی تحلیلوں اور تنزلِ حالات اور فقدانِ قوی سے منزّہ ہیں۔ تو وہ نصّ پیش کریں۔ اور یونہی کہہ دینا کہ خدا ہر ایک بات پر قادر ہے۔ ایک فضول گوئی ہے۔ اور اگر بغیر سندِ صریح کے اپنا خیال ہی بطور دلیل مستعمل ہو سکتا ہے۔ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد وفات پھر زندہ ہو کر مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور پیرانہ سالی کے لوازم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ ان سے بدرجہا بڑھ کر تمام جسمانی قویٰ اور لوازم کاملۂ حیات اپنی ذات

میں جمع رکھتے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہوں گے۔ اب بتلاؤ ہمارے اس دعویٰ اور تمہارے دعویٰ میں کیا فرق ہے؟" (ایام الصلح اردو طبع اوّل صفہ ۱۴۱ و طبع ثانی صفہ ۱۶۰)

پس یہ تینوں مفصل حوالہ جات نور الحق صفہ ۵ کی مختصر عبارت کی تشریح ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح جنت میں زندہ ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہی حضرت علیہ السلام بھی ہیں۔ نیز یہ جواب غیر احمدی مولویوں کو ملزم کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

حیات مسیح کی انیسویں ۱۹ دلیل

غیر احمدی:۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اِنَّہٗ رُفِعَ بِجَسَدِہٖ وَاِنَّہٗ حَیٌّ اَلْاٰنَ" (طبقات کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۶)

جواب:۔ یہ ایک جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔ چنانچہ اس کے سارے ہی راوی ضعیف ہیں۔ پس یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ بخاری شریف کی مستند روایات سے ان کا مذہب "متوفیک ممیتک" ثابت ہے۔ تو اس کے بالمقابل یہ سراپا جعلی روایت کیا حقیقت رکھتی ہے! اس روایت کا پہلا راوی ہشام بن محمد بن السائب ہے "قَالَ ابْنُ عَسَاکِرَ رَافِضِیٌّ لَیْسَ بِثِقَۃٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفہ ۵۵) یعنی اس راوی کی تمام وہ روایات

جو اس نے اپنے باپ سے ابو صالح کی معرفت ابن عباس سے روایت کی ہیں سب ضعیف ہیں۔ اور روایت متنازعہ بھی اسناد کے لحاظ سے بجیبہٖ "عن ابیہ عن ابی صالح عن ابن عباس" ہے لہذا جھوٹی ہے۔

(۲) دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔ یہ تو کذاب سبائی جماعت میں سے تھا۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا۔ اس کے متعلق عبدالواحد بن غیاث کا قول عبد مھدی منقول ہے کہ یہ راوی کلبی کافر تھا۔ معمر بن سلیمان کے باپ اور لیث بن ابی سلیم کا قول ہے کہ کَانَ مِن کُوفَۃ کَذَّابَانِ اَحَدُھُمَا الْکَلْبِیُّ وَالْآخَرُ السُّدِّیُّ"۔ کہ کوفہ میں دو کذاب تھے۔ ایک یہی راوی کلبی اور دوسرا اسدی (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ $\frac{178}{180}$)

(۳) ابو صالح بھی اس کے متعلق لکھا ہے کہ "ابو صالح لَمْ یَسْمَعْ مِنَ ابْنِ عَبَّاس" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۸۰ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۸۲) کہ ابو صالح نے نہ حضرت ابن عباس کو دیکھا۔ اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔ بس یہ روایت از سرتاپا جعلی ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ امت محمدیہ کا موعود نہیں ہو سکتے

حدیث نزول میں سے جس لفظ سے غلطی لگتی ہے وہ "ابن مریم" ہے۔ "ابن مریم" کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ سو اس کی تشریح صد اقت حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کے جواب میں "ابن مریم بننے کی حقیقت

کے ذیل میں کی گئی ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام امتِ محمدؐ کے موعود بایں وجوہ نہیں ہو سکتے :-

اوّل :- قرآن و حدیث سے مسیح علیہ السلام کی وفات بالصراحت ثابت ہو چکی ہے۔ اور وفات یافتہ ہستیوں کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے۔ "فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ" (زمر رکوع ۵) کہ جس پر ایک دفعہ موت وارد ہو جائے وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آ سکتا۔

دوم۔ اگر مسیح ناصریؑ اُمتِ محمدیہ یا ساری دُنیا کے لئے رسُول ہو کر آئیں تو پھر قرآن مجید میں سے "رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ" کے الفاظ کاٹ دینے چاہئیں۔ کیا ایسی صورت میں قرآن مجید کی نعوذ باللہ اصلاح کرو گے؟ پس جس صورت میں قرآن مجید قیامت تک واجب العمل ہے تو پھر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام امتِ محمدیہ یا غیر اسرائیلی دنیا کی طرف نہیں آ سکتے :-

سوم۔ اُمتِ محمدیہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ کہ تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اب اگر اُمت محمدیہ میں سے کوئی عیسیٰ ابن مریم نہ ہے۔ تو یہ فرمان بے معنی بن جاتا ہے۔ نیز آنحضرت صلعم کی رُوحانیت کو بھی ناقص ٹھہرانا پڑیگا۔ کیونکہ آپ کی قدوسیت :- ایک مسیح بھی نہ بنا سکی۔ بلکہ جب اُمت اصلاح محتاج ہوئی تو بنی اسرائیل کے ایک نبی کے زیر بار احسان ہونا پڑا (نعوذ باللہ منہ)۔

چہارم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے مسیح اور مسیح ناصری کا جو حلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل متضاد اور مباین ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا اور مسیح ہے۔ اور مسیح ناصری اور ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

"فَأَمَّا عِيسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ (بخاری جلد ۲ صـ ۱۷۲)

کہ مسیح ناصری سرخ رنگ۔ گھنگھریالے بالوں اور چوڑے سینے والا تھا۔

پھر آنے والے موعود کے متعلق فرمایا۔ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ (بخاری جلد ۲ صـ ۱۷۱)۔

کہ اس کا رنگ گندمی ہوگا۔ اور خوبصورت ہوگا۔ اس کے سر کے بال پیچھے پر پڑتے ہوں گے۔ درمیانہ قد کا آدمی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو مسیح ہیں۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں۔ اب اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ آنے والا مسیح ناصری نہیں۔ یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ مسیح و مہدی دو اشخاص ہیں۔ نادرست ہے۔

اول۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں آخری زمانہ کے مسیح کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں پر صرف مسیح کا نام لکھا ہے اور مہدی کا ذکر تک نہیں۔ فرماتے ہیں۔ كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا۔ (ابن ماجہ) وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا اول میں اور آخر مسیح ہے۔ اگر حضرت امام مہدی کوئی علیحدہ وجود ہوتے تو ان کا بھی ذکر فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں ایک وجود ہیں۔

دوم - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی بھی قرار دیا ہے جیسے فرمایا۔ يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَّلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا وَّحَكَمًا عَدْلًا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)

عیسیٰ بن مریم جو اُمت کے موعود ہیں۔ وہ امام مہدی بھی ہوں گے۔ اور حَکَم دعادل بھی ہوں گے۔ مہدی کی پیشگوئی کے لئے جو لفظ رکھے تھے۔ وہی یہاں رکھ کر بتا دیا کہ ہماری مراد وہی مہدی ہے۔

سوم - محدثین نے باب مہدی کی سب احادیث کو مجروح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مقدمہ ابن خلدون۔

لیکن اس ضمن میں یہ حدیث صحیح ہے لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى (ابن ماجہ باب شدة الزمان) کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی ہے اور اس سے امام شافعیؒ جیسے نقاد نے روایت لی ہے۔ اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۴)۔ اور پھر یحیٰی ابن معین کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ هُوَ اِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ ہے۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهُ ابْنُ مُعِيْنٍ فَلَيْسَ هُوَ بِحَدِيْثٍ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۸) کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں۔ پس ایسا شخص جس راوی کو ثقہ قرار دیتا ہو۔ اس کی روایت میں کیونکر اشتباہ ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح ہی مہدی ہے۔ اور کوئی مہدی نہیں۔

چہارم - مسیح موعود اور مہدی معہود کے حلیہ۔ کام اور حالت نزول کے ایک ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل ایک ہی وجود ہے۔ لیکن

مختلف حیثیتوں سے جدا جدا ناموں سے پکارا گیا ہے۔

مسیح موعود کا حلیہ۔ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ۔ (بخاری جلد ۲۰ صفحہ ۱)۔

مہدی معہود کا حلیہ۔ اٰدَمُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ۔ (نعیم بن حماد) یعنی آنے والا موعود مسیح اور مہدی گندمی رنگ اور درمیانہ قد کا ہوگا۔

مسیح کی حالتِ نزول۔ یَنْزِلُ بَیْنَ مَہْزُوْرَتَیْنِ۔ (ترمذی)۔

مہدی کی حالتِ نزول۔ عَلَیْہِ عَبَاتَانِ قَطْوَانِیَّتَانِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (ابوداؤد) یعنی اسپر دو زرد چادریں ہونگی۔

مسیح کا کام۔ یُفِیْضُ الْمَالَ (مسلم) وَلَیُدْعَوُنَّ اِلَی الْمَالِ (بخاری)

مہدی کا کام۔ تَقْسِیْمُ الْمَالَ وَیَعْمَلُ فِی النَّاسِ بِسُنَّۃِ نَبِیِّہِمْ (ابوداؤد) یعنی مسیح اور مہدی مال تقسیم کریں گے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وجود ہے۔

اب جب مسیح ناصری اُمّت مرحومہ کا موعود نہیں تو سوال ہوگا کہ پھر ابن مریم کیوں فرمایا۔ تو یاد رہے کہ تشابہ صفات کی وجہ سے ایک شخص کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ جیسے بخاری مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۷ و صفحہ ۹۲ صفحہ ۹۳ و صفحہ ۸ پر یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بیویوں کو فرمایا۔ اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ کہ تم یوسف والیاں ہو۔ اس میں آپ نے اپنے آپکو یوسف اور اپنی ازواج مطہرات کو یوسف والیاں ٹھہرایا ہے حالانکہ آپ یوسف نہ تھے۔ پس معلوم ہوا کہ مشابہت اور مماثلت

کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ہے۔ یا بولتے ہیں۔ ابو یوسف۔ ابو حنیفہ کیا ابویوسف ابوحنیفہ ہے۔ کیونکہ ان میں غائیت درجہ کی مماثلت تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کا نام مثیل بن مریم ہونے کی وجہ سے ابن مریم ہو گیا۔ ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

عقیدہ حیاتِ مسیحؑ اور حضرت مسیح موعودؑ

آجکل غیر احمدی خصوصیت سے براہین احمدیہ کی وہ عبارت پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت اقدسؑ نے مسیح ناصری کو زندہ تسلیم کیا ہے۔ انکا اعتراض یہ ہے کہ کیا براہین احمدیہ کی تحریر کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کا علم صحیح نہیں دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیا تھا۔ چنانچہ براہین احمدیہ کی محولہ عبارت نکال کر دیکھ لو۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ دربارہ حیاتِ مسیح درج فرمایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جو علم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں دیا گیا تھا۔ وہ بھی درج فرما دیا ہے۔ اس جگہ ہم وہ عبارت درج کرتے ہیں:۔

”جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئیگا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت

اور انکسار اور توکّل اور ایثار اور آیات اور انوار کے رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دوٗ ٹکڑے ہے یا ایک ہی درخت کے دوٗ پھل ہیں۔ اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔ اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وُہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰؑ کا تابع اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے۔ اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبیؐ کے احقر خادمین میں سے ہے۔ کہ جو سیّد الرسل اور سب رسُولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمدؐ ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں۔ تو وہ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔" (براہین احمدیہ ص۴۹۹)

اب دیکھ لو۔ حضرت اقدسؑ نے کس صفائی سے اپنے خیال کو جو دُوسرے مُسلمانوں کے رسمی عقیدہ پر مبنی تھا نہایت سادگی سے بیان فرما دیا ہے۔ لیکن جو علم اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو دیا گیا۔ اس کو بھی نہایت صفائی سے بیان فرما دیا ہے۔ منقولہ بالا عبارات میں "لیکن اِس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے۔" کے الفاظ خصوصیّت سے قابلِ غور ہیں۔ کیونکہ "لیکن" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس سے پہلے جو لکھا گیا۔ اس کے خلاف اب کچھ لکھا جانے لگا ہے۔ "ظاہر کیا گیا ہے" کے

الفاظ بناتے ہیں کہ جو اس سے پہلے لکھا گیا۔ وہ اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے علم کی بناء پر نہیں۔ بلکہ عام انسانی خیال کی بناء پر ہے۔ لیکن مابعد جس مشابہت تامہ اور پیشگوئی مسیح موعود کا مصداق ہونے کا جو مذکور ہے وہ صحیح علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی واسطے میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا۔ تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا۔ محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں۔ کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں۔" (کشتی نوح ص۴۷)۔

پس براہین احمدیہ کے حوالے حیات مسیح کی سند میں پیش کرنا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی یہودی اپنے قبلہ کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا بطور سند کے پیش کرے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہ فعل محض رسمی تھا۔ کیونکہ سُنّت انبیاء یہی ہے۔ کہ وہ پہلے نبی کی اُمت کے عام عقائد اور اصولی اعمال پر گامزن رہتے ہیں۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم کے ذریعہ اُن کو روکا نہ جائے۔ یہی حال یہاں ہے۔

خادم

عدمِ رجوعِ موتےٰ

مُردوں کا اِس دُنیا میں دوبارہ نہ آنا

از رُوئے قرآن

پہلی آیت۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ (انبیاء رکوع ۷)۔ یعنی ہر ایک فوت شدہ بستی پر واجب ہے کہ وہ اس دُنیا کی طرف واپس نہ آئیں گے۔

دُوسری آیت۔ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ (یٰس رکوع ۲)

کیا ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے کس قدر لوگ ان سے پہلے ہلاک کیے۔ اور پھر وہ دوبارہ ان کی طرف نہیں آتے۔

تیسری آیت۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (یٰس رکوع ۳) جب موت آجاتی ہے۔ تو نہ وصیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوبارہ اپنے اہل و عیال کی طرف آسکتے ہیں۔

چوتھی آیت۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ (مومنون ع ۶)

یہاں تک کہ ان میں سے جب ایک مر جاتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب مجھے واپس لوٹا۔ تاکہ میں اعمال صالحہ بجالاؤں۔ یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ یہ صرف ایک بات ہے۔ جو وہ منہ سے کہہ رہا ہے۔ اور ان کے پیچھے ایک روک ہے قیامت کے دن تک۔ یعنی وہ دُنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

پانچویں آیت۔ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (زمر ع ۵)۔ اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے۔ اس نفس کو جس پر موت کو وارد کرتا ہے۔ اور سونے والے نفس کو واپس بھیجتا ہے۔ یعنی مُردہ نفس دوبارہ کبھی نہیں آتا۔

چھٹی آیت۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ (بقرہ رکوع ۲۰)

اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی بتوں کی کاش! ہمارے لئے بھی دُنیا میں لوٹنا ہوتا۔ تو ہم بھی اُن سے ایسے ہی بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے۔ یعنی افسوس دُنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹایا نہ گیا۔

ساتویں آیت۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ (مومنون رکوع ۱)۔

پھر پیدائش کے بعد تم مرو گے اور مرکر پھر قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے اس سے پہلے ہرگز نہ اُٹھائے جاؤ گے۔

آٹھویں آیت۔ وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انعام ع ۳)

جب کفار آگ پر کھڑے کئے جائینگے تو وہ کہینگے۔ کاش ہم دوبارہ دُنیا میں لَوٹائے جاتے۔ تو نہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے۔ بلکہ مومنوں میں سے ہوتے۔

نوٹ:۔ اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو کفار کے لئے ہے۔ مومن لوٹائے جاسکتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ عقلاً اگر دُنیا میں کوئی لوٹایا جانا چاہیئے۔ تو وہ کفار ہی ہیں۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ مومنوں کو تو آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جب کفار بھی لَوٹائے نہ جائیں گے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ کوئی بھی اس دُنیا میں نہ آئے گا۔

ایک اور طرح سے اِستدلال:۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مرنے والے انسان کی رُوح بعد از مرگ فوراً اپنے اعمال کے مطابق جزا سزا پانے لگ جاتی ہے۔ مومنوں کی ارواح اعلیٰ علیّین میں اور منکرین کی اسفل السافلین میں بھیجدیجاتی ہیں +

ضرورت:۔ اس مضمون کی دو جگہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو تب جب وفاتِ مسیح عقلاً نقلاً ثابت ہونے پر لوگ کہدیتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مر گئے تو خدا تعالیٰ پھر زندہ کر دیگا۔ دُوسرے عجوبہ پسند لوگ حضرت عیسیٰؑ کو محی الاموات حقیقی معنوں میں مانتے ہیں۔ تو اس مضمون سے دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔

عدم رجُوعِ موتیٰ از رُوئے احادیث

(۱) قَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِکَ قَالَ یَارَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْکَ ثَانِیَۃً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِنَّہٗ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا (الآیۃ رواہ ترمذی) مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۷۹ باب جامع المناقب

اللہ تعالیٰ نے شہید جابرؓ کے باپ کو فرمایا کہ کوئی آرزو کر۔ اس نے کہا مجھے دُنیاوی زندگی بخش کہ تیرے رستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں فرمایا کہ یہ تو میرا قانون ہو چکا ہے کہ یہاں سے دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

(۲) وَ قُلْنَا ادْعُ اللّٰهَ يُحْيِيهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِصَاحِبِكُمْ... اِذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ (رَوَاهُ مُسلم مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۳۶۱ باب مَا يحل الكلسه وما يحرم)۔

ایک آدمی فوت شدہ کے متعلق صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مُبارک میں عرض کی کہ حضورؐ دُعا فرمائیں کہ یہ زندہ ہو جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو۔ اور دفن کرو۔

اس حدیث سے صاف ہو جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ اس دُنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجتا۔ انبیاء بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ احباب غور کریں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فی الواقع مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں نہ کیا؟

محض اس لیے کہ خدا کے قانون کے برخلاف ہے۔ ہذا ہو المراد۔ عدم رجوع موتیٰ پر اجماعِ اُمّت ہے۔ کیونکہ کسی حدیث اور تفسیر اور فقہ وغیرہ میں کسی مسلمان نے ایسے احکام بیان نہیں کئے کہ اگر مُردہ دوبارہ لوٹ آئے۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ بیوی مال وغیرہ اس کو ملیگا یا نہیں۔ پس شریعت کے باوجود مکمل ہونے کے اور فقہا کا بھی اس کو ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی باطل ہے۔ وہو المقصود +

مسئلہ امکانِ نبوّت

دلائل امکانِ نبوت از روئے قرآن مجید

پہلی آیت۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (حج آخری رکوع)

اللہ تعالیٰ چُنتا ہے اور چُنیگا فرشتوں میں سے رسول اور انسانوں میں سے بھی۔

اس آیت میں "یَصْطَفِیْ" مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کیلئے آتا ہے۔ پس "یَصْطَفِیْ" کے معنی ہوئے "چُنتا ہے اور چُنیگا"۔ اس آیت میں یصطفی سے مُراد صرف حال نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ (الف) آیت کی ترکیب "اصل" اس طرح ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَ اللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ النَّاسِ رُسُلًا۔

کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی رُسُل چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی رُسل چنتا ہے۔ لفظ "رسل" جمع ہے۔ اس سے مراد آنحضرتؐ (واحد) نہیں ہو سکتے۔ پس ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کے بعد رسالت کا سلسلہ جاری ہے اور یَصْطَفِیْ مستقبل کے لئے ہے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی "رسل" بصیغہ جمع کا اطلاق واحد پر ثابت کرنے کیلئے وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ والی آیت پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں "رسل" کو بمعنی رسُول واحد لیا ہے۔ سو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شہادۃ القرآن کی عبارت محولہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے جمع کا ترجمہ واحد نہیں کیا بلکہ جمع ہی رکھا ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹ پر اس آیت کا

الہامی ترجمہ رقم فرمایا ہے: "وہ آخری زمانہ جس سے رسولوں کے عدد کی تعیین کی جائیگی۔ یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضاء قدر کا اندازہ جو مرسلین کی تعداد کی نسبت مخفی تھا۔ ظہور میں آجائیگا۔ پس یہی معنے آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ کے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا اور یہ آیت اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ رسولوں کی آخری میزان ظاہر کرنے والا مسیح موعود ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۹)

پس عبارت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی آیت میں "رسل" سے مراد "مرسلین" اور "رسولوں" بصیغہ جمع ہی لیا ہے۔ ہاں اُقِّتَتۡ کے لفظ سے میزان کنندہ (میزان ظاہر کرنیوالا) کا وجود نکالا ہے۔ پس مخالفین کا شہادۃ القرآن کا حوالہ پیش کرنا سراسر دھوکہ ہے (ب) یَصۡطَفِیۡ مضارع منسوب بذاتِ خداوندی ہے۔ اور اس آیت کی اگلی آیت ہے یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے۔ کیا خدا تعالیٰ اس آیت کے نزول کے وقت جانتا تھا۔ اب یہ نہیں جانتا۔ یعلم بھی مضارع ہے۔

غیر احمدی:- "اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خود . . . . خدا کی اس قدیم سنت سے ماہر ہو کہ وہ انسانوں میں سے رسول چنتا ہے جو اسکی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی سنتِ قدیمہ کی رُو سے اب بھی یہ رسول بھیجا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ارسال رسل کی سُنّتِ الٰہیہ سے موجودہ نبوت کا استدلال کیا جاتا۔ آئندہ نبوت کا خواہ مخواہ ذکر چھیڑ دیا۔ کیا بیہودہ ترجمہ ہے۔"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۲۸)

جواب:- جب سُنّتِ قدیمہ یہی ہے کہ وہ "تبلیغ" کے لئے رسول بھیجا کرتا

ہے۔ تو پھر اب بھی نبوت جاری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
"لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی بدلا نہیں کرتی۔ (احزاب رکوع ۸۔ فاطر رکوع ۵)۔ اندریں حالات تمہارا "سلسلۂ ارسالِ رسل" کا انکار کرنا "بیہودہ ہے" یا ہمارا اقرار؟۔

غیر احمدی۔ شرعی نبی بھیجنا بھی تو خدا کی سنت ہے۔ وہ کیوں بدل گئی؟۔

جواب۔ یہ کس نے کہا ہے کہ شرعی نبی بھیجنے کی سُنت بدل گئی ہے؟ شرعی نبی بھیجنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی سُنت یہ ہے کہ جب سابقہ شریعت ناقص یا نامکمل ہو یا ناقص تو نہ ہو مگر محرّف و مبدّل ہو گئی ہو تو نئی شریعت نازل فرماتا ہے۔ اور غیر شرعی نبی بھیجنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جس وقت ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے نہ سابقہ شریعت ناقص ہو۔ اور نہ محرّف ہوئی ہو۔ بلکہ لوگوں میں بدعملی اور ضلالت و گمراہی پیدا ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان میں "تبلیغ" اور اصلاح کے لئے غیر شرعی نبی بھیجا کرتا ہے۔ پس چونکہ قرآن مجید مکمل شریعت ہے۔ اور اس میں تحریف بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ قدیمہ کے عین مطابق یہ ضروری ہے کہ کوئی شرعی نبی نہ آئے۔ بلکہ غیر شرعی نبی آئے۔ پس جب تک قرآن مجید میں تحریف ثابت نہ کرو۔ یا یہ ثابت نہ کرو۔ کہ قرآن مجید (نعوذ باللہ) ناقص کتاب ہے۔ اس وقت تک تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید کے بعد شرعی نبی کا نہ آنا سُنّتِ قدیمہ کے خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مکمل اور غیر محرّف شریعت کی

موجودگی میں نئی شریعت کا نہ بھیجنا ہی خدا کی سُنّت ہے۔ جو اسوقت بھی جاری ہے۔ لیکن کیا تم انکار کر سکتے ہو۔ کہ اِس وقت دُنیا میں ضلالت و گمراہی اور بد عملی کا دَور دَورہ نہیں؟ اگر ہے۔ اور ضرور ہے۔ تو پھر تمہاری اپنی تسلیم کردہ "سُنّت ارسال رسل" کے مطابق اس زمانہ میں کوئی غیر شرعی نبی کیوں نہیں آسکتا؟

غیر احمدی۔ "رسل" بصیغۂ جمع ہونے کا کیا یہ مطلب ہے۔ کہ دس دس بیس بیس اکٹھے رسُول آئیں؟

جواب۔ نہیں! بلکہ صیغۂ جمع کا مفاد صرف یہ ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے بعد اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی رسُول نہیں بھیجے گا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً نبی بھیجتا رہیگا۔ اور وہ رسُول من حیث المجموع اتنے ہوں گے کہ اُن پر صیغۂ جمع اطلاق پا سکے۔

غیر احمدی۔ "صیغۂ مضارع کبھی حال کے لئے اور کبھی استقبال کے لئے ہوتا ہے۔" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۳۱)

جواب۔ اس آیت میں استقبال ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رسولِ واحد تھے۔ ان پر "رسل" صیغۂ جمع کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نیز اُن کا اصطفاد تو اس آیت کے نزول سے کئی سال پہلے ہو چکا تھا۔ نزول کے وقت تو نہیں ہو رہا تھا۔ اسلئے یہاں مضارع حال کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ بہرحال مستقبل ہی کے لئے ہے۔

اگر "حالِ ماضی" کے لئے ہوتا۔ تو اس سے پہلے یا مابعد کسی واقعۂ ماضی کا ذکر ہوتا۔ لیکن اس آیت سے پہلے بھی اور بعد بھی آخر سورۃ تک کسی واقعۂ ماضی کی طرف اشارہ تک نہیں۔ بلکہ سب جگہ موجودہ مخالفین ہی سے خطاب ہے۔ پس اگر واقعۂ ماضی ہو۔ تو "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی" فرمایا جاتا۔ جیسے "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ" وغیرہ آیات میں ہے۔ پس یہ آیت امکانِ نبوت کے لئے نصِّ قطعی ہے۔ جس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ۔

نوٹ: بعض دفعہ مخالفین کہا کرتے ہیں کہ آیت ہذا میں ایک عام قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے رسول بھیجا کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ مضارع سے عام قاعدہ صرف ایک ہی صورت میں مُراد لیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مضارع استمرار تجددی کے طور پر استعمال کیا جائے لیکن استمرار تجددی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں زمانۂ مستقبل بھی ضرور پایا جائے۔ ہم مخالفین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا استمرار تجددی دکھائیں جس میں زمانۂ مستقبل شامل نہ ہو۔ صرف ماضی اور حال مُراد ہو۔ استمرار تجددی کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:-

(۱) وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ طَرِيْفٍ ؎

اَوَ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ ۔ بَعَثُوْا اِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

(کتاب قواعد اللغۃ العربیۃ ص۱۰۱ علم المعانی مطبوعہ قاہرہ)

اور کبھی جب فعل مضارع ہو۔ بعض قرائن سے استمرار تجددی کا بھی فائدہ دیتا ہے

جیسا طریف شاعر کا یہ شعر ہے

جب کبھی عکاظ کے میدان میں کوئی قبیلہ آکر اترتا ہے تو وہ اپنے بڑے آدمی کو میری طرف بھیجتے ہیں۔ جو گھاس کی تلاش کرتا رہتا ہے۔ یا جو میری طرف دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں یَتَوَسَّمُ مضارع ہے۔ جس نے استمرار تجددی کا کام دیا (یہی مضمون بتغیر الفاظ تلخیص المفتاح صنہ سطر تین پر ہے)

(۵) تفسیر بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران ع ۴ زیر آیت اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ لکھا ہے اُعِیْذُهَا فِیْ كُلِّ زَمَانٍ مُّسْتَقْبِلٍ" یعنی اُعِیْذُهَا میں استمرار تجددی ہے۔ اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ میں اس کے لئے پناہ مانگتی ہوں ہر آنے والے زمانے کے لئے" گویا استمرار تجددی میں زمانہ مستقبل بالخصوص پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آیت " اللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ " میں استمرار تجددی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے قرینہ "الرسل" بصیغہ جمع اور فعل مضارع کا خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے (استمرار میں تینوں زمانے شامل ہوتے ہیں۔ کوئی زمانہ مستثنا نہیں ہو سکتا ہے۔ خصوصاً زمانہ مستقبل جس کا ہونا اس میں لازمی ہے)

نوٹ ۱: اگر کوئی کہے۔ اگر استمرار تجددی تسلیم کر لیا جائے۔ تو لازم آئیگا کہ ہر ایک سینکڑہ میں نبی اور رسول آتے رہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ استمرار کیلئے وقت اور ضرورت کی قید ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھایا کرتے تھے" كَانَ يَاْكُلٰنِ"

ماضی استمراری ہے (کیونکہ یا کان مضارع پر کانا داخل ہوا) تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ تمام دن رات کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ یہاں استمرار کا مطلب یہ ہے کہ عند الضرورت کھانا کھاتے تھے۔ اسی طرح اللہ یصطفی کا مطلب ہے کہ عند الضرورت خدا تعالیٰ رسول بھیجتا رہیگا۔

پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے۔ کہ میں انسانوں کو بھی نبوت کے لئے چنتا رہوں گا۔ اور فرشتوں کو بھی مختلف ڈیوٹیوں کے لئے بھیجتا رہونگا گویا سلسلہ نبوت جاری رہیگا۔ یاد رہے کہ ملائکہ صرف وحی لانے ہی کے لئے نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے جسقدر احکام ہیں ان کے نفاذ کیلئے لاتعداد ملائکہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ چن کر ہمیشہ بھیجتا رہتا ہے۔ پس منکرین نبوت کا یہ کہنا کہ انبیاء کی طرف ایک ہی فرشتہ وحی لایا کرتا ہے بے اثر ہے۔ یہاں صرف وحی لانے کا ذکر نہیں۔ بلکہ عام طور پر احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے فرشتوں کے چننے کا ذکر ہے۔

دوسری آیت:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران ع۱۸)

خدا تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ اے مومنو! تم اسوقت ہو۔ یہانتک کہ پاک اور ناپاک میں تمیز کر دے گا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک مومن کو غیب پر اطلاع نہیں دیگا (فلاں پاک ہے یا فلاں ناپاک)

بلکہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہیگا بھیجے گا۔ (اور ان کے ذریعہ سے پاک اور ناپاک میں تمیز ہو گی) پس اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم ایمان لاؤ۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم کو بہت بڑا اجر ملے گا۔

سورہ آل عمران مدنی سورۃ ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی نبوت کے کم از کم تیرہ سال بعد نازل ہوئی۔ جب کہ پاک اور ناپاک میں ابوبکرؓ و ابوجہل میں عمرؓ اور ابولہب۔ عثمانؓ و علیؓ اور عتبہ اور شیبہ میں کافی تمیز ہو چکی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومنوں میں پھر ایک دفعہ تمیز کرے گا۔ مگر اس طور نہیں۔ کہ ہر مومن کو الہاماً بتا دے کہ فلاں مومن اور فلاں منافق ہے۔ بلکہ فرمایا کہ رسول بھیج کر ہم پھر ایک دفعہ یہ تمیز کر دیں گے۔

آنحضرت صلعم کی آمد سے ایک دفعہ یہ تمیز ہو گئی۔ اس آیت میں یہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک اور تمیز کرے گا پس سلسلہ نبوت ثابت ہے۔

تیسری آیت:۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء ع ۹) جو اطاعت کریں گے اللہ کی اور اس کے رسول (محمد صلعم) کی پس وہ ان میں شامل ہو جائیں گے۔ جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبی صدیق شہید اور صالح۔ اور یہ ان کے اچھے ساتھی ہوں گے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں طریق حصول نعمت اور تکمیل نعمت کو بیان کیا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیروی سے ایک انسان صالحیت کے مقام سے ترقی کر کے نبوت کے مقام تک پہنچتا ہے

دوسری جگہ جہاں پہلے انبیاء کی اتباع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے نتیجہ میں انعام نبوت نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَاءُ (الحدید ۲۰)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور باقی تمام انبیاء پر وہ صدیق اور شہید ہوئے۔" یاد رہے کہ یہاں "اٰمَنُوْا" صیغہ ماضی اور "رسل" صیغہ جمع ہے۔ بخلاف مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت کے کہ اس میں "یطع" مضارع ہے اور الرسول خاص آنحضرت کے لئے ہے۔

گویا پہلے انبیاء کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کسی انسان کو صدیقیت کے مقام تک پہنچا سکتی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلعم کی اطاعت ایک انسان کو مقام نبوت پر بھی فائز کر سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت میں لفظ "مع" ہے "مِنْ" نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے۔ وہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ خود نبی نہ ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

(۱) اگر تمہارے معنی تسلیم کر لئے جائیں۔ تو ساری آیت کا ترجمہ یوں بنے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کی اطاعت کرنے والے نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود نبی نہ ہوں گے۔ وہ صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود صدیق نہ ہوں گے۔ وہ شہیدوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود شہید نہ ہوں گے۔ تو گویا نہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ہوئے۔ نہ حضرت عمرؓ و حضرت حسینؓ شہید ہوئے۔ اور نہ امت محمدیہ میں کوئی نیک آدمی ہوا۔ تو پھر یہ اُمت خیر اُمت نہیں بلکہ شر امت ہوئی۔

لہذا اس آیت میں "مع" بمعنے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ "مع" بمعنی "من" ہے

(۲) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نساء رکوع ۲۰) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی۔ اور خدا کی (رسی) کو مضبوطی سے پکڑا۔ اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کیا۔ پس وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اور خدا تعالے مومنوں کو عنقریب بڑا اجر دیگا

کیا یہ صفات رکھنے والے لوگ مومن نہیں۔ صرف مومنوں کے ساتھ ہی ہیں۔ اور کیا ان کو "اجر عظیم" عطا نہیں ہوگا؟

(۳) وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران ع ۲۰) کہ (مومن یہ دعا کیا کرتے ہیں) اے اللہ! ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اس آیت کا کیا یہ مطلب ہے۔ اے اللہ! جب نیک لوگوں کی جان نکلے ہماری جان بھی ساتھ ہی نکال لے؟ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اے اللہ! ہم کو بھی نیک بنا کر مار۔

(۴) ایک جگہ شیطان کے متعلق آتا ہے۔ لَمْ یَکُنْ مَعَ السّٰجِدِیْنَ (حجر ع ۳) کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اور دوسری جگہ مِنَ السّٰجِدِیْنَ آتا ہے۔ (اعراف ع ۲)

نوٹ :۔ مَعَ کے معنی معیت (ساتھ) کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (الخ کہ خدا نیک لوگوں کے ساتھ ہے .....) میں۔ اور مَعَ کے معنی "من" کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر تین مثالیں دی گئی ہیں اور "مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ" والی آیت میں تو اس کے معنی سوائے مِنْ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتے

کیونکہ اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو "امت محمدیہ" نعوذ باللہ شر امت قرار پاتی ہے۔ جو بالبداہت باطل ہے۔ لہٰذا ہمارے جواب میں "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اور "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ" پیش کرنا غیر احمدیوں کے لئے مفید نہیں۔

نبوّت موہبت ہے

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ آنحضرت صلعم کی پیروی میں نبوت ملے گی۔ تو اس سے یہ ماننا لازم آئے گا۔ کہ نبوّت ایک کسبی چیز ہے۔ حالانکہ نبوت موہبت الٰہی ہے نہ کہ کسبی! اور نبی تو ماں کے پیٹ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک نبوّت وہبی ہے۔ لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی موہبت نازل نہیں ہوتی جب تک کہ انسان کی طرف سے بعض اعمال ایسے سرزد نہ ہوئے ہوں جو اس موہبت کے لئے جاذب بن جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ" (شوریٰ آخری رکوع) کہ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اس کو لڑکیاں موہبت کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے لڑکے موہبت کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا "وَوَھَبْنَا لَہٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ" (مریم رکوع ۴) کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ موہبت کئے" ان آیات سے معلوم ہوا کہ اولاد موہبت ہے۔ لیکن کیا حصول اولاد کے لئے کسی انسانی عمل کی ضرورت نہیں؟

بیشک نبوت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور

اطاعت اور اعمال صالح شرط ہیں۔ لیکن اعمال صالح بھی تو خدا تعالےٰ کی طرف سے توفیق کے بغیر بجا لائے نہیں جا سکتے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ نعمت میری کوشش سے نہیں۔ بلکہ شکم مادری میں مجھے عطا کی گئی۔" (حقیقۃ الوحی صــ۶۷) "اعمال صالحہ کا صادر ہونا خدا تعالےٰ کی توفیق پر موقوف ہے۔" (حقیقۃ الوحی صــ۶۵ حاشیہ۔ صــ۱۳۱ حاشیہ)

"عورتیں کیوں نبی نہیں بنتیں"؟

بعض غیر احمدی "وَمَن یُّطِعِ اللّٰہَ الخ والی آیت۔ نیز "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ" والی آیت پر (جب یہ امکان نبوت کی تائید میں پیش کی جائیں) یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر نبوت کا ملنا "اطاعت نبوی" پر موقوف ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ عورتوں میں سے کسی کو نبوت نہیں ملتی۔ حالانکہ اطاعت نبوی تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اسی طرح صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دعا اگر حصولِ نبوّت کو مستلزم ہے۔ تو یہ دعا تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورتیں نبی نہیں بنتیں؟ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض محض آیات مذکورہ بالا پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ اس کا جواب بھی خود انہی آیات میں موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت میں یوں نہیں فرمایا۔ کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے ہم ان کو نبی بنا دیں گے۔ بلکہ فرمایا جو لوگ اطاعت کریں گے ہم ان کو ان لوگوں میں شامل کر دیں گے۔ جن پر ہم نے انعام کیا" (اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ بصیغہ ماضی) یعنی نبی۔ صدیق اور صالح جس کا مطلب

یہ بنتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں جس جس طرح ہم نے مندرجہ بالا انعامات تقسیم کئے تھے۔ اب ہم اطاعت نبوی کے نتیجہ میں وہی انعام اسی طریق پر اُمتِ محمدیہ کے افراد میں تقسیم کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا "انعم اللہ علیہم" میں جو لوگ شامل ہیں ان میں سے کوئی عورت بھی کبھی "نبی" ہوئی۔ تو اس کا جواب اللہ تعالےٰ خود دیتا ہے کہ "وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ" (انبیاء ع ۱) یعنے اے نبی! ہم نے آجتک کسی عورت کو نبی نہیں بنایا۔ پس جب کبھی کوئی عورت نبوت کا انعام پانے والی کبھی ہوئی ہی نہیں۔ تو پھر امت محمدیہ میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس امت کو تو وعدہ ہی وہ دیا گیا ہے کہ "فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ" کہ تم کو بھی وہی انعامات ملیں گے۔ جو پہلی امتوں کو ملے۔ مردوں کو نبوت ملی۔ اور عورتیں زیادہ سے زیادہ صدیقیت کے مقام تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ اس امت میں بھی انتہائی مقام مردوں کے لئے نبوت اور عورتوں کے لئے صدیقیت مقرر ہوا۔

اسی طرح "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" کی دعا میں بھی اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" ہی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا! جو جو انعامات تو پہلی امتوں کے افراد پر نازل کرتا رہا ہے وہ ہم پر بھی نازل کر۔ پس چونکہ پہلی اُمتوں میں کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ اس لئے اب بھی کوئی عورت نبی نہیں ہوگی۔ جب اُمت محمدیہ کا کوئی مرد صراط الذین انعمت علیہم کی ف

کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اے خدا! مجھ پر بھی وہ انعام نازل فرما جو تو نے پہلی امتوں کے مردوں پر کئے۔ اور جب کوئی امت محمدیہ کی عورت یہ دعا کرتی ہے۔ تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اے خدا! تو نے جو انعام پہلی امتوں کی عورتوں پر نازل کئے وہ مجھ پر بھی نازل فرمائیں اللہ تعالےٰ نے اپنے پر حکمت کلام میں ماضی کا صیغہ رکھ کر اس اعتراض کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

ہر اطاعت کرنیوالا نبی کیوں نہیں بنتا

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والی دعا تو امت محمدیہ کے تمام افراد کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کی۔ پھر مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ والی آیت کے ماتحت ان سب کو نبوت ملنی چاہیئے تھی؟

الجواب ۱:۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام ع ۱۵) کہ یہ اللہ تعالےٰ ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ کہ کس کو نبی بنائے۔ کب نبی بنائے۔ اور کہاں نبی بنائے۔

الجواب ۲:۔ اللہ تعالےٰ سورہ نور میں فرماتا ہے:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (نور ع ۷) کہ اللہ تعالےٰ ایمان لانے۔ اور اعمال صالحہ بجا لانے پر مسلمانوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے۔ کہ ان سب کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ آیت استخلاف مندرجہ بالا کی رو سے خلیفہ صرف

حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ و علی رضی اللہ عنہم ہی ہوئے۔ کیا تمام صحابہؓ میں صرف یہ چار مومن باعمل تھے؟ کیا حضرت عائشہ۔ حضرت بلال۔ حضرت عبد اللہ بن عمر۔ طلحہ۔ زبیر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نعوذ باللہ مومن نہ تھے۔ اس کا جواب یہی ہے۔ کہ بیشک یہ سب مومن تھے لیکن خلافت اللہ تعالےٰ کی دین ہے۔ جس کو چاہے دے۔ لیکن وعدہ عام ہے۔ جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نبوت و خلافت صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوں۔ اس کے بغیر نہیں مل سکتی۔ علاوہ ازیں جب کسی قوم میں سے ایک شخص نبی ہو جائے تو وہ انعام نبوت سب قوم پر ہی سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے:۔

"یَا قَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ"

(مائدہ ع ۴) کہ اے قوم! تم اس نعمت کو یاد کرو جو خدا نے تم پر نازل کی جب کہ اس نے تم میں سے نبی بنائے۔

گویا کسی قوم میں سے کسی شخص کا نبی ہونا اس تمام قوم پر خدا کی نعمت سمجھا جاتا ہے۔ پس "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" اور "مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ" والی آیات میں جس نعمت نبوت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیا گیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ نہیں کہ ہر کوئی نبی بنے۔ بلکہ صرف اس قدر ضروری ہے۔ کہ اس امت میں سے بھی ضرور نبوت کی نعمت کسی فرد پر نازل کی جائے۔

ہمارے ترجمہ کی تائید

حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ چنانچہ تفسیر بحر المحیط (مؤلفہ محمد بن یونس اندلسی) میں لکھا ہے:۔ "وَقَوْلُهٗ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ تَفْسِیْرٌ لِقَوْلِهٖ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ..... وَالظَّاهِرُ اَنَّ قَوْلَهٗ مِنَ النَّبِیّٖنَ تَفْسِیْرٌ لِلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ فَكَاَنَّهٗ قِیْلَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مِنْكُمْ اَلْحَقَهُ اللّٰهُ بِالَّذِیْنَ تَقَدَّمَهُمْ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَیْهِمْ قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِی الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ النَّبِیُّ بِالنَّبِیِّ وَالصِّدِّیْقُ بِالصِّدِّیْقِ وَالشَّهِیْدُ بِالشَّهِیْدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ وَاَجَازَ الرَّاغِبُ اَنْ یَّتَعَلَّقَ مِنَ النَّبِیّٖنَ بِقَوْلِهٖ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اَیْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ" (تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ مصر) یعنی خدا کا فرمانا کہ "مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ" یہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کا قول مِنَ النَّبِیّٖنَ تفسیر ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ کی۔ گویا یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو ان لوگوں میں شامل کر دے گا۔ جن پر قبل ازیں انعامات ہوئے اور امام راغب نے کہا ہے کہ ان چار گروہوں میں شامل کرے گا۔ مقام اور نیکی کے لحاظ سے نبی کو نبی کے ساتھ۔ اور صدیق کو صدیق کے

ساتھ - شہید کو شہید کے ساتھ - اور صالح کو صالح کے ساتھ - اور راغب نے جائز قرار دیا ہے - کہ اس امت کے نبی بھی نبیوں میں شامل ہوں - جیسا کہ خدا نے فرمایا - وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ "یعنی مِنَ النَّبِیّٖنَ" (نبیوں میں سے)

اس حوالہ سے صاف طور پر حضرت امام راغبؒ کا مذہب ثابت ہوتا ہے - کہ وہ اس امت میں بھی انبیاء کی آمد کے قائل تھے - چنانچہ اس عبارت کے آگے مؤلف بحر المحیط (محمد بن یوسف بن علی بن حیان الاندلسی جو ۷۵۴ھ میں فوت ہوئے) نے حضرت امام راغبؒ کے مندرجہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ راغبؒ کے اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے - کہ کہ گویا آنحضرت صلعم کے بعد بھی آپ کی امت میں سے بعض غیر تشریعی نبی پیدا ہوں گے - جو آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے - اس پر مصنف اپنا مذہب لکھتا ہے اور کہتا ہے - کہ یہ درست نہیں - کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے - لیکن ہمیں مؤلف بحر المحیط یعنی محمد بن یوسف اندلسی کے اپنے عقیدہ سے سروکار نہیں - ہمیں تو یہ دکھانا مقصود ہے کہ آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کا جو مفہوم آج جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ نیا نہیں - بلکہ آج سے سینکڑوں سال قبل امام راغب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا وہی ترجمہ کرتے ہیں - جو آج جماعت احمدیہ کی طرف سے کیا جاتا ہے -

غیر احمدی :- ترمذی میں حدیث ہے کہ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ

مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ" آج تک کتنے لوگ تجارت کی وجہ سے نبوت حاصل کر چکے ہیں"؟ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۳۵)

جواب:- یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اسے قبیصہ ابن عقبۃ الکوفی نے سفیان ثوری سے۔ اور سفیان ثوری نے ابوحمزہ عبداللہ بن جابر سے اس نے حسن سے اور اس نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔

قبیصہ کے متعلق لکھا ہے:- قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ هُوَ ثِقَةٌ اِلَّا فِيْ حَدِيْثِ الثَّوْرِيِّ وَقَالَ اَحْمَدُ كَثِيْرُ الْغَلَطِ.... قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۰) کہ ابن معین فرماتے ہیں کہ قبیصہ کی وہ روایت جو یہ سفیان ثوری سے روایت کرے کبھی قبول نہ کرنا۔ احمد کے نزدیک یہ راوی کثرت سے غلط روایت کرتا تھا۔ اور ابن معین کے خیال میں یہ قوی راوی نہ تھا۔ یہ روایت بھی اس راوی کی سفیان ثوری ہی سے ہے۔ لہذا جھوٹی ہے۔

(۲) اگر درست بھی ہوتی تو بھی حرج نہ تھا۔ کیونکہ "التاجر الصدوق الامین" تو خود ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک ہیں لہذا آپؐ ہی وہ خاص تاجر اور وہ سچ بولنے والے امین انسان تھے۔ جن کی تعریف اس قول میں کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور نبی تھے۔

چوتھی آیت:- يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اعراف ع ۴) اے بنی آدم (انسانو!) البتہ ضرور آئیں گے

تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں گے۔ تمہارے سامنے میری آیتیں۔ پس جو لوگ پرہیزگاری اختیار کریں گے۔ اور اپنی اصلاح کریں گے ان کو کوئی غم اور ڈر نہ ہوگا۔

"اِمَّا یَاْتِیَنَّ" کا ترجمہ ہے۔ "البتہ ضرور آئیں گے" کیونکہ یاتینّ مضارع مؤکد بہ نون ثقیلہ ہے۔ جو مضارع میں تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کرتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الصرف مؤلفہ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری میں لکھا ہے "نون تاکید۔ یہ حرف آخر مضارع میں آتا ہے۔ اور اس کے آنے سے مضارع کے پہلے لام مفتوح کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نون مضارع کے آخر حرف پر فتحہ اور معنی تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کے دیتا ہے جیسے لَیَفْعَلَنَّ (وہ البتہ ضرور کرے گا) اس کو مضارع مؤکد بلام تاکید و نون تاکید کہتے ہیں" اور اس پر حاشیہ میں لکھا ہے:۔

"اکثر تو لام مفتوح آتا ہے۔ مگر کبھی اِمَّا بھی آجاتا ہے جیسے اِمَّا یَبْلُغَنَّ" (دیکھو کتاب الصرف ص۱۵)

پس یَاْتِیَ (آئے گا) مضارع کے آخر میں "نون تاکید" آیا۔ اور اس کے شروع میں اِمَّا آیا۔ پس اس کے معنے ہوئے البتہ ضرور آئیں گے رُسُلٌ" (رسول)

نوٹ:۔ یہ آیت آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ اور اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا ہوا۔ کہ ہم نے گذشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا۔ نیز اس آیت سے پہلے کئی مرتبہ یَا بَنِیْ آدَمَ آیا ہے۔ اور اس

ہیں، سب جگہ آنحضرتؐ اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں۔ جیسا کہ
یَا بَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳۲) اے
انسانو! ہر مسجد (یا نماز) میں اپنی زینت قائم رکھو۔
چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:۔ "فَاِنَّہٗ خِطَابٌ
لِاَھْلِ ذَالِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَھُمْ" (تفسیر اتقان جلد ۲
صـ۳۱ مصری)، کہ یہ خطاب اس زمانہ اور اگلے زمانہ کے تمام لوگوں کو ہے
ب، تفسیر حسینی موسومہ بہ تفسیر قادری میں ہے "یہ خطاب عرب کے
مشرکوں کی طرف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خطاب عام ہے۔" (تفسیر حسینی
جلد ۱ صـ۳۱۸ آخری سطر مطبوعہ نولکشور زیر آیت یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم)
غیر احمدی:۔ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" میں "مسجد"
کا لفظ غیر مذاہب کے معبدوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کی مسجدوں کیلئے
جواب:۔ آیت زیر بحث کے سیاق و سباق میں سوائے مسلمانوں کے کسی اور
قوم کا ذکر ہی نہیں۔ اور یہ سب نصائح صرف مسلمانوں کو کی گئی ہیں۔ چنانچہ یا بنی
آدم اما یاتینکم رسل منکم" سے پہلی دو آیات یہ ہیں:۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ
رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ
وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ یَا بَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ۔
(اعراف ۴) ان آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"کہہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! سوا اس کے نہیں کہ حرام کئے رب میرے نے گناہ کبیرہ کہ بڑے عذاب کے سبب ہیں۔ جو ظاہر ہے ان میں سے جیسے کفر اور جو پوشیدہ ہے جیسے نفاق۔ اور حرام کیا وہ گناہ جس پر حد مقرر نہیں ہے جیسے گناہ صغیرہ۔ اور حرام کیا ظلم یا تکبر ساتھ ناحق کے.... اور حرام کیا یہ کہ شرک لاؤ تم ساتھ اللہ کے۔ اور شریک پکڑو اس کی عبادت میں اس چیز کو کہ خدا نے نہیں بھیجی.... کوئی دلیل۔ اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ کہو تم جھوٹ اور افترا کرو خدا پر جو کچھ تم نہیں جانتے ہو۔ کھیتوں اور چارپائیوں کی تحریم اور بیت الحرام کے طواف میں برہنہ ہونا۔ اور واسطے ہر گروہ کے ایک مدت ہے جو خدا نے مقرر کر دی ہے ان کی زندگی کے واسطے" (تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۰۵)

صاف ظاہر ہے کہ "قُلْ" کہہ کر خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور پھر حضور کے ذریعہ سے یہ پیغام تمام بنی نوع انسان کو پہنچایا گیا ہے کہ "اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ"۔

باقی رہا "تمہارا کہنا کہ "مسجد" سے مراد "اصحابِ کہف" (عیسائیوں) کی مسجد ہے تو یہ محض مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ یہ آیت عیسائیوں کے گرجوں کے اندر اچھے اچھے کپڑے پہن کر جانے کی ہدایت نہیں دیتی۔ بلکہ کعبہ شریف خصوصاً اور دوسری اسلامی مساجد میں عموماً نماز پڑھنے کے لئے جانیوالوں کو مخاطب کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی میں "خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" کی مندرجہ ذیل تشریح کی گئی ہے:-

"بعض مفسر اس بات پر ہیں کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور اکثر مفسر

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس واسطے کہ بنو ثقیف اور دوسری ایک جماعت عرب مشرکوں کی تھی۔ کہ ان کے مرد اور عورتیں برہنہ طواف کرتی تھیں۔ اور کپڑے اتار ڈالنے سے یہ فال لیتے تھے کہ گناہوں سے ہم بری ہو گئے۔ اور بنو عامر احرام کے دنوں میں حیوان کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور تھوڑے سے کھانے پر قناعت کر کے اس فعل کو اطاعت جانتے تھے۔ اور کعبہ کی تعظیم کا خیال باندھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ تعظیم و تکریم کرنا ہم کو بہت سزاوار اور لائق ہے۔ حق تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ خذوا زینتکم اپنے کپڑے کہ ان کے سبب سے تمہاری زینت ہے عند کل مسجد نزدیک ہر مسجد کے جس کا تم طواف کرتے ہو۔ یا جس میں نماز پڑھتے ہو۔ (تفسیر حسینی جلد ا صـــ)

پس ثابت ہوا کہ یہاں "مسجد" سے مراد عیسائیوں کے گرجے نہیں بلکہ کعبۃ اللہ اور مسلمانوں کی دوسری مسجدیں مراد ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت آدمؑ کے زمانے کا واقعہ بیان نہیں کیا جا رہا۔ بلکہ مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ "رسول" نبی۔ رسول اور محدث تینوں معنوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اصطلاح تو خاص تھی جس کے رو سے لفظ "محدث" بالواسطہ غیر تشریعی نبیؑ کا ہم معنی اور قائم مقام ہے۔ اس لحاظ سے اگر لفظ رسول میں غیر تشریعی نبوت کا حامل شامل ہو۔ تو پھر بھی امکان نبوت ثابت ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ "رسول" تو تشریعی و غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوت پر مشتمل ہے۔ پھر اس آیت سے تشریعی نبوت کا امکان بھی ثابت ہوا۔

جواب:۔ جی نہیں! بلکہ اس آیت میں تو اس کے بھی برعکس یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اب جن رسولوں کی آمد کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ وہ سب غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ اور صرف یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وہ سابقہ نازل شدہ آیات قرآنی ہی کو پڑھ پڑھ کر سنایا کریں گے۔ (یقصون) نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان موعودہ رسولوں کی بعثت کی غرض تقویٰ پیدا کرنا اور اصلاح کرنا ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ "یعنی جو تقویٰ اختیار کریگا۔ اور اپنی اصلاح کریگا۔ وہی امن میں ہوگا۔ دوسرا نہیں۔

پانچویں آیت:۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ کہ اے اللہ ہم کو سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی۔ گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما جو پہلے لوگوں کو تو نے عطا فرمائیں۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ وہ نعمتیں کیا تھیں؟ قرآن مجید یہ ہے

یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا۔ (مائدہ ع ۴)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! تم خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ جب اس نے تم میں سے نبی بنائے۔ اور تم کو بادشاہ بنایا۔

ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دو نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھائی ہے۔ اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے۔ اور دعا کا سکھانا بتاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ لہذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔

چھٹی آیت:- يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (مومنون ع ۳) اے رسولو! پاک کھانے کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جو حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ رُسُلْ بصیغہ جمع کم از کم ایک سے زیادہ رسولوں کو چاہتا ہے آنحضرت صلعم تو اکیلے رسول تھے آپؐ کے زمانہ میں بھی کوئی اور رسول نہ تھا۔ لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد رسول آئیں گے ورنہ کیا خدا تعالیٰ وفات یافتہ رسولوں کو حکم دے رہا ہے؟ کہ اٹھو اور پاک کھانے کھاؤ اور نیک کام کرو؟

اس امر کا ثبوت کہ یہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے رسولوں کو نہیں یہ ہے:-

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ (مسلم کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال) (بحوالہ محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۵۴)

یعنی "ابو ھریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک ہے۔ اور سوائے پاکیزگی کے کچھ قبول نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالٰے نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے نبیوں کو دیا ہے۔ کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ۔ اور مناسب حال اعمال بجا لاؤ۔ ایسا ہی اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو فرمایا۔ کہ اے ایمان والو! اس پاک رزق سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔"

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ جس طرح "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" والا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے فوت ہو چکنے والے مومنوں کو نہیں بلکہ موجودہ یا بعد میں پیدا ہونے والے مومنوں کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح "یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ" کا خطاب بھی گذشتہ انبیاء کو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یا آپ کے بعد آنے والے رسولوں سے ہے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تو کوئی اور رسول تھا نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بعد پیدا ہونیوالے ویسے رسولوں ہی سے خطاب ہے۔ جو قرآن مجید کی شریعت کے تابع ہوں گے۔

غیر احمدی :- آیت "یا ایها الرسل" میں ذکر پہلی امتوں کا ہے۔
جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ خطاب نہیں تھا بلکہ پہلے انبیاء سے ہے۔

جواب :- جی نہیں! یہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے پہلے
انبیاء کو ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر درج شدہ حدیث سے ثابت
کیا گیا ہے۔ اب تفسیر بھی دیکھ لو لکھا ہے:-

" امام ثعلبی کہتے ہیں کہ رُسُلُ اللّٰہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم مراد ہیں جیسے کہ "یا ایها الرسل" میں لفظ جمع کے ساتھ
انہی کی طرف خطاب ہے۔ اور یہ تعظیم کی راہ سے ہے شرح معارف میں
لکھا ہے کہ جب تک حق تعالے نے سب انبیاء علیہم السلام کے خصائل
اور شمائل حضرت سید الانبیاء میں جمع نہیں کئے حضرت کو آیت
یا ایُّها الرسل سے خطاب نہیں فرمایا" (تفسیر حسینی قادری جلد ۱ صفحہ ۵۵)

پس یہ ثابت ہے کہ یہ خطاب انبیاء سابقہ کو نہیں۔ باقی رہا یہ کہنا
کہ لفظ "رُسُل" جو جمع کا صیغہ ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم واحد کے لئے آیا ہے۔ تو یہ محض خوش فہمی اور دیکھ
کر دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اور یہ ویسا ہی ہے
جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں "الذین امنوا" سے مراد
حضرت علی ہی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید قیامت تک
کے لئے شریعت ہے۔ اس لئے اس میں تمام ایسے احکام بیان

فرما دئیے گئے جن پر قیامت تک عمل کیا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جو انبیاء آنے والے تھے۔ ان کے لئے بھی مکمل ہدایات قرآن مجید میں نازل فرما دی گئیں۔ ان ہدایات میں سے ایک ہدایت پر مشتمل یہ آیت بھی ہے۔

ساتویں آیت:- وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (احزاب ع ۷) تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ تم رسول کی وفات کے بعد اس کی بیویوں سے شادی کرو۔

آنحضرت صلعم بھی اللہ کے رسول تھے۔ حضور صلعم جب فوت ہوئے آپ کی بیویوں کے ساتھ کسی نے شادی نہ کی۔ حضور صلعم کی وفات کے بعد حضور کی ازواج مطہرات بھی فوت ہوگئیں۔ اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت بند ہوگیا ہے۔ تو نہ کوئی نبی آئے گا۔ اور نہ اس کی وفات کے بعد اس کی بیویاں زندہ رہیں گی۔ اور نہ ان کے نکاح کا سوال ہی زیر بحث آئے گا۔

اب اگر اس کو قرآن مجید سے نکال دیا جائے تو کونسا نقص لازم آتا ہے۔ اور اس آیت کی موجودگی میں ہمیں کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے شریعت ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ قیامت تک واجب العمل اور ضروری ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور قیامت تک انبیاء کی ازواج

مطہرات ان کی وفات کے بعد بیوگی کی حالت میں رہتی رہیں گی۔
نوٹ:۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ عام ہے کیونکہ اس میں "الرسولُ والنبیُّ" کا لفظ نہیں۔ کہ آنحضرت صلعم مراد ہوں بلکہ "رسول اللہ" کا لفظ ہے جو عام ہے۔ یعنی اس میں ہر رسول داخل ہے لہذا دھوکہ سے بچنا چاہئے۔ لفظ "رسول اللہ" قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کے لئے بھی استعمال ہوا ہے (دیکھو صفہ ع ۱)

آٹھویں آیت: وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ (مومن ع ۴) کہ اس سے قبل تمہارے پاس حضرت یوسف کھلے نشان لے کر آئے۔ مگر تم ان میں شک کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب وہ فوت ہوگئے۔ تو تم کہنے لگ گئے۔ کہ اب خدا تعالےٰ ان کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح سے خدا تعالےٰ گمراہ قرار دیتا ہے ان لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور (خدا کی آیات) میں شک کرتے ہیں۔ وہ لوگ شک میں ہیں بغیر اس کے۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کو کوئی دلیل عطا ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں پہلے انبیاء اور ان کی جماعتوں کے واقعات محض قصے کہانیوں کی غرض سے بیان نہیں ہوتے۔ بلکہ عبرت کے لئے آتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے حضرت یوسف کی اُمت کا جو یہ عقیدہ بیان کیا ہے۔ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہے؟ نیز "یُضِلُّ اور یُجَادِلُونَ" مضارع کے صیغے ہیں ؛ جو

مستقبل پر حاوی ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ" (حٰم سجدہ ع۵)

یعنی اے نبی صلعم! آپ کے متعلق بھی وہی کچھ کہا جائے گا۔ جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہا گیا۔ حضرت یوسف کے متعلق جیسا کہ بتایا جا چکا ہے "لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا" کہا گیا۔ پس ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی کہا جاتا۔ کہ آپ کے بعد خدا تعالےٰ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔

نویں آیت:۔ وَاَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا (جن ع۱)

بعض جن جب آنحضرت صلعم کا وعظ سُن کر اپنی قوم کے پاس گئے تو جا کر کہنے لگے۔ "اے جنو! تمہاری طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ اب خدا تعالےٰ کسی نبی کو نہیں بھیجے گا۔ مگر (ایک اور نبی آ گیا ہے)"

گویا آنحضرت صلعم جب تشریف لائے۔ تو آپ سے قبل بھی پہلے نبیوں کی اُمتیں یہی عقیدہ رکھتی تھیں۔ کہ نبوت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے "مَا یُقَالُ لَکَ" کے مطابق ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی کہا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"اِجْمَاعُ الْیَھُوْدِ عَلٰی اَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَ مُوْسٰی" (مسلم الثبوت صفحہ)

کہ یہود کا اجماع ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دسویں آیت:۔ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَھُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْھِمْ مُّنْذِرِیْنَ (الصّٰفّٰت ع۲)

کہ پہلی امتوں میں سے اکثریت گمراہ ہوگئی۔ تو ہم نے ان کی طرف نبی بھیجے گویا جب کسی امت کا اکثر حصہ ہدایت کو چھوڑ دے۔ تو خدا تعالےٰ کے انبیاءؑ ان کی طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کو پھر صراط مستقیم پر چلائیں۔

۲۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (بقرہ ۲۶۴)

ہم نے انبیاء رسل اور کتابیں بھیجیں تاکہ وہ (نبی) ان اختلافات کا فیصلہ کریں جو ان لوگوں میں پیدا ہوگئے تھے۔ ثابت ہوا کہ اختلاف اور تفرقہ کا وجود ضرورت نبوت کو ثابت کرتا ہے

۳۔ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ جمعہ ع ۱) کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ..... اور آپ کی آمد سے قبل یہ لوگ صریحاً گمراہی میں تھے۔ گویا جب گمراہی پھیل جائے۔ خدا تعالےٰ نبی بھیجتا ہے۔

۴ "ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" (روم ع ۵) کہ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ یعنی عوام اور علماء یا غیر اہل کتاب اور اہل کتاب کی حالت خراب ہوگئی تو نبی بھیجا گیا۔

ان چار آیات سے ثابت ہے کہ جب دنیا میں گمراہی پھیلتی ہے۔ تفرقے پڑ جاتے ہیں۔ پہلے نبی کی امت کا اکثر حصہ اس کی تعلیم کو چھوڑ دیتا ہے اس وقت خدا تعالےٰ نبی رسول مبعوث فرمایا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلعم کے بعد ضلالت گمراہی۔ امت محمدیہ کے اکثر حصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو چھوڑ دینا علماء اور عوام کا

بگڑنا واقع ہوا یا نہیں؟

خود آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ شِبْرًا بِشِبْرٍ) حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃٍ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۰ مطبوعہ مطبع احمدی)

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ البتہ ضرور آئے گا میری امت پر وہ زمانہ جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ یہ ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہانتک کہ اگر کسی یہودی نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہوگی۔ تو میری امت میں سے بھی ضرور کوئی ایسا ہوگا جو یہ کرے گا۔ اور بنی اسرائیل کے بہتّر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت کے تہتّر ۷۳ فرقے ہو جائیں گے سوائے ایک کے باقی سب کے سب جہنمی ہوں گے

۲۔ عَنْ عَلِیٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَاءُ ھُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَب

اَرْذِیْمَانِ (مشکوٰۃ کتاب العلم صفحہ ۳۸ مطبع احمدی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قریب ہے۔ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا۔ جب اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا۔ مگر نام۔ اور قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مگر الفاظ۔ مسجدیں آباد نظر آئیں گی۔ مگر ہدایت سے کوری ان لوگوں کے مولوی آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہیں سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں میں واپس لوٹیں گے۔

ان ہر دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ضلالت مبین پھیلے گی۔ امت محمدیہ میں تفرقے پڑیں گے۔ بلکہ پہلی امتوں سے بڑھکر اکثر حصہ ۹۷ فی صدی امت محمدیہ جہنمی ہو جائے گی۔ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے فقط الفاظ۔ اور پھر علماء اور عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو جائے گی۔ گویا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا پورا نقشہ کھنچ جائے گا۔

پس قرآن کی بتائی ہوئی مندرجہ بالا سب ضروریات موجود ہیں۔ جو بعثت رسول کو مستلزم ہیں۔

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ثابت ہے۔

گیارھویں آیت: وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (بنی اسرائیل رکوع ۶) کہ قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر ایک بستی کو عذاب شدید میں مبتلا کریں گے اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

(ب) دوسری جگہ فرمایا۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"
(بنی اسرائیل ۲۴) کہ جب تک ہم نبی نہ بھیج لیں۔ اس وقت تک عذاب نازل
نہیں کیا کرتے۔

(ج) پھر فرمایا:۔ "وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ
اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا" (قصص ۶۶)
کہ خدا تعالیٰ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب تک کہ ان میں کسی رسول کو
مبعوث نہ فرمائے۔ تاکہ (عذاب سے قبل) وہ ان کو خدا تعالیٰ کی آیات پڑھ کر
سنالے۔ (اور ان پر اتمام حجت ہو جائے)

(د) ایک اور مقام پر فرماتا ہے:۔ "وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ
مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى" (طٰہٰ پ ۱۶ ع ۷)
کہ اگر ہم نبی کے ذریعہ نشان دکھلانے سے قبل ہی ان پر عذاب نازل کر کے
ان کو ہلاک کر دیتے۔ تو یہ ضرور یہ کہہ سکتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف
کیوں کوئی رسول نہ بھیجا۔ تاکہ ہم اس رسول کی ذلیل اور رسوا ہونے سے
پہلے ہی پیروی کر لیتے۔ اس آیت کا مضمون سورہ قصص ع ۵ پ ۲۰ میں بھی بیان کیا گیا ہے
ان سب آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ خدا تعالیٰ انبیاء بھیجتا رہیگا کیونکہ
عذاب سے قبل نبی آتا ہے۔ اور عذاب آئیگا۔ لہذا نبی بھی آتا رہیگا۔

بارھویں آیت:۔ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" کہ آج کے دن ہم
نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے۔ گویا قرآن شریف کو مکمل شریعت قرار دیا ہے

شریعت کا کام دُنیا میں انسان کا خدا کے ساتھ تعلق قائم کرانا ہوتا ہے جس قدر شریعت ناقص ہوگی۔ اسی قدر وہ خدا کے ساتھ انسان کا ناقص تعلق قائم کرائے گی۔ اور جتنی وہ کامل ہوگی۔ اتنا ہی وہ تعلق بھی جو وہ انسان کا خدا سے قائم کرائے گی۔ کامل ہوگا۔ اب قرآن مجید مکمل شریعت ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ خدا کے ساتھ ہمارا تعلق بھی "کامل" پیدا کرتی ہے۔ اور سب سے کامل تعلق جو ایک انسان کا خدا کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ وہ نبوت ہے۔ اگر کہو کہ قرآن مجید ایک انسان کو نبوت کے مقام پر نہیں پہنچا سکتا۔ تو دوسرے لفظوں میں یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کامل نہیں۔ بلکہ ناقص شریعت ہے۔ اور یہ باطل ہے۔ اور جو مستلزم باطل ہو۔ وہ بھی باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا خیال باطل ہے کہ قرآن نبوت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔

تیرھویں آیت۔ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران ۹۲)

جب اللہ تعالےٰ نے نبیوں سے عہد لیا۔ کہ جب تم کو کتاب و حکمت دیکر بھیجا جائے۔ اور پھر تمہارے پاس ہمارا رسول آئے۔ تو تم اس پر ایمان لانا۔ اور اس کی امداد کرنا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد لیا گیا یا نہیں؟ قرآن میں ہے:۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ" (احزاب ۱۴)

کہ ہم نے جب نبیوں سے عہد لیا۔ تو آپ سے بھی حضرت موسیٰ و نوح اور ابراہیم علیہم السلام سے بھی وہ عہد لیا۔

اگر آپ کے بعد نبوت بند تھی۔ تو آنحضرت صلعم سے یہ عہد نہیں لینا چاہیے تھا۔ مگر آپ سے بھی اس عہد کا لینا امکان نبوت کی دلیل ہے۔

امکانِ نبوّت از روئے احادیثِ نبویؐ

۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ ابْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا دَاوُدُ ابْنُ شَبِيبٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ صلعم صَلّٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا" (ابن ماجہ جلد ۱ کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى ابْنِ رَسُولِ اللهِ وَذِكْرِ وَفَاتِهِ ص ۲۳۷ مصری)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور فرمایا کہ جنت میں اس کے لئے ایک انّا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔

یہ واقعہ وفات ۹ھ میں ہوا۔ اور آیت خاتم النبیین ۵ھ میں نازل ہوئی۔ گویا آیت خاتم النبیین کے نزول کے چار سال بعد حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو نبی ہوتا۔ گویا حضور کے نزدیک اس کا نبی نہ بننا اس کی موت کے باعث ہے نہ کہ انقطاع نبوت کے باعث

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "خَاتَمَ النَّبِیِّیْن" کا مطلب یہ سمجھتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ تو آپ کو فرمانا چاہیئے تھا۔ "لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَمَا کَانَ نَبِیًّا لِاَنِّیْ خَاتَمُ النَّبِیِّیْن" کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تب بھی نبی نہ ہوتا۔ کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ جیسے کوئی آدمی کہے۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو بی۔ اے ہو جاتا۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔ اے کی ڈگری ہی بند ہے۔ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔ اے کی ڈگری تو مل سکتی ہے۔ لیکن اُسکی موت اُس کے حصول میں مانع ہوئی۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔ کہ نبوت تو مل سکتی ہے۔ مگر ابراہیم کو چونکہ وہ فوت ہو گیا اس لئے نہیں مل سکی۔

حدیث کی صحت کا ثبوت

۱۔ یہ حدیث "ابن ماجہ" میں ہے۔ جو صحاح ستہ میں سے ہے۔

۲۔ اس حدیث کے متعلق شہاب علی البیضاوی میں لکھا ہے:۔

اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِیْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِیْهِ لِاَنَّهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَغَیْرُهٗ کَمَا ذَکَرَهٗ ابْنُ حَجَرٍ (جلد ۷ صفحہ ۱۷۵)

کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شُبہ نہیں۔ کیونکہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور دوسروں نے بھی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری جیسا محدث لکھتا ہے:۔

لَهٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ یُقَوِّیْ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ (موضوعات کبیر)

کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ مگر یہ موضوع نہیں

کیونکہ یہ تین طریقوں سے مروی ہے۔ اور اس کا ہر ایک طریقہ دوسرے طریقہ سے تقویت پکڑتا ہے۔ انہوں نے اس کو اس قدر صحیح قرار دیا ہے کہ آیت خاتم النبیین کی اس لئے تاویل کی ہے۔ کہ وہ اس حدیث کے معارض نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ
نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ (موضوعات

کبیر ص۵۹) کہ یہ حدیث خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آ سکتا۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپؐ کی امت میں سے نہ ہو۔

اسناد

اس حدیث کی اسناد میں چھ راوی ہیں:۔

۱۔ عبد القدوس بن محمد۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں جو اسماء الرجال کی بہترین کتاب ہے لکھا ہے:۔

"قَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَۃٌ وَذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ"

(تہذیب التہذیب حرف عین)

کہ نسائی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۲- داؤد بن شبیب الباھلی :-

قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ صَدُوْقٌ وَ ذَکَرَہٗ اِبْنِ حَبَّانَ فِی الثِّقَاتِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۸۸) کہ ابو حاتم نے کہا کہ سچا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۳- ابراہیم بن عثمان - اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ضعیف ہے۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ یہ "واسط" کے شہر میں قاضی تھا۔ اس کے متعلق بھی تہذیب التہذیب میں لکھا ہے :-

قَالَ یَزِیْدُ ابْنُ ھَارُوْنَ مَا قَضٰی عَلَی النَّاسِ رَجُلٌ (یعنی فی زمانہ) اَعْدَلَ فِیْ قَضَاءٍ وَ قَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَہٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ وَھُوَ خَیْرٌ مِّنْ اَبِیْ حَیَّۃَ۔ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۵)۔

(الاکمال فی اسماء الرجال مصنفہ علامہ خزاجی رح حاشیہ صفحہ ۲) کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ اسکے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کیئے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں سچی ہوتی ہیں۔ اور وہ ابو حیہ سے اچھا راوی ہے۔ ابو حیہ کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے

وَثَقَہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَ ابْنُ قَانِعٍ وَ ابْنُ حَبَّانَ وَ قَالَ النِّسَائِیُّ ثِقَۃٌ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۱۳) کہ دارقطنی ابن قانع اور ابن حبان نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ ہے۔

ابراہیم بن عثمان جب ابو حیہ سے اچھا ہے۔ اور ابو حیہ ثقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان اس سے بڑھ کر ثقہ ہے۔

بھلا جو شخص اتنا عادل ہو کہ اس کے زمانہ میں اسکی نظیر نہ ملے۔ اسکے متعلق بلا وجہ یہ کہدینا کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ صریحاً ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ بڑا عادل اور با انصاف آدمی تھا۔ ناجائز طور پر کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے کینہ کی وجہ سے اس کے متعلق یہ کہدیا کہ وہ جھوٹا ہے۔ پس جبتک کوئی معقول وجہ پیش نہ کی جائے۔ اُسوقت تک اسکے مخالفین کی کوئی بات قابلِ سند نہیں۔

"عادل" تو کہتے ہی اسکو ہیں جو چیز کو اپنے محل پر استعمال کرے۔ جب وہ "عادل" تھا۔ تو وہ کس طرح جھوٹے اقوال آنحضرت صلعم کیطرف منسوب کر سکتا تھا۔ اور ہم اس کے متعلق تہذیب التہذیب ہی سے دکھلا چکے ہیں کہ اَحَادِیْثُہٗ صَالِحَۃٌ۔ کہ اس کی احادیث قابلِ اعتبار ہیں۔

بعض امثلہ تضعیف

کسی کے محض یہ کہدینے سے کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔ درحقیقت وہ راوی ناقابلِ اعتبار نہیں ہو جاتا۔ جبتک اس کی تضعیف کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ کیونکہ اس امر میں اختلاف یسیر موجود ہے۔ چنانچہ

۱۔ ابراہیم بن عبد اللہ بن محمد کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ "زَعَمَ ابْنُ الْقَطَّانِ اِنَّہٗ ضَعِیْفٌ" کہ ابن قطان کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس کے آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:۔

قَالَ الْخَلِیْلِیُّ کَانَ ثِقَۃً وَقَالَ مُسْلِمَۃُ بْنُ قَاسِمِ الْاَنْدُلُسِیُّ ثِقَۃٌ۔ (تہذیب جلد ا صفحہ ۱۳۶) کہ خلیلی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا۔ اور مسلمہ بن

قاسم اندلسی نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم بن صالح بن درھم الباھلی ابو محمد بصری کے متعلق لکھا ہے:۔

"قَالَ الدَّارُقُطْنِیُّ ضَعِیْفٌ" کہ دار قطنی نے کہا کہ ضعیف ہے حالانکہ ذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (تہذیب جلد ۱ ص ۱۲۸) کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ غرضیکہ بعض لوگوں کا ابراہیم بن عثمان کو محض "ضعیف" قرار دیدینا حجت نہیں خصوصاً جبکہ ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق شہاب علی البیضاوی اور ملا علی قاری جیسے محدث کی شہادت جو ناقابل تردید ہے پیش کر چکے ہیں۔

۴۔ اس حدیث کا چوتھا راوی اَلْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسِ الدُّوْرِیُّ کَانَ صَاحِبَ عِبَادَۃٍ وَّفَضْلٍ وَ قَالَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ مَا کَانَ بِالْکُوْفَۃِ بَعْدَ اِبْرَاھِیْمَ وَالشَّعْبِیِّ مِثْلُ الْحَاکِمِ وَ قَالَ ابْنُ مَھْدِیِّ الْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ۔

(تہذیب التہذیب جلد ص ۴۳۳) کہ ابن عباس الدوری نے کہا کہ یہ راوی صاحب عبادت و فضیلت تھا۔ اور ابراہیم اور شعبی کو چھوڑ کر ایسا عبادت گذار اور صاحب فضیلت آدمی کوفہ میں نہ تھا۔ اور ابن مہدی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہے۔

۵۔ مِقْسَمٌ۔ قَالَ ابْنُ شَاھِیْنَ فِی الثِّقَاتِ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحِ الْبَصْرِیُّ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ لَا شَکَّ فِیْہِ۔" ابن شاہین اور احمد بن صالح نے اسے ثقہ اور قابل اعتبار بتایا ہے۔ (تہذیب التہذیب حرف میم جلد ۱۰ ص ۲۸۹)

۶۔ عبداللہ بن عباس:۔ ملا علی قاری کہتے ہیں:۔ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا یُنْکِرُہٗ اِلَّا مُعْتَزِلِیٌّ (موضوعات کبیر ص ۱۳۱) کہ ابن عباس کی روایت کا

سوائے معتزلی کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔ آپ آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔
شَاهَدَ جِبْرِیْلَ مَرَّتَیْنِ۔ (اَلْاِکْمَالُ فِیْ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ)
کہ آپ نے دو مرتبہ جبرائیل ؑ کی زیارت کی۔ یہ تو ہوئی ... حدیث کی صحت
جو حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ مگر۔
حدیث ۲ علامہ قسطلانی نے حضرت انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے
وَقَدْ رُوِیَ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ بَقِیَ (یَعْنِیْ
اِبْرَاهِیْمُ بْنُ النَّبِیِّ صلعم) لَکَانَ نَبِیًّا وَ لٰکِنْ لَمْ یَبْقَ لِاَنَّ
نَبِیَّکُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰)
کہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر
وہ (ابراہیم) باقی رہتا تو نبی ہو جاتا۔ اسکے آگے ناقل اپنی رائے لکھتا ہے کہ
مگر وہ زندہ نہ رہا کیونکہ ہمارے نبی صلعم آخری نبی ہیں۔ راوی کا اپنا اجتہاد
حجت نہیں اور وہ کس قدر غلط ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔
گویا خدا کو ڈر تھا۔ اگر ابراہیم زندہ رہا تو خواہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کوئی
ہو یا نہ ہو ضرور نعوذ باللہ جبراً نبی بنجائیگا اسلئے اسے بچپن میں مار دیا۔
نوٹ ۱: مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے لکھا ہے کہ امام نووی اس کو ضعیف
قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اس کو رسول اللہ صلعم پر بہتانِ عظیم قرار دیتے ہیں؟
جواب ۔ حدیث نبوی ؐ کے مقابلہ میں ملاں نووی کی رائے کیا حیثیت
رکھتی ہے۔ پھر یہ کہ نووی نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ " مجھے سمجھ
نہیں آتی کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں۔ اولادِ نوح نبی نہ تھے ! اس کا

جواب ایک تو ملا علی قاری ؒ نے دیا ہے۔ جو نقل ہو چکا۔ دوسرا جواب علامہ شوکانی نے درج کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"وَهُوَ عَجِيبٌ مِنَ النَّوَوِيِّ مَعَ وُرُودِهِ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَأَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ تَأْوِيلُهُ۔" (فوائد المجموعہ صفحہ ۱۳۵)۔

کہ نووی کا یہ اعتراض تعجب خیز ہے۔ حالانکہ اس حدیث کو تین صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ نووی کو اس حدیث کے اصل معنی سمجھ نہیں آئے۔

نوٹ ۲۔ یہ کہنا کہ "لَوْ" محال کیلئے آتا ہے صریحاً دھوکا ہے۔ کیونکہ "لَوْ" جس جملہ میں آئے۔ اس کی شرط تو محال ہوتی ہے۔ مگر جزا ممکن ہوتی ہے۔ جیسا کہ:۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء رکوع ۲)۔ اگر خدا کے سوا اور بھی خدا ہوتے۔ تو دونو (زمین و آسمان) خراب ہو جاتے۔ اب خدا کے سوا اور خدا کا ہونا تو ممکن نہیں۔ مگر زمین میں فساد کا ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ والی حدیث میں ابراہیم کا زندہ رہنا محال ہے۔ مگر اس کا نبی بننا ممکن۔

تیسری حدیث۔ "وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدِهِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ تُتِمُّ رَضَاعَهُ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا"

(تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ سطر ۴)

چوتھی حدیث:۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوعًا لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ نَبِيًّا۔ (ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۹۴)

پانچویں حدیث "نبی اللہ عیسیٰ و اصحابہ" (مسلم جلد ۲ ص۔ مصری باب صفت الدجال) آنیوالے مسیح کو نبی اللہ قرار دیا ہے۔ پہلا مسیح فوت ہو چکا اور اس کا حلیہ آنیوالے مسیح کے حلیہ سے مختلف ہے۔ لہذا یہ آنیوالا بخاری کی حدیث اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (بخاری باب نزول عیسیٰ ابن مریم) اسی اُمت میں سے نبی ہونا تھا۔

چھٹی حدیث۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اَبُوْ بَکْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيٌّ (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ص۔) کہ ابوبکرؓ اس اُمت میں سب سے افضل ہے۔ سوائے اسکے جو اُمت میں سے کوئی نبی ہو۔ یعنی اگر نبی ہو تو حضرت ابوبکرؓ اس سے افضل نہیں۔ امکان نبوت فی خیر الامت ثابت ہے۔ (نیز دیکھو جامع الصغیر للسیوطی مصری حاشیہ صفحہ ۶)۔

ساتویں حدیث۔ "اَبُوْ بَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيٌّ" (طبرانی و ابن عدی فی الکامل بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی ص۔) کہ ابو بکرؓ سب انسانوں سے بہتر ہیں۔ ہاں اگر کوئی نبی (انسانوں میں سے) ہو تو اُس سے بہتر نہیں۔ (نیز کنز العمال جلد ۶ ص ۱۳۷ عن سلمۃ بن الاکوع)۔

اگر انسانوں میں سے کوئی نبی ہونا ہی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيٌّ کے الفاظ صاف طور پر بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کی آمد کا امکان ہے۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیے کہ "نَبِيٌّ" حدیث مذکورہ بالا میں "کَانَ يَكُوْنُ" کی خبر واقع نہیں ہوا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ حضرت ابو بکرؓ کی نبوت کی نفی مقصود ہے۔ اگر "کَانَ" کی خبر ہوتا۔ تو "نَبِيٌّ" کی بجائے "نَبِيًّا" ہونا چاہیے تھا۔

پس چھٹی اور ساتویں حدیث کا ترجمہ سوائے اِس کے جو ہم نے بیان کیا۔ قواعد عربیہ کے لحاظ سے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آٹھویں حدیث:۔ "تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ... ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ... ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ... ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ" (رواہ احمد والبیہقی مشکوٰۃ کتاب الفتن صـ۴۶۱ مطبع اصح المطابع نیز محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۴۷)۔ ترجمہ:۔ تم میں نبوت رہیگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد منہاج نبوت پر خلافت ہوگی اور وہ رہیگی جب تک کہ اللہ تعالےٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگی۔ اور وہ بھی رہیگی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد خلافت ہوگی منہاج نبوت پر۔

اِس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں دوبارہ منہاج نبوت پر خلافت ہوگی۔ جس طرح ابتدائے اسلام میں منہاجِ نبوت پر خلافت قائم ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر خلافت نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد ہی ہوئی تھی۔ تو لازم آیا کہ آخری زمانہ میں بھی نبی ہو جس کی وفات پر دوبارہ خلافت شروع ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مندرجہ بالا حدیث مندرجہ مشکوٰۃ میں بین السطور لکھا ہے۔ "اَلظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ زَمَنُ عِيْسٰى وَ الْمَهْدِيْ" کہ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر دوبارہ خلافت قائم ہونے کا زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہوگا۔

دلائلِ امکانِ نبوّت از اقوالِ بزرگان

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :-

۱- اِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِیْ اِنْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم اِنَّمَا ھِیَ النُّبُوَّةُ التَّشْرِیْعُ لَا مَقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صلعم وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا اٰخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صلعم اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ وَلَا رَسُوْلَ اَیْ لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ بِشَرْعٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ فَھٰذَا ھُوَ الَّذِیْ اِنْقَطَعَ وَ سُدَّ بَابُہٗ لَا مَقَامُ النُّبُوَّةِ - (فتوحات مکیہ جلد ۲ صـ۳) کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلعم کے وجود پر ختم ہوئی - وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت - پس آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرنیوالی کوئی شریعت نہیں آسکتی - اور نہ اس میں کوئی حکم بڑھا سکتی ہے - اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلعم کے اس قول کے کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ! اور لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ " یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو - ہاں اس صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت آئے اور میرے بعد کوئی رسول نہیں یعنی میرے بعد دنیا کے کسی انسان کی طرف کوئی ایسا رسول ... نہیں آسکتا - جو شریعت لیکر آوے - اور

لوگوں کو اپنی شریعت کی طرف بلانے والا ہو۔ پس یہ وہ قسم نبوت ہے، جو بند ہوئی۔ اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ورنہ مقام نبوت بند نہیں۔

۲- فَمَا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّةُ بِالْكُلِّيَّةِ لِهٰذَا قُلْنَا اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ فَهٰذَا مَعْنٰى لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ فَعَلِمْنَا اَنَّ قَوْلَهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَيْ لَا مُشَرِّعَ خَاصَّةً لِاَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ هٰذَا مِثْلُ قَوْلِهٖ اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال ۱۵)

کہ نبوت کلی طور پر اٹھ نہیں گئی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا تھا کہ صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے۔ یہی معنی ہیں لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کے۔ پس ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلیلعم کا لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ فرمانا انہی معنوں سے ہے کہ خاص طور پر میرے بعد کوئی شریعت لانیوالا نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلیلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلیلعم نے فرمایا کہ جب یہ قیصر ہلاک ہوگا تو اسکے بعد قیصر نہ ہوگا اور جب یہ کسریٰ ہلاک ہوگا۔ تو اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔

۳- فَاِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ بِالتَّشْرِيْعِ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ صلعم وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ وَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّ عِيْسٰى يَنْزِلُ وَلَا بُدَّ مَعَ كَوْنِهٖ رَسُوْلًا وَلٰكِنْ لَا يَقُوْلُ بِشَرْعٍ بَلْ يَحْكُمُ فِيْنَا بِشَرْعِنَا فَعَلِمْنَا اَنَّهٗ اَرَادَ بِانْقِطَاعِ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ بِقَوْلِهٖ لَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ۔ اَيْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ۔ (فتوحات جلد ۲ ص۷۳ سوال نمبر ۸۸)

۴۔ حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں "وَقَوْلُهٗ صَلْعَمْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ اَلْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِيْ" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۴۲)
کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ میرے بعد نبی نہیں اور نہ رسول۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں۔

۵۔ فَاِنَّ النُّبُوَّةَ سَارِيَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَاِنْ كَانَ التَّشْرِيْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيْعُ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔
(فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال نمبر ۸۲ ص۱۰۰ مصر)
کہ نبوت قیامت کے دن تک مخلوقات میں جاری ہے۔ لیکن جو تشریعی نبوت ہے۔ وہ بند ہوگئی ہے۔ تشریعی نبوّت۔ نبوت کا ایک جزو ہے۔

۶۔ وَاَمَّا النُّبُوَّةُ التَّشْرِيْعُ وَالرِّسَالَةُ فَمُنْقَطِعَةٌ فِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ مُشَرِّعًا۔۔۔۔ اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَطَفَ بِعِبَادِهٖ وَاَبْقٰى لَهُمُ النُّبُوَّةَ الْعَامَّةَ الَّتِيْ لَا تَشْرِيْعَ فِيْهَا۔ (فصوص الحکم۔ فص حِکْمَةٍ قُدْرِيَّةٍ) کہ جو نبوت اور رسالت شریعت والی ہوتی ہے پس وہ تو آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی ہے پس آپؐ کے بعد شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔۔۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی کر کے ان میں عام نبوت جس میں شریعت نہ ہو۔ باقی رہنے دی۔

۷۔ عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی ابن ابراہیم جیلانی فرماتے ہیں:۔
فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الانسان الکامل باب ۳۶ ترجمہ اردو خزینۃ التصوف ص ۶۶) کہ تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہوگیا۔ پس اس وجہ سے آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہوئے۔

۸۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ قُلْتُ مَعَ ھٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ وَصَارَ نَبِیًّا وَ کَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ..... فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذَا الْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا یَأْتِیْ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ۔ (موضوعات کبیر ص ۵۸، ۵۹)

میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آنحضرت صلعم کا فرمانا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔ تو نبی ہو جاتا۔ اور اسی طرح اگر عمر نبی ہو جاتا۔ تو آنحضرت کے متبعین میں سے ہوتے۔ پس یہ اقوال خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرے، اور آپؐ کی اُمت سے نہ ہو۔

۹۔ حضرت سید ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

خُتِمَ بِهِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔ (تفہیم الٰہیہ تفہیم ۵۳)

کہ آنحضرت صلعم پر نبی ختم ہو گئے۔ یعنی آپؐ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جس کو خدا تعالےٰ شریعت دے کر لوگوں کی طرف

مامور کرے۔

۱۰۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں :۔

"علمائے اہلسنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپکی تمام مکلفین کو شامل ہے۔ اور جو نبی آپکے ہمعصر ہوگا۔ پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے۔" (دافع الوسواس فی اثر ابن عباس ص۲)

۱۱۔ "کیونکہ بعد آنحضرت صلعم کے زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں۔ بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔" (ایضاً ص۱۲)

۱۲۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دیوبند فرماتے ہیں :۔

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔" (تحذیر الناس ص۳)

۱۳۔ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (ایضاً ص۲۸)۔

۱۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں۔ قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار ص۸۵)

کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ

آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

۱۵۔ مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱) کہ امام جلال الدین صاحب سیوطی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول نبی نہ ہوں گے۔ وہ پکا کافر ہے۔

پھر لکھا ہے:۔ "فَهُوَ اِنْ كَانَ خَلِيْفَةً فِي الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فَهُوَ رَسُوْلٌ وَّنَبِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى حَالِهٖ" (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۶) کہ وہ باوجود اس بات کے کہ وہ اُمّتِ محمدیہ کے ایک خلیفہ ہوں گے۔ پھر بھی بدستور رسول اور نبی رہیں گے۔

پس یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول نبی نہ ہونگے۔ باطل ہے۔

۱۶۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

"حدیث لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بے اصل ہے۔ ہاں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لیکر نہیں آئیگا" (اقتراب الساعتہ صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)۔

مولانا روم اور ختم نبوت

مثنوی مولانا روم کے متعلق مولانا جامی کہتے ہیں کہ ؎

مثنویِ مولویِ معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مثنوی مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار مسئلہ ختم نبوت کی حقیقت واضح کرتے ہیں:

۱۔ معنیٔ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ ایں شناس ایں است راہرو را مہم

"نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ" کے معنی سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ سالک کے رستہ میں ایک مشکل ہے

۲- تا - ز راہِ خاتمِ پیغمبراں — بو کہ برخیزد زلب ختم گراں

یعنی۔ تاکہ ممکن ہے کہ لب ہلانے سے خاتم النبیین کے راستے سے ایک بھاری ختم اُٹھ جائے

۳- ختمہائے کانبیاء بگذاشتند — آں بدینِ احمدی برداشتند

وہ بہت سے ختم پہلے نبی چھوڑ گئے تھے وہ سب دینِ احمدی میں اُٹھا دیئے گئے

۴- قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود — از کفِ اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

یعنی بہت سے تالے بند پڑے ہوئے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اِنَّا فَتَحْنَا کے ہاتھ سے سب کھول دیئے

۵- اُو شفیع است ایں جہان و آں جہاں — ایں جہاں در دین و آنجا در جناں

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں میں شفیع ہیں۔ اس جہان میں دین کے اور اگلے جہان میں جنت کے

۶- پیشہ اش اندر ظہورِ در کموں — اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

ظاہر و باطن میں آنحضرت صلعم کا وظیفہ یہی تھا کہ اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کہ انہیں علم نہیں ہے

۷- باز گشتہ از دمِ اُو ہر دو باب — در دو عالم دعوتِ اُو مستجاب

آپ کے دم سے دونوں دروازے کھُل گئے اور دونوں جہان میں آپ کی دُعا مستجاب ہوئی

۸- بہرِ ایں خاتم شداست اُو کہ بجود — مثلِ اُو نے بود نے خواہند بود

آپ ان معنوں میں "خاتم" ہیں کہ بخشش میں نہ آپ کے برابر کوئی ہوا اور نہ ہوگا

۹- چونکہ در صنعت برد اُستاد دست — تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو ہست

جس طرح جب کوئی اُستاد صنعت میں سبقت لے جاتا ہے تو کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اے اُستاد! تجھ پر کاریگری ختم ہے؟

۱۰- در کشادِ ختمہا۔ تو خاتمی — در جہانِ رُوح بخشاں حاتمی

اے نبی صلعم! تو ہر قسم کے "ختموں" کو کھولنے کی وجہ سے "خاتم"

(یعنی افضل) ہے۔ اور رُوح پھُونکنے والوں میں تُو حاتم کی طرح ہے۔

۱۱۔ ہست اِشاراتِ محمدؐ۔ المراد　　کُل کشاد۔ اندر کشاد۔ اندر کشاد

الغرض محمد رسُول اللہ صلعم کی تعلیم یہ ہے کہ سب رستے کھلے ہی کھلے ہیں کوئی بھی بند نہیں ہے۔

۱۲۔ صد ہزاراں آفریں بر جانِ او　　بر قدوم و دَورِ فرزندانِ اُو

آنحضرت صلعم اور آپ کے فرزندوں کی تشریف آوری اور انکے دَور پر لاکھوں آفرین۔

۱۳۔ آں خلیفہ زادگانِ مقبلش　　زادہ اند از عنصرِ جان و دِلش

وہ اس کے اقبالمند جانشین اُس کے عنصرِ جان و دِل سے پیدا ہوئے ہیں

۱۴۔ گر ز بغداد و ہرے یا از رَے اند　　بیمزاجِ آب و گِل نسلِ وے اند

وہ خواہ بغداد یا ہرے یا رَے کے رہنے والے ہوں۔ مٹی اور پانی کے اثر سے بے نیاز ہو کر وہ حضورؐ ہی کی نسل سے ہیں۔

۱۵۔ شاخِ گُل ہر جا کہ رُوید ہم گُل است　　خُمِّ مُل ہر جا کہ جوشد ہم مُل است

گلاب کی شاخ جہاں بھی اُگے وُہ گلاب ہی ہے۔ اور شراب کا مٹکا جہاں بھی جوش مارے وہ مٹکا ہی ہے۔

۱۶۔ گر ز مغرب بر زند خورشید سر　　عینِ خورشید است نے چیزے دِگر

اگر آفتاب مغرب سے نکلے تو بھی وہ آفتاب ہی ہے۔

(مثنوی مولانا رُوم دفتر ششم صفحہ ۸ مطبع نولکشور ۱۹۱۶ء)

ایک عذر اور اُس کا جواب

بعض غیر احمدی مولوی نزول مسیح والے اعتراض کے جواب میں یہ کہدیا کرتے ہیں کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذر تمہارے دماغ کی لایعنی اختراع ہے۔ "خاتم النبیین" کا اگر وہی ترجمہ تسلیم کرلیا جائے جو تم کیا کرتے ہو۔ یعنی ختم کرنے والا۔ تو پھر بھی اس میں وہ کونسا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ تم "پیدا نہ ہوگا" کرتے ہو؟ اگر تمہارے لئے ناجائز طور پر تاویلیں کرنے کی گنجائش ہے۔ تو ہمارے لئے قرآن و حدیث و اقوالِ آئمہ کی روشنی میں صحیح معنی کرنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ختم کیا؟

پھر سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا کیا؟ آپ سے پہلے آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ لوط۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ موسیٰ وغیرہم انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب پہلے ہی فوت ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا کیا ختم کیا۔ البتہ ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے تھے جو بقول تمہارے ابھی ختم نہ ہوئے تھے۔ سو وہ اب بھی ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ تمہارے خیال میں ابھی انہوں نے قیامت سے قبل آنا ہے۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہارا عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت کیا رہ گئی؟

تردید دلائل انقطاعِ نبوّت از روئے قرآن مجید

پہلی آیت۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (احزاب ع ۳)

الجواب:۔ ۱۔ خَاتَمْ (تاء کی زبر کے ساتھ) کے معنی "ختم کرنیوالا" نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل نہیں بلکہ اسم آلہ ہے۔ جس طرح "عالم" مَا یُعْلَمُ بِہٖ" یعنی جس سے علم حاصل ہو یعنی اللہ تعالےٰ کی ہستی معلوم ہو۔ چونکہ دنیا سے خدا کی ہستی معلوم ہوتی ہے اسلئے اسے "عَالَمْ" کہتے ہیں۔ اسی طرح "خاتم" ہے۔ جسکے معنی "مَا یُخْتَمُ بِہٖ" ہونگے۔ یعنی جس سے مُہر لگائی جائے۔

پس "خَاتَمْ" کا ترجمہ ختم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسم فاعل میں عین کلمہ مکسور ہوتا ہے جیسے قاتِل۔ ناصِر۔ فاعِل وغیرہ مگر "خاتَم" میں عین کلمہ یعنی تاء مکسور نہیں۔ بلکہ مفتوح ہے۔

۲۔ عربی زبان میں "خَاتَمْ" بفتحہ تاء جب کسی جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو مثلاً خَاتَمَ الشعراء۔ خَاتَمَ الفقہاء۔ خَاتَمَ الاکابر خَاتَمَ المحدثین۔ خَاتَمْ الاولیاء۔ خَاتَمَ المہاجرین وغیرہ ہو۔ تو اسکے معنے ہمیشہ بعد میں آنیوالوں سے "افضل" کے ہوتے ہیں۔ ہمارا غیر احمدی علما کو چیلنج ہے کہ وہ عربی زبان کا کوئی مستعمل محاورہ پیش کریں جس میں "خاتم" کسی جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہوا ہو۔ اور پھر اسکے معنے آخری کے ہوں۔ کسی لغات کی کتاب لسان العرب۔ تاج العروس وغیرہ کا حوالہ دے دینا کافی نہ ہوگا۔

جب تک اہل زبان میں اس محاورہ کا استعمال نہ دکھایا جائے۔ لُغت کی کتابیں لکھنے والے آخر انسان ہوتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں اُن کے اپنے عقائد کا دخل ہوجانا یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً " المنجد اور" الفرائد الدریہ" دونوں عربی کی لغات ہیں۔ جن کے مؤلف عیسائی ہیں اور انہوں نے " ثالوث" کا ترجمہ " تثلیث مقدس" یا Holy Trinity کیا ہے۔ اب " مقدس" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ مؤلف کا اپنا اعتقاد ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ایک لغت لکھنے والا اگر اس عقیدہ کا حامی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ تو وہ طبعاً " خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا ہی کریگا۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے لغات لکھنے والوں کا ترجمہ مدنظر رکھکر خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ کا لفظ نہیں بولا۔ بلکہ اس اسلوب بیان کو مدنظر رکھا ہے۔ جو اہلِ زبان کا ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ایک عرب جب " خاتم " کو کسی جمع کے صیغے مثلاً " شعراء " " الفقہاء " " المہاجرین " وغیرہ کی طرف مضاف کرتا ہے تو اس سے اسکی مراد کیا ہوتی ہے۔ جس طرح یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہُوا ہے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ اس طریق پر یہ لفظ ہمیشہ افضل کے معنوں میں آتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استعمال فرمایا ہے۔

(۱) " اِطْمَئِنَّ يَا عَمِّ فَاِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِيْنَ فِي الْهِجْرَةِ كَمَا اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ فِي النُّبُوَّةِ ۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۷۸) ۔

" اے چچا (عباس) آپ مطمئن رہیئے۔ کہ آپ اسی طرح خاتم المہاجرین ہیں۔ جس طرح میں خاتم النبیین ہوں "

اب کیا حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں ہوا؟ حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے علاوہ آجتک ہزاروں لوگوں نے ہجرت کی اور خود علماء دیو بند نے ترک موالات کے دنوں میں ہجرت کا فتوٰی دیا۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو ان معنوں میں خاتم المہاجرین قرار دیا ہے کہ ان کے بعد ان کی شان کا کوئی مہاجر نہ ہوگا۔ اگر کہو کہ یہاں صرف مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنیوالے مہاجرین کا حضرت عباسؓ کو خاتم قرار دیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تو مکہ کا کوئی لفظ نہیں۔ جس لفظ (یعنی الف لام) کی تخصیص سے تم مکہ کی قید نکالتے ہو۔ اسی الف لام کی تخصیص سے ہم خاتم النبیین کے معنے صاحبِ شریعت نبیوں کا ختم کرنیوالا کریں۔ تو اسپر اعتراض کیوں؟

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ اگر ”خاتم“ بمعنے ”افضل“ لیا جائے تو لازم آئیگا۔ کہ حضرت عباسؓ حضرت ابوبکر و عمر و علی رضوان اللہ علیہم بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نعوذ باللہ افضل ہوں۔ کیونکہ یہ بھی سب مہاجرین ہیں۔

جواب۔ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ لفظ ”خاتم“ جب کسی صیغہ جمع کی طرف مضاف ہو تو اس میں موصوف کے بعد آنیوالوں پر اسکی افضلیت مُراد ہوتی ہے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ ”خاتم المہاجرین“ ہیں یعنی اپنے بعد میں آنیوالے سب مہاجرین سے افضل ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ”خاتم النبیین“ ہونا بھی انہی معنوں سے

ہوگا۔ کہ آپؐ اپنے بعد میں آنیوالے نبیوں سے افضل ہیں۔ تو کیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے افضل نہیں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضورؐ اپنے سے بعد میں آنے والے نبیوں سے بوجہ خاتم النبیین ہونے کے افضل ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ حضورؐ خود فرماتے ہیں:۔

"اِنِّیْ مَکْتُوْبٌ عِنْدَ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ"۔ (مسند احمد وکنز العمال جلد ۶ صـ ۱۱۲)

کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسوقت سے خاتم النبیین ہوں جبکہ حضرت آدمؑ ابھی مٹی اور پانی میں تھے۔ (نیز محمدیہ پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۶ء صـ ۴۰۲)

گویا جس قدر انبیاء آئے وہ سب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بننے کے بعد آئے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ سے "افضل" ہیں۔ جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

نوٹ ۲:۔ اِس موقعہ پر بعض غیر احمدی لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ والی حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ حدیث تو ہماری مؤید ہے۔ کیونکہ اسمیں "لاہجرۃ" کا لفظ اسی طرح مستعمل ہوا ہے جس طرح لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں۔ اَب کیا "لاہجرۃ" کے معنی یہ ہیں کہ اب مطلقاً ہجرت ہی بند ہے؟ یا یہ کہ صرف ایک خاص ہجرۃ جو مکہ سے مدینہ کی طرف

ہے۔ وہ بند ہے؟ ظاہر ہے کہ مطلقاً ہجرت بند نہیں کیونکہ یہ واقعات کے بھی خلاف ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کی آیات متعلقہ ہجرت کو منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ اب رہی دوسری صورت کہ خاص ہجرت بند کی گئی۔ تو بعینہٖ اسی طرح "لانبی بعدی" میں بھی قطعاً نبوت بند نہ ہوئی۔ بلکہ ایک خاص قسم کی نبوت مراد لینی پڑے گی۔ یعنی تشریعی نبوت یا بلا واسطہ نبوت۔ وہو المراد۔

اس طرح سے تمہارا "لا" نفی جنس کا بھی اُڑ گیا۔

۲۔ "اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ۔"

(تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین احزاب رکوع ۲) کہ اے علی! میں خاتم الانبیاء ہوا۔ اور تو خاتم الاولیاء ہے۔

۳۔ فتوحات مکیہ کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء لکھا ہے۔

۴۔ خود دیوبندی علماء نے اس محاورہ کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا۔ اسکے ٹائیٹل پیج پر متوفی کو خاتم الاولیاء والمحدثین کہا ہے۔

۵۔ مولوی بدر عالم صاحب مدرس دیوبند نے اپنے رسالہ "الجواب الفصیح" کے صفحہ ۲ پر مولوی انور شاہ سابق صدر المدرسین دیوبند کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے رسالہ "عجالہ نافعہ" کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شاہ صاحب موصوف کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۷۔ حضرت غوث الاعظم "پیرانِ پیر" سید عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "بِكَ تُخْتَمُ الْوِلَايَةُ"۔ (فتوح الغیب مقالہ ۴ صفحہ ۲۳ نولکشور)

اور اس کا ترجمہ شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:۔

"درزمانِ تو مرتبہ ولایت و کمال تو فوق کمالات ہمہ شد و قدمِ تو برگردن ہمہ افتد"۔ (فتوح الغیب صفحہ ۲۳)۔

یعنی حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا۔ کہ اے انسان تو خلقت سے مرجائیگا۔ تو ترقی کرتے کرتے "خاتم الاولیا" ہو جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ولایت کے مرتبہ کے کمال پر پہنچ جائیگا۔ اور تیرا مقام ولایت سب ولیوں سے بالاتر ہوگا! اور تیرا قدم باقی ولیوں کی گردن پر ہوگا۔ چنانچہ ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں بِكَ تُخْتَمُ الْوِلَايَةُ کا ترجمہ یہ لکھا:۔

"کہ تُو ایسا عزت دار ہو جائیگا کہ تیری مثل کوئی نہ ہوگا۔ اور تُو یگانہ و تنہا پردۂ الٰہی میں چھپالیا جائیگا۔ تیری مانند اولیاء وقت بھی نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ تُو اس وقت ہر ایک رسُول اور نبی کا وارث ہو جائیگا۔ ولایت کا ملہ تجھ کو مل جائیگی"۔ (ندائے غیب صفحہ ۷)

پس خاتم النبیین کے بھی معنی یہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو کوئی رسول نہ پاسکے گا۔ اور آپ کو نبوت کاملہ مل گئی ہے۔

۸۔ مولوی بشیر احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:۔

"خاتم الاکابر حضرت گنگوہی کی وفات نے شہادت فاروقی کا

نقشہ پیش کر دیا"۔ (رسالہ القاسم جلد ۲ صفحہ ۵ ؛ ۹)

۹۔ "خاتمۃ الحفاظ شمس الدین ابی الخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری الدمشقی"۔ (دیباچہ تجرید بخاری صفحہ ۵)

۱۰۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :۔

"غالب اور ذوق جو خاتم الشعراء ہیں۔ ان کے ہاں وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہیں۔ جن کو شیخ ناسخ مدتوں سے چھوڑ چکے تھے"۔

(موازنۂ انیس و دبیر صفحہ ۲۹)

۱۱۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :۔

"قاآنی کو اہلِ ایران خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔

(حیاتِ سعدی حاشیہ صفحہ ۷۲)

اور "شیخ علی حزین . . . کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔ (حیات سعدی صفحہ ۱۰۱)

۱۲۔ فارس کا مشہور شاعر انوری بادشاہ غیاث الدین کی تعریف میں کہتا ہے :۔

برتو سلطانیت ختم و برمن مسکیں سخن
چوں شجاعت بر علیؓ و بر نبیؐ پیغمبری

۱۳۔ "خاتم الحفاظ والمجتہدین مجدد المائۃ التاسعۃ الشیخ ابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن السخاوی بن ابی بکر الشہیر بالسیوطی"۔ (المفوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۳)

مصنفہ امام محمدؒ طاہر)۔

۱۴۔ ابو تمام الطائی مؤلف حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب (ایک عربی شاعر) مرثیہ لکھتا ہے:۔

فُجِعَ الْقَرِيْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ
وَغَدِيْرِ رَوْضَتِهَا حَبِيْبِ الطَّائِيْ

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۱ ص۱۲۳ مصری)

کہ شاعری کو بہت رنج پہنچا ہے۔ خاتم الشعراء (یعنی ابو تمام) اور حبیب الطائی جو شاعری کے صحن کا حوض تھا (کی وفات) سے اس شعر میں (ابو تمام) کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے۔ کیا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ابو تمام کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا؟ یہ بحث نہیں۔ کہ ابو تمام فی الواقع خاتم الشعراء ہے یا نہیں؟ بہر حال حسن بن وہب تو اُسے خاتم الشعراء کہتا ہے۔ حالانکہ وہ خود شاعر ہے۔ اور یہ بھی شعر ہے۔ بہر حال محاورۂ زبان ثابت ہے۔

۱۵۔ "خَاتَمُ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُفَسِّرِيْنَ مولانا شاہ عبدُ العزیز عَلَيْهِ الرَّحْمَة" (ہدیۃ الشیعہ مصنفہ محمد قاسم نانوتوی بانی دیوبند ص۴)

۱۶۔ حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔ عِنْدَ هٰذِهِ الدَّرَجَةِ مَازُوْا بِالْخِلَعِ الْاَرْبَعَةِ الْوُجُوْدِ۔ وَالْحَيَاةِ۔ وَالْقُدْرَةِ۔ وَالْعَقْلِ۔ فَالْعَقْلُ خَاتَمُ الْكُلِّ۔ وَالْخَاتَمُ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ اَفْضَلَ اَلَا تَرٰى اَنَّ رَسُوْلَنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ

خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ کَانَ اَفْضَلَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالْاِنْسَانُ لَمَّا کَانَ خَاتَمَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ کَانَ اَفْضَلَہَا کَذَالِکَ الْعَقْلُ لَمَّا کَانَ خَاتَمَ الْخِلَعِ الْفَائِضَۃِ مِنْ حَضْرَۃِ ذِی الْجَلَالِ کَانَ اَفْضَلَ الْخِلَعِ وَاَکْمَلَہَا۔" (تفسیر کبیر جلد ۶ صـ۳۱ مصری)

یعنی اس مقام پر پہنچکر انسان چار خلعتوں سے فائز کیا جاتا ہے یعنی وجود۔ حیات۔ قدرت اور عقل اور عقل ان سب کی خاتم ہے۔ اور خاتم کے لئے ضروری ہے کہ "افضل" ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے رسولِ کریم صلعم بوجہ "خاتم النبیین ہونے کے تمام انبیاء علیہم السلام سے "افضل" تھے۔ اور اسی طرح انسان بوجہ خاتم المخلوقات ہونے کے تمام مخلوقات جسمانی سے افضل ہے۔ اسی طرح عقل بھی بوجہ ان چاروں خلعتوں کی خاتم ہونے کے سب خلعتوں سے "افضل" اور اکمل ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ خاتم کے جو معنی ہم نے یہاں کئے ہیں وہی درست ہیں۔

۱۷۔ امام زرقانی "خاتم النبیین" کے معنی لکھتے ہیں:۔

"وَالْخَاتَمَ۔ ۔ ۔ اَمَّا بِفَتْحِہَا مَعْنَاہُ اَحْسَنُ الْاَنْبِیَاءِ خَلْقًا وَخُلُقًا لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَمَالُ الْاَنْبِیَاءِ کَالْخَاتَمِ الَّذِی یُتَجَمَّلُ بِہٖ وَاَمَّا بِالْکَسْرِ۔ ۔ ۔ فَمَعْنَاہُ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ" (شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ صـ۱۶۴ مطبوعہ مصر)۔

کہ ت کی زبر کے ساتھ خاتم النبیین کے معنی ہیں "احسن الانبیاء" (یعنی

سب نبیوں سے اچھا نبی) بلحاظ صورت و سیرت کے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کا جمال ہیں۔ انگوٹھی کی طرح جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔ اور ت کی زیر کے ساتھ ہو تو خاتم کے معنی ہیں آخری نبی "۔

یاد رہے قرآن مجید میں ت کی زبر کے ساتھ ہی خاتَم ہے۔ نہ کہ زیر کے ساتھ

۱۸۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دیوبند لکھتے ہیں:۔

" ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرطِ فہم و انصاف ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی صنعت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ تمام مراتب کمال ایسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص پر مراتبِ کمال ختم ہو جائیں تو بایں وجہ کہ نبوت سب کمالات بشری میں اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مسلم بھی ہے ..... سوائے آپ کے کسی نبی نے دعوئ خاتمیت نہ کیا۔ بلکہ انجیل میں حضرت عیسےٰ کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شرط ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں۔ کیونکہ حسبِ ارشادِ مثالِ خاتمیتِ بادشاہ۔ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہان کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل سمجھتے ہیں۔ پھر یہ آپؐ کا خاتم ہونا آپؐ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور بقرینۂ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ دو جہان کا سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔"

(حجتہ الاسلام مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی صفحہ ۳۴-۳۵)

پس ثابت ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہل عرب کے محاورۂ زبان کے مطابق خاتم النبیین کے معنی "افضل الانبیاء" کے ہیں۔ ختم کے معنی پنجابی۔ اردو فارسی میں آخری اور انقطاع کے بیشک ہوں۔ جس طرح لفظ مکر کے معنے اردو فارسی میں دھوکہ کے ہیں۔ مگر عربی میں تدبیر کرنے کے۔ اسی طرح "خاتم" کے جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں عربی زبان میں بجز "افضل" اور صاحبِ کمال کے کوئی معنے نہیں آتے۔

نوٹ۔ خاتم القوم عربی زبان کا کوئی محاورہ نہیں اور نہ کسی عرب نے کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ استعمال محاورہ ثابت کرو۔ آج اگر مؤلف لسان العرب یا تاج العروس ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے۔ تو ہم ان سے دریافت کرتے کہ آپ نے جو "خاتم النبیین" کے معنے "ختم کرنیوالا" کئے ہیں۔ اسکے لئے اہلِ زبان کے کونسے مستعمل محاورہ کی آپ کے پاس سند ہے۔

پس آج جو شخص ان لوگوں کا قائم مقام ہو کر ہم سے ختم نبوت پر بحث کرتا ہے اس سے ہمارا حق ہے کہ یہ مطالبہ کریں کہ وہ اہلِ زبان کا محاورہ پیش کرے۔

لغت کی کتابوں سے ہماری بھی تائید ہوتی ہے۔ مجمع بحار الانوار میں جو لغت کی کتاب ہے۔ لفظ خاتم کے نیچے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول لکھا ہے:۔

"قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ" (تکملہ ص۸۵ نیز دیکھو درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آوے گا۔ اس کے آگے لکھا ہے:۔

ھٰذَا نَاظِرٌ عَلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَھٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَهٗ (تکملہ ص۸۵)

کہ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نزول مسیح کا مؤید (محافظ) ہے۔ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ والی حدیث کا بھی مخالف نہیں۔ کیونکہ "خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ" والی آیت اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مطلب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو آنحضرتؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۲۔ اسی طرح مجمع البحار جلد ا ص۳۲۹ پر لکھا ہے۔ "اُوْتِیْتُ ... خَوَاتِمَهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ خُتِمَتْ بِهِ الْکُتُبُ السَّمَاوِیَّةُ وَھُوَ حُجَّةٌ عَلٰی سَائِرِھَا وَ مُصَدِّقٌ لَھَا" کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اسی طرح قرآن بھی خاتم الکتب ہے ان معنوں میں کہ وہ سب کتابوں کی مصدق ہے۔

الجواب ۳۔ "خَاتَمْ" کے معنے انگوٹھی کے ہوتے ہیں۔ اور انسان

انگوٹھی زینت کے لئے پہنتا ہے۔ پس "خاتم النبیین" کے معنے نبیوں کی زینت ہوئے۔ چنانچہ ان معنوں کی تائید تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۸۶ سے ہوتی ہے۔

"صَارَ کَالْخَاتَمِ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَمُوْنَ بِهٖ وَیَتَزَیَّنُوْنَ بِکَوْنِهٖ مِنْهُمْ"۔ یعنے آنحضرت صلعم انبیاءؑ کے لئے انگوٹھی بن گئے (جس سے مہر لگائی جاتی ہے) ان معنوں میں کہ انبیاءؑ اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم ان میں سے ایک ہیں۔ آپؐ کے وجود سے زینت حاصل کرتے ہیں۔

(ب) مجمع البحرین میں "خاتم النبیین" کے یہ معنی لکھے ہیں:۔

"خَاتَمٌ بِمَعْنَی الزِّیْنَةِ مَاخُوْذٌ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِیْ هُوَ زِیْنَةٌ لِلَابِسِهٖ"۔ کہ خاتم کے معنے زینت کے ہیں۔ اور یہ معنے انگوٹھی سے نکلے ہیں۔ جو پہننے والے کے لئے زینت کا موجب ہوتی ہے۔

(ج) اِن معنوں کی تائید عربی کے مشہور شاعر ابن معتوق کے قصیدہ میمیہ کے اس شعر سے ہوتی ہے جو اُس نے آنحضرت صلعم کی مدح میں کہا ہے ؎

طَوْقُ الرِّسَالَةِ تَاجُ الرُّسُلِ خَاتَمُهُمْ
بَلْ زِیْنَةٌ لِعِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمْ

(کتاب المجموعة النبهانية جزو ۴)

کہ آنحضرت صلعم نبوت کی مالا ہیں۔ آپؐ نبیوں کا تاج اور ان کی انگوٹھی (خَاتَم) ہیں۔ نہیں (صرف نبیوں ہی کے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر) خدا کے تمام بندوں کے لئے زینت ہیں۔

اس شعر میں طوق (مالا) "تاج" اور خاتم (انگوٹھی) تینوں زینت کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ لفظ "بل" کے ساتھ "زینت" کا لفظ خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اس شعر میں لفظ "خاتم" آخری کے معنے میں نہیں بلکہ زینت کے معنے میں آتا ہے۔ نیز چونکہ انگوٹھی انگلی کو گھیر لیتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنی ہونگے کہ تمام انبیاء کے کمالات کو اپنے اندر جمع کر لینے والا۔

۳۔ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ جناب شیخ فریدالدین عطارؒ میں لکھا ہے:۔

"مجذوب کے لئے چند درجے ہیں۔ بعض کو ان سے ایک تہائی دیتے ہیں اور بعض کو آدھی اور بعض کو آدھی سے زیادہ۔ جبکہ اس درجہ کو پہنچتا ہے۔ تو وہ مجذوب نبوت کے حصے کے سبب سے تمام مجذوبوں سے بڑھ جاتا ہے اور خاتم الاولیاء ہوتا ہے اور سردار تمام ولیوں کا۔ جیسا کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ (تذکرۃ الاولیاء باب ۵۸ حضرت حکیم محمد علی الترمذی)۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا اردو ترجمہ انوار الازکیاء و ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء مطبع مجیدی کانپور کے صفحہ ۵۳۷ سے لیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور لفظِ خاتَم کا استعمال

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اردو کتب سے "خاتم الاولاد" اور "خاتم الخلفاء" وغیرہ کے محاورے پیش کیا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں اگر لفظ "خاتَم" صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہو تو محاورہ عرب میں اس کے معنے بجز "افضل" کے نہیں ہوتے۔ اردو۔ فارسی اور پنجابی میں

بیشک یہ لفظ "آخری" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیساکہ ہم اُوپر لفظ "مکر" کی مثال دے کر واضح کر چکے ہیں کہ یہ لفظ اُردو۔ فارسی اور پنجابی میں "دھوکہ" اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں "تدبیر کرنے کے معنوں میں۔ جیساکہ قرآن مجید میں "مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" والی آیت میں مکر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہُوا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اگر کسی اُردو عبارت میں "خاتم الاولاد" کا محاورہ استعمال کیا ہو۔ اور اس کے معنے اگر آخری کے ہوں۔ تو ہمارے خلاف نہیں۔ کیونکہ ہماری بحث قرآن مجید کی آیت "خاتم النبیین" میں ہے۔ جو اُردو میں نہیں بلکہ عربی زبان میں ہے۔

چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "خاتم" کا محاورہ جہاں زبانِ عربی میں استعمال فرمایا ہے۔ وہاں اس کے معنے "افضل" ہی کے ہیں۔ جیساکہ فرماتے ہیں:۔

هُوَ خَاتَمُ الْحَسِيْنِيْنَ وَالْجَمِيْلِيْنَ
كَمَا اَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام حسینوں اور جمیلوں کے "خاتم" ہیں جس طرح آپؐ رسُولوں اور نبیوں کے "خاتم" ہیں۔

پس صاف طور پر ثابت ہُوا۔ کہ عربی محاورہ کے لحاظ سے حضرت اقدسؑ بھی "خاتم" کو "افضل" ہی کے معنوں میں استعمال فرماتے تھے۔

ایک دُوسری جگہ یہ عربی عبارت لکھتے ہیں :-

"فَحِينَئِذٍ تَكُونُ وَارِثَ كُلِّ نَبِيٍّ وَرَسُولٍ وَبِكَ تُخْتَمُ الْوِلَايَةُ" اور اس عربی عبارت کا ترجمہ حضورؑ اپنی طرف سے یہ کرتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں کا وارث بنائے گا۔ یعنی اُن کے علوم و معارف اور برکات جو مخفی اور ناپدید ہو گئے تھے۔ وہ از سرِ نو تجھے عطا کئے جائیں گے۔ اور ولایت تیرے پر ختم ہو گی۔ یعنی تیرے بعد کوئی نہیں آئیگا۔ جو تجھ سے بڑا ہو" (برکات الدعا۔ حاشیہ صفحہ ۱۴ و ۱۵)

دوسری آیت:- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔

الجواب - یہ آیت تو امکان نبوت کی دلیل ہے۔ (تفصیل دیکھو دلائل امکان نبوت بارھویں دلیل ص۴۷)

اگر کہو کہ "اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" میں "نعمت" سے مراد نبوت ہے۔ اور وہ تمام ہو گئی۔ یعنی ختم ہو گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے :-

۱ - قرآن میں تورات کے متعلق ہے۔ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (انعام ع ۱۹) گویا تورات "تمام" تھی مگر اسکے بعد پھر کتاب آگئی۔ (قرآن) پس جس طرح اتمام کتاب کے بعد کتاب آگئی۔ اسی طرح اتمام نعمت کے بعد نعمت آگئی۔ فلا اعتراض

۲ - اس آیت میں تو "اتمام نعمت" کا ذکر ہے۔ اور نعمت صرف نبوت ہی نہیں بلکہ بادشاہت۔ صدیقیت۔ شہادت۔ صالحیت یہ سب نعمتیں ہیں۔ جیسا کہ

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ (نساء ع ۹) نیز یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا (مائدہ ع ۴) پس اگر اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد نبوت بند ہو گئی ہے۔ تو پھر امت محمدیہ میں بادشاہی۔ صدیقیت اور شہادت اور صالحیت سب بند ہو گئیں۔ مگر یہ خلاف واقعہ ہے۔ پس تمہارا ترجمہ غلط ہے۔ اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ تم کو پوری نعمت دی گئی۔

۳۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ کے سامنے بیان کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا

یُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ (یوسف ع ۱) کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے۔ جس طرح اس نے تیرے باپ دادے ابراہیم و اسحاق پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ پھر حضرت اسحٰق۔ یعقوب و یوسف علیہم السلام پر نعمت تمام ہوئی۔ اور پھر آنحضرت صلعم کے ذریعہ مسلمانوں پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ اس کے معنے بند کرنا کس طرح ہوئے؟ کیا حضرت ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر نبوت بند ہو گئی تھی؟ پس اس کے معنے ہیں کہ میں نے تم کو پوری پوری نعمت دی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ تفسیر حسینی میں مندرجہ ذیل درج ہے۔

"اور پوری کرے گا اپنی نعمت کہ نبوت ہے۔ تجھ پر اور اولاد یعقوب پر

یعنی تیرے بھائیوں پر ایک قول کے بموجب انہیں پیغمبر کہتے ہیں۔ یا یعقوب علیہ السلام کی نسل پر کہ اس میں انبیا علیہم السلام پیدا کرے گا۔
(تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ تفسیر سورۃ یوسف ۱۴)

پس "اتمام نعمت" بر امت محمدیہ" کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ میں سے نبی پیدا کرے گا جس طرح آل یعقوب پر اتمام نعمت سے مراد ان میں نبی پیدا کرنا تھی۔

تیسری آیت:۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں لہٰذا اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔

الجواب:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کی طرف رسول بھیجے گیا ان کے بعد بنی اسرائیل ہی کے لئے حضرت داؤد۔ سلیمان اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام نبی ہوکر نہیں آئے؟ پس آنحضرت صلعم تمام دنیا کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے بعد جو رسول آپؐ کی اتباع میں آئے گا۔ وہ بھی تمام دنیا کی طرف ہوگا۔

۲۔ قرآن مجید تمام دنیا کے لئے شریعت ہے۔ پس جو نبی قرآن کی اشاعت کے لئے آئے گا وہ بھی ساری دنیا ہی کی طرف آئے گا۔

۳۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بقول غیر احمدی آئیں گے وہ کن لوگوں کی طرف آئیں گے؟

چوتھی آیت:۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رحمت ہوکر آئے ہیں۔ اس لئے اب کسی

نبی کے لئے گنجائش نہیں۔

الجواب:۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

پانچویں آیت: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔

الجواب:۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

چھٹی آیت: "یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ" مِنْ قَبْلِکَ بتاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی نازل نہ ہوگی۔

الجواب:۔ ۱۔ عدم ذکر سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔ اگر اس آیت میں آنحضرت صلعم کے بعد میں آنے والے انبیاء کا ذکر نہیں۔ تو دوسری آیات میں بصراحت موجود ہے (دیکھو دلائل امکان نبوت)

۲۔ سورہ یوسف میں ہے کَمَآ اَتَمَّھَا عَلٰٓی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ کیا حضرت اسحاقؑ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام پر اتمام نعمت نہیں ہوئی؟ خود اسی آیت میں یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ کا جملہ تمہارے معنوں کی تردید و تغلیط کر رہا ہے۔ اسی طرح "اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ" اور یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ کی آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آنے والے انبیا کا پتہ دیتی ہیں

آنحضرت صلعم کے بعد وحی

۳۔ علامہ ابن حجر الہیثمی سے جب پوچھا گیا۔ کہ جب مسیح موعودؑ آئیگا تو اس پر وحی نازل ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا:۔

"نَعَمْ يُوحِي اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحْيٌ حَقِيْقِيٌّ كَمَا فِي حَدِيْثِ مُسْلِمٍ" (روح المعانی جلد ۵ صـ۶۵) ہاں خداتعالےٰ ان پر وحی حقیقی نازل کرے گا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے:-

۴۔ حدیث مسلم میں ہے "يَقْتُلُ عِيْسَى الدَّجَّالَ عِنْدَ بَابِ لُدِّ الشَّرْقِيِّ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اِنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا مِّنْ عِبَادِيْ" (مسلم ومشکوٰۃ صـ۴۶۹ باب العلامات بین یدی الساعۃ) کہ مسیح موعودؑ دجال کو باب لُدّ مشرقی پر قتل کرے گا۔ اور جب وہ اس حالت میں ہوں گے۔ تو خداتعالےٰ مسیح موعود پر وحی کرے گا۔ کہ میں نے اپنے بندوں میں سے بعض بندے تیری حمایت میں نکالے ہیں۔

۵۔ اس حدیث کو نقل کرکے نواب صدیق حسن خانصاحب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:- "وظاہر آنست کہ آرندہ وحی بسوئے او جبرائیل علیہ السلام باشد بلکہ ہمیں یقین داریم و دراں تردد نمی کنیم چہ جبرائیل سفیر خدا است درمیان انبیاء علیہم السلام و فرشتہ دیگر برائے ایں کار معروف نیست" (حجج الکرامہ صـ۴۳۱)

کہ ہمیں یقین ہے کہ مسیح موعود کی طرف جبرائیل ہی وحی لے کر آویں گے کیونکہ انبیاء کی طرف خدا کی وحی لانے کے لئے وہی مقرر ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ اس کام پر مقرر نہیں ہے۔

۶۔ علامہ ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں:- وَذَالِكَ الْوَحْيُ عَلٰى

لِسَانِ جِبْرَئِیْلَ اِذْ ھُوَ السَّفِیْرُ بَیْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَنْبِیَائِہٖ
(روح المعانی جلد ۷ صہ ۶۵)

۷۔ علامہ ابن حجر مذکور فرماتے ہیں۔ وَخَبَرُ لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بَاطِلٌ وَمَا اشْتُھِرَ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صلعم فَھُوَ لَا اَصْلَ لَہٗ (روح المعانی جلد ۷ صہ ۶۵)

۸۔ اس کا ترجمہ فارسی میں نواب صدیق حسن خانصاحب نے یہ کیا ہے:۔
"وآنکہ بر السنۂ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبرائیلؑ بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است۔" (حجج الکرامہ صہ ۴۳۱) کہ یہ حدیث کہ میرے بعد کوئی وحی نہیں باطل ہے (موضوع ہے) اور یہ جو عام طور پر مشہور ہے۔ کہ جبرائیل وفات نبوی کے بعد زمین پر نازل نہیں ہونگے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

ان کی وجوہ کی بناء پر مِنْ قَبْلِكَ سے غیر احمدیوں کا استدلال باطل ہے

ساتویں آیت :۔ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔

جواب :۔ "فترۃ" کے معنی ختم ہو جانا نہیں۔ بلکہ اس کے معنی "وقفہ" کے ہیں۔ جو دو رسولوں کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ لغت میں لکھا ہے:۔

"Interval between two fits of fever, between the missions of two prophets, truce"

(المنجد الدریہ صہ ۵۴۴) یعنی فترۃ کے معنی ہیں بخار کے دو حملوں کا درمیانی

وقفہ - دو نبیوں کا درمیانی زمانہ - عارضی صلح۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کے بعد جب ایک وقفہ پڑ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"وَالْفَتْرَۃُ الَّتِیْ کَانَتْ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" (بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۵۲۲ مصری)

کہ فترۃ سے مراد وہ زمانہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے درمیان گزرا"

(۳) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"نَبِیٌّ اَتَانَا بَعْدَ یَاْسٍ وَّفَتْرَۃٍ - مِنَ الرُّسُلِ وَالْاَوْثَانُ فِی الْاَرْضِ تُعْبَدُ"

(دیوان حسان) یعنی ہمارے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاس اور فترۃ کے بعد آئے ہیں۔ (یعنی ایسے وقت جبکہ کافی عرصہ نبی کو مبعوث ہوئے گزر چکا تھا) اور حالت یہ ہے کہ زمین میں بتوں کی پرستش کی جاتی ہے۔

(۴) یہ آیت تو امکان نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس خیال سے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد ایک لمبے عرصہ تک کسی نبی کے مبعوث نہ ہونے کی وجہ سے لوگ یہ خیال کرنے لگ جائیں کہ شاید خدا تعالےٰ نے اب نبی بھیجنا ہی بند کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبی بھیج دیا۔ "اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ" تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔"

احادیث

پہلی حدیث :۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (بخاری)

الجواب :۔ اس حدیث کی دوسری روایت ہے :۔

"قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا عَلِیُّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ کَھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا" (طبقات الکبیر جلد ۵ صفحہ ۱۵)

کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔ کہ اے علی کیا تو خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ہارون مگر فرق یہ ہے۔ کہ میرے بعد تو نبی نہیں ہوگا۔ "لَسْتَ نَبِیًّا" نے "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کی تشریح کر دی۔ کہ آنحضرت صلعم کا خطاب عام نہیں۔ بلکہ خاص حضرت علی کو ہے۔

۲۔ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی بعینہ ایسی ہی ایک اور حدیث ہے :۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَاِذَا ھَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ (بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی جلد ۴ صفحہ ۹۱ مصری) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب کسریٰ مرے گا۔ تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور جب یہ قیصر مرے گا۔ تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔

اپنے متعلق "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" اور قیصر کے متعلق "لَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ" فرمایا۔ کیا قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوا؟ اور کیا کسریٰ شاہ ایران کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوا؟ اگر ہوئے ہیں۔ اور نسلاً بعد نسلٍ ہوتے رہے ہیں۔ تو پھر حدیث لَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ اور لَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ کے کیا معنے ہیں۔ اگر اس کے

معنے یہ ہیں کہ ان قیصر و کسریٰ کے بعد اس شان کے قیصر و کسریٰ نہ ہوں گے۔

جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ میں اس حدیث کا مطلب ؛۔

"مَعْنَاہُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ یَمْلِکُ مِثْلَ مَا یَمْلِکُ ھُوَ" کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب یہ قیصر مر جائیگا۔ تو اس کے بعد کوئی ایسا قیصر نہ ہوگا۔ جو اس طرح حکومت کرے جس طرح یہ کرتا ہے تو "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کا مطلب بھی یوں ہوگا کہ آپ جیسا نبی آپ کے بعد نہیں ہوگا۔ یہ "لَا" موصوف کی نفی کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ مشہور مقولہ "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" کیا حضرت علیؓ کے بعد کوئی جوان نہیں ہوا؟ اور کیا ذوالفقار کے بعد کوئی تلوار نہیں بنی؟ پس اس جگہ حضرت علیؓ جیسے جوان کی اور ذوالفقار جیسی تلوار کی نفی ہے۔ مطلق نفی نہیں جیسی کہ "لا" نفی جنس میں مطلق نفی ہوتی ہے۔ پس "لا" نفی جنس کا نہیں۔ بلکہ صفت موصوف کی نفی کے لئے آیا ہے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی ایام الصلح کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ "لا" نفی عام کے لئے ہے۔ تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حوالہ ایام الصلح پر حضرت اقدس بحث حضرت مسیح ناصری کی بعثت ثانی کے متعلق فرما کر یہ ثابت کر رہے ہیں۔ کہ پہلا مسیح ناصری واپس نہیں آسکتا۔ اور یہ کہہ کر غیر احمدیوں کو ملزم کر رہے ہیں کہ جب "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے مطابق نبوت بند ہو گئی۔ اور "لا" نفی عام کے لئے ہے۔ تو پھر کس طرح آنحضرتؐ کے بعد مسیح نبی اللہ کا واپس آنا مانتے ہو؟ "لا" کو نفی عام ہونا غیر احمدیوں کو مسلّم ہے۔ اور یہی بتانا حضرت اقدسؑ کا مقصود تھا۔ کیونکہ جب بقول غیر احمدیاں

"لا نبی بعدی" سے کسی قسم کا استثناء جائز ہی نہیں۔ تو پھر مسیح ناصری کی آمد ثانی کے لیئے وہ استثناء کہاں سے نکالتے ہیں؟ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنا عقیدہ در بارۂ امکان نبوت ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ "لا" نفی کمال جس کا ذکر ہم نے بعض مثالیں دے کر اوپر کیا ہے اس کو حضرت اقدس نے بھی تسلیم فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو۔

"یاد رکھنا چاہئے کہ نفی کا اثر اسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلم کے ارادہ میں متعیّن ہوتی ہے۔ خواہ وہ ارادہ صریحاً بیان کیا گیا ہو۔ یا اشارۃً مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اس نے اپنے بلدہ کی حالت موجودہ کے موافق کہا ہے۔ اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا۔ مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی ہے اور سب جگہ تیز دھوپ پڑنے لگی ہے۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کرنا کہ جس لا کو اس نے استعمال کیا ہے۔ وہ نفی جنس کا لا ہے جس کا تمام جہان پر اثر پڑتا ہے درست نہیں۔" (تصدیق النبی ص۱)

(ب) "لا کسریٰ بعدہ" یعنی دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہوگا جو ظلم اور جور و جفا میں اس کا قائم مقام ہو۔ اس حدیث سے استنباط ہو سکتا ہے کہ..... پھر ایسی ہی خصلت کا انسان اس قوم میں پیدا ہو محال ہے۔" (تریاق القلوب بڑی تقطیع ص۱۰۶ چھوٹا سائز ص۲۹۵)

پس حضرت اقدس نے کمالِ موصوف کی نفی والا "لا" تسلیم فرمایا ہے بلکہ جو استنباط

ہم نے لَا کِسریٰ بَعدَہٗ کی حدیث سے کیا تھا۔ اُس کی حرف بحرف تصدیق
بھی فرمادی ہے۔

ایام الصلح کے حوالہ میں حضرت اقدس نے غیر احمدیوں کو الزامی طور پر ان کے مسلمہ عقیدہ کے رُو سے ساکت کیا ہے۔ کہ "لَا نبی بَعدِی" کے لَاء نفیٔ عام ہے حضرت عیسٰےؑ کی استثناء کس طرح ہو سکتی ہے۔ گویا یہ دلیل اس شخص کے لئے ہے جو حیات مسیح کا تو قائل ہو۔ مگر نبوت کو آنحضرت صلعم کے بعد بند مانتا ہو۔ مگر حضرت اقدس تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کو قطعی طور پر بر بنائے نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و وحیٔ الٰہی وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے۔ حضور کے نزدیک مسیح ناصری کا واپس آنا اس لئے محال نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ مردہ واپس دنیا میں نہیں آیا کرتا۔

حضرت اقدس کی یہ دلیل اسی طرح کی ہے۔ جس طرح ہم نے وفات مسیح کے دلائل کے ضمن میں "اسمہٗ احمد" والی پیشگوئی کو پاکٹ بک ہذا میں درج کیا ہے اور یہ ثابت کیا کہ اگر حضرت مسیح ناصری دنیا میں واپس آجائیں۔ تو اندریں صورت وہ آنحضرت صلعم کے "بعد" اور آنحضرت صلعم سے "قبل" ہو جائیں گے۔ حالانکہ پیشگوئی اسمہٗ احمد میں "احمد" رسول کو بہر حال حضرت مسیح سے "بعد" میں ہونا چاہیئے۔

اب کوئی تمہارے جیسا عقلمند ہمارے اس استدلال کو لے کر کھڑا ہو جائے اور شور مچا دے کہ دیکھو مصنف احمدیہ پاکٹ بک کا مذہب یہ ہے کہ "اسمہٗ احمد" والی پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نہیں۔ بلکہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہم نے "اسمہ احمد" کی پیشگوئی سے وفات مسیح پر استدلال غیر احمدیوں کے عقیدہ کے رو سے کیا ہے۔ کیونکہ وہ "اسمہ احمد" کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلعم ہی کو مانتے ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "لا نبی بعدی" سے وفات مسیح پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ غیر احمدی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا ترجمہ "آخری نبی" ہی کرتے ہیں۔ اور "لا" کو نفئ عام ہی کے لئے قرار دیتے ہیں۔ ورنہ حضرت اقدسؑ کا اپنا مذہب دربارہ امکان نبوت دوسری جگہ پر ملاحظہ فرمائیں جس میں سے ایک حوالہ یہ ہے:۔

"شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

نیز لا کے متعلق حضرت اقدس کی تحریرات سے دو حوالے اوپر درج ہو چکے ہیں۔ خادمؔ

جواب ۴۔ پھر اس حدیث میں لفظ "بَعْدِیْ" بھی غور طلب ہے۔ قرآن مجید میں لفظ "بعد" مغائرت اور مخالفت کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔

(۱) فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ ع۱)

کہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کونسی بات پر وہ ایمان لائیں گے؟ اللہ کے بعد کیا مطلب؟ کیا اللہ کے فوت ہونے کے بعد؟ یا اللہ کی غیر حاضری میں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں معنے باطل ہیں۔ پس "بعد اللہ" کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ کے خلاف۔ اللہ کو چھوڑ کر پس یہی معنے ہیں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے یعنی

مجھ کو چھوڑ کر یا میرے خلاف رہ کر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "فَاَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ وَالْاٰخَرُ مُسَيْلِمَةُ" (بخاری کتاب المغازی وفد بنی تمیم جلد ۳ صفحہ ۵۹ مصری) یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خواب میں میں نے سونے کے جو دو کنگن دیکھے۔ اور ان کو پھونک مار کر اڑا دیا۔ تو اس کی تعبیر میں نے یہ کی۔ کہ اس سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد نکلیں گے۔ پہلا اسود عنسی ہے۔ اور دوسرا مسیلمہ ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے "یخرجان بعدی" فرمایا ہے کہ وہ دونوں کذاب "میرے بعد" نکلیں گے۔ یہاں "بعد" سے مراد غیر حاضری یا وفات نہیں۔ بلکہ "مخالفت" ہے۔ کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دونوں آنحضرت صلعم کی زندگی میں مدعی نبوت ہو کر آنحضرت صلعم کے بالمقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی دوسری حدیث درج ہے۔ "فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْيَمَامَةِ" (بخاری کتاب الرؤیا باب النفخ فی المنام جلد ۴ صفحہ ۱۲۴)

پس میں نے اس سے مراد لی دو کذاب۔ جن کے میں اسوقت درمیان ہوں یعنی اسود عنسی اور مسیلمۃ الیمامی۔ پس "اَنَا بَيْنَهُمَا" صاف طور پر بتاتا ہے کہ دوسری روایت میں "یَخْرُجَانِ بَعْدِیْ" میں "بعدی" سے مراد میرے مدمقابل اور میرے مخالف ہی ہے۔ نہ کہ وفات یا غیر حاضری! پس "لانبی بعدی" میں بھی "بعدی" سے مراد یہ ہے کہ میرے مدمقابل اور مخالف ہو کر۔

کوئی نبی نہیں آسکتا ب نوٹ۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حدیث ہذا میں "بعدی" سے مراد میرا مخالف ہونا نہیں۔ بلکہ یہاں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی مراد "بعد نبوتی" ہے کہ میری نبوت کے بعد۔ نیز اسی طرح سے قرآن مجید کی آیت میں "بَعْدَ اللّٰہِ" کے لفظ میں بھی "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ یعنی "بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ" مراد ہے۔

الجواب:۔ یہ محض عربی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی محولہ بالا آیت اور حدیث "لَانَبِیَّ بَعْدِی" ہر دو میں "بعد" کا مضاف الیہ مذکور موجود ہے۔ چنانچہ آیت میں "بعد" کا مضاف الیہ "اللّٰہ" ہے۔ اور حدیث میں "بعد" کا مضاف الیہ "ی" ہے آیت مذکور میں تو "بعد" کا مضاف الیہ "اٰیٰتِ اللّٰہِ" یا "کتٰبَ اللّٰہِ" کو قرار دینا اور بھی مضحکہ خیز ہے کیونکہ اس سے نہایت قبیح تکرار آیت قرآنی میں ماننا پڑتا ہے۔ جو صریحاً ناقابل قبول ہے۔ یعنی آیت یوں بن جائے گی "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ" کہ خدا تعالےٰ کی آیات اور آیات کے بعد کونسی بات کو مانوں گے۔ یا یوں ہوگا۔ کہ خدا تعالےٰ کی کتاب اور آیات کے بعد کونسی چیز مانوں گے۔

ظاہر ہے کہ آیات اور کتاب پر ایمان لانا کوئی الگ الگ چیز نہیں اور یہ بے معنی تکرار قرآن مجید میں محض اس لئے بنایا جاتا ہے۔ کہ کہیں "بعد" کے معنی "خلاف" ثابت نہ ہو جائیں۔

۲۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اگر بقول شما "یخرجان بعدی" میں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ "لَانَبِیَّ بَعْدِی"

میں بعد کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ یہ ہے :-

"بَعْدَ اِخْتِتَامِ زَمَانِ نُبُوَّتِیْ وَھُوَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" یعنی میرے زمانۂ نبوت (جو قیامت تک ہے) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی جو نبی آئے گا۔ وہ میرے زمانۂ نبوت میں یعنی میرے ماتحت ہوکر آئے گا۔ صاحب شریعت نبی نہ ہوگا۔ کہ میرے زمانۂ نبوت کو منسوخ کرسکے۔

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اور علماء گذشتہ

ہم نے "لانبی بعدی" کے جو معنے کئے ہیں۔ بزرگانِ امت نے بھی مختلف زمانوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :- "وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صلعم اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ"

(فتوحات مکیہ جلد باب ۳)

"یہی معنی ہیں حدیث اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلعم کی شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر عمل کرتا ہو۔ ہاں اگر آنحضرت صلعم کی شریعت کے حکم کے ماتحت ہوکر آئے تو پھر نبی ہوسکتا ہے۔

۲۔ حضرت امام شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں :-

"وَقَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ الْمُرَادُ بِہٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِیْ" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲)

کہ آنحضرت کا یہ فرمانا کہ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ" اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد صاحب شریعت کوئی نبی نہ ہوگا۔

۳۔ لغت کی کتاب تکملہ مجمع البحار میں اس کے مصنف امام محمد طاہر فرماتے ہیں۔ "وَھٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔" (تکملہ ص۸۵)

کہ حضرت عائشہؓ کا قول قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا) آنحضرت صلعم کی حدیث "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۴۔ نواب صدیق حسن خانصاحب حضرت مسیح موعود کے دعویٰ نبوت سے قبل لکھتے ہیں۔ "لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ" بے اصل ہے۔ ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہل علم کے یہ ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لے کر نہیں آئے گا" (اقتراب الساعۃ ص۱۶۲)

دوسری حدیث:۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ "(ترمذی جلد ۲ ص۲۹۵ و مشکوٰۃ) کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا ہوتا تو حضرت عمر ہوتے۔

الجواب:۔ (۱) ترمذی اور مشکوٰۃ دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ مگر دونوں میں اس کے آگے ہی لکھا ہوا ہے "ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ"

(ترمذی حوالہ مذکورہ بالا و مشکوٰۃ اصح المطابع ص۵۵۸)

کہ یہ حدیث غریب ہے ۔ اور حدیث غریب جس کا ایک ہی راوی ہوتا ہے وہ قابل سند نہیں ہوتی ۔ صرف ایک گواہ کے کہنے سے کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا تھا یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی ۔ کہ فی الواقعہ آنحضرت صلعم نے ایسا ہی فرمایا تھا ۔

غیر احمدی :۔ کیا غریب حدیث ضعیف یا غلط ہوتی ہے ۔ ہرگز نہیں صحیح ہوتی ہے ۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۲۰)

جواب :۔ امام ترمذی نے اس روایت کو غریب اس لئے کہا ہے کہ اس کا صرف ایک ہی راوی مشرح بن ھاعان کے طریقہ سے مروی ہے ۔ مشرح بن ھاعان کے متعلق لکھا ہے :۔ قَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الضُّعَفَاءِ لَا یُتَابَعُ عَلَیْھَا وَالصَّوَابُ تَرْکُ مَا انْفَرَدَ بِہٖ قَالَ ابْنُ دَاؤُدَ اِنَّہٗ کَانَ فِیْ جَیْشِ الْحَجَّاجِ الَّذِیْنَ حَاصَرُوْا ابْنَ الزُّبَیْرِ وَرَمَوْا الْکَعْبَۃَ بِالْمَنْجَنِیْقِ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ و جلد ۳ صفحہ ۱۶۲) یعنی مشرح بن ھاعان کو ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے ۔ اس کی روایات کا اعتبار نہیں کیا جاتا ۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ جس روایت کا یہ اکیلا ہی راوی ہو وہ روایت درست تسلیم نہ کی جائے بلکہ ترک کر دی جائے ۔ ابن داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی حجاج کے اس لشکر میں شامل تھا جنہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا ۔ اور کعبہ پر پتھر برسائے تھے ۔ پس یہ روایت اس شخص کی ہے جس نے کعبہ پر سنگ باری کی ۔ اور پھر وہ اس روایت میں منفرد ہے اور اس امر پر محدثین کا اتفاق ہے کہ مشرح بن ھاعان کی ایسی روایات جس میں وہ منفرد ہو

قابل قبول نہیں ہوتی۔ ترمذی نے یہ حدیث نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ روایت "لکان عمر" میں مشرح بن عاہان منفرد ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صرف "غریب" ہی نہیں بلکہ ضعیف بھی ہے۔

اسی طرح اس حدیث کا ایک اور راوی بکر بن عمرو المعافری بھی ہے۔ اس کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۸۶ اور میزان الاعتدال مطبوعہ حیدر آباد جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ و مطبع انوار محمدی جلد ۱ صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ "قَالَ اَبُو عَبْدِ الحَاکِم یُنْظَرُ فِیْ اَمْرِہٖ" کہ اس روایت کو مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

پس یہ روایت ہی ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۹۵ پر لکھا ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ محض کسی قول کا نقل کرنا تو اس امر کو مستلزم نہیں۔ کہ نقل کرنے والا اس قول کو مستند اور ثقہ بھی سمجھتا ہے۔

(۲) اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹ و برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب مناقب) یہ حدیث صحیح ہے (تعقبات سیوطی صفحہ ۶۷)

ب "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ فِیْکُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْکُمْ" (کنوز الحقائق صفحہ ۱۰۳ و جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

یعنی اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمرؓ! تو مبعوث ہو جاتا۔ اور اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو عمرؓ تم میں مبعوث ہو جاتا۔ چونکہ آنحضرت صلعم نبی ہو کر مبعوث ہو گئے۔ اسلئے عمرؓ نبی نہ بنے

تیسری حدیث:۔ "کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ"

كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ الخ

الجواب:۔ "سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي خُلَفَاءُ" کے الفاظ جو حدیث میں آئے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ اس میں آنحضرت صلعم نے اپنے بعد قریب کا زمانہ مراد لیا ہے۔ جیسا کہ لفظ "س" سے ظاہر ہے جو مستقبل قریب کے لئے آتا ہے۔ یعنی میرے معاً بعد خلفاء ہونگے اور معاً بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔

۲۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں قاعدہ یہ تھا۔ کہ ان میں ہر نبی بادشاہ بھی ہوتا تھا جب کوئی نبی مرتا۔ تو اس کا جانشین بھی بادشاہ بھی ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میری امت میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ بادشاہ (خلیفے) تو ہوئے مگر نبی نہ تھے۔ اور جو نبی ہوا (یعنی مسیح موعودؑ) وہ بادشاہ نہ ہوا۔

۳۔ اس حدیث سے یہ نکالنا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ قطعاً غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے آنے والے مسیح موعودؑ کو مسلم کی حدیث میں "نبی اللہ" کر کے پکارا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۹ مجتبائی و مشکوٰۃ اصح المطابع صفحہ ۴۷۳ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

۴۔ یہ حدیث صرف آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ کے لئے ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ نَازِلٌ" (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) کہ اس نازل ہونے والے اور میرے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔ بخاری میں بھی "لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ" کے الفاظ آئے ہیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مصری کتاب بدء الخلق)

چوتھی حدیث: "ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ"

الجواب:- تیس ۳۰ کی تعیین بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی سچے نبی بھی آنے والے تھے۔ ورنہ آنحضرت صلعم فرماتے کہ جو بھی آئیں گے جھوٹے ہی آئیں گے

۲- یہ حدیث بخاری۔ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ اور جہاں تک اس حدیث کے راویوں کا تعلق ہے یہ حدیث قابل استناد نہیں۔ کیونکہ بخاری نے اسے ابوالیمان سے بطریقہ شعیب وابوالزناد نقل کیا ہے۔ ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ "لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا رَضِيٍّ" (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صـ ۳۳) کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔

ابوالیمان راوی نے یہ روایت شعیب سے لی ہے۔ مگر لکھا ہے "لَمْ يَسْمَعْ أَبُو الْيَمَانِ مِنْ شُعَيْبٍ" (میزان الاعتدال جلد ۱ صـ ۲۷۲ مطبع حیدرآباد) کہ ابوالیمان نے شعیب سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ امام احمد بن حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے۔ پس یہ روایت قابل استناد نہ رہی۔

ب:- تیس ۳۰ دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کی اسناد میں ابوقلابہ اور ثوبان دو ۲ راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ ابوقلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ "لَيْسَ أَبُو قِلَابَةَ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ وَهُوَ عِنْدَ النَّاسِ مَعْدُوْدٌ فِي الْبُلْهِ إِنَّهُ مُدَلِّسٌ عَمَّنْ لَحِقَهُمْ وَعَمَّنْ لَمْ يَلْحَقْهُمْ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ ۳۹ مطبوعہ حیدرآباد)

نیز تہذیب التہذیب جلد ۵ صـ ۲۲۶) کہ ابوقلابہ فقہاء میں سے نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کے نزدیک ابلہ مشہور تھا۔ اور جو اسے ملا اس کے بارے میں

اور جو اس سے نہیں ملا اس کے بارے میں بھی وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ "یَتَکَلَّمُوْنَ فِیْہِ" (میزان الاعتدال حیدر آباد جلد ا ص۱۷۳) کہ اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔

ترمذی کے دوسرے طریقہ میں عبد الرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبد الرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ قَالَ النَّسَائِیُّ فِیْہِ نَظَرٌ۔ قَالَ الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ ..... اِنَّہٗ لَکَذَّابٌ وَالْوَاقِدِیُّ اَصْدَقُ مِنْہُ کَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ کَذَّابًا یَسْرِقُ الْحَدِیْثَ" (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۳۱۴) کہ نسائی کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا۔ اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ شخص کذاب تھا۔ اور حدیثیں چرایا کرتا تھا۔

یہ روایت عبد الرحمٰن بن ہمام نے معمر سے لی ہے۔ اور میزان میں لکھا ہے کہ قَالَ الدَّارَقُطْنِیْ یُخْطِئُ عَلٰی مَعْمَرٍ فِیْ اَحَادِیْثَ .... قَالَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (میزان الاعتدال مطبع حیدر آباد جلد ۲ ص۱۲۷)

کہ یہ ان روایات میں غلطی کرتا تھا جو یہ معمر سے لینا بیان کرتا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے۔ کہ یہ راوی قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق تھا ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا"

اسی طرح "معمر بن راشد" کے متعلق یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ "ضعیف" تھا (میزان الاعتدال جلد ۳ ص۱۸۸ مطبوعہ حیدر آباد) اور ابن سعد کہتے

ہیں کہ شیعہ تھا۔ اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ بصرہ میں اس نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں غلط روایات بھی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۴)

(ج) ابو داؤد کے راویوں میں ابو قلابہ اور ثوبان بھی ہیں جن کے متعلق ضمن ب تہذیبہ بالا میں بحث ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا۔ تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی۔ اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۸۱) محمد بن عیسیٰ کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں "کَانَ رُبَّمَا يُدَلِّسُ" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۹۴) کہ کبھی کبھی تدلیس کر لیتا تھا۔

ابو داؤد کے دوسرے طریقہ میں عبد العزیز بن محمد اور العلاء بن عبد الرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبد العزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطا کار۔ ابو زرعہ نے "سیئ الحفظ" اور نسائی نے کہا ہے کہ "لیس بالقوی" یعنی قوی نہیں۔ ابن سعد کے نزدیک "کثیر الغلط" اور ساجی کے نزدیک وہمی تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۵۴)

اسی طرح ابو داؤد کا دوسرا راوی العلاء بن عبد الرحمٰن بھی ضعیف ہے کیونکہ ان کے متعلق ابن معین کہتے ہیں:۔

"هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةُ لَيْسَ حَدِيْثُهُمْ حُجَّةً" (۱) سہل بن ابی صالح (۲) والعلاء بن عبد الرحمٰن (۳) عاصم بن عبید اللہ (۴) ابن

عقیلؒ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۱۳/۱۵)

پس جہانتک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔

(۳) اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلم کی شرح "اکمال اکمال" میں لکھا ہے:۔ " هٰذَا الْحَدِیْثُ ظَهَرَ صِدْقُهٗ فَاِنَّهٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِهٖ صلعم اِلَی الْاٰنِ لَبَلَغَ هٰذَا الْعَدَدُ وَ یَعْرِفُ ذَالِكَ مَنْ یُّطَالِعُ التَّارِیْخَ " (اکمال الاکمال جلد ۷ صـ ۲۵۸ مصری) کہ اس حدیث کی سچائی ثابت ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر آجتک کے تمام نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو گنا جائے تو یہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔ اور اس بات کو وہ شخص جو تاریخ کا مطالعہ کرے جان لے گا۔

اس کتاب کے لکھنے والا ۸۲۸ھ میں فوت ہوا۔ گویا چار سو سال گزرے تیس دجال آچکے مگر غیر احمدی ابتک تیس کے عدد کو طویل کئے جا رہے ہیں۔

۴۔ نواب صدیق حسن خانصاحب آف بھوپال حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل اپنی کتاب حجج الکرامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ دجالوں کی تعداد پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ ان کی اصل عبارت فارسی حسب ذیل ہے:۔

" بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجود دجالین کذابین دریں امت فرمودہ واقع شد" (حجج الکرامہ صـ ۲۳۹)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس امت میں دجالوں کی آمد کی خبر دی تھی وہ پوری ہو کر تعداد مکمل ہو چکی ہے۔

غرضیکہ خواہ ۲۷ دجالوں کی آمد کی پیشگوئی ہو۔ خواہ تیس ۳۰ کی بہرحال وہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قیامت تک یا "دنیا کے اخیر تک" یہ دجال آئیں گے۔ تم اس تعداد کا اب ہی پورا ہونا بتاتے ہو؟

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک قیامت سے پہلے ہی ان دجالوں نے آنا تھا۔ اور اکمال الاکمال اور حجج الکرامہ کے حوالوں میں بھی یہی درج ہے۔ ان میں سے ایک ایسا دجال نہیں جو قیامت کے بعد ہوا ہو۔ مثلاً ہم کہیں کہ "زید مرنے سے پہلے دو بیویاں کرے گا" اب اگر زید تیس ۳۰ سال کی عمر میں دو بیویاں کرے۔ تو تمہارے جیسا کوئی عقلمند فوراً کہہ دے گا۔ کہ چونکہ ابھی تک زید مرا نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس نے دو بیویاں نہیں کیں؎

نہ سمجھا تھک گئے ہم اس بت خودسر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

پانچویں دلیل:۔ "سَبْعُوْنَ دَجَّالُوْنَ" ستر دجال آئیں گے۔

الجواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۲۲۳) حافظ ابن حجر گفتہ کہ سند ایں ہر دو حدیث ضعیف است۔

۲۔ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے بلکہ یہ مذکور ہے۔ کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنائیں گے۔ پس یہ صرف واقدی جیسے وضاعوں کے متعلق ہے۔ نیز ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اتنا بڑا طومار

جھوٹی حدیثوں کا کھڑا کر رکھا ہے۔ پس مولویوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔

چھٹی حدیث:۔ "مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَقَصْرٍ"

(قصر نبوت والی حدیث)

الجواب الاوّل:۔ یہ روایت قابل استناد نہیں۔ کیونکہ بلحاظ روایت ضعیف ہے۔ یہ دو طریقوں سے مروی ہے۔ پہلے طریقہ میں زہیر بن محمد تمیمی ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔

"قَالَ مُعَاوِیَةُ عَنْ یَحْیٰی ضَعِیْفٌ۔ وَذَکَرَہٗ اَبُوْ زُرْعَةَ فِی اَسَامِی الضُّعَفَاءِ قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِیُّ لَہٗ اَغَالِیْطُ کَثِیْرَةٌ قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ، وَفِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَلَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۴۹) کہ یحیی کے نزدیک اور ابوزرعہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ اس کی غلط روایات کثرت سے ہیں۔ نسائی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے دوسرے طریقہ میں عبد اللہ بن دینار مولیٰ عمر۔ اور ابو صالح الخوزی ضعیف ہیں۔ عبد اللہ بن دینار کی روایت کو عقیلی نے مخدوش قرار دیا ہے۔ (تہذیب جلد ۵ ص ۲۰۲) اور ابو صالح الخوزی کو ابن معین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۱۳۱ و میزان الاعتدال مطبع حیدر آباد جلد ۳ ص ۳۶۵)

الجواب الثانی:۔ باوجود اس امر کے کہ اس روایت کے راوی ضعیف

ہیں۔ اگر بغرض بحث اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی تمہارا بیان کردہ مفہوم غلط ہے۔ بلکہ تم حدیث کا جو مطلب لیتے ہو۔ اگر وہ مطلب لیا جائے۔ تو اس میں آنحضرت صلعم کی ہتک ہے کیونکہ تمہاری تشریح کے مطابق ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ اور آنحضرت صلعم نے آکر ایک اینٹ کی جگہ پُر کر دی۔ گویا اگر آنحضرت صلعم تشریف نہ لاتے تو نبوت کے محل میں صرف ایک ہی اینٹ کی تھوڑی سی جگہ خالی رہ جاتی تھی۔ جیسے ایک بہت بڑے محل میں ایک موری یا سوراخ۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو خدا نے فرمایا:۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ کہ اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں تمام جہان کو پیدا نہ کرتا۔

پس اس حدیث سے وہ مفہوم مراد نہیں ہے۔ جو مولوی بیان کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں شریعت کے محل کا ذکر ہے جس کو نبی تعمیر کرتے رہے ہیں۔ پہلے انبیاء اپنے اپنے وقت میں ضرورت کے مطابق احکام شریعت لاتے رہے اور اس محل کے لئے مسالحہ جمع ہوتا رہا۔ چونکہ عقل انسانی ارتقاء کے بلند ترین مقام پر ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے وہ شریعتیں ناقص تھیں۔ اور ان میں کمی باقی تھی۔ آنحضرت صلعم جب تشریف لائے۔ تو اس وقت تکمیل عقل انسانی ہو چکی تھی۔ اور احکام شریعت کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو بھیجا۔ آپؐ نے آکر پہلی شریعتوں کو بھی قرآن میں شامل کر لیا۔ اور جو کمی باقی تھی۔ اس کو بھی پورا کر کے شریعت کے محل کو مکمل کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے "فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ" گویا اس میں سب پہلی شریعتیں بھی شامل ہیں۔ عقل

انسانی کی وہ ترقی جو عیسےٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلعم تک کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کو آنحضرت صلعم نے "اینٹ کی جگہ" (موضع لبنۃ) قرار دیا ہے۔

۳- اس حدیث میں "الانبیاء من قبلی" کا فقرہ بتاتا ہے کہ اسمیں آنحضرتؐ نے صرف پہلے انبیاء ہی کا ذکر ہے۔ بعد میں آنیوالے انبیاء کا ذکر مقصود نہیں۔

۴- اب جبکہ عیسےٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو وہ اینٹ کہاں لگے گی؛ جہاں سے ان کے لئے گنجائش نکالو گے۔ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے بھی گنجائش ہو گی۔ اگر کہو کہ عیسےٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں۔ تو گویا معلوم ہوا کہ ابھی عیسےٰ علیہ السلام والی اینٹ نہیں لگی۔ پھر آنحضرت صلعم کو فرمانا چاہیئے تھا کہ دو اینٹوں کی جگہ باقی ہے۔ ایک میں اور ایک عیسےٰ بن مریم پس وفات مسیح ثابت ہے۔

ساتویں حدیث:- اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ (ترمذی جلد ۲ باب فضائل النبی صلعم)

جواب:- یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی سفیان بن عیینہ ہے۔ جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے متعلق لکھا ہے:- "کَانَ یُدَلِّسُ قَالَ اَحْمَدُ یُخْطِئُ فِیْ نَحْوٍ مِّنْ عِشْرِیْنَ حَدِیْثًا عَنِ الزُّھْرِیْ عَنْ یَحْیَ بْنِ سَعِیْدِ الْقَطَّانِ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ السُّفْیَانَ بْنَ عُیَیْنَۃَ اخْتَلَطَ سَنَۃَ سَبْعٍ وَّتِسْعِیْنَ مِائَۃً فَمَنْ سَمِعَ مِنْہُ فِیْھَا فَسَمَاعُہٗ لَاشَیْءَ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ حیدر آباد) یعنی یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا امام احمد کہتے ہیں کہ زہری کی بیسیوں

روایات میں اس نے غلطی کی ہے (یہ عاقب والی روایت بھی اس نے زہری ہی سے لی ہے) یحیٰ بن سعید کہتے ہیں۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ سفیان بن عیینہ کی ۱۹۷ھ میں عقل ماری گئی تھی پس جس نے اس کے بعد اس سے روایت لی ہے وہ بے حقیقت ہے۔ اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ یہ کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۳ صفحہ ۱۴۶ و انوار محمدی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸) کہ یہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کر دیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی اسی راوی نے ازراہ تدلیس "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ بڑھا دیئے۔

کیونکہ شمائل ترمذی شریف مجتبائی میں جہاں یہ حدیث ہے وہاں:۔ "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ کے اوپر بین السطور لکھا ہے "ھٰذَا قَوْلُ الزُّھْرِیِّ" کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں۔ بلکہ علامہ زہری کا اپنا قول ہے (شمائل ترمذی مجتبائی مطبوعہ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۲۶)

(۲) "عاقب" عربی لفظ ہے۔ اور صحابہ جن کے سامنے آنحضرت صلعم کلام فرما رہے تھے وہ بھی عرب تھے۔ پھر آنحضرت صلعم کو ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ ترجمہ ہی صاف بتا رہا ہے کہ یہ ترجمہ کسی ایسے آدمی نے کیا ہے جو اس حدیث کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا جو عرب نہ تھے۔

(۳) چنانچہ حضرت ملا قاری نے صاف طور پر فرما دیا ہے:۔ "اَلظَّاھِرُ اَنَّ ھٰذَا تَفْسِیْرٌ لِلصَّحَابِیِّ اَوْ مَنْ بَعْدَہٗ وَ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ یَخْلُفُ فِی الْخَیْرِ مَنْ کَانَ

قبلہٗ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ صفحہ ۳۷۶ و برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب اسماء النبی) کہ صاف ظاہر ہے کہ "اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کسی صحابی یا بعد میں آنے والے شخص نے بطور تشریح بڑھا دیا ہے۔ اور ابن اعرابی نے کہا ہے کہ "عاقب" وہ ہوتا ہے۔ جو کسی اچھی بات میں اپنے سے پہلے کا قائم مقام ہو۔

ضروری نوٹ:۔ غیر احمدی "علماءُ ھُم" نے ہمارے اس زبردست جواب کی تاب نہ لا کر ترمذی کے نئے ایڈیشن میں اس حدیث کے الفاظ میں یہود یانہ مماثلت کو پورا کرنے کے لئے تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ ترمذی مجتبائی جو ۱۳۴۶ھ یا اس سے قبل چھپی ہوئی ہے۔ اس میں "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ ہیں۔ (یعنی عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) مگر بعد کی اسی مطبع کی چھپی ہوئی ترمذی میں الفاظ یوں ہیں "اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ" (کہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

گویا "بَعْدَہٗ" غائب کے صیغے .... کو بدل کر "بَعْدِیْ" متکلم کا صیغہ بنا دیا ہے۔ تا متکلم کے صیغے سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ یہ الفاظ بھی آنحضرت صلعم ہی کے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے نہیں۔ مگر خدا کے فضل سے ان کی چوری حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خادموں نے پکڑ لی۔

آٹھویں حدیث:۔ "اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ"

جواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ نے جن راویوں سے اسے نقل کیا ہے۔ ان میں سے عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی۔ اور اسمٰعیل بن رافع (ابو رافع) ضعیف ہیں۔ عبدالرحمٰن بن محمد کے متعلق لکھا ہے

"قَالَ ابنُ مَعِینٍ یَرْوِیْ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَجْھُوْلِیْنَ قَالَ عَبدُاللہ بنِ احمدبن حنبل عن ابیہ اَنَّ المحاربیؒ کَانَ یُدَلِّسُ.... قَالَ ابنُ سَعدٍ کَانَ کَثِیْرُ الْغَلَطِ" (میزان الاعتدال جلد۲ ص۱۱۵ - و تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۶۶) کہ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ راوی مجہول راویوں سے ناقابلِ قبول روایات بیان کیا کرتا تھا۔ امام احمدبن حنبل کہتے ہیں کہ یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ راوی بہت غلط روایات کیا کرتا تھا۔ اس کا دوسرا راوی ابورافع اسمٰعیل بن رافع بھی ضعیف ہے کیونکہ لکھا ہے :- "ضَعَّفَہٗ اَحْمَدُ وَیَحْیٰی وَجَمَاعَۃٌ قَالَ الدَّارُقُطْنِی مَتْرُوکُ الْحَدِیْثِ قَالَ ابنِ عدیؒ اَحَادِیثُہٗ کُلُّھَا فِیْہِ نَظَرٌ" (میزان الاعتدال جلد۱ ص۱۰۵ حیدرآبادی)
یعنی امام احمد۔ یحیی اور ایک جماعتِ محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دارالقطنی اسے متروک الحدیث کہتے ہیں۔ اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام کی تمام روایات مشکوک ہیں۔ اسی طرح اسے نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن معین۔ ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد۱ ص۲۹۴)

پس یہ روایت بھی جعلی ہے۔

(۳) حدیث کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس میں صرف ان انبیاء کا ختم ہونا مذکور ہے۔ جو کہ نئی امت بنانے ہیں۔ اور جو نئی شریعت لے کر آئیں اور آنحضرت صلعم کی اقتدا اور متابعت سے باہر ہو کر دعویٰ نبوت کریں۔

(۴) اس حدیث کی تشریح مسلم کی دوسری حدیث کرتی ہے:۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ" (مسلم ۱۳۱ھ باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینۃ و مکۃ) کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں۔ اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد اور کوئی مسجد نہیں بنی؟ بلکہ جتنی مسجدیں دنیا میں موجود ہیں سب آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد ہی تعمیر ہوئی ہیں کیا ان کی تعمیر ناجائز ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب میری مسجد کے بعد کوئی ایسی مسجد نہیں بن سکتی۔ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نہ بنائی گئی ہو جو میری مسجد کا مقصد ہے۔ یا جس میں وہ نماز نہ پڑھی جائے جو میری مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ یا جس کا قبلہ اور ہو۔ غرضیکہ مغائرت اور مخالفت کے معنوں میں یہاں "آخِرُ الْمَسَاجِدِ" آیا پس یہی آخر الانبیاء کا مطلب ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے یا میری شریعت کے خلاف ہو۔ یا میری اتباع اور متابعت سے باہر ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔

لفظ "آخر" کی مثالیں

عربی:۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

شَرٰی وُدِّیْ وَشُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ
لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَدًا رَبِیْعُ " (حماسہ باب الادب)

اس شعر کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی جو حماسہ کے شارح ہیں کرتے ہیں:۔ " ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے

ایسے شخص کے لئے جو نبی غالب میں، آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے "

گویا "آخر" کا ترجمہ "ہمیشہ کے لئے عدیم المثل" ہوا۔ پس انہی معنوں میں آنحضرت صلعم بھی آخر الانبیاء یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم النظیر ہیں۔

(۲) امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے :-

سَیِّدُنَا الْاِمَامُ۔ الْعَالِمُ الْعَلَّامَۃُ اِمَامُ الْاَئِمَّۃِ قُدْوَۃُ الْاُمَّۃِ۔ عَلَّامَۃُ الْعُلَمَاءِ وَارِثُ الْاَنْبِیَاءِ اٰخِرُ الْمُجْتَھِدِیْنَ۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدرآباد)

گویا امام ابن تیمیہ "آخر المجتہدین" تھے۔ کیا ان کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا؟

اردو:- ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں ؎

چل بسا داغ آہ میت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

گویا داغ دلی کا آخری شاعر تھا۔ اسی مرثیہ میں آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں:-

چل دیئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا (بانگ درا صفحہ ۵۹)

گویا داغ کے بعد حالی بزم دلی کی یادگار ہیں۔ نیز داغ کے بعد آج دلی میں سینکڑوں شاعر ہیں۔ جلیل وغیرہ ان میں سے ممتاز ہیں۔

نویں حدیث :۔ أَنَا الْمُقَفِّي ۔ مُقَفِّي کے معنی ہیں آخری نبی۔

الجواب :۔ آنحضرت صلعم بے شک مُقَفِّي ہیں مگر مُقَفِّي کا ترجمہ آخری نبی جو غیر احمدی علماء کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے۔ علامہ ابن الانباری فرماتے ہیں :۔ "مَعْنَاهُ الْمُتَّبِعُ لِلنَّبِيِّينَ" (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۶ صفحہ ۱۴۳) کہ مُقَفِّي کے معنے ہیں کہ وہ جس کی انبیاء اتباع کریں۔ گویا یہ نام بذاتِ خود اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد انبیاء آدیں جو آپؐ کی پیروی اور اتباع کریں۔ اس کو انقطاعِ نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا نادانی ہے

دسویں دلیل :۔ یعفور نامی گدھے کا عقیدہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ چنانچہ ابن حبان اور ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے کہ اس نے کہا "لَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ غَيْرُكَ" کہ اے آنحضرت صلعم اب آپ کے سوا کوئی نبیوں میں سے باقی نہیں ہے (دیکھو رسالہ حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۶۴ بحوالہ رسالہ ختم نبوت مصنفہ عبد النبی الخبیر مولوی محمد بشیر کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ صفحہ ۲۶ و ۲۷)

الجواب :۔ اس روایت کا جواب یہی ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں فی الواقع گدھے کا یہی خیال ہے کہ نبوت بند ہو گئی۔ لیکن تمہارا بیان کردہ گدھا تو ساتھ ہی ساتھ وفات مسیح کا بھی اعلان کر رہا ہے کیونکہ کہتا ہے کہ میری خواہش تھی کہ مجھ پہ کوئی نبی سواری کرے۔ اب آپ کے سوا کوئی نبی نہیں رہ گیا۔ اور میری نسل میں سے میرے سوا کوئی گدھا باقی نہیں اگر تمہارے نزدیک گدھے کا یہی مذہب درست ہے تو وفات مسیح کا بھی اقرار کرو

تمہاری اس مضحکہ خیز روایت کے پیش نظر وہ کون سے گدھے پر سواری کریں گے؟

گیارھویں دلیل: حدیث میں ہے "اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ" (ترمذی مسند احمد عن انس)

جواب: یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے چار راوی حسن بن محمد الزعفرانی ابو العلی بغدادی۔ عفان بن مسلم البصری۔ عبد الواحد بن زیاد اور المختار بن فلفل المخذومی ضعیف ہیں۔ گویا سوائے حضرت انس کے شروع سے لیکر آخر تک تمام سلسلۂ اسناد ضعیف راویوں پر مشتمل ہے۔ حسن بن محمد الزعفرانی کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں:" ضَعَّفَہُ ابْنُ قَانِعٍ وَقَالَ الدَّارُقُطْنِیُّ تَکَلَّمُوْا فِیْہِ" (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ حیدرآباد ومطبوعہ انوار محمدی جلد ا ص ۲۱۲) یعنی ابن قانع کہتے ہیں کہ ضعیف تھا۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اس راوی کی صحت کے بارے میں کلام ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس راوی نے ایسی احادیث کی روایات کی ہیں جن کا میں نے انکار کیا۔

اسی طرح دوسرے راوی عفان بن مسلم البصری کے متعلق ابوخیثمہ کہتے ہیں "اَنْکَرْنَا عَفَّانَ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۰۳ حیدرآباد) کہ ہم اس راوی کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔

تیسرے راوی عبد الواحد بن زیاد کے متعلق لکھا ہے "قَالَ یَحْیٰی لَیْسَ بِشَیْءٍ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۵۷ مطبع حیدرآباد) کہ یحیٰی کہتے ہیں یہ راوی کسی کام کا نہیں ہے۔

اسی طرح چوتھے راوی مختار بن فلفل کے متعلق لکھا ہے کہ "یُخْطِئُ کَثِیْرًا تَکَلَّمَ فِیْهِ سُلَیْمَانِیْ فَعَدَّہٗ فِیْ رِوَایَةِ الْمَنَاکِیْرِ عَنْ اَنَسٍ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۶۵) کہ یہ راوی روایتوں میں اکثر غلطی کرتا تھا۔ سلیمانی نے کہا ہے۔ کہ یہ راوی انس سے ناقابلِ قبول روایات بیان کرنے والوں میں سے ہے۔ چنانچہ روایات زیر بحث بھی اس راوی نے انس سے ہی روایت کی ہے۔ لہذا محدثین کے نزدیک یہ روایت قابلِ انکار ہے اور حجت نہیں۔

۲۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم اِنَّمَا ھِیَ النُّبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ لَا مَقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صلعم وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا اٰخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صلعم اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ نہ اس میں کوئی حکم کم کرسکتی ہے۔ نہ زیادہ۔ یہی معنی ہیں آنحضرت صلعم

کے اس قول کے کہ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ" یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو۔ ہاں اس صورت میں بھی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے ماتحت آئے۔ (مفصل دیکھو دلائل امکان نبوت از اقوال بزرگان بقیہ ۸۸)

بارھویں دلیل:۔ "لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ" (مسلم و ترمذی)

جواب:۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے چار راویوں میں تین۳ ضعیف ہیں۔ قتیبہ۔ حاتم بن اسمٰعیل المدنی۔ بکیر بن مسمار الزہری۔ قتیبہ کے متعلق لکھا ہے "قَالَ الْخَطِیْبُ ھُوَ مُنْکَرٌ جِدًّا" (تہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۶) کہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ سخت ناقابل قبول راوی ہے۔

حاتم بن اسمٰعیل راوی کے متعلق نسائی کہتے ہیں کہ "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" کہ یہ راوی ثقہ نہیں تھا۔

چوتھے راوی بکیر بن مسمار الزہری کے متعلق لکھا ہے:۔ "قَالَ الْبُخَارِیُّ فِیْہِ نَظَرٌ" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ و میزان الاعتدال صفحہ ۱۶۳)

امام بخاری کہتے ہیں۔ کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں کلام کیا جاتا ہے۔

ہندا یہ روایت بھی حجت نہیں ہے؛

ضمیمۂ ختم نبوّت

لفظ "ختم" اور قرآن مجید

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ "ختم" بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت "اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ" میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یعنے قیامت کے دن دوزخی منہ سے بات نہ کر سکیں گے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ "ختم" یعنی مُہر سے مراد بند کرنا ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو ہمیں لفظ "ختم" اور اس کے مشتقات کے متعلق بحث نہیں بلکہ بحث خاص طور پر لفظ "خاتم" بفتحۂ تاء کے صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں آخری یا افضل کے معنوں میں ہونے کی ہے۔ لیکن آیت مذکورہ بالا سے بھی ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آیت مذکور میں "نَخْتِمُ" سے مراد بند کرنا ہے کیونکہ آیت محوّلہ کا مطلب یہ نہیں۔ کہ دوزخی قیامت کے دن زبان سے بات ہی نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ انسانی جسم میں زبان کو جو حیثیت حاصل ہے۔ وہ تمام اعضاء اور جوارح کا نمائندہ ہونے کی ہے۔ یعنی اگر کوئی

تکلیف انسان کے سر میں ہو۔ تو اس کا اظہار بھی زبان کرتی ہے۔ اور اگر ہاتھ یا پاؤں میں کوئی خرابی ہو تو وہ بھی زبان ہی بتاتی ہے۔ تو بظاہر خیال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے قیامت کے دن بھی صرف زبان ہی اپنے علاوہ دوسرے اعضاء کے گناہ بیان کر دے گی۔

تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اس دن ہر عضو اپنے گناہ خود بھی بیان کریگا ہاتھ اپنے گناہ بیان کریں گے۔ پاؤں اپنی بدیاں گنائیں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ بدزبانی۔ غیبت اور جھوٹ وغیرہ گناہ جن کا ارتکاب نہ زبان سے ہوا ہوگا۔ یہ کون بیان کرے گا؟ کیا ہاتھ بتائینگے یا پاؤں؟ ظاہر ہے کہ زبان اپنے گناہ خود زبان ہی بتائے گی۔

پس قیامت کے دن دوزخی کا منہ بند ہونا تو ثابت نہ ہوا۔ بلکہ دوزخی کا بولنا اور اس کے منہ کا کھلا رہنا ثابت ہوا۔ اگر کہو کہ تمہارا یہ استدلال محض قیاسی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال قیاسی نہیں بلکہ خود قرآن مجید میں ہی موجود ہے۔ کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی زبان بند نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ باتیں کریں گے۔ چنانچہ سورہ نور رکوع ۳ میں ہے:۔ "یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورہ نور ع ۳)

یعنی اس دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان اعمال کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ قیامت کے دن باوجود "مہر" لگ

جانے کے دوزخی باتیں کریں گے۔

چنانچہ ایک دوسری جگہ بھی ہے۔ کہ جب جسم اور ہاتھ اور پاؤں دوزخیوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ تو لکھا ہے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا (حٰم سجدہ ع ۳)

وہ اپنے جسموں سے کہیں گے۔ کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ گویا ان کی زبان بند نہ ہوگی۔

پس "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ" والی آیت میں "ختم" کے معنی ہرگز بکلی بند کرنے کے نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے قیامت کے دن زبان پر تصدیق اور سچائی کی مہر لگا دے گا۔ پس وہ سچ سچ سب کچھ بیان کر دے گی۔ اور جو کچھ وہ اپنے خلاف کہے گی۔ اس کے لئے تو کسی مزید تائید اور شہادت کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن جو کچھ وہ دوسرے اعضاء کے خلاف کہے گی اس کی تصدیق کرنے کے لئے ہر ایک عضو اپنے اپنے کردہ گناہوں کا اقبال کرے گا۔ اس طرح سے الٰہی مہر کی تصدیق ہو جائے گی۔

ان معنوں کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے:۔

(۱) حضرت ابوہریرۃ رضؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"اَلْمُتَدَابِرُوْا الَّذِيْنَ اِذَا هَمُّوْا خَوَاتِيْمُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ فَمَنْ

جَآءَ بِخَاتِمِ مَوْلَاہُ تُقْضٰی حَاجَتُہٗ (فردوس الاخبار دیلمی ص۱۰۸)

کہ زمین میں دینار اور درہم اللہ تعالےٰ کی مہریں ہیں۔ پس جو شخص اپنے آقا کی مہر لے کر آتا ہے۔ اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(۲) "اٰمِیْنَ خَاتَمُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی لِسَانِ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ ..... مَعْنَاہُ طَابَعُ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ لِاَنَّہٗ یُدْفَعُ بِہِ الْاٰفَاتُ وَالْبَلَایَا.... اَلْحَدِیْثُ اٰمِیْنَ دَرَجَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ قِیْلَ مَعْنَاہُ اَنَّہٗ طَابَعُ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَقِیْلَ اِنَّہٗ کَلِمَۃٌ یَکْتَسِبُ بِھَا قَائِلُھَا دَرَجَۃً فِی الْجَنَّۃِ" (فردوس الاخبار دیلمی ص۵۴ و ۵۵)

حدیث "آمین" خدا تعالےٰ کی مہر ہے۔ خدا کے مومن بندوں کی زبان پر اس کے معنی یہ ہیں کہ "آمین" اللہ تعالےٰ کی اپنے بندوں پر مہر ہے۔ کیونکہ اس سے آفات اور بلائیں خدا کے بندوں سے دور ہو جاتی ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ "آمین" "جنت میں ایک درجہ ہے" کہا گیا ہے۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "آمین" خدا کی ایک مہر ہے اس کے بندوں پر اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اس کا کہنے والا جنت میں درجہ حاصل کرتا ہے۔

پس ان احادیث کی روشنی میں (جو محض محاورۂ عربی ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں) آیت قرآنی کا مطلب یہی ہوگا۔ کہ قیامت کے دن ان کی زبان پر مہر لگا دی جائے گی۔ یعنی اس کو جھوٹ بولنے سے محفوظ کیا جائے گا۔ سچ بولنے کی ممانعت نہ ہو گی۔ چنانچہ اس

دن زبان جو کہے گی وہ سچ ہی ہو گا۔

ورنہ حوالہ مندرجہ بالا میں "خدا کے بندوں پر مُہر لگنے" کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بد اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ مومن کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ بلکہ ظاہر ہے۔ کہ اس کے معنی الٰہی حفاظت اور تصدیق ہی کے ہیں۔

(۲) اسی طرح "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ" الخ کی آیت پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

الجواب:- (۱) احادیث مندرجہ بالا۔

(۲) یہ آیت تو تمہاری تغلیط اور ہماری تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر "خَتَمَ" کے معنی بند کرنا ہوں۔ تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ کافروں کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

(ب) کیا ان کافروں میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا؟

(ج) زیادہ سے زیادہ تم اس کے یہی معنے کرو گے۔ کہ کافروں کے دلوں پر خدا نے مُہر کر دی۔ اب ان کے دل میں ایمان کی بات داخل نہیں ہو سکتی!

نہیں سوال یہ ہے کہ کافروں کے دل میں کیا کوئی کفر اور بدی کی بات بھی داخل ہو سکتی یا ان کے دل پر اثر کر سکتی [illegible] کہ جو چیز ان کے دل کے اندر موجود ہے (یعنی کفر) اس کی تائید اور تصدیق کرنے والی چیز دل کے داخل ہونے کے لئے ان کے دل کے دروازے

کھلے ہیں بند نہیں ہوئے۔ ہاں اس کے خلاف (ایمان یا ہدایت وغیرہ) کی باتوں کے لئے دروازہ بند ہے۔

پس تمہارے معنوں کو تسلیم کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہؤا۔ کہ جس چیز پر مُہر لگائی جائے۔ اس کے مؤید کے لئے دروازہ بند نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے مخالف کے لئے بند ہوتا ہے

پس اگر خَاتَمَ النَّبِیِّیْن" کی آیت کے معنی بھی اس اصول کے ماتحت لیتے ہو۔ تو اس کا مطلب یہ بنے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے خلاف کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ہاں آپؐ کی تائید کے لئے نبی آسکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ معنی ہم نے تمہارے معنوں کو تسلیم کر کے لکھے ہیں۔ ہمارے نقطۂ نگاہ سے اس کے معنوں کے لئے مندرجہ بالا حدیث پر غور کرو۔ تو معنے یہ ہوں گے۔ کہ کافروں کے دلوں میں جو گند ہے۔ خدا اس کا اظہار اپنی مُہر کے ذریعہ کرتا ہے یعنی یہ تصدیق کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں گند بھرا ہے۔ اور یہ کہ" هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" وہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ باوجود صداقت کے کھل جانے کے پھر بھی ایمان نہیں لاتے

گویا ان کا ایمان نہ لانا خدا تعالےٰ کی مُہر کے نتیجہ میں نہیں۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ کیونکہ اس تو ریہ خدا تعالےٰ کی ذات موردِ اعتراض بنتی ہے۔ کہ اگر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس میں ان کا کیا قصور؟ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اب وہ بیچارے کافر رہنے پر مجبور ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات نہیں۔ بلکہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان

کی اندرونی کیفیت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور اس کے گندہ اور قابلِ نفرت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ۔

بہر حال تم قرآن مجید کی کوئی بھی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ جس میں "ختم" کا مشتق کلی طور پر بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو آیت "خَاتَمَ النَّبِيِّينَ" پر اس کا اثر نہیں۔ کیونکہ وہاں لفظ "خاتَم" تاء کی زبر کے ساتھ اسم آلہ ہے۔ اور عربی میں جب یہ لفظ جمع کی طرف مضاف ہو۔ اس کے معنے بلا استثناء ہمیشہ افضل کے ہوتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے اس چیلنج کو توڑ سکے؟

قلم ہی اٹھیگا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی تحریرات پیش کرتے ہیں جن میں معترضین کے نزدیک حضور نے "خاتم النبیین" کا ترجمہ بند کرنے والا کیا ہے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے

الجواب:۔ حضرت اقدس نے جس نبوت یا رسالت کو بند قرار دیا ہے وہ غیر تشریعی یا بالواسطہ نبوت نہیں۔ بلکہ وہ تشریعی یا براہ راست نبوت ہے چنانچہ حضور نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے۔ کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

(۲) "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔۔ ہاں خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ پس میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں۔ اسوقت تک کہ دنیا سے گذر جاؤں۔" (خط اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(۳) "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ ص ۲۵)

(۴) یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں ختم نبوت کے ایسے معنے کرتے ہیں

جس سے نبوت ہی باطل ہوتی ہے۔ کیا ہم ختم نبوت کے یہ معنے کر سکتے ہیں۔ کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلعم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے۔" (چشمہ مسیحی ص۱۱)

(۵) "خدا کا یہ قول وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نبیوں کے لئے مُہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی مُہر کے حاصل نہیں ہوگا۔" (چشمہ مسیحی ص۲۶)

(۶) "اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کا افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام "خاتم النبیین" ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۷ حاشیہ)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سینکڑوں حوالجات موجود ہیں۔ جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت اقدس نے جہاں آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہاں محض تشریعی اور براہ راست نبوت مراد ہے۔ اور جہاں حضرت اقدس نے نبوت کو جاری تسلیم فرمایا ہے۔ وہاں صرف غیر تشریعی اور بالواسطہ نبوت مراد ہے۔ فلا تضاد

غیر احمدی :۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے :۔

"اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ الرَّبَّ الرَّحِیْمَ الْمُتَفَضِّلَ سَمّٰی نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ بِغَيْرِ اسْتِثْنَاءٍ" (حمامۃ البشریٰ)

کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کا نام خاتم النبیین بلا استثناء رکھا ہے

غیر تشریعی نبوت کہاں گئی؟

الجواب:۔ ہم آیت "خاتم النبیین" کی بحث میں بدلائل قویہ یہ ثابت کر آئے ہیں۔ کہ "خاتم النبیین" کا ترجمہ "افضل النبیین" ہے۔

پس حضرت اقدس کی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو افضل الانبیاء بلا استثناء قرار دیا ہے"

یعنی کوئی ایک بھی نبی ایسا نہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل نہ ہوں۔ اس طرح "لانبی بعدی" والی حدیث کے متعلق بھی ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ حضور کے خلاف۔ بلا حضور کی اتباع کے نیز حضور کی طرح صاحب شریعت کوئی نبی نہ آئے گا۔

پس اس حوالہ سے تمہارا مقصد حاصل نہیں ہوتا" لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے۔ وہ خود تمہارے بزرگ قبل از احمدیت کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے۔ اس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں)

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم کو سلسلہ موسویہ کا "خاتم الخلفاء" قرار دیا ہے۔ اور اپنے آپ کو سلسلہ محمدیہ کا

خاتم الخلفاء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ "خاتم الخلفاء" کے معنی "افضل الخلفاء" کے ہیں آخری خلیفہ کے نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو اسی طرح سلسلہ محمدیہ کا خاتم الخلفاء قرار دیا ہے جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سلسلہ موسویہ کا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد سلسلۂ خلافت تسلیم کیا ہے یا نہیں؟

تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں تحریر فرمایا ہے:۔

یُسَافِرُ الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْ خَلِیْفَةٌ مِّنْ خُلَفَائِه اِلٰی اَرْضِ دِمَشْقَ۔ (حمامۃ البشریٰ ص۳۷)

کہ مسیح موعودؑ یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کا سفر اختیار کرے گا (نیز دیکھو پیغام صلح ص۳۱ و نیز ڈائری ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد سلسلہ خلافت تسلیم فرمایا ہے۔ پس "خاتم الخلفاء" کے معنی آخری خلیفہ کے نہ ہوئے بلکہ "افضل الخلفاء" کے ہوئے۔

(ب) زیادہ وضاحت کے لئے اسی خطبہ الہامیہ میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔ "اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ لَا وَلِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا الَّذِیْ هُوَ مِنِّیْ وَعَلٰی عَهْدِیْ" (ص۳۵)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر قائم رہے۔

غرضیکہ حضرت اقدس نے خاتم الانبیاء کا مفہوم بالکل واضح فرما دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو آپ میں سے اور آپ کے عہد پر آئے۔ یعنی بالواسطہ بغیر شریعت کے سو یہی مذہب جماعت احمدیہ کا ہے۔ خلافت کے متعلق تو حضرت فرماتے ہیں "ولایت و امارت و خلافت حقہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ سلسلہ خلفاء ربانیین کبھی بند نہیں ہوگا۔ (الحکم جلد ۲ ص ۳)

لفظ "ختم" اور محاورہ اہل عرب:۔ "لفظ خاتم" کے صیغہ جمع کے مضاف ہو کر "افضل" ہونے کے معنوں میں ہونا بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب بعض مثالیں لفظ ختم کے فعل استعمال ہونے کی صورت میں محاورہ اہل زبان سے پیش کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ بعض لوگ "خُتِمَ بِیَ النبیون" کی حدیث بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

(۱) یزید بن معاویہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"كَانَ فَصِيحًا كَرِيمًا شَاعِرًا مُفْلِقًا قَالُوا بُدِئَ الشِّعْرُ بِمَلِكٍ وَخُتِمَ بِمَلِكٍ إِشَارَةً إِلَى امْرِءِ الْقَيْسِ وَإِلَيْهِ" (کتاب الفخری لابن طقطقی باب الدولۃ الاموية ذکر یزید)

کہ یزید بہت فصیح شاعر تھا۔ اور نہایت اچھے شعر کہتا تھا مشہور مقولہ ہے۔ کہ شعر ایک بادشاہ سے شروع ہوا۔ اور بادشاہ پر ختم ہوا۔ اس سے مراد امرء القیس اور یزید ہیں۔ یعنی امرء القیس سے شاعری ہوئی۔ اور یزید بن معاویہ پر ختم ہوئی۔ کیا عربی کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ یزید کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا؟ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یزید اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تھا۔

(۲) اسی طرح وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ا میں ابو العباس محمد بن یزید یعنی المبرّد نحوی کے ذکر میں لکھا ہے "وَکَانَ الْمُبَرِّدُ اَلْمَذْکُوْرُ وَاَبُوالْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بِنْ یَحْیٰ اَلْمُقَلَّبُ بِثَعْلَبَ صَاحِبُ کِتَابِ اَلْفَصِیْحِ عَالِمَیْنِ مُتَعَاصِرَیْنِ قَدْ خُتِمَ بِهِمَا تَارِیْخُ الْاُدَبَاءِ"

کہ مبرد اور ابو العباس ثعلب مصنّف کتاب الفصیح۔ دونوں بڑے عالم تھے۔ اور ان دونوں کے ساتھ ادیبوں کی تاریخ ختم ہوئی۔

اب کیا ادباء کی تاریخ کے ختم ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ مبرد اور ثعلب کے بعد کوئی ادیب نہیں ہوا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں مراد صرف یہ ہے۔ کہ یہ دونوں اپنے زمانہ کے بہترین ادیب تھے۔

صداقت

حضرت مسیح موعودؑ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

دلائلِ صداقت حضرت مسیح موعودؑ

پہلی دلیل :۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ع ۲) کہ مَیں نے تم میں دعوٰی نبوت سے قبل ایک لمبی عمر گزاری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر میں پہلے جھوٹ بولتا تھا تو اب بھی بولتا ہوں لیکن اگر میری چالیس سالہ زندگی پاک اور بے عیب ہے تو یقیناً آج میرا دعوٰی الہام و نبوت بھی حق ہے۔ ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

چنانچہ آنحضرت صلعم نے دعوٰی نبوت کیا۔ تو اس سے قبل ابولہب اور دوسرے کافر یہی کہتے تھے۔ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعرا جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ مصری) کہ ہم نے آپ سے سوائے سچ کے اور کبھی کچھ تجربہ نہیں کیا۔ مگر جب آنحضرت صلعم نے اپنا دعوٰی بیان فرمایا۔ "فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ" کہ مَیں خدا کی طرف سے نبی ہو کر آیا ہوں۔ اور یہ کہ ایک خطرناک عذاب آنیوالا ہے۔ تو انہی مصدقین نے انکار کیا۔ اور ابولہب نے تو "تَبًّا لَّكَ" بھی کہہ دیا کہ آپکو ہلاکت ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو وہی لوگ جو پہلے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا کہا کرتے تھے۔ بعد از دعوٰی نبوت جھوٹا کہنے لگ گئے۔ "قَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ" کہ آنحضرت صلعم نہ صرف جادوگر ہیں بلکہ نعوذ باللہ کذاب بھی ہیں۔ (سورہ ص رکوع ۱۔ پارہ ۲۳ رکوع ۱۰)

پس ثابت ہوا کہ نبی کی قبل از دعویٰ زندگی دوست و دشمن کے تجربہ کے رُو سے پاک ہوتی ہے۔ گو پاک تو اس کی دعویٰ نبوت کے بعد کی زندگی بھی ہوتی ہے مگر چونکہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے لوگ اسکے دشمن ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس پر طرح طرح کے اعتراض "دشمن کرے بات انہونی" کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ پس اگر کسی مدعی نبوت کی صداقت پرکھنی ہو۔ تو اس کی دعویٰ سے قبل کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب علیہ السلام فرماتے :۔

"اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی حجت کو تم پر اس طور پر پورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزار ہا دلائل قائم کر کے تمہیں موقع دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے ۔اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے ۔اور تم کوئی عیب۔ افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے۔ جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے۔ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

اس چیلنج کو شائع ہوئے ۴۲ سال ہو گئے۔ مگر آجتک کسی شخص کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن کے زمانہ

سے جانتا تھا۔ یہ شہادت دی :۔

" مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے۔) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)

" مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۹)

" اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی ... اور اس کا مؤلف (حضرت مسیح موعودؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۶ صفحہ ۷)

غیر احمدی۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے کہ حیات مسیحؑ کا عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے اور خود بارہ سال حیات مسیح کے قائل رہے ہیں؟

جواب۔ حد ہمیشہ اتمام حجت کے بعد لگتی ہے۔ جب تک نبی ایک بات کو ممنوع قرار نہیں دے دیتا۔ اسوقت تک اس کی خلاف ورزی کرنیوالا کسی فتویٰ کے ماتحت نہیں آتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا

"قَدْ اَفْلَحَ وَ اَبِيْهِ اِنْ صَدَقَ"۔ (مسلم ص۲۴ باب الایمان باللہ و شرائع الدین)
کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ بولا ہے۔ تو وہ کامیاب ہو گیا۔ گویا
آنحضرت صلعم نے "باپ" کی قسم "وَ اَبِيْهِ" کے الفاظ میں کھائی ہے۔ مگر
دُوسری جگہ فرمایا:۔
"مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ" (ترمذی، و مشکوٰۃ
مجتبائی ص۲۹۶ باب الایمان والنذر) جو خدا کے سوا کسی کی قسم کھائے۔
وہ مشرک ہو جاتا ہے۔
۲۔ چنانچہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۲۷ میں ابوداؤد کی یہ روایت درج ہے:۔
"قَالَ صلعم ذَاكَ وَ اَبِي الْجُوْعُ" کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ
میرے باپ کی قسم یہ بھوک ہے اس میں آنحضرت صلعم نے اپنے باپ کی قسم کھائی
ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔
"قَوْلُهٗ وَ اَبِي الْجُوْعُ قِيْلَ لَعَلَّ هٰذَا الْحَلْفَ قَبْلَ النَّهْيِ عَنِ
الْقَسَمِ بِالْاٰبَاءِ" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۲۷) آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا
کہ "میرے باپ کی قسم" کہا گیا ہے کہ شاید باپوں کی قسم کی ممانعت سے قبل آنحضرت صلعم
نے یہ قسم اٹھائی ہے یا عادتاً آنحضرت صلعم کے مُنہ سے نکل گئی ہے۔
۳۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ" والی آیت میں تو چالیس سالہ قبل از دعویٰ زندگی میں
جھوٹ اور فسق و فجور سے پاکیزگی کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ عقائد
تو ابتداء کو خداتعالیٰ کی وحی ہی آکر مکمل طور پر بناتی ہے۔ چنانچہ حضرت
مسیح موعودؑ نے بھی اپنے چیلنج میں فرمایا:۔

"تم کوئی عیب افترایا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تاہم یہ خیال کرو۔ کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور فریب کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا"

۴۔ آنحضرت صلعم نے پہلے فرمایا۔ "مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذِبَ" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نساء باب اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا الخ جلد ۳ صـ۷ مطبع الٰہیہ مصر)

کہ جو یہ کہے کہ مَیں یونس بن متی سے بڑا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔

پھر فرمایا:۔ "لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی" (بخاری) کہ مجھ کو موسیٰؑ سے افضل نہ کہو۔ مگر بعد میں فرمایا۔ "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ" کہ مَیں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ بطور فخر نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ پھر فرمایا:۔ اَنَا اِمَامُ النَّبِیِّیْنَ وَاَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ"۔ کہ مَیں تمام نبیوں کا امام اور رہبر ہوں۔

نیز دیکھو مسلم جلد ۲ صـ۳۰۷ جہاں لکھا ہے کہ کسی شخص نے آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے کہا۔ "یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ"۔ تو آپ نے فرمایا:۔ "ذَالِکَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ"۔ کہ مَیں تمام انسانوں سے افضل نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

۵۔ آج اگر کوئی مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس پر یہودی اور کافر ہونے کا فتویٰ لگ جائے۔ مگر خود آنحضرت صلعم نبوت کے بعد چودہ سال اور سات مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے

رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبلہ جلد ا ص۵۵ مصری)

" کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم صَلّٰی نَحْوَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا " آنحضرت صلعم بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے سولہ یا سترہ مہینے (ہجرت کے بعد) اس تبدیلی پر اعتراض کرنیوالے کو خدا تعالےٰ نے " سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ " کہکر بیوقوف قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔ بعض مخالف مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی عبارات پیش کر دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ میں دعویٰ سے قبل گمنام تھا مجھے کوئی نہ جانتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان عبارات سے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ جب آپکو ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا۔ پھر آپکی پہلی زندگی پر اعتراض کون کرے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنی چا :۔

" اور میں اپنے باپ کی موت کے بعد محروموں کی طرح ہوگیا اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا۔ یا کچھ ارد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ روشناس تھے۔ اور میری یہ حالت تھی کہ سفر سے اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھ کو نہ پوچھتا۔ کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر میں کسی مکان میں اترتا۔ تو کوئی سوال نہ کرتا۔ کہ تو کہاں اُترا ہے۔ اور میں اس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا۔ اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا۔ . . پھر میرے رب نے مجھے دعوت اور برگزیدگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا

کہ وہ مجھے مسیح موعود بنائیگا۔ اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا۔ اور میں اس بات کو اپنا دوست رکھتا تھا۔ کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں۔"

(ریویو اُردو فروری ۱۹۰۳ء جلد ۲ ۲؎ ص۵۸)

(۲) اگر معترض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتا۔ تو مولوی محمد حسین بٹالوی تو جانتا تھا جس نے لکھا کہ:۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات اور خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعت السنتہ جلد ۷ ۶؎)

(۳) پھر اسی طرح مولوی سراج الدین صاحب (جو مولوی ظفر علی صاحب آف زمیندار کے والد تھے) نے شہادت دی۔ کہ:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اسوقت آپکی عمر ۲۲ و ۲۳ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔" (زمیندار ۸ رجون ۱۹۰۸ء)

(۴) جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت کی یہ دلیل آریوں کے سامنے بیان کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم انکی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتے اسپر اعتراض کیا کریں؟ تو اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ابو جہل اور ابو لہب تو جانتے تھے۔ ہم جب ان کی گواہی سے آنحضرت صلعم کی زندگی کا بے عیب اور پاک ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ تو صداقت واضح ہے۔

بعینہ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت آپکی زندگی کو دیکھنے والوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔

نوٹ نمبر ۲:۔ بعض مولوی جب اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی اعتراض کر سکتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ قبل از دعویٰ زندگی کا پاک ہونا دلیل صداقت نہیں۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ محض زندگی کا پاک ہونا۔ دلیل صداقت نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ عمدہ چال چلن اگر ہو بھی تاہم حقیقی پاکیزگی پر کامل ثبوت نہیں ہو سکتا۔ شائد در پردہ کوئی اور اعمال ہوں۔"

الجواب:۔ (۱) یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ محض دھوکہ ہے۔ اور اس کا ازالہ خود آیت "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا" میں موجود ہے۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص درحقیقت پاک نہ ہو۔ بلکہ "در پردہ کوئی اور اعمال ہوں۔" لیکن کچھ عرصہ تک وہ لوگوں کی نظر میں پاکباز ہی بنا رہے۔ جیسا کہ حضرت اقدسؑ نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو۔ اور درحقیقت اُس کی زندگی ناپاک ہو۔ اور وہ ایک لمبے عرصہ تک جو چالیس برس تک ممتد ہو۔ پاکباز بنا رہے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں یوں نہیں فرمایا۔ کہ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ" کہ میں تم میں رہا ہوں۔ بلکہ فرمایا۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا"، یعنی میں تم میں ایک "لمبی عمر" گزار چکا ہوں۔ پس "لمبے عرصہ" (عُمُرًا) تک اس کا پاکباز ہونا۔ یقیناً حقیقی راستباری کی دلیل ہے۔

(۲) ہم نے یہ نہیں کہا کہ محض "عمدہ چال چلن حقیقی پاکیزگی پر گواہ ہے۔" اور

نہ ہم نے یہ کہا کہ ظاہری راستبازی کیلئے صرف یہ دعویٰ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے۔ بلکہ ہماری بحث تو ایک "مدعی الہام" کی قبل از دعویٰ زندگی کی پاکیزگی کے متعلق ہے۔ ہم نے یہ دلیل نہیں دی کہ جس شخص کو عام لوگ راستباز کہیں وہ ضرور حقیقی طور پر سچا ہوتا ہے۔ بلکہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ مدعی نبوت کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر دشمن سے دشمن کو بھی کوئی صحیح اعتراض کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ چنانچہ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے کہ آپ کے مخالفین کو بھی حضور کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پس سوال عام راستباز کا نہیں۔ بلکہ مدعی وحی و الہام کی قبل از دعویٰ پاکیزہ زندگی کا ہے۔

(۳) حضرت اقدس نے "حقیقی راستباز" کے متعلق وہ عبارت تحریر نہیں فرمائی۔ بلکہ "ظاہری راستباز" کے متعلق تحریر فرمائی ہے۔ جیسا کہ اس کا پہلا جملہ ہی یہ ہے۔ "ایک ظاہری راستباز کے لئے"۔

(۴) اگر بغرض بحث اس عبارت کو مدعی نبوت کے متعلق بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ محض دعویٰ پاکیزگی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی نشان بھی ہونا چاہیئے۔ سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے ثبوت میں ہم محض حضرت کا دعویٰ ہی پیش نہیں کرتے۔ بلکہ آپ کے اشد ترین دشمنوں کی شہادت کے علاوہ آسمانی نشان بھی حضور کے اس دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً پاکیزہ زندگی بسر کرنے میں تو خود انسان کا بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن اپنی زندگی کے بڑھانے یا گھٹانے میں انسان

کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ پس "لَوْ تَقَوَّلَ" والے معیار کے مطابق (جس کو ہم نے "دوسری دلیل" کے طور پر بالتفصیل درج کیا ہے)۔

حضرت اقدسؑ کا بعد از دعویٰ وحی و الہام ۲۳ برس سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا۔ یقیناً امتیازی نشان ہے۔ نیز اس کے علاوہ وہ لاکھوں نشانات بھی جو حضرت اقدسؑ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے۔ ہماری تائید میں ہیں۔ پس حضرت اقدسؑ کے نزدیک حضورؐ کی قبل از دعویٰ زندگی کا پاکیزہ ہونا یقیناً دلیلِ صداقت ہے۔ چنانچہ حضورؑ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ پاک زندگی جو ہم کو ملی ہے۔ یہ صرف ہمارے مُنہ کی لاف و گزاف نہیں۔ بلکہ اس پر آسمانی گواہیاں ہیں۔" (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صلا)۔ پس ؎

صوفیا اب ہیچ ہے تیری نزاہ تیری نزاہ
آسماں سے آگئی میری شہادت بار بار (المسیح الموعودؑ)

دوسری دلیل:۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔" (الحاقہ ع ۲) کہ اگر یہ کوئی جھوٹا الہام بنا کر میری طرف منسوب کرتا (اور کہتا کہ یہ الہام مجھے خدا کی طرف سے ہوا ہے) تو ہم اس کا دائیاں ہاتھ پکڑ کر اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔

گویا اگر کوئی شخص جھوٹا الہام بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ تو وہ قتل ہو جاتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلعم جو صداقت کی کسوٹی ہیں۔ آپ ۲۳ سال دعویٰ وحی و الہام کے بعد زندہ رہے۔ اسلئے کوئی جھوٹا مدعی الہام و وحی

نبوت اتنا عرصہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جتنا عرصہ آنحضرت صلعم رہے۔

پس قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے ماتحت بدلیل استقراء ہمارا دعویٰ ہے کہ آجتک جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے کسی جھوٹے مدعی نبوت و الہام کو دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی مہلت نہیں ملی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اربعین میں پانچسو روپیہ انعام کا وعدہ بھی کیا ہے مگر آجتک کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ توریت میں بھی یہی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا۔" (دیکھو مضمون صداقت مسیح موعودؑ از روئے بائیبل)

۲۔ شرح عقاید نسفی میں جو اہلسنت و الجماعت کی معتبر کتابوں میں سے ہے لکھا ہے:۔ "فَاِنَّ الْعَقْلَ یَجْزِمُ بِاِمْتِنَاعِ اِجْتِمَاعِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ فِیْ غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ فِیْ حَقِّ مَنْ یَّعْلَمُ اَنَّهٗ یَفْتَرِیْ عَلَیْهِ ثُمَّ یُمْهِلُهٗ ثَلَاثًا وَّ عِشْرِیْنَ سَنَةً۔" (صـ۱) کہ عقل اس بات کو ناممکن قرار دیتی ہے کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں۔ اس شخص کے حق میں جس کے متعلق خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے۔ پھر اسکو تیئیس سال کی مہلت دے۔

۳۔ پھر شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں لکھا ہے:۔

"فَاِنَّ النَّبِیَّ صلعم بُعِثَ وَ عُمْرُهٗ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَ تُوُفِّیَ وَ عُمْرُهٗ ثَلَاثَةٌ وَّ سِتُّوْنَ سَنَةً۔" (صـ۴۴) تیئیس سال کی میعاد ہم نے اس لئے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم چالیس سال کی عمر میں نبی ہوئے۔ اور ۶۳ سال کی عمر میں حضورؐ نے وفات پائی۔

۴۔ نبراس میں علامہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:۔ "وَ قَدِ ادَّعٰی بَعْضُ الْکَذَّابِیْنَ النُّبُوَّةَ کَمُسَیْلَمَةَ الْیَمَامِیِّ وَ الْاَسْوَدِ الْعَنْسِیِّ

وَسجاع الكاهنة فقتل بعضهم وتاب بعضهم و بالجملة لم ينتظم امر الكاذب في النبوة الا اياما معدودات۔"

(نبراس ص۴۴۴ مطبوعہ میرٹھ)

کہ بعض جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ مسیلمہ یمامی۔ اسود عنسی وغیرہ نے۔ پس ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور باقیوں نے توبہ کر لی۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کا کام چند دن سے زیادہ نہیں چلتا۔

۵۔ امام ابن قیم ایک عیسائی سے مناظرہ کے دوران میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں:۔

"وهو مستمر في الافتراء عليه ثلاثة وعشرين سنة وهو مع ذالك يؤيده۔" (زاد المعاد جلد ا ص۵۰۰) کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خدا پر تئیس سال سے افتراء کرتا ہے اور پھر بھی خدا اسکو ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ پھر فرماتے ہیں:۔ "نحن لا ننكر ان كثيرا من الكذابين قام في الوجود وظهرت له شوكته ولكن لم يتم له امره ولم تطل مدته بل سلط عليه رسله ... فمحقوا اثره و قطعوا دابره واستاصلوا شافته هذه سنته في عباده منذ قامت الدنيا والى ان يرث الارض ومن عليها۔" (زاد المعاد جلد ا ص۵۰۰)

کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے۔ کہ بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے

ہوئے اور اُن کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوئی۔ مگر ان کا مقصد کبھی پُورا نہ ہُوا۔ اور نہ ان کو لمبا عرصہ مُہلت ملی۔ بلکہ خدا نے اپنے فرشتے اُن پر مسلّط کر دئے جنہوں نے اُن کے آثار مٹا دیئے۔ اور ان کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ اور اور بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ یہی خدا کی اپنے بندوں میں جب سے دُنیا بنی اور جب تک دُنیا موجود رہیگی سُنّت ہے۔

مفسّرین (۷) علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

"هٰذَا ذِكْرُهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمُلُوْكُ بِمَنْ يَتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُمْ لَا يُمْهِلُوْنَهٗ بَلْ يَضْرِبُوْنَ رَقَبَتَهٗ فِي الْحَالِ۔ (صـ ۲۹۱ جلد ۸)

کہ یہ جو فرمایا۔ کہ اگر یہ جھوٹا الہام بناتا۔ تو ہم اسکی رگِ جان کاٹ دیتے یہ بطور مثال ذکر کیا ہے۔ جس طرح بادشاہ اس شخص کو جو جھوٹ موٹ اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرے، مہلت نہیں دیتے۔

۸۔ پھر فرماتے ہیں: "هٰذَا هُوَ الْوَاجِبُ فِيْ حِكْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِئَلَّا يَشْتَبِهَ الصَّادِقُ بِالْكَاذِبِ" (جلد ۸ صـ ۲۹۱ تفسیر کبیر)

کہ خدا کی حکمت کے لئے یہی ضروری ہے۔ (کہ جھُوٹے کو جلدی برباد کر دیا جائے) تا کہ صادق کے ساتھ کاذب بھی مل نہ جائے۔ (مشتبہ نہ ہو جائے)

۹۔ امام جعفر طبری تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صـ ۴۲ مطبع میمنیہ صفحہ ۲۷ مصری میں لکھتے ہیں:۔

"اِنَّهٗ كَانَ يُعَاجِلُهٗ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَا يُؤَخِّرُهٗ بِذَالِكَ"

کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت والہام کو فوراً سزا دیتا ہے اور قطعاً تاخیر نہیں کرتا۔

۱۰۔ **مولوی ثناء اللہ**:۔ (الف) "نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

(ب) "واقعات گذشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی اُمت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔ مسیلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی نے ... دعویٰ نبوت کئے۔ اور کیسے کیسے جھوٹ خدا پر باندھے۔ لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آ کر کچلے گئے ... وہ تھوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے۔ مگر تابکے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

(ج) "دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا۔ ہلاک ہوگا۔" (ایضاً حاشیہ ص۱۷)

۱۱۔ تفسیر روح البیان جلد ۴ ص۲۶۲ پر ہے:۔

"فِی الْاٰیَۃِ تَنْبِیْہٌ عَلٰی اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ قَالَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِہٖ شَیْئًا اَوْ زَادَ اَوْ نَقَصَ حَرْفًا وَاحِدًا عَلٰی مَا اُوْحِیَ اِلَیْہِ لَعَاقَبَہُ اللّٰہُ وَھُوَ اَکْرَمُ النَّاسِ اِلَیْہِ فَمَا ظَنُّکَ بِغَیْرِہٖ" کہ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے پاس سے

کوئی الہام بنا لیتے یا جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس میں ایک حرف بھی بڑھاتے یا کم کر دیتے۔ تو خدا تعالیٰ آپ کو سزا دیتا۔ حالانکہ آنحضرت صلعم خدا کی نظر میں سب دنیا سے معزز ہیں۔ پھر اگر کوئی دوسرا (اس طرح پر افتراء کرے) تو اسکے متعلق کیا خیال کیا جاتا ہے؟

۱۲۔ یہی مضمون تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۴ مطبوعہ کلکتہ و ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۰ برحاشیہ فتح البیان و فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۲۷ و جلالین مجتبائی صفحہ ۴۷۲ و شہاب علی البیضاوی جلد ۸ صفحہ ۲۴۱ اور السراج المنیر مصنفہ علامہ الخطیب بغدادی جلد ۴ صفحہ ۳۶۳ پر بھی ہے۔

نوٹ ۱:۔ بعض غیر احمدی مولوی ہمارے استدلال سے تنگ آکر کہا کرتے ہیں کہ "لَوْ" حرف شرط جب کسی جملہ میں مستعمل ہو تو اسکی جزاء فوراً اسی وقت محقق ہو جایا کرتی ہے۔ پس "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ نبی کوئی جھوٹا الہام بناتا۔ تو فوراً اسی وقت قتل کر دیا جاتا۔ تو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ قاعدہ "لَوْ" کے متعلق بالکل منگھڑت ہے کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔ "لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ" کہ اگر تمام سمندر خدا تعالیٰ کے کلمات کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جاتے۔ تو وہ سمندر ختم ہو جاتے۔ مگر خدا کے کلمات ختم نہ ہوتے۔ کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سمندر لکھنا شروع کرنے کے ساتھ ہی یکدم ختم ہو جاتے یا یہ کہ باری باری کر کے

آہستہ آہستہ سب ختم ہو جاتے۔ خدا کے کلمات احاطۂ تحریر میں لائے جاتے۔ تو ں توں سیاہی بھی ختم ہوتی جاتی۔

نوٹ ۲ :۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے۔ ان کو ۲۳ برس کی مہلت بعد از دعویٰ نہ ملی تھی۔

الجواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے۔ اور یہی جماعت احمدیہ کا مذہب ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی تو تحریر فرمایا ہے۔ کہ :۔

" عادت اللہ اس طرح پر ہے کہ اوّل اپنے نبیوں اور مرسلوں کو اس قدر مہلت دیتا ہے کہ دُنیا کے بہت سے حصہ میں اُن کا نام پھیل جاتا ہے۔ اور ان کے دعویٰ سے لوگ مطلع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آسمانی نشانوں اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ لوگوں پر اتمام حجت کر دیتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۵ آخری سطر)

پس یہ تو درست ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام دعویٰ کے بعد ۲۳ برس گذرنے سے پہلے ہی شہید کیے گئے تھے؟ پس جب تک کوئی صریح حوالہ حضرت صاحبؑ کی کتاب سے پیش نہ کرو اس وقت تک ۲۳ سالہ معیار کے جواب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام نہ لو۔

(۲) اگر کوئی ایسا حوالہ ہو بھی (جس کا ہونا یقیناً ناممکن ہے مگر بغرض بحث)

تو بھی ہماری دلیل پر کوئی اثر نہیں۔

کیونکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ جھوٹا مدعی نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس کی مہلت نہیں پا سکتا۔ اور اگر کوئی مدعی نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس تک زندہ رہے تو وہ یقیناً سچا ہے۔ لیکن اس کا عکس بکلیہ نہیں۔

اس اعتراض کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے خوب جواب دیا ہے:۔

"کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے"!

اس پر مولوی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ نہ کوئی سمجھے کہ جو نبی قتل ہوا جھوٹا ہے۔ بلکہ ان میں عموم مطلق ہے۔ یعنی یہ ایسا مطلب ہے کہ جو شخص زہر کھاتا ہے۔ مر جاتا ہے۔ اسکے یہ معنے ہرگز نہیں کہ ہر مرنے والے نے زہر بھی کھائی ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کوئی زہر کھائے گا۔ وہ ضرور مریگا۔ اور اگر اس کے سوا بھی کوئی مرے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اُس نے زہر نہ کھائی ہو۔ یہی تمثیل ہے دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا۔ ہلاک ہوگا۔ اگر اسکے سوا بھی کوئی ہلاک ہو تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانے والا بچ رہے"۔

(مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷ حاشیہ)

سچ ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

واہ رے جوشِ جہالت خوب دکھلائے رنگ
جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ دار

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

بعض لوگ اس کے جواب میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت "قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتری کو دُنیا میں فائدہ ہے۔ یعنی اُس کو لمبی مہلت ملتی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صـ۲۷۱)

الجواب:۔ "مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے مُراد لمبی مہلت نہیں بلکہ تھوڑی مہلت ہے۔ چنانچہ خود تم نے اگلے ہی صفحہ پر قرآن مجید کی ایک دُوسری آیت اس مقصد کیلئے نقل کر کے خود ہی اس کا ترجمہ کر کے اسکو واضح کر دیا ہے:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (النحل رکوع ۱۵) "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے۔ انہیں نفع تھوڑا ہے اور عذاب دردناک"

غرضیکہ قرآن مجید نے مفتری کیلئے لمبی مہلت کہیں بھی تسلیم نہیں کی جو ۲۳ سال تک دراز ہو جائے۔ ہاں تھوڑی مہلت خواہ وہ ایک سال ہو یا دو یا پانچ سال یعنی ہماری بیان کردہ انتہائی مہلت سے کم ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں۔ اگر مفتری کو اتنی لمبی مہلت ملے جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آیت "لَوْ تَقَوَّلَ" کی دلیل باطل ہو جاتی ہے کیونکہ مخالف بآسانی کہہ سکیگا کہ فلاں مدعی نبوت بھی باوجود جھوٹا ہونے کے تقول کرتا رہا اور ۲۳ سال تک خدا تعالیٰ نے اسکی "قطع وتین" نہ کی۔ تو حضورؐ کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا کس طرح

حضور صلعم کی صداقت اور "عدم تقوّل" پر دلیل ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ آیت خاص ہے یعنی اگر باوجود اتنی بڑی نعمت کے آپ جھوٹا الہام بناتے تو ہلاک کئے جاتے!! تو یہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی نبی بھی (خواہ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں حصہ کم انعام الہٰی ہوا ہو) اور خواہ وہ کتنے ہی کم درجہ کا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ پر افتراء کر سکے۔ یعنی اپنے پاس سے الہام گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر سکے۔ چہ جائیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کا امکان تسلیم کیا جائے۔

پس جب یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی سچا نبی جھوٹا الہام بنائے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اگر فلاں سچا نبی جھوٹا الہام بنائے۔ تو ہم اسے ہلاک کر دیں۔ اور پھر اُس کو اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کریں کہ یہ سچا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا ابتدا سے یہ قانون ہے کہ وہ جھوٹا دعوی نبوت کرنے والوں یا اپنے پاس سے جھوٹا الہام و وحی گھڑ کر خدا کیطرف منسوب کرنیوالوں کو ۲۳ سال سے کم عرصہ میں ہی تباہ و برباد کر دیا کرتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر تورات۔ انجیل اور قرآن مجید متفق ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے یہی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دی ہے۔ کہ دیکھو جب ہمارا قانون جاری و ساری ہے اور تم کو بھی مسلم ہے کہ جھوٹا نبی تباہ و برباد و ہلاک کیا جاتا ہے۔ تو پھر اگر یہ نبی جھوٹا ہوتا اور الہام جھوٹا بنا کر میری طرف منسوب کرتا تو یقیناً ہلاک ہو جاتا۔

پس اس کا ۲۳ سال کی مہلت پانا اور اس عرصہ میں اس کا ہلاک نہ کیا جانا صریح طور پر اس کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔

باقی رہا سورۃ انعام رکوع ۱۱ کی آیت "وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ" پیش کر کے یہ ثابت کرنا کہ افترا علی اللہ کرنے والوں کو اس جہان میں سزا نہیں ملے گی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے عربی میں لفظ "موت" میں "قتل" اور "توفی" دونوں شامل ہوتے ہیں پس "موت" کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ مفتری قتل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا قتل ہونا یا ہلاک ہونا ضروری نہیں۔ باطل ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے ہماری تائید اور بھی واضح الفاظ میں فرمادی ہے:۔ "وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ۔۔۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا"۔ (بنی اسرائیل ع ۸)۔ یعنی کافر تجھے اس وحی سے جو ہم نے تجھ پر نازل کی برگشتہ کرنے کی کوشش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ تو ہم پر افترا کر کے کوئی اور وحی بنا لے۔ اور اگر تو ایسا کرے تو وہ تجھ کو اپنا دوست بنا لیں۔ اگر ہم نے تجھ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تو ان کے داؤ میں آجاتا۔ لیکن اس صورت میں ہم تجھے دنیا و آخرت میں دگنا عذاب چکھاتے اور کوئی شخص بھی تجھے ہم سے نہ بچا سکتا + ترجمہ کا آخری حصہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک کو بھی مسلم ہے۔

دیکھو صفحہ ۲۷ ایڈیشن دوم)

دیکھو اس آیت میں بھی صاف الفاظ میں بتادیا کہ اگر نبی اپنے پاس سے کوئی وحی بناتا تو اسی دنیا میں عذاب الٰہی میں مبتلا کیا جاتا علاوہ اگلے جہان کے عذاب کے۔ یہ کہنا کہ یہ آیت بھی آنحضرت صلعم کیلئے خاص ہے۔ خوش فہمی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کے سوا اور کوئی دوسرا نبی کفار کے کہنے پر لگ کر اپنے پاس سے وحی بنا لیتا اور افتراء علی اللہ کرتا تو خدا اُسے کوئی عذاب نہ دیتا۔ لیکن (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم اگر ایسا کرتے تو اُنپر عذاب نازل کرتا۔

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّاں
کار طفلاں تمام خواہد شد!

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ا۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت تو مدعیان نبوت کیلئے ہے۔ مگر مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت ۱۹۰۱ء میں کیا ہے۔

الجواب:۔ یہ غلط ہے کہ یہ آیت صرف مدعیان نبوت کے متعلق ہے۔ اگرچہ مدعیان نبوت بھی اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں۔ "لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا"، کہ اگر یہ کوئی قول (الہام۔ وحی) اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کرے۔ تو وہ ہلاک کیا جاتا ہے۔ "لَوْ تَنَبَّأَ" کا لفظ نہیں۔ کہ اگر یہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔

پس اس آیت میں ہر ایسے مفتری علی اللہ کا ذکر ہے جو اپنے پاس سے

جان بُوجھ کر جھوٹا الہام و وحی بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا مفتری علی اللہ مدعیِٔ نبوت بھی ہو۔

۲۔ اگر بغرض بحث یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ یہاں صرف "مدعی نبوت" ہی مُراد ہے۔ تو پھر بھی تمہارا اعتراض باطل ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس کا الہام "هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى" براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ جس میں حضور ؑ کو "رَسُوْل" کر کے پکارا گیا ہے اور حضور ؑ نے اِس الہام کو خدا کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب ؑ کو "رسُول" نہیں کہا تھا تو پھر آیت زیرِ بحث کے ماتحت ان کی "قطع وتین" ہونی چاہیئے تھی۔ مگر حضرت مرزا صاحب ؑ براہین کے بعد قریباً تیئس ۲۳ سال تک زندہ رہے ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا یہ مذہب نہیں کہ حضرت صاحب براہین کی تالیف کے زمانہ میں نبی نہ تھے۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور براہین کے زمانہ میں بھی نبی تھے۔ ہاں لفظ نبی کی تعریف جو غیر احمدی علماء کے نزدیک مسلم تھی وہ یہ تھی کہ "نبی" کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی دُوسرے نبی کا تابع نہ ہو اس تعریف کی رو سے نہ حضرت مرزا صاحب ۱۹۰۱ء سے پہلے نبی تھے اور نہ بعد میں کیونکہ آپ کوئی شریعت نہ لائے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بھی تھے پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریعی نبی نہ تھے۔ اس لئے اوائل میں حضور اس تعریف نبوت کی رُو سے اپنی نبوت کی نفی کرتے رہے۔ جس سے

مراد صرف اسقدر تھی کہ میں صاحبِ شریعت براہ راست نبی نہیں ہوں۔
لیکن بعد میں جب حضورؑ نے "نبی" کی تعریف سب مخالفین پر واضح فرما کر اسکو خوب شائع فرمایا کہ نبی کیلئے شریعت کا لانا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ "بلکہ" کثرت مکالمہ ومخاطبہ مشتمل بر کثرت امور غیبیہ کا نام نبوت ہے، تو اس تعریف کی رو سے آپنے اپنے آپکو نبی اور رسول کہا۔ اب ظاہر ہے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تعریف نبوت کے رو سے حضرت صاحب کبھی بھی نبی نہ تھے۔ اور نہ صرف حضرت صاحب بلکہ آپؑ سے پہلے ہزاروں انبیاءؑ مثلاً حضرت ہارونؑ۔ سلیمانؑ۔ یحییٰؑ۔ زکریاؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ یوسفؑ وغیرہ علیہم السلام بھی نبی ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی تشریح کی رو سے (جو ہم نے اوپر بیان کی ہے) سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی حضورؑ نبی تھے۔
غرضیکہ حضرت صاحب کی نبوت یا اسکے دعویٰ کے زمانہ کے بارے میں کوئی اختلاف یا شبہ نہیں۔ بلکہ بحث صرف "تعریف نبوت" کے متعلق ہے۔ ورنہ حضرت صاحب کا دعویٰ ابتداء سے آخر تک یکساں چلا جاتا ہے جسمیں کوئی فرق نہیں آپکے الہامات میں لفظ نبی اور رسول براہین کے زمانہ سے لیکر وفات تک ایک جیسا آیا ہے۔ حضرت نے جس چیز کو سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد نبوت قرار دیا ہے اس کا اپنے اندر موجود ہونا حضور نے براہین کے زمانہ سے تسلیم فرمایا ہے۔
پس حضورؑ کو دعویٰ نبوت والہام وحی کے بعد تیئس۲۳ برس کے قریب مہلت ملی۔ جو آپؑ کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔

حق بر زبان جاری

چنانچہ خود مصنف "محمدیہ پاکٹ بک"، کو بھی (جس نے یہ اعتراض کیا ہے) ایک دوسری جگہ اقرار کرنا پڑا ہے۔ جیسا کہ لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب بقولِ خود براہین احمدیہ کے زمانہ میں نبی اللہ تھے"۔
(محمدیہ پاکٹ بک ایڈیشن دوم ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶۰ سطر ۱۷)

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اُن کا بدانجام

شرائط:۔ جھوٹے مدعیان نبوت کے لئے جو اس آیت کے ماتحت قابل سزا ہیں۔ مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے:۔

۱۔ وہ مجنون نہ ہو۔ تَقَوَّلَ باب تفعّل سے ہے جس میں بناوٹ پائی جاتی ہے۔

۲۔ وہ لفظی الہام کا قائل ہو۔ یعنی یہ نہ کہتا ہو کہ جو دِل میں خیال آئے۔ وہ الہام ہے۔ کیونکہ آیت میں بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ کا لفظ ہے۔

۳۔ وہ اپنے دعویٰ کا اعلان بھی لوگوں کے سامنے کرے خود خاموش نہ ہو کیونکہ آیت میں "تقوّل" کا فاعل خود مدعی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ یعنی یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مدعی خود تو نہ کوئی دعویٰ کرے نہ الہام پیش کرے بلکہ اسکی بجائے کوئی اور شخص اپنے پاس سے بنا کر دعاوی اُس کی طرف منسوب کردے۔ نیز فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ایسے لوگ موجود ہونے چاہئیں۔ جن کے متعلق یہ خیال ہو سکے۔ کہ یہ ہر مشکل میں اس مدعی کے ممد اور معاون ہونگے۔

۴۔ وہ مدعی الوہیت نہ ہو۔ گویا خدا کو اپنے وجود سے الگ ہستی خیال کرنے والا ہو۔ آیت زیرِ بحث میں لفظ "عَلَيْنَا" اس مضمون کو بیان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں خدائی کے دعویٰ کرنے والے کے لئے الگ طور پر ذکر موجود ہے:۔ "وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ط ۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۔ (انبیاء رکوع ۲)

کہ جو شخص کہے کہ میں خدا ہوں۔ اللہ کے سوا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مدعی الوہیت کے لئے ضروری نہیں۔ کہ اسے اس دُنیا میں سزا دی جائے۔ بلکہ یہ کاذب مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نے لازمی اور ضروری قرار دیا ہے کہ اسے اِسی دُنیا میں سزا دی جائے کیونکہ کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ پس مدعی الوہیت کا دعویٰ عقلمندوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ مگر نبی چونکہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اِس لئے جھوٹے مدعیٔ نبوت سے لوگوں کو دھوکہ لگنے کا امکان ہے۔ اِس لئے خدا اسی دُنیا میں اس کو سزا دیتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابو محمد ظاہری نے بھی اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں لکھا ہے:۔

"وَمُدَّعِي الرُّبُوْبِيَّةِ فِيْ نَفْسِهٖ فَقَوْلُهٗ بِيَانُ كِذْبِهٖ قَالُوْا فَظُهُوْرُ الْاٰيَةِ عَلَيْهِ لَيْسَ مُوْجِبًا بِضَلَالِ مَنْ لَهٗ

عَقْلٍ وَاَمَّا مُدَّعِیْ النُّبُوَّۃِ فَلَا سَبِیْلَ اِلٰی ظُہُوْرِ الْاٰیَاتِ عَلَیْہِ لِاَنَّہٗ یَکُوْنُ مُضِلًّا لِکُلِّ ذِیْ عَقْلٍ۔" (جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

کہ مدعی الوہیت کا دعویٰ ہی خود اسکے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے اس سے کسی نشان کا ظہور کسی صاحب عقل کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ مگر کاذب مدعی نبوت سے نشان ظاہر نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ ہر صاحب عقل کو گمراہ کرنے کا باعث ہوگا۔

(ب) یہی فرق نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی "بحث الخوارق" میں مذکور ہے۔

(۱) ابو منصور

جواب:۔ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔ چنانچہ "منہاج السنۃ" میں بھی جس کا غیر احمدی حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا دعویٰ نبوت مذکور نہیں۔

(۲) علامہ ابو منصور البغدادی لکھتے ہیں:۔ وَادَّعٰی ھٰذَا الْعِجْلِیُّ اَنَّہٗ خَلِیْفَۃُ الْبَاقِرِ... وَقَفَ یُوْسُفُ بْنُ عُمَرَ الثَّقَفِیُّ وَاَتَی الْعِرَاقَ... فَاَخَذَ اَبَا مَنْصُوْرِ الْعِجْلِیِّ وَصَلَبَہٗ (الفرق فی الفرق صفحہ ۲۳۴) کہ ابو منصور عجلی نے یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ وہ باقر کا خلیفہ ہے۔ پس جب یوسف ابن عمر الثقفی کو اس بات کا علم ہوا۔ وہ عراق آیا اور ابو منصور کو پکڑ کر صلیب دے دی۔

(۳) اس کا ۲۷ سال بعد دعویٰ زندہ رہنا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ" میں (جس کا غیر احمدی مولوی حوالہ دیا کرتے ہیں)

قطعاً نہیں لکھا ہوا۔

(۴) غیر احمدی اس کا سن قتل ۳۶۶ھ بتایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کا قاتل یوسف بن عمر الثقفی ہے۔ اور وہ خود ۱۲۷ھ میں مرا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلکان کی کتاب " وفیات الاعیان " جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ پر لکھا ہے:۔ " وَ ذَالِکَ فِی سَنَةَ سَبْعٍ وَ عِشْرِیْنَ وَ مِائَة " کہ یوسف بن عمر الثقفی کی موت ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ جبکہ وہ ۶۵ سال کی عمر کا تھا۔

اب قاتل تو ۱۲۷ھ میں مر گیا۔ اور مقتول بقول غیر احمدیاں ۳۶۶ھ میں مرا۔ العجب۔

(۲) محمد بن تومرت

جواب:۔ (۱) اس کا دعوئ نبوت کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ (۲) ہاں اس نے حکومت وقت کے خلاف بغاوت ضرور کی۔ اور ۱۴ھ میں شاہ مراکش نے اسے دار السلطنت سے نکال دیا۔ اور وہ جبل سوس میں جاکر بغاوت کرتا رہا۔ (۳) اس نے خود دعوئ مہدویت بھی نہیں کیا۔ فَقَامَ لَہٗ عَشْرَۃُ رِجَالٍ اَحَدُھُمْ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ فَقَالُوْا لَا یُوْجَدُ اِلَّا فِیْکَ فَاَنْتَ الْمَھْدِیُّ۔ (کامل ابن الاثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۷)۔

کہ اس کے دس ساتھی ہو گئے۔ جن میں سے ایک عبد المومن تھا۔ انہوں نے اسے کہا۔ کہ تیرے سوا مہدی کی صفات اور کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ لہذا تو ہی مہدی ہے۔

(۴) اگر اس کا دعویٰ مہدویت ثابت بھی ہو جائے۔ تب بھی وہ "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت کے نیچے نہیں آسکتا۔ جب تک کہ جھوٹے الہام یا وحی کا مدعی نہ ہو۔

(۳) عبد المومن

جواب۔ یہ محمد بن تومرت کا خلیفہ تھا۔ یہ بھی اس کے ماتحت آجاتا ہے۔

(۴) صالح بن طریف

جواب۔ (۱) اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔ لہذا "تَقَوَّلَ" نہ ہوا۔
(۲) اس نے خیال کیا تھا کہ وہ خود مہدی ہے "ثُمَّ زَعَمَ اَنَّهُ الْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ" (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷) یعنی اس نے خیال کیا کہ وہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ میں ہوں۔ مگر اس نے کبھی کوئی الہام پیش نہیں کیا۔
(۳) اس نے اپنے دعویٰ مہدویت کا بھی اعلان کبھی نہیں کیا۔ "وَاَوْصٰى بِدِيْنِهٖ اِلٰى اِبْنِهٖ اِلْيَاسَ وَعَهِدَ اِلَيْهِ بِمُوَالَاةِ صَاحِبِ الْاَنْدُلُسِ وَبِاِظْهَارِ دِيْنِهٖ اِذَا قَوِيَ اَمْرُهُمْ وَقَامَ بِاَمْرِهٖ بَعْدَهٗ اِبْنُهٗ اِلْيَاسُ وَلَمْ يَزَلْ مُظْهِرًا لِلْاِسْلَامِ مُسِرًّا لِمَا اَوْصَاهُ بِهٖ اَبُوْهُ۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷) کہ اس نے اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی۔ کہ وہ اس کے مذہب پر قائم رہے۔ اور اس سے عہد لیا۔ کہ وہ حاکم اندلس کے ساتھ دوستی رکھیگا۔ اور اپنے مذہب کا اظہار صرف اس وقت کریگا جب وہ طاقتور ہو جائے۔ پس وہ اپنے باپ کے حکم پر

قائم رہا۔ اور یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور اپنا مذہب چھپاتا رہا۔ جیساکہ اُس کے باپ نے اسے وصیّت کی تھی۔

(۵) عبیداللہ بن مہدی

۱۔ اس نے نبوت کا کبھی دعوٰی نہیں کیا۔

۲۔ اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

۳۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان کے صہ ۲۷۲ جلد ۱ پر ایک روایت درج کی ہے۔ کہ عبیداللہ مہدی کو دوسرے یا تیسرے سال الیسع نے جو سلجامہ کا حاکم تھا۔ قید خانہ میں قتل کر دیا تھا۔ اور پھر ایک شیعہ نے بعد میں جھوٹ موٹ ایک دُوسرے آدمی کو عبیداللہ قرار دے دیا۔

(۶) بیان بن سمعان

جواب :۔ یہ نہ مدعی وحی ۔ نہ مدعی نبوت ۔ نہ مدعی الہام ہاں اس کے بعض واہیات عقائد تھے۔ مگر وہ "تَقَوَّلَ" کی آیت کے ماتحت کسی طرح نہیں آسکتا۔ سوال تو صرف "تَقَوَّلَ عَلَى اللهِ" کا ہے۔ نہ کہ غلط عقائد رکھنے کا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں :۔

بیان بن سمعان التیمی الذی تنسب البیانیۃ من غالیۃ الشیعۃ انہ کان یقول ان اللہ علی صورۃ الانسان وانہ یھلک کلہ الا وجھہ وادعی بیان انہ یدعو الزھرۃ فتجیبہ وانہ یفعل ذالک بالاسم الاعظم فقتلہ خالد بن عبد اللہ القسری۔" (منہاج السنۃ جلد ا صفحہ ۲۳۸)۔

کہ بیان بن سمعان تیمی وہ تھا جس کی طرف غالی شیعوں کا فرقہ بیانیہ منسوب ہوتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل کا ہے۔ سارا خدا بھی آخر کار ہلاک ہوگا۔ مگر اس کا چہرہ بچ رہیگا۔ اور یہ کہ وہ زُہرہ (ستارے) کو بُلاتا ہے۔ اور وہ اس کو جواب دیتی ہے۔ اور یہ بات وہ صرف اسم اعظم کی برکت سے کرتا ہے۔ پس خالد بن عبداللہ قسری نے اسے قتل کیا۔

(۷) مُقنّعؔ

جواب:۔ وہ ۱۵۹ھ میں ظاہر ہوا۔ اور ۱۶۲ھ میں یعنی چار سال بعد اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اور اس کا سر قلم کیا گیا۔

(تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۶ ص۱۹)

(۸) ابوالخطاب الاسدی

جواب:۔ (۱) وہ مدعی الہام یا نبوت نہیں بلکہ مدعی الوہیت تھا۔

(۲) وہ قتل ہوا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۱ ص۲۳۹ پر فرماتے ہیں:۔

"وَعَبَدُوْا اَبَا الْخَطَّابِ وَ زَعَمُوْا اَنَّہٗ اِلٰہٌ وَ خَرَجَ اَبُوالْخَطَّابِ عَلٰی اَبِیْ جَعْفَرَ الْمَنْصُوْرِ... فَقَتَلَہٗ عِیْسٰی ابْنَ مُوْسٰی فِی الْکُوْفَۃِ" کہ لوگ ابو خطاب کو خدا کر کے پُوجنے لگے۔ اور یہ خیال کیا کہ وہ خدا ہے۔ پھر ابو خطاب نے ابو جعفر منصور پر حملہ کیا۔ پس عیسٰی بن موسٰی نے کوفہ میں اسے قتل کر دیا۔

نیز دیکھو (کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)۔

(۹) احمد بن کیال

جواب:۔ (۱) اس نے نہ دعویٰ نبوت کیا۔ نہ دعویٰ وحی والہام۔ (۲) وہ سخت ناکام ونامراد ہوا۔ "لَمَّا وَقَفُوْا عَلٰی بِدْعَتِہٖ تَبَرَّءُوْا مِنْہُ وَلَعَنُوْہُ۔" (الملل والنحل جلد ۲ صفحہ ۱۷ برحاشیہ الفصل فی الملل والنحل) کہ اس کے متبعین کو جب اس کی بدعت کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس سے برأت کا اظہار کیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔

(۱۰) مغیرہ بن سعد عجلی

جواب:۔ اس کے متعلق کہیں بھی نہیں لکھا کہ اس نے وحی الہام یا نبوت کا دعویٰ کیا۔ پس اس کو پیش کرنا جہالت ہے۔

تیسری دلیل:۔ "یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ" کہ نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹے کو۔ گویا جس طرح بیوی کی پاکیزگی خاوند کے لئے اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ پیدا ہونے والا اس کا ہی بچہ ہے۔ اسی طرح مدعی نبوت کی قبل از دعویٰ پاکیزگی اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا چیلنج اور محمد حسین بٹالوی کی شہادت دیکھو دلیل نمبر ۱ میں۔

چوتھی دلیل:۔ "یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَا" (ہود ع ۶) کہ جب حضرت صالحؑ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ان کی قوم نے کہا کہ اے صالح! آج سے پہلے تیرے ساتھ ہماری بڑی اُمیدیں

وابستہ تھیں۔ تجھ کو کیا ہو گیا کہ تو نبی بن بیٹھا (سورۂ ہود ع ۶ پارہ ۱۲ ع ۶)
گویا جب نبی ابھی دعوے نہیں کرتا۔ قوم اس کی مداح ہوتی ہے۔ مگر جب دعوے کر دیتا ہے۔ تو قَالُوْا کَذَّابٌ اَشِرٌ کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ یہ اول درجہ کا جھوٹا اور شریر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی یا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حسن ظن کا اظہار کیا۔ تو وہ بھی اسی طرح غلط تھا۔ جس طرح خود مرزا صاحب کا خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ کے متعلق اندازہ ان کی بعد کی زندگی سے غلط ہو گیا۔

الجواب:۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

ہماری دلیل تو یہ ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس کی پہلی زندگی کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ مخالفین کی بھی اس سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ ہم نے کب کہا ہے کہ جس کی زندگی کے متعلق کسی کو حسن ظن ہو۔ وہ ضرور نبی ہوتا ہے خواہ وہ نبوت کا دعوے کرے یا نہ کرے

حیرت ہے کہ مخالفین کی عقلیں حق کی مخالفت کے باعث اس قدر مسخ ہو چکی ہیں۔ کہ وہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خواجہ کمال الدین یا مولوی محمد علی نے نبوت کا دعوے کیا؟

اگر نہیں تو پھر ان کے متعلق حضرت اقدس کے اظہار خیال کو پیش

کرنا بے معنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی تعریف کی ہے۔ تو وہ بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی بیعت رضوان کرنے والوں کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا "شما بہترین اہل روئے زمین اند" کہ تم دنیا کے بہتر انسان ہو۔ مگر ان میں سے اجد بن قیس بعد میں مرتد ہو گیا تھا۔

لیکن اجد بن قیس نے نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اور نہ ان لوگوں نے یہاں نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ جن کے نام تم بتاتے ہو۔

پانچویں دلیل۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود ع ۲)

کہ کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ بلکہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ ان سے کہدے۔ کہ پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ اور سوا خدا کے جسکو چاہو بطور مددگار بلا لو۔ پس اگر تم اور تمہارے مددگار بنانے پر کامیاب نہ ہوں تو پھر جان لو۔ کہ یہ انسانی علم کا نتیجہ نہیں بلکہ علم الٰہی سے ہے۔

قرآن مجید کا یہ چیلنج اسکے کلام الٰہی ہونے پر زبردست دلیل ہے اور پچھلی تیرہ صدیاں قرآن مجید کے اس دعوے کی صداقت پر گواہ ہیں۔ مگر چودھویں صدی میں جو قلم کا زمانہ ہے اسلام پر طرح طرح کے

اعتراضات ہونے شروع ہو گئے۔ مخالفین نے اپنی بدباطنی کا اظہار یہ کہکر کرنا شروع کیا۔ کہ قرآن کا یہ چیلنج بدوؤں اور جاہل عربوں کو دیا گیا تھا۔ اور ایسے زمانہ میں دیا گیا تھا۔ جبکہ چاروں طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ پس ان لوگوں کا قرآن شریف کی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکنا قرآن کی صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں آج اگر ہمارے زمانہ میں جبکہ علوم و فنون کی ترقی سے انسانی دماغ ارتقاء کی انتہائی منازل طے کر چکا ہے کوئی شخص اس قسم کا چیلنج دے۔ تو ایک نہیں ہزاروں انسان اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے اور مخالفین اسلام کا ایک دفعہ پھر مونہہ بند کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا۔ آپ نے تمام دنیا کے سامنے بضرب دہل اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اپنے خاص مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مجھ کو وہ علوم اور معارف عطا فرمائے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان ان میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح وغیرہ عربی کتابیں لکھیں۔ اور کہا کہ اگر اعجاز احمدی کا جواب وقت مقررہ کے اندر لکھو۔ تو دس ہزار روپیہ انعام لو۔ اور فرمایا:۔

" خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دیگا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا"
(اعجاز احمدی ص۳۷) "پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائیگی۔ انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب

چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیئے۔ کہ مجھے چھوڑ دیں۔ اور قطع تعلق کریں" (اعجاز احمدی صفحہ ۹ آخری صفحہ)

اعجاز المسیح کے متعلق پانچ سو روپیہ انعام کا اشتہار دیا۔ اور لکھا فَاِنَّہٗ کِتَابٌ لَیْسَ لَہٗ جَوَابٌ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ تَنَدَّمَ وَتَدَمَّرَ" (اعجاز المسیح سرورق)

کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور جو شخص اس کے جواب کے لئے کھڑا ہوگا۔ وہ دیکھیگا۔ کہ وہ کس طرح نادم اور شرمندہ کیا جائے گا

پھر فرمایا: "وَاِنِ اجْتَمَعَ اٰبَاءُھُمْ وَاَبْنَاءُھُمْ وَاَکْفَاءُھُمْ وَعُلَمَاءُھُمْ وَحُکَمَاءُھُمْ وَفُقَھَاءُھُمْ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا التَّفْسِیْرِ فِیْ ھٰذَا الْمُدَّۃِ الْقَلِیْلِ الْحَقِیْرِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ کَالظَّھِیْرِ" (اعجاز المسیح صفحہ ۵۵) اگر ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے ہمسر اور ان کے علماء۔ ان کے حکماء اور ان کے فقہاء (غرضکہ چھوٹے بڑے) سب ملکر اس مدت میں جس میں میں نے اس کو لکھا ہے۔ اس جیسی کتاب لکھنا چاہیں۔ تو کبھی بھی نہ لکھ سکیں گے۔

چنانچہ جب مولوی محمد حسین فیض ساکن بھیں ضلع جہلم نے اس کا جواب لکھنا چاہا۔ تو حضرت کو الہام ہوا "مَنَعَہٗ مَانِعٌ مِّنَ السَّمَآءِ" کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان سے اسے جواب لکھنے سے روک دیا ہے۔ چنانچہ وہ ابھی نوٹ

ہی تیار کر رہا تھا۔ کہ ایک ہفتہ کے اندر مر گیا۔ اور پیر گولڑوی نے اس کے لکھے ہوئے نوٹ کو میعاد مقررہ گزر جانے کے بعد سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا نام سیف چشتیائی رکھا۔ (تفصیل دیکھو نزول المسیح ص ۶۹-۷۰)

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی اعجازی کتب کے لئے میعاد اس لئے مقرر کی۔ کہ (۱) یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ قرآن کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اس طرح سے قرآن کے معجزہ میں کسی قسم کا شبہ پڑ سکے۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے جو اعجازی کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کے ماتحت اور اس کے ظل کے طور پر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ہمارا تو دعوےٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاپردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے۔ تا معارف و حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں۔" (نزول المسیح ص ۵۹)

(ب) "كُلَّمَا قُلْتُ مِنْ كَمَالِ بَلَاغَتِيْ فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ" (لجۃ النور ص ۱۲۲ حاشیہ)

یعنی میں نے اپنے کمال فصاحت و بلاغت کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب قرآن مجید کے ماتحت ہے۔

(ج) ضرورت الامام ص ۲۳ "میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔"

(۲) میعاد کا مقرر کرنا معجزہ کی شان کو کم نہیں کرتا۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"لَوْ قَالَ نَبِيٌّ اٰيَةُ صِدْقِيْ اَنِّيْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ اُحَرِّكُ اِصْبَعِيْ وَ لَا يَقْدِرُ اَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ عَلٰى مُعَارِضَتِيْ فَلَمْ يُعَارِضْهُ اَحَدٌ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ ثَبَتَ صِدْقُهٗ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۴) یعنی اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ میری صداقت کا نشان یہ ہے۔ کہ آج میں اپنی انگلی کو حرکت دیتا ہوں۔ مگر انسانوں میں سے کوئی میرے مقابلہ پر ہرگز ایسا نہیں کر سکیگا۔ پس اگر فی الواقعہ اس دن کوئی شخص اس کے مقابلہ میں انگلی نہ ہلا سکے۔ تو اس مدعی کی صداقت ثابت ہوگی۔

(۳) چونکہ آپنے جواب کے لئے انعام مقرر کیا تھا۔ اس لئے اس کے لئے کوئی میعاد مقرر ہونی چاہیئے تھی۔ تاکہ انعام کا فیصلہ ہوسکے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اعجاز احمدی کی مزعومہ غلطیاں

باقی رہا یہ اعتراض کہ اعجاز احمدی میں غلطیاں ہیں ایسا ہی ہے جیسے عیسائیوں کا اعتراض قرآن مجید کی عربی پر ہے۔

ان فیہ لحنا نحو ان ھٰذٰانِ لساحران علٰی قراءۃ ان المشددۃ (نبراس ص۳۴۹) طعن الملاحدۃ فی اعجاز القرآن

کہ ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ جیسا کہ ان ھٰذٰن لساحرانِ والی آیت میں جو قراءۃ اِنَّ مشددہ والی ہے۔ اس میں اِنَّ هٰذَيْنِ چاہیئے تھا۔

اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے لَمَّا سُقِطَ فِی اَیْدِیْھِمْ (اعراف ع ۱۸)
اس ترکیب کے متعلق روح المعانی میں لکھا ہے۔ ذَکَرَ بَعْضُھُمْ اَنَّ ھٰذَا
التَّرْکِیْبَ لَمْ یُسْمَعْ قَبْلَ نُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ وَلَمْ تَعْرِفْہُ الْعَرَبُ
وَلَمْ یُوْجَدْ فِیْ اَشْعَارِھِمْ وَکَلَامِھِمْ (روح المعانی جلد ۳ ص ۳۷)
کہ بعض نے کہا ہے، کہ یہ ترکیب نزول قرآن سے قبل نہیں سنی گئی۔ اور
نہ اسکو عرب جانتے تھے۔ اور نہ اہل عرب کے اشعار اور کلام میں یہ ترکیب
پائی جاتی ہے۔ پس غلطیاں نکالنا تو آسان ہے۔ صرف اس کی مثل بنانا ہی
مشکل ہے۔ جس طرح اہل عرب کا کہنا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَا کہنا
اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ نیز "اعجاز احمدی" کی غلطیاں
نکال کر بعض لوگوں نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی آنکھوں کو
روشنی پہنچانے کے لئے جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم مولوی فاضل و منشی فاضل
قادیان نے ایک کتاب تنویر الابصار کے نام سے شائع فرمادی ہوئی ہے۔
جس میں مزعومہ اغلاط کی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔

غیر احمدی :۔ مولوی غنیمت حسین مونگھیری اور قاضی ظفر الدین نے جواب
میں قصیدے لکھے۔

الجواب :۔ کیا لوگوں نے میعاد کے اندر یہ جواب لکھے؟

نہیں بلکہ میعاد گزرنے کے سالہا بعد۔ پس

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد

غیر احمدی۔ بیس دن کی میعاد بہت تھوڑی تھی۔

الجواب :- (۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد صلا۹
کا حوالہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ کہ اگر نبی یہ کہے کہ میں اپنی انگلی کو آج
حرکت دیتا ہوں۔ اور کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ کہ آج ۔۔۔ وہ اپنی انگلی کو
میرے بالمقابل حرکت دے سکے۔ تو گو اس میں میعاد ایک دن کی ہو۔
دلیل صداقت ہے۔

(۲) محمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف کا یہ لکھنا۔ کہ بیس دن میں ایسی کتاب
کا لکھنا قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اور یہ کہنا کہ بڑے سے بڑا جلد نویس
مصنف بھی صرف پانچ صفحہ روزانہ کا مضمون لکھ سکتا ہے محض بہانہ سازی
ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف
"حقیقۃ النبوۃ" جس میں مسئلہ نبوت پر فیصلہ کن بحث ہے۔ اور مولوی محمد علی
صاحب امیر اہل پیغام کے تمام دلائل کا مکمل رد ہے۔ یہ کتاب قریباً تین سو
(۲۹۷) صفحات کی ہے۔ مگر یہ کتاب بیس روز کے اندر اندر تصنیف اور
طبع ہو کر شائع بھی ہو گئی۔ مضمون نویس نے مضمون لکھا۔ کاتب نے کتابت
بھی کی۔ پریس میں بھی گئی۔ پروف بھی دیکھے گئے۔ مگر تین سو صفحات کی
معرکۃ الآرا تصنیف بیس یوم کے اندر تصنیف ہونے کے علاوہ شائع بھی
ہو گئی۔ مگر اعجاز احمدی تو کل نوے صفحہ کا رسالہ ہے۔ یعنی حقیقۃ النبوۃ
کے تیسرے حصے سے بھی کم ہے۔ مگر عجیب بات ہے۔ اور یہ ہی
خدا کا نشان ہے۔ کہ بڑے بڑے مخالف جبہ دار مولوی اس کے
جواب سے عاجز آ گئے۔ اور سوائے بہانہ سازی اور حیلہ جوئی کے ان کو

کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف "القول الفصل" جو خواجہ کمال الدین صاحب کے رسالہ" اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کا مکمل اور مبسوط جواب ہے۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور بلحاظ مضمون کے اعجاز احمدی سے اس کا مضمون زیادہ ہے۔ لیکن یہ رسالہ صرف ایک دن میں لکھا گیا۔ علاوہ ازیں اور بھی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ "حقیقۃ النبوۃ" اور "القول الفصل" کی میعاد معینہ کی اصالت اور صحت میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ میعاد بطور معجزہ یا نشان کے بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ محض سرسری طور پر ایک واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ معجزہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دعوے اور تحدی نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ اعجاز احمدی کا مضمون ان دونوں کتابوں سے کم ہے۔ اور میعاد بہت زیادہ ہے . . . . نیز حضرت اقدس کی طرف سے دس ہزاری انعام اور تحدی بھی ہے۔ کہ" خدا ان کے قلموں کو توڑ دیگا" مگر کوئی جواب نہ لکھ سکا۔ عقل کے اندھو یونہی حیلہ سازی سے کیا بنتا ہے۔ تمہیں دس ہزار روپیہ جو دیا جا رہا تھا۔ تو اسی لئے کہ ۸۰۔۹۰ ملاں مل کر بیٹھ جائیں۔ اعجاز احمدی کا ایک ایک صفحہ آپس میں تقسیم کرکے اس کا جواب دو دو چار چار گھنٹہ میں لکھ دیتا۔ اسی طرح ۱۵۔۲۰ کاتب لگا کر ایک ہی دن میں اس کی کتابت کرالیں۔ اور مختلف پریسوں میں اسکو چھپوا کر دوسرے ہی دن اسکا جواب شائع کردیں

لے دنیا کے کیرڑوں ہزار روپیہ میں ایک ۸۰ صفحہ کی کتاب کا جواب بیس یوم میں دتم لاکھوں مولویوں کا) لکھنا کونسی بڑی بات تھی۔ اور اگر تمہیں مال کا طمع نہ تھا۔ تو کم از کم آرام طلبی چھوڑکر لوگوں کی ہدایت ہی کے لئے کچھ محنت کرتے۔ مگر اس وقت خدا نے اپنے اعجازی ہاتھ سے تمہارے قلموں کو توڑ دیا۔ اور تمہارے دلوں کو غبی کر دیا تھا۔ اس لئے اس وقت تو تم مبہوت ہو کر رہ گئے۔ لیکن اب جبکہ تیر ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ تو لاجواب ہونے کی صورت میں بھی مقولہ " ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود" کے مطابق قابل شرم اور مضحکہ خیز حیلہ سازیوں سے وقت گزارتے ہو ؎

کچھ تو خوفِ خدا کرد لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

چھٹی دلیل:۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ (الجمعہ ع ۱)

یعنی یہودی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ اور یہ کہ خدا ہم سے پیار کرتا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ) فرمایا ان سے کہدو۔ کہ اے یہودیو! اگر تم اپنے آپ کو خدا دوست سمجھتے ہو۔ تو اپنے لئے بددعا کرو موت کی تمنا کرو۔ مگر یاد رکھو کہ یہ لوگ کبھی موت کی تمنا نہیں کرینگے

کیونکہ یہ اپنی بداعمالیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور خدا ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ بُرے اعمال کرنے والے ظالم لوگ جو یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ وہ موت کی تمنا نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعودؑ خدا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

اے قدیر و خالق ارض و سما | اے رحیم و مہربان و راہ نما
اینکہ مے داری تو بر دلہا نظر | اینکہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُرفسق و شر | گر تو دیدا ستی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کُن من بدکار را | شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوارِ من | دشمنم باش و تباہ کن کارِ من

مگر اس کے باوجود آپ کی جماعت نے ترقی کی۔ آپ کو خدا نے لمبی عمر عطا فرمائی۔ اور اپنے دعوے کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اولاد بڑھی۔ اور ہر قسم کے روحانی جسمانی فوائد حضور کو حاصل ہوئے۔

غیر احمدی:۔ ابوجہل نے بھی اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کی بددعا کی تھی (انفال ع ۴)

جواب۔ سورۃ الجمعہ کی آیت میں تو مذکور ہے۔ کہ وہ شخص بددعا نہیں کرتا۔ جو خود اپنی ذات کے متعلق کوئی دعوے رکھتا ہو مثلاً یہ کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ میرا دوست ہے یا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یا اس نے مجھے مامور کیا ہے مگر یہ کہنا کہ اے خدا اگر قرآن سچا ہے۔ تو مجھ پر عذاب آئے۔ یا ایسی

ہی بددعا تھی جس طرح ایک بچہ اپنی نادانی سے آگ کے کوئلے پر ہاتھ رکھدیتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ سزا ہمیشہ اتمام حجت کے بعد ہی مقرر فرماتا ہے۔

(۲) یہ بددعا ابوجہل نے کی تھی۔ جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے۔ اور ابوجہل مذکور جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اور خدا تعالےٰ نے اس جنگ کے متعلق مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى کا ارشاد فرمایا ہے۔ گویا کفار ان آسمانی پتھروں کے ساتھ ہلاک کئے گئے۔ جو آنحضرتؐ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ ابوجہل بھی انہی کافروں میں سے تھا۔ غرضیکہ اس نے ڈبل بددعا کی تھی (۱) أَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ (۲) أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ پہلی آیت کے مطابق وہ آنحضرت صلعم کے ہاتھ سے نکلے ہوئے آسمانی پتھروں کا نشانہ بنا اور ہلاک ہوا۔ اور دوسری بددعا کے مطابق وہ مقتول ہوا۔ اور قرآن مجید نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے کو عذاب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ کہ کافروں کو قتل کرو۔ خدا چاہتا ہے۔ کہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے۔ پس ابوجہل کی بددعا کے ماتحت خدا نے اسکو ڈبل ہی سزا دی۔ گویا آسمانی پتھر بھی اس پر پڑے۔ اور عذاب الیم بھی آیا۔ یاد رہے کہ آیت مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ میں یہ صرف وعدہ تھا۔ کہ جب تک آنحضرت صلعم مکہ میں تھے۔ ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ لیکن جب حضور بعد از ہجرت مدینہ تشریف لے گئے۔ تو اس کے بعد ابوجہل و اس کے ساتھیوں پر عذاب آیا۔ أَنْتَ فِيهِمْ سے مراد آنحضرت صلعم کا

مکہ میں موجود ہوتا ہے۔

ساتویں دلیل۔ فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنٰھَآ اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت ع ۲) کہ ہم نے حضرت نوح اور آپ کے ساتھ کشتی میں بیٹھنے والوں کو بچا لیا۔ اور اس بچنے کو تمام جہان کے لئے بطور صداقت نوح نشان مقرر کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہند میں سخت طاعون پڑی۔ اور پنجاب میں بھی بشدت آئی۔ مگر حضور نے فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَ اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً۔ کہ میں ان تمام لوگوں کو جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہونگے طاعون سے محفوظ رکھوں گا۔ خاصکر تیری ذات کو۔ چنانچہ آج تک حضور کے گھر کے اندر کبھی کوئی چوہا بھی نہیں مرا۔ لہٰذا آپ کی صداقت ثابت ہے۔ اور حضور خود بھی طاعون سے اس تحدی کے باوجود محفوظ رہے۔

قادیان میں طاعون پڑنے کے متعلق تفصیل دوسری جگہ "پیشگوئیوں پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب" میں درج ہے۔ اس جگہ صرف اتنا بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت نے کہیں بھی نہیں لکھا۔ کہ قادیان میں کبھی طاعون نہ آئے گی۔ بلکہ دافع البلاء میں تو صاف لکھا ہے۔ کہ قادیان میں طاعون تو آئے گی۔ مگر طاعون جارف یعنی بربادی بخش نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نوٹ:۔ بے شک ایمان کامل والوں کو بھی اس وعدہ میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن کامل اور ناقص ایمان والوں میں امتیاز مشکل ہے۔ مگر ظاہری مکان کی

چار دیواری میں رہنے والوں کے لئے کامل ایمان کی شرط نہیں۔ لہذا اسی کو اس جگہ دلیل صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جس کا تمہارے پاس سوائے بہانہ سازی کے کوئی جواب نہیں۔

آٹھویں دلیل:۔ خدا تعالےٰ جہاں اپنے سچے انبیاء اور ان کی جماعتوں کو علی رغم انف الاعداء ترقیات اور پے بہ پے فتوحات عطا فرماتا ہے وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کو ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہوتی اور خسران اور شکست کا طوق ان کے گلے کا ہار ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن نے اس زبردست معیار صداقت کا ذکر متعدد مقامات پر فرمایا ہے

(۱) فرمایا اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ" پ رکوع ۲ (سورۂ مائدہ رکوع ۸) یاد رکھو کہ خدا ہی کی جماعت ہمیشہ غالب اور کامیاب ہوتی ہے

(۲) اور اس کے بالمقابل کذابوں کی جماعت کا ذکر اس طرح فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (پ ۲۸ رکوع ۳ سورہ مجادلہ ع ۳) یاد رکھو کہ شیطانی گروہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتا اور گھاٹے اور خسارے میں رہتا ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کس طرح معلوم ہو کہ "غالب" گروہ کونسا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جماعت یہی دعوے کرتی ہے۔ کہ وہ غالب ہے۔

(۳) اس اہم سوال کو خدا تعالےٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ حل فرمایا ہے فرمایا:۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ

أَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (پ ، رکوع ۴ سورہ انبیاء رکوع ۴) کہ یہ لوگ جو مدعی نبوت کے منکر ہیں ایک زمین کے ٹکڑے کیطرح ہیں۔ اور کیا وہ نہیں دیکھتے۔ کہ ہم اس زمین کو آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کم کرتے چلے جا رہے ہیں کیا اب بھی وُہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ "غالب" ہیں؟ یعنی سچے نبی کی علامت یہ ہوتی ہے۔ کہ اسکی جماعت تدریجاً بڑھتی۔ اور اُس کے بالمقابل اس کے مخالفین کی جماعت بتدریج کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ مدعی نبوت کی تدریجی ترقی اور اُس کے بالمقابل اسکے مخالفین کا تدریجی تنزل اس مدعی کے صادق اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

(۴) پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ (پ ۲۴ رکوع ۱۲ سورہ مومن ع ۶) کہ ہم اپنے انبیاء اور ان کی جماعتوں کی اسی دنیا میں مدد کرتے ہیں۔ اور پھر قیامت کے دن بھی ہم ہی ان کے مددگار ہوں گے۔ گویا خدا تعالےٰ کا یہ ازلی اور ابدی قانون ہے۔ کہ وُہ اپنے رسولوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد اور نصرت فرماتا ہے۔ اور ان کے مخالفین کی معاندانہ اور مخاصمانہ سرگرمیوں کو (جو انبیاء کی تباہی اور بربادی کے لئے کی جاتی ہیں) کبھی کامیاب ہونے نہیں دیتا

(۵) چنانچہ ایک اور جگہ کھلے کھلے الفاظ میں اپنے اس اٹل قانون کا ذکر فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (پ ۲۸ ع ۳ مجادلہ ع ۳) کہ خدا نے روزِ ازل سے یہ لکھ چھوڑا اور مقرر کر دیا ہے۔ کہ وُہ اور اُس کے رسول ہی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ گویا ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو

اور پھر اس کی جماعت دن بدن بڑھتی چلی جائے۔ یہ خدا تعالےٰ کا غیر متغیر اور غیر متزلزل قانون ہے۔ جو جھوٹے اور سچے مدعیان نبوت کے درمیان ایک واضح اور روشن فیصلہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس اصول کی صداقت پر معتبر گواہ ہیں۔ آج دنیا میں موسےٰ اور ابراہیمؑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تو موجود ہیں۔ مگر فرعون۔ نمرود مسیلمہ کذاب وغیرہم کے ساتھ منسوب ہونے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔

(۶) خدا تعالےٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (پ ۱۴ رکوع ۲۱ سورہ نحل رکوع ۵) کہ وہ لوگ جو خدا تعالےٰ پر افترا کرتے۔ اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جھوٹے مدعیان وحی والہام کی ناکامی کا باعث یہ ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے دعوے میں خدا تعالےٰ کی طرف سے برکت اور نصرت نہیں ہوتی۔ جو خدا کے سچے نبیوں اور رسولوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس مضمون کو دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے۔

(۷) لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران رکوع ۶) اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (پ ۱۲ ع ۲۔ سورہ ھود ع ۲) کہ کذابوں اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنانے والے ظالموں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

(۸) خدا کی لعنت کا خوفناک نتیجہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ نساء رکوع ۸) کہ جس پر خدا لعنت کرے۔ اسکا کوئی مددگار اور مدد معاون نہیں رہتا۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا کہ وہ لوگ جو جھوٹے طور پر نبوت اور رسالت کا دعوےٰ کرتے ہیں وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور آخر کار وہ بے یار و مدد گار ہو جاتے ہیں۔ ان کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا۔ اور جلد سے جلد خدا تعالےٰ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

(۹) پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (پ ۱۶ ع ۱۳ طٰہٰ ع ۶) کہ وہ شخص جو الہام کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ ناکام و نامراد رہتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح سورہ اعراف رکوع ۱۹ میں بھی خدا تعالیٰ پر افترا کرنیوالوں کے متعلق اپنا قانون بیان فرما دیا ہے۔ کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور وہ اسی دنیا میں ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر رہتے ہیں (کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ)۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

نوٹ ۱۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس معیار کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ صادق مدعیٔ نبوت تدریجاً آہستہ آہستہ ترقی پاتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ترقی یکدم اور فوری نہیں ہوتی تا کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ وہ اتفاقی طور پر کامیاب ہوگیا۔ اور یہ کہ ہمیں اس کے استیصال اور مقابلہ کیلئے پورا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ ہم اگر ذرا زیادہ زور لگاتے تو اس کو مٹا سکتے تھے۔ اور اس طرح سے یہ امر دنیا پر مشتبہ ہو جاتا۔ کہ مدعی کی ترقی اتفاقی تھی۔ یا خدا تعالےٰ کی خاص تائید اور نصرت اس کے شامل حال تھی۔ پس خدا تعالےٰ ان کے مخالفین کو کھلا کھلا موقعہ دیتا ہے تا وہ انفرادی طور پر بھی اس کو مٹانے کے منصوبے کرلیں اور پھر

اپنی تمام طاقتیں مجتمع کر کے بھی زور لگالیں۔ ایک بار کوشش کرلیں۔ بچھر کرلیں۔ بچھر کرلیں۔ تاکسی کو اس میں شبہ نہ رہ جائے۔ کہ مخالفین کی ناکامی اور مدعی کی کامیابی میں خدا کا زبردست ہاتھ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو سال کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب پیرو ہو گئے۔ مگر اسی عرصہ میں وہ انتہائی بے بسی کے ساتھ قتل ہوا۔ جس سُرعت اور تیزی کے ساتھ وہ اٹھا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ گرا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے کھڑے ہوئے اور خدا نے آپ کو بتایا کہ "یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" کہ تیرے پاس اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ سڑکیں بھی گڑھے پڑ جائیں گے" میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسیلمہ کذاب کی جماعت ایک دو سال کے عرصہ میں یکدم بہت بڑھ گئی۔ مگر وہ اور اس کی جماعت فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ سچ کی نشانی یہی ہے کہ اس کی ترقی تدریجاً ہوتی ہے جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہوئی۔

نویں دلیل (۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ع ۵)

(۲) اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ کہ نبی اس وقت آتا ہے کہ جب دنیا میں کفر و ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ اختلافات پھیل جاتے ہیں (سورۃ جمعہ ع ۱) موجودہ زمانہ کی حالت کے متعلق شہادتیں ملاحظہ ہوں)۔ (۱) سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اٹھ چکا ہے فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر واللہ دل سے اسے معمولی اور بہت

معمولی اور بیکار کتاب جانتے ہیں۔" (اہلحدیث ۱۴ جون ۱۹۱۲ء)

(۲) "اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن بالکل ویران علماء اس امت کے بدتران ہیں" (اقترب الساعۃ ص۱۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے "نہ صرف یہ کہ میں زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے"

(پیغام صلح آخری سطر) ؎

جہاں میں چار سو گمراہیاں ہیں ۔ زمانہ خود ہی ہے طالب نبی کا

دسویں دلیل:۔ "فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ" کہ اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا خدا کی آیات کا انکار کرے اور خدا ان مجرموں کو کامیاب نہیں کرتا ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولا سے گندوں کو

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

گیارھویں دلیل: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" کہ خدا عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا (یعنے اس پر غالب نہیں کرتا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لاکھوں پیشگوئیاں کیں جو پوری ہوئیں

اور ان کا انکار مخالف بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً سعد اللہ لدھیانوی اور اس کے بیٹے کے ابتر ہونے کی پیشگوئی کی تفصیل کیلئے دیکھو انوار اسلام صہ ۱۲ و تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰، ۷، ۱۳ و ۱۸۔ چند اور پیشگوئیاں بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ تفصیلاً حقیقۃ الوحی دیکھو۔ (۱) کرم دین جہلمی والے مقدمہ سے بریت اور اس کا مفصل حال پہلے سے شائع کیا (مواہب الرحمٰن صہ ۱۲۹)

وَمِنْ اٰیٰتِیْ مَا اَنْبَاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ فِیْ اَمْرِ رَجُلٍ لَئِیْمٍ وَّبُھْتَانِہِ الْعَظِیْمِ وَاَوْحٰی اِلَیَّ اَنَّہٗ اَنْ یَّخْطِفَ عِرْضَکَ ثُمَّ یَجْعَلُ نَفْسَہٗ عَرْضَکَ وَاَرَانِیْ فِیْہِ رُؤْیًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَّاَرَانِیْ اَنَّ الْعَدُوَّ اَعَدَّ لِذٰلِکَ ثَلٰثَۃَ حُمَاۃٍ لِتَوْہِیْنٍ وَّاِعْنَاتٍ وَّرَاَیْتُ اَنَّ اٰخِرَ اَمْرِیْ نَجَاتٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ۔

اور یہ مقدمہ چندو لال اور آتما رام کی کچہری میں چلتا رہا۔ جس میں آخر کار حضرت بری ہوئے۔

(۲) ڈوئی کی موت کی پیشگوئی۔ کہ اگر مباہلہ کرے یا اگر نہ بھی کرے۔ تب بھی اس کو اللہ تعالےٰ ہلاک کر دے گا۔ سو وہ ایک لاکھ کی ملکیت سے بے دخل ہوا۔ اور پھر اس کی بیوی بچے اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اور آخر فالج کے ذریعہ بہت خراب حالت میں فوت ہوا۔ (تفصیل دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۲۱۹)

(۳) عبد الرحیم ابن نواب محمد علی خاں کے متعلق (حقیقۃ الوحی صہ ۲۱۹)

(۵) واقع البلاء و معیار اہل الاصطفاء میں چراغ الدین جمونی کے طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ سو وہ ۴ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء کو معہ اپنے دونوں بیٹوں

کے ہلاک بمرض طاعون ہوا ۔ کیا یہ کم نشان ہے ۔

(۶) پیشگوئی ۔ زلزلہ کا دھکا عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّھَا وَمُقَامُھَا ۔ یہ چار اپریل ۱۹۰۵ء کو کانگڑہ والے زلزلہ کے نام سے واقع ہوا ۔

(۷) "آہ! نادرشاہ کہاں گیا؟"

(الہام ۳ مئی ۱۹۰۵ء شائع شدہ اخبار بدر جلد ۱ ۱۹۰۵ء صـ و مکاشفات صـ مطبوعہ ۱۹۱۳ء و البشریٰ جلد ۲ صـ ۹۶) اس الہام میں بتایا گیا تھا کہ (۱) کسی ملک میں ایسے ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہوں گے کہ ہر طرف سے نادر خاں کو "المدد" "المدد" کی پکار سے بلایا جائے گا ۔ اور جب لوگ اس کو "نادر خاں" کہہ رہے تھے ۔ خدا اس کو "نادرشاہ" کے نام سے پکارتا تھا ۔ اس میں یہ پیشگوئی بھی کہ وہ "نادر خاں" تخت پر متمکن ہو کر "نادرشاہ" کے لقب سے حکومت کرے گا ۔

(۲) پھر اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا ۔ کہ آخر کار وہ "نادرشاہ" کسی ہیبت ناک اور فوری حادثہ کے باعث طرفۃ العین میں صفحۂ ہستی سے نابید ہو جائیگا ۔ اور اس کا یہ قتل ایسے وقت میں ہوگا ۔ جبکہ ملک کو اس کی خدمات کی اشد ضرورت ہوگی ۔ اور چاروں طرف سے آوازیں آئیں گی "آہ! نادرشاہ کہاں گیا" ۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا پہلا حصہ ۱۹۲۹ء میں پورا ہوا ۔ جبکہ افغانستان میں امان اللہ کی حکومت کا تخت الٹنے اور بچہ سقہ کے ہاتھ سے حکومت لے لینے کے لیے "نادر خاں" کو فرانس سے بلایا گیا ۔ اور "نادر خاں" کابل میں آکر "نادرشاہ" کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا ۔

اسی وقت جماعت احمدیہ کی طرف سے جہاں اس الہام کے ایک پہلو کے پورا ہونے پر اظہار مسرّت کیا گیا۔ وہاں ساتھ ہی اس الہام کے دوسرے پہلو کی طرف بھی صاف طور پر اشارہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ نادر خاں کے قتل سے پہلے لکھا گیا۔

"دوسرے مفہوم میں ایک ایسا خیال جھلک رہا ہے کہ موسوم (نادر شاہ) کو کوئی خطرناک مصیبت پیش آئے گی۔ اور اس کے نقصان پر بہت رنج و غم محسوس کیا جائے گا" اوپر لکھا جا چکا ہے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ الفاظ کسی اور موقعہ پر کسی اور طرح بھی پورے ہوں۔ لیکن ہم نادر شاہ کی بہتری کے لئے دُعا کرتے ہیں"

(الفضل ۳ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ کالم اول ۲)

چنانچہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہِ افغانستان ایک شخص "عبدالخالق" نامی کے ہاتھوں سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا۔ اور افغانستان نہیں۔ بلکہ تمام عالم اسلامی نے زبانِ حال سے پکارا۔

آہ! نادر شاہ کہاں گیا؟

(۸) مندرجہ بالا الہام کے بعد اگلا الہام یہ تھا:۔

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ ۔ ۔ ۔

وصدّقتَ الرؤیا انّا کذٰلک نجزی المتصدّقین۔ یعنے زلزلہ کی نسبت

"تیرے رویاء کو سچا کر دکھایا۔ اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والوں کو جزاء دیتے ہیں" (بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۱ و ۲ صفحہ ۵۔ و البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۷)

وہ رویاء جس کی طرف مندرجہ بالا عبارت میں اشارہ ہے یہ ہے:۔

"رویاء میں دیکھا کہ بشیر احمد (ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کھڑا ہے۔ وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا" (بدر جلد ۶ نمبر ۱۸ / ۱۹۰۷ء و مکاشفات صفحہ ۵۹) مندرجہ بالا الہامات کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح فرمائی:۔

"اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا مجھے خبر دی۔ اور فرمایا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" لیکن راست باز اس سے امن میں ہیں۔" (الوصیت صفحہ ۴)

"خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے۔ اس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو ۴ اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا جس کی ایک مدت پہلے خبر دی گئی تھی۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی۔ کہ ایک بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ نہ معلوم کہ وہ ابتدا بہار کی ہوگی جبکہ درختوں میں پتا نکلتا ہے۔ یا درمیان اس کا۔ یا اخیر کے دن جیسا کہ الفاظ وحی الٰہی یہ ہیں:۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا تھا۔ اس لئے خدا نے خبر دی۔ کہ دوسرا زلزلہ بھی بہار کے ایام ہی میں آئے گا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے

ایام شروع ہوں گے۔ اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے"

(الوصیت دسمبر ۱۹۰۵ء صـــ۱۳)

"ایک سخت زلزلہ آئے گا۔ اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصّوں کو زیر و زبر کر دے گا۔ جیسا کہ لوطؑ کے زمانہ میں ہوا"۔ (الوصیت صـــ۱۴)

مندرجہ بالا الہامات اور رؤیاء اور عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کانگڑے والے زلزلے سے زیادہ شدید زلزلہ آئے گا۔ (۲) زلزلہ ہندوستان کے "شمال مشرق" میں آئے گا۔ (۳) وہ زلزلہ بہار کے دنوں میں جو جنوری سے شروع ہوتے ہیں آئے گا۔ (۴) جنوری کے مہینہ میں خوف کے ایام شروع ہوں گے۔ (۵) وہ زلزلہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی زندگی میں آئے گا (۶) صاحبزادہ صاحب موصوف سب سے پہلے شخص ہوں گے جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی طرف متوجہ ہو کر دوسروں کو توجہ دلائیں گے۔ (۷) وہ زلزلہ نادر شاہ کے قتل کے بعد جو پہلی بہار آئے گی اس میں آئے گا۔

چنانچہ جیسا کہ یہاں ہوا "نادر شاہ" ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو قتل ہوا۔ اور اس کے بعد جو پہلی بہار آئی۔ اور جو جنوری ۱۹۳۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو شمال مشرقی ہندوستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا جو "زلزلہ بہار" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں آیا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی۔ اور ایک ٹریکٹ "ایک اور نشان" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس

پیشگوئی میں ایک لطیف امر قابل غور یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق الہام ہوا کہ "رَبِّ لَا تُرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ" "رَبِّ لَا تُرِنِیْ مَوْتَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ" کہ اے میرے رب! مجھ کو وہ قیامت خیز زلزلہ دکھا۔ اے میرے رب! مجھے میری جماعت میں سے ایک آدمی کی موت نہ دکھا۔ چنانچہ یہ زلزلہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں نہیں آیا۔ اور پھر اس زلزلہ میں ایک احمدی فوت ہوا۔ جیسا کہ حضرت کا الہام تھا "اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی" اس میں تاخیر ڈال دی گئی..... (حقیقۃ الوحی ص حاشیہ)

(۹) پنڈت دیانند کے متعلق فرمایا کہ "ان کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا ہے"۔ اس الہام کا گواہ لالہ شرمپت ساکن قادیان ہے۔ جس کو حضرت اقدس نے قبل از وقوع یہ بات بتائی تھی۔ سو وہ اسی سال مرگیا۔

(۱۰) اپنی کتاب انوار اسلام میں سعد اللہ لدھیانوی کے اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہونے کی پیشگوئی کی۔ جس کا حلیہ بھی بیان فرمایا خصوصاً یہ کہ اس کے جسم پر پھوڑے ہیں (دیکھو انوار الاسلام ص۲۶ حاشیہ مطبوعہ ستمبر ۱۸۹۴ء) چنانچہ اس کے قریباً پانچ سال کے بعد حضرت خلیفہ اول کے گھر عبد الحی پیدا ہوا۔ جس کے جسم پر پھوڑے تھے۔

(۱۱) لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بہت ہی واضح طور پر بیان فرمائی۔ سے

الا اے دشمن نادان و بیراہ بترس از تیغ بران محمدؐ

اور پھر عِجْلٌ جَسَدٌ لَّہٗ خُوَارٌ لَّہٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ۔ اور پھر دن کی

بھی تعیین فرمائی کہ بُشْرَیٰ لِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا اَسْتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ۔ لیکھرام کے چھ سال کے اندر مرنے کی پیشگوئی کرامات الصادقین جو صفر ۱۳۱۱ھ میں مطبوع ہوئی۔ اور پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں جو آئینہ کمالات اسلام میں ہے۔ اس کے ٹکڑے ہونے کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ پھر وہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوا۔

(۱۲) یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

(۱۳) سر الخلافہ کے ۶۲ صفحہ پر مخالفوں پر طاعون پڑنے کے لئے دعا کی۔ نیز حمامۃ البشریٰ ص مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں۔ اس پر الہام ہوا۔

"اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویران کردی" سو پھر طاعون ملک میں آئی اور ہزاروں دشمن ہلاک ہوئے۔ نمونۃً دیکھیے۔

رسل بابا امرتسری۔ محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔ چراغدین جمونی۔ نور احمد تحصیل حافظ آباد۔ زین العابدین۔ مقرب مولوی فاضل انجمن حمایت اسلام حافظ سلطان سیالکوٹی۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی (حقیقۃ الوحی ص ۲۲۵)

(۱۴) مباہلے کے طور پر لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کہنے پر منددجہ ذیل منکرین مسیح موعود علیہ السلام ہلاک ہوئے۔ رشید احمد گنگوہی پہلے اندھا ہوا۔ پھر سانپ کے ڈسنے سے مر گیا۔ مولوی شاہ دین لدھیانوی دیوانہ ہو کر ہلاک ہوا۔ مولوی عبد العزیز۔ مولوی عبد اللہ۔ مولوی محمد لدھیانوی بھی فوت ہو گئے۔ عبد الرحمٰن محی الدین لکھوکے والے بعد الہام ہذا ہلاک ہو گئے تم کاذب پہ خدا کا عذاب نازل ہو گیا۔

(۱۵) مولوی غلام دستگیر قصوری بددعا کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اور نمونہ برائے اخوان خود مولویان منکر مسیح ہوا۔

(۱۶) مواہب الرحمٰن میں محمد حسین بھین والا کے متعلق پیشگوئی تھی۔ سو وہ مطابق وعید ہلاک ہوا۔

(۱۷) یَعْصِمُكَ اللّٰهُ وَلَوْ لَمْ یَعْصِمْكَ النَّاسُ (براہین احمدیہ) حالانکہ بعد میں مارٹن کلارک وغیرہ نے مقدمہ بنایا۔

(۱۸) اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْیَةَ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا (حقیقۃ الوحی ص۲۳۲)

(۱۹) دلیپ سنگھ والی پیشگوئی (ص۲۳۶ حقیقۃ الوحی)

(۲۰) عبدالحق غزنوی نے حضرت مسیحؑ کو کافر کا فتویٰ دیا۔۔۔۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے اصرار مباہلہ یہ دعا کی۔ کہ اگر میں کاذب ہوں۔ تو کاذبوں کی طرح تباہ کیا جاؤں۔ اور اگر میں صادق ہوں۔ تو خدا میری مدد اور نصرت کرے۔ (ص۲۴۴ حقیقۃ الوحی) سو یہ پوری ہوئی۔

(۲۱) رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ کی دعا کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی متجاوز از پانچ لاکھ ہیں۔ اور یہ آپ کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔

(۲۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو بخار ہوا۔ اور انکو ظن غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے۔ چونکہ وہ مسیح موعودؑ کے گھر میں رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو پھر میں جھوٹا ہوں۔ اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے

پھر آپؑ نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو بخار اتر گیا۔

(۲۳) شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ صاحبزادہ سید عبداللطیف مرحومؓ۔ اور شیخ عبدالرحمٰن مرحومؓ مراد ہیں۔

(۲۴) حضرت صاحب نے اپنے مضمون متعلقہ جلسہ دھرم مہوتسو کے واسطے فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے کہ "مضمون بالا رہا" سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بھی بہت سے اردو اخبارات نے اس کا اظہار بیان کیا۔

(۲۵) فروری ۱۹۰۶ء کو بنگال کی تقسیم کے متعلق پیشگوئی فرمائی پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہوگی۔ پھر ۱۹۱۱ء میں ملک معظم جارج پنجم اس کے پورا ہونے کا باعث بنے۔

بارھویں دلیل:۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ رکوع ۱) کہ "آخرین" میں بھی جو ابھی تک صحابہ سے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول کی بعثت مقدر ہے۔ سورۃ جمعہ کی اس آیت کو اس سے پہلی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں مقرر کی گئی ہیں۔ پہلی بعثت آپؐ کی امیین میں ہوئی۔ اور دوسری بعثت "آخرین" کی جماعت میں ہوگی۔ اس کا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے "عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ

الجمعۃ وآخرین منھم قیل من ھم یا رسول اللہ فلم یراجعہ
حتی سأل ثلاثا وفینا سلمان الفارسی وضع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی سلمان ثم قال لو کان
الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ھؤلاء" (بخاری
کتاب التفسیر سورۃ جمعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ مصری و تجرید بخاری مکمل مع عربی و ترجمہ شائع
کردہ فیروز الدین اینڈ سنز لاہور۔ جلد ۲ صفحہ ۳۷ نیز مشکوٰۃ

صفحہ ۵۷۶ باب جامع المناقب) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آنحضرت پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جس میں یہ آیت بھی تھی۔ "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" حضور سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم یہ کون لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی منھم سے کون لوگ مراد ہیں؟ آنحضرت صلعم نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ حضور سے تین دفعہ پوچھا گیا۔ اسی مجلس میں حضرت سلمان فارسی رض بھی بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان رض پر رکھ کر فرمایا۔ کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا۔ تو ان (اہل فارس) میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص اس کو پائیں گے۔ اس حدیث نے قرآن مجید کی اس آیت کی بالکل صاف اور واضح تفسیر کردی ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اسمیں کسی شخص کی بعثت کی پیشگوئی کی گئی ہے جس کی آمد گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آمد تصور کی جائے گی (۲) اس کے ماننے والے صحابہ رض کے رنگ میں رنگین ہو کر صحابی کہلانے کے مستحق

ہوں گے۔ (۳) وہ شخص فارسی الاصل ہوگا۔ (۴) وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا۔ جبکہ اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اور قرآن کے الفاظ ہی الفاظ دنیا میں باقی رہ جائیں گے (۵) اس کا کام کوئی نئی شریعت لانا نہ ہوگا۔ بلکہ قرآن مجید کو ہی دوبارہ دنیا میں لاکر شائع کرے گا۔ اور اسی کی طرف لوگوں کو بلائے گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث میں یہ ہرگز نہیں بتایا گیا کہ وہ شخص حضرت سلمان فارسیؓ کی نسل میں سے ہوگا۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ "ھٰؤُلَاءِ" ان میں سے ہوگا یعنی قوم فارس میں سے یعنی فارسی الاصل ہوگا۔ اگر یہ کہنا ہوتا کہ وہ سلمان فارسی کی نسل میں سے ہوگا۔ تو بجائے "مِنْ ھٰؤُلَاءِ" کہنے کے "مِنْ ھٰذَا" فرماتے۔ کہ "اس میں سے" ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں جو فردوس الاخبار دیلمی میں ہے۔ اس موقعہ پر یہ الفاظ ہیں "فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فَضَرَبَ عَلٰی فَخِذِ سَلْمَانَ فَقَالَ قَوْمُ ھٰذَا" (دیلمی ۱۲ نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ نظام دکن) صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے "وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ" میں ذکر فرمایا ہے؟ تو آنحضرت صلعم نے سلمان فارسیؓ کی ران پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا کہ "اس کی قوم" پس مسیح موعود کا فارسی الاصل ہونا ضروری ہے۔ نہ کہ حضرت سلمانؓ کی نسل سے ہونا!

دوسری ضروری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی بعثت کا زمانہ بتا دیا ہے۔

وَلَوْكَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا۔ گویا جب اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ گویا عملی طور پر مسلمان زوال پذیر ہو رہے ہوں گے پس حدیث سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ رح ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ دوسری صدی کے قریب پیدا ہوئے۔ اور وہ زمانہ عروج اسلام کا تھا۔ پس یہ اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے جس کے متعلق نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپال لکھتے ہیں۔

"اب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا صرف نقش باقی رہ گیا ہے" (اقتراب الساعۃ ص۱۲) "نیز سچی بات تو یہ ہے۔ کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اٹھ چکا ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۴ جون ۱۹۱۲ء)

غرضیکہ یہی وہ زمانہ ہے جو خود پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ کہ کسی مصلح ربانی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے اس فارسی الاصل فتح نصیب جرنیل کو عین ضرورت کے وقت قادیان کی مقدس بستی سے کھڑا کیا۔ جس نے قرآن مجید کو دوبارہ دنیا میں لانے کی ڈیوٹی کو کما حقہ' سرانجام دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

آسمان بارد نشان الوقت میگوید زمیں

ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

(ب) "افسوس یہ نہیں سوچتے۔ کہ یہ دعویٰ بے وقت نہیں۔ اسلام اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فریاد کر رہا تھا۔ کہ میں مظلوم ہوں۔ اور اب وقت ہے۔ کہ آسمان سے میری مدد ہو" (ضمیمہ اربعین ۳-۴ ص۵)

نوٹ :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق عام طور پر یہ کہا
جاتا ہے۔ کہ وہ چونکہ مغل ہیں اس لئے فارسی الاصل نہیں ہو سکتے
تو اسکے جواب میں شاہان اسلامیہ کی تاریخ کے متعلق مستند ترین کتاب میڈیول
انڈیا مصنفہ مسٹر سٹینلے لین پول Mediaeval India
under Mohammadan Rule:

(جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے) میں لکھا ہے کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ
میں یہ عام طور پر قاعدہ تھا۔ کہ جو شخص درۂ خیبر کے رستہ ہندوستان
میں داخل ہوتا۔ خواہ وہ افغان ہو یا فارسی یا کسی اور قوم کے ساتھ
تعلق رکھتا ہو پھر بھی "مغل" ہی کہلاتا تھا۔ اس لئے کسی کا محض "مرزا"
یا "مغل" کہلانا اسے فارسی الاصل ہونے سے محروم نہیں کرتا۔

"The term Mughal .... came to mean any fair man from Central Asia or Afghanistan as distinguished from the darker native Indians.

The various foreign invaders or governing Muslim class Turks, Afghans, Pathans and Mughals even tually became

so mixed that were indifferently termed Mughals."

کتاب مذکور۔ مطبوعہ فی فشر آن ون لیمیٹڈ لنڈن پندرھواں ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۹۷ حاشیہ (یعنی لفظ مغل ہندوستان کے گورے باشندوں کو ایشیاء کے دوسرے باشندوں سے ممیز کرنے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مختلف اور حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک۔ افغان۔ پٹھان اور مغل کچھ اسی طرح مل جل گئے کہ سب کو بلا امتیاز "مغل" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ہر گورے شریف آدمی کو "مغل" کہا جاتا تھا)

ناقابل تردید ثبوت

حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی الاصل ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ بندوبست مال سنہ ۱۸۶۵ء میں حضرت صاحب کے دعوے سے سالہا سال پہلے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کے والد ماجد اور دوسرے بزرگ زندہ موجود تھے۔ قادیان کے مالکان کے شجرہ نسب کے ساتھ "فٹ نوٹ" میں بعنوان "قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ" لکھا ہے۔

"مورث اعلیٰ ہم مالکان دیہہ کا بعہد شاہان سلف (ملک فارس) سے بطریق نوکری ..... آکر ..... اس جنگل افتادہ میں گاؤں آباد کیا۔"

اور اس کے نیچے مرزا غلام مرتضےٰ صاحب و مرزا غلام جیلانی صاحب و مرزا غلام محی الدین وغیرھم کے دستخط ہیں۔

پس یہ سرکاری کاغذات کا اندراج حضرت صاحب کے دعوے سے سالہا سال قبل کا حضرت صاحب کے فارسی الاصل ہونیکا یقینی ثبوت ہے۔

(ب) مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے "مؤلف براہین احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(ج) "جناب مرزا صاحب یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔" (ٹریکٹ امر بھائی اور قرآن حکیم مصنفہ ایم۔ اے لطیف صفحہ ۱۶)

یافث بن نوح کے متعلق ملاحظہ ہو غیاث اللغات فارسی :- "وشیخ ابن حجر شارح صحیح بخاری گفتہ است کہ فارسی منسوب "بفارس" بن غامور بن یافث بن نوح علیہ السلام است۔"

پس حضرت اقدس ؑ کا فارسی الاصل ہونا ثابت ہے

(د) "اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا ... معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا۔ جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہرحال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے۔ وہی درست ہے انسان ایک ادنیٰ سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے۔ مگر وہ سہو اور غلطی سے پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۱ حاشیہ)

(ب) "یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے ... اب خدا کے کلام سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ہمارا خاندان دراصل فارسی خاندان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے۔ اور دوسروں کا شکی اور ظنی۔" (اربعین نمبر ۲ صفحہ ۱۷ حاشیہ)

تیرھویں دلیل:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ" (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۷۱) کہ مسیح و مہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گزرنے پر ظاہر ہوں گی۔ چنانچہ ہم نے جو معنی کئے ہیں حضرت ملا علی قاری نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ اللَّامُ فِی الْمِائَتَیْنِ لِلْعَهْدِ اَیْ بَعْدَ الْاَلْفِ وَهُوَ وَقْتُ ظُهُوْرِ الْمَهْدِیِّ (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۷۱ حاشیہ) کہ ممکن ہے کہ "المائتین" کا الف لام اس عہد کے لئے ہو۔ جو ایک ہزار کے دو سو سال بعد کا ہے (یعنی ۱۲۰۰) اور وہی وقت ظہور مہدی کا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴ و صفحہ ۳۹۵ پر بہت سی روایات نقل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مہدی کو تیرھویں صدی میں ظاہر ہونا چاہئے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔ "اس حساب سے ظہور مہدی علیہ السلام کا تیرھویں صدی پر ہونا چاہئے تھا۔ مگر یہ صدی پوری گزر گئی تو مہدی نہ آئے۔ اب چودھویں صدی ہمارے سر پر آئی ہے۔ اس صدی سے اس کتاب کے لکھنے تک چھ ماہ گزر چکے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنا فضل و عدل و رحم و کرم فرمائے۔ چار چھ سال کے اندر مہدی ظاہر ہو جائیں۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۱)

"بعد المائتین" کے رو سے بارھویں صدی کے ختم ہونے پر تیرھویں صدی میں امام مہدی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اب یہ وقت ہیں کہ وہ

لہ نیز دیکھو حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ مصری حاشیہ علامہ سندی۔

چودھویں صدی کے سر پر چالیس سال کا ہو کر دعویٰ کرنے والا ہو۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مہدی بارھویں صدی میں پیدا ہو۔ کیونکہ "لبعد المائتین" میں لفظ "بعد" بتاتا ہے۔ کہ وہ بارھویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر اس وجہ سے۔ کہ امام مہدی نے اپنی صدی کا مجدد ہونا تھا۔ اس لیئے اسے تیرھویں صدی میں ایسے وقت پر پیدا ہونا تھا۔ کہ اگلی صدی کے سر پر اس کی عمر چالیس سال کی ہو۔ پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں۔ جو ۱۴ شوال سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری سنہ ۱۸۳۵ء عیسوی بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۲۹۰ھ کو یعنی چودھویں صدی کے سر پر آپ عین چالیس برس کی عمر میں شرف مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو کر دعویٰ مہدویت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ اور عین چودھویں صدی کے سر پر آپ نے دعویٰ کیا۔ گویا حدیث اور روایات کے عین مطابق آپ دنیا میں تشریف لائے۔ سچ ہے ؎

وقت ہے وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

چودھویں دلیل:۔ حدیث میں ہے:۔ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔ (دار قطنی صفحہ ۱۸۸) کہ ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں۔ اور یہ صداقت کے نشان کبھی کسی کے لئے جب سے دنیا بنی ہے ظاہر نہیں

ہوئے۔ رمضان میں چاند کو (چاند گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سورج گرہن کے دنوں میں سے) درمیانے دن کو سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ یہ گرہن ۱۸۹۶ء میں لگا۔ یعنے چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ میں سے ۱۳ کو رمضان کے مہینہ میں چاند (قمر) کو اور ۲۷-۲۸-۲۹ میں سے ۲۸ تاریخ کو سورج کو گرہن لگے گا۔ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن لگنا حدیث میں مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے لفظ "قمر" بولا ہے اور قمر پہلی تین راتوں کے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔ پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

یُسَمَّی الْقَمَرُ لِلَیْلَتَیْنِ مِنْ اَوَّلِ الشَّھْرِ ھلال .... قَالَ الجوھری الْقَمَرُ بَعْدَ ثَلَاثٍ اِلٰی اٰخِرِ الشَّھْرِ قَالَ ابْنُ السَّیِّدَۃِ وَالْقَمَرُ یَکُوْنُ فِیْ لَیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ مِنَ الشَّھْرِ۔ (لسان العرب) کہ جوہری کہتا ہے۔ کہ قمر وہ ہوتا ہے۔ جو دوسری رات کے بعد کا چاند ہو۔ اور اسی طرح ابن سیدہ نے بھی کہا ہے۔ کہ مہینہ کی تیسری رات کو چاند قمر ہو جاتا ہے۔

(۲) وَھُوَ قَمَرٌ بَعْدَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلٰی اٰخِرِ الشَّھْرِ وَاَمَّا قَبْلَ ذَالِکَ فَھُوَ ھِلَالٌ (اقرب الموارد والمنجد) کہ تین راتوں کے بعد قمر ہو جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے جو چاند ہوتا ہے۔ اس کو ہلال کہتے ہیں۔

پس حدیث میں اول اور درمیانے سے مراد وہی ہو سکتی ہے

جو ہم نے بیان کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا پورا ہونا خود اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) اس کو دارقطنی نے نقل کیا ہے جو خود ایک بڑا عالم اور علم حدیث میں یگانہ تھا۔ جیسا کہ ضمن ۳ میں نخبۃ الفکر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے صفحہ ۶۳۱

نوٹ: حضرت مسیح موعودؑ نے اس حدیث کی صحت کے متعلق خوب مفصل بحث تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرمادی ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔

یہ گرہن ۱۸۹۶ء میں لگا۔ دیکھو اخبار آزاد ۲۴ دسمبر ۱۸۹۶ء نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء۔

(۴) یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں پائی جاتی ہے۔ جس سے اس کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸۔

(۲) فتاویٰ حدیثیہ حافظ ابن حجر مکی۔ مصنفہ علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر الہیثمی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱)

(۳) احوال الآخرۃ حافظ محمد لکھو کے صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ

(۴) آخری گت مصنفہ مولوی محمد رمضان حنفی مجتبائی مطبوعہ ۱۲۷۸ھ۔

(۵) حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔

(۶) عقائد الاسلام مصنفہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی صفحہ ۱۸۲ ۱۸۳ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ

(۷) قیامت نامہ فارسی و علامات قیامت اردو مصنفہ شاہ رفیع الدین صاحب

محدث دہلوی۔

(۸) اقتراب الساعۃ نواب صدیق حسن خاں صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ۔

(۹) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۔

(۱۰) اکمال الدین صفحہ ۳۴۸۔

(۱۱) حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ کہ نعیم بن حماد۔ ابوالحسن خیری۔ حافظ ابوبکر بن احمد اور بیہقی اس کے راوی ہیں۔ صفحہ ۳۴۴۔

علاوہ ازیں یہ حدیث دارقطنی کی ہے۔ اور دارقطنی اس بلند پایہ کا محدث ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں "قَالَ الدَّارَقُطْنِي يَا اَهْلَ بَغْدَادَ لَا تَظُنُّوْا اَنَّ اَحَدًا يَقْدِرُ اَنْ يَكْذِبَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا حَيٌّ" (نخبۃ الفکر صفحہ ۵۶ حاشیہ) کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ کہ اے اہل بغداد یہ خیال نہ کرو کہ کوئی شخص آنحضرت صلعم کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کر سکتا ہے جبکہ میں زندہ ہوں۔

پندرھویں دلیل:۔ حدیث میں ہے۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ و مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۲۴ کتاب العلم و مطبع مجتبائی صفحہ ۳۶) کہ حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا

جو آکر دین کی تجدید کرے گا۔

صحت حدیث (ا) "وَقَدِ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِ هٰذَا الْحَدِیْثِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ وَمِمَّنْ نَصَّ عَلٰی صِحَّتِهٖ مِنَ الْمُتَاَخِّرِیْنَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ"

(حجج الکرامہ ص۱۳۳) کہ استادان حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے ان میں سے حاکم نے مستدرک میں۔ اور بیہقی نے مدخل میں اس کو لکھا ہے اور متاخرین میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہے۔

(ب) "هٰذَا الْحَدِیْثُ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلَی التَّصْحِیْحِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ" (مرقاۃ الصعود شرح ابن داؤد زیر حدیث ہذا) یعنی استادان حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے جن میں سے امام حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

(ج) علامہ سیوطی اپنے رسالہ "تنبیہ" میں لکھتے ہیں "اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَّتِهٖ" کہ تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔

(د) حجج الکرامہ ص۱۵۱ پر لکھا ہے۔ چنانچہ درحدیث مشہور آمدہ است۔ "اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ الخ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْحَاکِمُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ" کہ مشہور حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ

مجدد مبعوث کیا کرے گا۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور امام حاکم اور بہیقی نے معرفۃ میں ابوہریرۃ رضہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۳۱) یہ حدیث ابو داؤد میں ہے جو صحاح ستہ میں ہے

ضروری نوٹ: بعض غیر احمدی دوست جب عاجز آجاتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ مجدد کے لئے دعوئی کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس صدی کا مجدد دنیا میں موجود ہو (رشید احمد گنگوہی وغیرہ) مگر اس نے دعوئی نہ کیا ہو۔ کیا کسی پہلے مجدد نے بھی دعوئے مجددیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

(۱) تمام گذشتہ مجددین کی جملہ تحریرات ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ تاکہ ہم ہر ایک کا دعوئی ان کی اپنی زبانی دکھا سکیں۔

ہاں جن مجددین کی بعض تحریرات محفوظ ہیں۔ ان میں سے تین کا دعوئی درج کیا جاتا ہے۔

(الف) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں " صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِیْنَ فِیْ عُلُوْمِہٖ وَمَعَارِفِہٖ...... وبدانکہ بر سر مائۃ مجددی گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان مائۃ والف فرق است۔ در مجددین اینہا نیز ہمانقدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں۔" (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۱۴ و ۱۵ مکتوب چہارم)

(ب) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ قَدْ اَلْبَسَنِیَ اللّٰہُ

جُلْعَةُ الْمُجَدِّدِ دِیَّۃٌ (تفہیمات الٰہیہ)

۱۳۱

(ج) حضرت امام جلال الدین سیوطی رح: " اَنِّی الْمُجَدِّدُ " (حجج الکرامہ)

(۴) اگر فرض بھی کر دیا جائے۔ کہ عام طور پہ دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری تھا کیونکہ بقول شما "جھوٹا مجدد" (نعوذ باللہ) میدان میں کھڑا ہو کر للکار رہا تھا " ہائے بے قوم نہیں سوچتی۔ کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا۔ تو کیوں عین صدی کے سر پہ اس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور فلاں سچا آدمی ہے" (ضمیمہ اربعین ۳و۴ ص۲)

(ب) "افسوس ان لوگوں کی حالتوں پہ۔ ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی۔ اور صدی پر بھی سترہ برس گذر گئے۔ مگر ان کا مجدد اب تک کسی غار میں چھپا بیٹھا ہے" (اربعین ۲ ص۱۳)

پس اگر اس وقت کوئی "سچا مجدد" بھی بقول شما بقید حیات موجود تھا (جس کو خدا تعالےٰ نے امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانے کے لئے مبعوث کیا ہوا تھا) تو اس کا فرض تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل دعویٰ کر کے امت محمدیہ کو گمراہی سے بچاتا۔ ان حالات میں اس کا خاموش رہنا تو "اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسٌ" کے مطابق اس کو گونگا شیطان" قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو "مثل مفقود اور گواہ موجود" کا مصداق بناتے ہوئے مضحکہ خیز طور پہ مجدد" قرار دیا جائے۔ (خادم)

فہرست مجددین امتِ محمدیہ

پہلی صدی حضرت عمر بن عبد العزیز (حجج الکرامہ صـ ۱۳۵)

دوسری صدی حضرت امام شافعی (احمد بن حنبل) (حجج الکرامہ صـ ۱۳۵)

تیسری صدی - حضرت ابو شریح وابو الحسن الشعری (حجج الکرامہ صـ ۱۳۶)

چوتھی صدی - حضرت ابو عبید اللہ نیشا پوری و قاضی ابو بکر باقلانی (ایضاً)

پانچویں صدی - حضرت امام غزالی رح (حجج الکرامہ صـ ۱۳۶)

چھٹی صدی - حضرت سید عبد القادر جیلانی رح -

ساتویں صدی حضرت امام ابن تیمیہ و حضرت خواجہ معین الدین چشتی (حجج الکرامہ صـ ۱۳۶)

آٹھویں صدی - حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی و حضرت صالح بن عمر رح (ایضاً صـ ۱۳۷)

نویں صدی - حضرت امام سیوطی (حجج الکرامہ صـ ۱۳۵)

دسویں صدی - حضرت محمد طاہر گجراتی -

گیارھویں صدی - حضرت مجدد الف ثانی سرہندی -

بارھویں صدی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (حجج الکرامہ صـ ۱۳۹)

تیرھویں صدی - حضرت سید احمد بریلوی - (حجج الکرامہ صـ ۱۳۹)

چودھویں صدی ؟

"در سر مائۃ چہار دہم - کہ وہ سال کامل آنرا باقی است اگر ظہور مہدی علیہ السلام و نزول عیسیٰ صورت گرفت - پس ایشاں مجدد و مجتہد باشند" (حجج الکرامہ صـ ۱۳۹)

کہ چودھویں صدی کے سر پر جس کو ابھی پورے دس سال باقی رہتے ہیں۔ اگر مہدی اور مسیح موعودؑ ظاہر ہو گئے تو وہ چودھویں صدی کے مجدد ہوں گے۔

(ب) "پس تواں گفت کہ دریں دہ سال کہ از مائۃ ثالث عشر باقی است ظہور کند یا بر سر صد چہار دہم" (حجج الکرامہ ص۱۳۱)

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ عین وقت (چودھویں صدی کے سر پر) ظاہر ہوئے۔ پس اگر آپ مجدد نہیں ہیں۔ تو کوئی اور مجدد بتاؤ۔ جو چودھویں صدی کے سر پر آیا ہو۔ اگر کوئی آریہ تم سے پوچھے کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے؟ تو اسے کیا جواب دو گے؟

اب تو چودھویں صدی بھی نصف سے زیادہ گزر گئی ہے سچ تو یہی ہے کہ ہے

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

پس خدا کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں آنحضرت صلعم کی صداقت پر تبر نہ چلاؤ۔ اور مخالفین اسلام کو اسلام پر مزید اعتراض کرنے کا موقعہ نہ دو۔

سولھویں دلیل۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (الصف ع پ۲۸)

اور جب عیسےٰ بن مریم نے کہا" اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جو تصدیق کرتا ہوں اس کی جو میرے سامنے ہے یعنی تورات اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اسکا نام احمد ہوگا

ان آیات میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے احمد رسول اللہ کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اور صرف اس کا نام بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بعض نہایت ضروری علامات بھی بیان فرما دی ہیں۔ اس پیشگوئی کے حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:۔ (۱) ان آیات کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ" کہ اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (الہام کا جھوٹا دعویٰ کرے) اور وہ بلایا جائے گا اسلام کی طرف۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے۔ کہ جب احمد رسول اللہ آئے گا۔ تو لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر احمد رسول اللہ (نعوذ باللہ) فی الواقع خدا کی طرف سے نہیں۔ تو اندریں صورت وہ مفتری علی اللہ ٹھہرتا ہے۔ اور مفتری علی اللہ سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اور جو ظالم ہو۔ اس کے متعلق خدا تعالےٰ کا قانون ہے۔ کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (انعام ع۲) کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے نیز اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (سورۃ نحل ع۱۵) کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے اور اپنے پاس سے جھوٹے

الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے
پس اگر احمد رسول فی الواقع اپنے دعویٰ میں سچا نہیں تو اندریں
صورت اس کو اسلامی تعلیم کی رو سے ناکام و نامراد ہو جانا چاہیئے مگر
وہ اپنے تمام دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے تمام مقاصد میں کامیاب
و کامران ہوگا۔ اور اس کی کامیابی اور کامرانی قطعی طور پہ ثابت
کر دے گی کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔ اور اسلامی تعلیم کی رو سے
وہ حق پہ اور اس کے مخالفین ناحق پہ ہیں۔ مگر باوجود اس واضح
طریق فیصلہ کے پھر بھی اس کو اس کے مخالفین اسلام کی دعوت
دیں گے۔ اور کہیں گے کہ تو دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ پس
آ اور مسلمان ہو جا۔ اس طرح وہ احمد رسول جو اسلامی تعلیم کی رو سے
مفتری علی اللہ ثابت نہیں ہوگا۔ الٹا اسلام کی طرف دعوت دیا جائیگا۔
پس پہلی نشانی جو اس احمد رسول کی بتائی گئی ہے وہ وَھُوَ یُدْعٰی
اِلَی الْاِسْلَام کے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کی طرف دعوت
دیا جائے گا۔ اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(ا) وہ احمد رسول ایسے زمانہ میں آئے گا۔ جبکہ دنیا میں اسلام
کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ پہلے سے موجود ہونگے
وہ خود بانی اسلام نہیں ہوگا۔

(ب) اس کے مخالفین اس پہ کفر کا فتویٰ لگائیں گے۔ اور خود
کو حقیقی مسلمان قرار دیں گے۔

پس مندرجہ بالا علامات صاف طور پر بتا رہی ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام احمد سے متعلق ہے۔ کیونکہ :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ اپنے آپ کو اسلام کے مدعی قرار نہیں دیتے تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانیٔ اسلام ہیں۔ آپؐ کے مخالفین نے اپنے آپ کو کبھی مسلمان قرار نہیں دیا۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم قرار دیکر حضور کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

نوٹ :- یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ "ھو یدعیٰ" میں "ھو" کی ضمیر کا مرجع خواہ "مَنْ اَظْلَمُ" اور "مِمَّنِ افْتَرٰی" کو قرار دیا جائے اور خواہ "احمد" کو قرار دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں حقیقی مرجع "احمد" ہی بنتا ہے اور کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں جس شخص کی طرف اشارہ ہے وہ وہی ہے۔ جس پر "مفتری علی اللہ" ہونے یعنی الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنے کا الزام ہے اور جس کی اس الزام سے بریت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ "احمد" رسول ہی ہے جس کے متعلق یہ اعتراض ہے کہ "قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" کہ درحقیقت یہ خدا کا رسول نہیں بلکہ جادوگر ہے۔ اور جادو کی مدد سے یہ نشانات دکھاتا ہے۔ پس "مَنْ اَظْلَمُ" میں احمد

رسول" کے منکروں کا ذکر نہیں۔ بلکہ خود احمد رسول کی بریت کیلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ تم اس احمد رسول پر مفتری ہونے کا الزام لگاتے ہو۔ حالانکہ مفتری سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوتا۔ اور خدا کی فعلی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ "ظالم" نہیں۔ کیونکہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہے۔ پس هُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ میں "هُوَ" کی ضمیر کا مرجع بہر حال "احمد رسول" ہی ہے نہ کوئی اور۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کسی نے جادوگر قرار نہیں دیا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے دشمنوں نے "جادوگر" "ساحر" رمّال اور نجومی قرار دیا۔ چنانچہ چند حوالجات درج ذیل ہیں:۔

(۱) پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اپنی سرقہ کردہ کتاب "سیف چشتیائی" میں لکھتے ہیں:۔

"تمہارے تیس ۳۰ سال کے سحروں اور شعبدہ بازیوں کو دفعۃً ہی نگل گیا" (سیف چشتیائی صفحہ ۱۰)

(۲) "معلوم ہوا کہ اب تک ساحر قادیانی کا گھر نحوستوں سے بھرا ہوا ہے" (تکذیب براہین احمدیہ مصنفہ لیکھرام جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)

(۳) "یہی ساحر قادیانی ہے" (تکذیب براہین احمدیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

(۴) مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے۔

اگرچہ یہ پیشگوئی (متعلقہ وفات احمد بیگ ۔خادم) تو پوری ہو گئی ۔مگر یہ الہام سے نہیں ۔بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی"۔

(اشاعت السنۃ بحوالہ اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

(۵) ایک مخالف مولوی پنجابی شعر میں کہتا ہے ؎

"جادوگر ہے ۔ساحر بھارا ۔مسمریزم جانے
رمل نجوم تے ہور بتیرے کسبی علم پچھانے"

(تجلی آسمانی مصنفہ مولوی فیض محمد ص ۱۲۳)

یعنی مرزا قادیانی (علیہ السلام) جادوگر اور ساحر ہیں ۔اور مسمریزم اور رمل ونجوم وغیرہ علوم خوب جانتے پہچانتے ہیں ۔

دوسری وجہ:۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ کہ لوگ چاہیں گے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں ۔مگر خدا تعالیٰ اپنے نور کو پورا کریگا۔

اس آیت میں (جو اِسْمُہٗ اَحْمَدُ والی آیت کے ساتھ ہی ملحق ہے) اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ احمد رسول کا زمانہ وہ ہوگا ۔جس میں اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کی کوشش نہیں کی جائیگی بلکہ مزعومہ دلائل کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا جائیگا گویا منہ کی پھونکیں ہونگی جو ماری جائینگی ۔سو یہ علامت بھی صاف طور پر بتاتی ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص غلام ۔احمد رسول اللہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ منہ کی پھونکوں کا زمانہ نہ تھا ۔بلکہ لوگ اسلام کو تلواروں کی طاقت سے مٹانا چاہتے تھے ۔لیکن آج دلائل مزعومہ کے زور

یعنی منہ کی پھونکوں سے اسلام کو بجھایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد سلسلہ رسوائے عالم اخبار "زمیندار" کے ٹائیٹل پیج پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت ہے:۔ "هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى" کہ وہی اللہ ہے جس نے احمد رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے۔

اس آیت کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ موعودہ غلبہ اسی کے زمانہ میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

"وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَنِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ"۔ کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے زمانہ میں تمام جھوٹے دینوں کو نیست و نابود کر کے صرف اسلام کو قائم کر لیگا + (ب) ابن جریر میں ہے:۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ...... ذَالِكَ عِنْدَ خُرُوْجِ عِيْسٰى" (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۲۷) کہ اس آیت میں جس غلبۂ اسلامی کا ذکر ہے۔ وہ مسیح موعود کی بعثت کے بعد واقع ہوگا۔

(ج) نیز لکھا ہے۔ "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قَوْلِهٖ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ قَالَ حِيْنَ خُرُوْجِ عِيْسٰى"۔
(ابن جریر جلد ۲۵ صفحہ ۵۴)

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت "لیظھرہ علی الدّین کلّہ" کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا۔ پس ثابت ہے کہ یہ آیت ساری کی ساری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی پیشگوئی ہے نہ کسی اور کی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام مثیل عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی پیشگوئی کی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے مثیل (مسیح موعودؑ) کی۔

پانچویں وجہ یہ کہ اس پیشگوئی کا قرآن مجید میں ذکر کرنے سے مقصود بخیال غیر احمدیاں صرف عیسائیوں پر اتمام حجت کرنا اور احمد رسول کی صداقت کی ایک دلیل دینا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والدین نے جو نام رکھا وہ "**احمد**" نہیں بلکہ "**محمد**" تھا۔ عیسائی تو ہرگز نہیں مانتے کہ آپ کا نام "احمد" تھا۔ کسی مدعی کا یہ کہنا کہ اللہ نے میرا نام یہ رکھا ہے۔ اس کے ماننے والوں کے لئے تو حجت ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے منکروں پر ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ اور جو پہلے ہی مانتا ہے۔ اس کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو نہیں مانتا اس کے لئے یہ دعویٰ دلیل نہیں بن سکتا پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا جائے تو یہ عیسائیوں کے لئے کوئی حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ لہذا اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ پس اس پیشگوئی کا

مصداق وہی ہے جس کے نام کا ضروری حصہ "احمد" ہے۔ صفاتی نام نہیں۔ بلکہ ذاتی نام زعَلَم)

بیشک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صفاتی نام "احمد" ہے مگر یہ آپ کا تعلق انسانوں سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ سے ہے جس کو کوئی انسان خود بخود نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ اَحْمَدْ کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کرنے والا" اور "مُحَمَّدْ" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا"۔ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خدا تعالےٰ کی سب سے زیادہ حمد اور تعریف کرنے والے ہیں۔ اس لئے آپ صفاتی طور پر "احمد" ہیں۔ اور دنیا کے ساتھ آپ کا تعلق "محمدیت" کا ہے۔ پس ایک عیسائی کے لئے آپ کی شان احمدیت کا سمجھ کر اس پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کے محمد ہیں۔ اور احمد اللہ تعالےٰ کے ہیں۔

نوٹ :۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام حضورؐ کے والدین نے یا حضور کے دادا نے بوقت پیدائش "احمد" رکھا تھا۔ مگر ان تمام روایات کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب "موضوع" روایات ہیں۔ ان میں سے اکثر "واقدی" کی ہیں۔ جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کا استاد ہونے کی وجہ سے "رئیس الوضاعین" کہلاتا ہے۔ چنانچہ ان روایات کے متعلق حضرت امام محمد شوکانی لکھتے ہیں۔ وَمِنْهَا اَحَادِيْثُ الَّتِیْ تُرْوٰی فِیْ تَسْمِيَةِ اَحْمَدَ لَا يَثْبُتُ مِنْهَا شَیْئٌ

(فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ للشوکانی صـــ۱۰۶) یعنی بعض وہ روایات ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضور کا نام احمد رکھا گیا تھا۔
لیکن ان روایات سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ خادم

پانچویں وجہ: یہ ہے کہ لفظ "محمد" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا"۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "محمد" ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی شخص آپ کا "احمد" (سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہو۔ گویا خود لفظ "محمد" میں یہ پیشگوئی ہے کہ کوئی انسان دنیا میں "احمد" ہو کر آئے گا۔ جو اس نبی عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ تعریف کرے گا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم صفاتی طور پر "احمد" مانتے ہیں۔ لیکن یہ تعلق آپ کا خدا سے ہے۔ مگر یہ پیشگوئی (اِسْمُهٗ اَحْمَدُ) عیسائیوں پر اتمام حجت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اور عیسائی اس تعلق کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا سے ہے دیکھ نہیں سکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پیشگوئی کا وہی مصداق ہو۔ جو ظاہری طور پر "احمد" ہو۔ یعنی جس کا عَلَم احمد ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام "احمد" تھا۔ "غلام۔ احمد" کے نقطہ میں لفظ "غلام" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی ناموں کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ غلام مرتضیٰ۔ غلام قادر۔ غلام مجتبیٰ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے۔ کہ "عَلَم" وہی ہوتا ہے جو تمیز واقع ہو۔ اور "غلام احمد" میں سے "تمیز" "احمد" ہے۔ پس وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا "عَلَم" ہے چنانچہ اس کا دوسرا زبردست ثبوت یہ ہے کہ آپ کے والد (مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) بھی آپ کا نام "احمد" ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے

دونوں بیٹوں کے نام پر جو دو گاؤں آباد کئے ان کے نام "قادر آباد" اور "احمد آباد" علی الترتیب مرزا غلام قادر اور غلام احمد علیہ السلام کے نام پر رکھے۔

غیر احمدی:۔ "فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" میں "لَمَّا" ماضی "جَاءَ" پر آیا ہے۔ اور جب ماضی پر لَمَّا داخل ہو۔ تو اس کے معنی ہمیشہ ماضی ہی کے ہوتے ہیں مستقبل کے نہیں ہو سکتے۔

احمدی:۔ یہ قاعدہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا (الملک) کہ جب وہ قیامت کو دیکھیں گے تو کافروں کے منہ خراب ہو جائیں گے۔

اس آیت میں "رَأَوْهُ" ماضی ہے۔ اور اس پر لَمَّا داخل ہوا ہے مگر یہ مستقبل (یعنی قیامت) کے متعلق ہے۔ بعینہٖ اسی طرح فَلَمَّا جَاءَهُمْ بھی مستقبل کے متعلق ہے۔

نوٹ:۔ حدیث "اَنَا بِشَارَةُ عِيْسٰى" میں جس بشارت کا ذکر ہے وہ سورت صف والی بشارت نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے درحقیقت دو نبیوں کی بشارت دی ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی۔ چنانچہ انجیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو بشارت ہے۔ وہ ان الفاظ میں ہے۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔" (یوحنا ۱۴/۳۰ نیز یوحنا ۱۶/۷-۱۴)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی بشارت کا اپنے آپ کو مصداق قرار دیا ہے۔ تفصیل مضمون آنحضرتؐ کی نسبت بائیبل وغیرہ میں

پیشگوئیاں" پاکٹ بک ہذا ص۹۹)

سترھویں دلیل:- خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف انہی پر کھولے جاتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مساس نکنند اسرار مکنونۂ قرآنی را مگر جماعۂ را کہ از لوث تعلقاتِ بشریہ پاک شدہ باشند۔ ہرگاہ نصیبِ پاکاں مساس اسرار قرآنی بود بدیگراں چہ رسد؟" (مکتوبات جلد ۳ ص۱۱ مکتوب چہارم شروع) پس قرآن مجید کے حقائق و معارف پر آگاہ ہونا صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کے علوم اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔ دنیا کا کوئی عالم میرا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ مگر مولویوں نے اپنی خاموشی سے ثابت کر دیا کہ آسمانی علوم انہی پر کھولے جاتے ہیں جو آسمان سے اپنے تعلقات وابستہ کر چکے ہوں اور یہ کہ دنیا کے مولویوں اور عالموں کا کوئی بڑے سے بڑا استاد بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شاگرد کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں علاوہ مختلف آیات کی تفسیر لکھنے کے قرآن مجید کی تفسیر کے نہایت قیمتی اصول بتائے۔ اور خود ان اصول کے مطابق آیاتِ قرآنی کی تفسیر کر کے بتا دیا کہ آسمانی علوم آسمان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ محض ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا کی گردان رٹ لینے اور عربی سیکھ لینے سے قرآن مجید نہیں آجاتا۔ اگر قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سمجھنے کا معیار محض عربی زبان کا

جاننا ہی ہوتا - تو جرجی زیدان یا اس جیسے عیسائی دہریہ اور یہودی جو عربی کے مسلّم استاد اور ادیب ہیں۔ وہ قرآن مجید کے حقائق و معارف اور معانی و مطالب کے سب سے بڑے مفسر ہوتے - مگر خدا تعالیٰ نے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ فرما کر بتا دیا کہ قرآن مجید کے علوم کو وہی مس کر سکتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوں۔ گویا جتنی جتنی طہارت و پاکیزگی زیادہ ہوگی - اتنا اتنا علوم قرآنی کا دروازہ کھلتا چلا جائیگا -

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے علوم قرآنی کے مقابلہ میں تمام دنیا کے علماء و فضلاء و فصحاء و بلغا کا صاف طور پر عاجز آجانا آپ کے صادق اور راستباز ہونے پر ناقابل تردید گواہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" پھر ایک اور پیشگوئی نشان الٰہی ہے - جو براہین کے صفحہ ۲۳۸ میں درج ہے اور وہ یہ ہے - (اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا - سو اس وعدہ کو اس طور سے پورا کیا - کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارف قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے - اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر میں لکھوں اور ایک کوئی اور مخالف لکھے تو وہ نہایت ذلیل ہوگا - اور مقابلہ نہیں کر سکیگا - اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رخ نہیں کیا - پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے - مگر ان کے لئے جو انصاف اور ایمان رکھتے ہیں " (ضمیمہ انجام آتھم صٓ)

"جب میری طرف سے متواتر دنیا میں اشتہارات شائع ہوئے کہ خداتعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے کہ میں فصیح بلیغ عربی میں قرآن شریف کی کسی سورت کی تفسیر لکھ سکتا ہوں۔ اور مجھے خداتعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل اور بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکیگا"

(نزول المسیح صفحہ ۵۳)

"اب کس قدر ظلم ہے کہ اس قدر نشانوں کو دیکھ کر پھر کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ اور مولویوں کے لئے تو خود ان کی بے علمی کا نشان ہی کافی تھا۔ کیونکہ ہزارہا روپے کے انعامی اشتہار دیئے گئے کہ اگر وہ بالمقابل بیٹھ کر کسی سورۃ قرآنی کی تفسیر عربی فصیح بلیغ میں میرے مقابل پر لکھ سکیں۔ تو وہ انعام پائیں۔ مگر وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ تو کیا یہ نشان نہیں تھا کہ خدا نے ان کی ساری علمی طاقت سلب کر دی۔ باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں تھے۔ تب بھی کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ سیدھی نیت سے میرے مقابل پر آوے۔ اور دیکھے کہ خداتعالیٰ اس مقابلہ میں کس کی تائید کرتا ہے"۔ (نزول المسیح صفحہ ۳۰)

"نشان کے طور پر قرآن اور زبانِ قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ معارف عالیہ فرقانِ حمید بطور خارق عادت مجھ کو سکھلائے گئے۔ جن میں دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ زبانِ قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت مجھے دی گئی کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کر کے بھی اس میں میرا مقابلہ

کرنا چاہیں۔ تو ناکام اور نامراد رہینگے۔ اور وہ دیکھ لینگے کہ جو حلاوت اور بلاغت اور فصاحتِ لسانِ عربی معہ التزامِ حقائق و معارف و نکات میرے کلام میں ہے۔ وہ ان کو اور ان کے دوستوں اور ان کے استادوں اور ان کے بزرگوں کو ہرگز حاصل نہیں۔

اس الہام کے بعد مَیں نے قرآن شریف کے بعض مقامات اور بعض سورتوں کی تفسیریں لکھیں۔ اور نیز عربی زبان میں کئی کتابیں نہایت بلیغ و فصیح تالیف کیں۔ اور مخالفوں کو ان کے مقابلہ کے لئے بلایا۔ بلکہ بڑے بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے۔ اگر وہ مقابلہ کر سکیں۔ اور ان میں جو نامی آدمی تھے۔ جیسا کہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ابو سعید محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنۃ ان لوگوں کو بار بار اس امر کی طرف دعوت کی گئی کہ اگر کچھ بھی ان کو علم قرآن میں دخل ہے۔ یا زبانِ عربی میں مہارت ہے یا مجھے میرے دعویٰ مسیحیت میں کاذب سمجھتے ہیں تو ان حقائق و معارف پُر از بلاغت کی نظیر پیش کریں۔ جو میں نے کتابوں میں اس دعویٰ کے ساتھ لکھے ہیں کہ وہ انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خدا تعالےٰ کے نشان ہیں۔ مگر وہ مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ نہ تو وہ ان حقائق و معارف کی نظیر پیش کر سکے جن کو مَیں نے بعض قرآنی آیات اور سورتوں کی تفسیر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں تحریر کیا تھا۔ اور نہ ان بلیغ و فصیح کتابوں کی طرح دو سطر بھی لکھ سکے۔ جو میں نے عربی میں تالیف کر کے شائع کی تھیں۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں صـ٤٩)

"خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ کے ذریعہ سے تین نعمتیں اپنے کامل بندہ کو عطا فرماتا

ہے۔ اوّل ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور قبولیت سے اطلاع دی جاتی ہے۔ دوم۔ اس کو خدا تعالیٰ بہت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے سوم۔ یہ کہ اس پر قرآن شریف کے بہت سے علوم حکمیہ بذریعہ الہام کھولے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس عاجز کا مکذب ہو کر پھر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ہنر مجھ میں پایا جاتا ہے۔ میں اس کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ ان تینوں باتوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرے۔ اور فریقین میں قرآن شریف کے کسی مقام کی سات آیتیں تفسیر کے لئے بالاتفاق منظور ہو کر ان کی تفسیر دونوں فریق لکھیں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۱۹ حاشیہ)

"میرے مخالف کسی سورۃ قرآنی کی بالمقابل تفسیر بنا دیں۔ یعنی روبرو ایک جگہ بیٹھ کر بطور فال قرآن شریف کھولا جائے۔ اور پہلی سات آیتیں جو نکلیں ان کی تفسیر میں بھی عربی میں لکھوں۔ اور میرا مخالف بھی لکھے۔ پھر اگر میں حقائق معارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں تو پھر بھی میں جھوٹا ہوں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۲۰)

"غرض سب کو بلند آواز سے اس بات کی طرف مدعو کیا کہ مجھے علم حقائق اور معارف قرآن دیا گیا ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے مقابل پر قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کر سکے۔ سو اس اعلان کے بعد میرے مقابل ان میں سے کوئی بھی نہ آیا"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۲۷)

"ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسین بھین وغیرہ کو بلا لیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر دو چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں"۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۴ صـ۶)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے علوم قرآن کے مقابلہ کے لئے تمام دنیا کے علماء کو للکارا۔ مگر انہوں نے اپنی خاموشی سے اس بات پر مُہر ثبت کر دی کہ خدا کا پیارا مسیح آسمانی علوم لیکر دنیا میں آیا تھا جس کے بالمقابل ان کے زمینی اور خشک علوم کی حیثیت جہالت سے بڑھ کر نہ تھی۔

اٹھارھویں دلیل - خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اگر مخالفین باوجود زبردست دلائل اور عظیم الشان نشانات کے پھر بھی خدا کے فرستادہ پر ایمان نہ لائیں تو آخری طریق فیصلہ "مباہلہ" ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین اپنے جھگڑے کو اس احکم الحاکمین خدا کی عدالت میں لے جائیں جو اپنے فیصلہ میں غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران ع)

کہ اگر یہ لوگ باوجود دلائل بیّنہ اور براہین قاطعہ کے پھر بھی نہیں مانتے۔ تو ان سے کہدے کہ آؤ! ہم دونوں فریق اپنے اہل وعیال اور جماعت کو لیکر خدا کے سامنے دعا مباہلہ کریں۔ اور جھوٹے پر لعنت اللہ کہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین نے بھی جب باوجود دلائل بیّنہ کے آپ کی مخالفت کو نہ چھوڑا۔ تو آپ نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ لیکن حق کی کچھ ایسی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہوئی کہ بجز فرار کے ان کو کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى حَتّٰى يَهْلِكُوْا كُلُّهُمْ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۹) کہ اگر وہ مباہلہ کرتے

تو ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ پس مذہبی اختلافات کے لئے آخری طریق فیصلہ "مباہلہ" ہے۔ فریقین احکم الحاکمین خدا کی عدالت سے صحیح اور سچے فیصلے کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک سال کے اندر جھوٹے کو برباد کرکے حق و باطل میں ابدی فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے بھی اپنے پیارے آقا و سردار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس سنت پر عمل کیا۔ اور جب دلائل عقلی و نقلی اور نشانات ارضی و سماوی غرضیکہ ہر طریق سے ان پر اتمام حجت ہو چکی۔ تو آپ نے ان کو آخری طریق فیصلہ (مباہلہ) کی طرف بلایا اور تحریر فرمایا۔ "سو اب اٹھو اور مباہلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم سن چکے ہو کہ میرا دعویٰ دو باتوں پر مبنی تھا۔ اوّل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر۔ دوسرے الہامات الٰہیہ پر۔ سو تم نے نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کو قبول نہ کیا۔ اور خدا کے کلام کو یوں ٹال دیا۔ جیسا کہ کوئی تنکا توڑ کر پھینک دے۔ اب میری بنا دعویٰ کا دوسرا شق باقی رہا۔ سو میں اس ذات قادر و غیور کی آپ کو قسم دیتا ہوں جس کی قسم کوئی ایماندار رد نہیں کرسکتا کہ اب اس دوسری بنا کے تصفیہ کے لئے مجھ سے مباہلہ کرو۔" (انجام آتھم ص۶۵)

"اور یوں ہو کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچے کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لیکر مباہلہ میں حاضر ہونگا۔ اور کہونگا کہ الٰہی! اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ میرا ہی افترا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔ یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہامات نہیں۔ تو آج کی تاریخ سے ایک سال گذرنے سے پہلے مجھے وفات دے۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر کہ جو موت

سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر۔ جب تک کہ موت آجائے تیری عزت ظاہر ہو۔ اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں۔ لیکن اے خدائے علیم وخبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے منہ کی باتیں ہیں۔ تو اُن مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں۔ ایک سال کے عرصہ میں نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کردے۔ کسی کو مجذوم۔ کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنوں اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں "آمین" ایسا ہی فریقِ ثانی کی جماعت میں سے ہر ایک شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو۔ جنابِ الٰہی میں یہ دعا کرے ..... اور یہ دعا فریق ثانی کر چکے۔ تو دونوں فریق کہیں آمین"۔

"اس مباہلے کے بعد اگر مَیں ایک سال کے اندر مر گیا۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جان بری کے آثار نہ پائے جائیں۔ تو لوگ میرے فتنے سے بچ جائینگے۔ اور مَیں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤنگا۔ لیکن خدا نے ایک سال تک مجھے موت اور آفاتِ بدنی سے بچا لیا اور میرے مخالفوں پر قہر اور غضب الٰہی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور ہر ایک ان میں سے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا ہو گیا۔ اور میری بددُعا نہایت چمک کے ساتھ ظاہر ہو گئی تو دنیا پر حق ظاہر ہو جائیگا۔ اور یہ روز کا جھگڑا درمیان سے اٹھ جائیگا"۔

آپ نے یہاں تک لکھا کہ :۔ "میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دُعا کا

اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے۔ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں۔ ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھونگا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور میں ان کے ہاتھ پر توبہ کرونگا۔"

(انجام آتھم ۱۸۹۶ء صـ۶۷)

یہ دعوتِ مباہلہ تحریر فرما کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالف علما کو نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں مخاطب فرمایا۔

"گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ میدان مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے"۔

(انجام آتھم صـ۶۷)

یہ وہ آخری طریق فیصلہ تھا جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ بالا پر شوکت الفاظ میں اپنے مکفر علماء کو دعوت دی۔ رسالہ "انجام آتھم" ان کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا۔ مگر ان میں سے ایک بھی میدان میں نہ آیا۔

انیسویں دلیل: - حدیث میں ہے "وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا" (مسلم باب نزول عیسیٰ) کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی اور ان پر تیز سفر نہیں کیا جائیگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود ایسے زمانہ میں آئیگا۔ جبکہ ایسی ایسی سواریاں ایجاد ہونگی کہ جن کے باعث اونٹنیاں لمبے اور جلدی کے سفروں میں متروک ہو جائیں گی۔ بار برداری یا معمولی مسافت کا کام اگر اونٹوں سے لیا جاتا رہے تو وہ خلافِ حدیث نہیں۔ کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ کسی وقت کلی طور پر سب کی سب اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں۔ حدیث

میں "فلا یسعیٰ علیہا" کے الفاظ واضح ہیں۔ اور قرآن مجید میں "العشار" کا لفظ ہے جسکے معنی حاملہ اونٹنی کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ایسی اعلیٰ سواریاں نکل آئینگی کہ ہر سفر کیلئے اونٹوں کا لابدی ہونا باقی نہ رہیگا۔ یعنی جیسا کہ زمانہ قدیم میں شدت ضرورت کے ماتحت حاملہ اونٹنیوں کو بھی کام کاج اور مشقت سے مستثنےٰ نہیں کیا جاتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں ایسا نہ ہوگا۔ نیز اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی آیت "اذا العشار عطلت" بھی زمانہ مسیح موعود کے متعلق ہے کیونکہ "لیترکن القلاص" والی حدیث صریح طور پر مسیح کے زمانہ کے متعلق ہے۔ فافھم

بیسویں دلیل:۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جماعت احمدیہ کے مشہور معاندین میں سے ہیں۔ اور عام طور پر یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے خوب واقف ہیں۔ ہم اسجگہ اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کا ادعا کس حد تک درست ہے لیکن ببانگ بلند کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے انکے اس دعویٰ کو بھی صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک روشن اور واضح نشان بنایا ہے۔ آج سے پندرہ سال قبل ۱۹۲۳ء میں جب وہ حیدرآباد دکن میں بغرض تردید احمدیت گئے ہوئے تھے۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب آف سکندرآباد نے (جو جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز فرد ہیں) ایک اشتہار انعامی دس ہزار سات صد روپیہ شائع کیا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعاوی میں سچا نہیں سمجھتے تو وہ حلف اٹھا کر اس امر کا اعلان کر دیں۔ اگر اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہ جائیں تو دس ہزار روپیہ ان کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

اور حلف اٹھانے کیوقت نقد پانچسو روپیہ بھی ان کی نذر ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شخص کو بھی جو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کے اٹھانے پر آمادہ کرے دو صد روپیہ انعام دیا جائیگا۔ آج اس اعلان کو شائع ہوئے بائیس ۲۲ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب حلف مؤکد بعذاب اٹھانے کا نام نہیں لیتے۔ اور ان کا مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے اس صاف اور سیدھے طریق فیصلہ سے پہلوتہی کرنا قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان کو دل سے اس بات کا یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کی طرف سے تھے۔ ہم ذیل میں جناب سلیم صاحب کا انعامی اشتہار نقل کر کے تمام اہل انصاف حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ حیرت انگیز مگر دانشمندانہ گریز بتاتا ہے کہ وہ عداوت کی بناء پر احمدیت کی موافقت نہیں کرتے بلکہ اس کا اصل موجب دنیا طلبی کے سوا اور کچھ نہیں جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ "إِذَا خَرَجَ هٰذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ مُبِينٌ إِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَإِنَّهُ لَا يَبْقَىٰ لَهُمْ رِيَاسَةٌ وَلَا تَمْيِيزٌ عَنِ الْعَامَّةِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ صہ ۳۷۴) کہ جب حضرت امام مہدی ظاہر ہونگے تو اس زمانہ کے مولوی خاص طور پر انکے دشمن ہونگے۔ محض اسوجہ سے کہ وہ یہ سمجھیں گے۔ کہ انپر ایمان لانے سے عوام پر اثر اور رسوخ قائم نہیں رہیگا۔

نقل اشتہار مورخہ ۱۲؍فروری ۱۹۲۳ء

"مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام"

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مورخہ ۱۰؍فروری ۱۹۲۳ء کو ایک خاص مجلس

ہیں جس میں کہ ہمارے شہر کے ایک معزز و محترم با وقار انسان یعنی عالیجناب مہاراجہ سر کرشن پرشاد بہادر بالقابہ بھی رونق افروز تھے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میرے حیدر آباد آنے کا اصل مقصود سیٹھ عبد اللہ الہ دین ہیں۔ تاکہ ان کو ہدایت ہو جائے۔ اسلئے میں اپنے ذاتی اطمینان اور تسلی کے لئے بذاتِ خود یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس سفر کی مقدم غرض یہی ہے کہ مجھ کو ہدایت ہو جائے۔ تو مولوی ثناء اللہ صاحب اس حلف کے مطابق جو میں اس اشتہار میں درج کرتا ہوں قسم کھا جائیں۔ مگر قبل اسکے کہ مولوی صاحب حلف اُٹھائیں۔ ضروری ہوگا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ صاف طور پر حیدر آباد و سکندر آباد میں شایع کر دیں کہ مَیں اس حلف کو جناب مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی اور اپنے عقاید کے درمیان حق و باطل کے تصفیہ کا فیصلہ کن معیار قرار دیتا ہوں۔ اور یہ کہ اس حلف کے بعد سال کی میعاد کے اندر دن تک مَیں اپنے اس اقرار معیار فیصلہ کن کے خلاف کوئی تحریر یا تقریر شائع نہ کرونگا۔ اور نہ بیان کرونگا۔ ہاں ویسے مولوی صاحب کو اختیار ہے کہ مرزا صاحب کی تردید بڑے زور سے کرتے رہیں۔ مگر اس حلف کے فیصلہ کن معیار ہونے سے حلف کے بعد سال بھر تک انکار نہ کریں۔ میری طرف سے یہ اقرار ہے۔ کہ اس حلف کے بعد اگر مولوی صاحب ایک سال تک صحیح و سلامت رہے یا ان پر کوئی عبرتناک و غضبناک عذاب نہ آیا تو میں اہلحدیث ہو جاؤنگا یا مولوی ثناء اللہ صاحب کے حسب خواہش مبلغ دس ہزار روپیہ مولوی صاحب

موصوف کو بطور انعام کے ادا کردونگا۔

حلف کے الفاظ یہ ہیں۔ جو مولوی ثناءاللہ صاحب جلسۂ عام میں تین مرتبہ دُہرائیں گے۔ اور ہر دفعہ خود بھی اور حاضرین بھی آمین کہینگے "میں ثناءاللہ ایڈیٹر اہلحدیث خداتعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر اس بات پر حلف کرتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تمام دعاوی و دلائل کو بغور دیکھا اور سنا اور سمجھا۔ اور اکثر تصانیف ان کی میں نے مطالعہ کیں۔ اور عبداللہ الہ دین کا چیلنج انعامی دس ہزار کا بھی پڑھا۔ مگر میں نہایت وثوق اور کامل ایمان اور یقین سے یہ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے تمام دعاوی والہامات جو چودھویں صدی کے مجدد و امام وقت و مسیح موعود ومہدی موعود و امتی نبی ہونے کے متعلق ہیں۔ وہ سراسر جھوٹ وافترا اور دھوکا وفریب اور غلط تاویلات کی بناء پر ہیں۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام وفات نہیں پائے۔ بلکہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور ہنوز اسی خاکی جسم کے ساتھ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔ اور وہی مسیح موعود ہیں اور مہدی علیہ السلام کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا۔ جب ہوگا۔ تو وہ اپنے منکروں کو تلوار سے قتل کرکے اسلام کو دنیا میں پھیلائینگے مرزا صاحب نہ مجدد وقت ہیں نہ مہدی ہیں۔ نہ مسیح موعود ہیں نہ اُمتی نبی ہیں بلکہ ان تمام دعاوی کے سبب میں ان کو مفتری اور کافر اور خارج از اسلام جانتا ہوں۔ اگر میرے یہ عقاید خداتعالیٰ کے نزدیک

جھوٹے اور قرآن شریف و صحیح احادیث کے خلاف ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی درحقیقت اپنے تمام دعاوی میں خداتعالیٰ کے نزدیک سچے ہیں، تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا جو تمام زمین و آسمان کا واحد مالک ہے اور ہر چیز کے ظاہر و باطن کا تجھے علم ہے۔ ایسی تمام قدرتیں تجھی کو حاصل ہیں۔ تو ہی قہار اور غالب و منتقم حقیقی ہے اور تو ہی علیم و خبیر و سمیع و بصیر ہے۔ اگر تیرے نزدیک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی و الہامات میں صادق ہیں۔ اور جھوٹے نہیں۔ اور میں ان کے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں ناحق پر ہوں تو مجھ پر ان کی تکذیب اور ناحق مقابلہ کی وجہ سے ایک سال کے اندر موت وارد کر۔ یا کسی ایسے غضبناک و عبرتناک عذاب میں مبتلا کر کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ تا کہ لوگوں پر صاف ظاہر ہو جائے کہ میں ناحق پر تھا اور حق و راستی کا مقابلہ کر رہا تھا جس کی پاداش میں خداتعالیٰ کی طرف سے یہ سزا مجھے ملی ہے۔ آمین آمین آمین!!!"

نوٹ:۔ اس عبارت حلف میں اگر کوئی ایسا عقیدہ درج ہو جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نہیں مانتے تو میرے نام اُنکی دستخطی تحریر آنے پر اس عقیدہ کو اس حلف سے خارج کر دُونگا۔ خاکسار عبداللہ الہ دین سکندرآباد ۱۲ فروری سنہ ۲۳ء

نقل اشتہار مورخہ ۸ مارچ سنہ ۱۹۲۳ء

مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری اور انکے ہمخیالوں پر آخری اتمام حُجت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب

قادیانی کے دعاوی والہامات کے مخالف اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں۔
اور جن کے متعلق سکندر آباد و حیدر آباد میں انہوں نے بہت سے لیکچر
دئے ہیں۔ اگر درحقیقت ان عقائد میں مولوی ثناء اللہ کے نزدیک
حضرت مرزا صاحب حق پر نہیں ہیں اور جو عقائد مولوی ثناء اللہ صاحب
بیان کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں۔ تو کیوں مولوی صاحب اپنے ان عقاید کو حلفاً
بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب خود اپنی تفسیر
ثنائی جلد اول صفحہ ۱۹۲ میں لکھتے ہیں۔ کہ گواہی نہ چھپاؤ۔ جو کوئی اس
کو چھپائے گا۔ خواہ وہ کسی غرض سے چھپاوے۔ تو جان لو۔ کہ اس کا
دل بگڑا ہوا ہے۔ یہ قرآن شریف کی آیت شریفہ کا ترجمہ ہے اور حکم
الہٰی ہے۔ کہ شہادت کو نہ چھپاؤ۔ بلکہ ظاہر کرو۔ تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب
اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے۔ یہ شہادت ایسی تھی کہ اس کے لئے
مولوی صاحب کو محض ثواب کی خاطر بھی تیار ہو جانا چاہیئے تھا۔
مگر جب انہوں نے ۶ر فروری ۱۹۲۳ء کے اشتہار میں دس ہزار روپیہ کا
مجھ سے مطالبہ کیا۔ تو وہ بھی میں نے دینا منظور کیا۔ اب میں آخری
اتمام حجت کے طور پر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں۔ کہ اگر مولوی
ثناء اللہ صاحب میرے اشتہار مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء کے
الفاظ و شرائط کے مطابق اب حلف اٹھانے کو تیار ہو جائیں۔
(ہاں اس میں سے جو عقائد وہ نہ مانتے ہوں۔ وہ ان کی دستخطی تحریر
آنے پر نکال دئے جاسکتے ہیں) تو میں ان کو فوراً مبلغ پانچسو روپیہ نقد

بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ جس کا مولوی صاحب حلف کے وقت ہی مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ایک سال تک موت یا عبرتناک غضبناک عذاب سے جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ بچ جائیں۔ تو پھر دس ہزار روپیہ ان کو نقد دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کے ہمخیالوں میں جو کوئی صاحب ان کو اس بات کے لئے آمادہ کرینگے۔ دو صد روپیہ انکو بھی انعام دیا جائیگا۔ اگر اب بھی مولوی ثناء اللہ صاحب نے میرے اشتہار مورخہ ۱۲ / فروری ۱۹۲۳ء کے مطابق حلف اٹھانے سے گریز کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں پر ہماری طرف سے ہر طرح اتمام حجت سمجھی جائیگی۔ اور آیندہ کے لئے ان کو کسی طرح کا حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ حضرت مرزا صاحب یا آپکی جماعت کے عقائد پر بیجا حملے کریں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کیلئے میں نے ابتدا سے اس لئے منتخب کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا کافی مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اور بذریعہ کئی مباحثات کے ان پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ فقط مورخہ ۱۹۔ رجب ۱۳۴۱ ہجری۔ مطابق ۸۔ مارچ ۱۹۲۳ء (خاکسار عبداللہ الہ دین احمدی)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام

جناب سیٹھ صاحب مذکور نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم اس انعامی اعلان کو پھر شائع کریں۔" یہ خاکسار ان کو وہی حلف اٹھانے کی دعوت دیتا ہے اور پھر ان کے لئے پہلے کی طرح ایک انعام پانچصد روپیہ کا اور دوسرا دس ہزار روپیہ کا مقرر کرتا ہے۔ اور ہمارے غیر احمدی بھائیوں میں سے

جو شخص بھی انکو حلف اُٹھانے کیلئے آمادہ کریگا۔ اس کیلئے بھی حسب سابق دو سو روپیہ انعام تیار ہے۔ اب بھی اگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حلف اٹھانے سے گریز کیا۔ تو اے آسمان و زمین تم گواہ رہو۔ کہ ہم نے ہر طرح سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مخالفین و منکرین پر اتمام حجت کر دی۔ اب ان کے اور خدا کے درمیان معاملہ ہے۔"

ہم اپنی بصیرت کی بناء پر کہتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اب بھی اپنی مخصوص حیلہ بازی کے ذریعے لیت و لعل کرتے رہیں گے۔ اور ہرگز حلف مؤکد بعذاب اٹھانے پر آمادہ نہیں ہونگے۔

کیا کوئی ہے۔ جو جماعت احمدیہ کی صداقت کے اس کھلے کھلے نشان سے فائدہ اُٹھائے اور خدا کے مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی بہتری کے سامان پیدا کرے۔ "اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ" سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"سنت اللہ یہی ہے کہ وہ ہزاروں نکتہ چینیوں کا ایک ہی جواب دے دیتا ہے۔ یعنی تائیدی نشانوں سے مقرب ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ تب جیسے نور کے نکلنے اور آفتاب کے طلوع ہونے سے یکلخت تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی تمام اعتراضات پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ سو میں دیکھتا ہوں۔ کہ میری طرف سے بھی خدا یہی جواب دے رہا ہے۔ اگر میں سچ مچ مفتری اور خائن اور بدکار اور دروغگو تھا۔ تو پھر میرے مقابلہ سے ان لوگوں کی جان کیوں نکلتی ہے؟ بات سہل تھی کہ کسی آسمانی نشان کے ذریعہ سے میرا

اور اپنا فیصلہ خدا پر ڈال دیتے۔ اور پھر خدا کے فعل کو بطور ایک حکم کے فعل کے
مان لیتے۔ مگر ان لوگوں کو تو اس مقابلہ کا نام سننے کے بھی موت آتی ہے۔" (اربعین ۳ صفحہ ۱۹)
نوٹ:۔ محمدیہ پاکٹ بک میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے عذر کیا ہے کہ میں کئی مرتبہ پہلے
مطبوعہ حلف کھا چکا ہوں۔ سو یاد رہے کہ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ مولوی صاحب نے آج تک
کبھی مؤکد بعذاب حلف نہیں اٹھائی جس کا ان سے مطالبہ ہے۔ نیز انکا یہ کہنا کہ میں اس
شرط پر حلف اٹھاؤنگا کہ حضرت امیر المومنین مجھے یہ بات لکھدیں محض دفع الوقتی ہے
کیونکہ مطالبہ حلف حضرت صاحب کی طرف سے نہیں جناب سیٹھ صاحب کا
ذاتی ہے۔ اور انعام بھی انہی کی طرف سے مقرر ہے۔ خادم

ضروری یادداشت

پاکٹ بک ہذا میں فردوس الاخبار "دیلمی" کے جس قدر حوالے ہیں۔ ان کا
نمبر صفحہ اُس نسخہ کے مطابق ہے جو کتب خانہ آصفیہ نظام حیدر آباد دکن میں
موجود ہے۔ اور جس کا "نمبر ۲۱۴ فن حدیث" ہے۔ اس کا ثبوت کہ حوالے درست ہیں
وُہ مصدقہ نقل ہے جس پر مہتمم صاحب کتبخانہ آصفیہ کے دستخط ہیں۔ جو
خاکسار خادم کے پاس محفوظ ہے۔ اس کی نقل مطابق اصل درج ذیل ہے:۔
"نقل عبارت فردوس الاخبار صحیح ہے۔ مقابلہ کیا گیا۔ دستخط سید
عباس حسین مہتمم کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی ۲۲ رجمادی الاول ۱۳۵۲ھ
حیدر آباد دکن"۔ اصل تحریر جو چاہے مجھ سے دیکھ سکتا ہے۔
(۲) یاد رکھنا چاہیئے کہ کتاب کا اصل نام "دیلمی" دال کے ساتھ ہے
(۳) "دیلمی" مشہور محدث گزرا ہے وفات ۵۰۹ھ علامہ ذہبی نے

تذکرۃ الحفاظ میں اس کے متعلق "هُوَ حَسَنُ الْمَعْرِفَةِ فِي الْحَدِيْثِ"
لکھا ہے۔ نیز کشف الظنون جلد ۱ ص۱۸۲ پر بھی اس کا ذکر ہے۔ اس سے
مشکوٰۃ اور سیوطی وغیرہ نے روایت لی ہے۔ خادم

یادداشت ۲:۔ میں نے "حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات" کو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ پہلا حصہ:۔ الہامات پر اعتراضات کے جوابات۔ اس حصہ میں الہامات پر تمام اعتراضات کے جوابات درج ہیں۔ اس حصہ کے آخر میں الہامات کے متعلق اعتراضات کے بھی جواب ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت صاحب کو غیر زبان میں کیوں الہامات ہوئے۔ بعض الہامات کے معنی سمجھ نہ آسکے۔ آپ کو شیطانی الہام ہوتے تھے۔ آپ کو بعض دفعہ الہام بھول کیوں جاتا تھا؟ غرضیکہ الہامات کے متعلق اصولی اعتراضات کے جوابات بھی اس حصہ اول کے آخر میں درج ہیں۔

۲۔ حصہ دوم۔ پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات۔ اس میں مندرجہ ذیل پیشگوئیوں پر بحث ہے:۔
محمدی بیگم۔ ثناء اللہ۔ عبدالحکیم۔ اپنی عمر کے متعلق۔ منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا ہونا۔ عبداللہ آتھم۔ ایمان بٹالوی۔ قادیان میں طاعون محمد حسین بٹالوی کی ذلت۔ اور نافلۃ لک والی پیشگوئی۔

۳۔ حصہ سوم حضرت صاحب کی تحریرات پر اعتراضات اور اُن کے جواب۔ اس حصہ میں تمام وہ اعتراضات درج ہیں۔ جن کا تعلق حضرت صاحبؑ کی

تحریرات کے ساتھ ہے۔ مثلاً شعر کہنا۔ تحریرات میں صحت حوالجات۔ جھوٹ کا الزام۔ براہین احمدیہ کا روپیہ یا وعدہ خلافی۔ سخت کلامی و تناقضات۔ بعض ایسے امور کا آپ کی تحریرات میں ہونا جس کو مخالفین خلافِ قدرت و عقل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً بکرے کا دودھ دینا وغیرہ۔ سو اس حصہ میں تمام ایسے اعتراضات کا جواب ہے۔ خصوصاً غلط حوالوں۔ جھوٹ اور تناقضات کے الزامات یا توہین فاطمہؓ و حسینؓ و مریمؑ۔ یا دعوٰی فضیلت بر آنحضرت صلعم وغیرہ الزامات کا جواب اسی حصہ میں ہے۔

۴۔ حصہ چہارم۔ حضرتؑ کی ذات پر اعتراضات۔ اس حصہ میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جن کا تعلق حضرتؑ کی ذات یا جسم کے ساتھ ہے۔ مثلاً آپؑ کا نام ابن مریم نہ ہونا۔ جائے نزول۔ آپؑ پر کفر کا فتوٰی لگنا۔ آنحضرتؐ کی قبر میں دفن نہ ہونا۔ بیمار ہونا۔ کسر صلیب۔ صاحب شریعت نہ ہونا۔ کسی کا شاگرد ہونا۔ حج نہ کرنا۔ الزام مراق۔ ملازمت۔ مخالفین کے لئے بددعا کرنا۔ ادویہ کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ سو ان اعتراضات پر بحث اسی حصہ چہارم میں ہے۔ اگر آپ اس تقسیم کو ذہن نشین کرلیں۔ تو آپ کو عند الضرورت حسب خواہش مضمون تلاش کرنے میں بہت آسانی رہے گی۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات

الہامات پر اعتراضات

اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ

جواب :- حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو "استعارہ" قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶ حاشیہ) لہٰذا " تَفْسِیْرُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ " درست نہیں ہے۔ (ب) عربی زبان میں یہ محاورہ اتحاد و محبت کے معنوں میں مستعمل ہے قرآن میں ہے۔" مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ " (بقرہ ع ۳۳) یعنی جو اس نہر میں سے پانی پئے گا۔ وہ مجھ سے نہیں۔ اور " فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ "۔ (ابراہیم) یعنی جو میری پیروی کریگا۔ وہ مجھ سے ہوگا۔

(ج) حدیث میں بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا:۔" اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ "۔ (مشکوٰۃ باب المناقب صفحہ ۵۶۴ و بخاری جلد ۲ کتاب الصلح باب کیف یکتب ھذا)

(۲) اشعری قبیلہ کو فرمایا:۔" ھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ "۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۰ باب قدوم الاشعریین قصہ عمان والبحرین و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ مجتبائی و بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۷ کتاب المظالم باب شرکت فی الطعام) یعنی وہ مجھ

سے ہیں اور میں اُن سے۔

(۳) حدیث میں ہے: "اَنَا مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ فَمَنْ اٰذٰی مُؤْمِنًا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ" (فردوس الاخبار دیلمی صلا باب الالف راوی حضرت عبد اللہ بن جرادؓ) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں خدائے عز وجل سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں۔ پس جو شخص کسی مومن کو ایذا دیتا ہے وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے اور جو مجھ کو ایذا دیتا ہے اس نے گویا خدا کو ایذا پہنچائی۔

(۴) مندرجہ ذیل حدیث اس سے بھی واضح ہے: "یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ السَّخِیُّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ" (دیلمی صـ ۲۹۱ سطر ۴ باب الیاء راوی حضرت انس بن مالکؓ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ سخی مجھ سے ہے اور میں سخی سے ہوں" اس حوالہ میں اللہ تعالیٰ نے "مِنْ" کا محاورہ انسانوں کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔

(۵) حدیث کی شرح میں لکھا ہے: "قَوْلُہٗ ھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ: یُرَادُ بِہِ الْاِتِّصَالُ اَیْ ھُمْ مُتَّصِلُوْنَ بِیْ" (حاشیہ بخاری جلد ۲ صـ ۶۲۹ مطبع ہاشمی میرٹھ) کہ اس سے مراد اتصال ہے۔ وہ میرے قریب ہیں۔

(۶) آنحضرت صلعم نے حلم حسن خلق اور پرہیز گاری کے متعلق فرمایا:۔ "ثَلَاثٌ مَنْ لَّمْ تَکُنْ فِیْہِ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَا مِنَ اللّٰہِ" (معجم صغیر طبرانی صـ ۱۴۶)

(۷) وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے: "بَلْ ھٰذَا کَمَا یُقَالُ مَا اَنَا مِنْ فُلَانٍ وَلَا فُلَانٌ مِنِّیْ یُرِیْدُوْنَ بِہِ الْبُعْدَ مِنْہُ وَالنَّفْرَۃَ

وَمِنْ هٰذَا قَوْلُ النَّبِیِّ صلعم: "وَلَدُ الزِّنَا لَیْسَ مِنَّا وَعَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ۔" (وفیات الاعیان جلد ا ذکر ابو تمام الطائی) کہ ابو تمام کا قول "لستُ مِن مسعود" اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے۔ اہل زبان کی مراد اس سے اس شخص سے بُعد اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ ولد الزنا ہم میں سے نہیں۔ اور یہ کہ علی رضؓ مجھ سے اور میں علی رضؓ سے ہوں۔

(۸) عربی شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی سے کہتا ہے۔ فَاِنْ کُنْتِ مِنِّیْ اَوْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ الخ۔" (حماسہ مجتبائی صٓ) کہ اگر تو مجھ سے ہے اور میری مصاحبت چاہتی ہے الخ پس اَنْتِ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کا مطلب یہ ہے کہ تجھے مجھ سے محبت ہے اور مجھے تجھ سے۔ تیرا وُہی مقصد ہے جو میرا ہے۔

(۹) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اٰیت مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (بقرہ ع ۳۳) کا ترجمہ اپنی تفسیر ثنائی میں یوں کرتے ہیں "جو شخص اس نہر سے پانی پیئے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا اور جو نہ پیئے گا۔ تو وہ میرا ہمراہی ہوگا۔" (تفسیر ثنائی جلد ا صٓ۱۹۵)

(الف) "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ"

(ب) "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ"

جواب:۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ "خداتعالیٰ بیٹوں سے

پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۸۶)

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ ایسا ہی بجائے "قُلْ یٰعِبَادَ اللّٰہِ" (یعنی کہدے کہ اے اللہ کے بندو۔ خادم) کے "قُلْ یٰعِبَادِیَ" (زمر ع۶) یعنی اے نبی! ان سے کہہ کہ اے میرے بندو" (خادم) اور یہ بھی فرمایا "فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ" پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے ۔۔۔ اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ (یعنی کہدے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ جس پر وحی ہوتی ہے۔ بیشک تمہارا ایک ہی خدا ہے اور سب خیر و خوبی قرآن میں ہے" (دافع البلاء حاشیہ ص۶ و تذکرہ ص۳۹)

(۳) قرآن میں ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ (بقرہ ع ۲۵) کہ خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ گویا خدا ہمارا

باپ نہیں ہے مگر بمنزلہ باپ ہے۔ جس طرح ایک بیٹا اپنا ایک ہی باپ مانتا ہے اور اس رنگ میں اسکی توحید کا قایل ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہے کہ اس کو "وحدہٗ لاشریک" یقین کیا جائے۔ اور جو اس رنگ میں خدا تعالےٰ کی توحید کا قایل اور اس کے لئے غیرت رکھنے والا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کو بمنزلہٗ اولاد ہوگا۔

(۳) الہام میں "اَنْتَ وَلَدِیْ" نہیں بلکہ "بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ" ہے۔ جو صریح طور پر خدا کے بیٹے کی نفی کرتا ہے۔

(۴) حدیث میں ہے:۔ "اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ" (مشکوٰۃ باب الشفقۃ مطبع نظامی صفحہ ۳۶۳ و مطبع مجتبائی صفحہ ۴۲۵) کہ تمام لوگ اللہ کا کنبہ ہیں۔ پس بہترین انسان وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لفظ "ابن اللہ" کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "اگر لفظ ابنائے بجائے محبوبان ذکر شدہ باشد چہ عجب" (الفوز الکبیر صفحہ ۸)

(۶) جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب "ازالۃ الاوہام" میں فرماتے ہیں:۔ "فرزند عبارت از عیسیٰ علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند و اہل اسلام ہمہ آنجناب را ابن اللہ یعنی عزیز و برگزیدہ خدا می شمارند" (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۲)

کہ "فرزند سے مراد عیسےٰ علیہ السلام ہیں جن کو عیسائی خدا کا حقیقی بیٹا سمجھتے ہیں۔ مگر تمام اہل اسلام حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ"

بمعنی خدا کا پیارا اور برگزیدہ مانتے ہیں۔ گویا "ابن اللہ" کے معنی خدا کا پیارا اور برگزیدہ ہوئے۔

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ

جواب :۔ "توحید" اور "تفرید" مصدر ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے "واحد جاننا" اور "یکتا جاننا" پس الہام کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا کو واحد اور یکتا جاننے کے مقام پر ہے۔ یعنی اپنے زمانہ میں سب سے بڑا موحد ہے۔ فلا اعتراض۔

(۳) حضرت مرزا صاحب نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں :۔

"تو مجھ سے ایسا ہی قرب رکھتا ہے۔ اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی "توحید اور تفرید" کو۔ (اربعین ۳ صفحہ ۲۵)

اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَ هُمْ مِنْ فَشَلٍ

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے۔

"اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقوی کا پانی۔ وفا کا پانی۔ صدق کا پانی۔ حُبُّ اللہ کا پانی جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فَشَل بُزدلی کو کہتے ہیں۔ جو شیطان سے آتی ہے۔" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵۶)

(۲) قرآن مجید میں ہے۔ "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (انبیاء ع ۳)

اس کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا ہے۔ "اِنَّهٗ لِکَثْرَةِ عَجَلِهٖ فِیْ اَحْوَالِهٖ کَاَنَّهٗ خُلِقَ مِنْهُ۔" (جلالین مجتبائی صفحہ ۲۷۰)

کہ انسان اپنی مختلف حالتوں میں بڑی جلدی سے کام لیتا ہے۔ گویا کہ

اسی سے پیدا ہوا۔ یہ نہیں کہ انسان جلدی کا بیٹا ہے۔

(۳) خدا کا پانی الہام الٰہی اور محبت الٰہی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے فرمایا ہے۔ ؎

ایک عالم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر: پھیر دے اے میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ ؎

"فَاِنْ شِئْتَ مَاءَ اللّٰہِ فَاقْصُدْ مَنَاھِلِیْ
فَیُعْطِکَ مِنْ عَیْنٍ وَّعَیْنٌ تُنَوَّرُ"

(کرامات الصادقین) اگر تو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے چشمے کی طرف آ۔ پس تجھ کو چشمہ دیا جائیگا۔ نیز وہ آنکھ بھی ملیگی جو نورانی ہوگی (نیز دیکھو درثمین عربی صفحہ ۳۳) اس جگہ بھی "خدا کے پانی" سے مراد رضاء الٰہی ہے۔ پس الہام مندرجہ عنوان میں بھی یہی مراد ہے۔

رَبُّنَا عَاج

جواب:۔ یہ لفظ "عاج" (ہاتھی دانت) نہیں بلکہ "عَاجٌّ" بہ تشدید ج ہے۔ جس کا ترجمہ "پکارنیوالا۔ آواز دینے والا ہے"۔ یہ لفظ "عج" سے مشتق ہے۔ دیکھئے لغت میں:۔ عَجَّ۔ عَجًّا وَعَجِیْجًا۔ آواز کرد۔ بانگ کرد۔ وَمِنْہُ الحدیث افضل الحج اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ یعنی برداشتن آواز بہ تلبیہ و قربان کردن ہدیہ را۔" (منتہی العرب و الفرائد الدریہ) کہ عَجَّ عَجًّا وَ عَجِیْجًا کے معنی آواز دینے اور پکارنے کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے

کہ حج میں افضل ترین آواز دینا (تلبیہ اور لبیک کہنا) اور قربانی دینا ہے۔ الہام کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف بلاتا ہے۔

اِسْمَعْ وَلَدِيْ ط

اے میرے بیٹے سُن! (البشریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۹)

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا کوئی الہام "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" ہے۔ حضرتؑ کی کسی کتاب سے یہ دکھاؤ۔ اور انعام لو۔

(ب) حضرتؑ کا الہام تو "اَسْمَعُ وَاَرٰی" ہے۔ کہ مَیں اللہ سُنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۲۳ نیز انجام آتھم صـ۵۴)

(ج) معترض نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت مرزا صاحبؑ کی تالیف یا تصنیف نہیں بلکہ بابو منظور الٰہی کی مرتبہ ہے۔ اس میں انہوں نے جلد ۱ صـ۴۹ پر حوالہ دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مکتوبات جلد ۱ صـ۲۳ سے یہ الہام نقل کیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" نہیں بلکہ "اَسْمَعُ وَاَرٰی" ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب کی مرتبہ کتاب البشریٰ میں کاتب کی غلطی سے "وَاَرٰی" کی بجائے "وَلَدِيْ" بن گیا۔ حضرت صاحبؑ کی کسی کتاب میں "وَلَدِيْ" نہیں ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب نے الفضل جلد ۹ صـ۹۹ میں اس غلطی کا اعتراف کیا ہے کہ البشریٰ جلد ۱ صـ۴۹ سطر ۱۰ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے "اَسْمَعُ وَاَرٰی" کی بجائے "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" چھپا ہے۔ اور ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔

"اَنْتَ اِسْمِیَ الْاَعْلٰی"

یعنی تُو میرا سب سے بڑا نام یعنی خدا ہے۔

جواب :- غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس کا ترجمہ کر دیا ہے

"تو میرے اسم اعلیٰ کا مظہر ہے یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ رہے گا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۸ تقطیع کلاں صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۲ء و صفحہ ۱۶۲ شائع کردہ بکڈپو)

(۲) گویا اس الہام میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے :-

" كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ " خدا نے لکھ چھوڑا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی غالب رہیں گے۔

(۳) "اِسْم" کے معنی اس الہام میں "صفت" کے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں "اِنَّ لِيْ اَسْمَاءً ... اَنَا الْمَاحِيْ کہ میرے کئی نام ہیں ... میں ماحی ہوں جس سے کفر کو مٹایا جائے گا۔ یہ آنحضرت صلعم کی صفت ہے۔ پس اس الہام میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو "اعلیٰ" یعنی سب پر غالب آنے والی ہے۔ چونکہ ہر نبی خدا کی اس صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اس صفت کا مظہر قرار دیا ہے۔

اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ

جواب :- آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ اَوْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ (بخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرًا جلد ۳ صفحہ ۵ مطبع الہیہ مصر) مسلم باب فضائل اہل بدر جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۷۷) کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر واقف ہوا۔ اور کہا کہ جو چاہو کرو۔ اب تم پر جنت واجب ہو گئی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

ثابت ہؤا کہ خدا کے مقبولوں پر ایک وُہ حالت آتی ہے جب بدی اور گناہ سے ان کو انتہائی بُعد ہو جاتا ہے۔ اور اس پر انتہائی کراہت اُن کی فطرت میں داخل کر دی جاتی ہے۔ فلا اعتراض۔

(۲) چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس الہام کی تفسیر فرمادی ہے:
"اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں کہ منہیات شرعیہ تجھے حلال ہیں۔ بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ تیری نظر میں منہیات مکروہ کئے گئے ہیں۔ اور اعمال صالحہ کی محبت تیری فطرت میں ڈالی گئی ہے۔ گویا جو خدا کی مرضی ہے وہ بندے کی مرضی بنائی گئی ہے۔ اور سب ایمانیات اس کی نظر میں بطور فطرتی تقاضا کے محبوب کی گئیں"۔ "وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ"
(براہین احمدیہ جلد۴ ص۵۶۱ حاشیہ در حاشیہ ۴ نیز تقریر حضرت۔ الحکم جلد۲ ۳۱ ص۴)

"کُنْ فَیَکُوْنُ"

جواب:۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام تو ہے مگر اسکے پہلے "قُلْ" محذوف ہے۔ جس طرح سُورۃ فاتحہ کے پہلے "قُلْ" محذوف ہے۔ یعنی یہ خدا تعالےٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی آریہ یا عیسائی کہدے۔ کہ دیکھو محمد (صلعم) تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا بھی میری عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا اس کو کہتا ہے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ"، ماھو جوابکم فھو جوابنا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ "یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہؤا۔ میری طرف سے نہیں ہے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰۲)

(۲) اگر مندرجہ بالا جواب تسلیم نہ کرو۔ تو حضرت "پیرانِ پیر" جناب سید عبدالقادر جیلانی رح کا یہ ارشاد پڑھ لو:۔

(۱) "قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ بَعْضِ کُتُبِہٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ تَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ وَ قَدْ فَعَلَ ذٰلِکَ بِکَثِیْرٍ مِّنْ اَنْبِیَائِہٖ وَ خَوَاصِّہٖ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ" (فتوح الغیب مقالہ ۱۶ و برحاشیہ قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱)

(۲) "ثُمَّ یُرَدُّ عَلَیْکَ التَّکْوِیْنُ فَتُکَوِّنُ بِالْاِذْنِ الصَّرِیْحِ الَّذِیْ لَا غُبَارَ عَلَیْہِ" (ایضاً) ہر دو عربی عبارتوں کا ترجمہ "ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب" مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور کے صفحہ ۲۴ پر یہ درج ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی آدم میں اللہ ہوں اور نہیں میرے سوا کوئی دوسرا معبود۔ میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری فرمانبرداری کر تجھے بھی ایسا ہی کر دونگا کہ جس چیز کو تو کہے گا ہو جا۔ وہ ہو جائے گی۔ اور اللہ نے بنی آدم سے کئی نبیوں اور ولیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ غرضیکہ اس کے بعد درجہ تکوین (یعنی کُنْ فَیَکُوْنُ کرنے کا خادم) عطا ہوگا۔ اور تو اپنے ہی حکم اور اذنِ صریح سے پیدا کر سکے گا۔ (ندائے غیب صفحہ ۲۶)

(۳) جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں:۔ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (بال جبرائیل)

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ

جواب:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح فرماتے ہیں:-

(۱) "ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹)

(۲) حضرت پیران پیر غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رح اولیاء اللہ اور واصل باللہ لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ جو فتوح الغیب میں درج ہے:-

"بِهِمْ ثَبَاتُ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَقَرَارُ الْمَوْتٰی وَالْأَحْيَاءِ إِذْ جَعَلَهُمْ مَلِيكُهُمْ أَوْتَادًا لِلْأَرْضِ الَّتِي دَحٰی فَكُلٌّ كَالْجَبَلِ الَّذِي رَسَا (مقالہ ۱۴ آخری سطور زیر قلائد الجواہر حاشیہ صفحہ ۲۸) ترجمہ:- انہیں ہی کی وجہ سے زمین و آسمان اور زندوں اور مُردوں کا قیام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گستردہ زمین کے لئے بطور میخ کے بنایا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کوہ وقار ہے۔ (نداۓ غیب ترجمہ از اردو فتوح الغیب صفحہ ۲۲)

(۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"بِهِمْ تَمْطُرُ السَّمَاءُ وَتُنْبِتُ الْأَرْضُ وَهُمْ شِحْنُ الْبِلَادِ وَالْعِبَادِ بِرِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنِ الْخَلْقِ" (رسالہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی کلام الشیخ عبدالقادر جیلانی مطبوعہ میمنیہ مصر جلد ۱۲ و ۱۴) یعنی انہی اولیاء اللہ ہی کی وجہ سے آسمان بارش برساتا اور زمین نباتات اگاتی ہے۔ اور وہ ملکوں

اور انسانوں کے محافظ ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے مخلوقات پر سے بلا ٹلتی ہے۔

(۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔ "ایشاں امان اہلِ عرض اند و غنیمت روز گار اند۔ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ در شانِ شان است۔" (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۹۲)

(۵) ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں:۔ ؎

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث!

مومن نہیں، جو صاحبِ "لولاک" نہیں ہے

(بالِ جبرائیل ص۵۳ سطر ۵)

پھر فرماتے ہیں:۔ ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی

مرے کلام پہ حجت ہے نکتہ "لولاک"

(بالِ جبرائیل ص۹۷ آخری سطر)

"رَأَيْتَنِيْ فِي الْمَنَامِ عَيْنَ اللّٰهِ" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴)

"میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہوں۔" (کتاب البریہ ص۷۹)

جواب:۔ یہ خواب ہے اور خواب کو ظاہر پر محمول کرنا ظلم ہے۔ (حضرت یوسفؑ کا خواب) اگر کہو۔ کہ خواب میں بھی ایسا کام نبی نہیں کر سکتا۔ جو بیداری میں ناجائز ہو۔ تو اس کے لئے مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پڑھو:۔

(ل) "رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ" (مسلم کتاب الرؤیا جلد ۲ ص۲۴۸)

(ب) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلعم قَالَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ

سِوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ ۔" (بخاری کتاب الرؤیا باب النفخ فی المنام جلد ۴ صفحہ ۱۳۲
مطبع الہیہ مصر و جلد ۳ صفحہ ۹۴) کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ
میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ بیداری
میں سونا مرد کے لئے پہننا ناجائز ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکے آگے ہی تعبیر بھی لکھی ہے۔ اس کو
کیوں حذف کرتے ہو" وَمَا نَعْنِیْ بِھٰذِہِ الْوَاقِعَۃِ کَمَا یُعْنٰی فِیْ کُتُبِ
اَصْحَابِ وَحْدَۃِ الْوُجُوْدِ وَمَا نَعْنِیْ بِذَالِکَ مَا ھُوَ مَذْھَبُ الْحُلُوْلِیِّیْنَ
بَلْ ھٰذِہِ الْوَاقِعَۃُ تُوَافِقُ حَدِیْثَ النَّبِیِّ صلعم اَعْنِیْ بِذٰلِکَ الْحَدِیْثَ
الْبُخَارِیْ فِیْ بَیَانِ مَرْتَبَۃِ قُرْبِ النَّوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶) نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۱۹۶ حاشیہ) کہ میں
اس خواب سے وحدت الوجودیوں کے مذہب کی طرح یہ معنے نہیں لیتا۔ کہ گویا
میں خود خدا ہوں۔ اور نہ حلولیوں کی طرح یہ کہتا ہوں کہ خدا مجھ میں حلول کر
آیا۔ بلکہ میرے خواب کا وہی مطلب ہے جو بخاری کی قرب نوافل والی حدیث
کا مطلب ہے۔ کہ جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے تو میں اسکے
کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں
جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بنجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ پاؤں بنجاتا ہوں
جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۸۰ مطبع الہیہ مصر)

(۳) نیز تعطیر الانام فی التعبیر المنام مؤلفہ علامہ سید عبد الغنی النابلسی مطبوعہ مصر
میں جو تعبیر خواب کی بہترین کتاب ہے لکھا ہے:" مَنْ رَأٰی فِی الْمَنَامِ کَاَنَّہٗ

صَارَ الْحَقَّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِهْتَدٰی اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ ص۹
کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ اس کو ہدایت کی منزل مقصود تک پہنچائے گا۔

زمین اور آسمان کو بنایا

جواب :- یہ بھی مندرجہ بالا کشف ہی کا حصہ ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے اسی خواب کے ضمن میں لکھا ہے کہ میں نے خواب ہی میں زمین و آسمان بنایا۔ اور اس کی تعبیر بھی حضور نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ص۵۶۶ پر اس خواب کو نقل فرما کر یہ تحریر کی ہے " اِنَّ ھٰذَا الْخَلْقَ الَّذِیْ رَاَیْتُہٗ اِشَارَۃٌ اِلٰی تَائِیْدَاتٍ سَمَاوِیَّۃٍ وَّاَرْضِیَّۃٍ۔"
کہ یہ زمین و آسمان جو میں نے خواب میں دیکھے ہیں۔ تو یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آسمانی اور زمینی تائیدات میرے ساتھ ہونگی۔

۲؎ پھر آپؑ اپنی کتاب چشمۂ مسیحی ص۳۵ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:-
" ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا ہے اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا۔ کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس کشف سے مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا۔ کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔

۳؎ پھر فرمایا " خدا نے ارادہ کیا ہے کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان

بنائے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین سے وہ پاک دل مراد ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اسکے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔" (کشتی نوح ص۱۵)

"ہر ایک روحانی مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۵)

۴۔ انہی معنوں میں یہ محاورہ کتب سابقہ انجیل میں بھی مستعمل ہوا ہے:۔

"اس وعدہ کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راستبازی بسی رہے گی۔" (۲۔ پطرس ۳/۱۳)

جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم فرماتے:۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالم نو کی تصویر
اور جب بانگ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر

(ضرب کلیم نظم بعنوان "عالم نو")

ابن مریم بننے کی حقیقت

حیض ۔ حمل ۔ دردِ زہ کی تشریح

بخاری میں آنحضرت صلعم کی حدیث ہے:۔ "مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ اِيَّاهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا۔" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران جلد ۳ ص۶۹ و جلد ۲

کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم مطبع البہیہ مصر) کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو بوقتِ ولادت شیطان مس کرتا ہے۔ اور بچہ جب اسے مس شیطان ہوتا ہے تو وہ چیختا ہے۔ چلاتا ہے مگر مریم اور ابن مریم کو مس شیطان نہیں ہوتا۔ اس پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مریم" اور" ابن مریم" ہی مس شیطان سے پاک ہیں تو پھر کیا باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضرت صلعم کو خصوصاً مسِ شیطان ہوا تھا؟ اس کا جواب علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں یہ دیا ہے:۔ "معناہ اِنّ کُلَّ مَولُودٍ یَطمَعُ الشَّیطَانُ فِی اِغوَائِہٖ اِلَّا مَریَمَ وَابنَہَا فَاِنَّہُمَا کَانَا مَعصُومَینِ وَکَذَالِکَ کُلُّ مَن کَانَ فِی صِفَتِہِمَا" (تفسیر کشاف جلد ا ص ۳۰۲) کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ سوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے۔ اور اسی طرح ہر وہ بچہ (بھی اسمیں شامل ہے) جو مریم اور ابن مریم کی صفت میں ہے۔ گویا آنحضرت صلعم کی حدیث میں "مریم" اور" ابن مریم" سے صرف دو انسان ہی مُراد نہیں۔ بلکہ دو قسم کے انسان مراد ہیں۔ گویا جو مریمی صفت میں اور ابن مریمی صفت میں مومن اور انبیاء ہوں۔ وہ سب "مریم" اور" ابن مریم" کے نام سے نبی کریم صلعم کی زبان مبارک پر یاد کئے گئے ہیں۔ ان صفات کی مزید تشریح قرآن میں ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِینَ اٰمَنُوا امرَاَتَ فِرعَونَ اِذ قَالَت رَبِّ ابنِ لِی عِندَکَ بَیتًا فِی الجَنَّۃِ وَنَجِّنِی مِن فِرعَونَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِی مِنَ القَومِ الظّٰلِمِینَ وَمَریَمَ ابنَتَ عِمرٰنَ الَّتِیٓ

أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا
وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ (پ۲۸ التحریم آخری رکوع) کہ اللہ تعالیٰ
نے مومن مردوں کی مثال فرعون کی بیوی (آسیہ) کے ساتھ دی ہے۔ جبکہ اس نے
دُعا کی۔ کہ اے میرے رب! میرے لئے جنّت میں گھر بنا۔ اور مجھ کو فرعون اور
اسکے عمل سے نجات دے۔ اور ان ظالموں کی قوم سے مجھ کو رہائی بخش۔ اور
(خدا نے مثال دی ہے مومن مردوں کی) مریم بنت عمران کے ساتھ جس نے
اپنی شرمگاہ کی پُوری حفاظت کی۔ پس ہم نے اسمیں اپنی رُوح پھُونکی اور وہ
خدا کے کلام اور اسکی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہوئی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی
ان آیات سے ماقبل کی ملحقہ آیات میں کافر مردوں کو دو عورتوں نوح اور
لُوط کی بیویوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے خاوند مومن تھے مگر وہ دونو
کافر تھیں۔ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ مومن دو قسم کے ہوتے
ہیں (۱) آسیہ (زوجہ فرعون) صفت۔ (۲) مریمی صفت۔ پہلے وہ جو کفر
کے غلبہ کے نیچے دب چکے ہوں۔ اور وہ اس سے نجات پانے کیلئے دست بدعا
ہوں۔ اور دُوسرے وہ جن پر روزِ اوّل سے ہی بدی غلبہ نہ پا سکی۔ آلَّتِيْ
أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یہ دُوسری قسم کا مومن قرآنی اصطلاح میں "مریم" کہلاتا
ہے۔ پھر وُہ اس مریمی حالت سے ترقی کر کے (فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا)
کے مطابق "ابن مریم" کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ مقام مریمی صدیقیت
ہے اور مقامِ "ابن مریم" مقامِ نبوت۔ گویا ہر نبی پر دو زمانے آتے ہیں۔
پہلے وہ مقام مریمی میں ہوتا ہے۔ یعنی پیدائش ہی سے بدی سے پاک ہوتا ہے
اور اسی حالت کے متعلق قرآن مجید نے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ

میں اشارہ کیا ہے سا سکے بعد اس مریمی حالت سے ترقی کر کے نبوت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور اِن دونوں حالتوں میں وہ مسِّ شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں بخاری کی مندرجہ عنوان حدیث کے۔ سورہ تحریم کی آیات سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہؓ اپنے احصان کے انتہائی مقام پر پہنچکر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو خدا کے نبی تھے، پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک مومن مرد بھی پہلے مریمی حالت میں ہوتا ہے۔ اور پھر ایک رُوحانی اور مجازی حمل سے گزرتا ہوا مجازی "ابن مریم" کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ مومن مرد مجاز اور استعارہ کے رنگ میں "مریم" ہوتا ہے! ور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں حمل سے گزرتا ہے! ور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں "ابن مریم" کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام کافروں اور مومنوں کو چار عورتوں ہی سے تشبیہ دی ہے۔ مرد عورتیں تو نہیں ہاں استعارہ اور مجاز کے رنگ میں انکو عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی نکتہ معرفت کیطرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں اشارہ فرمایا ہے ؎

مُدتے بودم برنگِ مریمی | دست نا دادہ بہ پیرانِ زمی
بعد ازاں آں قادر و ربِ مجید | روحِ عیسیٰ اندراں مریم دمید
پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں | زاد زاں مریم مسیح ایں زماں

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۶)

پھر فرمایا: "یعنی وُہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائیگا۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۷) اس موقعہ پر کشتی نوح کی اصل عبارت سیاق سباق کے ساتھ پڑھنی چاہیئے۔

رُوحانی حمل

رُوحانی اور معنوی حمل کیلئے مندرجہ ذیل حوالے یاد رکھنے چاہئیں :
" اَلْخَوْفُ ذَكَرٌ وَالرَّجَاءُ اُنْثٰى مِنْهُمَا يَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْاِيْمَانِ "
(دیکھو شرح التعرف ص۵۵) مشہور صوفی حضرت سہل رض فرماتے ہیں کہ خوف مذکر اور اُمید مونث ہے اور ان دونوں کے ملنے سے حقایق ایمان پیدا ہوتے ہیں
(۲) اسی طرح سے امام الطائفہ الشیخ سہروردی فرماتے ہیں۔ يَصِيْرُ الْمُرِيْدُ جُزْءَ الشَّيْخِ كَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِي الْوِلَادَةِ الطَّبْعِيَّةِ وَتَصِيْرُ هٰذِهٖ الْوِلَادَةُ اٰنِفًا وِلَادَةً مَعْنَوِيَّةً " (عوارف المعارف جلد ۱ ص۴۵) کہ مُرید اپنے پیر کے جسم کا حصہ بنجاتا ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادتِ طبعی میں۔ مُرید کا اپنے پیر سے پیدا ہونا (اصل اور حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے)
(۳) قرآن مجید میں " حمل " کا لفظ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی ہے۔ " وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ " (مریم ع ۴) پھر مومنوں کے متعلق بھی آیا ہے۔ " لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا " یہاں " حمل " اٹھانے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ پس محض لفظ " حمل " پر مذاق اُڑانا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعود نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ " استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ " (کشتی نوح ص۴۷) اور " حمل " کے لفظ سے حقیقی اور عام معنی مُراد نہیں لئے گئے۔ بلکہ " حاملِ صفاتِ عیسوی " مراد لیا ہے۔ " مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہونا " (کشتی نوح ص۴۷) تو پھر اس پر بے وجہ مذاق اُڑانا شرافت سے بعید ہے۔

حیض

مندرجہ ذیل حوالے پڑھو:۔ "كَمَا اَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِيْضًا فِي الظَّاهِرِ وَ هُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِيْمَانِهِنَّ لِمَنْعِهِنَّ عَنِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ فَكَذَالِكَ لِلرِّجَالِ مَحِيْضٌ فِي الْبَاطِنِ وَهُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِيْمَانِهِمْ لِمَنْعِهِمْ عَنْ حَقِيْقَةِ الصَّلٰوةِ" (روح البیان جلد ا صـ۲۳۶) کہ جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو اُن کے ایمان میں نقص کا موجب ہوتا ہے ان کو نماز اور روزہ سے روک کر۔ اسی طرح سے مردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے اور وہ اُن کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔ ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنیکے سبب۔ گویا وہ شخص جو حقیقت نماز سے بے بہرہ ہو۔ صوفیا کی اصطلاح میں کہینگے کہ اُسے حیض ہے۔

(۲) جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے ایسا ہی ارادت کے رستہ میں مریدوں کو حیض آتا ہے اور مریدوں کے رستہ میں جو حیض آتا ہے تو وہ گفتار کے رستہ سے آتا ہے۔ اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا (انوار الازکیا۔ ترجمہ اردو تذکرۃ اولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطار مطبع مجیدی کانپور صـ۴۵۰ در ذکر ابو بکر واسطی ؒ)

نوٹ:۔ غیر احمدیوں نے اب جو نیا ترجمہ تذکرۃ الاولیاء کا شائع کیا ہے۔ اس میں سے یہ عبارت نکال دی ہے۔ مگر ۱۹۲۸ء سے پہلے چھپے ہوئے سب ترجموں میں یہ عبارت موجود ہے۔ گویا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی مماثلت کو پورا کیا ہے۔ خادم

(۳) بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ کیا کسی نبی نے بھی حیض کا لفظ مردوں کی

طرف منسوب کیا ہے؟ تو اسکے جواب میں مندرجہ ذیل حدیث یاد رکھنی چاہیئے
حدیث میں ہے۔ اَلْکِذْبُ حَیْضُ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ طَھَارَتُہٗ
(دیلمی ص۱۶۱ سطر ۷، الراوی حضرت سلمانؓ) یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جھوٹ
مرد کا حیض اور استغفار اسکی طہارت ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے الہام کا مطلب صرف یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی اور بدی میں مبتلا
دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی اور گندگی نہیں۔
(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں نہیں لکھا کہ مجھے "حیض" آیا۔ بلکہ آپؑ نے تو
اسکی نفی کی ہے۔ (۵) حضورؑ نے لفظ "حیض" کی نفی کرتے ہوئے ساتھ ہی اسکا
مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ "یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی
ناپاکی۔ پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں" (اربعین ۴ ص۱۹) گویا یہاں
عورتوں والا حیض مراد نہیں بلکہ "مردوں والا حیض" مراد ہے۔ جیساکہ حوالہ
۱ اور ۲ و ۳ میں صوفیاء کرام کی تحریرات اور حدیث سے دکھایا جا چکا ہے۔

دردِ زہ

اسی طرح دردِ زہ کا محاورہ ہے۔ جو "تکلیف" اور "مصیبت" کے معنوں
میں ہزارہا سال سے مردوں کے متعلق بھی بولا جاتا رہا ہے۔
(۱) خود حضرت صاحب نے اسکی تشریح فرمائی ہے۔ "مخاض" دردِ زہ سے
مراد اس جگہ وہ امور ہیں۔ جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ با محاورہ
ترجمہ یہ ہے۔ "درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا"
(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۳ حاشیہ) نیز دیکھو کشتی نوح حاشیہ ص۴۷

(۲) انجیل میں ہے "کیونکہ ہم کو معلوم ہے۔ کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی اور دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے" (رومیوں ۸/۲۲)

(۳) تورات میں ہے خدا کہتا ہے "میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا ہے۔ اور اپنے کو روکتا رہا۔ مگر اب میں اس عورت کی طرح جس کو دردِ زہ ہو چلاؤں گا۔ اور ہانپوں گا۔ اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا" (یسعیاہ ۴۲/۱۴) (تفصیل دیکھو صداقت پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب ص۱۵۲) موجودہ انجیل و تورات خدا کا کلام ہوں یا نہ ہوں۔ مگر محاورہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ پہلی کتابوں میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے خصوصاً جبکہ حضرت نے خود ہی تشریح فرما دی ہے۔

کشفِ سُرخی کے چھینٹے

جواب:۔ خواب میں خدا تعالیٰ کو انسانی صورت میں دیکھنا جائز ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍّ اَمْرَدَ قَطَطٍ لَہٗ وَفْرَۃٌ مِّنْ شَعْرٍ وَّفِیْ رِجْلَیْہِ نَعْلَانِ مِنْ ذَھَبٍ" (الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۷ طبرانی و موضوعات کبیر ص۸۶) کہ میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان بے ریش لڑکے کی صورت میں دیکھا۔ اس کے لمبے لمبے گھنے بال ہیں۔ اور اس کے دونو پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مُلّا علی قاری جیسے جلیل القدر محدث نے اسے درج کر کے اس کی تائید میں یہ قول نقل کیا ہے "حسن حدیث ابن عباسؓ لا ینکرہ الا معتزلی" (موضوعات کبیر ص۸۶) کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور اس سے سوائے معتزلی کے اور

کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس حدیث کے معنی ملا علی قاری نے کئے ہیں "اِنْ حُمِلَ عَلَی الْمَنَامِ فَلَا اِشْکَالَ فِی الْمَقَامِ" (موضوعات کبیر ص۴۶)

نوٹ:۔ موضوعات کے بعض ایڈیشنوں میں یہ حدیث اور اس کے متعلقہ حوالجات صفحہ ۳۹ پر ملتے ہیں۔ یعنی اگر اس واقعہ کو خواب پر محمول کیا جائے تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی (بات صاف ہو جاتی ہے)

(۲) حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیران پیر" فرماتے ہیں :۔ "رَاَیْتُ رَبَّ الْعِزَّۃِ فِی الْمَنَامِ عَلٰی صُوْرَۃِ اُمِّیْ" (بحر المعانی ص۶۲) یعنی میں نے خدا کو اپنی والدہ کی صورت میں دیکھا۔

(۳) جناب مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتوی بانی دیوبند) نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا کہ گویا میں اللہ جلشانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی۔ کہ تم کو اللہ تعالےٰ علم عطا فرمائے گا۔ اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہو گی" (سوانح عمری مولوی قاسم صاحب مؤلفہ مولوی محمد یعقوب نانوتوی ص۳۰)

(۴) پھر لکھا ہے "اِنَّکَ تَرَی فِی الْمَنَامِ وَاجِبَ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ لَا یَقْبَلُ الصُّوَرَ فِیْ صُوْرَۃٍ یَقُوْلُ لَکَ مُعَبِّرُ الْمَنَامِ صَحِیْحٌ مَا رَاَیْتَ وَلٰکِنْ تَاوِیْلُہٗ کَذَا وَکَذَا" (الیواقیت والجواہر جلد ا ص۱۶۳) تم واجب الوجود خدا تعالےٰ کو جو کسی صورت میں بھی مقید نہیں ہوتا خواب میں دیکھو۔ تو تعبیر بتانے والا تم سے کہے گا۔ کہ جو کچھ تم نے دیکھا صحیح ہے۔ لیکن اس کی تعبیر یہ ہے

(۵) خواب کا واقعہ متمثل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے دیکھو مندرجہ ذیل عبارات:۔

(۱) تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۰ پر حضرت حسن بصری کے حالات میں ایک واقعہ درج ہے۔ کہ آپ کا ہمسایہ شمعون نامی آتش پرست تھا۔ حضرت حسنؓ نے سنا کہ وہ سخت بیمار اور قریب المرگ ہے۔ آپ نے اسے تبلیغ کی۔ اور وہ اس شرط پر مسلمان ہوا۔ کہ حضرت حسنؓ اسے جنت کا پروانہ لکھ دیں اس پر اپنے اور بزرگان بصرہ کے دستخط ثبت کر کے شمعون کی قبر میں (جب وہ مرجائے تو) اس کے ہاتھ میں دیدیں۔ تاکہ اگلے جہان میں گواہ رہے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے ایسا ہی کیا۔ مگر بعد میں خیال آیا کہ میں نے یہ کیا کیا؟ اس کو جنت کا پروانہ کیونکر لکھ دیا۔ لکھا ہے۔ وہ اسی خیال میں سو گئے۔ شمعون کو دیکھا۔ کہ شمع کی طرح تاج سر پر اور مکلف لباس بدن میں پہنے ہوئے بہشت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے۔ .... اس نے حضرت حسنؓ سے کہا "حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے محل میں اتارا ہے۔ اور اپنے کرم سے اپنا دیدار دکھایا ..... اب آپ کے ذمہ کچھ بوجھ نہیں رہا۔ اور آپ سبکدوش ہو گئے۔ لیجئے یہ اپنا اقرار نامہ۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ جب حضرت حسنؓ خواب سے بیدار ہوئے۔ تو خط کو اپنے ہاتھ میں دیکھا۔"

(انوار الاذکیا ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۴ ذکر الحسن بصری)

(۲) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الْجَلَاءِ دَخَلْتُ مَدِیْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِیْ فَاقَةٌ فَتَقَدَّمْتُ اِلٰی قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ وَعَلٰی صَاحِبَیْهِ ثُمَّ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِیْ فَاقَةٌ وَاَنَا ضَیْفُكَ ثُمَّ تَنَحَّیْتُ وَنِمْتُ دُوْنَ الْقَبْرِ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صلعم جَاءَ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَدَفَعَ اِلَیَّ رَغِیْفًا فَاَكَلْتُ بَعْضَهٗ وَانْتَبَهْتُ وَفِیْ

يَدِي بَعْضُ الرَّغِيفِ " (منتخب الكلام فى تعبير الاحلام مؤلفه ابن سيرين
وقشيريه مصرى صلا ۱)

اس عبارت کا ترجمہ شیخ فرید الدین عطار کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"حضرت عبد اللہ بن جلاء فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ مدینۃ النبی میں گیا۔ اور مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آنحضرت صلعم کی قبر مبارک پر میں گیا۔ اور حضورؐ اور حضورؐ کے دونوں ساتھیوں کو السلام علیکم کہا۔ اور عرض کیا۔ کہ حضرت میں بھوکا ہوں۔ اور آپ ہی کا مہمان ہوں۔ یہ کہہ کر میں قبر سے پرے ہٹ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلعم میری طرف تشریف لائے ہیں۔ میں (بغرض تعظیم) کھڑا ہو گیا آنحضرتؐ نے مجھے ایک نان دیا۔ میں نے اس میں سے آدھا کھا لیا۔ جب بیدار ہوا۔ تو نان کا باقی حصہ میرے ہاتھ میں تھا"

(تذکرۃ الاولیاء ذکر عبد اللہ بن جلاء ص۱۹۴ مصنفہ شیخ فرید الدین عطارؒ)

(۷) حضرت اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم درمنام دیدند وآنجناب سہ خرما بدست مبارک خود ایشاں را خورانیدند... و بعد ازانکہ بیدار شدند۔ درنفس خود ذائقہ ازاں رو بائے حقہ ظاہر و باہر یافتند" (صراط مستقیم مجتبائی ص۱۷۵) کہ آنحضرت صلعم نے خواب میں دیکھا۔ کہ آپ تین کھجوریں ایک ایک کر کے کھا رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے.... تو واقعی منہ میں ذائقہ موجود تھا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف سے مندرجہ ذیل باتیں مدنظر تھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے قلم کے ساتھ زیادہ سیاہی

لگا کر اس کو چھڑکا:-

(۱) خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔ اور آریوں کا عقیدہ غلط ہے۔ کہ خدا نیست سے ہست نہیں کر سکتا۔ بلکہ مادہ ہی سے کوئی چیز بنا سکتا ہے۔

(۲) سرخی کے چھینٹے لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی کے طور پر تھے۔

(۳) دستخط کرانے سے مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے لیکھرام کے قتل کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۹۔ حدیث میں ہے: خَلَقَ اللّٰہُ ثَلَاثَۃَ اَشْیَاءَ بِیَدِہٖ خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَکَتَبَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ وَغَرَسَ الْفِرْدَوْسَ بِیَدِہٖ (دیلمی ص۱۰۰)

کہ خدا تعالیٰ نے تین چیزیں خاص اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے بویا۔

اب تم جس قدر اعتراض سرخی کے چھینٹوں والے کشف پر کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کاغذ پر لکھا بھی کرتا ہے؟ وہ کاغذ کس کارخانے کا بنا ہوا تھا؟ سیاہی کس کارخانے کی تھی؟ قلم کیسا تھا؟ وغیرہ وغیرہ یہ سب اعتراضات کَتَبَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ پر بھی پڑ سکتے ہیں۔ فَمَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔

(۱۰) عبداللہ سنوری رضؓ نے جو موقع کا گواہ تھا حلفی بیان دیا کہ اس وقت کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ سرخی کہیں سے آ سکتی۔ بلکہ میں نے خود سیاہی حضرت کے کرتے پر گرتی دیکھی (الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء جلد ۴ ص۲۴)

کَأَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

جواب (۱): حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے خدا تعالیٰ کا جلال اور حق کا ظہور مراد لیا ہے (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۸)

"یَظْھَرُ بِظُھُوْرِہٖ جَلَالُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (نیز حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵) جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا۔"

(۲) حدیث میں ہے:۔ "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء والصلوٰۃ من آخر اللیل جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ مطبع الہیہ مصر (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۱۰۹) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ ہمارا رب ہر رات پہلے آسمان پر اترتا ہے۔ کیا معنی؟ لکھا ہے:۔

"اَلنُّزُوْلُ وَالْھُبُوْطُ وَالصُّعُوْدُ وَالْحَرَکَاتُ مِنَ الصِّفَاتِ الْاَجْسَامِ وَاللّٰہُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنْہُ وَالْمُرَادُ نُزُوْلُ الرَّحْمَۃِ وَقُرْبُہٗ تَعَالٰی" (حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۱۰۹) کہ نازل ہونا۔ اترنا۔ چڑھنا اور حرکات یہ تو جسم کی صفتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ اللہ کے نازل ہونے سے مراد اس کی رحمت کا نازل ہونا اور قرب کا حاصل ہونا ہے

(۳) مؤطا امام مالک صفحہ ۸۷ کے حاشیہ باب۔ ماجاء فی ذکر اللہ میں لکھا ہے "قَوْلُہٗ یَنْزِلُ رَبُّنَا اَیْ تَنْزِلُ رَحْمَتُہٗ" کہ آنحضرت صلعم کا فرمانا۔ کہ خدا نازل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۴) تلخیص المفتاح کے صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے:۔ "وَقَدْ یُطْلَقُ الْمَجَازُ ...... بِحَذْفِ لَفْظٍ اَوْ زِیَادَۃِ لَفْظٍ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جَاءَ رَبُّکَ ...... اَیْ

اَمْرُ رَبِّکَ" یعنی بعض دفعہ مجاز میں کوئی لفظ حذف کیا جاتا ہے یا زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالےٰ کا فرمانا جَآءَ رَبُّکَ۔ کہ تیرا رب آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا حکم آیا۔ پس کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ کا مطلب بھی خدا کی رحمت۔ خدا کے فضل۔ خدا کے جلال اور اس کے حکم کا نازل ہونا ہے

یَتِمُّ اِسْمُکَ وَلَا یَتِمُّ اِسْمِیْ

تیرا نام پورا ہو جائے گا۔ مگر میرا (خدا کا) نام پورا نہ ہو گا۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس الہام کی تشریح فرمائی ہے (۱) براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۲۴۲ حاشیہ در حاشیہ میں الہام "یا احمد یَتِمُّ اِسْمُکَ وَلَا یَتِمُّ اِسْمِیْ" درج فرما کر اس کے آگے بین السطور تحریر فرماتے ہیں "اَیْ اَنْتَ فَانٍ یَنْقَطِعُ تَحْمِیْدُکَ وَلَا یَنْتَھِیْ مَحَامِدُ اللّٰہِ فَاِنَّھَا لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی" یعنی اس الہام کا مطلب یہ ہے کہ اے احمد تو فوت ہو جائیگا اور تیرے کمالات اور محامد ختم ہو جائیں گے مگر خدا کے محامد ختم نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ لاتعداد اور بے شمار ہیں۔

(۲) پھر حضرت مسیح موعود خطبہ الہامیہ صفحہ ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اِذَا اَنَارَ النَّاسَ بِنُوْرِ رَبِّہٖ اَوْ بَلَّغَ الْاَمْرَ بِقَدَرِ الْکِفَایَۃِ فَحِیْنَئِذٍ یَتِمُّ اِسْمُہٗ وَیَدْعُوْہُ رَبُّہٗ وَیُرْفَعُ رُوْحُہٗ اِلٰی نُقْطَتِہِ النَّفْسِیَّۃِ" یعنی جب انسان کامل لباس خلافت زیب تن کر لیتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اس کے رب کے ارادہ میں ہے توقف کرتا ہے۔ تا کہ مخلوق کو نور ہدایت کے ساتھ منور کرے۔ اور جب خلقت کو اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن کر چکا۔ یا امر تبلیغ کو بقدر کفایت پورا کر دیا پس اس وقت اس کا نام پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رب اس کو بلاتا ہے۔ اور اس کی روح اس کے نقطہ نفسی کی طرف اٹھائی جاتی ہے" گویا

وہ فوت ہو جاتا ہے۔

پس الہام "یتیم اسمک ولا یتم اسمی" کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو فوت ہو جائے گا۔ مگر میں (یعنی خدا) فوت نہیں ہوں گا۔ فلا اعتراض۔

اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَکَ کَمَا ھُوَ مَعِیْ

عربی غلطی ہے "ھو" کی بجائے "ھما" چاہئے۔ کیونکہ زمین و آسمان دو ہیں نہ کہ ایک۔

جواب:- یہ جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ (توبہ ع ۸) کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو خوش کیا جائے۔ آپ کے قاعدہ کے مطابق یہاں بھی یُرْضُوْہُ کی بجائے یُرْضُوْھُمَا چاہئے تھا۔

"تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا"

الجواب:- اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے تخت مراد ہیں۔ آنحضرت صلعم شامل نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ "غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جسقدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔" یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جسقدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ اور جسقدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک

بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

(۲) چنانچہ اربعین نمبر ۱ و نمبر ۲ (جو اکٹھے چھپے ہیں) اس کے صفحہ ۵ پر اور اربعین نمبر ۲ (جو علیحدہ چھپا ہے) اس کے صفحہ ۶ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "اِنِّی فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ" درج ہے۔ اس کا ترجمہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر دو ایڈیشنوں کے صفحہ ۵ پر کیا ہے۔

"اور جس قدر لوگ تیرے زمانے میں ہیں سب پر میں نے تجھے فضیلت دی" پس معلوم ہوا کہ آپ کا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا۔ تو اس سے مراد بھی امت محمدیہ ہی کے تخت ہیں۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو خدا کے فضل سے نبی اللہ ہیں اور آپ کا مقام مسیح ناصری سے بھی بلند ہے۔ مگر حضرت "پیران پیر" سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَنَا مِنْ وَرَاءِ عُقُوْلِکُمْ فَلَا تَقِیْسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا تَقِیْسُوْا اَحَدًا عَلَیَّ (فتوح الغیب مترجم فارسی صفحہ ۲۲) یعنی میں تمہاری عقلوں سے بالا ہوں۔ مجھ کو کسی دوسرے پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس کرو۔

۹۔ تَعْجَبِیْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ

عربی غلط ہے "مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ" چاہیئے تھا "عجب" کا صلہ لام نہیں آتا

جواب:۔ "عجب" کا صلہ "لام" آنا مسلّم ہے۔ مشہور عرب شاعر جعفر بن عُلبۃ الحارثی جبکہ وہ مکہ میں قید تھا کہتا ہے۔

عَجِبْتُ لِمَسْرَاھَا وَاَنّٰی تَخَلَّصَتْ

اِلَیَّ وَبَابُ السِّجْنِ دُوْنِیْ مُغْلَقٌ (حماسہ ص...)

کہ میں نے اپنی معشوقہ کے چلے آنے پر تعجب کیا کہ ایسی حالت میں کہ قید خانے کا دروازہ مقفل ہے۔ پھر وہ کس طرح میرے پاس پہنچ گئی۔ اس شعر میں عجب کا صلہ لام آیا ہے پس تمہارا اعتراض باطل

یحمدک اللہ من عرشہ

"حمد" کا لفظ سوائے خدا کے کسی پہ بولا نہیں جاتا؟

جواب:۔ "حمد" کا لفظ غیر اللہ پر بھی بولا جا سکتا ہے (۱) آنحضرت کا نام ہی محمدؐ تھا۔ (۲) ایک مرتبہ آنحضرت صلعم سے کسی شخص نے کچھ سوال کیا۔ تو حضورؐ نے تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا "اَیْنَ السَّائِلُ" کہ وہ سائل کہاں ہے۔ اس کے متعلق بخاری و مسلم میں لکھا ہے کَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ (گویا رسول اللہ صلعم نے اس شخص کی تعریف (حمد) کی۔ بخاری باب الصدقۃ علی الیتامٰی جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ مصری و مسلم باب تخوف ما یخرج من زہرۃ الدنیا جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ مصری و مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

(۳) اِفْعَلْ ھٰذَا الَّذِیْ اٰمُرُکَ بِہٖ لِاُقِیْمَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَحْمَدُکَ الْخَلَائِقُ کُلُّھُمْ وَخَالِقُھُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی" (تفسیر ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۹۲) کہ "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالے کہتا ہے یہ جو میں نے تجھے حکم دیا اس کو بجا لا۔ تا کہ میں تجھ کو قیامت کے دن مقام محمود پر کھڑا کروں تمام دنیا تیری حمد کرے گی اور خالق کون و مکاں (خدا تعالے) بھی تیری حمد کریگا۔

(۴) قرآن مجید میں ہے وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران ع ۱۹)

کر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بغیر کسی کام کرنے کے ہی تعریف کی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس متعدد مثالیں ہیں جنکو بخوفِ تطویل درج نہیں کیا گیا۔

"حجر اسود منم"

حضرت فرماتے ہیں کہ خواب میں کسی شخص نے میرے پاؤں کو بوسہ دیا میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔

جواب:۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمادی ہے:۔ "وَاِنِّیْ اَنَا الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ الَّذِیْ وُضِعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَالنَّاسُ بِمَسِّہٖ یَتَبَرَّکُوْنَ" اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں "قَالَ الْمُعَبِّرُوْنَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فِیْ عِلْمِ الرُّؤْیَا اَلْمَرْءُ الْعَالِمُ الْفَقِیْہُ الْحَکِیْمُ" الاستفتاء عربی ص۴۲،

کہ میں وہ حجر اسود ہوں جس کو خدا نے دنیا میں قبولیت دی ہے اور جس کو لوگ برکت حاصل کرنے کے لئے چھوتے ہیں۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ استادانِ فن تعبیر نے لکھا ہے۔ کہ علم رؤیا میں حجر اسود سے مراد عالم۔ فقیہہ اور حکمت والا انسان ہوتا ہے۔

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رؤیا کی تعبیر بھی فرمادی ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو فرماتے ہیں۔ "یَا عَلِیُّ اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الْکَعْبَۃِ" (فردوس الاخبار دیلمی ص۳۱۲ باب الیاء)

یعنی اے علی تو بمنزلہ کعبہ کے ہے۔

"ٹیچی ٹیچی"

سوال:۔ مرزا صاحب کا الہام ہے "ٹیچی ٹیچی"

جواب:۔ بالکل غلط ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسا کوئی الہام نہیں۔ ایک خواب ضرور ہے۔ جس میں حضور نے ایک آدمی دیکھا جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اس نے اپنا نام "ٹیچی" بتایا۔ پنجابی زبان میں ٹیچی کے معنی ہیں "وقت مقررہ پر آنے والا" پس اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ حضرت مسیح موعودؑ کی بر وقت امداد فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جو مشکلات لنگر کے اخراجات کی نسبت اس خواب کے دیکھنے سے پہلے درپیش تھیں۔ وہ اس خواب کے بعد جلد ہی دور ہو گئیں۔ پس یہ کہنا کہ مرزا صاحب کو "ٹیچی ٹیچی" الہام ہوا محض شرارت ہے۔

سوال:۔ کیا "ٹیچی ٹیچی" بھی فرشتہ ہوتا ہے؟

جواب:۔ اول تو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے حضرت نے کہیں بھی تحریر نہیں فرمایا کہ وہ "فرشتہ" تھا۔ بلکہ اسے فرشتہ نما انسان قرار دیا ہے لیکن ذرا تم یہ بتاؤ کہ۔ کیا فرشتے کانے بھی ہوا کرتے ہیں؟ بخاری میں ہے:۔ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اُرْسِلَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ فَلَمَّا جَاءَہٗ صَکَّہٗ فَرَجَعَ اِلٰی رَبِّہٖ فَقَالَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَیْنَہٗ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَہٗ یَضَعُ یَدَہٗ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَہٗ بِکُلِّ مَا غَطَّتْ بِہٖ یَدُہٗ بِکُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ اَیْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من احب الدفن فی الارض المقدسۃ جلد ۱ ص ۱۵۳)

مطبع المیمنہ مصر۔ نیز مشکوۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء ۵۰۵ (اصح المطابع)۔ اس کا ترجمہ "تجرید البخاری اردو" شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ملک الموت حضرت موسےؑ کے پاس بھیجا گیا۔ جب وہ آیا۔ تو حضرت موسےؑ نے اسے ایک طمانچہ مارا۔ جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ پس وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا۔ اور عرض کی۔ کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے اس کی آنکھ دوبارہ عنایت کی۔ اور ارشاد ہوا۔ پھر جا کر ان سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں۔ پس جسقدر بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے۔ ہر بال کے عوض میں انہیں ایک ایک سال زندگی دی جائے گی۔ حضرت موسےؑ بولے اے پروردگار! پھر کیا ہوگا! اللہ نے فرمایا پھر موت آئے گی جس پر موسےؑ علیہ السلام نے کہا تو پھر ابھی سہی" (تجرید البخاری اردو جلد ا صفحہ ۵۲) بھلا "ٹیچی" تو محض نام ہے۔ تم تو عملاً عزرائیلؑ کو بھی کانا مانتے ہو۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فرشتہ تھا بلکہ فرمایا ہے کہ "فرشتہ معلوم ہوتا تھا" (مکاشفات صفحہ ۳۸) نیز خواب میں جو اس فرشتہ نما انسان نے اپنا نام بتایا ہے وہ صرف "ٹیچی" ہے۔ مگر تم محض شرارت سے "ٹیچی ٹیچی" کہتے ہو۔ جو یہود کی مثل یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ کا مصداق بننا ہے۔

ذ عزرائیل کو طمانچہ مار کر کانا کرنے کی حدیث بخاری جلد ۲ ص ۱۵۲
کتاب بدء الخلق باب وفات موسیٰ ؑ وذکرہ بعدہٗ ۔ نیز مسلم جلد ۲ ص ۲۱۵
مطبع القاھرہ مصری کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ ؑ نیز مشکوٰۃ ص ۴۹۹
مطبع حیدری باب بدء الخلق ذکر الانبیاء فصل الاوّل میں بھی موجود ہے ۔

(۳) حضرت مسیح موعود ؑ نے اس کا ترجمہ بتایا ہے "ٹیچی پنجابی زبان میں
"وقت مقررہ" کو کہتے ہیں ۔ یعنی عین ضرورت کے وقت آنے والا"
(حقیقۃ الوحی ص ۳۳۲)

(۴) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا تو اس پر کیا اعتراض
ہے ۔ یہ تو ایک صفاتی نام ہے ۔ نبی کی اپنی زبان (پنجابی) میں گویا خدا تعالےٰ
نے الہام کیا ہے ۔ اور تم اس پر ہنستے ہو اور مذاق اڑاتے ہو ۔ اگر نبی کی اپنی
زبان میں الہام نہیں ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے ہو ۔ کہ غیر زبان میں
الہام کیوں ہوا ۔ خدا تعالےٰ نے تم کو اسی کشف کے ذریعہ سے ملزم اور
ماخوذ کیا ہے ۔ کہ تمہاری پنجابی زبان تو ایسی زبان ہے ۔ کہ غالباً اس کے
اکثر حصہ پر مذاق ہی مذاق اڑایا جا سکتا ہے ۔ اسی لئے عام طور پر خدا
تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو افصح الالسنہ (عربی) میں الہام
کیا ۔ کیونکہ ضرورت زمانہ اور ملہم کی فطرتی پاکیزگی مقتضی تھی ۔ کہ فصاحت
اور بلاغت کا معجزہ اسے دیا جاتا ۔ مگر پنجابی زبان اس کی متحمل نہ
ہو سکتی تھی ۔ اس لئے آپ کو الہامات کا اکثر حصہ عربی زبان میں ہوا ۔

(۵) باقی رہا تمہارا کہنا کہ اس نے جھوٹ بولا ۔ اور پہلے کہا میرا کوئی نام

نہیں ۔ اور بعد میں دوبارہ پوچھنے پر اپنا نام بتایا ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "ٹیچی" جیسا کہ بیان ہوا ۔ اس کا ذاتی نام (عَلَم) نہیں ۔ بلکہ صفاتی نام ہے ۔ گویا نفی ذاتی نام کی ہے ۔ اور اثبات صفاتی کا ۔ جب اس نے کہا کہ میرا کوئی نام نہیں ۔ تو اس نے اپنے ذاتی نام (یعنی عَلَم) کی نفی کی ۔ اور جب اس کو کہا گیا کہ "کچھ" تو بتاؤ ۔ تو اس نے اپنی ڈیوٹی (یعنی وقت پہ پہنچ کر مدد کرنا) کو مدنظر رکھ کر اپنا صفاتی نام بتا دیا ۔ اب اس کو جھوٹ کہنا انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے ۔ جو انبیاء کو بھی جھوٹ بولنے کا عادی قرار دیا کرتے ہیں ۔ گویا ہر بات میں ان کو جھوٹ ہی نظر آتا ہے ۔ (اس کی تفصیل آگے آئیگی)

(۶) بخاری شریف کے پہلے باب کی دوسری حدیث میں ہے "فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَۃِ الْجَرَسِ" کہ اکثر دفعہ فرشتہ وحی لے کر ٹن ٹن ٹلی کی آواز کی طرح آتا تھا ۔ یہ اب "ٹن ٹلی" کوئی فرشتہ نہیں ۔ بلکہ اس کی آمد کی کیفیت بیان کی ہے ۔ اسی طرح یہاں بھی "ٹیچی" اس کی صفت ہے ۔

(۷) ہاں فرشتوں کے نام "صفاتی" بھی ہوتے ہیں ۔ جو ان کے ذاتی نام (عَلَم) کے سوا ہوتے ہیں ۔ حدیث میں ہے "اِسْمُ جِبْرَئِیْلَ عَبْدُ اللّٰہِ وَاسْمُ مِیْکَائِیْلَ عُبَیْدُ اللّٰہِ وَاسْمُ اِسْرَافِیْلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ" (دیلمی صفحہ ۵۵ باب الالف ۔ راوی ابو امامہ رضی) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جبرائیل کا نام عبد اللہ ہے ۔ اور حضرت میکائیل کا نام عبید اللہ ۔ اور حضرت اسرافیل کا نام عبد الرحمٰن ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کے صفاتی نام بھی ہوتے ہیں ۔ جو ان کی ڈیوٹیوں کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں ۔ اب

حضرت جبرائیلؑ کا نام آنحضرت صلعم نے "عبد اللہ" بتایا ہے۔ اگر کوئی ازراہ تمسخر شرارت سے حضرت جبرائیلؑ کے متعلق یہ کہے کہ "میاں عبد اللہ" یہ وحی لایا۔ تو جو جواب تمہارا۔ سو وہی ہمارا سمجھ لو۔

"کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا!" (البشریٰ جلد ۲)

یہ مرزا صاحب کو اپنے متعلق الہام ہوا۔

جواب:۔ تم دھوکہ سے کام لیتے ہو۔ "البشریٰ" جس میں یہ الہام درج ہے۔ اس کے آگے ہی تشریح بھی موجود ہے "کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا"۔ (یعنی کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ یا شاید کمترین سے مراد کوئی شریر مخالف ہے) البشریٰ جلد ۲ صہ ۱۲) تم "لا تقربوا الصلوٰۃ" تو پڑھتے ہو۔ مگر "وانتم سکاریٰ" ہضم کر جاتے ہو۔ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ۔

"مَیں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا"

جواب:۔ "واذنتم سکاریٰ" بھی پڑھو۔ لکھا ہے "اس وحی کے بعد ایک ناپاک روح کی آواز آئی۔ "میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا"۔ (البشریٰ جلد ۲ صہ ۹۵)

گویا تمہارے جیسی ناپاک رُوح کے متعلق ہے۔ جو حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں خدا تعالےٰ کے عذاب سے بے خبر ہے۔ اور اسی حالت نیند میں ہی اپنے لئے سامان جہنم بہم پہنچا رہی ہے۔ واضح ہو کہ حضرت کا اپنے متعلق الہام ہے:۔

"خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود" (البشریٰ جلد ۲ صہ ۹۵)

(۲) اس الہام کو حضرت اقدس نے اس زلزلہ کے متعلق قرار دیا ہے جو ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں موسم بہار کے آخری دن (الوصیت ص۱۳ حاشیہ) میں آیا۔ جبکہ رات کو لوگ غفلت کی نیند سوتے تھے۔ مگر بعض بدکاروں کی بداعمالیوں کے باعث زلزلہ قیامت بنکر ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان میں سے ناپاک روحیں سوتے سوتے داخل جہنم ہوئیں (مرنے والوں میں سے کئی نیک بھی تھے۔ جیسا کہ طوفانِ نوح میں غرق ہونے والوں میں شیر خوار بچے عورتیں اور جانور بھی شامل تھے) چنانچہ حضرت اپنے اشتہار ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء متعلقہ زلزلہ مذکور میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "جب خدا تعالیٰ اس وحی کے الفاظ میرے دل پہ نازل کر چکا تو ایک روح کی آواز میرے کان میں پڑی جو ایک ناپاک روح تھی اور میں نے اس کو یہ کہتے سنا۔ "میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔ (دیکھو اشتہار ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء بعنوان "الانذار" آخری صفحہ)۔ پس اس الہام میں یہ بتایا گیا کہ وہ زلزلہ رات کو آئیگا۔ جبکہ بعض بدکار سوتے سوتے داخل جہنم ہو جائینگے۔ (تذکرہ ص۴۹۲)

"ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں"

جواب:۔ اس کی حضرت مسیح موعودؑ نے خود یہ تشریح فرمائی ہے:۔

یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں کے دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائینگے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی

فتح نصیب ہو گی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائینگے فقرہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سَلٰمًا سَلٰمًا مدینہ کی طرف (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ و تذکرہ صفحہ ۵۲۶ و الحکم جلد ۱۰ صفحہ ۲)

خاکسار پیپرمنٹ

کیا پیپرمنٹ بھی بولتا ہے؟

الجواب:۔ یہ حضرت کا کشف ہے۔ آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی جس کے لیبل پر لکھا تھا۔ "خاکسار پیپرمنٹ" جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بیماری کا جس میں آپ اُس وقت مبتلا تھے علاج پیپرمنٹ ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۸۶)

پیپرمنٹ تو نہیں بولا۔ مگر تم ذرا بخاری میں پڑھو جہاں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ننگے نہا رہے تھے کہ پتھر جس پر آپ نے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے کپڑے لیکر بھاگ گیا۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ کر سوٹیاں ماریں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اب تک اس پتھر پر حضرت موسیٰ کی سوٹیوں کے نشان موجود ہیں۔ "فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَخَرَجَ مُوسَى فِي اَثَرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اغتسل عریاناً جلد ا صفحہ ۴۲ مطبوعہ الوہبیہ مصری نیز مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۰۸ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ نہانے گئے۔ اور اپنے کپڑے اتار کر آپ نے ایک پتھر پر رکھے۔ پس وہ پتھر بھاگ گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے ننگے بھاگے۔ بھاگتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

"اے پتھر! میرے کپڑے دے جا۔ او پتھر میرے کپڑے دے جا۔ تمہارے ہاں پتھر کپڑے اٹھا کر بھاگ سکتا ہے۔ مسجد نبوی کا شہتیر اور یعفور گدھا باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے ہاں عالم کشف میں کسی شیشی پر خاکسار پیپرمنٹ" لکھا ہوا مل جاتے تو اس پر بھی اعتراض کر دیتے ہو۔ حالانکہ اسمیں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ یہ ایک کشفی نظارہ ہے۔ جس میں علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ظاہر ہے۔ کہ اس میں کوئی امر محل اعتراض نہیں۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ تمام علم طب اور علم تاثیر الادویہ الہامی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"قَدْ ثَبَتَ اَنَّ عِلْمَ الطِّبِّ وَمَنَافِعَ الْاَدْوِیَةِ وَمَضَارَّهَا اِنَّمَا عُرِفَتْ بِالْوَحْیِ"۔ (نبراس ص۲۷)

کہ یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ علم طب۔ ادویہ کے فوائد اور نقصانات محض وحی الٰہی سے معلوم ہوئے ہیں۔ فلا اعتراض۔

"اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ"

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تشریح فرماتے ہیں:"ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے اور یہ الفاظ اپنے اصلی معنوں کی رو سے اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ صرف ایک استعارہ ہے۔ اور اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کرونگا۔ اور کبھی کچھ مہلت دونگا۔ اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے۔ اور کبھی روزہ رکھ لیتا ہے اور اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اور اس قسم کے استعارے خدا کی کتابوں میں بہت ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے" کہ قیامت کو خدا کہیگا۔ کہ میں بیمار تھا۔ میں بھوکا تھا۔ ننگا تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷)

(۲) پھر فرماتے ہیں :۔ "میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا۔ کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کرونگا یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کرونگا۔ اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھونگا۔ یعنی امن رہیگا اور طاعون کم ہوجائیگی۔ یا بالکل نہیں رہیگی"۔

(دافع البلاء۔ صفحہ۱۰ نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۳۹۵ حاشیہ ۱ د ب)

دس وہ حدیث جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ دیا ہے مسلم میں ہے۔

" عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ ..... یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ ..... یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ"۔

(مسلم عیادۃ المریض)

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا۔ اے ابن آدم! میں بیمار تھا۔ تو نے میری تیمارداری نہ کی۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا۔ تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا... اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ مگر تو نے مجھے نہ پلایا"۔ الخ (بحوالہ ریاض الصالحین صفحہ۲۰۵ مصری) پس خدا بیمار ہو سکتا ہے۔ بھوکا پیاسا ہو سکتا ہے۔ مگر روزہ نہیں رکھ سکتا؟

"اُخْطِیْ وَاُصِیْبُ"

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے۔ "اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دونگا۔ اور کبھی ارادہ پورا کرونگا۔... جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کے قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں حالانکہ

خدا تردد سے پاک ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳ حاشیہ)

(۲) وہ حدیث جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ بخاری میں ہے۔ "وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ"۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۸۰ مصری)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے کسی چیز کے متعلق کبھی اتنا تردد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی روح قبض کرنے کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے"۔

کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

یہ حضرت مرزا صاحب کا الہام ہے مگر حضرت مرزا محمود احمد صاحب فرماتے ہیں۔ "نادان ہے وہ شخص جس نے کہا کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے اور سرکش نہیں بناتے بلکہ اور زیادہ شکرگزار اور فرمانبردار بناتے ہیں"۔ (الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۷ء)

الجواب:۔ یہ الہام تو ہے مگر حکایتاً عن الغیر خدا کا کلام ہے جس طرح قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ ءَاِنَّا لَتَارِکُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ نیز سَاحِرٌ کَذَّابٌ۔ وغیرہ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے کہ "کرمہائے تو مارا کرد گستاخ" (نعوذ باللہ) یا کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کو کہہ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں لفظ "ما" ایک جماعت کو چاہتا ہے۔ جس کا یہ قول حکایتہً نقل ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جماعت جماعتِ مومنین

نہیں" کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں بناتے"۔ پس یہ وہی لوگ ہیں
جن کے متعلق حضرت کا ایک دوسرا الہام ہے کہ شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَیْہِمْ (کہ شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا) پس یہ اہل پیغام ہیں
جنہوں نے حضرت کی مہربانیوں اور لطف وکرم کا نتیجہ گستاخی اور استخفاف سے
دیا۔ اور حضرت اور حضرت کے اہلِ بیت کے دشمن ہو گئے بمطابق الہام
"سَیَقُوْلُ الْعَدُوُّ لَسْتَ مُرْسَلًا"۔ (کہ دشمن کہیگا کہ تو رسول نہیں)
حضرت کا ایک اور شعر بھی ہے ؎

وَمِنْ عَجَبٍ اُشَرِّفُکُمْ وَاَدْعُوْا
وَمِنْکَ الْمَشْرِفِیَّۃُ وَالرِّمَاحُ

کہ تعجب ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا اور تمہیں بلاتا ہوں۔ مگر تمہاری طرف سے
تیرے اور تیر ہیں۔

"خیراتی"

مرزا صاحب کے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نام "خیراتی رام" تھا۔

الجواب:۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
ہرگز "خیراتی رام" نہیں لکھا۔ بلکہ ایک فرشتے کا بحالت رؤیا آنے کا ذکر فرمایا
ہے۔ جس نے اپنا نام "خیراتی" بتایا۔ آگے یہ تمہارا کام ہے کہ تم "لَیًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ"
والی آیت کے مطابق اپنے پاس سے الفاظ کو بگاڑ کے کچھ کا کچھ بنا دو۔ جس طرح آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن "رَاعِنَا" کو رَاعِیْنَا کرکے پکارتے تھے۔

باقی رہا فرشتے کا نام تو درحقیقت یہ لفظ "خیراتی"۔ ہندی۔ پنجابی یا اردو کا نہیں
بلکہ عربی کا لفظ ہے جو "خَیْرَاتِیْ" ہے۔ جو خَیْرٌ سے نکلا ہے۔ جس کے

معنی ہیں نیکیوں والا "ی" نسبتی ہے۔ یہ اس فرشتے کا صفاتی نام ہے۔ چنانچہ ہمارے مندرجہ بالا معنوں کی تائید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔

"اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام ان میں سے خیراتی تھا ..... تب میں نے ان فرشتوں ..... کو کہا کہ آؤ میں ایک دعا کرتا ہوں تم آمین کرو۔ تب میں نے یہ دعا کی کہ رَبِّ اَذْھِبْ عَنِّی الرِّجْسَ وَطَھِّرْنِیْ تَطْھِیْرًا اس کے بعد وہ تینوں فرشتے آسمان کی طرف اٹھ گئے۔ اور میری آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک طاقت بالا مجھ کو ارضی زندگی سے بلند تر کھینچ کرلے گئی اور وہ ایک ہی رات تھی جس میں خدا نے تمام و کمال میری اصلاح کر دی۔ اور مجھ میں وہ تبدیلی واقع ہوئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں ص ۹۴/۹۵ شائع کردہ بکڈپو ص ۱۹۲)

حضرت کا یہ رویا ۱۸۷۴ء یعنی ماموریت سے پہلے کا ہے۔

تم تو دو فرشتوں کے قائل ہو۔ جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک نیکیوں والا اور دوسرا بدیوں والا۔ پھر اعتراض کیوں؟

"جے سنگھ بہادر"

جواب:- اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے طاقتور شیر کو فتح نصیب ہو گی۔ اور "غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہونگے۔ جیسا کہ حضرت نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

اور دشمن کو بتایا گیا ہے ۔ کہ وہ ناکام رہے گا ۔ ع

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

باقی لفظ جے سنگھ پر مذاق اڑانا ایسی ہی جہالت ہے ۔ جیسے کوئی شخص خدا کے متعلق گاڈ یا پرمیشور کا لفظ سنکر اس پر مذاق اڑائے ۔

گورنر جنرل

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"مسیح جس کا دوسرا نام مہدی ہے دنیا کی بادشاہت سے ہرگز حصہ نہیں پائیگا ۔ بلکہ اس کیلئے آسمانی بادشاہت ہوگی ۔ اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے ۔ کہ مسیح حکم ہو کر آئیگا اور وہ اسلام کے تمام فرقوں پر حاکم عام ہوگا ۔ جس کا ترجمہ انگریزی میں گورنر جنرل ہے ۔ سو یہ گورنری اس کی زمین کی نہیں ہوگی بلکہ ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی طرح غربت اور خاکساری سے آوے ۔ سو ایسا ہی وہ ظاہر ہوا" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۹ و مطبوعہ بک ڈپو ص۱۵)

آریوں کا بادشاہ

جواب :۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "سید ولد آدم" یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ نہیں مانتے ۔ کیا آریہ انسان نہیں ؟ تو گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آریوں ۔ دہریوں ۔ عیسائیوں ۔ یہودیوں غرضیکہ سب کے بادشاہ ہیں

(۲) کیا کسی قوم کا بادشاہ ہونے کا مطلب یہ ہے ۔ کہ بادشاہ کا بھی وہی مذہب ہے ۔ جو رعایا کا ہو ؟ کیا جارج ششم آریوں کا بادشاہ نہیں ۔ تو کیا وہ بھی آریہ ہے ؟ اورنگ زیب کیا ہندوؤں کا بادشاہ نہ تھا ؟ تو کیا وہ بھی ہندو تھا ؟ بادشاہ کی رعایا میں مومن بھی ہوتے ہیں ۔ اور کافر بھی شریف لوگ بھی ہوتے ہیں ۔ اور بدمعاش بھی ۔

وہ سب کا بادشاہ ہوتا ہے۔ آخر انسانوں میں بدمعاش بھی تو شامل ہیں۔ پھر "اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ" جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ خدارا اعتراض کرتے وقت کبھی خدا کا خوف بھی دل میں رکھا کرو۔

اِنِّیْ بَایَعْتُكَ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ

الحکم جلد ۶ ص۸

خدا نے مرزا صاحب کی بیعت کی (نعوذ باللہ) البشریٰ میں اس کا یہی ترجمہ لکھا ہے۔ کہ "میں نے تیری بیعت کی"۔

الجواب:۔ بابو منظور الٰہی صاحب کا ترجمہ مندرجہ البشریٰ بالکل غلط ہے۔ نہ جماعت احمدیہ پر حجت ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترجمہ کے بالمقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب دافع البلاء کے ص۶ پر اس الہام کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے ۔۔۔ تو بھی اس خرید و فروخت کا اقرار کر اور کہدے۔ کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔ (نیز دیکھو تذکرہ ص۳۹۷)

(۲) اس الہام میں خدا کے ساتھ اس خرید و فروخت کا ذکر ہے۔ جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (پ۱۱ ع۳) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا نے ان کے مال اور جانیں خرید لی ہیں اور ان کے بدلہ

میں ان کو جنت دی ہے۔

"اَسۡھرُ وَ اَنَامُ"

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ سونے سے پاک ہے۔ مطلب اس الہام سے یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ سزا بھی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے متعلق بھوکا رہنے کھانے پینے کپڑا پہننے ننگا رہنے وغیرہ کے اگر استعارات استعمال ہوسکتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلم کی حدیث کے حوالہ سے "افطر و اصوم" کے جواب میں بیان کر آتے ہیں) تو سونے جاگنے کا استعارہ کیوں استعمال نہیں ہوسکتا؟ (ٹریکٹ پاکٹ بک ہذا)

اِصْبِرْ سَنَفْرُغُ یَا مِرْزَا (مکاشفات ص۲۸)

کہ مرزا صبر کر ہم ابھی فارغ ہوتے ہیں۔

جواب:۔ ہاں خدا تعالیٰ کبھی یہ بھی فرمایا کرتا ہے۔ کہ اے بندو! ابھی ہم فارغ ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے۔ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّھَا الثَّقَلٰنِ (رحمٰن ع ۲) اے دو مخلوقو! یعنی جنو! اور انسانو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے۔ فلا اعتراض

نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں لفظ "لک" نہیں ہے۔ اس لئے اس میں تہدید کا پہلو نہیں ہے۔ نیز لفظ "اِصْبِرْ" اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ کلام تسکین دہی کی غرض سے ہے۔ پس

مولوی محمد علی امیر پیغام کی کتاب بیان القرآن کا حوالہ قابل اعتنا نہیں اور نہ ہم پر حجت ہے۔

قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں

جواب:۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے۔ کہ خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ قرآن مجید میرے منہ کی باتیں ہیں الہام میں صیغہ غائب سے صیغہ متکلم کی طرف تشریحاً تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ملہم ہیں اس کی تشریح فرما دی ہے۔

سوال پیش ہوا کہ الہام الٰہی (قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں ۔خادم) میں میرے کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے؟ یعنی کس کے منہ کی باتیں؟

فرمایا:۔ خدا کے منہ کی باتیں اس طرح کے اختلاف ضمائر کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ بدر جلد ۶ ۲۸ء ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء صٓ۶) چنانچہ بعینہٖ اس طرح (۱) "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں پہلے سب غائب کے صیغے ہیں اور پھر یکدم صیغہ حاضر شروع ہو جاتا ہے۔ کیا خدا تعالٰے نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے۔ کہ "ایاک نعبد" ہرگز نہیں۔ فلا اعتراض۔

(۲) قرآن مجید میں ہے "وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ"۔ (فاطر ع ۲)

اور اللہ ہے جو بھیجتا ہے۔ ہوائیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پس ہم اس کو ہانک لاتے ہیں۔ مردہ بستی کی طرف۔

اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالےٰ کا ذکر بصیغہ غائب کیا گیا ہے۔ مگر اسی آیت میں آگے چل کر یکدم سُقْنا صیغہ متکلم شروع ہو گیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بادل آلودہ ہواؤں کو اٹھاتا تو اللہ تعالےٰ ہے۔ مگر مردہ بستیوں کی طرف ان کو ہانک کر لانے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(۳) وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (زخرف ع) اور وہ جس نے اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے زندہ کیا اس سے مردہ بستی کو (۴) وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ :۔ الخ (انعام ع ۱۲)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس میں سے ہر چیز کی سبزی نکالی!

(۶) قرآن مجید میں ہے:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ" (آلِ عمران ع ۱۷) کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ تم اب ہو۔ اس آیت میں "المومنین" مفعول بصورت صیغہ غیب ہے۔ مگر اَنْتُمْ عَلَیْهِ" میں ان ہی "مومنین" کو ضمیر مخاطب سے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اگر معترض کا اسلوب بیان مدنظر ہوتا تو "عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ" کی بجائے "عَلٰى مَا هُمْ عَلَیْهِ" چاہیئے تھا۔ مگر صیغہ غائب کو اللہ تعالےٰ نے ایک ہی فقرہ میں

صیغہ مخاطب میں تبدیل کر کے بتا دیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی بیسیوں مثالیں ہیں مگر انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

انگریزی الہامات کی زبان پر اعتراض

مکتوبات جلد ا صفحہ ۶۸ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام بایں الفاظ شائع ہوا ہے۔ you have to go Amritsar (یو ہیو ٹو گو امرتسر) یعنی تمہیں امرتسر جانا ہوگا۔ اس پر اعتراض کیا گیا۔ کہ لفظ گو (go) اور امرتسر کے درمیان لفظ TO (ٹو) چاہئیے تھا۔ یعنی عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ "you have to go to Amritsar"۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ لفظ TO کا اس الہام میں رہ جانا محض سہو کتابت کا نتیجہ ہے۔ اصل الہام سے مفقود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فقرات کی تقدیم تاخیر کی صحت بھی معلوم نہیں۔ اور بعض الہامات میں فقرات کا تقدم تاخر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو غور سے دیکھ لینا چاہئیے۔" (مکتوبات جلد ا صفحہ ۶۸ و تذکرہ صفحہ 119)

پھر فرماتے ہیں :-

"چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے۔ اور الہام الٰہی میں ایک سرعت ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں

کچھ فرق ہو۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۰۴ حاشیہ)

اس امر کا ثبوت کہ لفظ "go" کے بعد لفظ "To" کا رہ جانا محض سہو کتابت سے ہے۔ یہ ہے کہ اس الہام سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس الہام سے بالکل مشابہ ایک اور الہام ہو چکا ہے۔ جس میں لفظ "To" کو "go" کے بعد استعمال کیا گیا ہے۔ وہ الہام براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۶۹ و ۴۷۰ پر حاشیہ ۳ و تذکرہ صفحہ ۵۴) پر ہے۔

"Then will you go to Amritsar"

(دَین وِل یُو گو ٹُو امرتسر) یعنی تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ اس الہام میں فقرہ go to Amritsar استعمال ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ملہم (اللہ تعالیٰ) کو "to go" کا محاورہ معلوم ہوا تھا۔ مگر اس کے لکھنے میں سہو کتابت کے باعث لفظ "To" رہ گیا۔ اور اس قسم کا سہو اس قدر عام ہے۔ کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دوسرے الہام کو بطور دلیل پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ معترضین کا اعتراض سراسر غلط ہے۔

لفظ "ضلع" کا استعمال انگریزی میں

مندرجہ بالا الہام سے اگلا الہام ہے:۔

"He halts in the zilla Peshawar"

کہ وہ ضلع پشاور میں قیام کرتا ہے۔ (تذکرہ صـــ۱۱۹)

اس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ انگریزی میں لفظ "ضلع" استعمال نہیں ہوتا

جواب:۔ غلط ہے انگریزی میں لفظ "ضلع" کا استعمال ہوتا ہے۔

(۱) آکسفورڈ ڈکشنری صـــ۵۰۷ پر ہے۔

Zillah - A demonstrative district

(۲) دی پبلک سروسز انکوائریز ایکٹ کی دفعہ ۸ میں دو دفعہ لفظ "ضلع" انگریزی میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھو دی پنجاب کورٹس ایکٹ مرتبہ وشائع کردہ شمیر چند بیرسٹرایٹ لاء مطبوعہ ۱۹۳۳ء صـــ۸۳)

علاوہ ازیں آکسفورڈ ڈکشنری صـــ۹۳۳ پر لفظ "ضلع" موجود ہے۔

"بائی" بمعنی "ساتھ"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے۔

God is coming by his army

(گاڈ از کمنگ بائی ہز آرمی) (تذکرہ صـــ۶۳)

یعنی خدا اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے۔

اس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں لفظ "بائی" کا استعمال درست نہیں۔ اس کی بجائے لفظ with (ود ساتھ) استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض انگریزی

زبان کے نہ جاننے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ انگریزی زبان میں لفظ "By" (بائی) "With" کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ انگلش ڈایالکٹ ڈکشنری مصنفہ جوزف رائٹ صفحہ ۱۷۲۔ اس میں لکھا ہے:۔

"By together with, in company with, I will go if you go by me, come along by me".

یعنی لفظ "بائی" کے معنی ہیں "ساتھ"۔ "ہمراہ" جیسا کہ کہتے ہیں۔ میں تب جاؤں گا۔ اگر تم بھی میرے ساتھ "(بائی) جاؤ گے۔ تم میرے "ساتھ" آؤ۔

محولہ بالا ڈکشنری وہ ڈکشنری ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے۔ "Complete vocabulary of all English dialect".

کہ یہ انگریزی زبان کے تمام محاورات کا خزینہ ہے۔

علاوہ ازیں انگریزی کی سب سے بڑی ڈکشنری مصنفہ ویبسٹر (WEBSTER) جس کا نام ہے۔ "انٹرنیشنل ڈکشنری آف انگلش لینگواج" مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۲۸۲ پر لفظ Come کے نیچے لکھا ہے:۔

"Come:- by:- to pass" "by way of"

یعنی "کم بائی" کے معنی ہیں "بذریعہ" پس اس الہامی فقرہ کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالٰے بذریعہ افواج آرہا ہے۔ یعنی خدا کا آنا بذریعہ افواج ظاہر ہوگا۔

پس انگریزی زبان میں لفظ بائی "by" "with" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام انگریزی زبان کے لحاظ سے بالکل بامحاورہ اور درست ہے۔

"ایکسچینج بمعنی چینج"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے۔

"Words of God can not exchange"

ورڈز آف گاڈ کین ناٹ ایکسچینج (تذکرہ صفحہ ۱۰۱ و صفحہ ۱۱۹) یعنی خدا کے الفاظ تبدیل نہیں ہوسکتے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں لفظ "Exchange" (ایکسچینج) لفظ "change" (چینج) کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ بلحاظ قواعد و اسلوب اہل زبان یہ لفظ change کے معنے میں استعمال نہیں ہوسکتا۔ اگر الہام میں لفظ ایکسچینج کی بجائے چینج ہوتا تو درست ہوتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ شبہ بھی انگریزی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوا ہے۔ ورنہ انگریزی میں Exchange کا

لفظ change کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی زبان کی مشہور اور مروج لغت آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ Exchange کے معنے change لکھے ہیں

علاوہ ازیں Murrey's Dictionary میں لفظ Exchange کے ماتحت لکھا ہے۔ کہ یہ لفظ change کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے استعمال کے ثبوت میں بطور مثال یہ فقرہ لکھا ہے۔

"I return again just to the time, not with the time Exchanged" یعنی میں وقت مقررہ پر واپس آیا ہوں۔ تبدیل شدہ وقت پر نہیں۔ پس انگریزی زبان میں "ایکسچینج" کا لفظ "چینج" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں ہوا۔ [illegible] اعتراض کرنا انگریزی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

ایک اور مفہوم

علاوہ ازیں ایکسچینج کا لفظ Interchange کے طور پر معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس لحاظ سے الہام کے الفاظ کو دیکھا جائے تو الہام کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ آپس میں بدل نہیں سکتے۔

مطلب یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر فصیح اور ابلغ ہوتا ہے۔ کہ اسکا ہر لفظ اپنی جگہ پر نہایت موزوں ہو کر بیٹھتا ہے۔ اور جو لفظ جہاں استعمال ہو۔ وہ وہاں ہی صحیح معنے دیتا ہے۔ اور اگر کسی لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ وہاں رکھا جائے۔ تو عبارت کا مفہوم بگڑ جائے گا۔ چنانچہ ہر اعلےٰ کلام کی یہ خصوصیت مسلم ہے کہ اس کا ہر لفظ بامعنی اور برمحل ہوتا ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کا علم رکھنے والے جانتے ہیں۔ کہ اس میں بلاغت کا یہ کمال اس قدر نمایاں ہے۔ کہ اگر اس کا ایک لفظ بھی بدل دیا جائے۔ تو آیت کا مفہوم اس قدر بگڑ جاتا ہے۔ کہ سیاق وسباق عبارت اس کا متحمل نہیں ہو سکتا

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں خواہ لفظ "ایکسچینج" کو "چیلنج" کے معنی میں لیا جائے خواہ انٹرچینج Interchange کے معنے میں۔ الہام کا معنیٰ بالکل درست اور محاورہ اہل زبان کے عین مطابق ہے۔ اور اس پر اعتراض کرنے سے بجز اس کے کہ معترض کی اپنی علمی پردہ دری ہو۔ اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا

قابل تشریح الہامات

قرآن مجید میں حروف مقطعات کہٰیعص۔ طٰسم۔ نٓ۔ قٓ۔ یٰسٓ وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی مخالفین تمہاری طرح گول مول الہام ہونے کا مشغلہ اڑاتے ہیں۔

(۲) تمہارے ہی جیسے دشمنانِ حق نے حضرت شعیب سے بھی کہدیا تھا کہ تمہارے الہامات گول مول ہیں، جن کی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے یَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود ع ۸) کہ اے شعیب ہمیں اکثر باتوں کی جو تو کرتا ہے سمجھ نہیں آتی۔

(۳) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الاقتصاد فی الاعتقاد میں لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی... ... مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں۔ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں" (علم الکلام اردو ترجمہ الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۶۶)

(۴) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث اپنی کتاب الفوز الکبیر میں قرآن مجید کی ان آیات کے متعلق جن میں تخصیص نہ ہو لکھتے ہیں۔ اجتہاد را درین قسم دخلے ہست و تقصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست (الفوز الکبیر صفحہ ۲) کہ اس کے الہامات میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔ اور کئی قصوں کی ان آیات کی تشریح پر شامل کئے جانے کی گنجائش ہے۔

(۵) وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی "الٓمّٓ" وَ مَا یَجْرِیْ مَجْرَاہُ مِنَ الْفَوَاتِحِ قَوْلَانِ اِنَّ ھٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَ سِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَاْثَرَہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی بِہٖ۔ قَالَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ فِیْ کُلِّ کِتَابٍ سِرٌّ وَ سِرُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ اَوَائِلُ السُّوَرِ (تفسیر کبیر جلد

صفحہ ۲۲۷)

کہ "الم" وغیرہ مقطعات کے متعلق دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ چھپا ہؤا علم اور راز پس پردہ ہے۔ جس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی نہ کوئی بھید ہر کتاب میں ہوتا ہے۔ اور قرآن میں اس کا بھید قرآن مجید کی سورتوں کے ابتدائی مقطعات ہیں۔

(۶) "لَا بُعْدَ فِي تَكَلُّمِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِكَلَامٍ مُفِيْدٍ فِي نَفْسِهٖ لَا سَبِيْلَ لِاَحَدٍ اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ۔ اَلَيْسَتْ فَوَاتِحُ السُّوَرِ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ وَهَلْ يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ يَقُوْلَ اِنَّهٗ كَلَامٌ غَيْرُ مُفِيْدٍ وَهَلْ لِاَحَدٍ سَبِيْلٌ اِلٰى دَرْكِهٖ۔" (السراج الوہاج شرح مسلم جلد ۲ ص۲۸۰، مصنفہ نواب صدیق حسن خان)

یعنی یہ امر کوئی بعید نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسا الہام یا وحی نازل ہو۔ جو اپنی ذات میں مفید تو ہو۔ مگر اس کے معنے کوئی نہ سمجھ سکے۔ کیا قرآن مجید کے حروف مقطعات اس طرح کے نہیں ہیں۔ کیا کسی کے لیئے یہ کہنا جائز ہے۔ کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر کیا کوئی ان کا علم حاصل کر سکتا ہے؟ (یعنی نہیں حاصل کر سکتا) غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الہامات جو خاص واقعات کے متعلق ہیں۔ ان کی تشریح خود حضرت صاحب نے فرما دی۔ اور جو بعض آئندہ زمانہ کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔ وہ اپنے وقت پر پورے ہونگے۔ اور رہے

معنے واقعات کی روشنی میں کھل جائینگے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

سَنُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا (نمل آخری رکوع)

کہ ہم تم کو اپنے نشان دکھائیں گے۔ تو تم ان کو پہچان لوگے۔

اور بعض الہامات جو عام ہیں۔ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالے سے اوپر درج کیا جا چکا ہے

بہر حال ان الہامات کو گول مول قرار دینا یا ان کو غیر مفید بتانا اپنی شقاوت قلبی اور کور باطنی پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے

اب ذیل میں چند الہامات مع تشریح درج کئے جاتے ہیں۔

(ا) غُثَم غُثَم غُثَم بے معنی فقرہ ہے

جواب۔ تمہارے جیسے نادانوں نے حضرت شعیب کو کہا تھا "یَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ" (ھود رکوع ۸) یعنی اے شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں

(ب) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں۔ "قرآن مجید کے سب معنی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی . . . مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں۔ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں (علم الکلام ترجمہ اردو الاقتصاد فی الاعتقاد ص۵۶)

(ج) غَثَم غَثَم غَثَم حضرت کا کوئی الہام نہیں ہے بلکہ غَثَمْ غَثَمْ غَثَمْ ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ اس کو مال یکدم دیا گیا۔ الہام

کے ساتھ ترجمہ بھی الہام ہوا ہے۔ الہام کے یہ الفاظ ہیں غَثَمَ غَثَمَ
غَثَمَ لَهٗ دُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ دُفْعَةً" (تذکرہ ص۲۱۱) دیا گیا
اسکو مال اسکا" نخش میں ہے۔ غَثَمَ لَهٗ دَفَعَ دُفْعَةً جَيِّدَةً
مِنَ الْمَالِ (منجد زیر لفظ غثم) کہ غثم کے معنے ہیں اسکو یکدم مال
دیا گیا۔ پھر عربی انگریزی ڈکشنری "الفرائد الدریہ" میں لکھا ہے۔

غثم To give at once any one

یکدم کسی کو مال دینا۔ پس یہ الہام بے معنی نہیں۔ اور تمہارا اسکو غُثُم
غُثُم پڑھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بدزبان دشمن اسلام الٓم
کو اَلَمُ اَلَمُ کر کے پڑھ کر اس پر تمسخر اڑائے۔

نیز دیکھو لسان العرب میں لکھا ہے۔ غَثَمَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ غَثْمَةً
اِذَا دَفَعَ لَهٗ دُفْعَةً" گویا غثم له کے معنی لفظاً لفظاً لغت
میں دیئے ہیں جو حضرت صاحب کے الہام میں ہیں۔ نیز دیکھو اقرب الموارد

"ایک ہفتہ تک کوئی باقی نہ رہیگا"

بے معنی ہے

جواب۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ اللّٰهِ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک دن انسانوں کے ہزار سال کے برابر ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ "یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے۔ کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔ اور ہزار برس ایک دن کے برابر۔ خداوند اپنے وعدہ میں دیر نہیں کرتا" (پطرس ۳/۸)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بتایا۔ کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اور سات ہزار سال کے بعد دنیا پر قیامت آجائے گی۔ چنانچہ حجج الکرامہ صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے۔

"در بعض روایات آمدہ کہ عمر دنیا ہفت ہزار سال است۔ پس پس۔ چنانچہ حکیم ترمذی در نوادر الاصول در حدیث طویل ...... باسناد خود تا ابوہریرہ روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا صلعم ...... مدت دنیا از روزیکہ مخلوق شدہ تا آں روز کہ فنا شود بماند آں ہفت ہزار سال ست ...... وانس بن مالک گفتہ کہ فرمود رسول خدا صلعم ... عمر دنیا کہ ہفت ہزار سال است اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ دنیفوذ نحا (ابن عساکر) مرفوعاً۔ از انس روایت کردہ کہ عمر دنیا ہفت روز ست۔ لیکن بطریق صحیح از ابن عباس آمدہ کہ دنیا ہفت روز است و ہر روز ہزار سال (حجج الکرامہ صفحہ ۳۹)

(۲) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی تشریح بہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس الہام کے متعلق تو حضرت فرماتے ہیں۔ "اور دنیا کی عمر بھی ایک ہفتہ بتلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

(بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء)

(۳) دنیا کی عمر سات ہزار سال کے متعلق تفصیلی بحث دیکھو تحفہ گولڑویہ

(براہین حصہ پنجم)

۴۔ "پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت"

بے معنی الہام ہے

جواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔ "۳۰ جون ۱۸۹۹ء کو مجھے یہ الہام ہوا پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت۔ ساتھ ہی اسکے یہ تفہیم ہوئی۔ کہ یہ الہام ایک مخلص دوست کے متعلق ہے جس کی موت سے ہمیں رنج پہونچے گا۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو یہ الہام سنایا گیا۔ اور الحکم ۳۰ جون ۱۸۹۹ء میں درج ہو کر شائع کیا گیا۔ پھر آخر جولائی ۱۸۹۹ء میں ہمارے ایک نہائت مخلص دوست یعنی ڈاکٹر محمد بوڑے خان اسسٹنٹ سرجن ایک ناگہانی موت سے قصور میں گزر گئے۔ اول بے ہوش رہے۔ پھر یک دفعہ غشی طاری ہو گئی۔ پھر اس ناپائیدار دنیا سے کوچ کیا۔ اور ان کی موت اور اس الہام میں صرف بیس بائیس دن کا فرق تھا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۳ و صفحہ ۲۱۴ و نزول المسیح صفحہ ۲۳۱)

"موت ۱۳ ماہ حال کو۔ ایک دم میں دم رخصت ہوا پیٹ پھٹ گیا۔"

سوال:۔ کس کا؟

جواب:۔ یہ الہام ۵ شعبان ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ مجھ کو ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے کئی تاریخوں میں وحی الٰہی کے ذریعہ سے تلایا گیا۔ کہ ایک شخص اس جماعت سے ایک دم میں رخصت ہو جائے گا۔ اور پیٹ پھٹ جائیگا۔ اور شعبان

کے مہینے میں وہ فوت ہو جائیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان سنہ ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور محمد جو صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا یکدفعہ ایک دم میں پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

۴۔ اَیلی اوس!

جواب۔ "ایلی" کا ترجمہ ہے "اے میرے خدا" اور "اوس" کا ترجمہ ہے "انعام" "عطیہ" المنجد میں ہے

اَسَ۔ اَوْساً وَ اِیَاساً۔ اَعْطٰی۔ عَوَّضَ۔ اَلْاَوْسُ اَلْعَطِیَّۃُ

(المنجد صفحہ ۱۳)

کہ "اس" "اوساً" کے معنے ہیں اس نے انعام دیا۔ معاوضہ دیا۔ "اَوْسٌ" کے معنے ہیں "عطیہ" اور یہی معنے "الفرائد الدریہ" میں بھی مذکور ہیں۔ پس ایلی اوس کے معنے ہوں گے۔ اے میرے خدا مجھ پر انعام کر مجھے اجر دے۔

۵۔ ھُوْشَعْنَا نَعْسًا

جواب (۱) "ھوشعنا" کے معنے ہیں "کرم کرکے نجات دے" اے خداوند میں منت کرتا ہوں۔ کہ نجات بخشئے (دیکھو زبور $\frac{۱۱۸}{۲۵}$)

(ب) انجیل مطبوعہ سنہ ۱۹۲۹ء میں ہے "ابن داؤد کو ھُوشَعنا" اور اس آیت میں ھوشعنا پر حاشیہ میں لکھا ہے۔ "اس کے معنے ہیں کرم کرکے نجات دے۔" (متی $\frac{۲۱}{۹}$)

(ج) نَعِسَا کا ترجمہ عبرانی میں ہے Granted (قبول ہوئی)
گویا "ھُوَ شَعْنَا" میں جو دعا تھی وہ نَعِسَا کے لفظ میں ساتھ ہی اس
کی قبولیت بھی الہاماً بتا دی گئی۔
(۲) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کا ترجمہ تحریر فرمایا
ہے :-
"جیسا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے "ھُوَ شَعْنَا نَعِسَا" ترجمہ اے خدا
میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش۔ اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے
نجات دے دی۔ یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔ اور یہ ایک
پیشگوئی ہے۔ جو دعا کی صورت میں کی گئی۔ اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر
کیا گیا۔ اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ موجودہ مشکلات ہیں۔ یعنی
تنہائی۔ بیکسی۔ ناداری۔ کسی آئندہ زمانہ میں وہ دور کر دی جائینگی
چنانچہ ۲۵ برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اس زمانہ میں ان
مشکلات کا نام نہ رہا" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۰)

الہام۔ آسمان مٹھی بھر رہ گیا

جواب۔ اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ عنقریب آسمان سے
قہری نشان ظاہر ہونگے۔ غرض آسمان اسے تھا تو اب آگ برسانے کو ہے"
(المسیح الموعود)
نیز حضرت نے جنگ یورپ کی پیشگوئی کرتے ہوئے بھی فرمایا ہے

آگ نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان
آسمان حملے کریگا کھینچ کر اپنی کمان

(براہین پنجم)

۷۔ ایک دانا کس کس نے کھانا

جواب۔ یہ الہام ۸ر فروری ۱۹۰۶ء کا ہے۔ اس کے باقی جو الہامات ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

زمین کہتی ہے یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُکَ یُخْرِجُ ھَمَّہٗ وَغَمَّہٗ دَوْحَۃَ اِسْمٰعِیْلَ فَاَخْفِہَا حَتّٰی یَخْرُجَ۔ ایک دانا کس کس نے کھانا (بدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۲ والحکم جلد ۱۰ نمبر ۵ صفحہ ۱۱ و تذکرہ صفحہ ۵۳۹) زمین کہتی ہے اے اللہ کے نبی! میں تجھے نہیں پہچانتی تھی۔ اس کا (مسیح موعود کا) ہم اور غم اسمٰعیل کے درخت کو اگانے کا موجب ہوگا۔ پس اسکو پوشیدہ رکھ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے۔ ایک دانہ کس کس نے کھانا ظاہر ہے۔ کہ یہاں دانہ سے مراد دَوْحَۃَ اِسْمٰعِیْلَ۔ یعنی اسمٰعیل کے درخت کا دانہ ہے۔ یعنی وہ غم اور قوم کا درد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں تھا۔ وہ بطور بیج کے ہو کر ایک دن اسمٰعیل کا عظیم الشان درخت بن جائے گا۔ یعنی شوکت اسلام کے ظہور کا موجب ہوگا۔ اور تمام دنیا اس سے برکت پائے گی۔ غرضیکہ یہ غم جسکو آج اکیلا خدا کا مسیح کھا رہا ہے۔ ایک دن رحمت و برکت کا موجب بنکر ثمر دار درخت بن جائیگا۔ اور پھر سب دنیا اس پھل کو کھائیگی۔ یہ ہے وہ "ایک دانہ" جسے کس کس نے کھانا۔"

(۲) یہ دانہ قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جو باوجود اس قدر مختصر ہونے کے پھر بھی تمام دنیا کے لئے روحانی غذا بنکر ان کی بھوک کو مٹاتا ہے

کیونکہ اسمٰعیل کے درخت (یعنی شوکت سلسلہ محمدیہ) کا سب سے اونچا اور خوبصورت پھل یہی قرآن مجید ہے

۸۔ پچیس دن۔ یا پچیس دن تک

جواب۔ یہ الہام ۷ر مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے (دیکھو بدر جلد ۶ ۱۱ ص ۳ والحکم جلد ۱۱ ص ۹ بحوالہ تذکرہ ص ۶۴۹) حضرت نے اسی دن اس کی تشریح میں فرمایا تھا

"ایک ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ . . . ہوگا" (بدر ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء ص ۳) چنانچہ اس الہام سے پورے پچیسویں دن یعنی ۳۱ر مارچ ۱۹۰۷ء کو (اس الہام کے شائع ہو چکنے کے کئی دن بعد) ایک پُرہیبت آتشیں گولہ آسمان پر سے مختلف شہروں میں گرتا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ لاہور کے مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس پر لکھا۔ "کئی نامہ نگاروں نے ہمیں اس شہاب کے متعلق خطوط لکھے۔ جو اتوار (۳۱ر مارچ) کی شام کو پونے پانچ بجے کے قریب دکھائی دیا۔ یہ نہایت چمکدار تھا۔ اور لاہور میں جب یہ گرتا دکھائی دیا۔ تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی دوہری دھار ایسی تھی۔ جیسے دھواں ہوتا ہے (۳ر اپریل ۱۹۰۷ء سول)

نوٹ:۔ ۹۔ الہام الیسوسی ایشن میں جماعت احمدیہ کے قیام کی پیشگوئی ہے۔

۱۰۔ الہام سفر صحت

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محنت شاقہ و شب بیداری کا ذکر ہے

اور الہام "آثار صحت" میں ایک آدمی کی بحالیٔ صحت کی خبر دی گئی ہے۔ جس کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دن دعا فرمائی تھی۔ (دیکھیے بدر جلد ۲ صفحہ ۱۶)

۱۲۔ زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں

جواب:۔ اس کے ساتھ ایک اور الہام بھی ہے "فَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيقًا" (دیکھو تذکرہ صفحہ ۷۱۴) جس کی تشریح میں حضرت صاحب نے اپنی دعا کا ذکر کیا ہے۔ کہ اے خدا اپنے دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی قبولیت اس الہام میں فرمائی۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء جس میں یہ الہام ہوا طاعون کا دور دورہ ہوا۔ اور لاکھوں دشمن ہلاک ہوئے۔ تعیین تو اس صورت میں کی جاتی۔ اگر ایک دو دشمنوں نے ہلاک ہونا ہوتا۔

۱۳۔ شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

الجواب:۔ یہ الہام بدر جلد ۱ صفحہ ۲ و الحکم جلد ۹ صفحہ ۱۸ پر بھی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری کو جو بعد میں پیغامی پارٹی کے رکن ہو گئے تھے۔ اس کے لیے حضور نے دعا فرمائی تو الہام ہوا

شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

یعنی شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ وہی لوگ جن پر حضرت اقدس کی طرف سے بے شمار

پریشانیاں ہوتی تھیں۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ حضور کی شان میں استخفاف کر کے حضور کے مشن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ فتنہ غیر مبائعین اٹھا۔ اور شیخ رحمت اللہ صاحب اس کے رکن رکین بن گئے۔

۱۴۔ "لاہور میں ایک بے شرم ہے"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ)

الجواب:۔ یہ الہام ۱۲ مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ اور بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ والحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ تذکرہ صفحہ ۷۰۱ پر درج ہے۔ اس کی تشریح کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کے الہامات بھی درج کئے جائیں۔

"لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ وَیْلٌ لَّکَ وَ لِاِفْکِکَ اِنِّیْ نَعَیْتُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے۔ اور بعض چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" ترجمہ "لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ اے بے شرم تجھ پر اور تیرے جھوٹ پر لعنت۔ میں نے ایک شخص کی وفات کی خبر دی۔ میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے۔ اور بعض چھوڑے جائیں گے۔ اے اہل بیت خدا نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تمہاری پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے۔

یہ سب الہامات اکٹھے درج کئے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل امور کی خبر دی

گئی ہے۔

(۱) کوئی شخص فوت ہو گا۔

(۲) اس دن ایک بہت بڑا فتنہ ہو گا۔

(۳) اس فتنہ میں دو فریق ہو جائیں گے (ایک فریق "پکڑا جائیگا" دوسرا چھوڑا جائے گا۔) اور دونوا پنے مقصد کی کامیابی کے لئے کوشش کریں گے۔

(۴) وہ فریق جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ سچا ہو گا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ

(۵) اس فتنہ میں کوئی شخص جس کا تعلق لاہور سے ہو گا۔ انتہائی بے شرمی کا اظہار کرے گا۔ اور ایسا طرز عمل اختیار کرے گا جس میں کذب بیانی اور دھوکا سے کام لیا گیا ہو گا۔

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلبیت یعنی حضور کی بیوی اور بچوں کے خلاف بھی وہ فتنہ اٹھایا جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ ان کو ان حملوں سے محفوظ رکھیگا۔

(۷) وہ لاہور کا "بے شرم" اپنی بہتان طرازی سے اپنی "بے شرمی" کا ثبوت کسی شخص کی وفات سے پہلے دے چکا ہو گا۔ یعنی وفات بعد میں ہوگی۔ مگر اس سے قبل وہ جھوٹ وغیرہ کا واقعہ ہو چکا ہو گا۔ کیونکہ لاہور میں ایک بے شرم اور اس کے جھوٹ کا ذکر الہام میں پہلے ہے۔ اور اس کے بعد وفات کا ذکر ہے۔

اب دیکھو یہ سب پیشگوئیاں کس عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔
۱۳؍ مارچ کے دن یہ الہام ہوا تھا۔ اور عین ۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو یعنی الہام ہی کی تاریخ کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات ہوئی۔ اور "انی نعیت" کا الہام پورا ہوا۔ (کہ میں نے کسی کے فوت ہونے کی خبر دی) آپ کی وفات سے قبل خفیہ طور پر مولوی محمد علی صاحب ایم اے لاہوری پارٹی کے امیر نے ایک ٹریکٹ لکھ کر اور طبع کرا کے اس انتظار میں رکھا ہوا تھا کہ جب حضرت خلیفہ اول فوت ہو جائیں گے۔ اس وقت اس کو تقسیم کیا جائیگا۔ اس ٹریکٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور وصیت کے متعلق انتہائی کذب آفرینی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ ٹریکٹ ۱۳؍ مارچ کو حضرت خلیفہ اول کی وفات کے دن تقسیم کیا گیا جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ ایک خطرناک "امتحان" میں پڑ گئی۔ دو فریق ہو گئے۔ مولوی محمد علی صاحب کا لاہوری فریق آئندہ کیلئے خلافت کو مٹانا چاہتے تھے اور اس کوشش میں تھے۔ کہ حضرت خلیفہ اول کا کوئی جانشین منتخب نہ کیا جائے۔ مگر دوسری طرف ایک دوسرا فریق تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور حضرت خلیفہ اول کی وصیت کے مطابق انتخاب خلافت کو ضروری قرار دیتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اہل بیت بھی اسی دوسرے گروہ کے ہم خیال تھے۔
چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرا گروہ کامیاب ہو گیا اور لاہوری فریق ناکام ہوا۔
حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

بنصرہ العزیز خلیفہ منتخب ہوئے۔ صادقین کو حمایتِ الٰہی حاصل ہوئی۔ اور اہلبیت پر جو الزامات لگائے جاتے تھے۔ اُن سے اُنکی تطہیر کا وعدہ پُورا ہوُا۔

غرضیکہ یہ سب پیشگوئیاں عظیم الشان طور پر پُوری ہوئیں۔ جو صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زبردست گواہ ہیں۔

اِس قدر تفصیل اور بسط کے باوجود بھی اگر کسی کو "لاہور میں ایک بے شرم ہے" کا مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ تو اس کا کیا علاج؟

۱۵۔ ایک اُمتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائینگے

اس کی تفصیل مندرجہ بالا اعتراض کے جواب میں دیکھیں۔

۱۶۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تُو ہے

الجواب:۔ یہ الہام ۱۲ اپریل ۱۹۰۴ء کا ہے۔ اور اس سے پہلا الہام "اے بسا خانۂ دشمن کہ تُو ویراں کردی" ہے۔ یہ دونوں الہامات الحکم مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۴ء میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ طاعون کے متعلق ہیں۔ پس ان کا مطلب واضح ہے۔

۱۷۔ "لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیر خدا نے انکو پکڑا"

الجواب:۔ یہ الہام اپنے ساتھ کے سابقہ الہامات سے متعلق ہے۔ جو درجِ ذیل ہیں:۔

"آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اُسی طرف خدا تعالیٰ تھا۔ جدھر آپ تھے۔ آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دیگا اور تیری سب مُرادیں تجھے دیگا۔

رب الافواج اس طرف توجہ کریگا۔ اگر مسیح ناصری کی طرف دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اس جگہ اس سے برکات کم نہیں ہیں۔ اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ لوگ آئے۔ اور دعویٰ کر بیٹھے۔ "شیرِ خدانے اُن کو پکڑا۔ شیرِ خدانے فتح پائی۔"

(اربعین ۳ صـ ۳۸ و تذکرہ صـ ۳۷۰ تا صـ ۳۷۲)

اِن الہامات میں انگریزوں کے ساتھ جماعت احمدیہ کے اچھے تعلقات کو لفظ "تھا" (صیغہ ماضی) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک زمانہ آئیگا جبکہ ان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگی۔ اور موجودہ خوشگوار تعلقات ایک دِن داستانِ "عہد گذشتہ" اور حکایت ماضی بن کے رہ جائینگے۔ ایک نہایت اہم اور "تعجب" انگیز تغیر ہوگا۔ حکومت کی فوجیں۔ اور احرار کے ادعائے باطل جماعت احمدیہ کو "غم" میں ڈالیں گے۔ مگر خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح مسیح ناصری اور اسکی جماعت کو باوجود اس کے کہ حکومتِ وقت بھی ان کے خلاف ہوگئی تھی۔ یہودی بھی ان کے خلاف سازش کر کے متحد ہوگئے تھے۔ پھر بھی کامیاب و کامران کیا تھا۔ اسی طرح اب بھی وہ جماعت احمدیہ کی مدد کریگا۔ اور اپنی بے پناہ آسمانی فوجوں سے جماعت کو منصور و مظفر بنائے گا۔ اسی ضمن میں احرار اور دُوسرے مخالفین احمدیت کی لاف وگزاف اور تعلّیوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اِن لوگوں نے دعویٰ کر دیا۔ کہ وہ احمدیت کو کچل کے رکھدیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ کا شیر (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

انتہائی دلیری اور شجاعت اور اولوالعزمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کریگا۔
اور ان کو شکستِ فاش دے گا۔

اب دیکھ لو یہ کتنی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ جو آج سے ۴۵ سال قبل کی گئیں۔ اور پھر یہ کس قدر خارق عادت طور پہ پوری ہوئیں اور احرار کو کس قدر شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

۱۸- اُعْطِیْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْیَاءِ

الجواب:- (۱) حضرت کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا تھا۔ پہلے مسیح کی صفت "احیاءِ موتیٰ" کو تو تم بھی مانتے ہو۔ مگر اس پہ کوئی اعتراض نہیں کرتے ہو۔ پھر مسیح محمدی پہ اعتراض کیوں؟ کیا پہلے مسیح کا قول قرآن مجید میں درج نہیں کہ "اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ" کہ میں اللہ کے حکم سے مُردے زندہ کرتا ہوں۔ اور حضرت صاحبؑ بھی فرماتے ہیں:-

"اُعْطِیْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْیَاءِ مِنْ رَّبِّ الْفَعَّالِ"

کہ مجھے ربِّ قادر کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے۔ پھر اس پہ اعتراض کیوں؟

(۲) ہاں اگر کہو کہ "مُردے زندہ کرنا" تو بیشک شانِ مسیحیت ہے۔ مگر مارنے کی صفت تو پہلے مسیح میں نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح محمدی کو اللہ تعالیٰ نے دو تو صفتوں سے متصف فرمایا ہے۔ جیسا کہ مسیح موعود کی صفت "اہلاک" کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کے دم سے

دشمن ہلاک ہونگے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔ "فَلَا یَحِلُّ لِکَافِرٍ یَجِدُ مِنْ رِیْحِ نَفَسِہٖ اِلَّا مَاتَ"۔ (مسلم و مرقات۔ (ملا علی قاری) جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۳ مطبع اصح المطابع باب العلامات بین یدی الساعۃ)

کہ جس کافر تک مسیح کا دم پہنچے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے سینکڑوں دشمن لیکھرام۔ آتھم۔ ڈوئی۔ سعد اللہ لدھیانوی وغیرہ آپؑ کے دم سے ہلاک ہوئے۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس ارشاد کا تم نے حوالہ دیا ہے وہ خطبہ الہامیہ میں ہے۔ اور اسی خطبہ الہامیہ میں اس سے ذرا آگے چل کر حضرتؑ نے خود ہی اس کی تشریح کر دی ہے کہ مارنے اور زندہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ "دُعَائِیْ دَوَاءٌ مُجَرَّبٌ۔ اُرِیْ قَوْمًا جَلَالًا وَقَوْمًا اٰخَرِیْنَ جَمَالًا وَبِیَدِیْ حَرْبَۃٌ اُبِیْدُ بِھَا عَادَاتِ الظُّلْمِ وَالذُّنُوْبِ وَفِی الْاُخْرٰی شَرْبَۃٌ اُعِیْدُ بِھَا حَیَاتَ الْقُلُوْبِ فَاْسٌ لِلْاِفْنَاءِ وَاَنْفَاسٌ لِلْاِحْیَاءِ"۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸)

ترجمہ:۔ مجھے تکلیف دینا ایک تیز نیزہ ہے۔ اور میری دُعا ایک مجرب دوا ہے۔ میں ایک قوم کو اپنا جلال دکھاتا ہوں۔ اور دوسری قوم کو جمال دکھاتا ہوں۔ اور میرے ایک ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے جس کے ساتھ میں ظلم اور گناہ کی عادتوں کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک شربت ہے۔ جس سے میں دلوں کو دوبارہ زندہ کرتا ہوں۔ گویا ایک کلہاڑی فنا کرنے کے لئے ہے۔ اور دم زندہ کرنے کے لئے۔"

اب دیکھیے حضرت صاحبؑ نے اِسی خطبہ الہامیہ میں زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کی کِس خوبی سے تشریح فرمادی ہے۔ کہ مارنے سے مُراد کفر۔ گنا اور ظلم کو مارنا ہے۔ اور زندہ کرنے سے مُراد رُوحانیت عطا کر کے دل کو زندگی بخشنا ہے۔ جیسا کہ پہلا مسیح کرتا تھا۔ نہ پہلے مسیح نے حقیقی مُردے زندہ کیے۔ نہ دُوسرے مسیح نے ایسا کیا۔ اور نہ خدا کے سوا کوئی جسمانی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہاں رُوحانی طور پر انبیاءؑ میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔ اور اِسی کا اظہار محوّلہ عبارت میں کیا گیا ہے۔

مرزا صاحب کو شیطانی الہامات ہوتے تھے

جواب:۔ (۱) قرآن مجید میں ہے۔ کہ "تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ" کہ شیطانی الہامات بدکار اور جھوٹے لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضورؑ نے تذکرۃ الشہادتین صہ ۶۲ پر چیلنج دیا ہے۔ کہ "اور تم کوئی عیب افتراء جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ ۔ ۔ ۔ کون تم میں ہے۔ جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔" اور پھر حضرت کی پاکیزہ زندگی کی مولوی محمد حسین جیسا شدید دشمن بھی گواہی دے چکا ہے۔

(۲) "اَکۡثَرُھُمۡ کَاذِبُوۡنَ" کہ شیطانی الہامات اکثر جھوٹے ہوتے

ہیں۔ حضرت مسیح موعود ؑ کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ جن پر تم کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ بلکہ خاموشی سے ان کے صدق پر مُہر تصدیق ثبت کرتے ہو۔

(۳) حضرت مسیح موعود ؑ نے اپنی کتاب "انجام آتھم" کے صلا میں اپنے الہامات کے خدائی ہونے پر غیر احمدی علماء کو "مباہلہ" کا چیلنج دیا ہے۔ تم اس وقت کیوں مقابلہ پر نہ آئے۔

(۴) تم تو ہر نبی پر القائے شیطانی ہو جانے کے قائل ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی تمہارے مولویوں نے مانا ہے کہ آپ صلعم کو شیطانی الہام ہوا۔ اس لئے اگر حضرت مرزا صاحب ؑ پر بھی یہی بہتان باندھو۔ تو معذور ہو:۔ "قَدْ قَرَءَ النَّبِیُّ صلعم فِی سُوْرَۃِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" بِالْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِ عِلْمِہٖ بِہٖ "تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی" فَفَرِحُوْا بِذَالِکَ۔" (جلالین مجتبائی صلا ۲۸۲) کہ آنحضرت صلعم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات "اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی" کے آگے القاء شیطانی کے باعث یہ پڑھ دیا۔ تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی الخ کہ یہ بہت عظیم الشان بُت ہیں۔ اور قیامت کو ان کی شفاعت کی توقع رکھنی چاہیے۔ بتوں کی یہ تعریف سُنکر مُشرک بہت خوش ہوئے۔

اس میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ جبرائیل آئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلعم کو بتایا۔ کہ یہ الہام الٰہی نہیں۔ بلکہ شیطانی القاء ہے۔ تمہارے اکثر مفسرین نے "مَا مِنْ نَبِیٍّ وَلَا رَسُوْلٍ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ" کا ترجمہ یہی لیا ہے۔ کہ ہر نبی کو القاء شیطانی ہوتا رہا ہے۔ اور سورۃ النجم کی تفسیر میں انہوں نے مندرجہ بالا فضول اور لچر قصہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا ہے۔ (استغفر اللہ العیاذ باللہ) پس تم لوگ جو تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی القائے شیطانی سے پاک نہیں سمجھتے۔ بحالیکہ آپ کی محبت کا دم بھرتے ہو۔ تو حضرت مرزا صاحب کو اگر شیطانی الہامات پانے والا کہدو۔ تو کیا گلہ ہو سکتا ہے۔

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو
جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیر دل سے

غیر زبانوں میں الہامات

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ

جواب:- (۱) اس آیت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ نبی کو "الہام" اس کی قوم کی زبان میں ہوتا تھا۔ مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں:- "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ اَیْ مُتَکَلِّمًا بِلُغَۃِ مَنْ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ مِنَ الْاُمَمِ" (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۹) کہ "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ" کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ نبی اس قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ جسکی طرف

وہ مبعوث ہوتا تھا۔

(ب) "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ اِلَّا مُتَکَلِّمًا بِلُغَتِھِمْ" (تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الخ و برحاشیہ خازن جلد ۳ صہ ۸۲) کہ نبی اپنی قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی پنجابی اور اُردو ہی بولتے تھے۔

(۲) اس آیت میں گذشتہ انبیاءؑ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ لفظ "اَرْسَلْنَا" بصیغہ ماضی سے ثابت ہے۔ اور دُوسرا قرینہ ان معنوں کی تائید میں "قَوْمِہٖ" کا لفظ ہے۔ کیونکہ گذشتہ انبیاءؑ مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر جو نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہ ہو۔ بلکہ تمام قوموں کی طرف مبعوث ہو۔ وہ اس آیت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر قوم سے نبی کی قومیت رکھنے والے لوگ مراد لو جیسا کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ قریش تھے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کو سارا قرآن مجید قریش کی زبان میں الہام نہیں ہوا۔ جیسا کہ آیت "اِنَّ ھٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ" (طٰہٰ) قریش کی زبان میں "اِنَّ ھٰذَیْنِ" چاہیئے تھی۔

(۳) اگر کہو کہ اس آیت میں نبی کا اس کی قوم کی زبان میں الہام ہونا ہی مراد ہے۔ خواہ لفظ الہام اس آیت میں موجود ہو یا نہ ہو تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے۔ "عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ" (نمل ع ۲) حضرت سلیمانؑ کہتے ہیں کہ

مجھے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولی سکھائی۔ گویا ان کو کوؤں۔ چیلوں۔ کبوتروں۔ بٹیروں۔ ہدہدوں اور تمام دیگر جانوروں کی زبان میں الہام ہوا۔ آخر انگریزی۔ عربی۔ فارسی وغیرہ تو انسانوں ہی کی زبانیں ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔ مگر "کاں کاں" تو انسانوں کی زبان نہیں۔ اس میں بھی اگر نبی کو الہام ہو سکتا ہے۔ تو یہاں کیا اعتراض ہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان سکھانے کیلئے اسکے قواعد اور اسکے الفاظ بھی بتائے ہونگے۔ فلا اعتراض

نوٹ:۔ یہ کہنا کہ "عُلِّمْنَا" کے لفظ میں طبعی فہم و تفہیم ہی داخل ہے۔ پلہ چھوڑانے کے لیئے کافی نہیں۔ کیونکہ "مَا اَرْسَلْنَا" والی آیت زیر بحث میں بھی تو "الہام" کا لفظ نہیں۔ وہاں بھی طبعی فہم و تفہیم کیوں مراد نہ لی جائے؟ یعنی وہ الہام جو محض طبعی فہم و تفہیم کے لیئے ہوں۔ وہ تو نبی کی اپنی زبان میں ہوں۔ مگر جو دوسری قوموں کی ہدایت کے لیئے ہوں۔ وہ مختلف زبانوں میں ہو سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہنا کہ حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان والے الہام جو ہوتے تھے تو وہ انسانوں کی ہدایت کے لیئے نہ تھے محض دھوکا ہی ہے کیونکہ خواہ وہ کسی کی ہدایت کے لیئے ہوتے تھے سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ حضرت سلیمان کی اپنی زبان تھی یا نہیں؟ کیا وہ ان کی قوم کی زبان تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پس تمہاری نادیل سے ثابت ہو گیا کہ "مَا اَرْسَلْنَا" والی آیت کا مطلب وہ نہیں جو تم بیان کرتے ہو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان بولتا تھا۔ تاکہ تبلیغ و اشاعت کے لیئے شاگرد تیار کر سکے۔ اسکے الہامات کی

زبان کا وہاں ذکر ہی نہیں نیز یہ کہ یہ آیت آنحضرت صلعم سے پہلے انبیاء کے متعلق ہے۔ فافہم

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے مگر پھر بھی آپ پر اس زبان میں الہام ہونا ایک معجزہ ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قادیان میں بھی کوئی انگریزی دان اسوقت موجود نہ تھا۔ یہ دلیل ان لوگوں کو دی گئی۔ جو الہام کو نبی کے دماغی خیالات قرار دیتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ الہام میں نبی کے اپنے خیالات کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ الہام ایسی زبان میں بھی نازل ہو سکتا ہے جس کو نبی خود بھی نہ جانتا ہو۔ پھر اکثر اس الہام کے معنی خدا تعالیٰ خود ہی ملہم کو بتا دیتا ہے۔ خواہ جلد یا بدیر۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

۵۔ اور ہم نے یہ جو لکھا کہ آیت "مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ" میں آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء کا ذکر ہے کیونکہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف رسول ہو کر آتے تھے۔ اسکی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ فضائل نبویؐ کے ضمن میں ایک حدیث ہے۔ جس کا مضمون حضرت ابن عباسؓ کے مندرجہ ذیل قول کے مطابق ہے:۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَضَّلَ مُحَمَّدًا عَلَی الْاَنْبِیَاءِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ الْاٰیَۃَ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمُحَمَّدٍ صلعم "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ" فَاَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلَی الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی فضائل نبینا صلعم

فصل الثالث ص ۱۵ مجتبائی دہلی کانپور) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسکی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ انکے
سامنے خوب کھول کر بیان کر سکے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلعم کی نسبت فرمایا۔ کہ
ہم نے آپکو تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ گویا آپکو اللہ تعالےٰ نے جن و
انس کی طرف رسول کر کے بھیجا۔ "ھٰذَا الحدیث صحیح الاسناد"
(مستدرک للحاکم مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ ص ۳۵۰) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
اور اسکی سند مضبوط ہے۔ مندرجہ بالا عبارت سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔
(۱) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ والی آیت گذشتہ انبیاء کے متعلق ہے (۲)
آنحضرت بھی اس آیت میں شامل نہیں صرف آپ سے پہلے رسول ہی
شامل ہیں۔ (۳) قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ہدایت کے لئے وہ نبی
آئے۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم تمام دنیا ہے۔ کیونکہ
آپ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیح موعود بھی داخل نہیں۔ کیونکہ آپ بھی
کسی خاص قوم کی طرف نہیں بلکہ ساری دنیا کی طرف آئے تھے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے چشمہ معرفت ص ۲۰۹ پر لکھا ہے۔
"یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو اور ہو اور
الہام اسکو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں
تکلیف مالا یطاق ہے"

الجواب۔ خدا کیلئے دھوکہ نہ دو۔ وہاں چشمہ معرفت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ
"ملہم" جس زبان کو نہ سمجھتا ہو۔ اس میں اسکو الہام نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو

ذکر یہ ہے کہ آریہ کہتے ہیں الہامی کتاب اس زبان میں نازل ہونی چاہیئے جو کسی انسان کی زبان نہ ہو تاکہ ایشور جی مہاراج نا انصاف نہ ٹھہریں۔ یہی وجہ ہے کہ وید سنسکرت میں نازل ہوئے جو کہیں بولی نہیں جاتی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی (نہ کہ ملہم کی) زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو کوئی (انسان) سمجھتا ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ تکلیف "مالا یطاق" ہے۔ کیونکہ اس کو ملہم کسی دوسرے سے بھی سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن کسی ایسی زبان میں الہام ہونا جو انسانی زبان ہو "تکلیف مالا یطاق" نہیں۔ کیونکہ اگر ملہم خود اس زبان کو نہیں جانتا۔ تو دوسروں سے معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے صفحہ ۲۱۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس سوال کے جواب کے لئے چشمہ معرفت صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس دھوکہ کا علم اصل عبارت کو پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

بعض الہامات مرزا صاحب سمجھ نہ سکے اور بعض کے غلط معنی سمجھے!

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں "انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انکی اپنی رائے ہے نہ کہ خدا کا کلام۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۸)

"اصلی بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اسکی نبوت کے بارے میں بٹھایا

جاتا ہے وہ دلائل تو آفتاب کیطرح چمک اٹھتے ہیں اور اسقدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی جیسا کہ جو چیزیں انسان کے قریب لائی جائیں اور آنکھوں کے قریب کی جائیں تو انسان کی آنکھ انکو پہچاننے میں غلطی نہیں کھاتی۔ اور قطعاً حکم دیتی ہے کہ یہ فلاں چیز ہے اور اس مقدار کی ہے۔ اور وہ صحیح ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز قریب نہ لائی جائے اور مثلاً نصف میل یا پاؤ میل سے کسی انسان کو پوچھا جائے کہ وہ سفید شے کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ایک سفید کپڑے والے انسان کو ایک سفید گھوڑا خیال کرے۔ یا ایک سفید گھوڑے کو انسان سمجھ لے۔ پس ایسا ہی نبیوں اور رسولوں کو ان کے دعوی اور انکی تعلیموں کے متعلق بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے۔ اور اس میں اس قدر تواتر ہوتا ہے جسمیں کچھ شک باقی نہیں رہتا لیکن بعض جزوی امور جو اہم مقاصد میں سے نہیں ہوتے انکو نظر کشفی دور سے دیکھتی ہے اور ان میں کچھ تواتر نہیں ہوتا۔ اسلئے کبھی انکی تشخیص میں دھوکہ بھی کھا لیتی ہے۔" (اعجاز احمدی صہ ۲۶)

(۲) حدیث میں ہے :- "قَالَ اَبُوْمُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اِنِّیْ اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ فَذَھَبَ وَھْلِیْ اِلٰی اَنَّھَا الْیَمَامَۃُ اَوْھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الْمَدِیْنَۃُ یَثْرِبُ" (بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم و اصحابہ الی المدینہ جلد ۲ صہ ۲۰۲ و کتاب الرؤیا باب اذا رأی بقر تنحر جلد ۴ صہ ۱۳۲ مطبوعہ مطبع الہیہ)

ترجمہ :- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ جہاں کہ بہت کھجوریں ہیں۔ پس میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ ہے یا ہجر۔ مگر دراصل وہ تھا مدینہ (یثرب) اور "رُؤْیَا النَّبِیِّ وَحْیٌ" (بخاری جلد ۱ ص۳ حاشیہ و جلد ۲ ص۱۴۰ حاشیہ) نبی کی رؤیا وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں رؤیائے نبوی کو وحی میں شامل کیا گیا ہے۔ "اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ" (بخاری جلد ۴ ص۱۲۷ باب التفسیر) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی میں سب سے پہلے رؤیا صادقہ شروع ہوئیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا۔ "اَسْرَعُكُنَّ لَحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا" یعنی تم میں سے سب سے پہلے میری وفات کے بعد جو آ کر مجھ سے اگلے جہان میں ملے گی وہ وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ بیویوں نے حضور کے سامنے ہی اپنے اپنے ہاتھ ناپے۔ تو ہاتھ لمبے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے۔ مگر وفات سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے پائی جس سے معلوم ہوا۔ کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھوں کا لمبا ہونا نہ تھا۔ بلکہ سخاوت کرنے والی مراد تھی۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۶۵ مطبع اصح المطابع باب الانفاق)۔

(۴) قرآن مجید میں بھی حضرت نوحؑ کا واقعہ مذکور ہے "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ" کہ خداتعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو وحی کی۔ اور حکم دیا۔ کہ تو ہمارے حکم سے ایک کشتی بنا۔ اور تو ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ ضرور غرق ہو جائیں گے۔

پھر لکھا ہے :- "قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ" (ہود رکوع ۴) کہ ہم نے کہا کہ اے نوحؑ! اس کشتی میں سوار کر ہر ایک جوڑے میں سے دو دو۔ اور اپنے "اہل" کو بھی بجز اس کے جس کے متعلق پہلے ہم کہہ چکے ہیں اور مومنوں کو بھی۔ پس جب طوفان تلاطم خیز آیا۔ اور حضرت نوحؑ کا بیٹا (جو ظالم تھا۔ اور جس کے متعلق علم تھا۔ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (کہ اس کو کشتی میں نہ بٹھانا) جب وہ ڈوبنے لگا تو :- "وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا" تو حضرت نوحؑ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ اے بیٹا۔ آ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ مگر وہ نہ آیا۔ اور ڈوب گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ خدا تعالےٰ کو کہتے ہیں۔ "وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" (ہود رکوع ۴) اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا۔ اے اللہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ تو سچا (ہوتا) ہے۔ اور تو (تو) احکم الحاکمین (یعنی سب سے سچا فیصلہ کرنیوالا) ہے خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ اے نوحؑ! وہ تیرے "اہل" میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اسکے عمل اچھے نہ تھے۔ پس تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق گفتگو نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تو جاہلوں میں سے نہ بن۔

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نبی ایک وقت تک وحی کے سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے۔ ہاں خدا تعالےٰ اس کو غلطی پر قائم نہیں رکھتا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے۔ اگر سوال ہو کہ حضرت نوح علیہ علیہ السلام کتنا عرصہ تک اس اجتہادی غلطی میں مبتلا رہے۔ تو اس کے لئے تفسیر حسینی کا ملاحظہ کرنا چاہئیے۔ لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب یہ الہام ہوا کہ "لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ" وغیرہ۔ تو اس کے بعد انہوں نے وہ درخت بو یا جس کی لکڑی سے کشتی بنائی گئی۔ وہ درخت بیس سال میں مکمل ہوا۔ اسے کاٹ کر حضرت نوحؑ دو سال تک کشتی بناتے رہے۔ چالیس دن رات طوفان نے جوش مارا۔ اور کشتی طوفان میں چھ ماہ تک رہی۔ گو اصل "اهل" والے الہام کے نازل ہونے سے لے کر کشتی سے اترنے تک کم از کم ۲۲½ سال ہوتے ہیں۔
(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۶۶۳/۴۶۴ سورہ ہود زیر آیت ۱۲)

(۵) پھر اہلسنت والجماعت کے عقائد کی مشہور و معروف کتاب "نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی" میں لکھا ہے "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَاءً كَمَا ذَكَرَهُ الْأُصُولِيُّونَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ تَبَعًا لِأَمْرِ اللهِ وَهُمْ يُرَاجِعُونَهُ فِي ذَالِكَ.... وَفِي الْحَدِيْثِ صَلْعَم مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ" (نبراس صفحہ ۳۹۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی غلط بھی ہو جاتا تھا جیسا کہ اصولیوں

اُنے لکھا ہے۔ اور ان امور میں جن کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہوں۔ تو وہ درست ہوتی ہے (یعنے اس میں غلطی کا امکان نہیں) ہاں جو بات میں اس وحی الٰہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں۔ تو یاد رکھو۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔ اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہوں اور درست اجتہاد بھی۔

نبی کا الہام بھول جانا

مرزا صاحب اپنے بعض الہامات بھول گئے ؟

جواب:۔ وحی دو قسم کی ہوتی ہے (۱) جو لوگوں کے لئے بطور نشان اور بغرض ہدایت نازل ہوتی ہے (۲) نبی کی اپنی ذات کے متعلق ہوتی ہے۔ اور اس کا لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اول الذکر قسم کی وحی نبی کو بھول نہیں سکتی ہاں دوسری قسم کی وحی بعض دفعہ خدا تعالےٰ اپنی خاص حکمت کے ماتحت نبی کے لوح دل سے محو فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ " سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ " (سورہ اعلیٰ پ۳۰ ع۱) کہ اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید پڑھیں گے۔ اس کو مت بھولنا۔ سوائے اس کے جس کو خدا تعالےٰ خود بھلانا چاہے۔

(۲) يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (رعد رکوع ۶) کہ خدا تعالےٰ جس وحی کو چاہتا ہے۔ مٹا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے مضبوط کر کے دل میں

ثبت کر دیتا ہے۔

(۳) بخاری میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يَقْرَءُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا اٰيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا" (بخاری کتاب الشہادات باب شہادت الاعمیٰ وامرہا جلد ۲ صفحہ ۱۲ مصری)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ رسول خدا صلعم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ تو آپ نے فرمایا "اللہ اس پر رحمت کرے۔ اس نے فلاں فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول گیا تھا مجھے یاد دلا دی"۔

(۴) یہ ضروری نہیں کہ جو وحی نبی پر نازل ہو۔ وہ سب لوگوں تک پہنچائی جائے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ کئی ایسے الہامات آنحضرت صلعم کو ہوئے جو قرآن مجید میں من وعن مذکور نہیں۔ جیسے وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ" (انفال ع ۱) وہ اصل وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ مفصل دیکھو مضمون "اہل قرآن سے چار سوالات" مشمولہ پاکٹ بک ہذا۔

(۵) بخاری میں ہے۔ فَقَالَ اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلعم۔ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ صَبِيحَةَ عِشْرِيْنَ فَخَطَبَنَا وَقَالَ اِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا اَوْ نُسِّيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ التراویح۔ باب

التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر جلد ۱ صـ۲۲۵) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے آنحضرت صلعم کے ہمراہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر آپ بیسویں تاریخ کی صبح کو باہر تشریف لائے۔ اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ مگر پھر مجھ سے بھلادی گئی --- یا یہ فرمایا کہ "میں بھول گیا" پس اب تم اس کو (رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

(۶) بخاری میں اس سے بھی زیادہ واضح حدیث اس باب میں حضرت عبادہؓ بن صامتؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں "خَرَجَ النَّبِیُّ صلعم لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰی رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰی فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ" (بخاری کتاب التراویح باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر جلد ۱ صـ۲۵۵ مصری)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمیں لیلۃ القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے۔ تو (آپؐ نے دیکھا کہ) مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میں باہر آیا تھا۔ تاکہ تم کو لیلۃ القدر بتاؤں۔ پس فلاں فلاں دو آدمی آپس میں جھگڑے۔ اس لئے (لیلۃ القدر) مجھے بھلادی گئی۔ اور قریب تھا کہ اس کا علم تمہارے لئے مفید ہوتا۔"

حصّۂ دوم

پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات

پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ

خدا تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ

جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب نازل کرنے سے قبل آخری اتمام حجت کے طور پر ایک حکم دیا کرتا ہے۔ وہ حکم اپنی ذات میں نہایت معمولی حکم ہوتا ہے۔ مگر اس کی خلاف ورزی "اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا" ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اسی قانون کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّھْلِکَ قَرْیَۃً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا فَفَسَقُوْا فِیْھَا فَحَقَّ عَلَیْھَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰھَا تَدْمِیْرًا ؁ (بنی اسرائیل ع ۲) کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس کے خوشحال لوگوں کو ایک حکم دیتے ہیں۔ جس پر وہ نافرمانی کرتے ہیں اس کی۔ پس ان پر فرد جرم لگ جاتا ہے۔ اور ہم اس کو

بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس قسم کی اتمام حجت کی ایک مثال سورۃ الشمس میں بیان فرمائی ہے
فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا۔ پس قوم ہود سے اللہ
کے نبی (صالحؑ) نے فرمایا۔ کہ خدا کی اس اونٹنی کا خیال رکھو۔ اور اس کو پانی
پلاؤ۔ پس انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے۔ پس
ان کو خدا تعالےٰ نے ان کے گناہ اور نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیا۔

پس یہی سنت الٰہیہ تھی۔ جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ وہ لوگ (جیسا کہ تفصیل
آگے آئے گی) خدا تعالےٰ کے منکر۔ آنحضرت صلعم اور قرآن کے دشمن تھے
ہندو تہذیب اور ہندوانہ رسوم کا ان پر گہرا اثر تھا۔ جس طرح ہندوؤں کے
ہاں اپنی گوتر اور خاندان میں نکاح ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ،
(مرزا احمد بیگ وغیرہ) بھی یہ خیال کرتے تھے۔ کہ اسلام نے جو چچا۔ ماموں اور
خالہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے یہ نہایت قابل اعتراض ہے۔
وہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ مندرجہ بالا رشتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح
کرنا حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ نکاح کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آنحضرت
صلعم نے جو اپنی خالہ کی لڑکی (حضرت زینبؓ) سے نکاح کیا وہ بھی ناجائز
تھا۔ سو خدا تعالےٰ نے ان کی بدکرداریوں اور نافرمانیوں کے باعث (جن کی
تفصیل آگے آئیگی) ان کو قوم صالحؑ کی طرح ایک آخری حکم دیا کہ وہ (احمد بیگ)

اپنی لڑکی کا نکاح حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کر دیں گے۔ تو یہ نکاح قرآن مجید کی آیت "کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ" کے مطابق (کہ صادقین کے ساتھ تعلق پیدا کرو) موجب رحمت اور برکت ہوگا (۲) چونکہ حضرت کا رشتہ ان لوگوں کے ساتھ اسی قسم کا تھا جس کو ہندوانہ رسوم کے ماتحت برا سمجھتے تھے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے خصوصیت سے اسی امر کو چنا جس طرح آنحضرت صلعم کے زینبؓ (مطلقہ زیدؓ) کے ساتھ نکاح کے متعلق خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ۔

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (احزاب ع ۵)

ہم نے یہ نکاح کیا تاکہ مومن اپنے متبنّوں کی مطلقہ بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کو برا نہ سمجھیں۔ گویا اس بد رسم کو مٹانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کا زینبؓ سے نکاح کیا۔ بعینہٖ اس جگہ بھی اسی امر کو چنا۔ تا ان کی اصلاح ہو اور یہ خیالات فاسدہ ان کے دماغ سے نکل جائیں۔

(۳) تیسری حکمت اس میں یہ تھی۔ کہ چونکہ اللہ تعالےٰ کو ان کی اصلاح مقصود تھی۔ اور تاریخ اسلامی سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کے ساتھ جسمانی رشتہ لڑکی کے خاندان کی اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان۔ اور سودہ بنت زمعہ کے آنحضرت صلعم کے نکاح میں آ جانے کی وجہ سے ان کے خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اتمام حجت کے لئے یہ آخری حکم مرزا احمد بیگ وغیرہ کو دیا۔

مخالفینِ انبیاء کا شیوۂ تکذیب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ جو اپنی تمام شروط کے ساتھ لفظاً لفظاً پوری ہو گئی۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ "اور ہم نے سلطان محمد کے بارے میں اس کی موت کی وجۂ تاخیر علیحدہ اشتہار میں ایسے طور پر ثبت کر دی ہے جس کے قبول کرنے سے کسی ایماندار کو عذر نہیں ہو گا۔ اور بے ایمان جو چاہے سو کہے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ پیشگوئی اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ پوری ہوئی۔ جس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کر سکتا" (انوار اسلام صفحہ)

نوٹ:۔ بعض ان لوگوں نے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا علم نہیں خاکسار پر طعن کیا ہے۔ کہ گویا یہ دعویٰ کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی خاکسار کی ایجاد ہے جیسا کہ مولوی ثناء اللہ جس نے اس پاکٹ بک کی نقل کر کے ایک اشتہاری پاکٹ بک "ثنائی پاکٹ بک" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے صفحہ پر یہی اعتراض لکھا ہے۔ حالانکہ یہ محض اس کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔ **خادم**

اہل بصیرت نے اس پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور حقانیت کی ایک دلیل سمجھا۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے بیسیوں آدمی حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ مگر "علماء ھم" اپنے شیوۂ استہزاء و تمسخر سے باز نہ آئے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ "فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا" کہ جب زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔ تو ہم نے آپ کے ساتھ آسمان پر نکاح پڑھ دیا۔ یہی لفظ "زَوَّجْنٰکَهَا" کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے محمدی بیگم کے متعلق فرمایا۔ وہاں شرائط کے تحقق کے باعث حضرت زینب کا نکاح ہو گیا۔ مگر پھر بھی مخالفین اس پہ اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔ اور آجتک اس کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں شرائط کے عدم تحقق کے باعث محمدی بیگم کا نکاح نہ ہوا تو اس پر بھی مخالفین اعتراضات کرنے میں پیش از پیش ہیں۔ غرضیکہ نکاح کا ہونا یا نہ ہونا باعث اعتراض نہیں۔ بلکہ اس کا باعث درحقیقت وہ فطری بغض ہے جو روزِ اول سے معاندین و مکذبین کے شاملِ حال رہا ہے۔

چنانچہ ہم محمدی بیگم کے ساتھ متعلقہ پیشگوئی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ذیل کر کے اہل بصیرت حضرات سے اپیل کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا کے لئے انصاف و خدا ترسی کے ساتھ اس پیشگوئی پر نظر ڈالیں گے تو ان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ کہ نہ صرف یہ کہ اس پیشگوئی پہ مخالفین کی طرف سے جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ یہ پیشگوئی بعینہٖ اسی طرح جسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بیان فرمایا تھا پوری ہوئی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔

مخالف علماء کی غلط بیانیاں

مخالف علماء اس پیشگوئی پہ اعتراض کرنے کیلئے ہمیشہ صداقت اور انصاف

کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا:۔ کہ محمدی بیگم کے ساتھ میرا نکاح ہو جائیگا۔ اگر میرا نکاح محمدی بیگم سے نہ ہُوا تو میں جھوٹا ہو جاؤں گا۔ اور "بد سے بدتر ٹھہروں گا" چونکہ مرزا صاحب کا نکاح محمدی بیگم سے نہیں ہُوا۔ لہٰذا مرزا صاحب جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ) یہ وہ طریق ہے جس سے وہ اس پیشگوئی کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا شاہد ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ افترا اور دھوکہ ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی طرح پیشگوئی فرمائی ہوتی۔ تو غیر احمدی علماء کا اعتراض درست ہوتا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مخالف علماء ہمیشہ اصل واقعات کو حذف کر کے بے حد تحریف کے ساتھ پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پیشگوئی کی غرض و غایت

اس پیشگوئی کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسکی اصل غرض و غایت کو بیان کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ اللّٰہَ رَأٰی اَبْنَاءَ عَمِّیْ وَغَیْرَھُمْ مِنْ شُعُوْبِ اَبِیْ رُوْحِیْ اَلْمُغْمُوْرِیْنَ فِی الْمُھْلِکَاتِ وَالْمُسْتَغْرِقِیْنَ فِی السَّیِّئَاتِ مِنَ الرُّسُوْمِ الْقَبِیْحَۃِ وَالْعَقَائِدِ الْبَاطِلَۃِ وَالْبِدْعَاتِ وَرَاٰھُمْ مُنْقَادِیْنَ لِجَذْبَاتِ النَّفْسِ وَاسْتِیْفَاءِ الشَّھَوَاتِ وَالْمُنْکِرِیْنَ لِوُجُوْدِ اللّٰہِ وَمِنَ الْمُفْسِدِیْنَ" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں .....
(احمد بیگ وغیرہ) کو مہلک خیالات و اعمال میں مبتلا اور رسوم قبیحہ عقائد

باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا۔ اور انکو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے لحاظ سے پیروانِ جذبات و شہوات نفسانیہ ہیں اور نیز یہ کہ وہ وجود خداوندی کے منکر اور فسادی ہیں۔ اس کے آگے یہانتک فرمایا کہ وَکَانُوْا اَشَدَّ کُفْرًا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْمُنْکِرِیْنَ لِقَضَاءِ اللّٰہِ وَقَدَرِہٖ وَمِنَ الدَّھْرِیِّیْنَ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۰) وہ لوگ خدا اور رسول کے پکے منکر اور قضا اور قدر کے نہ ماننے والے بلکہ دہریہ تھے ان کی بے دینی اور دہریت کا پوری طرح علم مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرمایا ہے:-

"فَاتَّفَقَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ اِنِّیْ کُنْتُ جَالِسًا فِیْ بَیْتِیْ اِذْ جَاءَنِیْ رَجُلٌ بَاکِیًا فَفَزِعْتُ مِنْ بُکَائِہٖ فَقُلْتُ اَجَاءَکَ نَعْیُ مَوْتٍ قَالَ بَلْ اَعْظَمُ مِنْہُ اِنِّیْ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَنْ دِیْنِ اللّٰہِ فَسَبَّ اَحَدُھُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ سَبًّا شَنِیْعًا اَغْلِیْظًا مَا سَمِعْتُہٗ قَبْلَہٗ مِنْ فَمِ کَافِرٍ وَرَاَیْتُھُمْ اَنَّھُمْ یَجْعَلُوْنَ الْقُرْاٰنَ تَحْتَ اَقْدَامِھِمْ وَیَتَکَلَّمُوْنَ بِکَلِمَاتٍ یَرْتَعِدُ الْاِنْسَانُ مِنْ نَقْلِھَا۔ وَیَقُوْلُوْنَ اَنَّ وُجُوْدَ الْبَارِیْ لَیْسَ بِشَیْءٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ فِی الْعَالَمِ اِنْ ھُوَ اِلَّا کِذْبُ الْمُفْتَرِیْنَ قُلْتُ اَوَلَمْ حَذَّرْتُکَ مِنْ مَجَالِسِھِمْ فَاتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَقْعُدْ مَعَھُمْ وَکُنْ مِنَ التَّائِبِیْنَ" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۸)

یعنی ایک رات ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تم کو کسی کے

مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ابھی ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دین خداوندی سے مرتد ہو چکے ہیں۔ پس ان میں سے ایک نے آنحضرت صلعم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سُنی۔ اور میں نے انہیں دیکھا۔ کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ اور ایسے کلمات بولتے ہیں کہ زبان بھی ان کو نقل کرتے سے گندی ہوتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود کوئی چیز نہیں۔ اور یہ کہ دنیا میں کوئی معبود نہیں۔ یہ صرف ایک جھوٹ ہے جو مفتریوں نے بولا۔ میں نے آپ سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں ان کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو اور آئندہ ان کے ساتھ کبھی نہ بیٹھنا۔ اور توبہ کرو۔"

"وَكَانُوا يَسْتَهْزِؤُنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ (قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ) اِنَّ الْقُرْاٰنَ مِنْ مُفْتَرِيَاتِ مُحَمَّدٍ (صلعم) وَكَانُوْا مِنَ الْمُرْتَدِّيْنَ (صفحہ ۵۶۸) کہ وہ خدا اور رسول پر تمسخر کرتے اور کہتے تھے کہ قرآن نعوذ باللہ...... آنحضرتؐ کا افتراء ہے اور وہ مرتد تھے۔

غرضیکہ ان لوگوں کی یہ حالت تھی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ماموریت من اللہ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو خدا کی ہستی ہی کے سرے سے منکر تھے۔ ایسا دعویٰ اور زیادہ استہزا اور تمسخر کا محرک ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نہایت بے باکی اور شرارت کے ساتھ سلوک کرنا شروع کیا

اور کہا "فَلْيَاتِنَا بِاٰيَةٍ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ " (صـ ۵۶۸ آئینہ کمالات اسلام) کہ اگر سچا ہے۔ تو کوئی نشان ہمیں دکھائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔ " فَكَتَبُوْا كِتَابًا كَانَ فِيْهِ سَبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَسَبُّ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْكَارُ وُجُوْدِ الْبَارِيْ عَزَّ اِسْمُهٗ وَمَعَ ذَالِكَ طَلَبُوْا فِيْهِ اٰيَاتِ صِدْقِيْ مِنِّيْ وَاٰيَاتِ وُجُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَرْسَلُوْا كِتَابَهُمْ فِي الْاٰفَاقِ وَالْاَقْطَارِ اَعَانُوْا بِهَا كَفَرَةَ الْهِنْدِ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا " (آئینہ کمالات اسلام صـ ۵۶۸)

کہ انہوں نے ایک خط لکھا جس میں آنحضرت صلعم اور قرآن مجید کو گالیاں دی ہوئی تھیں۔ اور خدا تعالےٰ کی ہستی کے لئے نشان طلب کیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنا یہ خط آفاق و اقطار میں شائع کیا۔ اور ہندوستان کے دوسرے غیر مسلموں (عیسائیوں) نے اس میں ان کی بہت مدد کی - اور انہوں نے انتہائی سرکشی کی۔ (یہ خط اخبار چشمۂ نور اگست ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا)

ان کی اس انتہائی شوخی اور مطالبہ نشان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے دعا فرمائی - جس کا ذکر حضرت نے آئینہ کمالات اسلام کے صـ ۵۶۹ پر بدیں الفاظ شروع فرمایا ہے :۔

" وَقُلْتُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَائَكَ " الخ کہ میں نے کہا۔ اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد فرما

اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

اس کے جواب میں خدا تعالےٰ کی طرف سے حضور کو الہاماً وہ نشان دیا گیا جس کے لئے وہ لوگ اس قدر بے تاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ "اِنِّیْ رَاَیْتُ عِصْیَانَھُمْ وَطُغْیَانَھُمْ فَسَوْفَ اَضْرِبُھُمْ بِاَنْوَاعِ الْاٰفَاتِ اُبِیْدُھُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوٰتِ وَسَتَنْظُرُ مَا اَفْعَلُ بِھِمْ وَکُنَّا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَادِرِیْنَ۔ اِنِّیْ اَجْعَلُ نِسَاءَھُمْ اَرَامِلَ وَاَبْنَاءَھُمْ یَتَامٰی۔ وَبُیُوْتَھُمْ خَرِبَۃً لِیَذُوْقُوْا طَعْمَ مَا قَالُوْا وَمَا کَسَبُوْا وَلٰکِنْ لَا اُھْلِکُھُمْ دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً بَلْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ وَیَکُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِیْنَ اِنَّ لَعْنَتِیْ نَازِلَۃٌ عَلَیْھِمْ وَعَلٰی جُدْرَانِ بُیُوْتِھِمْ وَعَلٰی صَغِیْرِھِمْ وَکَبِیْرِھِمْ وَنِسَاءِھِمْ وَرِجَالِھِمْ وَنَزِیْلِھِمُ الَّذِیْ دَخَلَ اَبْوَابَھُمْ وَکُلُّھُمْ کَانُوْا مَلْعُوْنِیْنَ۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹)

ترجمہ: میں نے ان کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی پس میں عنقریب انکو مختلف قسم کی آفات سے ماروں گا۔ اور ان کو زیر آسمان ہلاک کردوں گا۔ اور عنقریب تو دیکھے گا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں؟ اور ہم ایک چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو بیوائیں۔ ان کے بچوں کو یتیم اور انکے گھروں کو ویران کردوں گا۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں۔ لیکن میں انہیں یکدم ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ۔ تاکہ وہ رجوع کریں۔ اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور میری لعنت ان پر۔ اور

ان کے گھروں کی چار دیواری پر اور ان کے بڑوں اور ان کے چھوٹوں اور ان کی عورتوں اور ان کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اتریں نازل ہونے والی ہے۔ اور وہ سب کے سب ملعون ہوں گے۔

پیشگوئی کی مزید تفصیل

مندرجہ بالا عبارت میں صاف طور پر بتایا گیا تھا۔ کہ خدا ان کی عورتوں کو بیوائیں اور ان کے بچوں کو یتیم کر دے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی توبہ اور رجوع کی شرط بھی مذکور ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ان کو یکدم ہلاک نہیں کرے گا۔ تاکہ اگر وہ توبہ کر لیں تو بچ جائیں۔

ان عورتوں کو بیوائیں اور بچوں کے یتیم بننے کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی دختر کلاں (محمدی بیگم) کا رشتہ حضرت مسیح موعود سے کر دے گا۔ تو وہ اور اس کا خاندان اسی طرح روحانی برکات سے حصہ پائے گا۔ جس طرح ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان اور سودہؓ بنت زمعہ نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر اپنے قبیلہ اور خاندان کو پہنچایا۔ (کہ ان کے خاندان اور قبیلے ان کے نکاح کے باعث اسلام میں داخل ہو گئے)

الہام الٰہی نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا۔ کہ وہ اپنی اندرونی حالت (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے باعث ہرگز یہ رشتہ نہیں کرے گا۔ اور اس صورت میں جس دن وہ کسی اور شخص سے اس کا نکاح کر دیگا۔ اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں۔ اور جس شخص سے اس

لڑکی کا نکاح ہو گا۔ وہ ۲½ سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا۔
اور لڑکی بیوہ ہونے کے بعد حضرت کے نکاح میں آئے گی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں:
"اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروّت تم سے اس شرط سے کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا۔ اور تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصّہ پاؤ گے۔ جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی۔ وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا۔"
(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۶)

الہام الٰہی نے ساتھ ہی ایک اور بات بتا دی کہ (۱) مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح ضرور کسی دوسری جگہ کر دے گا۔ چنانچہ اس کے لئے الہامات یہ ہیں:۔ "کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۸۶)

یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ اور ان کے ساتھ تمسخر واستہزاء کیا۔ خدا تعالیٰ انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائیگا۔ یہ دونو الہامات بتا رہے ہیں کہ لڑکی کا رشتہ ضرور کسی دوسری جگہ ہو جائیگا۔ وہ لوگ اس نشان الٰہی کی تکذیب کرینگے۔ اور لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کر دینگے۔ دوسرا الہام تو صریح طور پہ بتا رہا ہے کہ نکاح ضرور دوسری جگہ ہو گا۔ "واپس لانا" (یردھا) کا لفظ اس پہ صریح نص ہے۔ اس کے ساتھ دوسری (۲) بات یہ بھی بتا دی گئی کہ احمد بیگ اور اس کے داماد وغیرہ کی ہلاکت توبہ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہو گی۔

"لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَّاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹)

کہ میں ان کو یکدم ہلاک کرونگا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کرلیں۔ اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

(۳) "اگر وہ توبہ نہ کرینگے۔ تو خدا اُن پر بلا پر بلا نازل کریگا۔ یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائینگے۔ ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائینگے۔ اور اُنکی دیوار وں پر غضب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کرینگے۔ تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔" (اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء۔ ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام۔ و تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۔ و نیز حاشیہ صفحہ ۶۱/۶۰)۔

دونوں عبارتیں بالکل واضح ہیں۔ اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف طور پر ان میں توبہ کی شرط مذکور ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ ان لوگوں پر (جن کی ہلاکت کی پیشگوئی کی تھی) اگر وہ توبہ نہ کریں۔ اور رجوع نہ لائیں گے۔ تو عذاب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے۔ تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔

(۳) تیسرا ثبوت اس امر کا کہ پیشگوئی میں توبہ کی شرط مذکور تھی حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الہامات ہیں۔ جو حضورؑ نے اس پیشگوئی کے متعلق شائع فرمائے:۔

"رَأَيْتُ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ وَأَثَرُ الْبُكَاءِ عَلٰى وَجْهِهَا فَقُلْتُ أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ"

(اشتہار ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)۔

"کہ میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو کشفی حالت میں) دیکھا اور رونے کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ پس میں نے اس سے کہا۔ کہ اے عورت! توبہ کر۔ کیونکہ بلا تیری اولاد پہ ہے۔ اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے۔ ایک مرد مر جائیگا۔ اور اس کی طرف سے کتے باقی رہ جائیں گے"

ان الہامات میں "توبی توبی" کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ وہ مصیبت جو اس خاندان پر آنیوالی تھی۔ وہ توبہ سے ٹل سکتی تھی

اور "توبی توبی" میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کرنے سے خداتعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اس انذاری پیشگوئی میں "توبہ" کا دروازہ بہت وسیع ہے۔

کبیرہ گناہوں کو چھوڑ کر جو دوسرے صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ ان کیلئے ایک آدمی کی دُعا سے دوسرے کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ التحیات میں یہ دُعا سکھائی گئی :۔

"رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ" کہ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش۔ اسی طرح سے اپنی "ذریت" کے لئے بھی دعا سکھائی گئی۔ کہ "رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ" کہ اے اللہ مجھے اور میری ذریت کو بھی نماز کا قائم کرنے والا بنا۔

غرضیکہ "تُوبی تُوبی" میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کر کے بتایا گیا ہے کہ اس پیشگوئی میں جو "توبہ" کی شرط لگائی گئی ہے۔ تو اس کیلئے دروازہ بہت کھلا ہے۔ یہانتک کہ "نانی" کی دُعا اور استغفار سے نواسی کی مصیبت ٹل سکتی ہے۔ چہ جائیکہ وُہ خود توبہ اور استغفار کریں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل پیشگوئی یہ نہ تھی۔ کہ "محمدی بیگم میرے نکاح میں آجائیگی"۔ بلکہ پیشگوئی یہ تھی۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد "اگر توجہ نہ کریں گے"۔ (دیکھو مندرجہ بالا اقتباس ۱ تا ۲ از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) تو تین اور اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیں۔ اور ان کی ہلاکت کے بعد محمدی بیگم بیوہ ہو کر "حضرت کے نکاح میں آئے گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اپنے اشتہار

۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں صاف طور پر تحریر فرمادیا ہے:۔

"خداتعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا۔ تو تین برس کے عرصہ تک۔ بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا۔ روزِ نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہو جائیگا۔ اور آخر وہ عورت میرے نکاح میں آئیگی"

(۲) اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمدی بیگم کا حضرتؑ کے نکاح میں آنا۔ احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت پر موقوف تھا۔ یہ ہے:۔ "یموتُ بعلُھا و اَبُوھا اِلٰی ثلاثِ سَنَةٍ مِنْ یومِ النِّکاحِ ثُمَّ نَرُدُّھا اِلَیک بعدَ موتِھما" (کرامات الصادقین آخری ٹائیٹل پیج) کہ اس کا خاوند اور باپ یوم نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائینگے۔ اور ان دونوں کی موت کے بعد ہم اس عورت کو تیری طرف واپس لائیں گے۔

(۳) اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نکاح کی پیشگوئی اصل پیشگوئی نہ تھی بلکہ اصل پیشگوئی احمد بیگ اور سلطان محمد کی ہلاکت تھی یہ ہے:۔ "کَانَ اَصْلُ المَقْصُودِ الْاِھْلَاکَ وَتَعْلَمُ اَنَّہٗ ھُوَ الْمِلَاکُ وَاَمَّا تَزْوِیْجُھَا اِیَّایَ بَعْدَ اِھْلَاکِ الْھَالِکِیْنَ وَالْھَالِکَاتِ فَھُوَ لِاِعْظَامِ الْاٰیَةِ فِی

آعْقِبُنِ الْمَخْلُوْقَاتِ " (انجام آتھم صفحہ ۲۱۶) کہ میری پیشگوئی کا اصل مقصد تو (ان دونوں کا) ہلاک کرنا تھا۔ اور اس عورت کا میرے نکاح میں آنا ان کی موت کے بعد ہے۔ اور وہ بھی محض نشان کی عظمت کو لوگوں کی نظر میں بڑھانے کے لئے نہ کہ اصل مقصود۔

غرضیکہ یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت کی اصل پیشگوئی یہ تھی کہ مرزا سلطان محمد اور احمد بیگ " اگر توبہ نہ کرینگے " تو تین سال کے عرصہ میں فوت ہوجائینگے اور " ان کی وفات کے بعد " محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آئے گی۔

یہاں پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداتعالٰے نے حضرت مرزا صاحب کو یہ بتایا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد اگر توبہ نہ کرینگے تو تین برس کے عرصہ میں ہلاک ہوجائیں گے۔ جب خدا نے توبہ کی شرط لگا دی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں؟ اور اگر اٹھائینگے تو کس حد تک؟ کیونکہ خداتعالٰی تو عالم الغیب ہے۔ اس کو تو معلوم تھا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں تو اس سوال کا جواب " تُوبِی تُوبِی " والے الہام کے ساتھ ہی اگلے الفاظ میں دیا ہے۔ فرمایا " تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَاقِبِکِ وَ الْمُصِیْبَۃُ نَازِلَۃٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَ یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ " (تتمہ اشتہار ۱۵ر جولائی حاشیہ اشتہار ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء تبلیغ رسالت صفحہ ۱۲۳ جلد ۱ حاشیہ) کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر۔ تجھ پر اور تیری لڑکی کی لڑکی پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ (ان دونوں) مرد دل

احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے) ایک مرد ہی مریگا۔ (یعنی وہ توبہ نہیں کریگا۔ لیکن دُوسرا توبہ کرکے شرط سے فائدہ اُٹھائیگا۔ اور نہیں مریگا۔ اور اس طرح سے عورت بیوہ نہ ہوگی نہ نکاح ہوگا) اور "گتے بھونکتے رہ جائیں گے" "کہ نکاح کیوں نہیں ہوا۔ یعنی بے وجہ اعتراض کرتے رہینگے۔

اِس الہام میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے ایک شخص توبہ کی شرط سے فائدہ نہیں اُٹھائیگا۔ اور اسکی موت ہوگی۔ دُوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اٹھاکر بچ جائے گا۔

"یَمُوْتُ" واحد مضارع مذکر کا صیغہ ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ "ایک مرد مرے گا"۔ خادم

اَب ہم مندرجہ بالا بحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی یہ تھی:۔

(۱) احمد بیگ ضرور اپنی لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرے گا۔ (یَرُدُّھَا اِلَیْکَ)۔

(۲) نکاح کرنے کے بعد "اگر توبہ نہ کریں گے" تو تین سال کے عرصہ میں احمد بیگ اور اس کا داماد مر جائیں گے۔ اور اندریں صورت لڑکی بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی"۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و ضمیمہ ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء)۔

(۳) توبہ کی شرط سے دونوں میں سے ایک فائدہ نہیں اٹھائیگا۔ اور مر جائے گا۔ (یَمُوْتُ)

(۴) دُوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اُٹھائیگا۔ اور توبہ کرکے بچ جائے گا۔ (یَمُوْتُ) کیونکہ دونوں میں سے ایک نے مرنا ہے۔

(۵) لڑکی بیوہ نہ ہوگی۔ (نتیجہ شق چہارم)

(۶) اس وجہ سے نکاح نہ ہوگا۔ (کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد ہی ہونا تھا۔ انجام آتھم صؔ ۲۱۶)۔

(۷) اور وہ لوگ جو ہر حالت میں زبان نکالنے کے عادی ہیں (جسکو قرآن نے اعراف رکوع ۲۲ میں "یَلْہَث" کے لفظ سے یاد کیا ہے) وہ اس پر اعتراض کرتے رہیں گے۔ (یَبْقیٰ مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ)

پیشگوئی پوری ہوگئی

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ بالا اُمور پر مشتمل تھی۔ آؤ اب ذرا واقعات پر نگاہ ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ کیا خدا کے مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ باتیں پوری ہوئیں یا نہ؟ واقعات نے بتا دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طرح پیشگوئی کی تھی۔ حرف بحرف اسی طرح پوری ہوئی۔

(۱) احمد بیگ نے محمدی بیگم کا نکاح ۷ر اپریل ۱۸۹۲ء کو مرزا سلطان محمد سے کر دیا۔

(۲) احمد بیگ نے توبہ کی شرط سے فائدہ نہ اُٹھایا اور روز نکاح سے پانچ مہینے ۲۴ دن بعد یعنی ۳۰ر ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہوگیا اور "یَمُوْتُ" والے الہام کا ایک پہلو پورا ہوگیا۔

(۳) سلطان محمد نے "توبہ" کی شرط سے پیشگوئی کے مطابق فائدہ اٹھایا۔ اور

توبہ کرکے بچ گیا۔ (یہ موت کا دوسرا پہلو بھی پورا ہوگیا۔)

(۴) چونکہ سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ گیا۔ اس لئے محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔

(۵) چونکہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس لئے نکاح بھی نہ ہوا۔ (کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد ہونا تھا۔ انجام آتھم صـ۲۱۶)

(۶) معترضین آجتک اعتراض کرتے اور اپنی مخصوص ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے۔ اور خود بخود "یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ" والے الہام کو پورا کرتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طریق سے پیشگوئی فرمائی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئی۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط تھی۔ محمدی بیگم کا حضرتؑ کے نکاح میں آنا تین سال میں سلطان محمد اور احمد بیگ کی موت پر موقوف تھا۔ اور ان دونوں کا تین سال میں مرنا انکے توبہ نہ کرنے پر موقوف تھا۔ سلطان محمدؐ نے "توبہ کی" وہ تین سال میں نہ مرا۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔ لہذا نکاح نہ ہوا۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔

ہمارے تمام بیان کا انحصار صرف دو باتوں پر ہے:-

۱- پیشگوئی میں توبہ کی شرط موجود تھی۔

۲- سلطان محمدؐ نے "توبہ" کی شرط سے فائدہ اٹھایا۔

اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوں۔ تو پھر کسی منصف مزاج اور حق پسند

انسان کو اس پیشگوئی پر کوئی معمولی سے معمولی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ محمدی بیگم کا نکاح حضرت مسیح موعودؑ سے صرف اس صورت میں ہونا تھا۔ کہ سلطان محمد توبہ نہ کرے۔ اور تین سال میں مر جائے۔ اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے۔ کہ سلطان محمد نے واقعی توبہ کی۔ اور اس وجہ سے تین سال میں مرنے سے بچ گیا۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ سو اس بات کا ثبوت کہ اصل پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط موجود تھی؟ ہم صفحہ ۷۶۹ پر آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹ و اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و الہام "تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ" درج کر آئے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو ایک تحریریں درج کرتے ہیں:۔

(۱) "مَا کَانَ اِلْہَامٌ فِیْ ھٰذِہِ الْمُقَدَّمَۃِ اِلَّا وَکَانَ مَعَہٗ شَرْطٌ" (انجام آتھم صفحہ ۲۲۳) کہ اس پیشگوئی کے متعلق مجھے ایک بھی الہام نہیں ہوا جس میں شرط مذکور نہ ہو۔

(۲) "اور بعض نادان کہتے ہیں کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیشگوئی شرطی تھی۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کی وحی اسکی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کر کے یہ تھی۔ "تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ" یعنی اے عورت توبہ کر توبہ کر کہ تیری لڑکی کی لڑکی پر بلا آنے والی ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۷)

سُلطان محمدؐ کی توبہ کا ثبوت

اب صرف اس امر کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ باقی رہا کہ مرزا سلطان محمد نے توبہ کی۔ اور فی الواقع پیشگوئی کی اس شرط سے فائدہ اٹھایا؟ سو یاد رہے کہ اس کی توبہ کے پانچ ثبوت ہیں:-

(۱) سب سے پہلا ثبوت اس امر کا کہ سلطان محمدؐ نے توبہ کی فطرتِ انسانی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب دو انسانوں کے متعلق ایک ہی حالت میں سے گذرنے کی پیشگوئی ہو۔ اور ان دونوں میں سے ایک پر بعینہ پیشگوئی کے مطابق حالت طاری ہو جائے تو دوسرے کو بھی یقین ہو جائیگا کہ میری بھی یہی کیفیت ہونے والی ہے۔ زید اگر عمر اور بکر کو یہ کہے کہ تم دونوں دو گھنٹے کے اندر کنوئیں میں گر کر مر جاؤ گے۔ اب اگر ایک ہی گھنٹہ بعد عمر واقعی کنوئیں میں گر کر مر جائے۔ تو طبعاً و فطرتاً بکر کو اپنی موت کا یقین ہو جائیگا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ اور احمد بیگ عین میعاد مقررہ کے اندر حسب پیشگوئی مر گیا۔ تو سلطان محمد پر خوف طاری ہونا اور اس کا توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرنا یقینی اور لازمی امر تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "سوایک ذرا سوچ سکتا ہے کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد جسکی موت پیشگوئی کا ایک جزو تھی۔ دُوسری جزو والے کا کیا حال ہوا

ہو گا؟ گویا وہ جیتا ہی مر گیا ہو گا۔ چنانچہ اسکے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے۔ جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔ جن میں انہوں نے اپنی توبہ اور استغفار کا حال لکھا تھا۔ اور ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی۔" (اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۳)

(ب) "اور جب احمد بیگ فوت ہو گیا۔ تو اسکی بیوہ عورت اور دیگر پس ماندگان کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دعا اور تضرع کی طرف بدل متوجہ ہو گئے۔ جیسا کہ سنا گیا ہے کہ اب تک احمد بیگ کے داماد کی والدہ کا کلیجہ اپنے حال پر نہیں آیا۔ سو خدا دیکھتا ہے۔ کہ وہ شوخیوں میں کب آگے قدم رکھتے ہیں۔ پس اسی وقت وعدہ اس کا پورا ہو گا۔" (حجۃ اللہ صفحہ ۱۱ مطبوعہ ۲۶ مئی ۱۸۹۷ء)

(۲) سلطان محمد کی توبہ کا دوسرا ثبوت اس کا مندرجہ ذیل تحریری اور دستخطی بیان ہے:۔

" از انبالہ چھاؤنی

۲۱-۳-۱۳ برادرم سلمہ

نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ۔ اسلام کا خدمتگذار۔ شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے انکے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے انکی زندگی میں انکا شرف حاصل نہ کر سکا۔ نیاز مند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹"

زنانہ چھاونی
۳/۲/۲۵ء

برادرم معظم

السلام علیکم۔ نوازش نامہ اپکا پونچا یاد آوری کا مشکور ہوں

جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو

ہمکو نہ ہیں

ساتھ۔ زبردست اسلام کا خدمتگذار سمجھتا ہوں نیک النفس

خدا یار پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا

ہوں۔ سمجھی اونکے مریدوں سے کسی قسم کا

مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں مگر

چند ایک امورات وجہ کی اونکے زندگی میں

میرا دل نفرت حاصل کر گیا ہے

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ ع۹

مندرجہ بالا الفاظ اگر کسی عام آدمی نے لکھے ہوں تو کوئی اہم بات نہ ہو۔ مگر سلطان محمد جس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے موت اور اس کی بیوہ کے اپنے نکاح میں آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ اور اپنی متعدد کتب و اشتہارات میں اس کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ اس کو حضرت مسیح موعودؑ سے طبعاً انتہائی دشمنی اور عناد ہونا چاہیئے تھا۔ علاوہ ازیں حضرتؑ بار بار تحریر فرما رہے تھے کہ سلطان محمد نے توبہ کی ہے۔ اور وہ خود تو اس امر کو جانتا تھا کہ اس نے توبہ کی ہے یا نہیں؟ اگر فی الواقع... توبہ نہ کی تھی۔ تو وہ جانتا تھا کہ حضرت صاحبؑ نعوذ باللہ سچ نہیں فرما رہے۔ تو ایسے شخص کے قلم سے یہ نکلنا کہ میں جناب مرزا جی صاحب کو نیک بزرگ وغیرہ سمجھتا ہوں۔ اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

(۳) تیسرا ثبوت سلطان محمد کی توبہ کرنے کا اس کا اپنا بیان ہے:

"میرے خسر جناب مرزا احمد بیگ صاحب واقع میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے۔ اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔ ... میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ نکاح والی پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ باقی رہی بیعت کی بات۔ سو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں۔ اتنا نہیں ہوگا۔ ... باقی میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے

وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا۔ تا میں کسی طرح مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر روپیہ میں لیتا۔ تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔" (الفضل ۹/۱۳ جون ۱۹۲۱ء)

(۴) چوتھا ثبوت مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ تحریری بیان ہے جو انکے صاحبزادہ برادرم مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب نے الفضل میں شائع کرایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احباب کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘۔ پیشتر اسکے کہ میں اپنا اصل مدعا ظاہر کروں۔ یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ اپنے ہر دعوے میں صادق اور مامور من اللہ ہیں۔ اور اپنے قول و فعل میں اپنے صادق ثابت ہوئے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپکی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک پیشگوئی مرزا احمد بیگ صاحب ہیرمہ کے متعلق ہے۔ اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری

ہو گئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی! اور ایسی انذاری پیشگوئیاں خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ اسلئے کرایا کرتا ہے کہ جنکے متعلق ہوں۔ انکی اصلاح ہو جائے چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا۔ کہ ہم انبیاء کو نشانات اسلئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرما دیا ہے کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ جب وہ قوم اللہ تعالےٰ سے ڈر جائے اور اپنی صلاحیت کی طرف رجوع کرے۔ تو اللہ تعالےٰ اپنا معلق عذاب بھی ٹال دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نیز حضرت موسیٰؑ کی قوم کے حالات وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں انذاری پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے کہ جب حضرت مرزا صاحبؑ کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی ہتک کی۔ اور اشتہار دے دیا کہ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی۔ اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے۔ اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور الرحیم کے

ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا۔ میں پھر زوردار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔ میں ان لوگوں سے جنکو احمدیت قبول کرنے میں یہ پیشگوئی حائل ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ وہ مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یہ وہی مسیح موعود ہیں جنکی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور انکا انکار... نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انکار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی درست فرمایا ہے۔ ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

خاکسار مرزا محمد اسحاق بیگ۔ پٹی۔ ضلع لاہور۔ حال وارد چک $\frac{165}{}$۔ ۲ بی

(منقول از "الفضل" ۲۶ر فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹)

(۵) پانچواں ثبوت: مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ چیلنج ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معترض علماء کو دیا۔ فرمایا:۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے۔ تو احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو۔ کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اسکے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے۔ تو میں جھوٹا ہوں۔"

"اور ضرور ہے۔ کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے۔ جبتک کہ وہ گھڑی نہ آجائے۔ کہ اس کو بیباک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے

تو اٹھو۔ اور اس کو بے باک اور مکذب بناؤ۔ اور اس سے اشتہار دلاؤ۔ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔" (انجام آتھم حاشیہ ص۳۲)

اس اعلان کو شائع ہوئے ۴۴ سال ہو گئے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ اس اعلان کے بعد بارہ "۱۲" سال تک زندہ رہے۔ مگر کوئی مخالف مولوی مرزا سلطان محمد صاحب سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکا۔

پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ مرزا سلطان محمد نے پیشگوئی کے مطابق توبہ کی۔ اور اس وجہ سے تین سالہ میعاد کے اندر فوت نہ ہوئے۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی اور اس لئے نکاح نہ ہوا۔ (اذا فات الشرط فات المشروط)

اور ان سب امور کا نتیجہ یہ ہوا کہ "کلاب متعددہ" نے مختلف مواقع پہ اپنی بدگوئی کی عادت کے مطابق حضرت کی اس پیشگوئی پہ تمسخر اور استہزا کیا۔ اور حضرت کی یہ پیشگوئی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی حضرت مسیح موعودؑ نے بے شک ازالہ اوہام اور اپنی دوسری کتابوں میں زور دیا ہے۔ کہ ضرور ضرور نکاح محمدی بیگم کسے ہو جائے گا۔ اور بڑی سخت دعویٰ عبارتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نکاح کب ہو گا؟۔ ظاہر ہے کہ جب سلطان محمد کی موت پہ وہ بیوہ ہو جائیگی سلطان محمد کی موت کب ہو گی؟ "اگر وہ توبہ نہ کرے گا۔"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر عبارت جو مخالف مولوی پیش کرتے ہیں درست ہے۔ ہمیں مسلم ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد اگر

سلطان محمد توبہ نہ کرتا۔ اور پھر بھی زندہ رہتا۔ اور نکاح نہ ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں تو نکاح سلطان محمد کی عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ اس لئے جسقدر عبارات نکاح کے متعلق ہیں وہ بھی سلطان محمد کے توبہ نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہیں۔

بیعت کیوں نہ کی ؟

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ سلطان محمد نے توبہ کرلی تو کیا ہوا بات تو جب تھی کہ وہ بیعت کر لیتا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئی ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۸۸۸ء تک مکمل ہوئی۔ اور توبہ کی شرط بھی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء میں ہے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نہ نبی ہونیکا تھا نہ مسیح موعود اور مہدی ہونیکا نہ آپ اس وقت بیعت لیتے تھے۔ بلکہ جو شخص بیعت کرنے آتا تھا۔ حضور "لَسْتُ بِمَأْمُوْرٍ" (کہ میں مامور نہیں ہوں) کہہ کر انکار کر دیتے تھے (بیعت ۱۸۸۹ء میں ہوئی) نہ اس زمانہ میں احمدی غیر احمدی کا سوال تھا۔ کیونکہ حضور نے اپنی جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" ۱۹۰۰ء میں رکھا۔ پس "توبہ" کی شرط سے مراد ہرگز ہرگز "بیعت" یا نبوت مسیحیت و مہدویت کا اقرار یا احمدی ہونا نہ تھا۔ اس زمانہ میں حضرت کا دعویٰ صرف اسقدر تھا۔ کہ میں اسلام کا خدمت گزار ہوں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۲۷) اور اسی بات کا احمد بیگ اور سلطان محمد کو انکار تھا۔ اب سلطان محمد کے خط کو دیکھ لو۔ اس میں اس نے حضرت کو "مؤید اسلام" کہا

خدمت گذار" تسلیم کیا ہے۔ نیز "خدایا" کہہ کر خدا کی ہستی کا بھی اقرار کر دیا ہے
اور "شریف النفس" کہہ کر تسلیم کر لیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی
ہرگز ہرگز نفسانیت کے جوش کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا۔
جس کی تعمیل میں حضرت نے اس کو شائع کیا۔ پس اگر سلطان محمد کو اس پیشگوئی
کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہرگز
کا "خدمت گذار" اور "شریف النفس" اور "خدایا" نہ کہتا۔ پس جس حقیقت
کا پیشگوئی کی اشاعت کے وقت ان لوگوں کو انکار تھا بعینہٖ اسی امر
کا اقرار اس خط میں موجود ہے۔ پس سلطان محمد نے مکمل توبہ کی ہے بیعت وغیرہ
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقدیر مبرم

حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آتھم میں نکاح کو "تقدیر مبرم" قرار دیا ہے
مگر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ تقدیر بعض حالات
اور شرائط کے ساتھ مشروط ہونے کی صورت میں "تقدیر مبرم" بنتی ہے
اور جب تک وہ شرط یا شرائط پوری نہ ہوں۔ اس وقت تک اس تقدیر کے
"قطعی مبرم" ہونے کا تحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم
کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اب آتھم صاحب قسم کھا لیویں۔ تو وعدہ ایک سال
قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور "تقدیر مبرم"
ہے" (ضیاء الحق ص ۱۶) گویا آتھم کی موت "تقدیر مبرم" اس صورت میں
ہوگی جبکہ وہ قسم کھائیگا قسم نہ کھانیکی صورت میں "تقدیر مبرم" نہ ہوگی

پس جسطرح اس "تقدیر مبرم" کے ساتھ "قسم کھانے" کی شرط ہے۔ اسی طرح محمدی بیگم کے نکاح میں، سلطان محمد کی توبہ کی شرط ہے۔ جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔

(۲) "تقدیر مبرم" کا دعا اور صدقہ سے ٹل جانا احادیث نبویہ صلعم سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے (۱) "اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ" (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ کتاب الصواب) کہ کثرت سے دعا کرو۔ کیونکہ دعا تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

(۲) "رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ" (روض الریاحین بر حاشیہ قصص الانبیاء صفحہ ۳۶۴) روایت ہے، کہ آنحضرت نے فرمایا کہ صدقہ بلاء مبرم کو بھی جو آسمان سے نازل ہونیوالی ہو روک دیتا ہے۔

(۳) "اَلدُّعَاءُ جُنْدٌ مِنْ اَجْنَادِ اللّٰہِ مُجَنَّدَۃٌ یَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ اَنْ یُبْرَمَ" (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۱۰۷ آخری سطر)، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ دعا خدا تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر جرار ہے جو قضاء کو اس کے مبرم ہونے کے بعد بھی ٹلا دیتی ہے۔

(۴) روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ سطر ۲۹ پر بھی قضا مبرم کے ٹلنے کا ذکر ہے۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی مذہب تھا کہ قضاء مبرم دعا اور صدقہ سے ٹل سکتی ہے۔ اور جہاں حضور نے یہ لکھا ہے کہ یہ "تقدیر مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی" تو اس کا مطلب صرف اسقدر ہے۔ کہ توبہ اور دعا

بغیر ٹل نہیں سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔
" اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (نساء ع ۷ پ ۵ ع ۱۸ پ ۵) کہ اللہ تعالےٰ کبھی نہیں بخشیگا اس گناہ کو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس گناہ کے سوا باقی جس کو چاہے بخش دے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا۔ " قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (سورہ زمر ع ۶ پ ۲۴) کہ اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کیا۔ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اللہ تعالےٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔ اور وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے

اس آیت میں جملہ گناہوں کے معاف کرنے کا ذکر ہے۔ پس تطبیق کی صورت یہی ہے کہ شرک کے گناہ کی معافی کو توبہ کی شرط سے مشروط کیا جائے۔ یعنی سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ لیا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو بغیر توبہ کے نہیں بخشے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے جہاں تقدیر مبرم کے نہ ٹلنے کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں بھی مراد بصورت عدم دعا اور توبہ ہی ہے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی ص ۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ جب میں نے عبدالرحیم خلف حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی صحت یابی کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم کی طرح ہے۔ مگر جب زیادہ تضرع اور

ابتہال سے دعا فرمائی تو اللہ تعالےٰ نے اس تقدیر کو ٹلا دیا۔ اور عبد الرحیم اچھا ہو گیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مبرم قسم کی تقدیر بھی دعا اور توجہ سے ٹل سکتی ہے۔

ثناء اللہ کا خط

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہزاروں جتن کر کے اہل حدیث ہے! مارچ سنہ ۱۹۲۴ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے سولہ سال بعد ایک غیر معتبر تحریر مرزا سلطان محمد کی طرف منسوب کر کے شائع کی۔ ہماری طرف سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ یا تو اصل تحریر ہمیں دکھائی جائے۔ یا اس کا عکس شائع کیا جائے (جس طرح ہم نے کیا ہے) تاکہ پبلک پر اصل حقیقت واضح ہو۔ مگر آج تک مولوی صاحب ہمارے اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ نیز اگر ایسی کوئی تحریر ہو بھی تو وہ قابل اعتنا نہیں کیونکہ "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کا مصداق ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج کے الفاظ یہ ہیں۔ "پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالےٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔" (انجام آتھم ص۳۲ حاشیہ)

پس اس عبارت کے پیش نظر سلطان محمد کی کسی ایسی تحریر کا حضرت کی زندگی میں شائع ہونا ضروری تھا۔

مقدمہ "دیوار" میں حضرت میاں کا

بعض غیر احمدی مولوی حضرت مسیح موعودؑ کے بیان مقدمہ گورداسپور متعلقہ "دیوار" سے یہ الفاظ پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیا کرتے ہیں۔

کہ حضرت نے فرمایا "میرے ساتھ اس کا نکاح ضرور ہوگا یہ امید بلکہ مجھے یقین ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ یہودیانہ تحریف سے حضرت کے درمیانی الفاظ حذف کر دیا کرتے ہیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

"میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا۔ جیسا کہ پیشگوئی میں ہے وہ سلطان محمد سے بیاہی گئی۔ جیسا کہ پیشگوئی میں تھا ... ایک وقت آتا ہے کہ عجیب اثر پڑے گا۔ پیشگوئی کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی پیشگوئی تھی کہ وہ دوسرے کے ساتھ بیاہی جائے گی۔ اس لڑکی کے باپ کے مرنے اور خاوند کے مرنے کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور شرط توبہ اور رجوع الی اللہ تھی۔ لڑکی کے باپ نے توبہ نہ کی۔ اس لئے وہ بیاہ کے بعد چند مہینوں کے اندر مر گیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جزو پوری ہو گئی۔ اس کا خوف اس کے خاندان پر پڑا۔ خصوصاً شوہر پر پڑا جو پیشگوئی کا ایک جز تھا۔ انہوں نے توبہ کی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی آئے۔ عورت اب تک زندہ ہے۔"

(الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵-۱۴ جلد ۲۹ بیان حضرت مسیح موعود)

نکاح فسخ یا تاخیر میں!

حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے کہ "نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا"۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر سلطان محمد اپنی توبہ پر قائم رہے اور بے باکی کر کے تکذیب کا اشتہار نہ دے۔ تو اس صورت میں وہ حضرت کی زندگی میں نہیں مرے گا۔ اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت سے نہیں ہوگا

دفسخ ہوگیا) لیکن اگر انجام آتھم کے چیلنج کے جواب میں اس نے حضرت کی زندگی میں تکذیب کا اشتہار دیدیا" تو پھر خدا کی مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر مرجائے گا۔ اور محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آجائے گی۔ اندریں صورت نکاح "تاخیر" میں پڑ "المنصور ہوگا۔ یہی معنی ہیں حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت "بَلِ الْاَمْرُ قَائِمٌ عَلٰی حَالِہٖ" کے کہ سلطان محمد کی توبہ سے کلی طور پر معاملہ ختم نہیں ہوگیا۔ اور وعیدی موت اس سے ہمیشہ کے لئے نہیں ٹل گئی بلکہ اب بھی اس کے سر پر "ننگی" ہوئی کھڑی ہے۔ جس وقت وہ تکذیب کرے گا۔ اسی وقت خدا کی مقررکردہ میعاد کے مطابق پکڑا جائے گا۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اس پیشگوئی کے متعلق بالکل صاف اور واضح ہیں۔

"زَوَّجْنٰکَھَا"

یہ الہام درحقیقت قرآن مجید کی ایک آیت ہے "فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا" (احزاب) کہ ہم نے آنحضرت صلعم کا نکاح زینبؓ کے ساتھ اس کے مطلقہ ہونے کے بعد کردیا۔

حضرت کو یہ الہام محمدی بیگم کے متعلق ہوا پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلطان محمد کی بیوہ ہونے کے بعد ہم نے آپ سے اس کا نکاح کردیا چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اس الہام کو انجام آتھم صنہ پر درج کرکے اس کا مندرجہ ذیل ترجمہ فرمایا ہے:۔

"بعد واپسی کے ہم نے نکاح کردیا"

یعنی سلطان محمد کی موت پر "یَرُدُّھَا اِلَیْکَ" کا دوسرا مفہوم جب پورا ہوگا

تو اس وقت خدا تعالےٰ نے نکاح پڑھ دیا ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اور واضح فرمایا ہے:۔

"اور یہ امر کہ الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا۔ خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اَیَّتُھَا الْمَرْءَۃُ تُوْبِی تُوْبِی فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ۔ پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۳۔ فسخ یا تاخیر کی تشریح اوپر آ چکی ہے) (عبید اللہ)

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ "اخرج الطبرانی وابن عساکر عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلعم قال لخدیجۃ اما شعرت ان اللہ زوجنی مریم ابنت عمران و کلثوم اخت موسیٰ وامراۃ فرعون قالت ھنیئا لک یارسول اللہ۔

(فتح البیان جلد ۷ صفحہ نیز فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۲۵۸) کہ طبرانی اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت خدیجہ رضؓ سے فرمایا۔ کہ "اے خدیجہؓ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے میرا نکاح پڑھ دیا ہے عیسےٰؑ کی ماں مریم۔ موسیٰ کی بہن کلثوم۔ اور فرعون کی بیوی آسیہ کے ساتھ۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔" حدیث کے الفاظ میں بھی "زَوَّجَنِیْ" اسی طرح ماضی ہے۔ جس طرح "زَوَّجْنٰکَھَا" میں۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلعم کو یہ الہام ہونے کے بعد کہ حضرت زینب آپؐ

کی بیوی ہیں۔ پھر بھی حضرت زینب زید کے پاس رہیں۔ ملاحظہ ہو: "انّہ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلّم اراد ان یزوّجھا زیداً فکرِھت ذالک ثمّ انّھا رضیت بہٖ فتزوّجھا ایّاہُ ثمّ اعلم اللّٰہ نبیّہٗ بعد انّھا من ازواجہٖ فکان یستحی ان یامرہ بطلاقھا وکان لا یزال بین زیدٍ و زینب مایکون بین النّاس فامرہ ان یمسک علیہ زوجتہ وکان یخشی النّاس ان یعیبوا علیہ" (جلالین مع کمالین مجتبائی ص۳۵۲ حاشیہ)

"یعنی آنحضرت صلعم نے ارادہ فرمایا۔ کہ زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ کر دیں۔ لیکن پہلے حضرت زینب نے کراہت کی۔ پھر بعد میں راضی ہوگئیں پس ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتا دیا۔ کہ زینب آپ صلعم کی بیویوں میں سے ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرماتے تھے اس بات سے کہ زید کو حکم دیں کہ وہ زینب کو طلاق دیدے۔ اور اس عرصہ میں زینب اور زید میں میاں بیوی کے تعلقات قائم رہے۔ پس آنحضرت صلعم نے زید کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھے۔ اور آپؐ ڈرتے تھے کہ لوگ آپ پر الزام نہ لگائیں۔"

اس حوالہ سے تمسخر اور استہزاء کا بھی جو بعض بد زبان مخالف کیا کرتے ہیں۔ جواب ہوگیا۔ کہ خدا کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہو چکنے کے باوجود کہ زینبؓ آپؐ کی بیوی ہے۔ پھر بھی وہ ایک

عرصہ تک زید کے پاس رہیں۔

پیشگوئی کے نتائج

اس پیشگوئی کے بعد مندرجہ ذیل اصحاب اسی خاندان میں سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

(۱) اہلیہ مرزا احمد بیگ صاحب (والدہ محمدی بیگم) یہ موصیہ ہیں۔ (۲) ہمشیرہ محمدی بیگم۔ (۳) مرزا محمد احسن بیگ جو مرزا احمد بیگ کے داماد ہیں۔ اور اہلیہ مرزا احمد بیگ کے بھانجے ہیں۔ (۴) عنایت بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم (۵) مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ صاحب (۶) مرزا محمود بیگ پوتا مرزا احمد بیگ (۷) دختر مرزا نظام الدین اور ان کے گھر کے سب افراد احمدی ہیں (۸) مرزا گل محمد صاحب پسر مرزا نظام الدین صاحب (۹) اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (موصیہ) (۱۰) محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم (۱۱) مرزا محمد اسحٰق بیگ صاحب ابن مرزا سلطان محمد صاحب پٹی۔ یہ وہ افراد ہیں جو خاص طور پر اس خاندان کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور یہ سب کے سب اس نکاح والی پیشگوئی کے بعد ہی داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے ہیں۔ پیشگوئی میں اگر کوئی قابل اعتراض امر ہوتا۔ تو پہلے ان لوگوں کو اس پر اعتراض کرنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ لوگ جو اس کے متعلق سب سے بڑھ کر مقام غیرت پر ہو سکتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور خود مرزا سلطان محمد صاحب کہتے ہیں۔ کہ "میں ایمان سے کہتا ہوں۔ کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کا باعث نہیں ہوئی"

ان حالات میں ان مخالف مولویوں کا اس پر اعتراض کرنا صداقت پر "یموت ویبقی منہ کلاب متعدد" کے الہام کو پورا کرتا ہے۔ اور اس کے سوا ان لوگوں کا اور کوئی مقصد نہیں۔

پیشگوئی کی غرض

باقی رہا استہزاء اور مذاق۔ اور یہ کہنا کہ نعوذ باللہ یہ پیشگوئی کسی نفسانی خواہش کے ماتحت کی گئی تھی۔ ایسے امور ہیں۔ جن کا جواب کوئی مہذب انسان دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کی غرض و غایت کو ہم ابتداء میں نہایت واضح طور پر بیان کر آئے ہیں۔ کہ ان لوگوں کی مذہبی اور عملی حالت اس نشان کا باعث تھی۔ چنانچہ مولوی محمد یعقوب مصنف عشرہ کاملہ جیسا دشمن بھی اپنی کتاب تحقیق لاثانی میں لکھتا ہے۔ "مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کی بنیاد بھی تکذیب ہی ہے جیسا کہ نکاح آسمانی کے متعلق ان کا پہلا الہام ہے۔ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْن" (تحقیق لاثانی ص۱۱۱)

لیکن اگر مولوی لوگ ان روشن واقعات کے باوجود یہی کہتے جائیں۔ کہ یہ پیشگوئی نفسانی تھی۔ تو ان پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر جس کو یہ نہیں مانتے ہیں۔ اس قسم کے حملے کریں تو معذور ہیں۔ خصوصاً جبکہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے وہ مقدس انبیاء علیہم السلام بھی جن کو یہ لوگ بھی نبی مانتے اور ان کی عزت کرنے کا دعوٰی کرتے ہیں نہیں بچ سکے۔

اور تو اور خود آنحضرت صلعم جن کی امت میں سے ہونے اور جن کا کلمہ پڑھنے کے یہ لوگ مدعی ہیں۔ ان کے متعلق ان علماء نے یہ لکھا ہے

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ زَيْنَبَ وَذَالِكَ اَنَّهٗ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْكَحَهَا زَيْدٌ فَوَقَعَ فِىْ نَفْسِهٖ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ (بیضاوی زیر آیت اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ و کمالین برحاشیہ جلالین صـ۳۵۲) کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس وقت کہ اس کا زید کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا پس آپ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہو گئی۔ اور فرمایا پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

(۲) حضرت یوسفؑ جن کی بریت کے لئے ایک سورۃ قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قَصَدَتْ مُخَالَطَتَهٗ وَهَمَّ قَصَدَ مُخَالَطَتَهَا لِمَيْلِ الشَّهَوَاتِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيْ"

(جامع البیان صـ۲۰۳ نیز جلالین مجتبائی صـ۱۹۰)

کہ نعوذ باللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی زلیخا سے زناہ کا ارادہ کیا

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان مفسرین نے لکھا ہے "طَلَبَ اِمْرَاَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا" (جلالین مجتبائی صـ۳۷۸ حاشیہ) کہ حضرت داؤدؑ نے ایک شخص (اوریاہ نامی)، کی بیوی لے لی۔ اور اپنی سو بیویاں پوری کیں (نعوذ باللہ مِنْ شرورھم)

(۴) اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے متعلق اسی جلالین صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے کہ آپ ایک عورت پر عاشق ہو گئے۔ اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ (معاذ اللہ) غرضیکہ پہلے انبیاء کے متعلق بھی یہی بیہودہ گوئی رہی ہے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق معاندین وہی شیوہ اختیار کریں تو انہیں معذور سمجھنا چاہیئے۔

بہو کو طلاق دلوانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک، احمد بیگ وغیرہ کو لکھا تھا کہ اگر تم یہ رشتہ نہ دو گے۔ تو مَیں اپنے بیٹے فضل احمد کو کہہ کر تمہاری بہن لڑکی کو طلاق دلوا دوں گا۔ مگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی کے مطابق خسر کو حق حاصل ہے۔ کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بیٹے کو حکم دے کر بہو کو طلاق دلوا سکتا ہے۔ خواہ بیٹا رضامند ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ طَلِّقْ اِمْرَاَتَكَ (ترمذی کتاب الطلاق و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۲۱ باب الشفقۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ لیکن میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس سے نفرت کرتے تھے۔ پس انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دیدوں۔ مگر میں نے

انکار کیا۔ پھر میں نے آنحضرت صلعم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔

(ب) اَلطَّلَاقُ لِرِضَاءِ الْوَالِدَیْنِ فَهُوَ جَائِزٌ " (مشکوۃ مطبع حیدری) کہ اپنے والدین کی خواہش کے ماتحت طلاق دینا جائز ہے

(ج) بخاری شریف میں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ آئے۔ اور ان کے وہاں پر جوان ہو جانے کے بعد مکہ گئے حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر نہ تھے۔ ان کی بیوی گھر پر تھی۔ آپ اس سے باتیں کرتے رہے۔ اور جاتی دفعہ بیوی سے کہہ گئے کہ جب اسمٰعیل گھر آئیں۔ تو انہیں میرا السلام علیکم کہہ دینا۔ اور کہنا کہ " غَیِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ " کہ اپنے دروازہ کی دہلیز کو بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے۔ تو ان کی بیوی نے حضرت ابراہیم کا پیغام دیا۔ تو حضرت اسمٰعیل نے فرمایا " ذَاكِ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى " (بخاری جلد ۲ صفحہ کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی) کہ وہ میرے والد (حضرت ابراہیمؑ) تھے۔ اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں۔ کہ میں تجھے طلاق دیدوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اسے طلاق دیدی۔ اور بنو جرہم کی ایک عورت سے شادی کر لی۔

(۲) قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ " وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ " کہ ظالم لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھو ورنہ تم کو بھی عذاب پہنچ جائے گا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اگر اپنے بیٹے کو انبیاء گذشتہ کی سنت پر عمل کر کے ان لوگوں سے قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی - جو خدا اور اس کے رسول کے دشمن اور دہریہ تھے - تو اپنے فرض کو ادا کیا -

(۱۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خصوصاً اس معاملہ میں یہ الہام ہوا تھا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَطَعُوا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَ بَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنَ الْمَرْحُوْمِیْنَ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۰)

کہ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے - اور نیک کام کئے - اور ان سے قطع تعلق کیا - اور ان کی مجالس سے دور رہے - پس ان پر رحم کیا جائے گا - (باقی ان سب پر عذاب نازل ہوگا -) پس حضرت مسیح موعودؑ کو " وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ " پر عمل کرنا چاہئے تھا

کوشش کیوں کی گئی ؟

باقی رہا تمہارا یہ کہنا - کہ اگر وعدہ خدا کی طرف سے تھا - تو پھر اس کو پورا کرنے کے لئے کوشش کیوں کی گئی - اور دوسرے فریق کے بعض لوگوں کو خطوط کیوں لکھے گئے ؟

جواب :- سو یاد رکھنا چاہیئے - کہ اللہ تعالےٰ کی سنت یہی ہے - کہ وہ جن لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے - ان کی مدد اسی صورت میں فرمایا کرتا ہے - جب وہ خود بھی جہانتک ممکن ہو سکے اس وعدہ الہٰی کے پورا کرنے میں

کوشش کریں۔ مثلاً آنحضرت صلعم کے ساتھ فتح کا وعدہ تھا۔ مگر کیا حضور نے جنگ کے لئے تیاری نہیں فرمائی؟ کیا لشکر تیار نہیں کیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وعدہ تھا۔ کہ وہ ان کو کامیاب و کامران کرے گا۔ "لتنبئنھم بامرھم ھذا" پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے جیلخانہ میں سے ایک مشرک شخص سے سفارش کروائی۔ اور اسے کہا کہ "اذکرنی عند ربک" (یوسف ع۵) کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وعدہ تھا۔ کہ تمام عرب مسلمان ہوگا۔ پھر کیا حضور نے تبلیغ کا کام بند کر دیا تھا؟

پس رعایت اسباب ضروری ہے۔ نیز اتمام حجت کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ان لوگوں کو خطوط لکھنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر بصورت عدم توبہ اُن پر عذاب آتا۔ تو وہ کہہ سکتے تھے۔ کہ ہمیں اس پیشگوئی کا علم ہی نہ تھا۔ اس لئے ہم بے قصور ہیں۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"...... یہ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے طرح طرح کی امید دینے سے کیوں کوشش کی گئی۔ نہیں سمجھتے کہ وہ کوشش اسی غرض سے تھی۔ کہ وہ تقدیر اس طور سے ملتوی ہو جائے۔ اور وہ عذاب ٹل جائے۔ یہی کوشش عبد اللہ آتھم اور لیکھرام سے بھی کی گئی تھی۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کوئی جائز کوشش کرنا حرام ہے۔ ذرہ غور اور حیا سے سوچو۔ کہ کیا آنحضرت صلعم کو قرآن شریف

جن یہ وعدہ نہیں دیا گیا تھا۔ کہ عرب کی بت پرستی نابود ہوگی؟ اور بجائے بت پرستی کے اسلام قائم ہوگا؟ اور وہ دن آئے گا۔ کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور خدا یہ سب کچھ آپ کرے گا۔ مگر کبھی اسلام کی اشاعت کے لئے ایسی کوشش ہوئی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۶)

بستر عیش

حضرت کا یہ الہام ہرگز محمدی بیگم والی پیشگوئی کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اس کے سیاق سباق سے ظاہر ہے۔

(۱) یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ آپ کی مقدس جماعت بھی اس الہام میں مخاطب ہے۔

(۲) یہ الہام اس دنیاوی زندگی کے متعلق نہیں بلکہ آخرت کے متعلق ہے۔ چنانچہ یہ الہام مکمل طور پر یوں ہے:-

"۵ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ بَلَاءٌ وَّ اَنْوَارٌ۔ بستر عیش۔ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود۔ فَبَشِّرْ اَلِی الْمُؤْمِنِیْنَ (پس مومنوں کے لئے بشارت ہے)" (البدر جلد ۳ ص۶ کالم ۳ والبشریٰ جلد ۲ ص۸۸)

فارسی الہام صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ "عاقبت" کے متعلق ہے۔ عربی الہام بتا رہا ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ بھی مخاطب ہے۔

(۳) لفظ "عیش" بھی ہمارا مؤید ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:-

"لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ" کہ حقیقی زندگی (عیش) آخرت ہی کی ہے۔

(۴) قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے "مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ" (رحمٰن ع ۳) تکیہ لگائے ہوں گے بستروں پر جن کے استر گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔

(۵) اَلْفِرَاشُ مَایُفْرَشُ وَیُنَامُ عَلَیْهِ (المنجد صفحہ ۶۴۷) وہ جو بچھایا جائے اور اس پر سویا جائے۔ گویا جنت کی "عیش" (زندگی) میں ہر مومن کا "بستر" ہو گا۔ پس "الہام بستر عیش" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

بِکْرٌ وَّ ثَیِّبٌ

یعنی کنواری اور بیوہ!

اَلجواب:۔ یہ الہام جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے حضرت ام المومنین کے نکاح کے متعلق تھا (دیکھو نزول مسیح حاشیہ ص ۱۴۶) جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ آپ حضرت کے گھر میں کنواری ہوں گی جب آئیں گی مگر بیوہ رہ جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (بتایا یہ گیا تھا۔ کہ حضرت صاحب کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں گی۔ اور حضور کی زندگی میں فوت نہ ہوں گی) محمدی بیگم کی یہ پیشگوئی چونکہ عدم توبہ اور اس کے نتیجہ میں ہلاکت سلطان محمد سے مشروط تھی اس لئے اس کے عدم تحقق کے باعث یہ الہام بجائے اس رنگ میں پورا ہونے کے دوسرے رنگ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا پورا ہو گیا۔

وعید کا ٹلنا

ہم اس مضمون کے شروع میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محمدی بیگم (۱)

پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط تھی اور سلطان محمد نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا
لیکن اگر پیشگوئی میں توبہ کی شرط نہ بھی ہوتی۔ تو بھی یہ وعیدی پیشگوئی تھی۔
اور خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق سلطان محمد کا توبہ و استغفار سے
تین سال کے عرصہ میں بچ جانا کوئی تعجب انگیز امر نہ تھا۔

چنانچہ:- ۱۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (انفال رکوع ۴) کہ خدا تعالیٰ استغفار کرنے والوں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا "اِنَّ اَجَلَكُمْ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً" کہ تمہاری زندگی بس چالیس راتیں ہیں۔ اس میں کوئی شرط توبہ وغیرہ کی مذکور نہ تھی۔ مگر وہ لوگ بہت ڈر گئے۔ توبہ اور استغفار کی "فَتَضَرَّعُوْا اِلَى اللّٰهِ فَرَحِمَهُمْ وَكَشَفَ عَنْهُمْ" (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۰۲ و فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۹۶ و تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸ حاشیہ) کہ وہ لوگ خدا کے سامنے گڑگڑائے۔ پس خدا تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔ اور ان پر سے عذاب کو ٹلا دیا۔

۳۔ روح المعانی میں خلف وعید کے متعلق لکھا ہے:-

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ يَجُوْزُ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعِيْدَ وَاِنِ امْتَنَعَ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِهٰذَا وَرَدَتِ السُّنَّةُ فَفِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَهُ اللّٰهُ عَلٰى عَمَلِهِ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجِزٌ لَهُ وَمَنْ اَوْعَدَهُ عَلٰى عَمَلِهِ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ

وَمِنْ اَدْعِیَتِہٖ اَلّٰہُمَّ اَنْتَ دَیَّانٌ یَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفَا
وَاِذَا تَوَعَّدَ عَفَا ۔ (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ مصری)

ترجمہ۔ کہ خدا تعالیٰ اکیلے جائز ہے کہ وہ وعید (عذاب کی پیشگوئی میں) تخلف کرے۔ اگرچہ وعدہ میں تخلف ممتنع ہے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کسی سے انعام و ثواب کا وعدہ کرے تو اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ ہاں عذاب (وعید) کی صورت میں وہ مختار ہے۔ کبھی سزا دیتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ اور آنحضرت صادقین کی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ " اے وہ اللہ جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب ڈرائے (وعید کرے) تو معاف فرمائے "

۴۔ " اَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ الْمَشْہُوْرَ فِی الْجَمْعِ اَنَّ اٰیَاتِ الْوَعْدِ مُطْلَقَۃٌ وَاٰیَاتِ الْوَعِیْدِ وَاِنْ وَرَدَتْ مُطْلَقَۃً حُذِفَ قَیْدُھَا لِمَزِیْدِ التَّخْوِیْفِ (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر) وعدہ ہمیشہ مطلق اور (غیر مشروط) ہوتا ہے۔ اور " وعید " خواہ وہ بظاہر غیر مشروط ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی شرط حذف کر دی گئی ہوتی ہے۔ تاکہ خوف زیادہ بڑھ جائے۔

(۵) حضرت علامہ فخرالدین رازی فرماتے ہیں " کہ قِیْلَ فِیْ جَمِیْعِ الْوَعِیْدَاتِ مَشْرُوْطَۃٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا یَلْزَمُ مِنْ تَرْکِہٖ دُخُوْلُ الْکِذْبِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ " (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۰۹ مطبوعہ مصر)

کہ میرے نزدیک تمام وعیدی پیشگوئیوں میں شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالےٰ نے معاف نہ کر دیا۔ تب پوری ہوگی۔ پس اگر وعید پورا نہ ہو تو اس سے خدا کا کلام جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) تفسیر بیضاوی میں ہے "بِاَنَّ وَعِیْدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوطٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ" (بیضاوی تفسیر سورہ آلِ عمران پہلا رکوع زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔)

کہ "خدا تعالےٰ کافروں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کرتا ہے۔ تو ہمیشہ اس میں مخفی طور پر یہ شرط ہوتی ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ نے معاف نہ کر دیا۔ تو عذاب آ جائے گا"

(۷) مسلم الثبوت ص ۲۴ "اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ" کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔

آنحضرت صلعم کی پیشگوئی

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ" نکاح محمدی بیگم کے متعلق ہے۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:-

۱- نکاح محمدی بیگم حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق سلطان محمد کی توبہ نہ کرنے کی بصورت عدم توبہ کیساتھ مشروط تھا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو بھی شرائط بالا کے ساتھ مشروط تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس

بوجہ عدم تحقیق شرائط آنحضرتؐ کی یہ پیشگوئی محمدی بیگم کے نکاح کے ساتھ پوری ہونے کی بجائے دوسرے رنگ میں پوری ہو گئی یعنی وہ "موعود" اولاد حضرت صاحب کو اس دوسرے نکاح سے عطا کی گئی۔ جو حضرت ام المومنین کے ساتھ ہوا۔

(۲) چنانچہ یہ ہمارا اپنا ہی خیال نہیں بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں۔

"کئی برس پہلے خبر دی گئی تھی۔ یعنی مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی۔ اور اس میں سے اولاد ہوگی تاکہ پیشگوئی حدیث "یتزوج و یولد لہٗ" پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارت کر رہی ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کو خاندان سیادت سے تعلق دامادی ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کا تعلق جس سے وعدہ "یولد لہٗ" کے موافق صالح اور نیک اولاد پیدا ہو۔ اعلےٰ اور طیب خاندان سے چاہیئے۔ اور وہ خاندان سادات ہے" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۶ حاشیہ آخری صفحہ)

ایک سوال

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا احمد بیگ کی موت کے لئے تین سال کی میعاد۔ اور سلطان محمد کی موت کے لئے اڑھائی سال کی میعاد مقرر فرمائی تھی جس سے بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے سلطان محمد کو مرنا چاہیئے تھا۔

ا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلطان محمد

کے لئے اڑھائی سال اور مرزا احمد بیگ کے لئے تین سال کی میعاد مقرر فرمانا مرزا ہی بشریت انسان کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور راستبازی کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ احمد بیگ عمر کے لحاظ سے بڑھا تھا۔ اور اس کا داماد جوان۔ طبعی طور پر احمد بیگ کی موت کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ وہ سلطان محمد سے پہلے مرے گا۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی طرف سے اندازہ لگا کر پیشگوئی کرتے۔ تو احمد بیگ کی وفات کے لئے سلطان محمد سے کم میعاد مقرر فرماتے۔ لیکن الہام میں ایسا نہیں۔ بلکہ احمد بیگ کے لئے تین سال اور سلطان محمد کے لئے اڑھائی سال کا وعدہ کیا گیا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ یہ پیشگوئی انسانی دماغ کا اختراع نہ تھا۔

دوسرا امر جو اس میعاد کے تعین سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ پیشگوئی جذبات انسانی کے نتیجہ میں نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ زیادہ قصور احمد بیگ کا تھا اور مستہزئین اور منکرین کے گروہ میں شامل تھا۔ نیز رشتہ کے لئے اسی کے ساتھ ہی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی۔ اور یہ سب کچھ اسی کے انکار کا نتیجہ تھا۔ اور اگر جذبات انسانیہ کا کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ تو یہی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام طبعاً احمد بیگ کی موت کی میعاد کم مقرر فرماتے۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہوا۔ جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی جذبات کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ جس طرح خداتعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع دی۔ اسی طرح اسے شائع فرما دیا۔

(۳) پیشگوئی میں زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی تھی۔ پس اگر احمد بیگ

اور سلطان محمد اپنی اسی حالت پر بدستور قائم رہتے جس حالت میں کہ وہ پیشگوئی کے بیان کرنے کے وقت تھے۔ تو ان کی موت کی میعاد علی الترتیب تین و اڑھائی سال ہوتی مگر احمد بیگ اپنی پہلی حالت پر قائم نہ رہا۔ اور لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد اور زیادہ شوخ ہو گیا۔ اس لئے وہ میعاد مقررہ کے اندر بہت ہی جلدی پکڑا گیا۔ بخلاف سلطان محمد کے کہ اس نے اصلاح کی۔ اور توبہ استغفار کی طرف رجوع کیا۔ تیسری وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے احمد بیگ کی میعاد تین سال مقرر کر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ یہ زیادہ سے زیادہ مہلت ہے جو احمد بیگ کو دی جاتی ہے۔ مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ تو تین سال سے بہت پہلے جلد ہی مر جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو جو خط سنہ ۱۸۸۸ء میں لکھا تھا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا تھا:-

"**وَآخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُكَ فَتَمُوْتُ بَعْدَ النِّكَاحِ إِلَى ثَلَاثِ سِنِيْنَ بَلْ مَوْتُكَ قَرِيْبٌ**" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳) ترجمہ یہ ہے۔ کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی وہ تیری موت ہوگی۔ تو روزِ نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائے گا۔ بلکہ تیری موت اس سے بھی قریب ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:-

"خدا نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان

کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ ہے۔ اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا" (حاشیہ اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء منقولہ آئینہ کمالات

مندرجہ بالا دونو حوالجات میں حضرت نے صراحت فرمادی ہے۔ کہ احمد بیگ کو اگر وہ زیادہ شوخی نہ کرے۔ تو زیادہ سے زیادہ تین سال مہلت مل سکتی ہے۔ لیکن وہ شوخی کر کے جلدی فوت ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک قابل غور امر

مندرجہ بالا عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳ میں سے فقرہ "اخر المصائب موتک" کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی۔ وہ تیری موت ہوگی خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اسمیں بھی ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو بتا دیا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے یوں مقدر فرمایا ہے۔ کہ اس کی موت کو اس کے خاندان کے لئے "آخری مصیبت" بنائے۔ اور اس کے بعد پھر کوئی مصیبت اس خاندان پر اس پیشگوئی کے ماتحت نہ آئے۔ اس لئے احمد بیگ کی موت جب ۱۸۹۲ء میں ہوگئی۔ تو "اخر المصائب موتک" کے مطابق ضروری تھا۔ کہ سلطان محمد اس کے بعد فوت نہ ہو۔ غرضیکہ احمد بیگ کی موت کا واقعہ ہو جانا۔ اور پیشگوئی کے مطابق خاتمہ

ہو جانا۔ اس پیشگوئی کے عظیم الشان نتائج کی خوشخبری دیتا تھا۔ جو اس خاندان کے اکثر افراد کے حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی صورت میں نمودار ہوئے اور اس طرح سے یہ پیشگوئی اس خاندان کے مطالبہ "فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ" کہ اگر یہ سچا ہے تو نشان دکھائے" کے جواب میں ایک زبردست نشان ثابت ہوئی۔ جس نے ان لوگوں کی جو دہریت اور ارتداد کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ کایا پلٹ دی۔ اور ان کو خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی شناخت اور قبولیت کی روشنی سے منور کر دیا۔ دہریت کی جگہ اسلام نے۔ اور ارتداد کی جگہ تعلق و محبت رسولؐ نے لی۔ اور یہی وہ عظیم الشان تغیر ہے۔ جس کو دنیا میں پیدا کرنے کے لئے خدا تعالےٰ کے تمام انبیاء تشریف لائے۔ اور جس کی جھلک خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ داروں میں اس پیشگوئی کے ذریعہ دکھائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

۱۔ "کس قدر میرے دعویٰ کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ محض افترا ہے۔ بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ اور میری کسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جاہل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۲۹)

۲۔ "اے نادان! اول تعصب کا پردہ اپنی آنکھوں پر سے اٹھا۔ تب تجھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ سب پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ خدا تعالےٰ

کی نصرت ایک تند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے - پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا - زمین نے نشان دکھائے - اور آسمان نے بھی - اور دوستوں میں بھی نشان ظاہر ہوتے - اور دشمنوں میں بھی - مگر اندھے لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا - لیکن خدا اس کام کو ناتمام نہیں چھوڑے گا - جب تک کہ وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا دے " (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۱۲۷)

(٣) " ایک یہ بھی ان کا اعتراض ہے کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں - اس اعتراض کے جواب میں تو صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ " لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ " اگر وہ میری کتابوں کو غور سے دیکھتے - یا میری جماعت کے اہل علم و واقفیت سے دریافت کرتے - تو معلوم ہوتا - کہ کئی ہزار پیشگوئیاں اب تک پوری ہو چکی ہیں - اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ نہیں - بلکہ ہزار ہا انسان گواہ ہیں " (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۱۹۶)

(٤) " ایک دو اور پیشگوئیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں - کہ وہ پوری نہیں ہوئیں - مگر یہ سراسر ان کا افترا ہے - اور سچ اور واقعی یہی بات ہے - کہ میری کوئی ایسی پیشگوئی نہیں - کہ جو پوری نہیں ہو گئی اگر کسی کے دل میں شک ہو - تو وہ سیدھی نیت سے ہمارے پاس آجائے - اور بالمواجہ کوئی اعتراض کرے - اگر شافی کافی جواب نہ سنے تو ہم ہر ایک تاوان کے سزاوار ہو سکتے ہیں "

(حقیقت المہدی ص۷)

ڈاکٹر عبدالحکیم مرتد والی پیشگوئی

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات

جواب ۱:-

۱- دسمبر ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل حضرت نے "الوصیت" شائع فرمائی۔ اس کے صفحہ ۲ پر یہ الہامات درج ہیں۔ "قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ" (تیری وفات کا مقررہ وقت آگیا ہے)، "قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ" (تیرے رب کی طرف سے بہت کم وقت باقی رہ گیا ہے)، "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں"۔

۲- ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء میں ہے۔ رؤیا (خواب) "ایک کوری ٹینڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام ہوا۔ "آب زندگی" (ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء) اس میں "دو تین گھونٹ" زندگی کا پانی باقی رہنا مذکور ہے۔ اور اس کے پورے اڑھائی سال بعد حضور فوت ہوگئے۔ گویا کل میعاد دو تین سال بتائی گئی۔ جس کو بعد میں عبدالحکیم نے چرا کر اپنے نام سے شائع کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

۳- ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء "افسوس ناک خبر آئی ہے۔ اور انتقال فرما گئے لاہور کی طرف ہوا ہے۔ اس کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔" (ریویو جلد ۷

۴- ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء:- "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید" ۲۷ کو

ایک واقعہ ہمارے متعلق "اللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی" (یعنی اللہ ہی سب سے اچھا اور باقی رہنے والا ہے) حضور کی وفات کی یہ "افسوس ناک خبر" لاہور کی طرف سے آئی۔ اور حضور ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو کفن میں لپیٹ کر قادیان لائے گئے۔ ۵-۷ مارچ ۱۹۰۸ء "ماتم کدہ" اس کے بعد دیکھا کہ جنازہ آتا ہے۔

عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ نے جب "الوصیت" شائع فرما دی۔ اور اپنا وہ رویا بھی شائع فرما دیا۔ جس میں حضور کی عمر "دو تین سال" بتائی گئی تھی۔ تو اس کے پورے سات مہینہ بعد عبدالحکیم مرتد نے ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو لکھا۔

سہ سالہ پیشگوئی:۔ "مرزا مسرف کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فناہ ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے۔"

(کانا دجال صفحہ ۵ و اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ صفحہ ۶)

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء کو اشتہار "خدا سچے کا حامی ہو" شائع فرمایا۔ اور اس میں خدا کا یہ الہام درج کیا:۔ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اور ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ خدا کے فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ

وَ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ (یعنی اے رب! سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھا دے۔ اور تُو ہر مصلح اور سچے کو جانتا ہے)

پہلی پیشگوئی منسوخ اور ۱۴ ماہ بعد نئی پیشگوئی

عبد الحکیم مرتد "شجرہ خبیثہ" تھا۔ جو "مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ" کے مطابق اپنی بات پر قائم نہ رہا۔ اور اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو بدیں الفاظ منسوخ کرتے ہوئے لکھا۔ "اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی۔ دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دئیے۔ اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ "مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائیگا۔"

(دیکھو رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ صفحہ ۶ مؤلفہ عبد الحکیم مرتد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو "تبصرہ" نامی اشتہار شائع فرمایا۔ "اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مؤاخذہ لے گا۔ اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔ یعنے دشمن جو کہتا ہے۔ کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینہ تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔ اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں۔ اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے۔"

نوٹ:- اس الہام میں لفظ "چھوٹا کر دوں گا" اور "عمر کو بڑھاؤں گا" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ کیونکہ "بڑھاؤں گا" کا لفظ بتاتا ہے کہ حضور کی تاریخ وفات تو حضرت کے اپنے الہامات کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۰۸ء سے پہلے ہی ہے۔ مگر محض دشمن کو جھوٹا کرنے کی غرض سے خدا تعالیٰ اس کو بڑھانے کی پیشگوئی کرتا ہے۔ گویا عمر بڑھانا محض دشمن کو "جھوٹا" کرنے کی غرض سے ہے۔ اور بس۔

چودہ ماہیہ پیشگوئی بھی منسوخ

چودہ ماہ والی پیشگوئی کے مطابق میعاد پیشگوئی یکم ستمبر ۱۹۰۸ء نکلتی تھی۔ مگر تبصرہ کے شائع ہونے کے بعد مرتد ڈاکٹر نے اس میں اور تبدیلی کر دی۔ اور لکھا "الہام ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء۔ "مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائیگا۔"

(دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ صفحہ ۶)

حضرت مسیح موعود کا جواب

جب عبد الحکیم نے ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء کو ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک والی پیشگوئی شائع کی۔ تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت لکھ رہے تھے۔ حضور نے اس کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرمائی۔ اور تحریر فرمایا "میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۲)

۴ اگست والی پیشگوئی منسوخ

مگر عبد الحکیم مرتد اس پر بھی قائم نہ رہا۔ اور لکھا ہے" مگر کسی طرح اس (حضرت مسیح موعودؑ) کی بے باکی اور سرکشی میں کمی نہ ہوئی۔ اور مرزائیوں کا ارتداد اور کفر بے حد بڑھتا گیا۔ جس کی تفصیل کانا دجال کے مطالعہ سے ظاہر ہوگی۔ ایک موقعہ پر بے اختیاری میری زبان سے یہ بد دعا نکلی اے خدا اس ظالم کو جلد غارت کر۔ اے خدا اس بد معاش (دغا کش بدہن۔ خادم) کو جلد غارت کر۔ اس لئے ۴ اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی" (اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص ۹)

(۲) اپنے ۸ مئی ۱۹۰۸ء کے خط میں لکھتا ہے" مرزا قادیانی کے متعلق میرے جدید الہامات شائع کر کے ممنون فرما دیں۔

۱۔ مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

۲۔ مرزا کے کنبہ میں ایک بڑی معرکۃ الآرا عورت مرجائے گی"

(پیسہ اخبار ۱۹۰۸ء ۱۵ مئی و اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

گویا اب اس نے ۴ اگست ۱۹۰۸ء کی تعیین کر دی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ اور اس کے "شر سے محفوظ" رہے۔ وہ "جھوٹا" ہو گیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق ۲۷ کو حضور کا جنازہ لاہور سے قادیان کی طرف لایا گیا۔ اور حضور دارالامان میں مدفون ہوئے۔

"کو" کی صحت کا ثبوت

(۱) ۲۴ اگست "تک" والا "الہام" ۱۷ فروری کا ہے (اعلان الحق و تکملہ و اتمام الحجۃ ص۳) مگر ۲۴ اگست "کو" والا "الہام" مئی کے پہلے ہفتہ کا ہے۔ (دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۳۲ سطر ۱۸)

(۲) "تک" والا "الہام" "جدید" نہیں بلکہ تین مہینے کا پرانا "الہام" تھا۔ ۸ مئی کو اس نے "کو" والا الہام لکھا ہے اور اس کو "جدید" قرار دیا ہے۔ اور خود اقرار کیا ہے۔ کہ مئی ۱۹۰۸ء میں مجھے "کو" والا الہام ہوا تھا۔ (دیکھو اعلان الحق وغیرہ ص۳۲)

(۳) دوسرا "الہام" جو معرکۃ الآرا عورت کی موت کے متعلق ہے وہ ۸ مئی ۱۹۰۸ء کا ہے۔ یعنی اس دن کا جس دن اس نے یہ "الہام" بغرض اشاعت اخبارات میں بھی بھیجا ہے (دیکھو اعلان الحق ص۵ آخری سطر) مگر "تک" والے الہام کے ساتھ معرکۃ الآرا عورت کی موت کا ذکر نہیں۔

(۴) عبد الحکیم نے خود اقرار کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر درج ہو چکا۔ کہ ۲۴ اگست تک والی میعاد منسوخ کی گئی (اعلان الحق وغیرہ ص۹)

عبد الحکیم مرتد جھوٹا ہو گیا

مولوی ثناء اللہ امرتسری کی شہادت

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر

نہ کر دیتے۔ جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کے "اہل حدیث"
میں ان کے الہامات درج ہیں کہ ۱۲ ساون یعنی ۴ اگست کو مرزا مریگا۔
تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ڈاکٹر صاحب
کے اس الہام پر چھپا ہوا کیا ہے کہ ۲۱ ساون کو مر کی بجائے "۲۱
ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا"۔ (اہلحدیث ۱۲ جون ۱۹۰۸ء)

ضروری نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک
"تبصرہ" میں لکھا ہے۔ کہ میرا دشمن میری آنکھوں کے سامنے ہی اصحاب
فیل کی طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔ مگر (۱) یہ حضرت کا اپنا اجتہاد ہے
الہام تو جو حضور کو ہوا۔ وہ وہی درج ہے "اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ
بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ" حضرت صاحب نے "تَرَ" کے لفظ سے یہ استدلال
فرمایا ہے۔ کہ گویا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہی ہلاک ہو جائیگا۔ حالانکہ
یہ آیت قرآن مجید میں جہاں آتی ہے وہاں آنحضرت صلعم کو اصحاب فیل کی
تباہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مخاطب کرتی ہے اور "اَلَمْ تَرَ" کے
الفاظ اس موقعہ پر مستعمل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ
آنحضرت صلعم نے اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ
آپ کی ولادت سے بھی قبل ہو چکا تھا۔ اسی طرح اس الہام میں بھی حضرت
مسیح موعود کو بتایا گیا تھا۔ کہ عبد الحکیم پر جو عذاب آئے گا۔ آپ اپنی زندگی
میں اس کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ جسطرح اصحاب فیل کی تباہی کو آنحضرت
صلعم نے نہ دیکھا تھا۔ اور نبی کے اجتہاد سے یہ ممکن ہے۔ جیسا کہ

نیز اس شرح الشرح عقائد نسفی میں ہے:۔ "کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَجْتَہِدُ وَیَکُوْنُ خَطْئًا کَمَا ذَکَرَہُ الْاُصُوْلِیُّوْنَ ..... وَفِیْ حَدِیْثٍ صلعم مَاحَدَّثْتُکُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَھُوَ حَقٌّ وَمَا اَقُوْلُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ اُخْطِیْ وَ اُصِیْبُ" (۶۹۳) کہ آنحضرت صلعم بعض اوقات اجتہاد کرتے تھے۔ تو وہ غلط بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ اصولیون نے لکھا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو بات تو میں کہوں۔ کہ خدا نے کہی ہے تو وہ بالکل درست اور حق ہوگی۔ مگر جو بات اس کی تشریح کرتے ہوئے میں اپنی طرف سے کہوں۔ ضروری نہیں کہ درست ہی ہو۔ کیونکہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ کبھی درست بات بتاتا ہوں۔ اور کبھی مجھ سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔ (مفصل دیکھو ص۲۷۹ پاکٹ بک ہذا)

(۲) حضرت مسیح موعودؑ کی یہ سب تحریرات عبدالحکیم کی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیں۔ جب اس نے اپنی طرف سے شرائط کو تبدیل کر دیا۔ تو حضرت کے جوابات بھی بجا نہ رہے تم الزام تو اس صورت میں دیتے کہ وہ اپنی بات پر قائم رہتا۔ اور پھر حضرت پر اعتراض کرنے کا اسے موقعہ ملتا۔ حضرت کی غرض تو "لِیَتَمَیَّزَ فَرْقٌ بَیْنَ صَادِقٍ وَکَاذِبٍ" کی تھی۔ کیا سچے جھوٹے میں فرق نہیں ہوا؟ کیا حضرت اُس شرط سے محفوظ نہیں رہے؟ اور اس کو خدا تعالیٰ نے جھوٹا نہیں کیا۔ اور پھر کیا وہ سنہ ۱۹۱۹ء میں پھیپھڑے کی مرض (سل) سے ہلاک نہیں ہوا؟ اور وہ فرشتوں کی

کبھی ہوئی تلوار سے مسلول نہیں کیا گیا۔ اگر یہ سب واقعات سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت میں کون سے شک و شبہ کی گنجائش ہے؟

مولوی ثناء اللہ کیساتھ آخری فیصلہ

سوال:۔ مرزا صاحب نے ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی کی۔

جواب:۔ یہ افتراء ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی نہیں کی۔ چنانچہ آپ اشتہار "آخری فیصلہ" میں لکھتے ہیں وہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں"۔ کوئی مخالف حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ حضرت نے ثناء اللہ کے متعلق حضور کی زندگی میں مرنے کی پیشگوئی کی تھی۔ ہاں اس کو دعوت مباہلہ دی تھی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب انجام آتھم میں تمام علماء گدی نشینوں اور پیروں کو "آخری فیصلہ" (مباہلہ) کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔ "وَاٰخِرُ الْعِلَاجِ خُرُوْجُهُمْ اِلٰى بَرَازِ الْمُبَاهَلَةِ هٰذَا اٰخِرُ حِيَلٍ اَرَدْنَاهُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ"

(انجام آتھم ص ۱۶۵) پس آخری علاج تمہارے لئے میدان مباہلہ میں نکلنا ہے.... اور یہی آخری طریق فیصلہ ہے۔ جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس دعوت مباہلہ میں آپ نے فرمایا۔ کہ فریقین ایک دوسرے کے حق میں بد دعا کریں۔ کہ فریقین میں سے جو فریق جھوٹا ہے۔ اے خدا تو اسکو

"ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے۔ اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج۔ اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر۔ اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر" (انجام آتھم صفحہ ۶۶) اور اس کے بعد لکھا:۔ "گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ توہین اور تکفیر کو چھوڑے۔ اور نہ ٹھٹھا کرنے والی مجلسوں سے الگ ہو۔" (انجام آتھم صفحہ ۶۶)

اس رسالہ کے مخاطبین میں سے مولوی ثناء اللہ کا نمبر گیارہ تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس چیلنج کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنی مہر خاموشی سے اس جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لیکن جب ہر طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ تو اس بد قسمت جانور کی طرح جو شیر کو دیکھ کر انتہائی بدحواسی سے خود ہی اس پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آمادگی ظاہر کی۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے۔ جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے۔ کہ میں اس طور سے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند

ہوں۔ کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں۔ کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۱)

"اگر وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے۔ کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

"اب اس پر قائم رہیں تو بات ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۲)

ثنائی حیلہ جوئی

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں۔ نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسا مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ۔ ۔ ۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں۔" (الہامات مرزا صفحہ ۸۵ طبع دوم وصفحہ ۱۱۱ طبع ششم) لیکن جب ہر طرف سے لعن طعن ہوئی تو لکھا۔

ثناء اللہ کی دوبارہ آمادگی

"البتہ آیت ثانیہ (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ ۔ ۔ ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ الخ) پر عمل کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ میں اب بھی ایسے مباہلہ کے لئے تیار ہوں جو آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے۔ جسے مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے۔" (اہلحدیث ۲۲ جون ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۴)

"مرزائیو سچے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گورو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے۔ جہاں تم پہلے صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو (کھوٹ ہے وہاں ہرگز کوئی ایسا مباہلہ نہیں ہوا جس میں فریقین نے ایک دوسرے کے حق میں بددعا کی ہو جس کا نتیجہ

موعود ؑ نے کوئی بددعا نہیں کی تھی - خادم) اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ - جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہے - کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو - سب اُمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا" (اہلحدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی یہ تحریر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے - مگر اس سے کچھ دن قبل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں (جو اس وقت زیر تصنیف تھی) یہ تحریر فرما چکے تھے - "میں بخوشی قبول کروں گا - اگر وہ (ثناء اللہ) مجھ سے درخواست مباہلہ کریں" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳) "مباہلہ کی درخواست کرے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۲) حضرت صاحب کی یہ تحریر ۲۵ فروری ۱۹۰۷ء کی ہے جیسا کہ تتمہ حقیقۃ الوحی کے ص۳۶ سطر ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے اس تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت کا ارادہ یہ تھا کہ اب اگر مولوی ثناء اللہ مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کرے - تو اُسے کہا گیا نہ دیا جائے - چنانچہ جب اس نے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو دعوت مباہلہ دی (جو اوپر درج ہو چکی ہے) پہلے تو حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب "بدر" ۴ اپریل ۱۹۰۷ء میں دیا گیا - لیکن مولوی ثناء اللہ پھر فرار کی راہ اختیار کرنے لگا - جیسا کہ اس کے جواب میں مندرجہ اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء سے ظاہر ہے - تو اس کے جواب کی اشاعت سے قبل ہی اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس ؑ کو اس کے ارادہ سے مطلع فرما دیا - اور حضور نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کا اشتہار آخری فیصلہ شائع فرما دیا - تا کہ ثناء اللہ کے لئے گول مول

کرکے ٹالنے کی گنجائش ہی نہ رہے - اور وہ مجبور ہو کر تصرف الہٰی کے ماتحت موت کو اپنے سر پر سوار دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے لکھ دے کہ "تمہاری یہ تحریر مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسکو منظور کرسکتا ہے" چنانچہ اس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

"مولوی ثناءاللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے بے شک (آپ) قسم کھا کر بیان کریں۔ کہ یہ شخص (حضرت مسیح موعودؑ) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں۔ کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں۔ تو لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ" مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے اس میں تو صرف لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ آیا ہے (اخبار بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

ثنائی فرار

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں۔ جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے مباہلہ اور ہے (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲)

ابھی یہ ثنائی فرار معرض ظہور میں نہیں آیا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جو علیم و خبیر ہے اپنے مسیح موعودؑ کو اس کی اطلاع دے کر اپنے فنکار کو دنیا کے

سامنے شرمندہ کرنے کیلئے ایک طریق کی تحریک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق حضور نے آخری اتمام حجت کے طور پر ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے "دعائے مباہلہ" مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ" کے عنوان سے شائع فرمادی۔ جس میں اپنی طرف سے دعا فرمائی۔ کہ خدا تعالیٰ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر دے۔

اور بالآخر لکھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس اشتہار کو "اہل حدیث" میں شائع فرما کر جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" مولوی ثناء اللہ نے اس اشتہار کو اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کیا۔ اور اس کے نیچے یہ لکھا۔

"اول اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا" "تمہاری یہ تحریر کسی صورت میں بھی فیصلہ کن نہیں ہو سکتی" "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے" "خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت میں نہ پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں" "خدا تعالیٰ جھوٹے۔ دغاباز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں" نوٹ: یہ آخری عبارت نائب ایڈیٹر کی طرف سے لکھی گئی مگر مولوی ثناء اللہ نے اس کی تصدیق کی اور لکھا۔ کہ "میں اس کو صحیح جانتا

ہوں" (اہلحدیث ۱۲ جولائی ۱۹۰۸ء) "مختصر یہ کہ ... یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے" (اقتباسات از اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ و ۶) مولوی ثناء اللہ پھر کہتا ہے: "آنحضرت صلعم باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ اور مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق کے پیچھے مرا" (مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۹) "کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جو ہم بھی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مر گئے تو کیا دیکھیں گے اور کیا ہدایت پائیں گے" (اخبار وطن امرتسر ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی پرانی عادت کے مطابق نجران کے عیسائیوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مباہلہ سے فرار اختیار کیا۔ اس لئے مباہلہ نہ ہوا۔ اور ثناء اللہ کو خدا تعالیٰ نے اس کے تسلیم کردہ اصول کی رو سے "جھوٹے۔ دغاباز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں" کی طرح لمبی عمر دی۔ اور اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے زندہ رکھ کر "مسیلمہ کذاب" ثابت کر دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار "مسودہ مباہلہ" ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی آیت مباہلہ میں "لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "مسودہ مباہلہ" تھی۔ وہاں چونکہ عیسائی بھاگ گئے اس لئے مباہلہ نہ ہوا۔ اور وہ نہ مرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَی النَّصَارٰی کُلِّهِمْ حَتّٰی یَهْلِکُوْا (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۵۹) کہ اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے۔ اور آنحضرت صلعم کی طرح "لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ" کہہ دیتے۔ تو ان میں سے ہر ایک۔ ایک سال

کے اندر ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر مولوی ثناءاللہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان مباہلہ سے بھاگ نہ جاتا۔ اور حضرت کی خواہش کے مطابق وہی بددعا کرتا۔ تو بقیناً ہلاک ہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے "اگر وہ (ثناءاللہ) اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے۔ تو ضرور وہ پہلے مریں گے" (اعجاز احمدی ص۳۶)

پس جس طرح وہاں پر نجران کے عیسائیوں کا فرار "خدائی فیصلہ بر وئے مباہلہ" کے رستہ میں روک کا موجب ہوا یہاں بھی ثناءاللہ کا مندرجہ بالا فرار اس کو ہلاکت سے بچا گیا۔ نہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت سے بڑے ہیں۔ اور نہ مولوی ثناءاللہ نجران کے عیسائیوں سے بڑھ ہے۔

اشتہار آخری فیصلہ مسوّدہ مباہلہ تھا

۱۔ خود مولوی ثناءاللہ لکھتا ہے "کرشن قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا"
(مرقع قادیانی جون ۱۹۰۸ء ص۱۸)

۲۔ "آجتک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ گول مول رکھا کرتے تھے" (اشتہار مرزا قادیانی کا انتقال اور اس کا نتیجہ شائع کردہ ثناءاللہ ۲۱ مئی ۱۹۰۸ء)

۳۔ حضرت کے اشتہار کا عنوان ہے "مولوی ثناءاللہ کے ساتھ

"آخری فیصلہ" اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک "آخری فیصلہ" مباہلہ ہی ہوتا ہے۔ جیساکہ وہ لکھتے ہیں :-

"ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں۔ کسی علمی بات کو نہ سنیں بد رابد ربائید رسانید کہہ دے۔ کہ آؤ ایک آخری فیصلہ بھی سنو ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں اپنے بھائی بند نزدیکی۔ اور تمہارے بھائی بند نزدیکی بلائیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ خدا خود فیصلہ کر دے گا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ صفحہ ۳۲)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ دعا مباہلہ ہی تھی۔ جیساکہ حضور فرماتے ہیں "مباہلہ بھی ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔" (بدر ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء)

۵۔ حضرت اقدس نے بعینہٖ "آخری فیصلہ" والی دعاء کے مطابق ایک اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے متعلق شائع فرمایا تھا۔ اس کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں:

"۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کا ہمارا اشتہار جو مباہلہ کے رنگ میں شیخ محمد حسین اور اس کے دو ہمراز رفیقوں کے مقابل پہ نکلا ہے وہ صرف ایک دعا ہے" (راز حقیقت صفحہ ۲)

"اب یہ اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء ایک آخری فیصلہ ہے

چاہیے کہ ہر ایک طالب صادق صبر سے انتظار کرے" در از حقیقت گویا حضرت صاحب نے اس اشتہار کو جو "مباہلہ" کے رنگ میں ہے ایک "دعا" پر مشتمل تھا" "آخری فیصلہ" قرار دے کر بتا دیا ہے کہ حضرت کے نزدیک آخری فیصلہ سے مراد مباہلہ ہی ہوتا ہے"

حضور تحریر فرماتے ہیں "کیونکہ جب کسی طرح جھگڑا فیصلہ نہ ہو سکے۔ تو آخری طریق خدا کا فیصلہ ہے جس کو مباہلہ کہتے ہیں" تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۵۲۔ نیز دیکھو تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ صفحہ ۶ و صفحہ ۶۶)

۶۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک صرف اور صرف مباہلہ کی صورت میں جھوٹا سچے کی زندگی میں مرتا ہے۔ جیسا کہ حضور تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے

اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا کسی نبی۔ ولی قطب غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا۔ کہ سب اعداء مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے۔ کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں۔ تو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں۔ کہ ہم نے کہاں لکھا ہے۔ کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے۔" (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

۷۔ ثناء اللہ اگر اس کو اشتہار مباہلہ نہ سمجھتا تھا۔ تو اس کے جواب میں یہ کیوں لکھا کہ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"

کیونکہ ظاہر ہے کہ یکطرفہ بددعا کے لئے دوسرے کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ منظوری یا عدم منظوری کا سوال صرف اور صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دعا مباہلہ ہو۔

۸۔ عنوان اشتہار ہے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" "ساتھ" کا لفظ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یکطرفہ دعا نہیں بلکہ دونوں فریقوں کی رضامندی کا سوال ہے۔ اگر یکطرفہ دعا ہوتی تو "مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ" ہونا چاہیئے تھا۔ مجسٹریٹ جب فیصلہ کرتا ہے۔ تو زید یا بکر کے "متعلق" فیصلہ کرتا ہے۔

جب یہ کہا جائے کہ "زید نے بکر کے ساتھ فیصلہ کیا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ زید اور بکر دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ ہوا اگر ایک فریق بھی نا رضامند ہو تو اندریں صورت وہ "فیصلہ" قائم نہ رہیگا۔ پس چونکہ مولوی ثناءاللہ اس فیصلہ پہ رضامند نہ ہوا۔ اور لکھا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے"۔ تو وہ دعا "فیصلہ" نہ رہی۔ اسی وجہ سے ثناءاللہ نے بھی لکھا تھا۔ کہ "یہ دعا فیصلہ کن نہیں ہو سکتی"

۹۔ حضرت کا لکھنا کہ "جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں" صاف طور پر بتاتا ہے۔ کہ حضرت اس مسودۂ مباہلہ کو مکمل اسی صورت میں سمجھتے تھے جب ثناءاللہ بھی اس کے نیچے اپنی منظوری لکھ دے۔ ورنہ اگر یکطرفہ دعا ہوتی تو اس کے نیچے ثناءاللہ کے لکھنے یا نہ لکھنے کا سوال پیدا نہ ہوتا۔ (۱۰) حضرت کا لکھنا کہ "اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں" صاف طور ثابت کرتا ہے کہ حضرت کا منشا یہی تھا۔ کہ ثناءاللہ کے ہاتھ سے حضور کی دعا اور تصدیق دونو ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔ تا مسودہ مباہلہ مکمل ہو کر ثناءاللہ کا خاتمہ کر دے۔ (۱۱) مولوی ثناءاللہ خود لکھتا ہے "مرزا جی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا (مرقع قادیانی دسمبر ۱۹۰۷ء ص۳) (۱۲) وہ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام خادم) اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں چیخ اٹھا تھا۔ کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے" (اہل حدیث ۱۹ جون ۱۹۰۸ء) (۱۳) حضرت لکھتے ہیں: "میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور

آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے"۔

اور ہم ابھی صفحہ ۸۳۰ پر حضرتؑ کے ملفوظات (از الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء) سے دکھا چکے ہیں کہ یہ اصل صرف اور صرف مباہلہ ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۱۴) حضرتؑ نے اپنے اس اشتہار میں جو انجام جھوٹے کا تحریر فرمایا ہے۔ وہ بعینہٖ وہی ہے جو انجام آتھم میں حضرتؑ نے جھوٹا مباہلہ کرنیوالے کا تحریر فرمایا ہے۔ (حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ دیکھو صفحہ ۸۲۱ و ۸۲۲)

(۱۵) مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے:۔ "مرزائیو! کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کے لئے بلایا ہے۔ بتلاؤ۔ تو انعام لو"۔ (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

اگر حضرت کا اشتہار ۱۵ اپریل محض یک طرفہ بددعا تھی۔ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جو پہلے انبیاءؑ میں نہ ملتی ہو۔ اور جس کا ثناء اللہ کو انکار ہو۔ جیسا کہ وہ لکھتا ہے:۔

"اس قسم کے واقعات بیشمار ملتے ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے مخالفوں پر بددعائیں کیں"۔ (روئداد مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۶۷)

پس مولوی ثناء اللہ کے مطالبہ کا مطلب صرف یہی ہے کہ انبیاءؑ جب مباہلہ کیلئے بلاتے ہیں تو پہلے اپنے مخالفوں کی منظوری لے لیتے ہیں۔ یہاں پر حضرتؑ نے ثناء اللہ کی بغیر منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔ پس ثناء اللہ اس طریق کار کی مثال مانگتا تھا نہ کہ محض

بددعا کی ۔ کیونکہ اس کے لئے منظوری کی ضرورت نہیں ۔

ثنائی عُذرات

ثناء اللہ کو عذر ہے کہ مباہلہ کیلئے شرط یہ تھی کہ حقیقۃ الوحی شائع ہونے اور ثناء اللہ کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کے بعد مباہلہ ہوگا ۔ اب حضرت مرزا صاحبؑ نے حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہی اسکو کیوں شائع کردیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ثناء اللہ نے اپنے اخبار ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء میں جب چیلنج مباہلہ دیا ۔ تو حضرتؑ نے اس کو مہلت دینا ہی پسند فرمایا کہ "باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں ۔ حضرت اقدسؑ نے اسپر رحم کرکے فرمایا ہے کہ مباہلہ چند روز بعد ہوگے جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے " (بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء) لیکن چونکہ ثناء اللہ نے ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں پھر فرار اختیار کرلینا تھا ۔ (جس کا حوالہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے ۔ صفحہ ۸۲۵) اور خدا تعالیٰ کو اس کا علم تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پندرہ اپریل ہی کو اس کے فرار کے شائع ہونے سے پہلے ہی دُعاء مباہلہ لکھنے کی ہدایت فرمادی ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اسکی بنیاد رکھی گئی ہے ۔" (بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ثناء اللہ سے کوئی "معاہدہ" نہ تھا کہ حقیقۃ الوحی چھپنے تک مباہلہ نہ ہوگا ۔ یہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا ارادہ تھا بوجہ رحم کے

ثناء اللہ نے اس تجویز کی منظوری کا اعلان نہیں کیا تھا کہ وہ "معاہدہ" کی صورت اختیار کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے ارادہ کو (بوجہ اس فرار کے جو ثناء اللہ کرنیوالا تھا) بدل دیا۔ اس بات کا ثناء اللہ کیلئے کوئی فرق نہ تھا کہ مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے پہلے ہو۔ یا بعد میں۔ کیونکہ وہ تو ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں مباہلہ پر آمادگی ظاہر کر چکا تھا۔ اب مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہو یا بعد میں۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی مرضی پر موقوف تھا۔ حضرت کا ارادہ کتاب کے چھپنے کے بعد مباہلہ کرنے کا تھا۔ تا ثناء اللہ کو ایک اور موقع دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ثناء اللہ کی بدنیتی کو دیکھ کر فوراً حضرت کے ارادہ کو بدل دیا۔ پس ثناء اللہ کا اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر

باقی رہا مولوی ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ بدر ۱۳ جون ۱۹۰۷ء میں ایڈیٹر صاحب بدر نے لکھا ہے کہ مباہلہ قرار نہیں پایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ خود مانتا ہے کہ یہ تحریر ایڈیٹر صاحب بدر کی اپنی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "بے نور بدر کے ایڈیٹر نے کمال ایمانداری سے اپنا جواب تو شائع کر دیا" (مرقع قادیانی نومبر ۱۹۰۷ء صٓ ۲۲) (ب) خود ایڈیٹر صاحب اخبار بدر کا بیان ہے۔ کہ یہ تحریر ان کی اپنی طرف سے تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے حکم یا علم سے نہیں لکھی گئی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"اخبار بدر مورخہ ۱۳ جون ۱۹۰۷ء صٓ ۲ کالم ۱ میں جو نوٹ بعنوان "نقل خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب" شائع ہوا ہے۔ یہ مولوی ثناء اللہ

امرتسری کے مطالبہ حقیقۃ الوحی کا جواب ہے جو میں نے خود لکھا تھا۔ اور یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدس ؑ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ دی تھی۔ میں نے اپنی طرف سے جواب لکھدیا تھا۔ اس بیان کی اشاعت مناسب ہے۔ تا کوئی شخص اس نوٹ کو حضرت کی طرف منسوب کر کے مغالطہ نہ دے سکے۔" (تجلیات رحمانیہ صفحہ ۱۷۴)

جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس اشتہار کو دعاء مباہلہ سمجھتے ہیں۔ اور خود مولوی ثناء اللہ بھی اس کو دعاء مباہلہ ہی قرار دیتا تھا۔ تو اس کے بالمقابل ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر حجت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ خود اہلحدیث حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیر تک کو نہیں مانتے۔ (اہلحدیث ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریر

مولوی ثناء اللہ یہ کہا کرتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعود" کی وفات کے موقع پر جو مضمون "محمود اور محمدی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ" بعنوان "صادقوں کی روشنی" شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ دعا "دعائے مباہلہ" نہیں تھی۔ اب تم کیوں اس کو مباہلہ کی دعا قرار دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صریح دھوکا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اشتہار "آخری فیصلہ" دعائے مباہلہ نہ تھا۔ بلکہ حضور نے تو اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ "مباہلہ" نہ تھا۔ کیونکہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ ثناء اللہ بھی بالمقابل قسم کھاتا یا دعا کرتا۔ مگر چونکہ اس نے بالمقابل دعا نہیں کی

اسلئے مباہلہ نہیں ہُوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اسی مضمون میں صفائی اور صراحت کے ساتھ اس مجوزہ طریق کار کو "مباہلہ" قرار دیا ہے۔ اور پھر ثناء اللہ کے انکار کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ "مباہلہ" نہیں ہُوا چنانچہ چند اقتباسات اس مضمون سے یہاں درج کئے جاتے ہیں "یہ ایک فیصلہ کا طریق تھا جس سے جھوٹے اور سچے میں فرق ہو جائے۔ اور اس کی غرض سوائے اسکے کچھ نہ تھی کہ حق اور باطل میں کچھ ایسا امتیاز پیدا ہو جائے کہ ایک گروہ بنی نوع انسان کا اصل واقعات کی تہ تک پہنچ جائے۔ اور شرافت اور نیکی کا مقتضا یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ اس دُعا کو پڑھ کر اپنے اخبار میں شائع کر دیتا۔ کہ ہاں مجھ کو یہ فیصلہ منظور ہے۔ مگر جیسا کہ مَیں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اس کو سوائے ہشیاری اور چالاکی کے اور کسی بات سے تعلق ہی نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا۔ تو خداوند تعالےٰ اپنی قدرت دکھلاتا اور ثناء اللہ اپنی تمام گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔ اور اسے معلوم ہو جاتا کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو جھوٹوں اور سچوں میں فرق کر دکھلاتا ہے۔ اور جو بدی اور بدذاتی کرتا ہے۔ اپنے کئے کی سزا کو پہنچتا ہے۔ اور شریر اپنی شرارت کیوجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ مگر جبکہ برخلاف اسکے اس نے اس فیصلہ سے بھی انکار کیا اور لکھدیا کہ مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں۔ تو آج جبکہ حضرت صاحبؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں اور یہ میری سچائی کی دلیل ہے۔ کہاں تک سچائی پر مبنی ہے۔" (تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۶ و ۷ صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳)

"یہ جان بوجھ کر حضرت کی وفات کو اس دُعا کی بنا پر قرار دیتا ہے کیونکہ

باوجود اقرار کرنے کے کہ مَیں نے انکار کر دیا تھا۔ پھر اپنی سچائی ظاہر کرتا ہے کیا یہ اتنی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ اس مباہلہ یا دُعا کی ضرورت تو سچے اور جھوٹے کے فیصلہ کے لئے تھی۔" (ص ۲۶۷ بحوالہ سابق)

"اسوقت تو سچائی کے رُعب میں آکر اس نے حیلہ بازی سے اپنا سر عذابِ الٰہی کے نیچے سے نکالنا چاہا۔ مگر جبکہ اس کے انکارِ مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا۔ تو اس نے اس منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دُہرانا شروع کر دیا۔" (ص ۲۶۸)

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات سے صاف طور پر عیاں ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مسودہ اور دعائے مباہلہ ہی قرار دیا ہے۔ اور ثناء اللہ کے انکار کو "انکارِ مباہلہ" کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ پس ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ حضرت نے اس کو دعائے مباہلہ قرار نہیں دیا۔ سر تا سر دھوکا ہے۔ (۲) چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حافظ محمد حسن مرحوم اہلحدیث لاہور کے مطالبہ کے جواب میں مندرجہ ذیل حلفی بیان دیا:۔

"مَیں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر شہادت دیتا ہوں کہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر اس اعلان کے مطابق آتے جو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خلاف ۱۹۰۷ء میں کیا تھا۔ تو وہ ضرور ہلاک ہوتے اور مجھے یہ یقین ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جو میں نے مضمون لکھا تھا۔ اس میں بھی لکھ چکا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے متعلق جو کچھ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا وہ دعائے مباہلہ تھی۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اسکے مقابل پر دعا نہیں کی بلکہ

اسکے مطابق فیصلہ چاہنے سے انکار کر دیا۔ وہ مباہلہ کی صورت میں تبدیل نہ ہوئی۔ اور مولوی صاحب عذاب سے ایک مدت کے لئے بچ گئے۔ میری اس تحریر کے شاہد میری کتاب "صادقوں کی روشنی" کے یہ فقرات ہیں:-

"مگر جبکہ اسکے انکارِ مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح بدل گیا تو اس نے منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دہرانا شروع کر دیا" نیز "اگر وہ ایسا کرتا تو خداوند تعالےٰ اپنی قدرت دکھاتا۔ اور ثناء اللہ اپنی گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا" غرض میرا یہ ہمیشہ سے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دعا دعاءِ مباہلہ تھی۔ لیکن بوجہ اسکے کہ مولوی صاحب نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا وہ دعا۔ مباہلہ نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طریق کو بدل دیا" (خاکسار مرزا محمود احمد ۲/۲۱ ۱۶)

جملہ خبریہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ "آخری فیصلہ" کے اشتہار میں سب جملے خبریہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشتہار بطور پیشگوئی کے ہے۔ نیز حضرت کا الہام ہے۔ "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت نے اس میں صاف طور پر لکھدیا ہے۔ کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے فیصلہ چاہا ہے" پھر اس کو کس طرح "پیشگوئی" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر "دعا" کو "جملہ خبریہ" قرار دینا بھی ثناء اللہ جیسے "عالم" کے سوا اور کسی کا کام نہیں۔ کیونکہ "دعا" کبھی جملہ خبریہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ "جملہ انشائیہ" ہوتا ہے۔ (۲) حضرت کا الہام "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ" اگر فرض کر لیا جائے

کہ وہ اس دعا کے متعلق ہے تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ یہ دعائے مباہلہ تھی۔ جس کا نتیجہ اس صورت میں نکلنا تھا کہ فریقین اس پر متفق ہو جاتے۔ اور اس کی منظوری کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اگر فریق ثانی نے اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیا۔ تو یقیناً یقیناً وہ ہلاک ہو جائیگا جیسا کہ آنحضرت صلعم نے نجران کے مفرور عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے "لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰی کُلِّھِمْ حَتّٰی یَھْلِکُوْا" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹) گویا آنحضرت صلعم کیطرف سے جو دعا "لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَى الْکَاذِبِیْنَ" قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ اور اگر عیسائی اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے تو وہ یقیناً یقیناً ہلاک ہو جاتے۔

لطیفہ:۔ ثناء اللہ۔ آپ لوگ تو مجھ کو ابو جہل کہا کرتے ہیں۔ خدا نے مرزا صاحب کی دعا کے اثر کو ابو جہل کی خواہش کے مطابق کیوں بدل دیا؟ ابو جہل تو آنحضرتؐ سے پہلے مر گیا تھا؟

احمدی:۔ اگر محض بد دعا ہوتی۔ تو نہ ٹلتی۔ وہ دعائے مباہلہ تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سچے کے بالمقابل جھوٹے فریق کی منظوری بھی ضروری ہے (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے) لیکن پہلے ابو جہل نے تو بد دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر آنحضرت صلعم سچے ہیں۔ تو مجھ کو ہلاک کر۔ اسلئے وہ ہلاک ہو گیا۔ تم بھی ذرا اسی قسم کی بد دعا کرو۔ پھر اگر بچ جاؤ تو ہم تمہیں "ابو جہل" نہیں کہینگے۔ تم تو "ابو جہل" کے لقب پر فخر کیا کرتے ہو۔ ذرا ابو جہل کی مماثلت کو پورا بھی کرو تو بات ہے۔ بد دعا کر کے پھر بچ کر یہ ثابت

کیوں نہیں کر دیتے۔ کہ درحقیقت تم ابوجہل نہیں ہو؟

ایک اور ثبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک مولوی ثناء اللہ اشتہار آخری فیصلہ کو "دعائے مباہلہ" اور "مسودہ مباہلہ" ہی سمجھتا رہا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء (تاریخ دعا) سے ایک سال کا عرصہ گذر گیا۔ تو حضرت مسیح موعود کی وفات سے چند دن پہلے اپنے ایک مضمون میں جو مرقع قادیانی میں پہلی جون کو چھپا لکھتا ہے:۔ "مرزائی جماعت کے جوشیلے ممبرو! اب کس وقت کے منتظر ہو۔ تمہارے پیر مغاں کی مقرر کردہ مباہلہ کی میعاد کا زمانہ تو گذر گیا۔" (مرقع قادیانی یکم جون ۱۹۰۸ء)

گویا وہ اس اشتہار کو دعاءِ مباہلہ ہی قرار دیتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ دیکھ لو۔ میں ایک سال میں نہیں مرا۔ اور نہ مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ لہذا وہ دعا بے اثر گئی۔ لیکن جب حضور فوت ہو گئے۔ تو جھٹ کہنے لگ گیا کہ مباہلہ کے نتیجہ میں مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اسپر جب اسے پکڑا گیا۔ کہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ تم بھی اس کا اقرار کر کے بد دعا کرتے۔ تو (اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے) جھٹ پینترا بدلا۔ اور اب یہ کہتا ہے۔ کہ وہ مباہلہ کی دعا نہیں تھی۔ بلکہ ایک طرفہ دعا تھی۔ سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں:۔

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بے شمار

اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔
"ثَمَانِیْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِیْبًا مِنْ ذَالِکَ" کہ تیری عمر اسّی برس یا اس کے قریب ہوگی۔ حضور فرماتے ہیں:۔ "جو الفاظ وحی عمر کے متعلق ہیں۔ وہ چوہتر اور چھیاسی سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۹۷ حاشیہ)

پھر حضورؑ کو الہام ہوا:۔
"اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم" (حقیقۃ الوحی صہ ۹۶)
چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ساڑھے پچھتر (۷۵½) سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

طرزِ تحقیق

کسی کی عمر کا ٹھیک ٹھیک حساب لگانے کے لئے دو باتوں کا علم ضروری ہے:۔
(۱) تاریخ پیدائش (۲) تاریخ وفات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہے مگر حضور کی تاریخ پیدائش حضرت اقدسؑ کی کسی کتاب میں درج نہیں۔ کیونکہ حضور کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی۔ اس میں پیدائش کی یادداشت رکھنے کا دستور نہ تھا۔ اور نہ کوئی سرکاری رجسٹر تھے۔ جن میں اس کا اندراج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ محض اندازوں کے باعث حضرت صاحبؑ کی عمر کے

متعلق متعدد تحریرات میں مختلف اندازے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔" (ضمیمہ براہین حصہ پنجم صد ۱۹۳) پس معلوم ہوا کہ حضور کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ بایں بعض ایسے قرائن اور تعیینیں حضرت کے ملفوظات میں موجود ہیں۔ جن سے صحیح اور پکا اور پختہ علم حضور کی تاریخ پیدائش کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ از روئے حساب حضور کی تاریخ پیدائش ۱۴ر شوال سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ر فروری سنہ ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ثابت ہوتی ہے۔ جس کے لئے جو دلائل ہیں۔ ان کو درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اندازہ عمر میں اختلاف

لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمر کے اندازہ میں اختلاف کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ایسا اختلاف ابتداء سے ہی چلا آتا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے اندازہ میں بھی اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"بعض ساٹھ برس کی اور بعض ۶۲ برس چھ ماہ کی اور بعض ۶۵ برس کی کہتے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق ۶۳ برس لکھتے ہیں۔" (احوال الانبیاء جلد ۲ صد ۲۳)

اب دیکھو کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تمام حالات محفوظ ہیں۔ پھر بھی حضور کی تاریخ ولادت کے متعلق اختلاف ہے اور یہ محض اندازہ کے باعث ہے۔ پس اسی قسم کا اختلاف حضرت اقدس

کی عمر کے متعلق بھی ہے۔ اور مختلف مقامات پر محض اندازاً عمر لکھی گئی ہے۔ جو حساب کر کے اور گن کر نہیں بتائی گئی۔ جیسے عام طریق ہے کہ عمر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ فلاں کی عمر ۶۰/۷۰ کی ہوگی۔ وہ ۷۰/۸۰ کا ہے۔ میری عمر ۴۰/۵۰ سال کی ہے وغیرہ۔ اب خواہ ۵/۱۰ سال کا اختلاف کتنا اہم ہو۔ پھر بھی طریق کلام یہی ہے پس محض اسی قسم کے اندازہ کو بطور دلیل پیش کرنا۔ اور "تناقض" قرار دے کر اس پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔

تاریخ پیدائش کی تعیین

ہم نے حضرت[ؑ] کی جو تاریخ ولادت لکھی ہے اس کیلئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:—

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:—

"میری پیدائش جمعہ کے دن۔ چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی"

(تحفہ گولڑویہ طبع اول ص۱۱۱ حاشیہ)

(۲) "میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اور پچھلی رات کا وقت تھا"

(ذکر حبیب ص۲۳۸ و ص۲۳۹)

اب مندرجہ بالا قطعی اور یقینی تعیین ہے کہ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا ازروئے حساب معلوم کرنا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ مندرجہ سالوں میں

جمع ہوئیں:۔

تاریخ انگریزی	تاریخ اسلامی (چاند)	دن	تاریخ ہندی
۴ر فروری ۱۸۳۱ء	۲۰ر شعبان ۱۲۴۶ھ	جمعہ	۷ر پھاگن ۱۸۸۷ بکرمی
۱۷ر فروری ۱۸۳۲ء	۱۴ر رمضان ۱۲۴۷ھ	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرم
۸ر فروری ۱۸۳۳ء	۱۷ر رمضان ۱۲۴۸ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۸۹ بکرم
۲۸ر فروری ۱۸۳۴ء	۱۸ر شوال ۱۲۴۹ھ	جمعہ	۵ر پھاگن ۱۸۹۰ بکرم
۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء	**۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ**	**جمعہ**	**یکم پھاگن ۱۸۹۱ بکرم**
۲۵ر فروری ۱۸۳۶ء	۱۷ر شوال ۱۲۵۱ھ	جمعہ	۳ر پھاگن ۱۸۹۲ بکرم
۲۴ر فروری ۱۸۳۷ء	۱۸ر ذیقعد ۱۲۵۲ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۹۳ بکرم
۹ر فروری ۱۸۳۸ء	۲۰ر ذیقعد ۱۲۵۳ھ	جمعہ	۷ر پھاگن ۱۸۹۴ بکرم
یکم فروری ۱۸۳۹ء	۱۵ر ذیقعد ۱۲۵۴ھ	جمعہ	۳ر پھاگن ۱۸۹۵ بکرم
۲۱ر فروری ۱۸۴۰ء	۱۶ر ذی الحج ۱۲۵۵ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۹۶ بکرم

(دیکھو توفیقاتِ الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اس نقشہ سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو سالوں میں آئی (۱) ۱۷ر فروری ۱۸۳۲ء (۲) ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ ہجری۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ:۔

"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۹)

گویا ٹھیک سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سلسلۂ وحی والہام شروع ہوا۔ اُس وقت حضور کی عمر کتنی تھی؟ فرماتے ہیں:۔

"جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۸)

پھر دُوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

تھا برس چالیس کا میں اِس مسافر خانہ میں
جب کہ میں نے وحیِ ربانی سے پایا افتخار

(براہین حصہ پنجم و درثمین اُردو)

پس ثابت ہُوا کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضور علیہ السلام کی عمر چالیس برس کی تھی ۱۲۹۰ - ۴۰ = ۱۲۵۰۔ پس حضور کی پیدائش کا سال سنہ ۱۲۵۰ھ ثابت ہوا۔ غرضیکہ مندرجہ بالا تحقیق کی رُو سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۱۴ر شوال سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ر فروری سنہ ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ہے۔ حضرت کی وفات ۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ر مئی سنہ ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اب ۱۳۲۶ - ۱۲۵۰ = ۷۶ سال۔ گویا حضور کی عمر ۷۵ سال ۶ ماہ اور ۱۰ دن ہوئی۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔

ایک دھوکہ

بعض مخالفین حضرت اقدس کی بعض ایسی تحریرات پیش کر کے دھوکہ دیا کرتے ہیں جن میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ میں چودھویں صدی کے سر پر

آیا۔ اور اس سے مُراد ۱۳۰۰ھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ "صدی کے سر" سے مُراد صدی کے پہلے سال کے شروع ہونے سے دس سال پہلے یا ۱۰/۲۰ سال بعد تک کا زمانہ ہوتا ہے۔ یعنی جب پہلی صدی پر ۹۰/۸۰ سال گذر جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اگلی صدی کا سر آپہنچا ہے۔ اور جب اگلی صدی میں سے ۱۰/۱۵ سال گذر جاتے ہیں۔ تب بھی وہ اس صدی کا سر ہی کہلاتا ہے کیونکہ یہی طریق کلام ہے کہ جب حساب دہاکوں کا ہو تو کسور حذف ہو جاتی ہیں یعنی ا سے ۹ تک۔ اور جب حساب صدیوں کا ہو تو اسکی کسور دہاکے ہوتے ہیں جو حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں کے حساب میں کسور صدیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اِنِّیْ لَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ (حجج الکرامہ ص۴۲۸) کہ میں ساٹھ برس کے سر پہ پہنچونگا۔ اب حضورؐ کی عمر پُورے ساٹھ سال کی نہیں تھی بلکہ ۶۳/۶۵ سال تھی۔ جیسا کہ احوال الانبیا جلد ۲ ص۳۳ کے حوالہ سے اُوپر درج ہو چکا ہے۔ اب ۶۳ یا ۶۵ کو بھی ساٹھ کا "سر" ہی کہینگے کیونکہ اہل عرب میں کسور حذف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) اسی طرح سے نبراس شرح عقائد نسفی ص۵۸۷ پر ہے۔ "وَجَاءَ فِیْ رِوَایَۃٍ اِنَّہٗ یَمْکُثُ خَمْسًا وَّ اَرْبَعِیْنَ ... فَلَا یُنَافِیْہِ حَدِیْثُ اَرْبَعِیْنَ لِاَنَّ النَّیِّفَ کَثِیْرًا مَا یُحْذَفُ" کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔ کہ امام مہدی ۴۵ برس زندہ رہیگا یہ دُوسری حدیث کے جس میں چالیس برس آتا ہے خلاف نہیں۔ کیونکہ عام

طور پر کسور کو دہاکوں میں سے حذف کر دیا جاتا ہے۔

(۳) نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:۔

"اولیتِ مائتہ تابست و پنج سال از آغازِ ہر مائتہ محتمل است بلکہ تا نصف مائتہ۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۴)۔

کہ "صدی کے سر" سے مُراد صدی کے شروع ہونے سے ۲۵ سال تک بلکہ ۵۰ سال تک ہو سکتی ہے۔"

غرضیکہ حضرت اقدسؑ نے جس جس جگہ چودھویں صدی کے "سر" پر اپنا ظاہر ہونا یا آنا لکھا ہے۔ تو اس سے مُراد ۱۲۹۰ھ ہی ہے نہ کہ ٹھیک ٹھیک ۱۳۰۰ھ۔ پس اس دھوکہ سے بچنا چاہیئے۔

دیگر اندازے

جیساکہ اُوپر درج ہوا حضرت اقدسؑ کی تاریخ پیدائش کی تعیین ہو جانے کے باعث حضرت کی عمر ٹھیک ٹھیک معلوم ہوگئی۔ کہ عین پیشگوئی کے مطابق تھی۔ لیکن چونکہ بعض تحریرات مخالفین اس قسم کی پیش کیا کرتے ہیں جن میں محض اندازہ کی بنا پر عمر بیان کی گئی ہے۔ اور وہ بوجہ اندازے ہونے کے حجت اور دلیل نہیں بن سکتے۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ محض اندازے کی بنا پر جو عمر بتائی جائے۔ وہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتی۔ خود حضرت اقدسؑ کی بعض تحریرات پیش کی جاتی ہیں جن سے حضرت اقدسؑ کی عمر حضورؑ کی تاریخ وفات تک ۷۴ اور ۷۶ کے درمیان ہی ثابت ہوتی ہے:۔

(۱) "میری طرف سے ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی

میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا۔ جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے۔ پچاس برس کا جوان ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۷۷ حاشیہ) گویا ۲۳ ؍اگست ۱۹۰۳ء کو حضرت کی عمر ستر برس کے قریب تھی۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۹۰۸ء میں حضور فوت ہو گئے۔ تو بوقت وفات آپ کی عمر ۷۵ برس کے قریب ثابت ہوئی۔ اور قمری لحاظ سے ۷۷ برس!

(۲) "مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب ۶۴ سال کے۔ اگر شک ہو تو اس کی پنشن کے کاغذات دفتر سرکار سے دیکھ لو۔" (اعجاز احمدی ص۳)۔ (ب) "آتھم کی عمر قریباً میری ہی برابر تھی۔" (انجام آتھم حاشیہ ص۲)۔ (ج) "مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہو گئے۔" (انجام آتھم ص۱)۔ گویا حضرت کی عمر بوقت وفات ۶۴ + ۱۲ = ۷۶ گویا قریباً ۷۶ سال ہوئی۔

نوٹ:- بعض لوگ اخبار بدر ۸ ؍اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۳ کا حوالہ دیکر یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ گویا اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت جو آپ کی عمر تھی۔ اس کا مقابلہ عبداللہ آتھم کی عمر سے کیا ہے۔" حالانکہ خوب اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دوسری تحریر اس بات کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آتھم کی زندگی ہی میں آتھم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ "اگر آپ چونسٹھ سال

کے ہیں۔ تو میری عمر بھی قریب ساٹھ سال کے ہو چکی" (اشتہار ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء منقول از تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۶۱)۔

گویا اس حساب سے ۱۸۹۴ء میں حضرت کی عمر قریباً ساٹھ تھی۔ اس کے چودہ سال بعد ۱۹۰۸ء میں آپ فوت ہوئے ۶۰ + ۱۴ = ۷۴ اور قمری ۷۶

گویا حضرت مسیح موعود کی عمر عبداللہ آتھم کی عمر کے مطابق حساب کی رُو سے کم از کم ۷۴ سال بنتی ہے۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔ اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ ۱۹۰۲ء میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت آپ کی عمر قریباً ۶۸ سال تھی نہ کہ ۶۴ سال۔ جیسا کہ مخالفین بدر کی عبارت پیش کر کے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

(۳) حضرت اپنی کتاب نصرۃ الحق (۱۹۰۵ء) میں یہ تحریر فرما کر کہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ میری عمر ۸۰ سے پانچ سال کم و بیش ہوگی۔ فرماتے ہیں:- "اب میری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے"۔ اس کے تین سال بعد آپ فوت ہوئے تو اس لحاظ سے آپ کی عمر ۷۳ سال کے قریب اور قمری لحاظ سے ۷۵ سال کے قریب ثابت ہوئی۔

مخالفین کی شہادت:- (۱) ظفر علی آف زمیندار کے والد مولوی سراج الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود کی وفات پر لکھا:- "مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲، ۲۳ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے"۔ (زمیندار ۸ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

(۲) مولوی ثناء اللہ امرتسری :- "مرزا صاحب ... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسی سال سے کچھ نیچے اُوپر پر ہے - جسکے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔" (اہل حدیث ۳ رمئی ۱۹۰۷ء) اس تحریر کے پورا ایک سال بعد حضرت فوت ہوئے۔

(۳) "چنانچہ خود مرزا کی عمر بقول اس کے پچھتر سال کی ہوئی۔" (اہلحدیث ۳۱ رجولائی ۱۹۰۸ء صہ ۳ کالم ۲)۔

(۴) "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم ... عیسائی کی بابت لکھتے ہیں :- کہ اس کی عمر میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب چونسٹھ سال کے (صہ ۳)۔ اِس عبارت سے پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ آئیے۔ اب ہم تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا؟ شکر ہے کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب کی تحریر دں میں پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صہ ۱ پر لکھتے ہیں :- (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے ہیں) اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کے قریب تھی۔ بہت خوب! آئیے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۸ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے۔ ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں۔ بہت اچھا۔ چونسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آجکل پچھتر سال ہے۔" (مرقع قادیانی فروری ۱۹۰۸ء صہ ۱۲) گویا فروری ۱۹۰۸ء

میں حضرت کی عمر بقول ثناء اللہ ۷۵ سال تھی۔ اسکے تین مہینہ بعد حضور فوت ہوئے۔ تو حضرت کی عمر بہر حال مذکورہ بالا عمر سے زیادہ ہی ہو گی۔ کم تو نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اب ثناء اللہ اور دوسرے دشمن کہتے ہیں۔

(۵) "جو شخص ستر برس سے متجاوز ہو جیسے خود بدولت (مرزا صاحب) بھی ہیں۔" (تفسیر ثنائی مطبوعہ ۱۸۹۹ء حاشیہ صفحہ ۱۰۲ و طبع دوم صفحہ ۹۰)

گویا ۱۸۹۹ء میں حضرت کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ ۱۹۰۸ء میں یعنی ۹ سال بعد آپ فوت ہوئے۔ تو اس حساب سے حضرت کی عمر ۷۹ سال سے زیادہ ثابت ہوئی۔

(۶) مولوی محمد حسین بٹالوی رسالہ اشاعۃ السنۃ ۱۸۹۳ء میں حضرت کے متعلق سخت غصہ میں آکر لکھتا ہے "۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے" اس کے بعد حضرت چودہ برس زندہ رہے۔ گویا ۶۳ + ۱۴ = ۷۷ سال ہوئی اور یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ شہادت جو اس نے حضرت کی وفات سے قبل دی۔ بمقابلہ مخالفین سب سے زیادہ قابل استناد ہے کیونکہ وہ حضرت کا بچپن سے دوست اور ہم مکتب بھی تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے "مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

بعض مخالفین نے اعتراض کیا ہے کہ جب حضرت کی تاریخ پیدائش ہی معلوم نہیں تو پھر عمر کی پیشگوئی دلیل صداقت کیونکر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا صدق و کذب معلوم نہیں ہو سکتا!

الجواب:- اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ ہی کے ملفوظات میں ایسے قرائن جمع کرا دیئے تھے کہ جن سے تاریخ پیدائش معلوم ہو کر تم پر حجت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اب جبکہ تاریخ پیدائش تحقیق کے رُو سے معین ہو گئی تو تمہارا اعتراض بھی ساتھ ہی اُڑ گیا۔

(۲) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ فرض کرو تاریخ پیدائش معین نہ بھی ہوتی پھر بھی یہ پیشگوئی دلیل صداقت تھی۔ وہ اس طرح سے کہ:-

۱۔ مخالفین احمدیت مثلاً مولوی ثناء اللہ امرتسری و مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کی شہادت غیر احمدیوں پر حجت ہے۔

۲۔ یہ بات کہ حضور کی عمر ۷۴ اور ۸۶ کے درمیان ہوگی۔ الہام الٰہی کی بناء پر معلوم ہوئی۔ اب حضرت اقدسؑ کی وفات کے متعلق بھی الہاماتِ الٰہی بکثرت موجود ہیں۔ جن کے عین مطابق حضورؑ فوت ہوئے۔ مثلاً:-

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام دسمبر ۱۹۰۵ء میں الوصیت شائع فرماتے ہیں۔ اور اس میں لکھتے ہیں کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ جاء

وَقْتُكَ قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ "یعنی تیرا وقتِ وفات آگیا۔ اور تیری عمر کی جو میعاد مقرر کی گئی تھی اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ ۷۴ سال سے متجاوز عمر پانے کی جو پیشگوئی حضورؑ نے کی تھی اس کے مطابق حضور کی عمر پوری ہو گئی۔ اب تم اس کو الہام مانو یا نہ مانو۔ بہرحال اتنا تو تسلیم کرنا ہی پڑیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک تو حضور کی وفات عین پیشگوئی کے مطابق ۷۴ اور ۸۶ سال کے اندر اندر ہوئی۔ پھر حضورؑ فرماتے ہیں :-

رویاء :۔" ایک کوری ٹنڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے۔ لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام ہوا۔ آبِ زندگی " (ریویو اردو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰)

اس میں " دو تین گھونٹ " زندگی کا پانی باقی رہنا بتایا گیا ہے۔ سو اس کے مطابق پورے ۲ ½ سال بعد حضور فوت ہوئے۔ غرضیکہ جس ملہم نے یہ بتایا۔ کہ آپؑ کی عمر ۷۴/۸۶ کے درمیان ہوگی۔ اسی ملہم نے وفات کے قریب بتادیا کہ وہ میعاد اب قریب الاختتام ہے۔ اور اب اس میں دو تین سال رہ گئے ہیں۔ سو اس کے مطابق عین ۷۵ ½ سال کی عمر میں حضورؑ کی وفات ہوئی۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض مخالفین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ الہام میں جو "یا یا" کا لفظ آتا ہے۔ کہ "اسی سال" یا اس سے چار پانچ سال کم یا چار پانچ سال زیادہ۔ یہ متکلم کے دل میں شک اور شبہ پر دلالت کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ کو صحیح معلوم نہ تھا؟

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو صحیح صحیح معلوم تھا۔ لیکن عمر کی تعیین کرکے اس کو تعیین کے ساتھ ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ عبدالحکیم مُرتد اور ثناء اللہ جیسے دشمنوں کے ساتھ حضرت اقدسؑ کا مقابلہ ہوگا۔ اور وہ حضورؑ کی وفات کے متعلق منگھڑت پیشگوئیاں شائع کردینگے۔ اور اس طرح سے حق مشتبہ ہو جائیگا۔ چنانچہ عبدالحکیم مُرتد نے اسی "دو تین گھونٹ پانی" والے رؤیا کے شائع ہونے پر جھٹ تین سال کی میعاد لگا کر پیشگوئی شائع کردی۔ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بجائے کوئی سال وفات کیلئے معین کرنے کے آپؑ کی عمر کی پہلی اور آخری حد بتادی۔ تاکہ مخالفین کو جھوٹا کرنے کی گنجائش رہے۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ کے ساتھ "آخری فیصلہ" بھی حضورؑ نے تحریر فرمایا۔ اب مولوی ثناء اللہ اگر مباہلہ پر آمادہ ہوتے۔ تو یقیناً اللہ تعالےٰ حضرت کو اور عمر دیتا۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو حضورؑ کی زندگی ہی میں موت دیتا۔ پس "یا یا" کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ملہم کو

شبہ ہے۔ بلکہ اسکے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملہم کو حضرت کی وفات سے سو سال قبل ہی آپؑ کی وفات کے قریب کے حالات کا علم تھا کہ دشمن کس طرح آپؑ کے الہامات پیشگوئیاں اڑاکر حضورؑ کی وفات کو اپنی پیشگوئی کا نتیجہ قرار دے کر جن کو مشتبہ کرنے کی ناپاک کوشش کرینگے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے "نَزِیْدُ عُمُرَکَ" اسکے الہام کے لئے بھی گنجائش رکھ لی۔

(۲) "یا" "یا" کا لفظ کئی دفعہ خدا تعالیٰ کے کلام میں بھی آجایا کرتا ہے اور اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی ہے:-
"اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ" (یونس رکوع ۵)۔ کہ اے نبی! یا تو ہم آپکو آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری ہوتی دکھادینگے یا آپ کو وفات دے دینگے۔

(۳) قرآن مجید میں ہے "وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (توبہ ع ۱۳ پ ۱۱) کہ کچھ اور بھی ہیں (یعنی وہ تین صحابہ کعب بن مالک۔ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو جنگ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے) خدا تعالےٰ کے حکم کی انتظار میں جن کا معاملہ تاخیر میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انکو عذاب دیگا یا معاف فرمادیگا۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی "یا" "یا" آیا ہے۔ اسکے متعلق تفسیر حسینی میں لکھا ہے:-
"یا عذاب کریگا اللہ ان پر اگر وہ اس گناہ پر اڑے رہینگے اور یا توبہ دیگا انہیں اگر نادم ہونگے اس کام سے۔ یہ تردید یعنی "یہ یا یہ" کہنا بندوں

کے واسطے ہے۔ ورنہ اللہ کے نزدیک تردید نہیں" (تفسیر قادری مترجم ص۲۴۸ جلد ۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو نتیجہ کا علم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ لوگوں کو تردد میں رکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے "یا" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہی حال یہاں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عبدالحکیم اور الٰہی بخش وغیرہ دشمنوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقتِ وفات کو مصلحتاً مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ کوئی جھوٹی پیشگوئی بنا کر حق کو مشتبہ نہ کر سکے۔ اسلئے "او" کا لفظ رکھا گیا۔ پس محض لفظ "یا" کی بناء پر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا نادانی ہے

نوٹ:- یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے الحکم ۲۴/۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء میں یہ فرمایا ہے کہ میں نے کسی بزرگ سے دعا کروا کے ۱۵ سال عمر بڑھوائی ہے اور اب میری عمر ۹۵ سال ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً عمر کا ۹۵ سال ہونا نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور خواب تعبیر طلب ہے جس طرح آنحضرت صلعم کا سونے کے کنگن پہننے کا خواب۔ اور حضرت یوسفؑ کا خواب۔

(۲) مردان علی صاحب حیدر آبادی نے ۵ سال اپنی عمر کے کاٹ کر حضرت کے پیش کئے۔ تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت نے اسے قبول فرما لیا تھا۔ کوئی شخص اپنی عمر کاٹ کر دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ ورنہ صحابہؓ اپنی زندگیاں آنحضرت صلعم کو دے دیتے۔ مردان علی صاحب نے اپنے اخلاص کا اظہار اس طریق سے کیا۔ وہ حوالہ دکھاؤ جس میں حضرتؑ نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے مردان علی صاحب کی پیشکش کو منظور کر لیا۔

(۳) مولوی عبدالکریم صاحب سے حضرت کا خواب میں اصرار سے اپنی اس قدر عمر پانے کیلئے جو حضورؑ کی جماعت کو مستحکم کرنے کیلئے کافی ہو۔ دُعا کرانا۔ مگر حضرت مولوی صاحب مرحوم کا دُعا نہ کرنا اور بجائے دُعا کے ہاتھ اُوپر اُٹھا کر اکیس ۲۱ اکیس ۲۱ کہتے جانا (دیکھو تذکرہ صفحہ ۵۲۶)۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی زبان سے بتادیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی جماعت کے استحکام کیلئے کل اکیس ۲۱ سال ملینگے۔ چنانچہ حضرتؑ نے بیعت ۱۳۰۶ھ کے اوائل میں لی ہے۔ اور وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ گویا آپؑ بیعت کے ۲۱ سال تک اپنے سلسلہ کو مستحکم فرما کر تشریف لے گئے۔

عُمر۔ دُنیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت

مرزا صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہزار ہفتم سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے اور گیارہ برس کے اندر ہی آپ فوت ہوئے۔ کیونکہ آپ کی وفات کے قریب کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ ابھی ہزار ششم ختم نہیں ہوا۔

الجواب:۔ اسکے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات یاد رکھنے چاہئیں:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۰ حاشیہ پر یہ لکھا ہے "آنحضرت صلعم حضرت آدم علیہ السلام۔ سے قمری حساب کے رُو سے ۴۷۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے۔ نیز آدم صفی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلعم کے وقت تک یہی مدت گذری تھی یعنی ۴۷۳۹ برس بحساب قمری (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۱ حاشیہ)۔ ان دونوں حوالوں میں "بعثت"۔ "وقت" اور "زمانہ" "آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلعم کی پیدائش یا چالیس برس کی عمر نہیں بلکہ "وفات نبوی" ہے۔ جیسا کہ حضرت محولہ بالا عبارتوں کے آگے چلکر فرماتے ہیں "حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلعم کے مبارک عصر تک جو عہدِ نبوت ہے ۴۷۳۹ برس ابتدائے دُنیا سے آنحضرت صلعم کے روزِ وفات تک قمری حساب سے ہیں۔ اس حساب کی رُو سے میری پیدائش اسوقت ہوئی جبکہ ۶ ہزار برس سے گیارہ برس رہتے تھے۔" (حاشیہ در حاشیہ)

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعودؑ کی "بعثت" "ہزار ششم کے آخر میں" ہوئی۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں حاشیہ صفحہ ۱۹۴)

اس عبارت میں "مسیح موعود کی بعثت" سے مراد "ماموریت" نہیں، بلکہ "پیدائش" ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "پیدائش مسیح موعود ہزار ششم کے آخر میں ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۵ طبع سوم نیز دیکھو لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۶ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱ سطر ۲ و ازالہ اوہام (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ و صفحہ ۱۸۱ حاشیہ)

(۳) تحفہ گولڑویہ سے ہی ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہزار ششم ختم ہو گیا۔ بلکہ ہزار ہفتم میں سے بھی نصف صدی سے زیادہ آپکی زندگی میں گزر چکی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں "مدت ہوئی کہ ہزار ہفتم گزر گیا اور اب قریباً پچاسواں سال اسپر زیادہ جا رہا ہے۔ اور اب دنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۵ حاشیہ)۔

(۴) چشمہ مسیحی ۱۹۰۶ء میں جو حضور نے چھٹے ہزار کو جاری مانا ہے۔ تو اس کا باعث یہ ہے کہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

آنحضرت صلعم کی وفات تک ۴۷۳۹ برس تحریر فرمائے ہیں تو یہ قرآنی حساب یعنی سورۃ العصر کے حروف ابجد کی بنا پر ہے۔ ورنہ عام مروجہ اور مشہور تاریخیں جو عیسائیوں کے حساب کے مطابق ہیں۔ انکے رُو سے آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک ۴۶۳۶ برس بنتے ہیں (تحفہ گولڑویہ ص۱۵۵ حاشیہ) عیسائیوں کے حساب سے جسپر تمام مدار بائیبل کا رکھا گیا ہے ۴۶۳۶ برس ہیں یعنی حضرت آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آخیر زمانہ تک ۴۶۳۶ برس"۔ اس حساب سے سنہ ۱۹۰۶ء (سنہ ۱۳۲۴ھ) میں ۶۰۹ برس بنتے ہیں یعنی ابھی چھٹا ہزار ہی جاری ثابت ہوتا ہے۔ پس چشمۂ مسیحی میں حضرت نے عیسائیوں کا ہی عام مروجہ حساب مُراد لیا ہے۔ سورۃ العصر کے حروف ابجد والا حساب مُراد نہیں لیا۔ (نیز دیکھو حقیقۃ الوحی ص۲۰۱) (ب) حضور فرماتے ہیں "چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور مخل مطلب نہیں سمجھتے۔ اسلئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اس قدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے مثلاً دو تین سو برس زیادہ ہو جائے" (تحفہ گولڑویہ ص۱۵۴ حاشیہ) چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہل عرب کے جس قاعدہ کا ذکر کیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے۔ وَجَاءَ فِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ يَمْكُثُ خَمْسًا وَأَرْبَعِينَ ... فَلَا يُنَافِيهِ حَدِيثُ أَرْبَعِينَ لِأَنَّ النَّيِّفَ كَثِيرًا مَا يُحْذَفُ عَنِ الْعَشَرَاتِ (نبراس ص۵۸۷) کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ مسیح موعود دُنیا میں ۴۵ سال رہیگا۔۔۔ پس یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہیں جس میں آتا ہے کہ وہ چالیس سال تک رہیگا۔ کیونکہ عام طور پر کسر دہاکوں سے حذف کر دیجاتی ہے۔

پس اس لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر بیٹا ہوگا جس کا نام بشیر الدولہ اور عالم کباب وغیرہ ہوگا۔

جواب:۔ حضرت کے اصل الفاظ درج کئے جاتے ہیں:۔

"۱۹ فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ الہام ہوا "بشیر الدولہ" فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔" (بدر جلد ۲ ۸ مکاشفات ص۳۶ و تذکرہ ص۵۴۲ حاشیہ)

پس حضرت صاحب نے صاف فرما دیا ہے کہ منظور محمد کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ الہاماً یہ تعیین کی گئی۔ اور حضرت نے ضروری قرار نہیں دیا کہ منظور محمد سے مراد میاں منظور محمد صاحب ہی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خواب ہے اور خواب میں نام صفات کے لحاظ سے بتائے جاتے ہیں۔ پس منظور محمد سے وہ شخص مراد ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ منظور نظر اور محبوب ہے۔ ہاں ہاں جس کے متعلق آنحضرت صلعم نے "اِسْمُهٗ اِسْمِیْ" کا ارشاد فرمایا۔ وہی جس کو آپ نے اپنا "سلام" دیا۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے فرمایا۔ مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی

فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَآنِیْ"۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱) پس اللہ تعالےٰ نے اس رؤیا کے ذریعہ یہ خبر دی تھی کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور سلسلہ احمدیہ کی اقبال مندی کا نشان عنقریب اپنی عظیم الشان صفات کے ساتھ دنیا پر ظاہر ہونیوالا ہے۔ اور اسکی وہ موعودہ صفات جو ۱۹۰۶ء تک دنیا کی نظر سے مخفی تھیں۔ اب ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے سن بلوغ کو پہنچے۔ اور آپ نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" جاری فرمایا۔ جس کی خوبیوں کا اعتراف مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو بھی کرنا پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں ۲۵ سال کی عمر میں آپ خلیفۃ المسیح ہوئے اور اسی سال زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی جنگ عظیم کی صورت میں پوری ہوئی۔

ایک اور ثبوت

علاوہ حضرت اقدسؑ کے صریح ارشاد کے کہ "معلوم نہیں منظور محمدؐ کے لفظ سے کس طرف اشارہ ہے" بعض اور بھی قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "عالم کباب" لڑکے سے مراد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہی ہیں نہ کوئی اور (۱) "عالم کباب" لڑکے کے مندرجہ ذیل نام اور صفات بیان کی گئی ہیں:-

(۱) کلمۃ اللہ۔ کلمۃ العزیز۔ (۲) بشیر الدولہ۔

(۳) ناصر الدین۔ فاتح الدین۔ شادی خاں۔

(۴) هٰذَا یَوْمٌ مُّبَارَكٌ۔ (تذکرہ صفحہ ۵۶۸)

حضرت اقدسؑ نے ان کی تشریح بھی فرمائی ہے:-

"بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لئے

بشارت دینے والا ہوگا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد یا اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئینگی۔ اور گروہ کثیر مخلوقات کا ہماری طرف رجوع کریگا اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئیگی۔ (۲) عالم کباب سے یہ مُراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جبتک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے۔ دُنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی۔ . . . اِس وجہ سے اُس کا نام عالم کباب رکھا گیا۔" (الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۶ء و تذکرہ ص۵۶۳)

غرضیکہ "عالم کباب" کی صفت بشیر الدولہ اور ناصر الدین اور حکمۃ اللہ اور فاتح الدین وغیرہ سے سلسلہ کی ترقی کی بشارت ہے۔ اب دیکھئے بعینہٖ یہی صفات اور نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود کے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "وہ کلمۃ اللہ ہے۔" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ ص۱۴۱)۔

(۲) "بشیر الدین"۔

(۳) "وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا . . . وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔" (تذکرہ ص۱۴۱)۔

(۴) "فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔" (تذکرہ ص۱۳۹)۔

اب دیکھ لیجئے کہ بشیر الدولہ کے بالمقابل "بشیر الدین"۔ "کلمۃ اللہ" اور کلمۃ العزیز کے بالمقابل "کلمۃ اللہ"۔ مصلح موعود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

کے نام ہیں۔ جماعت کی ترقی کے متعلق بعینہٖ ایک ہی قسم کے الفاظ دونوں کے
متعلق ہیں۔ عالم کباب کا نام "فاتح الدین" ہے۔ تو مصلح موعود کو "فتح" کی
کلید قرار دیا گیا ہے۔ اگر "عالم کباب" کی آمد کو "ھذا یوم مبارک" کہا ہے۔
تو مصلح موعود کی بشارت میں "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" فرمایا ہے۔
اور اگر "عالم کباب" کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ وہ مخالفین و معاندین کیلئے عذاب
الٰہی کا موجب ہوگا۔ نیز فرمایا کہ وہ لڑکا نیکوں کیلئے اور اس سلسلہ کیلئے ایک
سعد ستارہ ہوگا۔ مگر بدوں کیلئے اس کے برخلاف ہوگا" (تذکرہ صفحہ ۵۶۵)

تو بعینہٖ اسی طرح مصلح موعود کے متعلق فرمایا ہے "کہ تا حق اپنی تمام
برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ
جائے ... اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے ... جس کا نزول بہت
مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء
نیز تذکرہ صفحہ ۱۳۹ تا صفحہ ۱۴۲)۔ غرضیکہ دونوں کے نام اور صفات ایک ہی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں پیشگوئیاں ایک ہی وجود کے متعلق ہیں۔

ایک اعتراض

بعض لوگ۔ ریویو اور بدر کے حوالہ سے ایک ڈائری پیش کیا کرتے ہیں کہ
گویا حضرت صاحب نے الہاماً منظور محمد کی تعیین فرمادی ہے۔ اور اپنے
قلم سے لکھا ہے کہ "مجھے الہاماً معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکا میاں منظور محمد
صاحب کے ہاں ان کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔

جواب:۔ محترم یہ پاکٹ بک کے مصنف کا یہ لکھنا کہ ڈائری حضور کی از

ریویو جون ۱۹۰۶ء حضرت کے قلم سے لکھی گئی (محمدیہ پاکٹ صدا) محض جہالت ہے۔ وہ حضرت صاحب کی تحریر نہیں۔ بلکہ ڈائری نویس نے محض اپنی یادداشت کی بناء پر تحریر کر کے طبع کرائی ہے۔ وہ ڈائری مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں۔

(۱) وہ ڈائری حضرت اقدس کی تصریح مندرجہ بدر جلد ۲ ع۸ ومکاتیب صلہ و ریویو مارچ ۱۹۰۶ء صد ۲۲ والحکم جلد ۱۰ ع ۷ کے خلاف ہے۔ جس کا حوالہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ کہ "معلوم نہیں منظور محمد سے کس کی طرف اشارہ ہے"

(۲) حضرت اقدس کی دوسری ڈائریوں سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ مخالفین کی محولہ ڈائری (ریویو ماہ جون ۱۹۰۶ء نیز بدر جلد ۲ ع ۲۴ صہ ۳) محض ڈائری نویس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

"بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا۔"

حالانکہ الحکم جلد ۱۰ ع ۲۰ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۶ء میں جو حضرت صاحب کے الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

"یہ ہر دو نام بذریعہ الہام الٰہی ہوئے" اسی طرح الحکم جلد ۱۰ ع ۲۲ و بدر جلد ۲ ع ۲۵ صہ ۳ پر لکھا ہے

"میاں منظور محمد کے اس بیٹے کے نام جو بطور نشان ہوگا بذریعہ الہام الٰہی مفصلہ ذیل معلوم ہوئے"

پس ثابت ہوا کہ دراصل الہام الٰہی سے صرف اس لڑکے کے نام ہی معلوم ہوئے تھے۔ یہ امر کہ وہ لڑکا منظور محمد کے گھر ان کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ یہ تعین الہامی نہیں ہے۔ ڈائری نویس نے اس فرق کو نہ سمجھنے کے باعث بجائے یہ لکھنے کے کہ "میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں جو لڑکا پیدا ہوگا بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ اسکے دو نام ہونگے" لفظ "الہام الٰہی" کو فقرہ کے شروع میں رکھ دیا ہے۔ جس سے مضمون بگڑ کر وہ مفہوم بن گیا ہے۔ جو حضرت اقدس کے دوسرے ملفوظات اور واقعات کے صریح خلاف ہے۔ پس دوسری ڈائریوں سے ریویو والی ڈائری (جس کا مخالف نے حوالہ دیا ہے۔) مردود ثابت ہوئی اس سے جماعت احمدیہ کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ وہ حضرت صاحب کی تحریر نہیں۔ بلکہ حاضرین مجلس میں سے کسی کی اپنی یادداشت کی بناء پر لکھی ہوئی تحریر ہے۔ جس میں ایک لفظ کا ادھر ادھر ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں:

حقیقۃ الوحی کا حوالہ

حضرت اقدس نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس لڑکے کا پیدا ہونا معرض التوا میں پڑ گیا۔ کیونکہ حضور نے دعا فرمائی تھی۔ کہ ربّ اخّر وقت ھٰذا کہ اے اللہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا۔ کہ اخرہ اللہ الی وقت مسمّی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔

حقیقۃ الوحی کے حوالہ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ زلزلہ اسی وقت ظاہر

ہوگا۔ جبکہ "عالم کباب" ظاہر ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ "منظور محمد" اور "محمدی بیگم" کا لفظ موجود ہے۔ پھر ان سے کوئی دوسرا کیونکر مراد ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ سوال علم دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام دنیا کے خزانوں کی وُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ (بخاری کتاب الرؤیا جلد ۴ صفحہ ۱۲ مطبع الہیہ مصر) کہ وہ چابیاں میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ حالانکہ ظاہر ہے۔ کہ قیصر و کسرے کے خزانوں کی کنجیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں حاصل نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضور کی وفات کے بعد حضرت عمر رض کے زمانہ خلافت میں فتح ہوئیں۔ پس اگر آنحضرت صلعم سے مراد حضرت عمر رض ہو سکتے ہیں۔ تو منظور محمد سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیوں نہیں ہو سکتے۔ جو حقیقی اور اصلی منظور محمد ہیں۔

(۲) پھر حضرت یوسف ؑ کے خواب میں اگر چاند سے مراد حضرت یوسف ؑ کی والدہ۔ سورج سے مراد حضرت یعقوب۔ اور ستاروں سے مراد بھائی ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ صریح لفظ چاند۔ سورج اور ستاروں کا موجود ہے۔ تو پھر اسی خواب میں منظور محمد کی تعبیر کیوں نہیں ہو سکتی ؟

(۳) اسی طرح لکھا ہے۔

قَالَ السُّہَیْلُ قَالَ اَھْلُ التَّعْبِیْرِ رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنَ اَبِی الْعِیْصِ وَالِیًا عَلٰی

مَلَکَۃً مُسْلِماً فَمَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَکَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عَتَّابِ اَسْلَمَ (تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) یعنی سہیل کہتے ہیں۔ کہ اہل تعبیر کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اسید بن ابی العیص کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ اور مکہ شریف کا گورنر بنا ہوا ہے۔ لیکن اسید مذکور بغیر مسلمان ہوئے مرگیا۔ لیکن یہ خواب اس کے بیٹے عتاب کے حق میں نکلی۔ جو مسلمان ہوگیا۔ پس اگر اسید کافر سے مراد عتاب مسلمان بھی ہوسکتا ہے۔ تو ایک مومن کی جگہ دوسرا اس سے اعلےٰ مومن کیوں نہیں ہوسکتا۔

انبیاء کی ذمہ واری

قرآن مجید۔ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ سلف سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے۔ اور انبیاء اور خدا تعالےٰ کے مامورین صرف اور صرف اس چیز کی صحت کے لئے جوابدہ ہوتے ہیں۔ جو ان کو اللہ تعالےٰ کیطرف سے الہام ہوتی ہے۔ وہ اپنے اجتہاد کے ذمہ وار نہیں ہوتے۔ جیساکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

مَا حَدَّثْتُکُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَھُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِیْبُ (نبراس صفحہ ۳۹۲) یعنی جو بات تو میں اللہ تعالےٰ کیطرف سے کہوں وہ حق ہے مگر جو اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کروں۔ اس کے متعلق یاد رکھو۔ کہ میں انسان ہوں۔ کبھی میرا خیال درست ہوگا اور کبھی غلط

اسی طرح لکھا ہے۔ " اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

قَدْ یَجْتَھِدُ فَیَکُوْنُ خَطَاءً (نبراس صلا۲۹۲)

کہ آنحضرت صلعم کئی دفعہ اپنی وحی کی تعبیر یا تشریح اپنی طرف سے فرماتے تھے۔ تو وہ بعض دفعہ غلط بھی ہوتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ اپنی رائے ہے۔ نہ خدا کا کلام" (اعجاز احمدی صٓ)

پس جبکہ واقعات اور حضرت اقدس کے دوسرے اقوال سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہیں۔ اور حضور کے سوا کسی شخص کے لئے پیشگوئی نہ تھی۔ تو پھر بھی ایک ڈائری کو (جس کی صحت اور محفوظیت مسلم نہیں) پیش کرکے اعتراض کرتے جانا طریق انصاف نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر کسی پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو۔ اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے۔ اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہوتا ہے۔ وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے۔ کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں۔ جو واقعہ نے اپنے ظہور سے کھولے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی

ہے" (براہین پنجم ضمیمہ ص۹۰)

ولادت معنوی

بعض مخالف کہا کرتے ہیں۔ کہ ۱۹۰۶ء میں جب یہ پیشگوئی حضرت صاحب نے کی ہے۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیدا ہو چکے تھے۔

الجواب۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ الہام میں "ولادت" سے ولادت جسمانی نہیں۔ بلکہ ولادت معنوی مراد ہے۔ جیسا امام الشیخ سہروردی تحریر فرماتے ہیں۔

"یصیرُ المرید جزءَ الشیخ کما انَّ الولدَ جزءُ الوالد فی الولادۃ الطبیعیۃ وتصیر ھٰذہ الولادۃ انفاً ولادۃً معنویۃً کما ورد عن عیسیٰ صلوٰۃ اللّٰہ علیہ لن یلج ملکوت السّماءِ من لم یولد مرّتین فبالولادۃ الاولیٰ لیصیر لہٗ ارتباطٌ بالملکوتِ قال اللّٰہ تعالیٰ و کذٰلک نری ابراھیمَ ملکوت السّمٰوات والارض و لیکون من الموقنین وصرف الیقین علی الکمال یحصل فی ھٰذہ الولادۃ و بھٰذہ الولادۃ یستحق میراث الانبیاء ما ولِدَ (عوارف المعارف ص۴۵ جلد۱)

یعنی مرید اپنے پیر کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادت طبعی میں۔ مرید کا یہ پیدا ہونا حقیقی پیدا ہونا نہیں۔ بلکہ معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق

آتا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ دو دفعہ پیدا نہ ہو ولادت طبعی (حقیقی) میں انسان کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے۔ مگر ولادت معنوی میں اس کا تعلق آسمان (ملکوت اعلیٰ) سے ہوتا ہے۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں کہ ہم نے اسی طرح ابراہیم کو ملکوت سماوی و ارضی دکھائی۔ تاکہ وہ یقین کرے۔ دراصل حقیقی اور کامل یقین اسی ولادت معنوی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی ولادت کے باعث انسان وراثت انبیاء کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کو وراثت انبیاء نہ ملی۔ وہ پیدا نہ ہوا۔"

پس اس پیشگوئی سے بھی ولادت سے مراد طبعی ولادت نہیں۔ بلکہ ولادت معنوی ہے۔ جو انسان کو انبیاء کا وارث بناتی ہے۔ سو یہ عجیب بات ہے۔ کہ ۱۹۰۶ء میں ہی حضرت صاحب نے اس لڑکے کی پیدائش کی پیشگوئی فرمائی۔ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے رسالہ تشحیذ جاری فرمایا۔ جس سے حضور کے کمالات دینیہ و روحانیہ کا اظہار شروع ہوا۔ اور "سلطان القلم" کی وراثتِ حقیقی کا تمغہ حضور کو ملا۔

پھر ۱۹۱۴ء میں حضور اپنے معنوی بلوغ کو پہنچ کر سریر آرائے خلافت ہو کر کامل و مکمل طور پر "عالم کباب" کا مصداق بنے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

قادیان میں طاعون

اعتراض۔ مرزا صاحب نے کہا تھا۔ کہ قادیان میں ہرگز طاعون نہیں

آئے گی۔ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔

الجواب:۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت نے قادیان میں طاعون کا آنا ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ حضرت نے تو فرمایا ہے۔ کہ قادیان طاعون آئے گی تو سہی۔ مگر طاعون جارف یعنی جھاڑ دینے والی طاعون نہیں آئے گی چنانچہ حضرت دافع البلا میں فرماتے ہیں۔ "ہم دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی۔ جو گاؤں کو ویران کرنے والی۔ اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔" ص۵۔

(۲) پھر فرماتے ہیں "میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے۔ کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون سے مریں۔ یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آئے۔" (دافع البلا ص۱۰)

(۳) "کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذو نادر طور پر ہو جائے۔ جو بربادی بخش نہ ہو۔ اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذو نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔" (دافع البلا ص۵)

(۴) "آوی کا لفظ عربی زبان میں اس پناہ دینے کو کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی آدمی کسی حد تک مصیبت رسیدہ ہو کر پھر امن میں آجاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا تعالے کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ معنی نہیں کہ ہرگز اس میں طاعون نہیں آئے گی۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۳۴)

"آوی" کا لفظ زبان عرب میں ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ کہ جب

کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلا کے بعد اپنی پناہ میں لیا جائے۔ اور کثرت مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" اسی طرح تمام قرآن شریف میں "اٰوٰی" لفظ ایسے ہی موقعوں پہ استعمال ہوا ہے۔ کہ جہاں کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد آرام دیا گیا" تذکرۃ الشہادتین صـ ۱۲ حاشیہ طبع اول ۱۹۰۳ء) پس ان پیشگوئیوں کے مطابق قادیان کو ایک دفعہ "کسی قدر" عذاب کے بعد اپنی امان میں لے لیا گیا۔ اور اسی کو حضرت نے صرف قادیان ہی کی نسبت سے "طاعون زوروں پہ تھا" قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صـ ۸۵) چنانچہ خود اسی حقیقۃ الوحی میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "صرف ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں آئی"۔ صـ ۲۳۲ ع وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ

پس قادیان میں کبھی بھی طاعون جارف نہیں آئی۔ جو بربادی انگن ہوتی ہے۔ ہاں حضرت نے اعلان فرمایا تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَاُحَافِظُكَ خَاصَّةً" کہ تیرے گھر کی چاردیواری میں رہنے والے طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ اور تیری تو خاص حفاظت کی جائیگی (خواہ چاردیواری کے اندر ہوں یا باہر) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت نے ببانگ دہل اعلان فرمایا "میرا یہی نشان ہے۔ کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے خواہ امرتسر میں۔ اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں۔ اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہے گا۔ کہ اس کا فلاں مقام

طاعون سے پاک رہے گا۔ تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار کیا جائیگا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالے کے مقابل پر گستاخی کی" (دافع البلاء ص۱۱)
چنانچہ چراغ الدین جموئی ہلاک ہوا۔ تفصیل دیکھو حقیقۃ الوحی میں۔
اس چیلنج کو کوئی منظور نہ کر سکا۔ لہذا حضرت کی صداقت ثابت ہوئی۔

محمد حسین بٹالوی کا ایمان

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ محمد حسین بٹالوی ایمان لائے گا۔
مگر وہ ایمان نہیں لایا؟

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین بٹالوی کو فرعون قرار دیا ہے (دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۴ و ۶۵ و ۶۶)
پھر فرماتے ہیں" فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالے کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہو گا کہ" اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" یا پرہیز گار لوگوں کی طرح (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ)" (استفتاء اردو ص۲۲ حاشیہ)

فرعون کے ایمان لانے کا واقعہ جس کی طرف حضرت نے محولہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے (قرآن مجید سورہ یونس ع ۹ میں ہے) کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس نے آواز دی کہ" اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہ میں ایمان لایا کہ وہی ایک خدا ہے۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور

مسلمان ہوں۔ اب فرعون کے ایمان لانے کا بجز خدا تعالیٰ کی شہادت کے اور کون انسان گواہ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح محمد حسین کے ایمان کا بھی خدا کا الہام گواہ ہے۔ اب کوئی آریہ یا عیسائی تم سے فرعون کے ایمان لانے کا ثبوت پوچھے۔ تو جو جواب تم اس کو دوگے وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لو۔

جواب ۲:۔ حضرت صاحب کی پیشگوئی میں تھا "اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ یُؤْمِنُ بِاِیْمَانِیْ" کہ مولوی محمد حسین میرا مومن ہونا مان لے گا چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ کیونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اخمل المکفرین نے ۱۹۱۲ء میں لالہ دیوکی نندن صاحب مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں مقدمہ ۱۳۰۰ میں حلفاً بیان کیا۔ کہ میں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں۔

اب بتاؤ حضرت صاحب کی زندگی میں کسی کو یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ کسی وقت بھی مولوی محمد حسین جو سب سے پہلے فتویٰ کفر دینے والا ہے خود حضرت صاحب اور ان کی جماعت کو مسلمان سمجھنے لگ جائے گا۔

عبد اللہ آتھم

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حقیقی اور سچا مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور یہ کہ موجودہ عیسائیت کسی صورت میں بھی اس مذہب کی قائمقام نہیں ہو سکتی۔ جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے قائم ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو عیسائیت پر کھلا کھلا غلبہ عطا کیا۔ عیسائیوں نے اپنے نمائندہ ڈپٹی عبد اللہ آتھم کو جون ۱۸۹۳ء

ہیں خدا کے مسیح موعودؑ کے مقابل کھڑا کیا۔ جب اس پر دلائل بینہ اور براہین قاطعہ کی رو سے کامل طور پر حجت ہو چکی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدائے بزرگ و برتر سے اطلاع پاکر اعلان فرمایا۔ کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ "دجال" کہا ہے۔ اس لئے اس جرم کی پاداش میں خدا تعالےٰ نے فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ "حق کی طرف رجوع نہ کرے" تو پندرہ ماہ کے عرصہ میں ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس سے یہ ثابت ہو گا۔ کہ خدا تعالےٰ کو اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے لئے سب سے انتہا غیرت ہے۔ اور یہ کہ اس کے نزدیک سچا دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی یہ ہیبت ناک پیشگوئی شائع کر دی گئی۔ اور اس میں آتھم کو ہلاکت سے بچنے کا طریق بھی بتا دیا گیا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا۔ تو اس ہلاکت سے بچ جائے گا۔

پیشگوئی کا شائع ہونا تھا کہ ڈپٹی آتھم کے لئے جس ہاویہ کی پیشگوئی کی گئی تھی اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ وہ توبہ اور استغفار، دعا اور رجوع میں لگ گیا۔ وہ اس گستاخی کے لئے جو اس نے پاکبازوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ کی شان میں کی تھی۔ روتا اور گڑگڑاتا رہا۔ وہ برابر پندرہ ماہ تک انتہائی پریشانی سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ دربدر پھرتا رہا۔ وہی عیسائیت جس کی اشاعت اور تبلیغ (اس پیشگوئی سے قبل)

اس کی غذا تھی۔ اب اس کو موت کا پیالہ نظر آتی تھی۔ وہی اسلام اور بانیٔ اسلام جن کی تردید کرنا۔ اور جن کو گالیاں دینا وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا۔ اب اس کی نظر میں اس قدر قابل اعتراض و تردید نظر نہ آتے تھے۔

وہی عبد اللہ آتھم جس کے لئے ایک دن بھی عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تردید کے بغیر گذارنا غیر ممکن تھا۔ متواتر پندرہ مہینے ایک غیر منقطع سکوت اور لامتناہی خاموشی کے ساتھ شہر بشہر پھرتا رہا۔ اور ایک حرف بھی اپنی زبان سے اسلام یا بانیٔ اسلام کے خلاف نہیں نکالا۔

یہ معنی خیز خاموشی۔ حیرت انگیز سکوت۔ اور عبرتناک سراسیمگی اسلام اور خدا کے مسیح موعودؑ کی صداقت پر زبردست دلیل تھی۔ اور اس طرح سے عبد اللہ آتھم کا پندرہ ماہ کا عرصہ گذرنا سعید الفطرت انسانوں کے لئے یقیناً خدا کے زبردست مگر رحم دل ہاتھ کی کرشمہ نمائی کا زبردست ثبوت تھا۔ مگر دین کے دشمنوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم نے درحقیقت رجوع نہیں کیا تھا۔ اور یہ خدا کے مسیح موعودؑ کی پیشگوئی نعوذ باللہ جھوٹی نکلی خدا کا مسیح موعود ایک دفعہ پھر خدا کی طرف سے حجتِ باہرہ اور دلائل بینہ کی تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں نکلا۔ اور عبد اللہ آتھم ہی کے ذریعہ ایک دوسرے نشان سے صاف اور واضح طور پر اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ سچا اور حقیقی دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پے بہ پے اشتہارات شائع کئے کہ اگر

تم لوگ اس دعویٰ میں سچے ہو۔ کہ عبد اللہ آتھم نے رجوع نہیں کیا۔ تو تم
اسے کہو کہ وہ حلف اٹھا کر کہہ دے۔ کہ میں نے حق کی طرف نہیں کیا۔ اگر اس
حلف کے بعد وہ ایک سال تک زندہ رہ جائے تو میں جھوٹا ہوں۔
آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ چار ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع
کیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم ہرگز قسم نہیں کھائے گا۔ کیونکہ
اُس سے زیادہ اس بات کو اور کوئی نہیں جانتا۔ کہ اس نے فی الحقیقت
حق کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اب اگر آتھم عیسائیوں کے اس قول کی تردید
نہ کرے۔ اور نہ قسم کھائے۔ تو بھی وہ عذاب سے بچ نہ سکے گا۔ چنانچہ
حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔ "اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے
کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اور آگے کچھ نہیں" (انوار الاسلام صـ۱)
"اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور
یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے۔ اور
اگر قسم نہ کھائیں۔ تو پھر بھی خدا تعالےٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑیگا
جس نے حق کا اخفا کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک
ہیں دور نہیں" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ صـ۱۱) چنانچہ ایسا ہی
ہوا۔ "وہ دن" جو عبد اللہ آتھم کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ بہت
"نزدیک" تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری اشتہار پر ابھی سات
مہینے نہیں گذرے تھے کہ آتھم ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور راہی ملک عدم ہوا
خدا تعالیٰ نے آتھم کے ذریعے اسلام اور آنحضرت صلعم کی صداقت پر زندگی

اور موت کے دو نشان ظاہر فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے آتھم نے پندرہ ماہ کے عرصہ میں "زندگی" پائی۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان کو چھپانے کے نتیجہ میں اسے "موت" حاصل ہوئی۔ اور اس نشان میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حقیقی زندگی بخشتی ہے۔ اور آپؐ کی مخالفت ایک موت کا پیالہ ہے جس کا پینے والا روحانی موت سے بچ نہیں سکتا۔ (بقیہ دیکھو ۱۷۹ پاکٹ بک ہذا)

محمد حسین کی ذلت

مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ محمد حسین ذلیل ہوگا۔ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔

الجواب:۔ محمد حسین پر کئی ذلتیں آئیں تفصیل کیلئے دیکھو کتاب "بٹالوی کا انجام" مصنفہ جناب میر قاسم علی صاحب۔ اجمالاً یہاں کچھ لکھا جاتا ہے (۱) محمد حسین نے حضرت پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگایا۔ کہ آپ گویا مہدی خونی کے قائل نہیں مگر بعد میں اس نے خود گورنمنٹ سے زمین حاصل کرنے کے لئے بطور خوشامد یہ لکھا کہ کوئی ایسا جنگ اور جہاد کرنے والا مہدی نہیں آنے لگا۔ اور یہ کہ اس مہدی کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں۔ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ اس نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو ایک انگریزی فہرست شائع کی جس میں مہدی کی آمد کا انکار کیا۔ اسپر غیر احمدی علماء سے حضرت نے مہدی خونی کے منکر کے متعلق فتویٰ کفر حاصل کرلیا۔ پس محمد حسین اپنی مسلمات کی رو سے ذلیل ہوا (تفصیل دیکھو حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار ۲۷ جنوری ۱۸۹۹ء) (۲) محمد حسین نے حضرت کے الہام "عجب تعجب" (یَفْرِحْتی) پر نحوی اعتراض کیا تھا

کہ "عجب" کا صلہ لام نہیں آتا۔ اس کے جواب میں جب حضرت نے احادیث، کتب لغت اور شعراء عرب کے کلام سے "عجب" کے صلہ لام کی مثالیں شائع کیں۔ تو محمد حسین نے خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اپنی خفت کو یہ کہکر مٹانا چاہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ قرآن میں "عجب" کا "من" صلہ آیا ہے (الہامات مرزا مصنفہ ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۸۳) (۳) محمد حسین نے خونی مہدی کا انکار کر کے گورنمنٹ سے زمین حاصل کی۔ اور بخاری میں ہے، کہ جس گھر میں ہل داخل ہو جاتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِی اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ وَرَاٰی سِکَّةً وَّشَیْئًا مِنْ اٰلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلعم یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ هٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ الذُّلَّ (بخاری کتاب الوکالة باب ما یحذر من عواقب جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ مصری و مشکوٰة باب المساقاة والمزارعة مطبع اصح المطابع صفحہ ۲۵۷) حضرت ابوامامہ باہلی رض سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے ہل کا ایک پھل اور کھیتی کرانے کا ایک آلہ دیکھا۔ تو فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے، کہ یہ جس قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں ذلت آجاتی ہے۔ محمد حسین بٹالوی کا حاکم اور غیر زمیندار ہو کر "اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ" کا مصداق بننا یقیناً حدیث کے الفاظ میں اس کے لئے ذلیل ہونا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اپنے گھر میں ہل کو "داخل" نہیں کیا۔ بلکہ حضور تو پیدا ہی زمیندار خاندان میں ہوئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی مندرجہ ابوداؤد حارث حراث (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰة مطبع نظامی دہلی صفحہ ۴۷۱ باب اشراط الساعة) والی پوری ہوئی۔ اس لئے آپ کیلئے یہ موجب ذلت نہیں۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ یہاں حدیث میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو تجارت یا دوسرے پیشے چھوڑ کر غیر زمینداری سے زمینداری اختیار کرتے ہیں نیز اس زمینداری کا ذکر ہے جو انسان کو دنیاداری میں مشغول کردے۔

اور اپنے مذہبی عقائد سے منحرف کرائے۔ جیسا کہ محمد حسین کے ساتھ ہوا۔ ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام مہدی کو بھی زمیندار قرار دیکر بتادیا کہ زمینداری بُرا پیشہ نہیں۔

نَافِلَةً لَّكَ

مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ ایک اور بیٹا مبارک احمد کے بعد پیدا ہوگا۔ مگر وہ پیدا نہ ہوا۔

الجواب:۔ حضرت نے خود اس الہام کی تشریح فرمادی ہے:۔ "چند روز ہوئے الہام ہوا تھا۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ ممکن ہے کہ اس کی تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا پیدا ہو کیونکہ "نافلہ" پوتے کو بھی کہتے ہیں۔ یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو"۔ (الحکم ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۸ء ص ۔) پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں۔ "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا۔ (ص ۹۹) پس وہ نافلہ جس کی بشارت دی گئی تھی۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مولوی فاضل فرزند اکبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں (والعلم عند اللہ) اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کے بھائیوں کے کئی ایک اور صاحبزادے ہیں گویا دشمنوں کے ابتر ہونے کے مقابلہ میں حضرت صاحب کو پوتوں تک بشارت دی گئی۔ (نوٹ:۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "پسر خامس" کی بھی پیشگوئی فرمائی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت کے الہام "نُبَشِّرُكَ بِخَامِسٍ" (یعنی پسر خامس) سے بھی مراد پوتا ہے۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹)

حصّہ سوم

تحریرات پر اعتراضات

شاعر ہونا

قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ نیز اَلشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ نبی شاعر نہیں ہوتا مرزا صاحب شاعر تھے۔

جواب۔ بیشک قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں ہیں۔ اور قرآن مجید نے شاعر کی تعریف بھی کردی ہے۔ فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (الشعراء آیت ۲۲۶، ۲۲۷ رکوع ۱۱) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شاعر ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں یعنی ہوائی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ گویا شاعر وہ ہے۔ (۱) جو ہوائی گھوڑے دوڑائے۔ خیالی پلاؤ پکائے (۲) اس کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو۔ فرمایا۔ "مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوائی گھوڑے دوڑانا اور محض باتیں بنانا نہیں سکھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی دونوں باتیں پائی نہیں جاتیں۔

(۲) لغت میں لکھا ہے۔ "وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ وَقَوْلُهٗ شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ ... لَمْ يَقْصِدُوْا هٰذَا الْمَقْصِدَ فِيْمَا رَمَوْهُ بِهٖ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ ظَاهِرٌ مِّنَ الْكَلَامِ اَنَّهٗ لَيْسَ عَلٰى اَسَالِيْبِ الشِّعْرِ وَلَا يَخْفٰى ذٰلِكَ عَلَى الْاَغْتَامِ مِنَ الْعَجَمِ فَضْلًا عَنْ بُلَغَاءِ

الْعَرَبِ وَاِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكَذِبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكَذِبِ وَالشَّاعِرُ
الْكَاذِبُ ..... قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ ۔ (مفردات راغب صفحہ ۲۶۲
و صفحہ ۲۶۳) کہ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے۔ کہ کافر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو ... شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ اس سے مراد نعوذ باللہ کلام موزون
کہنا نہ تھی بلکہ جس بات کا آنحضرتؐ پر اعتراض کیا جاتا تھا۔ وہ اور تھی۔ ورنہ
قرآن کا نثر ہونا تو ایسی بات ہے کہ کلام سے خود ہی ظاہر ہے۔ کہ یہ شعر کی
طرز پر نہیں۔ اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ بلغاء
عرب نثر اور نظم میں تمیز نہ کر سکتے ہوں۔ پس اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے
آنحضرت صلعم پر جھوٹ بولنے کا حملہ کیا تھا۔ کیونکہ شعر سے مراد جھوٹ لی
جاتی ہے۔ اور شاعر کے معنی ہیں "کاذب" (جھوٹا) عربی ضرب المثل ہے۔ کہ
سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔ (علم المنطق کے
امام علامہ شریف کہتے ہیں۔ وَالشِّعْرُ ..... اِنَّ مَدَارَهٗ عَلَى الْاَكَاذِيْبِ
وَمِنْ ثَمَّةَ قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ "۔ (الحاشیۃ الکبریٰ علی شرح المطالع
صفحہ ۲۷ مصری) کہ شعر کا مدار جھوٹ پر ہوتا ہے۔ اور ضرب المثل میں ہے کہ سب
سے اچھا شعر وہ ہے۔ جس میں بہت جھوٹ ہو۔

تیسرا جواب۔ قرآن مجید میں ہے "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" کہ ہم نے
آنحضرت صلعم کو شعر نہیں سکھایا۔ اب اگر "شعر" سے مراد کلام موزون لیا جائے۔ تو
یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا ہے اس میں
کلام موزون ہے۔ جیسا کہ یہ آیت: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (۲) حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جنگِ حنین کے موقعہ پر فرمایا ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ　　أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین جلد ۳ صـ۲۱ مصری) کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اب وزن کے لحاظ سے یہ بحر رجز محذوف ہے۔ اور قافیہ بھی ملتا ہے (۳) پھر حدیث میں ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جب آنحضرت کی انگلی پر زخم آگیا تو آپ نے اس انگلی کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ　　وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من ینکب فی سبیل اللہ جلد ۲ صـ۸۶ مصری) کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو ایک انگلی ہے جس میں سے کہ خون بہہ رہا ہے۔ اور یہ جو کچھ تجھے ہوا خدا کی راہ میں ہوا ہے۔ اب یہ بھی کلام موزون ہے۔ پس اگر شعر سے مراد کلام موزون لیا جائے تو یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس کی زد پڑتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شعر سے مراد جھوٹ ہی ہے۔ پس نفس شعر بلحاظ کلام موزون کے بُری چیز نہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہتے۔ اور نہ پڑھتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق　　اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

نیز حضرت کا الہام ہے "در کلام تو چیزے ست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

غلط حوالے اور جھوٹ کے الزامات

مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں بعض حوالے غلط دیئے ہیں۔ مثلاً ھٰذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی۔ بخاری میں نہیں ہے۔

الجواب:- نبی کو سہو اور نسیان سے پاک نہیں مانتے۔ (۱) قرآن میں ہے۔ "نَسِیَ اٰدَمُ" کہ آدم بھول گیا۔ (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق "نَسِیَا حُوْتَہُمَا" کہ وہ مچھلی بھول گئے اور آگے لکھا ہے کہ شیطان نے انہیں بھلا دیا۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ وَاِنِّیْ اُخْطِیْ وَاُصِیْبُ" (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص۲۸۲) کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بعض دفعہ خطا کرتا ہوں۔ (۳) بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ "وَرَجُلٌ یَدْعُوْہُ النَّبِیُّ صَلْعَمْ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالَ اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتْ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ قَالَ بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ" - دوسری روایت میں ہے۔ "فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُوالْیَدَیْنِ۔ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من یکبر فی السجدۃ السہو جلد ۱ ص۱۴۱ و باب تشبیک الاصابع جلد ۱ ص۶۴ مصری۔) کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا آپ بھول گئے ہیں۔ یا نماز قصر کر کے حضور نے پڑھی ہے؟ آنحضرت نے جواب دیا کہ نہ تو میں بھولا ہوں۔ اور نہ نماز قصر کی گئی ہے۔ اس پر اس صحابی رض نے جواب دیا کہ حضور بھول گئے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی صحابہ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے تو سب نے جواب دیا کہ ہاں وہ ٹھیک کہتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں جو آپ نے چھوڑ دی تھیں پڑھیں

اور بعد میں سجدہ سہو بھی کیا۔ (نیز دیکھو صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۱۵) اب کیا آنحضرت صلعم کے قول لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ کو کوئی شخص جھوٹ قرار دے سکتا ہے ہرگز نہیں (۴) صحیح ترمذی کتاب المناقب میں ہے۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم قَالَ لِیْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ وَقَرَءَ فِیْھَا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ وَلَا الْمَجُوْسِیَّۃُ وَمَنْ یَّعْمَلْ خَیْرًا فَلَنْ یُّکْفَرَہٗ وَلَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ مَّالٍ لَابْتَغٰی عَلَیْہِ ثَانِیًا وَلَوْ کَانَ لَہٗ ثَانِیًا لَابْتَغٰی عَلَیْہِ ثَالِثًا لَا یَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ اِلٰی مَنْ تَابَ اِلَی اللّٰہِ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ (ترمذی باب المناقب ابی ابن کعب جلد ۲ ص۲۲۹ مجتبائی) کہ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو قرآن پڑھ کے سناؤں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورت پڑھی۔ اور اس میں یہ بھی پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف خالص اسلام ہے۔ نہ یہودیت نہ نصرانیت اور نہ مجوسیت۔ پس جو اچھا کام کرے۔ اس کو نقصان نہیں پہنچیگا۔ اور اگر بنی آدم (انسان) کے لئے ایک وادی مال و دولت سے بھری ہوتی۔ تو ضرور وہ ایک۔ دوسری وادی چاہتا۔ اور اگر اس کو دوسری وادی بھی مل جاتی۔ تو وہ تیسری کی تلاش کرتا۔ اور انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور خدا تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کی توبہ قبول کرتا ہے"۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اب اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ

اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ اِلَی الْاٰخِر کو قرآن مجید لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورت کی آیات قرار دیا ہے۔ ذرا کوئی مولوی صاحب لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورت میں تو کجا سارے قرآن میں سے کسی جگہ سے نکال کر دکھا دیں۔

نوٹ:۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیات "منسوخ ہو گئی ہیں"۔ کیونکہ یہ بات کہ خدا کے نزدیک دین حنفیۃ المسلمہ ہے۔ اور یہ کہ انسان بڑا حریص ہے وغیرہ یہ سب اخبار ہیں نہ کہ احکام۔ اور اس پر سب غیر احمدی علماء کا اتفاق ہے کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں۔ (۲) کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا کے نزدیک "دین حنیفۃ المسلمۃ" نہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت ہو گیا ہے۔ (۳) ان آیات کی ناسخ کونسی آیت ہے جس کی وجہ سے آیات منسوخ ہو گئی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ قَرَءَ فِیْھَا ہے یعنی آنحضرت صلعم نے اس سورت میں یہ عبارت پڑھی تھی۔ اس کو سورت کی تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ورنہ قال فیہا کہنا چاہئے تھا۔

(۵) علامہ سعد الدین تفتازانی (۱) خسرو۔ ملا عبد الحکیم ان تینوں نے لکھا ہے کہ حدیث یَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ بَعْدِیْ بخاری میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موجودہ بخاری میں نہیں ہے۔ (توضیح شرح تلویح جلد ۱ ص ۲۰) اسی طرح سے حدیث خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَۃٌ لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَمِھْجَعٌ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنْ وَاثِلَۃَ ابْنِ الْاَسْقَعِ مَرْفُوْعًا کَذَا ذَکَرَہُ ابْنُ الرَّبِیْعِ لٰکِنْ قَوْلُ الْبُخَارِیِّ سَھْوٌ وَّتَنْبِیْھًا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَاِنَّ الْحَدِیْثَ لَیْسَ فِی الْبُخَارِیِّ (موضوعات کبیر ص ۳۲) کہ حدیث سوڈان کے بہترین آدمی تین ہیں۔ یعنی (۱) لقمان (۲) بلال (۳) مہجع۔ جو آنحضرتؐ کے غلام تھے"۔ یہ حدیث بخاری میں واثلہ بن الاسقع سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ملا قاری فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ربیع کا یہ کہنا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو

مصنف کا سہو قلم ہے اور یا کاتب کا۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ وہ مولوی جو ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی" والی حدیث کے بخاری میں سے نہ ملنے پر حضرت مسیح موعودؑ پر کاذب ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ کیا وہ اپنے علامہ تفتازانی ملا خسرو۔ ملا عبد الحکیم اور علامہ ابن الربیع کو بھی کاذب" کہینگے۔ (۶) امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ" کہ بخاری میں ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ..... مِنَ السَّمَآءِ" حالانکہ بخاری میں قطعاً مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ نہیں۔ (ھٰذَا خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الْمَھْدِیُّ) حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب شہادت القرآن میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم وہی جواب دیتے ہیں۔ جو حضرت ملا قاری نے امام ابن الربیعؒ کی طرف سے دیا تھا" وَلٰکِنْ قَوْلَ الْبُخَارِیْ نَسْھُوْ قَلَمٍ اِمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْمِنَ الْمُصَنِّفِ" کہ یہ قول کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو سہو کتابت ہے یا سبقت قلم مصنف"۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں صاف طور پر فرما دیا ہے" اور میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اماعین حدیث (بخاری ومسلم مراد ہیں) نے ان کو نہیں لیا"۔ (ازالہ اوہام ص۲۵ و حصہ ۲ طبع سوم وحمامۃ البشریٰ صفحہ) گویا بخاری ومسلم میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے۔ کہ ھٰذا خلیفۃ اللّٰہ المَھْدِیُّ (آسمان سے آواز آنا کہ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے) بہرحال مہدی کے متعلق ہے پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے صاف بیان کے مطابق یہ حدیث بخاری میں نہیں ہاں یہ حدیث اسی طرح صحیح ہے۔ جس طرح بخاری کی دوسری احادیث۔ کیونکہ کنز العمال

السَّیُوطِیُّ وَفِی الزَّوَائِدِ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ وَرَوَاہُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَقَالَ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ" (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ حاشیہ مطبوعہ مصر)، کہ حدیث "هٰذَا خَلِیْفَۃُ الْمَهْدِیُّ" کو سیوطی نے بھی ذکر کیا ہے اور زوائد میں ہے۔ کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس کو امام حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق بھی صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث ابونعیم اور تلخیص المتشابہ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۶ پر درج ہے۔ بھلا تم لوگ بھی حضرت مسیح موعود پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا سکتے ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو تم بھی نبی مانتے ہو اور جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ "صِدِّیْقًا نَّبِیًّا" کہ وہ سچ بولنے والے نبی تھے۔ تم ان کے متعلق بھی یہ کہتے اور مانتے ہو کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے (۱) بخاری میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم لَمْ یَکْذِبْ ابراهیم اِلَّا ثَلَاثًا..... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ"۔ (بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ مطبع الخیریہ و مشکوٰۃ مطبع نظامی صفحہ ۴۳۱ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ کتاب الفضائل باب فضل ابراہیم خلیل اللہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ و مشکوٰۃ مطبع حیدری صفحہ ۴۹۹) کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین مرتبہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ بولا مگر تین جھوٹ۔ (۲) صحیح ترمذی میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ فِي شَيْئٍ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ قَوْلَهُ إِنِّي سَقِيمٌ وَلَمْ يَكُنْ سَقِيمًا وَقَوْلُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا وَقَوْلُهُ لِسَارَةَ أُخْتِي .... هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ - (ترمذی کتاب التفسیر سورہ انبیاء جلد ۲ ص۱۴۶ مجتبائی و ص۱۶۳ مطبع احمدی) کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے کبھی کسی چیز میں جھوٹ نہ بولا۔ مگر صرف تین موقعوں پر۔ ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ یہ بت ان کے بڑے بت نے توڑے ہیں۔ اور ان کا اپنی بیوی سارہ کو کہنا کہ یہ میری بہن ہے .... یہ حدیث صحیح ہے۔ (۳) بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن جب سخت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اور لوگ بھاگے بھاگے سب انبیاء کے پاس جائینگے کہ وہ ان کی خداتعالیٰ کے حضور شفاعت کریں تو سب انکار کر دینگے جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائینگے تو فَيَقُوْلُ لَهُمْ إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرَهُنَّ أَبُوْحَيَّانَ فِي الْحَدِيْثِ نَفْسِي نَفْسِي إِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِي (بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح جلد ۲ ص۹۳ مصری) حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو جواب دینگے کہ میرا رب آج سخت غصہ میں ہے۔ ایسے غصے میں کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہ ہوا تھا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا۔ اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے۔ (ابوحیان نے ایک حدیث میں ان تینوں جھوٹوں کی تفصیل دی ہے) پس مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ جس نبی کو قرآن کریم سچا کہتا ہے۔ تم اس کے متعلق کہتے ہو کہ اس نے نعوذ باللہ تین جھوٹ

بولنے گویا تمہارے نزدیک جھوٹ بولنا معیار صداقت ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر اگر تم اعتراض کرو۔ تو معذور ہو۔

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو سب یونہی کرتے چلے آئے ہیں دم پر ور مسیح

قرآن وحدیث میں طاعون

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب:۔ قرآن مجید میں ہے وَاَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ۔ سورہ نمل ع۶) کہ ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹیگا۔ کیونکہ لوگ خدا کی آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنے کاٹنے کے ہی ہیں۔ جیساکہ لغت کی کتاب المنجد میں ہے۔ كَلَمَهٗ كَلْمًا جَرَحَهٗ (منجد ص۷۰۱) یعنی کَلَمَہٗ کے معنی ہیں۔ اس نے اس کو زخم لگایا۔ كَلَّمَهٗ ۔ كَلْمًا ۔ كَلَّمَ کے معنی بھی زخم لگانے کے ہیں۔ (۲) بخاری میں ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صلعم قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَهَيْئَتِهَا" (بخاری کتاب الوضوء باب مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ جلد ا ص۳۷ مصری) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک زخم جو کسی مسلم کو خدا کی راہ میں لگے قیامت کے دن اپنی حالت میں ہوگا۔ چنانچہ طاعون کا کیڑا انسانوں کو کاٹتا ہے۔ جس سے طاعون ہوتی ہے۔ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (مسلم جلد ۲ کتاب الفتن ص۲۷۰ مصری باب ذکر صفت الدجال) یعنی خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی متوجہ ہونگے اور خدا تعالیٰ انکے مخالفوں کے خیموں میں ایک پھوڑا (طاعون) ظاہر کریگا۔ پس وہ صبح

کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائینگے "تنف" کے معنی پھوڑا اور طاعون) دیکھو عربی ڈکشنری مصنف Lane دس) بحار نوار میں ہے:- "قُدَّامَ الْقَائِمِ مَوْتَانِ مَوْتٌ اَحْمَرُ وَمَوْتٌ اَبْيَضُ اَلْمَوْتُ الْاَحْمَرُ السَّيْفُ وَالْمَوْتُ الْاَبْيَضُ الطَّاعُوْنُ" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶) کہ امام مہدی کی علامات میں ہے۔ کہ اس کے سامنے دو قسم کی موتیں ہونگی۔ پہلی سُرخ موت اور دوسری سفید موت. پس سرخ موت تو تلوار (لڑائی) ہے۔ اور سفید موت طاعون ہے۔ (۲) مندرجہ بالا میں جو ہم نے قرآن مجید کی آیت وَاَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (نمل ع ۶) کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں ایک کیڑا نکلیگا جو ان کو کاٹیگا۔ اس کی تائید بحار الانوار کے مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ہوتی ہے:- "ثُمَّ قَالَ (اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ امام حسین) وَقَرَءَ تُكَلِّمُهُمْ مِنَ الْكَلْمِ وَهُوَ الْجُرْحُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْوَسْمُ" یعنی حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا دابۃ الارض والی آیت کے متعلق حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں "تکلمھم" سے مراد یہ ہے کہ وہ کیڑا ان کو کاٹے اور زخم پہنچائیگا۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲)

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیات و احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

خدا تعالیٰ کی کتابوں میں بہت تصریح سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ضرور طاعون پڑیگی اور اس مری کا انجیل میں بھی ذکر ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا الخ (بنی اسرائیل ع ۶) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں ہوگی۔

جس کو ہم کچھ مدت پہلے قیامت سے یعنی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ ہلاک نہ کر دیں۔ یا عذاب میں مبتلا نہ کریں" (نزول المسیح صفحہ ۱۸)

(۲) "یہی طاعون ہے۔ اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اس کو نکالیں گے۔ اور وہ لوگوں کو اس لئے کاٹیگا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ" اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے حجت الٰہیہ پوری ہو جائیگی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کھڑا کرینگے۔ وہ لوگوں کو کاٹیگا اور زخمی کریگا۔ اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

(دیکھو سورۃ النمل الجزو نمبر ۲۰۔ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

(۳) یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلیگا۔ اس میں یہی بھید ہے۔ کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلیگا کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابۃ الارض بن جائینگے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں۔ اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے۔ کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ قرآن شریف ذوالمعارف ہے۔ اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد نہیں" (نزول المسیح صفحہ ۴۱)

(۴) یاد رہے کہ اہلسنت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب

اکمال الدین میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے۔ اس کے صہ ۳۴۸ میں ..... لکھا ہے۔ کہ یہ بھی اس کے ظہور کی نشانی ہے۔ کہ قبل اس کے قائم ہو۔ یعنی عام طور پر قبول کیا جائے۔ دنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔" (نزول المسیح صہ ۱۸)

تورات وانجیل میں طاعون کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات اور انجیل (زکریا ۱۴/۱۲) میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔

جواب:۔ جھوٹ نہیں بلکہ تمہاری اپنی بدقسمتی ہے کہ بے وجہ نبی کے منکر ہوگئے ہو۔ انجیل متی کا حوالہ حضرت نے دیا ہے۔ اور یہ حوالہ درست ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں متی ۲۴/۸ پر مذکور ہے کہ مسیح موعود کی ایک نشانی مری کا پڑنا بھی ہے۔ لیکن بعد میں عیسائیوں نے اس کو متی ۲۴/۸ سے نکال دیا ہے۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ۔ لیکن اگر تم نے مزید تسلی کرنی ہو تو انجیل لوقا ۲۱/۱۱ جو ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے۔ اس میں بھی موجود ہے۔ "جا بجا کال اور مری پڑے گی"۔ (تفصیل دیکھو زیر عنوان "مسیح کی آمد ثانی کی علامات پاکٹ بک ہذا)

تورات:۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تورات میں بھی طاعون کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے (کشتی نوح صہ ۵) چنانچہ اس کے لئے زکریا ۱۴/۱۲ دیکھو۔ اور انگریزی بائیبل میں تو لفظ پلیگ بھی موجود ہے۔

And this shall be the plague wherewith The Lord will smite all the people (زکریا ۱۴/۱۲)

• یعنی یہ پلیگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ خدا کے گھر کے خلاف لڑائی کرنیوالوں کو ہلاک کریگا۔ (نوٹ) (۱) بائیبل کے اس حوالہ میں جو لفظ "پلیگ" استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ طاعون ہی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو انگریزی، عربی ڈکشنری موسومہ بہ "القاموس العصری انگلیزی عربی مؤلفہ الیاس انطون صفحہ ۸۹۱" جہاں لکھا ہے۔ "طاعون PLAGUE یعنی پلیگ" کے معنی ہیں طاعون۔ (۲) اسی طرح عربی سے انگریزی اور فارسی سے انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ "طاعون" کا ترجمہ پلیگ اور Penstilence لکھا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ لفظ پلیگ تو تورات ذکریا ۱۴/۱۲ میں آتا ہے۔ اور لفظ "Penstilence" مسیح کی آمد ثانی کی علامات میں لوقا ۲۱/۱۱ میں ہے (دیکھیے آمد ثانی کی علامات پاکٹ بک ہذا) نیز حضرت نے متی ۲۴/۸ کا حوالہ دیا ہے۔ جو انگریزی انجیل متی ۲۴/۸ میں اب بھی موجود ہے) اور جیسا کہ ثابت ہوا ہر دو لفظوں کا ترجمہ طاعون ہے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ نے تو بائیبل کا حوالہ درست دیا ہے۔ ذرا لگتے ہاتھوں "اسمہٗ احمد" (صف ع۱) اور "النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ" کے مطابق تورات اور انجیل سے "احمد" کا نام اور ایک "امی نبی" کی پیشگوئی نکال دینا تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ انجیل و تورات محرفہ ہے۔ اگر کوئی حوالہ نہ ملے تو یہ مصنف کی غلطی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کی ہوشیاری کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر دس سال کے بعد انجیل کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ (دیکھیے مضمون تحریف بائیبل پاکٹ بک ہذا)

غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ غلام دستگیر قصوری نے بددعا کی تھی۔ یہ جھوٹ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مباہلہ نہ ہوا تھا۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم صفحہ پر جن علماء کو مباہلہ کے لئے مقابل پر بلایا ہے۔ اور اپنی طرف سے ان کے لئے بددعا کردی ہے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر قصوری کا بھی نام ہے۔ (انجام آتھم صفحہ) اس کے بالمقابل ان میں سے جو شخص بھی بددعا کردیگا۔ اس کا مباہلہ حضرت کے ساتھ متحقق ہوجائیگا۔ چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بددعا کی۔ اَللّٰھُمَّ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا مَالِکَ الْمُلْکِ۔ جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا۔ (جو اُن کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دُعا اور التجا اس فقیر قصوری کی ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دینِ متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے۔ کہ تو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں۔ تو ان کو مورد اس آیتِ قرآنی کا بنا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّبِالْاِجَابَۃِ جَدِیْرٌ۔ تَبًّا لَہٗ وَلَا تَبًّا بِہٖ"

(مؤلفہ غلام دستگیر قصوری صفحہ ۲۶، ۲۷ نیز حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴۱)

مولوی محمد اسمٰعیل علیگڑھی کی بددُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴۳ حاشیہ پر لکھا ہے

"مولوی اسمٰعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بددعا کی تھی پھر بعد اس بددُعا کے جلد مرگیا۔ اور اس کی بددُعا اسی پر پڑگئی۔"

جواب :- تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں یہ حوالہ طلب کیا؟ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اصل بات کا علم ہے۔ بات یہ تھی کہ علی گڑھی نے ایک لکھی۔ جس میں یہ بددعا تھی! ابھی وہ کتاب چھپ رہی تھی کہ علی گڑھی مر گیا۔ مولویوں نے اسکی کتاب میں سے وہ سب بددعائیں نکال ڈالیں تاکہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر گواہ نہ بن جائے۔ وہ کتاب جو ابھی زیر طباعت تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے دیکھی تھی۔ اور انہوں نے اس کے متعلق شہادت بھی دی تھی کہ اس کتاب کا سائز "فتح اسلام" (مؤلفہ حضرت مسیح موعودؑ) کا سائز تھا۔ اگر اس نے کوئی ایسی بددعا نہ کی تھی۔ تو تم نے حضرت مسیح موعودؑ سے کیوں حوالہ نہ مانگا۔ تمہاری تحریف کی تو یہ حالت ہے۔ کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے صفحہ ۹۹ پر "لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا" کردیا ہے۔ تاکہ کسی طرح عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہو۔ ع

کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

حدیث سو سال کے بعد قیامت آجائیگی اس کا حوالہ دو!

جواب :- یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے:- (۱) "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ تَبُوْکَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم فَقَالَ مَتَی السَّاعَۃُ فَقَالَ لَا یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ مِائَۃُ سَنَۃٍ وَعَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوْسَۃٌ اَلْیَوْمَ"۔ (معجم صغیر طبرانی ص۱۵ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی)۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ جب ہم جنگ تبوک سے واپس آئے تو ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔

حضور صلعم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم پر سو سال نہ گذرے گا۔ مگر آج کے زندوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ ہوگا۔ یاد رہے کہ سائل کا سوال قیامت کے متعلق ہے۔ (۲) فَقَالَ اَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ " (ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ صہ ۴۹) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آج کی اس رات سے سو سال نہ گزریگا کہ روئے زمین کے موجودہ زندوں میں سے کوئی باقی نہ رہیگا۔

(۳) اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھا ہے " اِنَّ الْغَالِبَ عَلٰى اَعْمَارِهِمْ اَنْ لَا تَتَجَاوَزَ ذَالِكَ الْاَمْرَ الَّذِيْ اَشَارَ اِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَكُوْنُ قِيَامَةُ اَهْلِ ذَالِكَ الْعَصْرِ قَدْ قَامَتْ " (ترمذی ابواب الفتن حاشیہ جلد ۲ صہ مجتبائی) کہ ان کی عمر کے لئے غالب امر یہی تھا کہ وہ اس مدت سے جس کی تعیین آنحضرت صلعم نے کی تھی۔ تجاوز نہ کریں۔ پس اس زمانہ کے تمام لوگوں پر قیامت آگئی۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے " مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ الْيَوْمَ يَأْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ " (کنز العمال جلد ۶ صہ ۱۲۰ و مسلم کتاب الفتن) یعنی سو سال نہیں گزریگا کہ آج کے زندوں میں سے کوئی بھی زندہ جان باقی ہو۔"

(۵) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے۔ " آنحضرت فداہ امی و ابی نے فرماتے وقت فرمایا تھا۔ کہ جو جاندار زمین پر ہیں۔ آج سے سو سال تک کوئی بھی زندہ نہ رہے گا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ صہ ۱۰۵)

"دجال" یا "رجال"؟

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے "یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ" کو حدیث قرار دیا ہے۔ اور یہ دَجَّال نہیں۔ بلکہ "رجال" "ر" کے ساتھ ہے۔

الجواب:۔ یہ "دَجَّال" "دال" کے ساتھ ہی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن میں "دال" ہی کے ساتھ ہے۔ (۲) قلمی نسخہ میں بھی "دال" ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مولینا مخدوم بیگ صاحب نائب شیخ الحدیث لکھتے ہیں "جلد سابع ص۵ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ الخ عن ابی ھریرۃ قلمی نسخہ میں دجّال بِالدّال صاف طور پر لکھا ہے۔ مخدوم بیگ عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ منقول از تجلیاتِ رحمانیہ ص۹۲)

قرآنی پیشگوئی دربارہ تکفیر مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی مولوی یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیشگوئی ہے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائیگا۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن آیات قرآنی سے استنباط فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعودؑ پر کفر کا فتویٰ لگیگا۔ حضور نے اپنی تحریرات میں ان آیات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

(۱) "قرآن نے بہت سی امثال بیان کر کے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ وضع عالم دوری ہے۔ اور نیکوں اور بدوں کی جماعتیں ہمیشہ بروزی طور پر دنیا میں آتی رہتی ہیں۔ وہ یہودی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دعاء غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سکھلا کر اشارہ فرما دیا۔ کہ وہ بروزی طور پر اس امت میں بھی آنے والے ہیں۔ تاکہ بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو جو اس امت میں بروزی طور پر آنے والا ہے۔ ایذا دیں۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۱۵۹ و مطبوعہ ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۸۳)۔

(۲) "وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۰ (نور ع ۷) پس اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کی بھی تکفیر ہوگی۔ کیونکہ وہ خلافت کے آخری نقطہ پر ہے۔" (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۹)

(۳) نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۲۲۶)

(۴) مفصل و مزید بحث دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۱۰۴۸ پر۔

مفتری جلد پکڑا جاتا ہے

اعتراض:۔ حضرت نے لکھا ہے۔ "دیکھو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افترا کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں۔" ۔ ۔ ۔ حالانکہ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ میں مفتری کو جلد ہلاک کرتا ہوں۔ بلکہ اسکے الٹ ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۲۳)

الجواب:- (۱) اِفتَرَا عَلَى اللّٰہِ کرنیوالے کو پکڑنے کے متعلق الہٰی قانون پر ہم نے مفصل بحث صداقت حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری دلیل کے ضمن میں کر دی ہے۔ (دیکھو پاکٹ بک ہذا صـــــ ۹)

(۲) مگر اس جگہ جو آیت تم نے پیش کی ہے۔ اسکے مفہوم کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے:۔

"مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے مراد معترض نے غالباً "لمبی مہلت" لی ہے۔ تبھی تو اس کو "جلد پکڑے جانے" کے "اُلٹ" قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تم خود اپنی محمدیہ پاکٹ بک صـــ ۲۷۲ پر اپنے ہاتھ کاٹ چکے ہو۔ جہاں پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی ہے:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (نحل ع ۱۵) اور خود ہی یہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے۔ اُنہیں نفع تھوڑا ہے۔ عذاب دردناک۔" گویا پہلی آیت میں جو صرف "مَتَاعٌ" کا لفظ تھا جس سے تم نے مغالطہ دینا چاہا تھا کہ گویا مُفتری کو لمبی مُہلت ملتی ہے۔ اس آیت نے صاف کر دیا۔ کہ "مَتَاعٌ قَلِیْلٌ" کہ لمبی مُہلت نہیں بلکہ "تھوڑی مہلت" ملتی ہے۔

ہاں تمہارا یہ کہنا کہ ۲۳ برس کی مہلت کو "جلد" کیونکر قرار دیا جاتا ہے۔ اور کیا ۲۳ سال کا "جلد" ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۳ برس تو زیادہ سے زیادہ مُہلت ہے۔ جس تک کسی صورت میں

بھی کوئی مفتری نہیں بچ سکتا۔ اور سچے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ خواہ سو سال جیئے۔ مگر ہاں بعض دفعہ ۲۳ سال کیا ۱۴۰۰ سال کا بھی جلد ہوا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ" کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح دو جڑی ہوئی انگلیاں۔ مگر ۱۳۶۵ سال گزر گئے۔ ابھی تک وہ "جلد" ختم نہیں ہوا۔

(۲) ہاں سنو! قرآن مجید میں ہے۔" اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ " کہ قیامت "قریب" آگئی۔ اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۱۴۰۰ سال گزرنے کو آئے۔ مگر ابھی تک قیامت نہ آئی فرمائیے یہ "جلد" کتنا طویل ہو گیا؟

انبیاء گذشتہ کے کشوف

حضرت مرزا صاحب نے اربعین ۲ میں لکھا ہے کہ " اسلام کے موجودہ ضعف اور دشمنوں کے متواتر حملوں نے گواہی دی اور انبیاءؑ گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مُہر لگا دی کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر ہو گا۔" کسی نبیؑ کے کشف کا حوالہ دو؟

جواب :- دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اربعین" یا کسی دوسری کتاب میں اس ضمن میں "انبیاءؑ گذشتہ" کا لفظ نہیں لکھا۔ بلکہ "اولیاء گذشتہ" لکھا ہے۔ چنانچہ اصل اربعین (جو حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں چھپی ہے) اور اس کے دونوں ایڈیشنوں میں

علی الترتیب صـ۲۳ و صـ۲۵ پر "اولیاءِ گذشتہ" ہی کا لفظ ہے۔ ہاں اربعین کے ایک نئے ایڈیشن میں جو "بک ڈپو" نے شائع کیا ہے۔ کاتب کی غلطی سے لفظ "اولیاء" کی بجائے "انبیاء" لکھا گیا ہے۔ وہ حجت نہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ کہ محض کتابت کی غلطیوں کی بنا پر مخلوقِ خدا کو دھوکا دیکر حق کے رستہ میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہو۔ حالانکہ تم بارہا مناظرات میں اربعین نمبر ۲ ایڈیشن اول علیحدہ صـ۲۳ اور مجموعہ نمبر ۱ و نمبر ۲ صـ۲۵ سے لفظ "اولیاء" دکھایا بھی جا چکا ہے۔

انبیاءِ گذشتہ کی پیشگوئی

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کی آمد کی خبر دی ہے۔ اس کا حوالہ دو؟

الجواب:۔ بخاری شریف میں ہے۔ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بُعِثَ نَبِیٌّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَہٗ الْاَعْوَرَ الْکَذَّابَ۔ (بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ مطبع الھیئہ مصر)۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی امت کو دجّال سے نہ ڈرایا ہو۔"

پس جہاں تمام انبیاء دجّال کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس کے قاتل مسیح موعود کا بھی اس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہے ہوں

(۲) ذرا مہربانی کر کے پہلے تمام نبیوں کی کتابوں سے "کانے دجّال" کا ذکر نکال کر دکھا دو۔ ہم وہیں سے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی بھی

نکال دیں گے۔

(۳) ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاءؑ گذشتہ اپنی اُمتوں سے دجّال کی آمد کا تو ذکر کریں۔ مگر اس کے قاتل مسیح موعود کا ذکر نہ کریں۔ اسکی تائید دلائل النبوۃ کے مندرجہ ذیل حوالہ سے ہوتی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ... قَالَ (مُوْسٰی) یَارَبِّ اِنِّیْ اَجِدُ فِی الْاَلْوَاحِ اُمَّۃً یُؤْتَوْنَ الْعِلْمَ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ فَیَقْتُلُوْنَ قُرُوْنَ الضَّلَالَۃِ اَلْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَاجْعَلْھَا اُمَّتِیْ قَالَ تِلْکَ اُمَّۃُ اَحْمَدَ" (دلائل النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱) حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی کہ اے اللہ! میں نے اپنی الواح میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک ایسی قوم ہو گی جن کو اگلا اور پچھلا سب علم دیا جائیگا۔ اور وہ گمراہی کی طاقتوں یعنی "دجّال" کو قتل کرینگے۔ اے خدا! میری اُمت کو وہ قوم بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ کہ "نہیں" وہ قوم تو احمدؐ کی جماعت ہے"۔

اس روایت میں دجّال کے خروج اور مسیح موعود کی بعثت کو علّت و معلول اور لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دجّال کا مقابلہ کرنے والی جماعت احمدؐ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہو گی۔

مکتوبات کا حوالہ

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر جو حوالہ مکتوبات کا دیا ہے کہ جسپر کثرت سے اُمور غیبیہ ظاہر ہوں۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مکتوبات میں لفظ نبی نہیں۔ بلکہ مُحدّث کا ہے۔

الجواب:۔ مکتوبات اِمامِ ربانی کی زبان فارسی ہے۔ مگر حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر اردو عبارت لکھی ہے۔ پس حضرت نے مکتوبات کی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ بلکہ مکتوبات کی کسی عبارت کا مفہوم درج فرمایا ہے۔ اور مکتوبات میں ایسی عبارت موجود ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے۔ جو حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ عبارت درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"متشابہاتِ قرآنی نیز از ظاہر مصروف اند و بر تاویل محمول قال اللہ تعالیٰ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔ یعنی تاویل آں متشابہ را ہیچ کس نمی داند مگر خدائے عزّ و جل۔ پس معلوم شد کہ متشابہ نزد خدائے جل و علاّ نیز محمول بر تاویل ست و از ظاہر مصروف و علمائے راسخین را نیز از علمِ ایں تاویل نصیبے عطا می فرمائد چنانچہ بر علمِ غیب کہ مخصوص باوست سبحانہٗ خاص رسل را اطلاع می بخشد۔ آں تاویل را خیال نکنی کہ در رنگِ تاویل "ید" ست بقدرت و تاویلِ "وجہ" بذات حاشا و کلاّ آں تاویل از اسرار است کہ بہ اخص خواص علم آں عطا می فرمائد۔"

(مکتوبات امام ربانی جلد ۱ صفحہ ۴۴۶ مطبع نولکشور مکتوب نمبر ۳۱۰)

یعنی قرآن مجید کے متشابہات بھی ظاہری معنی سے پھر کر محمول برتاویل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "کہ ان کی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔" پس معلوم ہوا۔ کہ متشابہات خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بھی محمول برتاویل ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنی مُراد نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ علمائے راسخین کو بھی اس علم کی تاویل سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس سے بڑھ کر علم غیب جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی اطلاع صرف رسولوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ اس تاویل کو ویسی نہ سمجھنا چاہیئے جیسی کہ "ہاتھ" سے مُراد "قدرت" اور "وجہ" سے مُراد "ذات" الہٰی ہے۔ حاشا و کلاّ ایسا نہیں۔ بلکہ اس تاویل کا علم تو وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

اِس عبارت میں حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحؒ نے بتصریح تحریر فرمایا ہے کہ اسرار قرآنی کو اللہ تعالیٰ اپنے الہام سے خواص امت پر کھولتا ہے۔ مگر جن کو اپنے مخصوص علم غیب سے اطلاع دیتا ہے۔ وہ "رسولؑ" ہوتے ہیں۔ پس تمہارا اعتراض بے محل ہے۔

تفسیر ثنائیؒ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ

حضرت نے تفسیر ثنائیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت کمزور تھی۔ حالانکہ تفسیر ثنائیؒ مصنفہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری میں یہ کہیں نہیں ملتا۔

الجواب:۔ تجاہلِ عارفانہ سے کام نہ لو۔ "تفسیر ثنائیؒ" سے مُراد" مولوی

ثناء اللہ امرتسری" کی نام نہاد تفسیر نہیں۔ بلکہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مشہور و معروف تفسیر ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ دوسری جگہ معترض کی محوّلہ کتاب (براہین حصہ پنجم) سے کئی سال پہلے تصریح فرما چکے ہیں:۔

"قَالَ صَاحِبُ التَّفْسِيْرِ الْمَظْهَرِيِّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ صَحَابِيٌّ جَلِيْلُ الْقَدْرِ لٰكِنَّهٗ اَخْطَاءَ فِيْ هٰذَا التَّاوِيْلِ" (حمامۃ البشریٰ ص۲)

کہ مصنّف تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ گو حضرت ابوہریرہؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں لیکن انہوں نے "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" والی آیت میں اپنی طرف سے تاویل کرنے میں غلطی کھائی ہے۔

پس حضرت اقدسؑ نے جس تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔ وہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر نہیں۔ بلکہ "تفسیر مظہری" مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہے۔ اس تفسیر میں بعینہٖ آیت محوّلہ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" کے نیچے لکھا ہے:۔

"تَاوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ الْمَرْفُوْعَةِ وَ كَيْفَ يَصِحُّ هٰذَا التَّاوِيْلُ مَعَ اِنَّ كَلِمَةَ "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" شَامِلٌ لِلْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... وَلَا وَجْهَ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتَابِ يُوجَدُونَ حِيْنَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔"
(تفسیر مظہری تفسیر سورۃ النساء زیر آیت " وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ " ع ۲۷) یعنی آیت " اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ " میں " قَبْلَ مَوْتِهٖ " کی ضمیر کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیرنا ممنوع ہے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ نے اس سے حضرت عیسیٰ مراد لئے ہیں تو) یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جس کی تصدیق کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتی۔ اور ان کا یہ خیال درست ہو کیونکر سکتا ہے جبکہ کلمہ " اِنْ مِّنْ " میں تمام وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ اس سے مراد صرف وہ یہودی لئے جائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت موجود ہونگے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا اجتہاد

باقی عبارت محولہ میں حضرت اقدسؑ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے اجتہاد کو جو مردود قرار دیا ہے۔ تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ اصول حدیث کی مستند کتاب اصول شاشی میں ہے:۔

" اَلْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الرُّوَاةِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰى كَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ۔" (اصول شاشی ص ۷۵) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ لیکن

اجتہاد اور فتویٰ کے لحاظ سے قابل اعتبار نہیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ
اور انس بن مالکؓ ہے۔"

(۲) عَنْ اَبِیْ حَسَّانٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ دَخَلَا عَلٰی عَائِشَۃَ فَحَدَّثَہَا اَنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ الطِّیَرَۃُ فِی الْمَرْاَۃِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ فَغَضِبَتْ غَضَبًا شَدِیْدًا فَقَالَتْ مَا قَالَہٗ اِنَّمَا قَالَ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّۃِ یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذَالِکَ۔" (مَاثبت بالسنۃ ص ۲۹)

کہ دو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عورت۔ گھوڑے اور گھر میں بدشگونی ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلعم نے قطعاً نہیں فرمایا۔ بلکہ آپؐ نے تو یہ فرمایا تھا۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کو بدشگون سمجھتے تھے۔

(۳) "حضرت ابوہریرہؓ بے شک روزہ دار کے حق میں فتویٰ دیتے تھے کہ صبح ہونے سے پہلے غسل کر چکے۔ اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت چونکہ مرفوع ہے۔ اس لئے بحکم اصولِ حدیث وہ مقدم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا فعل ہے۔ اور ابوہریرہؓ کا فتویٰ انکا اجتہادی ہے۔" (اہلحدیث ۱۸ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء)

(۴) "فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز

کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہو۔ تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروائت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روائت درائت کے خلاف تھی۔ اسلئے انہوں نے تسلیم نہیں کی۔ اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے" (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۲۹ء)

مُبارک احمدؒ کی وفات کی پیشگوئی

صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؒ کی وفات پر حضرت مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ اس کی وفات کے متعلق مَیں پہلے سے پیشگوئی کرچکا ہوں کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔ (نعوذ باللہ)

جواب:۔ مبارک احمدؒ کی وفات پر حضرت اقدسؑ نے جو کچھ فرمایا۔ اسی حوالہ میں موجود ہے:۔

"اللہ تعالےٰ نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب میں لکھا ہے۔" اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ " مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے۔ اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا ہے" (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صہ)

(۱) تریاق القلوب صفحہ ۴۲ (جس کا حوالہ حضرت نے دیا ہے) اس میں ہے

"اِنِّیْ اُسْقِطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ" کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور اسی کی طرف چلا جاؤنگا۔ حضرت مسیح موعودؑ تریاق القلوب میں اس الہام کو مع ترجمہ درج فرماکر اپنی طرف سے لکھتے ہیں:۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لڑکا چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا۔ یا یہ کہ رجوع بحق ہوگا۔"

(۲) ۱۸ر نومبر ۱۹۰۶ء:۔ "دیکھا کہ ہمارے باغ (بہشتی مقبرہ۔ خادم) میں کچھ لوگ ایک جرطھ لگا رہے ہیں۔ ساتھ ہی الہام ہوا "مبارک"
(الحکم ۳ر نومبر ۱۹۰۶ء)

(۳) "خواب میں دیکھا کہ ایک عورت کو تین روپے دے رہا ہوں۔ اور اس سے کہتا ہوں کہ کفن کے لئے میں آپ دونگا۔ گویا کوئی مر گیا ہے۔ اسکی تجہیز و تکفین کے لئے تیاری ہے۔" (الحکم ۱۳ر جولائی ۱۹۰۷ء صـ۳)

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔ (۴) "میں نے خواب میں دیکھا کہ گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک سانپ ہے۔ اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکل کر کسی طرف بھاگ گیا ہے۔ اِس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا۔ اس کے قدم رکھنے کے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے۔ اور سانپ نے حرکت کی۔" (الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۷ء صـ۱)

(۵) "اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ" "کہ اللہ نے جو خبر بتلائی تھی۔ وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت آگیا ہے"

... ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے"۔ (الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء)

کَانَ فِی الْہِنْدِ نَبِیًّا

(الف) مرزا صاحب نے چشمۂ معرفت میں حدیث لکھی ہے کہ کَانَ فِی الْہِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاہِنًا"۔ اس کا حوالہ دو؟

(ب) مرزا صاحب نے ایسے شخص کو نبی کہا ہے جس کا قرآن میں نام نہیں؟

الجواب:۔ (الف) یہ حدیث تاریخ ہمدان دیلمی باب الکاف میں ہے

(ب) قرآن مجید میں ہے (۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا (نحل رکوع ۵ پ ۱۴) کہ ہم نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔ (۲) وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ"۔ (فاطر رکوع ۴ پ ۲۲)۔ (۳) وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ"۔ (رعد رکوع ۲ پ ۱۳) پس ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن مجید کے قبل بھی ہندوستان میں کوئی نبی ہو چکا ہے۔

(ج) باقی رہا ان کو نبی قرار دینا جن کا نام قرآن میں بطور نبی لکھا ہوا ہو تو آپ ہی کے علماء نے مندرجہ ذیل بزرگوں کو نبی کیسے قرار دیا؟

(۱) ذوالقرنین نبی تھا (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۲۰) حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ (۲) خضر (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۲۷) حالانکہ قرآن مجید میں خضر کا نام تک نہیں (۳) لقمان (ابن جریر جلد ۲۱ صفحہ ۴۳ مصری)۔ (۴) فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ والی آیت سورۃ یٰس کے متعلق مفسرین نے (خصوصاً حضرت ابن عباسؓ نے) (۱) یوحنا (۲) پولس

(۴) شمعون کو "ھُمْ رُسُلُ اللّٰہِ" کہا ہے۔ (روح المعانی جلد ۷ صہ ۲۰۲)

(۵) خالد بن سنان نبی تھا (جمل لابی بقاء جلد ۱ صہ ۹۹ م و تفسیر حسینی جلد ۱ صہ ۱۲۹) نیز مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے۔ (دھرم پرچار صہ ۸ و مباحثہ شاہجہان پور صہ ۳۱)

گر ایں مشتِ خاک را نہ بخشم چہ کنم

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کو فارسی زبان میں مندرجہ بالا الہام ہوا۔ اس کا حوالہ دو؟

جواب :- یہ حدیث کتاب کوثر النبی باب الفاء میں ہے۔ جو قادیان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ باقی رہا نبی کو غیر زبان میں الہام ہونا۔ تو اس کا جواب بالتفصیل الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گزر چکا ہے۔ دیکھو پاکٹ بک ہذا

طاعون کے وقت شہر سے باہر نکلنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جس شہر میں وبا ہو۔ اس شہر کے لوگ بلا توقف شہر سے باہر نکل آئیں۔ (ریویو جلد ۶ صہ ۳۶۵) حوالہ دو؟

جواب :- (الف) یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْسٌ فَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ فِی الشِّعَابِ " اے لوگو! یہ طاعون نہایت خبیث ہے پس تم گھاٹیوں اور میدانوں میں پھیل جاؤ (قول عمرو بن عبسہ) (کنز العمال جلد ۲ صہ ۳۲۴)۔ (ب) قرآن مجید میں ہے " وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا " (ق ع ۱) پس شہر یا گاؤں کی ملحقہ زمینیں شہر ہی میں شامل ہیں۔ آنحضرت نے جو منع فرمایا ہے وہ شہر سے باہر نکلنے سے ہے۔

اِس امر سے منع نہیں فرمایا کہ شہر یا گاؤں کی ملحقہ اراضیات میں بھی نہ جایا جائے۔

چاند و سُورج کو دو دفعہ گرہن

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں کسوف خسوف رمضان دو دفعہ ہوگا۔ چنانچہ امریکہ اور ہندوستان میں دو دفعہ یہ کسوف و خسوف ہوا۔ جو میری صداقت کی دلیل ہے۔

حوالہ دو جہاں دو مرتبہ خسوف کا ذکر ہو؟

الجواب:۔ اس کے حوالہ کے لئے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔
"پیش ازیں کہ ماہ رمضان گذشتہ باشد۔ دروے دو کسوف شمس و قمر شدہ باشد۔ انتہیٰ و در اشاعت گفتہ دو بار در رمضان خسوف قمر شود"۔

وَكَمْ نَدِمْتُ عَلَىٰ مَا كُنْتُ قُلْتُ بِهٖ
وَمَا نَدِمْتُ عَلَىٰ مَا لَمْ تَكُنْ تَقُلِ

معیارِ طہارت

حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں جو الفضل ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا صحابہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "وہ کپڑے پر منی گرتی تھی تو خشک ہونے کے بعد اسکو جھاڑ دیتے تھے۔ ایسے کوؤں سے پانی پیتے تھے۔ جس میں حیض کے لتے پڑتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ کسی مرض کے وقت اونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے"۔ ان امور کا ثبوت دو؟

جواب:۔ یہ سب امور حضرت اقدس نے یہ ثابت کرنے کیلئے تحریر

فرمائے ہیں کہ محض شک اور شبہ کی بناء پر آدمی کو غسل کرنے اور کپڑے دھونے کا وہم نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت اقدس اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح شک و شبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔ شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے گناہ ہے۔ اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحاب وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔" اس کے بعد آپؑ نے وہ مثالیں درج فرمائی ہیں۔ جن کا حوالہ معترض نے دیا ہے۔ باقی رہا ان اُمور کا جن کا حضور نے ذکر فرمایا ثبوت۔ تو سُنو:۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ اگر کوئی سمجھے کہ اسے رات کو احتلام ہوا تھا مگر تری نہ دیکھے۔ تو اسے غسل کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔" (منتقی لابن تیمیہ صہ ۲۵)

(۲) کُنْتُ اَفْرُکُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا کَانَ یَابِسًا۔" (منتقی لابن تیمیہ صہ ۲۷)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر سے خشک شدہ منی کھرچ دیتی تھی۔

(۳) حضرت ابو سعید الخدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعۃ کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ تو حضور صلعم نے

فرمایا۔ "اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ" کہ یہ پانی پاک ہے پلید نہیں۔ پس بیشک وضو کر لیا کرو۔ حالانکہ وہیں پر لکھا ہے:۔
"هِیَ بِئْرٌ تُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ" کہ یہ وہ کنواں تھا۔ جس میں خون حیض اور کتوں کا گوشت پڑتا تھا۔ وہیں پر ابو داؤد کی روایت کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کوئیں کا پانی صحابہ پی بھی لیا کرتے تھے۔" (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ صہ)

(۴) عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھانے میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ" (مائدہ ع ۱) کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا یا اُن کا بنا ہوا کھانا حلال ہے۔ باقی رہا اس کے متعلق یہ مشہور ہونا کہ اس میں سؤر کی چربی ہوتی ہے۔ تو اس کے متعلق حضرت کا مکمل فقرہ یوں ہے:۔
"عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے۔ اصول یہ تھا کہ جب تک یقین نہ ہو۔ ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہو جاتی۔"
پس یہ کہنا کہ اس پنیر میں فی الواقع سؤر کی چربی ہوتی تھی حضرت مسیح موعود پر افترا ہے۔ حضرت نے تو یہ فرمایا ہے کہ بات غلط طور پر لوگ مشہور کرتے تھے۔ مگر چونکہ یہ بات غلط تھی۔ اور صحابہ کے علم کے رُو سے بھی اس پنیر میں سؤر کی چربی نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ اس کو استعمال کر لیتے تھے۔ غرضیکہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض

بات نہیں ہے۔ اور صحابہ کا یہ فعل قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے عین مطابق تھا۔

(۵) حضرت اُمّ قیس بنت محصن اپنا ایک شیر خوار بچہ نبی کریم صلعم کے پاس لائیں۔ بچہ نے آنحضرت صلعم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ لکھا ہے:۔ "فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔" (منتقی صفحہ) کہ آپ صلعم نے پانی منگایا۔ اور اپنے کپڑے پر اس کا چھینٹا دیا۔ مگر کپڑے کو نہ دھویا۔

(۶) عکل یا عرینہ کے چند مسلمان آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ مدینہ میں بباعث ناموافقت آب وہوا وہ بیمار ہو گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ (منتقی صفحہ ۹)

غرضیکہ حضرت اقدس نے جو اس ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی یا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

توراۃ کے چار سو نبی

اِعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ توراۃ میں ہرگز یہ نہیں لکھا۔ بلکہ وہاں تو یہ لکھا ہے۔ کہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔ (۱۔ سلاطین باب ۱۶)۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن چار سو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ جھوٹے نبی نہیں تھے۔ اور نہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تورات کا حوالہ دیا ہے :-

" مجموعہ تورات میں سے سلاطین اوّل باب بائیس آیت اُنیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی اُسکی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست ہوئی " (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۲۵۰)

مگر جو جھوٹے نبی بعل بُت کے پجاری تھے ان کا ذکر باب ۲۲ میں نہیں۔ بلکہ ۱۶ میں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ باب ۲۲ کا دیا ہے۔ نہ کہ باب ۱۶ کا !

(۲) حضرت ؑ نے فرمایا ہے :" بائیبل میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہؤا تھا . . . اور ایک پیغمبر جس کو جبرائیل سے الہام ہؤا تھا . . . سو یہ خوشخبری سچی نکلی۔ اور ان چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی " (ضرورت الامام صفحہ ۱۷ و ۱۸)

اور یہ سب کچھ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۹ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور یہوسفط نے شاہ اسرائیل سے کہا۔ آج کے دن خداوند (نہ کہ بعل۔ خادم) کی مرضی الہام سے دریافت کیجئے۔ تب شاہِ اسرائیل نے اس روز نبیوں کو جو چار سو کے قریب تھے اکٹھا کیا۔ اور ان سے پوچھا۔ پھر یہوسفط بولا۔ ان کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے ؟ (اس کے بعد لکھا ہے کہ میکایاہ نبی کو بلایا گیا۔ خادم)

اس (میکایاہ) نے جواب میں کہا . . . دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے اور خداوند ہی نے تیری بابت (مجھ کو) بری خبر دی ہے" (۱۔ سلاطین باب ۲۲)۔

غرضیکہ باب ۲۲ والے نبی بعل والے نبی نہیں ہیں۔ بعل والے نبیوں کا ذکر باب ۱۶ میں الگ طور پر درج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور ان کی تعداد چار سو نہیں۔ بلکہ چار سو پچاس تھی۔ (۱۔ سلاطین $\frac{۱۸}{۲۲}$)۔ پس حضرت[ؑ] نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

(۳) جہاں تک حوالہ کا تعلق تھا۔ وہ گذر چکا۔ لیکن ہمیں حیرت ہے کہ تورات کے ان نبیوں پر شیطانی الہام کے ذکر سے تم اتنا کیوں چمکے ہو۔ جبکہ تم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مانتے ہو۔ کہ ایک دفعہ ان کو بھی شیطانی الہام ہوگیا تھا (نعوذ باللہ) دیکھو جلالین مجتبائی ص۲۸۲ و زرقانی شرح مواہب المدنیہ جلد ۱ ص۳۴۰)۔ مفصل بحث کیلئے دیکھو پاکٹ بک ہذا مضمون حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات ص۱۰۹۸)

وعدہ خلافی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا۔ لوگوں سے روپے لے کر تین سو دلائل لکھونگا۔ مگر سب روپیہ کھا گئے۔ اور دلائل شائع نہ کئے۔ جس سے قومی نقصان ہوا۔ اور وعدہ خلافی بھی۔

الجواب :- اس اعتراض کے تین حصے ہیں :-

(۱) وعدہ خلافی۔ (۲) روپیہ۔ (۳) قومی نقصان۔ یعنی اگر وہ دلائل شائع ہوتے۔ تو ان سے بہت فائدہ پہنچتا۔ سو وعدہ خلافی کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابتدا ارادہ توفی الواقع تین سو دلائل براہین احمدیہ نامی کتاب ہی میں لکھنے کا تھا۔ مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو مامور فرمادیا۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان کام کی طرف متوجہ کردیا۔ اس لئے حضور ؑ کو مجبوراً براہین احمدیہ کی تالیف کا کام چھوڑنا پڑا۔ اور یہ بات اہل اسلام کے ہاں مسلّم ہے کہ حالات کے تبدیل ہونے کے ساتھ وعدہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنّت کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اگر ایک مومن مُرتد ہو جائے۔ تو گو پہلے خدا کا اس کے ساتھ وعدہ جنّت کا تھا۔ مگر اَب وہ دوزخ کے وعدہ کا مستحق ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر ایک ہندو بعد میں مسلمان ہو جائے۔ تو گو اس کے ساتھ پہلے وعدہ جہنّم کا تھا مگر اب تبدیلیٔ حالات کی وجہ سے وہ جنّت کا مستحق بن جائے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تبدیلیٔ حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصّہ چہارم کے ٹائیٹل پیج کے آخری صفحہ پر فرمایا ہے

(۲) حدیث میں ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل آنحضرت صلعم کے ساتھ رات آنے کا وعدہ کر گئے۔ مگر حسب وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے۔ تو آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا۔ "لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِي

أَنْ تَلْقَانِي فِي الْبَارِحَةِ قَالَ أَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ ۔ (مشکوۃ باب التصاویر ص ۳۸۵ مجتبائی)
کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں وعدہ تو کر گئے تھے۔ مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے۔ جس میں کتا یا صورت ہو۔

(۳) عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَتِ الْيَهُودُ لِقُرَيْشٍ اِسْأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَعَنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِي الْقَرْنَيْنِ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ اِيْتُونِي غَدًا أُخْبِرْكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَأَبْطَأَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتّٰى شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ ۔

(تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین صفحہ ۲۴۱ مجتبائی)

مجاہد سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ یہودیوں نے قریش سے کہا۔ کہ آنحضرت صلعم سے رُوح۔ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے آنحضرت صلعم سے پُوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کل آنا۔ مَیں تم کو بتاؤنگا۔ اس میں آنحضرت صلعم نے کوئی استثناء نہ کی۔ بلکہ انشاء اللہ بھی نہ فرمایا۔ پس آنحضرت صلعم سے قریباً عشرہ تک وحی رُکی رہی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم پر یہ امر شاق گذرا اور آنحضرت صلعم کو قریش نے جھوٹا آدمی قرار دیا۔

دُوسرا سوال:۔ براہین احمدیہ کا روپیہ۔ اس کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ اعلان پڑھو: "ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو

یاد کر کے اِس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا اُنکے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھے مطلع فرما دیں اور مَیں اُن کا روپیہ واپس کرنے کیلئے یہ انتظام کرونگا۔ کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دونگا کہ تا چار حصے کتاب کے لیکر روپیہ اُن کے حوالے کرے۔ اور ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دُشنام دہی کو بھی محض اللہ بخشتا ہوں۔ کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت کو پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدارِ کتاب فوت ہو گیا ہو۔ اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیجدے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیجدیا جائیگا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۳۵/۳۶ نیز دیکھو اربعین ۴ صفحہ ۲۸ پر حضرتؑ کا عام اشتہار۔ و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۷ اشتہار یکم مئی ۱۸۹۳ء و کتاب ایامِ الصلح صفحہ ۱۷۳)۔ اِس بات کا ثبوت کہ حضرت مسیح موعودؑ نے محض اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے مطابق عملی طور پر روپیہ واپس بھی کیا۔ دشمن سلسلہ ڈاکٹر عبد الحکیم خان کا مندرجہ ذیل معاندانہ بیان ہے:-

"پوری قیمت وصول کر کے اور سوا سو آدمیوں کو قیمت واپس دیکر کل کیطرف سے اپنے آپکو فارغ البال سمجھا جائے۔" (الذکر الحکیم صفحہ ۶ (کانا دجال صفحہ ۴۲ آخری سطر)

گویا شدید سے شدید دشمن بھی تسلیم کرتا ہے کہ قیمت واپس دی گئی۔ گو وہ اپنے دجالانہ فریب سے حق کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم حق بات

اس کے قلم سے نکل گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں۔ اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۷)۔

(۲) "ہم نے . . . . دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے۔ وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے۔ اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی . . . خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا تعالےٰ نے ہم کو فراغت بخشی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۲۹ و ایام الصلح طبع اول ص۱۷۳ و طبع ثانی ص۱۹۸)۔

باقی رہا تیسرا سوال کہ تین سو دلائل لکھتے۔ تو اسلام کو فائدہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں میں حضرتؑ نے اسلام کی صداقت پر دو قسم کے دلائل دیئے ہیں۔ (۱) اعلیٰ تعلیمات۔ (۲) زندہ معجزات۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دونوں ہزارہا دلائل پر حاوی ہیں۔ چنانچہ خود حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔ "میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلائل براہین احمدیہ میں لکھوں۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا

نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادے سے پھیر دیا۔ اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کیلئے مجھے شرح صدر عنایت فرمایا۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم) نیز حضرتؑ نے اپنی متعدد کتب میں جو ۸۰ سے بھی زیادہ ہیں۔ اِن میں صداقت اِسلام کے تین سَو سے بھی زائد دلائل بیان فرمائے ہیں۔ اگر غیر احمدی علماء مقابل پر آئیں تو ہم ان کتابوں میں سے وہ دلائل نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

ایک ضمنی اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مَیں نے براہین احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں۔ پانچ بھی پچاس ہی کے برابر ہیں۔ صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو پانچ کو پچاس کے برابر قرار دیا ہے تو یہ حساب اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوُا حساب ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو بخاری کی یہ حدیث پڑھو۔ "فَقَالَ ھِیَ خَمْسٌ وَھِیَ خَمْسُوْنَ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد ا صفحہ ۵ مصری) کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پچاس نمازوں میں تخفیف کرانے کیلئے آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے تو خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ "لیجئے۔ یہ پانچ یہ پچاس ہیں"۔ اور مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث معراج کے یہ الفاظ ہیں۔ قَالَ ھٰذِہٖ خَمْسُ صَلَوَاتٍ لِکُلِّ وَاحِدٍ عَشْرٌ فَھٰذِہٖ خَمْسُوْنَ صَلَوَاتٍ۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر ایک دس کے برابر ہے۔ پس یہ پچاس

نمازیں ہوگئیں۔ فلا اعتراض۔

مُبالغہ کا الزام

مرزا صاحب نے مبالغے کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے شائع کردہ اشتہارات ساٹھ ہزار کے قریب ہیں اور میری کتابیں پچاس الماریوں میں سما سکتی ہیں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین ۳ صفحہ ۳۵ کی محولہ عبارت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے ساٹھ ہزار اشتہار تحریر یا تصنیف کیا ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ "شائع" کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اربعین کی تحریر (۱۹۰۰ء) تک جسقدر اشتہارات حضورؑ نے شائع فرمائے تھے۔ انکی مجموعی "تعداد اشاعت" ساٹھ ہزار کے قریب تھی جو درست ہے۔ کیونکہ حضورؑ کے کل اشتہارات جو میر قاسم علی صاحب کو دستیاب ہو سکے وہ ۲۶۱ ہیں۔ میر صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تبلیغ رسالت میں مطبوعہ اشتہارات کے سوا اور کوئی اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شائع کردہ نہیں۔

ان مطبوعہ اشتہارات میں سے اکثر اشتہارات کی "تعداد اشاعت" سات سات سو ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اشتہارات کے آخر میں درج ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۵۰ و ۷۰ و جلد ۸ صفحہ ۳۸ و ۴۶ و جلد ۱۰ صفحہ ۹) بعض اشتہارات کی تعداد اشاعت چھ ہزار بھی ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۴۲) اور بعض کی تین ہزار (جلد ۸ صفحہ ۸۸) اور بعض کی دو ہزار (جلد ۷ صفحہ ۴۸) اور بعض کی چودہ صد (جلد ۷ صفحہ ۵۵) اور بعض کی ایک ہزار بھی ہے (جلد صفحہ ۵۸)۔ غرضیکہ تعدادِ اشاعت

اشتہارات کی مختلف ہے۔ اگر فی اشتہار تین صد اوسط سمجھ لی جائے تو اِس حساب سے تبلیغ رسالت میں مجموعہ ۲۶۱ اِشتہارات کی تعداد ۷۸۳۰۰ بنتی ہے۔ اور اربعین ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء تک ۲۲۶ اِشتہارات کی تعدادِ اشاعت ۶۷۸۰۰ بنتی ہے۔ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ساٹھ ہزار" کے قریب قرار دیا ہے۔ اِسی طرح اپنی کتب کی تصنیف کے لحاظ سے تعداد حضرت اقدس نے تمہاری محوّلہ تریاق القلوب کی عبارت میں نہیں بتائی۔ بلکہ حضور نے اپنے رسائل اور کتب کی اشاعت کے لحاظ سے تعداد مدِّنظر رکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ "اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں" اور یہ درست ہے کیونکہ حضور کی تصنیف کردہ کتب کی تعداد خود مصنّف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اسّی تسلیم کی ہے۔ جن میں سے براہین احمدیہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ ازالہ اوہام آئینہ کمالات اسلام۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمۂ معرفت جیسی ضخیم کتابیں بھی ہیں۔ جن کی تعداد اشاعت ۲۵۰۰ (نزول المسیح)۔ تذکرۃ الشہادتین ۸۰۰۔ تریاق القلوب ۷۰۰۔ ایام الصلح ۷۰۰۔ اربعین ۷۰۰۔ براہین حصہ پنجم ۱۶۰۰ وغیرہ ہیں۔ پس ان کتب کے جملہ نسخوں کو اگر الماریوں میں رکھا جائے۔ تو یہ پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ لہٰذا کوئی مبالغہ نہیں۔

اِسی طرح اپنے نشانات کی تعداد کے بارے میں جو حضرت

اقدس ؑ کی تحریرات ہیں ان میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اپنے نشانات کی تعداد دس لاکھ قرار دی ہے۔ اسکی تشریح بھی خود ہی فرمائی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں :-

"یہ سات قسم کے نشان ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نشان ہزارہا نشانوں کا جامع ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ یَأْتِیْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک جگہ سے اور دور دراز ملکوں سے نقد اور جنس کی امداد آئے گی۔ اور خطوط بھی آئینگے۔ اب اس صورت میں ہر ایک جگہ سے جو اب تک کوئی روپیہ آتا ہے یا پارچات یا دوسرے ہدیئے آتے ہیں یہ سب بجائے خود ایک ایک نشان ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ان باتوں کی خبر دی گئی تھی۔ جبکہ انسانی عقل اس کثرتِ مدد کو دور از قیاس و محال سمجھتی تھی ایسا ہی دوسری پیشگوئی یعنی یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ... اس زمانہ میں وہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔ چنانچہ اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آچکے ہیں۔ اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے۔ مگر ہم صرف مالی مدد اور بیعت کنندوں کی آمد پر کفایت کرکے ان نشانوں کو تخمیناً دس لاکھ نشان قرار دیتے ہیں۔ بے حیا انسان کی زبان کو قابو میں لانا تو کسی نبی کے لئے ممکن نہیں ہوا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۱)

پس نشانات کی تعداد کے متعلق حضورؑ کی تحریرات میں مختلف طریق سے اندازہ لگایا گیا ہے۔ مبالغہ نہیں ہے۔

اسی طرح کشتی نوح کی محوّلہ عبارت کہ "دُنیا میں کروڑہا انسان مَرتے ہیں" یہ محاورۂ زبان ہے جو کثرت کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گنتی کے معنوں میں استعمال نہیں ہؤا۔ تمہارے جیسا عقلمند تو قرآن مجید کی آیت "مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی" پڑھ کر ان اندھوں کے لئے "سُرمۂ تریاق چشم" تجویز کرنے بیٹھ جائیگا۔ یا کُفّار کے لیئے "شَرُّ الْبَرِیَّه" کا لفظ دیکھ کر اُن کے فی الواقع جانور ہونے کا تصوّر کریگا؟ یہ تو تھا حقیقی جواب لیکن ذرا یہ تو بتادو۔ کہ "لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ" (الحدیث) کے کیا معنی ہیں؟ کیا تم اور تمہارے سب لواحقین "مُردہ" ہیں؟ کیا دُنیا کے جملہ انسانوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں۔ کہ یہ زندگی ہی نہیں ہے۔ پھر ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ" کہ امام اور امیر کے لیئے قریشی النسل ہونا ضروری ہے۔ پھر فرمایا:۔ "لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ هٰذَا الْحَیِّ مِنْ قُرَیْشٍ" (بخاری) یعنی امیر کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ مگر دُوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ اِسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اِنْ وُلِّیَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبْشِیٌ" سو اِن ہر دو اقوال کو نقل کرکے ابن خلدون لکھتا ہے:۔

"وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان ولی علیکم عبد حبشی ذو زبیبۃ وھذا لا تقوم بہ حجۃ فی ذالک فانہ خرج مخرج التمثیل والفرض للمبالغۃ فی ایجاب السمع والطاعۃ" (مقدمہ ابن خلدون مصری ص ۱۶۲ الفصل الخامس والعشرون فی معنی الخلافۃ والامامۃ) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول۔ کہ اگر تم پر کوئی حبشی بھی حکمران بنایا جائے۔ تو تم پر فرض ہے۔ کہ تم اس کی اطاعت کرو۔ اس امر کی حجت نہیں ہو سکتا کہ امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری نہیں کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دینے کے لئے تمثیل اور مبالغہ سے کام لیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کسی چیز پر زور دینے کے لئے مبالغہ سنت نبوی ہے۔ لہٰذا تمہارا اعتراض باطل ہو گیا۔

تمہارے جیسا معترض تو شاید قرآن مجید کی آیت "ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" (اعراف ع ۵ پ ۸) کو پڑھکر ایسی سوئی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ کہ جس کے ناکے میں اونٹ گذر سکے۔ اور نہ مل سکنے پر قرآن مجید پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانے لگ جائے۔ اسی طرح حدیث "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" (مسلم) اور دوسری مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

تناقضات

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں تناقض ہے:۔

الجواب (۱):۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں۔ ہاں یہ

ہوسکتا ہے کہ نبی پہلے ایک بات اپنی طرف سے کہے۔ مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اس کو بتادے کہ یہ بات غلط ہے اور درست اس طرح ہے۔ تو دوسرا قول نبی کا نہیں بلکہ خدا کا ہوگا۔ لہٰذا تناقض نہ ہوا۔ تناقض کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی شخص کے اپنے دو اقوال میں ہو۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:۔ "لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (نساء ع۱۱) کہ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا۔ بلکہ خدا کے سوا کسی اور کا ہوتا۔ تو اس میں اختلاف ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کے سوا باقی سب کے کلام میں اختلاف ہونا چاہیئے۔ نبی بھی انسان ہے۔ اور وہ بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ ع۷) کی دعا کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کہ اے اللہ میرا علم بڑھا۔ پس جو کلام نبی خدا کے بتائے ہوئے علم سے پہلے کرے گا۔ وہ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کے مخالف ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دیا جائے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے کہ:۔ "اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ" کہ یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ" (ھود ع۴) کہ وہ یقیناً آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ اب اس وحی الٰہی کے بعد اگر حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو اہل میں شمار نہ کریں۔ (جیسا کہ واقعہ ہے) تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ پہلا قول حضرت نوحؑ کا اپنا خیال تھا۔ مگر دوسرا قول خدا کے بتائے ہوئے علم کی بنا پر ہے۔ ہاں الہام الٰہی میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ علیم کل ہستی کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ "وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" (نساء ۱۷) کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو وہ علم دیا ہے۔ جو پہلے آپ کو نہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے زمانۂ قبل از علم کے کلام اور زمانۂ بعد از علم کے کلام میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ امر آپ کی نبوت کے منافی نہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے دلیل صداقت ہے۔ کیونکہ یہ عدم تصنع پر دلالت کرتا ہے۔ اسی قسم کا اختلاف وفات مسیح کے مسئلہ کے متعلق ہے۔ کہ حضرتؑ نے پہلے اپنا خیال براہین میں لکھ دیا۔ لیکن بعد میں جو اللہ تعالےٰ نے آپ پر منکشف فرمایا وہ بھی کچھ براہین احمدیہ اور کچھ بعد کی تحریرات میں درج فرما دیا۔ اب ظاہر ہے۔ کہ وہ پہلا قول جس میں حضرت مسیح کو زندہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے۔ مگر جس میں ان کو وفات یافتہ قرار دیا گیا ہے وہ اللہ تعالےٰ کا ہے۔ پس ان میں تناقض نہ ہوا۔

(۲) مندرجہ بالا قسم کی مثالیں حدیث میں بھی ہیں:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى" (بخاری فی الخصومات۔ باب ما یذکر فی الاشخاص جلد ۲ صفحہ ۳۷ مصری) کہ مجھ کو موسیٰ سے اچھا نہ کہو۔ پھر فرماتے ہیں: "مَنْ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى فَقَدْ كَذَبَ" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء جلد ۳ صفحہ ۶۶ مصری) کہ جو یہ کہے کہ میں یونسؑ بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ "جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذاک ابراھیم علیہ السلام (مسلم جلد ۲ ص ۲۰۷) کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور حضور کو مخاطب کرکے کہا۔ اے تمام انسانوں سے افضل!۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا "وہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں"۔ یعنی ابراہیم تمام انسانوں سے افضل تھے (مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ مطبع اصح المطابع) پر اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

"ذٰلِکَ ذاک ابراھیم قِیْلَ ذاک تَوَاضُعٌ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقِیْلَ کَانَ قَبْلَ عِلْمِہٖ بِاَنَّہٗ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص۴۱۷ حاشیہ ۵) کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ وہ ابراہیم ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ حضور کا یہ فرمانا از راہ انکسار تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ حضور نے جب یہ فرمایا تھا۔ اس وقت تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضور کو ابھی یہ اطلاع نہ ملی تھی۔ کہ حضور صلعم سب انسانوں سے افضل ہیں۔ بعد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ" (کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر نہیں ہے) "اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ" (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص۵۱۱) میں قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ پھر فرمایا "اَنَا اِمَامُ النَّبِیِّیْنَ" "اَنَا سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ" (دیلمی) میں تمام نبیوں کا امام ہوں۔ میں تمام نبیوں کا سردار ہوں۔

(۴) اس ضمن میں حجۃ اللہ البالغہ کا مندرجہ ذیل حوالہ بھی ملاحظہ کرنے کے لائق ہے:۔
اِعْلَمْ اَنَّ النَّسْخَ قِسْمَانِ اَحَدُھُمَا اَنْ یَّنْظُرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِرْتِفَاقَاتِ اَوْ وُجُوْهِ الطَّاعَاتِ فَيَضْبِطُهَا بِوُجُوْهِ الضَّبْطِ عَلٰى قَوَانِيْنِ التَّشْرِيْعِ وَهُوَ اِجْتِهَادُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا يُقَرِّرُهُ اللّٰهُ بَلْ يَكْشِفُ عَلَيْهِ مَا قَضَى اللّٰهُ فِي الْمَسْئَلَةِ مِنَ الْحُكْمِ اِمَّا بِنُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ حَسَبَ ذٰلِكَ اَوْ تَغْيِيْرِ اِجْتِهَادِهٖ اِلٰى ذٰلِكَ وَتَقْرِيْرِهٖ عَلَيْهِ مِثَالُ الْاَوَّلِ مَا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِسْتِقْبَالِ قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِنَسْخِهٖ وَمِثَالُ الثَّانِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاِنْتِبَاذِ اِلَّا فِي السِّقَاءِ ثُمَّ اَبَاحَ لَهُمْ اِنْتِبَاذًا فِيْ كُلِّ اٰنِيَةٍ..... وَعَلٰى هٰذَا التَّخْرِيْجِ هٰذَا مِثَالُ الْاِخْتِلَافِ الْحُكْمِ حَسَبَ اِخْتِلَافِ الْمَذَاهِبِ وَفِيْ هٰذَا الْقِسْمِ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ كَلَامِيْ" (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ باب اسباب النسخ) اس عربی عبارت کا اردو ترجمہ بھی اسی کتاب سے نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

" جاننا چاہیئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں:- (۱) یہ کہ پیغمبر امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کرکے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر ان کو کر دیتے ہیں۔ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن خدا تعالےٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس

حکم کو آنحضرت صلعم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یوں ہوتا ہے۔ کہ قرآن میں وہ وارد کیا جائے یا اس طرح پر کہ آنحضرت صلعم کے اجتہاد ہی میں تبدیل ہو جائے۔ اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی۔ اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا۔ اس توجیہہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل دیا جایا کرتا ہے۔ اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ میرا کلام کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے" (کتاب حجۃ اللہ البالغہ مع اردو ترجمہ۔ المسمیٰ بہ شموس اللہ البازغہ۔ مطبوعہ مطبع حمایت اسلام پریس لاہور جلد ۱ ص ۲۳۶/۲۳۴ باب ۸۷)

اس عبارت میں جو دوسری قسم نسخ کی بیان ہوئی ہے۔ وہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اس میں ضروری نہیں۔ کہ وحی کے ذریعہ نبی کے پہلے حکم کو منسوخ کیا جائے۔ بلکہ خود اللہ تعالےٰ کا تصرف قلب ملہم پر بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے پہلے اجتہاد کو منسوخ کر دے۔ مگر یہ پھر بھی تناقض نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلا خیال ملہم کا اپنا تھا۔ مگر دوسرا خیال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حدیث میں ہے "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم

يَنسَخُ حَدِيثُهُ بَعْضُهُ بَعْضًا" (مسلم جلد اکتاب الطہارت) کہ آنحضرت صلعم اپنے ایک قول سے اپنے ایک گذشتہ قول کو منسوخ کر دیتے تھے۔

(۶) بعض اوقات نبی اپنے اجتہاد اور خیال سے اپنی وحی یا الہام کے ایک معنی بیان کرتا ہے۔ مگر بعد میں واقعات سے اس کے دوسرے معنی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جو وحی الٰہی کے تو مطابق ہوتے ہیں۔ مگر نبی کے اپنے خیال یا اجتہاد کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم کو بتایا گیا۔ کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جہاں بہت کھجوریں ہیں۔ آپ نے سمجھا کہ اس سے مراد یمامہ یا ہجر ہیں۔ لیکن وہ درحقیقت مدینہ شریف تھا۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ مصری)

(۷) بعض دفعہ تحقیقات کے بعد نبی کی رائے بدل جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ "أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي حَارِثَةَ فَقَالَ أَرَاكُمْ يَا بَنِي حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ أَنْتُمْ فِيهِ" (بخاری کتاب الحج باب حرم المدینہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ مصری و تجرید بخاری مترجم اردو مع متن حصہ اوّل صفحہ ۳۰۳)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبیلہ بنو حارثہ کے ہاں گئے۔ اور فرمایا کہ بنی حارثہ میرا خیال ہے کہ تم لوگ حرم سے باہر نکل گئے ہو۔ پھر حضور نے ادھر ادھر دیکھا۔ اور فرمایا۔ نہیں تم حرم کے اندر ہی ہو۔ اب آنحضرت صلعم کے پہلے

خیال کہ "فَتَدَلَّى فَخَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" اور دوسرے خیال کہ "بَلْ أَفْتَنْتُهُ بِنْتِيَهِ" میں تناقض ہے یا نہیں؟ یہ اسی طرح کا تناقض ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے ایک انگریز مؤرخ کی تحقیق کے پیش نظر مسیح ناصری کی قبر شام میں لکھی لیکن بعد میں تحقیقات اور الہٰی تائید سے معلوم ہوا کہ قبر مسیح کشمیر میں ہے۔ تب آپ نے پہلے خیال کی تردید کر دی۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حدیث کے جواب میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو بنو حارث کو حرم سے باہر قرار دیا۔ تو یہ ظن اور گمان کے تحت تھا" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۷۲) محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصود محض یہ دکھانا ہے۔ کہ بعض اوقات نبی ایک خیال کا اظہار کرتا ہے۔ مگر بعد میں تحقیق سے وہ خیال غلط ثابت ہونے پر نبی اس کی تردید کر دیتا ہے اور یہ امر خلاف نبوت نہیں۔

(۸) حدیث میں ہے کہ "كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ" (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام امور میں یہود اور نصاریٰ کی موافقت کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود حضور کو کوئی حکم نہ ملا تھا۔

(۹) قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی مخالفین اسلام نے اعتراض کیا ہے کہ ان میں اختلاف ہے۔ جماعت احمدیہ تو خدا کے فضل سے نہ قرآن مجید میں تناقض یا اختلاف کی قائل ہے۔ نہ ناسخ منسوخ فی القرآن کو ہم مانتے

ہیں - لیکن ان اعتراضات کے وزنی ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ تم لوگوں نے تنگ آکر اور لاجواب ہو کر یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں۔ گویا بعض آیات کے مضمون میں اختلاف ہے - اور جن میں باہم تطبیق نہیں ہو سکتی - ان میں سے جو پہلے نازل ہوئی وہ منسوخ ہے - اور جو بعد میں نازل ہوئی وہ اس کی ناسخ ہے - چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :- "علیٰ ما حررت لا یتعین النسخ الا فی خمس مواضع" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۱،۱۸) کہ میری تحریر کی رو سے قرآن مجید کی صرف پانچ آیات منسوخ ثابت ہوتی ہیں -

قرآن مجید کی منسوخ قرار دی جانے والی آیات میں سے چند درج ذیل ہیں :- (۱) یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار (انفال ع ۲ پ ۹) (تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۳۶۰) (۲) "ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین" (انفال ع ۹ پ ۱۰) (تفسیر قادری جلد ۱ صفحہ ۳۰۲، دیگر آیات کے لئے تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ و صفحہ ۵۳۴)

پس تم لوگوں کے منہ سے (جو قرآن مجید میں بھی اختلاف اور تناقض کے قائل ہیں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے اقوال میں تناقض کا الزام کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا -

(۱۰) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں :- "آپ (آنحضرت صلعم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع

فرمایا۔ بعد اصلاح اجازت دیدی۔ اور ان کے بخل کے مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا جس کی بعد میں اجازت دیدی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں کھانا پینا منع کیا تھا۔ مگر بعد میں ان کے استعمال کی اجازت بخشی" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ حاشیہ)

(۱۱) ہم ضمن ۹ میں اشارہ کر آئے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی منکرین اسلام نے تمہاری طرح یہ کہہ کر کہ ان میں اختلاف ہے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتا ہے "کہیں خدا کو محیط کل لکھا ہے۔ اور کہیں محدود المکان۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن ایک شخص کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ بہت لوگوں کا بنایا ہوا ہے"۔

(ستیارتھ باب ۱۴ دفعہ ۴۲ صفحہ ۷۳۰)

"کہیں قرآن میں لکھا ہے۔ کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہئے کون سی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں"۔

(ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ دفعہ ۵۶ صفحہ ۷۳۴)

چنانچہ چند آیات قرآنی بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن میں تمہارے جیسے بدباطن دشمنوں کو اپنی کوتاہ فہمی سے تناقض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۱) "یا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ" (توبہ ع ۱۰) یعنی اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ اور ان پر سختی کر۔ اور دوسرے مقام پہ فرماتا ہے "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (بقرہ ع ۳۴) کہ دین میں جبر جائز نہیں۔

(۲) "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" (الضحیٰ ع ۱) کہ اے نبی ہم نے آپ کو "ضال" پایا۔ اور ہدایت دی۔ مگر دوسری جگہ فرمایا "مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی" (نجم ع ۱) کہ آنحضرت صلعم "ضال" نہیں ہوئے۔

نوٹ:۔ محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ پہلی آیت میں "ضال" بمعنی گمراہ نہیں بلکہ "طالب خیر" اور متلاشی کے معنوں میں ہے۔ مگر دوسری آیت میں بمعنی گمراہ ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ بعض دفعہ دو عبارتوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال ایک جگہ بصورت ایجاب مگر دوسری جگہ بصورت سلب ہوتا ہے مگر اس لفظ کے مختلف معانی ہونے کے باعث دونوں جگہ اس کے الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں تناقض قرار دینا تمہارے جیسے "سیاہ باطن" انسانوں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس کی تحریرات میں مسیح یا انجیل یا نبوت کے الفاظ دو مختلف مفہوموں کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں کسی جگہ مسیح سے مراد انجیلی یسوع ہے۔ اور کسی جگہ قرآنی مسیح۔ اسی طرح کسی جگہ انجیل سے مراد محرف و مبدل انجیل ہے۔ اور کسی جگہ اصل انجیل جو مسیح علیہ السلام پہ نازل ہوئی تھی۔ کسی جگہ

نبوت سے مراد تشریعی براہ راست نبوت ہے (اور اس کی اپنے متعلق نفی فرمائی ہے) مگر دوسری جگہ نبوت سے مراد بالواسطہ غیر تشریعی نبوت ہے۔ (اور اس کو اپنے وجود میں تسلیم فرمایا ہے) پس ایسی تحریرات کو متناقض اور متخالف قرار دینا بھی انتہائی سبعہ باطنی ہے۔ خادم

(۳) اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے "اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال) کہ جب مومنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ تو ان کے دل جوش مارنے لگ جاتے ہیں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا" اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ع۴) کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے

(۴) ایک جگہ فرمایا" اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى" (الضحیٰ) کہ اے نبی! ہم نے تجھے یتیم پایا۔ اور تجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر دوسری جگہ فرمایا "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ" (بنی اسرائیل ع۳) کہ تو اپنے والدین کو اُف تک نہ کہہ۔

(۵) ایک جگہ فرمایا:۔ "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ..... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" (نساء ع۱) کہ دو دو چار چار بیویاں کرو۔ اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی کرو مگر دوسری جگہ فرمایا" وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (نساء ع۱۹) کہ تم ہرگز اپنی بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ خواہ تم کتنی خواہش کرو۔

غرضیکہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اب ظاہر ہے۔ کہ گو بظاہر ان میں اختلاف اور تناقض معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت تناقض نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان میں تناقض کی وحدتیں پائی نہیں جاتیں۔ ہر ایک ان میں سے مختلف مواقع پر مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف مضامین کی حامل ہیں۔ لہذا بوجہ عدم تحققِ وحدت ان میں تناقض نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں بھی درحقیقت کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ مگر جس طرح دشمنان اسلام نے قرآن مجید پر تناقض اور اختلاف کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اسی طرح دشمنان احمدیت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال کے متعلق تناقض کا الزام لگایا ہے پس "تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ" کے مطابق دونوں اعتراض کنندگان غلطی پر ہیں۔ نہ قرآن مجید میں اختلاف۔ اور نہ خادم قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ہے

اب ہم ذیل میں ان مقامات کو لیتے ہیں۔ جن کو پیش کر کے مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔

تناقض کی تعریف

لیکن قبل اس کے کہ ہم مفصل بحث کریں۔ تناقض کی تعریف از روئے منطق درج کرتے ہیں مشہور شعر ہے سے

در تناقض ہشت وحدت شرط داں ؛ وحدتِ موضوع[۱] و محمول[۲] و مکاں[۳]

وحدتِ شرط و اضافت ۔ جزو کل ، قوت و فعل ست در آخر زماں ۔

یعنی موضوع ۔ محمول ۔ مکان ۔ شرط ۔ اضافت ۔ جزو کل اور بالقوہ و بالفعل اور زمانہ کے لحاظ سے اگر دو قضیئے متفق ہوں ۔ مگر ان میں ایجاب و سلب کا اختلاف بلحاظ حکم اور موجہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو ۔ تو وہ دونوں قضیے متناقض کہلائیں گے ۔

کسی سے قرآن پڑھنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "ایام الصلح" اردو کے صفحہ ۱۴۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ "کوئی ثابت نہیں کر سکتا ۔ کہ کسی شخص سے میں نے قرآن ، حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے ۔" لیکن دوسری جگہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ پر رقم فرماتے ہیں ۔ کہ "جب میں چھ سات سال کا تھا ۔ تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا ۔ جس سے میں نے قرآن کریم پڑھا ۔" (ملخصاً)

جواب :۔ اس کے متعلق گذارش یہ ہے ۔ کہ اعتراض کرتے وقت علماء بنی اسرائیل کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے از راہ تحریف ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ کی نصف عبارت پیش کرتے ہیں ۔ اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے عبارت متنازعہ کا مکمل فقرہ درج ذیل ہے :۔

"سو آنے والے کا نام جو "مہدی" رکھا گیا ۔ تو اس میں یہی اشارہ ہے ۔ کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا ۔ اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا ۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں ۔ کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا ۔ کہ کسی شخص سے میں نے قرآن ۔ حدیث یا تفسیر کا ایک

سبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہے۔ اور اسرارِ دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے ہیں۔ (ایام الصلح صفحہ ۱۴۷)

معترض کی پیش کردہ عبارت کے سباق میں "علم دین" اور "سیاق میں" "اسرارِ دین" کے الفاظ صاف طور پر مذکور ہیں۔ جن سے ہر اہل انصاف پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اس عبارت کے قرآن کریم کے ناظرہ پڑھنے کا سوال نہیں۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب۔ حقائق و معارف کے سیکھنے کا سوال ہے۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنیوالے موعود کا نام جو مہدی رکھا تو وہ اس لحاظ سے کہ وہ علوم و اسرارِ دین کسی انسان سے نہیں سیکھے گا گویا حقائق و معارف قرآن مجید میں اس کا کوئی استاد نہیں ہو گا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔ کہ اس لحاظ سے میرا بھی کوئی استاد نہیں۔ جس سے میں نے "علم دین" یا "اسرارِ دین" کی تعلیم پائی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ کا یا ترجمہ و تشریح کسی شخص سے پڑھنا۔ علم و اسرارِ دین سیکھنے کے مترادف نہیں ہے۔ کیونکہ "الفاظ قرآن" اور "علم قرآن" میں خود قرآن مجید نے فرق کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ (الجمعہ ع ۱) کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالےٰ کی آیات (یعنی الفاظ قرآن) پڑھتے۔ ان کا تزکیہ نفس کرتے۔ اور ان کو کتاب

(یعنی قرآن مجید) اور حکمت کا "علم" بھی دیتے ہیں۔

اس آیت میں یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ کے الفاظ میں "الفاظ قرآن" کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ فرما کر قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پس مندرجہ بالا آیت نے صاف طور پر ثابت ہوگیا۔ کہ صرف "قرآن کا پڑھنا" "علم قرآن" حاصل کرنا نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ الفاظ قرآن کے کسی شخص سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا۔ کہ علم دین بھی اس شخص سے حاصل کیا گیا۔

دوسری عبارت، جو معترضین کتاب البریہ سے پیش کرتے ہیں۔ اس میں صرف اس قدر ذکر ہے۔ کہ چھ برس کی عمر میں ایک استاد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید پڑھا۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے۔ کہ حضور نے "علم دین" یا "اسرار دین" یا قرآن مجید کے حقائق و معارف یا معانی و مطالب کسی شخص سے پڑھے ہیں۔ تا یہ خیال ہو سکے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ کتاب البریہ کی عبارت میں چھ برس کی عمر میں ایک استاد سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور ایام الصلح ص ۱۴۷ کی عبارت میں کسی شخص سے قرآن مجید کے مطالب و معارف سیکھنے کی نفی کی گئی ہے۔ گویا جس چیز کی نفی ہے وہ اور ہے اور دوسری جگہ جس چیز کا اثبات ہے وہ اور ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ سیاق و سباق دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

دونوں عبارتوں میں قرآن مجید ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہم تو دونوں جگہ اس کے ایک ہی معنی لیں گے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک جگہ ایک لفظ بول کر نفی کی ہو۔ اور دوسری جگہ اسی لفظ کا استعمال کر کے اس کا اثبات کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مفہوم اس لفظ کا دونو جگہ مختلف ہو۔ بغرض تشریح دو مثالیں لکھتا ہوں۔

ایک مثال

۱۔ قرآن مجید کی رُو سے بحالت روزہ بیوی سے مباشرت ممنوع ہے۔ مگر بخاری مسلم۔ اور مشکوٰۃ تینوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل روایت درج ہے عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ اَمْلَکَکُمْ لِاِرْبِہٖ (بخاری جلد اکتاب الصوم ومشکوٰۃ ص ۱۲۶ مطبع اصح المطابع باب تنزیہ الصوم) کہ حضرت عائشہ رض سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں ازواج کے بوسے لیا کرتے تھے۔ اور ان سے مباشرت کرتے تھے۔ اس حالت میں کہ آپ کا روزہ ہوتا تھا۔ مگر آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔

اب کیا قرآن کریم کے حکم لَا تُبَاشِرُوْھُنَّ کو مندرجہ بالا روائت کے الفاظ یُبَاشِرُ وَھُوَ صَائِمٌ کے بالمقابل رکھ کر کوئی ایماندار شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ دونو جگہ ایک ہی چیز کی نفی اور ایک ہی چیز کا اثبات کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث مندرجہ بالا میں "مباشرت" سے مراد مجامعت نہیں۔ بلکہ محض عورت کے قریب ہونا ہے۔ اور اسما پہ قرینہ

اسی روایت کا اگلا جملہ وَکَانَ اَملَکَکُم لاربہٖ ہے۔

لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں جہاں لفظ مباشرت آیا ہے۔ وہاں اس سے مراد "مجامعت" ہے۔ پس گو دونوں جگہ لفظ ایک ہی استعمال ہوا ہے مگر اس کا مفہوم دونوں جگہ مختلف ہے۔ اور سیاق وسباق عبارت سے ہمارے لیئے اس فرق کا سمجھنا نہایت آسان ہے۔

دوسری مثال

دوسری مثال قرآن مجید میں ہی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَاضَلَّ صَاحِبُکُم وَمَاغَوٰی (سورۃ النجم ۱۶) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم "ضال" نہیں ہوئے اور نہ راہ راست سے بھٹکے لیکن دوسری جگہ فرمایا: وَوَجَدَکَ ضَالاً فَھَدٰی (سورۃ الضحیٰ ع ۱) کہ اے رسول ہم نے آپ کو ضال پایا۔ اور آپ کو ہدایت دی۔ دونوں جگہ "ضال" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ اس کی نفی کی گئی ہے۔ مگر دوسری جگہ اس کا اثبات ہے۔ کیا کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے۔ کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہر اہل علم دونوں عبارتوں کے سیاق وسباق سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ دونوں جگہ لفظ "ضال" ایک معنی پر استعمال نہیں ہوا بلکہ دونوں جگہ اس کا مفہوم مختلف ہے۔ ایک جگہ اگر "گمراہ" مراد ہے اور اس کی نفی ہے۔ تو دوسری طرف تلاش کرنے والا قرار دینا مقصود ہے اور اس امر کا اثبات ہے۔ پس ہمارے مخالفین کا یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرنا کہ "لفظ دونوں جگہ" ایک ہی ہے سیاق وسباق عبارت

دیکھنے کی کیا ضرورت ہے" حد درجہ کی ناانصافی ہے۔

قرآن کریم کا ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ نے کسی سے نہیں پڑھا

ہم معترض کی پیش کردہ دونوں عبارتوں پر ان کے سیاق و سباق کے لحاظ سے جب غور کرتے ہیں۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتاب البریہ کی عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ ذکر فرمایا ہے۔ کہ میری چھ سات سال کی عمر میں میرے والد صاحب نے میرے لئے ایک استاد مقرر کیا۔ جن سے میں نے قرآن مجید پڑھا۔ اور ہر عقلمند انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ چھ سات سال کے عرصہ میں بچہ قرآن مجید کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ پس یہ امر تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حضرت کے والد بزرگوار نے چھ سات سال کی عمر کے بچہ کو معارف قرآنیہ سکھانے کے لئے ایک استاد مقرر کیا ہو۔ پس اس عبارت میں چھ سات سال کی عمر کا ذکر ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے۔ کہ حضور نے اس حوالہ میں قرآن مجید کے مجرد الفاظ کا استاد سے پڑھنا تسلیم فرمایا ہے۔ مگر حضور کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں۔ کہ قرآن مجید کا ترجمہ یا قرآنی مطالب بھی حضور نے خدا کے سوا کسی استاد سے پڑھے ہوں۔ اس کے بالمقابل معترض کی پیش کردہ عبارت از "ایام الصلح" میں حضرت نے صاف لفظوں میں یہ فرمایا ہے۔ "علم دین" اور "اسرار دین" کے لحاظ سے قرآن مجید کسی سے نہیں پڑھا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ جس کی نفی کسی دوسری عبارت میں نہیں کی گئی۔ اس امر کے ثبوت میں کہ ایام الصلح کی عبارت میں قرآن مجید کے

الفاظ کا ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کے کسی انسان سے سیکھنے کی نفی ہے۔ ہم ایام الصلح کی عبارت کا سیاق و سباق اور اس کا مضمون دیکھتے ہیں۔ ایام الصلح کو دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس موقعہ پر اپنے دعویٰ مہدویت کی صداقت کے دلائل کے ضمن میں ایک دلیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

" آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے۔ اس میں یہی اشارہ ہے۔ کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا۔ اور قرآن و حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں۔ کہ میرا یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے میں نے قرآن و حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے۔ اور اسرارِ دین بلا واسطہ مجھ پر کھولے گئے۔" (ص۱۴۷)

(ب) اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

" مہدویت سے مراد وہ بے انتہا معارف الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کسی استاد کے علم دین کے متعلق سکھائے گئے۔ (ص۱۴۹)

اس عبارت میں بعینہٖ وہی مضمون ہے جو معترض کی پیش کردہ عبارت میں ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کی مکمل تشریح بھی موجود ہے۔ جن کے اجمال سے معترض نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(ج) اگلے صفحہ پر اسی مضمون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں کھول کر بیان فرمایا ہے

"روحانی اور عرفانی برکتیں جو ہدایتِ کاملہ اور قوتِ ایمانی کے عطا کرنے اور معارف اور لطائف اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ کے سکھانے سے مراد ہے۔ ان کے پانے کے لحاظ سے وہ مہدی کہلائے گا" (صفحہ ۱۵۰)

اس عبارت میں بھی "مہدویت" کی تعریف کو دہرایا گیا ہے۔ "معارف" "لطائف" "اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ" کے الفاظ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ معترض کی پیش کردہ صفحہ ۱۴۲ والی عبارت میں بھی انہی امور کا ذکر ہے قرآن مجید کے الفاظ کے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ اس عبارت میں "علم دین" اور "اسرارِ دین" کے الفاظ اس پر گواہی دے رہے ہیں۔ اور جن کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(د) اسی دلیل کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہوئے صفحہ ۱۵۶ پر حضرت فرماتے ہیں: "ہزار ہا اسرار علم دین کھل گئے۔ قرآنی معارف اور حقائق ظاہر ہوئے۔ کیا ان باتوں کا پہلے نشان تھا۔"

اس عبارت میں بھی حضور نے جن چیزوں کے خدا تعالیٰ سے سیکھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ "قرآنی معارف وحقائق" ہیں نہ کہ الفاظِ قرآنی!

(ص) آگے چل کر بطور نتیجہ تحریر فرماتے ہیں۔ "سو میری کتابوں میں ان برکات کا نمونہ بہت کچھ موجود ہے۔ براہین احمدیہ سے لے کر آج تک جس قدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکاتِ دین خدا تعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہ ہونے کسی استاد کے جاری کئے ہیں ...... اس کی نظیر اگر موجود ہے۔ تو کوئی صاحب پیش کریں" (ایام الصلح صفحہ ۱۵۸)

(ر) پھر فرماتے ہیں۔ "جو دینی اور قرآنی معارف۔ حقائق اور اسرار مع لوازم بلاغت و فصاحت کے میں لکھ سکتا ہوں۔ دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا اگر ایک دنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لئے آوے۔ تو مجھے غالب پائیگی"

(ص ۱۵۹) (س) اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں "مہوتسو کے جلسہ میں بھی اس کا امتحان ہو چکا ہے"

(ش) اسی طرح ص ۱۶۰ پر بھی حقائق و معارف اور نکات اور اسرار شریعت کے الفاظ موجود ہیں۔ غرضیکہ ایام الصلح کے مندرجہ بالا اقتباسات جو سب کے سب معترضین کی پیش کردہ عبارت کے ساتھ ملحق ہیں۔ یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی انسان سے جس چیز کے پڑھنے کی نفی فرمائی ہے۔ وہ قرآنی الفاظ نہیں بلکہ حقائق و معارف قرآنیہ ہیں۔ حضرت نے ایام الصلح یا کسی اور کتاب میں ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا۔ کہ میں نے قرآن مجید ناظرہ بھی کسی شخص سے نہیں پڑھا۔ نہ یہ چیلنج دیا ہے۔ کہ میں باوجود استاد نہ ہونے کے قرآن مجید کے الفاظ خوب اچھی طرح پڑھ لیتا ہوں۔ اور یہ کہ فنِ قرأت میں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں حضور نے یہ ضرور دعویٰ فرمایا ہے۔ کہ قرآن مجید کے حقائق و معارف۔ مطالب اور نکات حضور کے الہام الرحمٰن علم القرآن کے مطابق حضور کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئے اور اس لحاظ سے یقیناً حضور نے قرآن مجید کسی انسان سے نہیں پڑھا اور اسی امر کا دعویٰ حضور نے ایام الصلح ص ۱۴۷ پر بھی کیا ہے۔ جس کو معترضین

جماعت احمدیہ انتہائی ناانصافی سے بطور اعتراض پیش کر کے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ۔

مِن تلبیسھم قَدْ حَرَّفُوا الفاظ تفسیرا
وَ قَدْ بانت ضلالتھم ولذا القوا المعاذیرا (المسیح الموعود)

حضرت مسیح کی چڑیوں کی پرواز

مرزا صاحب نے آئینہ کمالات ص۶۸ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح کی چڑیوں کا پرواز قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لیکن ازالہ ص۳۰۷ پر لکھا ہے کہ پرواز ثابت نہیں ؟

جواب :۔ اصل عبارتیں درج ذیل ہیں :۔

" اس فن (عمل الترب) کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے۔ تو اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے۔ اور عمل الترب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جائے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اسکو جنبش میں لاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے "

(ازالہ اوہام ص۳۰۷ طبع اول)

آئینہ کمالات اسلام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:۔

"حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی تھیں۔ اور کہیں خدا تعالےٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہوگئیں" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۸) پس کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ انکار حقیقی زندگی کے ساتھ سچ مچ کے پرواز کا ہے۔ اور اقرار غیر حقیقی اور عارضی پرواز کا۔

مریدوں کی تعداد

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی لیکن جب ایک سال کے بعد ہی انکم ٹیکس کا سوال ہوا۔ تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔

جواب:۔ پہلی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مریدوں کی عورتوں اور بچوں سمیت مجموعی لکھی ہے۔ اور دوسری ضرورت الامام" والی تعداد صرف چندہ دینے والے مردوں کی ہے۔ اس میں چندہ نہ دینے والے بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں۔ کیا اس فہرست میں حضرت ام المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی وغیرہ کے نام ہیں؟ ظاہر ہے کہ مؤخر الذکر موقعہ پر سوال آمدنی کا تھا۔ اور وہی لسٹ مطلوب تھی جو ان لوگوں کی ہو۔ جو خود کماتے اور چندہ دیتے ہیں۔ پس جب مجسٹریٹ نے ان لوگوں کی لسٹ طلب کی جو چندہ دیتے تھے۔ تو کیا اس کے جواب میں ان لوگوں کی فہرست دیدی جاتی۔ جو چندہ نہیں دیتے تھے ع بریں عقل و دانش بباید گریست

منکرین پر فتوی کفر

اعتراض۔ تریاق القلوب میں لکھتے ہیں کہ "میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا"۔ مگر عبدالحکیم مرتد کو لکھتے ہیں۔ کہ جس شخص کو میری دعوت پہنچی ہے۔ اور وہ مجھے نہیں مانتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۶۷ پر دیا ہے وہاں سے دیکھا جائے۔

(۲) پہلی عبارت میں لکھا ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ "اپنے دعویٰ کے انکار سے کافر قرار دینا..... ان نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نئی شریعت لاتے ہیں۔ گویا صرف تشریعی نبی کا انکار کفر ہے۔ اب حقیقۃ الوحی میں حضرت نے اپنے دعویٰ کے متعلق لکھا ہے کہ "جو مجھے نہیں مانتا۔ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے" (حقیقۃ الوحی ۱۶۳)

"جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا...... تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۴)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار خواہ اپنی ذات میں کفر نہ ہو۔ مگر بوجہ اس کے کہ آپ کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو تشریعی نبی ہیں) کے انکار کو مستلزم ہے۔ لہذا کفر ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ تریاق القلوب کی عبارت میں بتایا گیا ہے

کہ غیر تشریعی انبیاء کا انکار بالذات کفر نہیں ہوتا۔ اور حقیقۃ الوحی کی عبارت میں بتایا گیا ہے۔ کہ چونکہ غیر تشریعی نبی کا انکار مستلزم ہوتا ہے تشریعی نبی کے انکار کو۔ اس لئے وہ بالواسطہ کفر ہے۔

تشریعی نبوّت کا دعویٰ

حضرت نے اپنی متعدد تصانیف میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں غیر تشریعی نبی ہوں صاحب شریعت نہیں۔ مگر اربعین ص۶ پر لکھا ہے کہ میں صاحب شریعت نبی ہوں۔

جواب :- سراسر افتراء ہے حضرت نے ہرگز اربعین چھوڑ کسی اور کتاب میں کبھی تحریر نہیں فرمایا۔ کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ بلکہ حضور نے اپنی آخری تحریر میں بھی شدت کیساتھ اس الزام کی تردید فرمائی ہے۔ جیساکہ فرماتے ہیں :۔

”یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا دعوٰی میرے نزدیک **کفر** ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی **دعوٰی نہیں**۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔“

(اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

دوسرا جو حوالہ تم اربعین سے پیش کرتے ہو۔ اس میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ آپ نے تو مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے لو تقول کی

بحث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ اگر کہو کہ لو تقول والا ۲۳ سالہ معیار تشریعی انبیاء سے متعلق ہے۔ تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔" پھر معترض کو مزید ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ کہ تمہاری مراد "صاحب شریعت" سے کیا ہے۔ اگر کہو "صاحب شریعت" سے مراد وہ ہے جس کی وحی میں امر اور نہی ہو۔" تو اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔"

گویا حضرتؑ نے اپنے مخالفین کو محض "اس تعریف کے رو سے ملزم" کیا ہے۔ نہ یہ کہ صاحب شریعت نبی کی تعریف اپنی مسلمہ پیش کی ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے اس کے آگے اپنی وحی جو پیش کی ہے "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم" یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر "تجدید" کے رنگ میں نازل ہوئی ہے۔ پس حضرت اقدس کی وحی قرآنی شریعت کی "تجدید" کرکے از سر نو اس کو دنیا میں شائع کرنے کے لئے ہے مستقل طور پر نہ اس میں کوئی نئے اوامر ہیں نہ نواہی۔ پس آپ کا دعویٰ "صاحب شریعت" ہونے کا نہ ہوا۔ بلکہ شریعت کے مجدد ہونے کا ہوا۔ چنانچہ اسی صفحہ ۶ کے حاشیہ پر حضرتؑ نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی میری وحی میں تجدید کے رنگ میں نازل فرمائے ہیں۔ (دیکھو اربعین ۴ صفحہ ۶ حاشیہ)

اب ظاہر ہے کہ صاحب شریعت نبی اس کو کہتے ہیں جس کی وحی میں نئے اوامر اور نئے نواہی ہوں۔ جو پہلی شریعت کے اوامر و نواہی کو

منسوخ کرنے والے ہوں۔ مگر حضرت اقدس کی وحی میں ہرگز ایسا نہیں۔ لہٰذا
کہنا کہ حضرت نے تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے محض افتراء اور بہتان ہے
کہاں الزامی جواب جو حضرت نے محولہ عبارت میں دیا ہے۔ اور کہاں اپنی
طرف سے اپنا ایک عقیدہ بیان کرنا ؎

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدّق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

دعویٰ نبوّت اور اس کی نفی

اس کے متعلق ہم مفصل بحث مسئلہ ختم نبوت کے ضمن میں کر آئے ہیں۔
وہاں سے ملاحظہ ہو۔

یسوع کی مذمت اور حضرت مسیح کی تعریف

اس کے متعلق مفصل بحث دیکھو۔ مضمون قرآنی مسیح و انجیلی یسوع ......

(۲) ہم اصولی طور پر تناقضات کے مضمون کے شروع میں صفحہ ۹۲۳ پر ثابت
کر آئے ہیں۔ کہ محض ایک لفظ کے دو جگہ استعمال ہونے۔ اور اس کے ایجاب
وسلب سے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں یسوع کی مذمت ہے۔ اور اس کی
تعلیم کو ناقص قرار دیا ہے۔ وہاں عیسائیوں کے بالمقابل انجیلی مسلمات پر
اعتراض کیا ہے۔ اور جہاں مسیح علیہ السلام یا یسوع کی تعریف کی ہے۔ وہاں اسلامی
تعلیم کے لحاظ سے اہل اسلام کو مخاطب کیا ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں تناقض
نہیں۔ اسی طرح حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر جو ایک شریر کے جسم میں "یسوع"
کی روح قرار دی ہے۔ وہاں "انجیلی یسوع" مراد ہے۔ مگر تحفہ قیصریہ میں حقیقی

اور اسلامی مسیح مراد ہیں۔ لہذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

حیاتِ مسیح میں اختلاف

مسیح کی زندگی اور موت اور دوبارہ نزول کے متعلق مفصل بحث مسئلہ وفاتِ مسیح کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مسیح کی بادشاہت

مسیح کی بادشاہت کی جو تاویل حضرت اقدس نے براہین حصہ پنجم پر کی ہے وہ حضور کی اپنی طرف سے اسلامی نقطۂ نگاہ ہے۔ اور اعجاز احمدی ص۱۲ پر حضرت نے یہودیوں کا اعتراض نقل کیا ہے۔ وہ اپنی طرف سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ براہین حصہ پنجم والی تاویل میں حضرت صاحب نے اپنی طرف سے "بادشاہت" کو "آسمانی بادشاہت" قرار دے کر حضرت مسیح کی اجتہادی غلطی تسلیم فرمائی ہے اب یہ تاویل یہودی معترضین پر حجت نہیں۔ نہ ان کو مسلّم ہے۔ اسی وجہ سے اعجاز احمدی ص۱۳ پر حضرت صاحب نے اپنے مخالفین کو کہا ہے۔ کہ بتاؤ یہودیوں کو ان اعتراضات کا تم کیا جواب دے سکتے ہو؟ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہ ہوا۔

سخت کلامی کا الزام

مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں۔ مثلاً "اے بذات فرقہ مولویان" (انجام آتھم)

الجواب:۔ حضرت صاحب نے کسی مولوی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ آپ نے تو آنحضرت صلعم کی حدیث کا بڑا نرم ترجمہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم مطبع احمدی ص۳۸) کہ وہ علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ گویا

اگر آسمان کے نیچے بدذات بھی رہتے ہیں۔ تو فرمایا " شَرُّهُمْ " یعنی ان سے بھی د
بدتر ہوں گے۔ پس حضرت نے تو نرم الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ورنہ آنحضرت
صلعم نے تو تفضیل کل کا صیغہ بولا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمادیا
" لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِی اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِی اَشْرَارِھِمْ " (الہدیٰ ص۶۵
کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ صرف شریر علماء کی نسبت لکھا ہے۔ ورنہ غیر احمدی
میں سے جو علماء شریر نہیں۔ ہم نے ان کی نسبت یہ نہیں کہا۔

(۲) نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھَتْکِ عُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَا
الْمُھَذَّبِیْنَ سَوَاءٌ کَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ اَوِ الْآرِ
(لجۃ النور ص۶۷) ہم نیک علماء کی ہتک اور شرفاء کی توہین سے خدا کی
مانگتے ہیں۔ خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔

علماء کی حالت اور غیر احمدی گواہیاں

(۱) نواب صدیق حسن خانصاحب آف بھوپال لک
ہیں " اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش
رہ گیا ہے ...... علماء اس امت کے بدتر ان کے ہیں جو نیچے زمین کے ہیں۔ ان
سے فتنے نکلتے ہیں۔ انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں " (اقتراب الساعۃ ص

(۲) " اگر نمونہ یہود خواہی کہ ببینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند " الفوز الکبیر ص
مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی) (۳) " آجکل کے تھرڈ کلاس مولوی جو ذرا
ذرہ بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دیدیا کرتے ہیں۔ سو ان کی بابت
عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے۔

ھَلْ اَفْسَدَ النَّاسَ اِلَّا الْمُلُوْکُ۔ وَعُلَمَاءُ سُوْءٍ وَرُھْبَانُ

(اہل حدیث ۷ جون ۱۹۱۲ء) شعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا بادشاہوں۔ علماء سوء
اور رہبان کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے؟

(۴) "افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی رہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں
ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے
برا بھلا کہنا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۱۷ نومبر ۱۹۱۱ء)

(۵) "مولوی اب طالب جیفۂ دنیا ہو گئے۔ وارث علم پیمبر کا پتہ لگتا نہیں"
(اہلحدیث ۳ مئی ۱۹۱۲ء)

(۶) "بعینہ وہی عقائد باطلہ جن کی تنسیخ کیلئے خدا نے ہزارہا انبیاء بھیجے
تھے۔ ان تمام کے مسلمانوں نے اختیار کر لئے ہیں" (تفسیر ثنائی امرتسری جلد ۱ ص ۹۷)

(۷) "نام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور صفحۂ دنیا سے نام
غلط کی طرح مٹ گئے۔ مگر ہاں کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود و ترقی پذیر ہیں۔
ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا۔ اور عنان اسرائیلی ہاتھ میں لے لی۔ اور
اپنا گھوڑا گھوڑ دوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ صادق اور
مصدوق فداہ ابی و امی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ
سو برس قبل ہماری اس شہ سواری اور گوئے سبقت کی پیش بری کی ان الفاظ
میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ یقیناً میری امت کے بھی لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کی طرح
اعمال بد میں منہمک ہوں گے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے زنا
کیا ہوگا۔ تو میری امت میں بھی ماں سے زنا کرنے والے افراد موجود ہوں گے۔ واقعہ
یہ ہے کہ آج ہم مدعی اہلحدیث بھی حذو النعل بالنعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ

میں مصلحت دور اندیشی ضرورت وقت و پالیسی زر پرستی - کاسہ لیسی - خوشامد و چاپلوسی کو معبودِ حق سمجھ کر اسی کی پوجا کرنے لگے"۔ (اہلحدیث ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء صہ ۱۱)

(۷) "مشکوٰۃ صہ ۳۸ میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ اسلام کا نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط۔ اس وقت مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے۔ سارا فتنہ وفساد انہی کی طرف سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے"۔ (اہلحدیث ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء صہ ۵)

(۸) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں "قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ کہ کچھ حصہ کتاب کو مانتے ہیں۔ اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے"۔ (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صہ ۹)

گالی اور سخت کلامی میں فرق

گالی اور ہے اور اظہار واقعہ اور چیز۔ اگر کوئی شخص جو خود اندھا ہو اور دوسرے کو کانا کہے۔ تو دوسرے آدمی کا حق ہے۔ کہ آپ یہ کہہ دیں کہ میں تو کانا نہیں۔ چونکہ تم اندھے ہو اسلئے تمہیں میری آنکھ نظر نہیں آتی۔ اب اظہار واقعہ ہے مگر گالی نہیں۔ خود قرآن مجید نے اپنے منکروں کو "شَرُّ الْبَرِيَّةِ" (بدترین مخلوق) "کالانعام" (چوپائیوں کی طرح) قرار دیا ہے۔ بلکہ "زنیم" (حرامزادہ) بھی قرار دیا ہے

نوٹ:۔ زنیم کے معنی ہیں حرامزادہ۔ دیکھو تفسیر کبیر زیر آیت "لَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِینٍ الخ" نیز "زنیم" کے معنی ہیں۔ "دَعِیُّ الْقَوْمِ لَیْسَ مِنْهُمْ" ایک ایسا شخص جس کا باپ کسی دوسرے قبیلے کا ہو۔ مگر دوسرے قبیلے اور قوم کے آدمی کی طرف منسوب ہو جاتا ہو۔ (۲) بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار مکہ کا سفیر عروہ بن مسعود

آنحضرت صلعم سے گفتگو کر رہا تھا۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ جو پاس ہی گفتگو سن رہے تھے غصہ میں آگئے۔ "فَقَالَ لَهُ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ"
(بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد جلد ۳ صہ ۲۷۵ مصری و زاد المعاد جلد ۲ صہ ۱۲۵)
اس کا ترجمہ بخاری مترجم اردو شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے "حضرت ابوبکرؓ نے (یہ سُن کر) عُروہ سے کہا۔ کہ لات کی شرمگاہ چوس (یہ عرب میں نہایت سخت گالی سمجھی جاتی تھی)" (جلد ۲ صہ ۱۳) یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شخص حضرت ابوبکرؓ سے نہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اس نے آنحضرت کو گالی نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ اے محمدؐ! یہ مسلمان اگر ذرا سی بھی تیز لڑائی ہوئی۔ تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے "اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ" کہا۔ آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے فقرے کو بھی سُن رہے تھے۔ مگر آپ نے حضرت ابوبکر کو منع نہیں فرمایا۔

(۳) گو مندرجہ بالا حدیث "حدیثِ تقریہ" کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور حدیث درج کی جاتی ہے:۔ "عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا" (مشکوٰۃ کتاب الآداب باب المفاخرۃ والعصبیۃ صہ ۳۵۶ مطبع انصاری دہلی) اس حدیث کا اردو ترجمہ "المُتَقَطَات شرح مشکوٰۃ" سے درج کیا جاتا ہے:۔ "روایت ہے ابی بن کعبؓ سے کہ کہا۔ سنا میں نے رسول اللہ صلعم سے۔ فرماتے تھے۔ جو کوئی کہ نسبت کرے ساتھ نسبت جاہلیت کے۔ پس کٹواؤ اس کو ستر باپ اس کے کا۔ اور کنایہ نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ اپنے باپ کا ستر کاٹ کر

اپنے منہ میں لے لے۔ اس حدیث میں نہایت تشدید ہے فخر الآباء پر۔ اور حقیقت میں اپنی قوم کی برائی کرنا عبث ہے۔ (المشکوٰۃ با لمتقطعات جلد ۳ صفحہ ۲۔ مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۳۲۱ھ)

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اَلْعَضُّ اَخْذُ الشَّیْءِ بِالْاَسْنَانِ بِهَنِ اَبِیْهِ بِفَتْحِ الْهَاءِ وَ تَخْفِیْفِ النُّوْنِ کِنَایَةٌ عَنِ الْفَرْجِ اَیْ قُوْلُوْا لَهٗ "اُعْضُضْ بِذَکَرِ اَبِیْکَ" وَ اَیْرِهٖ اَوْ فَرْجِهٖ وَلَا تَکْنُوْا بِذِکْرِ الْهَنِ مِنَ الْاَیْرِ بَلْ صَرِّحُوْا لَهٗ"

(مرقاۃ بر حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۶ مطبع انصاری) کہ "عض" کے معنی ہیں۔ کسی چیز کا دانتوں سے پکڑنا..... الخ۔ غیر احمدی علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کو جو گالیاں دیں۔ ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عبد الحکیم مرتد نے اپنے رسالہ "اعلان الحق صفحہ ۳۲ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کو "حرام زادہ" لکھا ہے۔ (لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ خادم) نیز محمد علی بوپڑی نے اپنے رسالہ "صوت ربانی بر سرِ دجال قادیانی" میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔

ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا (آئینہ کمالات)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً غیر احمدیوں کو "ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا" نہیں کہا۔ بوجوہات ذیل۔

جواب :- ۱۔ آئینہ کمالات کی اشاعت تک تو حضرت غیر احمدیوں

کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔ چہ جائیکہ "ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا" آپ کی طرف سے ہوئی حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) اس موقعہ پر حضور نے اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے "قَدْ حُبِّبَ إِلَيَّ مُنْذُ دَنَوْتُ الْعِشْرِيْنَ أَنْ أَنْصُرَ الدِّيْنَ وَأُجَادِلَ الْبَرَاهِمَةَ وَالْقِسِّيْسِيْنَ" کہ جب میں بیس سال کا ہوا تھی سے میری یہ خواہش رہی۔ کہ میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ میں نے براہین احمدیہ۔ اور سرمہ چشم آریہ اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں۔ جو اسلام کی تائید میں ہیں۔ "كُلُّ مُسْلِمٍ" (یعنی ہر مسلمان) ان کتابوں کو بنظر استحسان دیکھتا۔ اور ان کے معارف سے مستفید ہوتا۔ اور میری دعوت اسلام کی تائید کرتا ہے۔ مگر ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے۔ وہ ان کے مخالف ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کے جواب میں لیکھرام آریہ نے "خبط احمدیہ" اور "تکذیب براہین احمدیہ" شائع کیں۔ غیر احمدیوں نے ان کی تائید کی۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے براہین پر ریویو لکھا۔ مسلم بک ڈپو لاہور نے سرمہ چشم آریہ کو اپنے خرچ پر شائع کیا۔

(ب) اس امر کا ثبوت کہ آئینہ کمالات اسلام کی محولہ بالا عبارت میں غیر احمدی مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اسی آئینہ کمالات اسلام میں جس کے صفحہ ۵۴۷ کا تم نے حوالہ دیا ہے صفحہ ۵۳۵ پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی قیصرۂ ہند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"وَفِي آخِرِ كَلَامِي أَنْصَحُ لَكِ يَا قَيْصَرَةُ خَالِصًا لِلّٰهِ وَهُوَ

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ عَضُدُكِ الْخَاصُّ وَلَهُمْ فِيْ مُلْكِ خُصُوْصِيَّةٌ تَفْهِيْمِنَا فَانْظُرِيْ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِنَظَرٍ خَاصٍّ وَّ اَقِرِّيْ اَعْيُنَهُمْ وَاَلِّفِيْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْعَلِيْ اَكْثَرَهُمْ مِنَ الَّذِيْنَ يُقَرَّبُوْنَ التفضيل التفضيل التخصيص التخصيص"

(آئینہ کمالات صـ ۵۳۵)

"یعنی اے ملکہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ مسلمان تیرا بازو ہیں۔ پس تو ان کی طرف نظرِ خاص سے دیکھ۔ اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا۔ اور ان کی تالیفِ قلوب کر۔ اور ان کو اپنا مقرب بنا۔"

غرضیکہ اسی آئینہ کمالات اسلام میں مخالفین کی پیش کردہ عبارت سے پہلے تو یہ لکھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ۔ اور ان کی تالیف قلوب لازمی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ اسی جگہ اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔ جو ان کی دل شکنی کا باعث ہوں۔ (ج)

علاوہ ازیں ذریۃ البغایا والی عبارت میں جو یہ لفظ ہے کہ یہ "یقبلنی ویصدق دعوتی" کے مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے تو اس جگہ دعوت سے مراد۔ دعوت الی الاسلام اور اسی کا قبول کرنا ہے۔

ملاحظہ ہو آئینہ کمالات صـ ۳۸۹ ازالہ اوہام حصہ اول خورد صـ ۱۱۲۔

(۳) تاج العروس میں ہے۔ البغی الامۃ فاجرۃ کانت او غیر فاجرۃ" کہ "بغی" کے معنی لونڈی کے ہیں۔ خواہ وہ بدکار نہ ہو۔ تب بھی یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ اَلْبَغِيَّةُ فِي الْوَلَدِ نَقِيْضُ الرُّشْدِ وَيُقَالُ

هُوَ ابْنُ بَغِيَّةٍ (تاج العروس) کہ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ابن بغیہ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت سے دور ہے۔ کیونکہ لفظ "بغیہ" "رشد" یعنی صلاحیت کا مخالف ہے۔ گویا "ذریۃ البغایا" کا ترجمہ ہوگا "ہدایت سے دور"

(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے خود "ابن بغاء" کا ترجمہ "سرکش انسان" کیا ہے۔ سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا کہ میں نے اپنے قصیدہ انجام آتھم میں اسکے متعلق لکھا تھا

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ   اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بِغَاءِ

یعنی خباثت سے تو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعوےٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا اے سرکش انسان۔" (الحکم جلد ۱۱ ۷ بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۳) معلوم ہوا کہ "ابن بغا" کا ترجمہ "سرکش انسان" ہے۔ نہ کہ کنجری کا بیٹا۔ اور اس سے وہ اعتراض بھی دور ہوگیا۔ جو بعض غیر احمدی انجام آتھم کے عربی قصیدہ کے فارسی ترجمہ سے "اے نسل بدکاراں" کے الفاظ پیش کر کے کرتے ہیں۔ کیونکہ انجام آتھم کی عربی عبارت کے نیچے جو ترجمہ ہے۔ وہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ کا ہے۔ مگر ہمارا پیش کردہ ترجمہ خود حضرت مسیح موعودؑ کا بیان فرمودہ ہے۔ جو بہرحال مقدم ہے۔ (۵) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ "مَنْ شَهِدَ عَلَیْهَا بِالزِّنَا فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَا (کتاب الوصیت صفحہ ۳۹ مطبوعہ حیدرآباد) کہ جو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ حرامزادہ ہے۔ اس موقعہ پر جو حل طلب معمّہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت زنا لگانے سے ایک انسان کی اپنی ولادت پر (جو سالہا سال پہلے واقعہ ہو چکی ہو) کس طرح اثر پڑتا ہے؟ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ (۶) شیعوں کی معتبر ترین کتاب کافی کلینی

کے حصہ سوم موسوم بہ "فروغ کافی" کے آخری حصہ یعنی کتاب الروضہ میں ہے!

"عَنْ اَبِی حَمْزَۃَ عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَہٗ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِنَا یَفْتَرُوْنَ وَیَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَھُمْ فَقَالَ اَلْکَفُّ عَنْھُمْ اَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰہِ یَا اَبَا حَمْزَۃَ اِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ اَوْلَادُ الْبَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتِنَا" (کتاب الروضہ مذکورہ بالا ص۱۳۵)

ابو حمزہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت امام باقرؒ سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر کئی کئی طرح بہتان لگاتے اور افترا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچکر رہنا اچھا ہے پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابو حمزہ خدا کی قسم! ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ اولاد بغایا ہیں (۷) حضرت امام جعفر صادقؒ کا مندرجہ ذیل قول بھی ملاحظہ ہو "مَنْ اَحَبَّنَا کَانَ نُطْفَۃَ الْعَبْدِ وَمَنْ اَبْغَضَنَا کَانَ نُطْفَۃَ الشَّیْطَانِ" (فروع کافی جلد ۲ کتاب النکاح ص۲۱۶)

کہ جو شخص ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے وہ تو اچھے آدمی کا نطفہ ہے۔ مگر وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے وہ **نطفہ شیطان ہے**"

اب ایک طرف امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے سب حرامزادے ہیں۔ اور دوسری طرف حضرت امام باقرؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ سوائے شیعوں کے باقی سب لوگ اولاد بغایا۔ اور ہم سے نفرت کرنے والے شیطان کا نطفہ ہیں۔ پھر بتاؤ اگر ان الفاظ کا لفظی ترجمہ کیا جائے۔ تو ان فقرات کے کوئی

معنی بنتے ہیں ؟ اور اس طرح روئے زمین کا کوئی انسان ولدالزنا ہونے سے بچ سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ پس ان فقرات میں بھی مراد ہدایت سے دور اور سرکش لوگ ہیں نہ کہ "ولدالزنا" یا حرامزادے۔

جنگل کے سؤر

۵۔ اِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِیْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُ هُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَکْلُبُ (نجم الہدیٰ)

جواب:۔ یہ عام خطاب نہیں۔ بلکہ صرف ان دشمنوں سے ہے جو گندی گالیاں دیتے تھے۔ خواہ وہ مرد ہوں۔ خواہ عورتیں۔ چنانچہ اس کا اگلا شعر ہے ؎ "سَبُّوْا وَمَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ" (نجم الہدیٰ) کہ وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ وہ کیوں اور کس جرم کے بدلے ایسا کرتے ہیں۔ نیز دیکھو نجم الہدیٰ ص۵ و حاشیہ ص۱۴ و ۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(ا) "دشنام دہی اور چیز ہے۔ اور بیانِ واقعہ گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو۔ دوسری شے ہے۔ ہر ایک محقق اور حق گو کا فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دے پھر اگر وہ سچ کو سن کر افروختہ ہو۔ تو ہوا کرے۔" (ازالہ اوہام)

(ب) "مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ

ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے۔ جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کر کے کتاب مسلسل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کئے ہیں۔ جن کا نام میں نے کتاب البریّہ رکھا ہے۔ اور با ایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتداء سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے۔ اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا۔ لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔ اول یہ کہ تا کہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلا لیں۔ اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔ دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے، عام مسلمان جوش میں نہ آئیں۔ اور سخت الفاظ کا جواب بھی کسی قدر سخت پا کر اپنی پر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھا لیں۔ کہ اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی کے ساتھ ان کو جواب مل گیا۔ اور اسطرح وہ وحشی انتقاموں سے دست کش رہیں۔ ...... یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اگر سخت الفاظ کے مقابل پر دوسری قوم کی طرف سے کچھ سخت الفاظ استعمال نہ ہوں تو ممکن ہے۔ اس قوم کے جاہلوں کا غیظ و غضب کوئی اور راہ اختیار کرے۔ مظلوموں کے بخارات نکلنے کے لئے یہ ایک حکمت عملی ہے۔ کہ وہ بھی مباحثات میں سخت حملوں کا سخت جواب دیں۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۰-۱۱) نیز دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۲۴-۲۵ تقطیع کلاں، کتاب البریہ صفحہ ۹۳۔ تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۷۔ و تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰-۲۱)

مبارک احمد کا قبل از ولادت بولنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ میرے بچے مبارک احمد نے اپنی والدہ کے شکم میں باتیں کیں۔

جواب:۔ مبارک احمد کے جس کلام کا ذکر تریاق القلوب صـ۳۹ وصـ۴۰ پر ہے وہ براہ راست بچے کا کلام نہیں۔ بلکہ الہام الٰہی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" (یعنی میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ اور جلد ہی خدا کی طرف واپس چلا جاؤں گا) یہ الفاظ اللہ تعالےٰ نے حضرت کو مبارک احمد کی ولادت سے پہلے الہام کئے۔ اور یہ کلام حکایتاً مبارک احمد کی طرف سے تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیتؔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہ خدا تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کی طرف سے یہ الفاظ الہام کئے ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ الہامی فقرہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ کلام مبارک احمد کی طرف سے کیا تھا۔ اور جملہ کا متکلم بلا واسطہ مبارک احمد تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے استعارۃً لکھا ہے۔ کہ گویا اس کے بچے ہی نے باتیں کیں۔ بہ قول صاحبزادہ مبارک احمد کا ایسا ہی ہے۔ جیسے قرآن مجید سورہ آل عمران رکوع ۵ میں ہے۔ کہ جب فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت مسیح کی ولادت کی بشارت لے کر آیا۔ تو اس بشارت کے ساتھ ہی "اِنِّیْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ" شروع ہو جاتا ہے۔ (کہ میں آیا ہوں۔ تمہاری

طرف خدا کی طرف سے نشان لے کر) مختصر یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کی رو سے وہ آواز مبارک احمد کی طرف سے نہ آئی تھی۔ بلکہ الہامی کلام میں اللہ تعالیٰ نے حکایتاً اس کی طرف سے کلام کیا تھا۔

۲۔ لیکن تمہارے ہاں تو یہاں تک لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت "پیران پیر" سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے آپ سے کچھ بات کہی۔ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے اماں! کیا تجھے یاد نہیں۔ کہ جب میں تیرے پیٹ میں تھا۔ تو ان دنوں ایک سائل فقیر بھیک مانگنے تیرے دروازہ پہ آیا۔ تو اسے جب بھیک ڈالنے لگی۔ تو اس کی نیت بد ہو گئی۔ اس وقت اسے ایک شیر کھانے کے لئے دوڑا تھا۔ جس سے ڈر کر وہ سائل بھاگ گیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شیر میں ہی تھا؟ (گلدستہ کرامات ص۲۱۵)

(۳) لو اور سنو! "بحار الانوار جلد عاشر میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ مصباح الانوار سے۔ اور امالی شیخ صادق سے روایت کرتے ہیں جس کے ترجمے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

"مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ جناب سیدہ (حضرت فاطمہؓ۔ خادم) کی ولادت کس طرح ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب خدیجہؓ سے جناب رسول اللہؐ نے شادی کی۔ تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ نہ وہ ان کے پاس آتی تھیں۔ نہ ان کو سلام کرتی تھیں۔ اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس آنے دیتی تھیں۔ اس بات سے جناب خدیجہؓ کو بہت دہشت ہوئی۔ اور ادھر جناب

رسول اللہ کی طرف سے بھی خوف دامنگیر تھا۔ اس حالت میں جناب سیدہ کا
حمل قرار پایا۔ جناب سیدہ۔ خدیجہؓ سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ اور انہیں
تسلی و دلاسا دیتی رہتی تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہؓ نے
رسول اللہؐ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ایک روز رسول اللہؐ تشریف لائے
تو آپؐ نے سنا۔ کہ خدیجہؓ۔ جناب فاطمہؓ سے باتیں کر رہی ہیں۔ پوچھا "
یہ کس سے باتیں کرتی ہیں۔ خدیجہؓ نے یہ عرض کیا۔ کہ یہ بچہ جو میرے شکم
میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ اور میری وحشت کو دور کرتا ہے۔
آپؐ نے فرمایا " اے خدیجہؓ! جبرائیلؑ نے مجھے بشارت دی ہے۔ کہ یہ بچہ
لڑکی ہے۔" (سیرۃ الفاطمہ اعنی سوانح عمری حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا
تصنیف سید حکیم ذاکر حسین صاحب مترجم نہج البلاغت مطبوعہ ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۹-۳۰)

بکرے کا دودھ

سرمہ چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مظفر گڑھ میں ایک بکرے نے
اڑھائی سیر دودھ دیا۔

جواب:۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں۔ فَبُعِثَ بِهٖ اِلَى الْخَلِيفَةِ
الْمُقْتَدِرِ وَاُهْدِیَ مَعَهٗ تَيْسًا لَهٗ ضَرْعٌ يُحْلَبُ لَبَنًا حَكَاهُ
الصولی وابن کثیر" (حجج الکرامہ صفحہ ۲۵۹) کہ ایک لمبے قد کا آدمی خلیفہ مقتدر
کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک بکرا بھی ہدیۃً بھیجا گیا۔ اس
بکرے کے تھن تھے۔ اور وہ دودھ دیتا تھا۔ اس واقعہ کو صولی اور حافظ
ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

(ب) مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں "جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا۔ اس میں ایسے بھی بہت سے جانور تھے۔ جن کی خلقت غیر معمولی خلقت تھی۔ ان میں ایک بکرا تھا جو بقدر ایک پیالہ کے دودھ دیتا تھا۔"

(مقالات شبلی صفحہ ۹۰ نیز توزک جہانگیری صفحہ ۴۲)

نوٹ ۱:۔ جماعت احمدیہ آنبہ ضلع شیخوپورہ نے خاص طور پر ایک دودھ دینے والا بکرا خریدا تھا۔ اور مولوی صاحبان کیلئے "الفضل" میں اشتہار دیا گیا تھا۔ کہ وہ اس بکرے کو دیکھ کر تسلی کرلیں .... ۲۸ نومبر ۱۹۳۴ء تک وہ بکرا جماعت کے پاس موجود تھا۔ خادم ÷ نوٹ ۲:۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم وفات مسیح کے اس لئے قائل نہیں۔ کہ گویا ہمارے نزدیک خدا کسی کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں بلکہ اس لئے کہ خدا تعالٰے نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ عیسٰے فوت ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جا سکتا۔ چونکہ خدا تعالٰے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور نہ وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ اس لئے عیسٰے بھی زندہ نہیں رہ سکتے نیز اگر "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر" کا وہ مفہوم درست ہو جو تم لوگ لیتے ہو۔ تو ذرا یہ تو بتا دو۔ کہ کیا خدا اگر چاہے تو اپنے جیسا ایک خدا بنا سکتا ہے؟ یاد رکھنا کہ خدا غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اور جو پیدا ہوگا۔ وہ بہر حال مخلوق ہوگا۔

عورت مرد ہوگئی

سرمہ چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرد نے اپنے بچہ کو اپنا دودھ پلایا۔

الجواب:۔ حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ وَفِی سَنَۃِ ۷۷۶ھ اَخْبَرَ دَاعِی اِلَی الْاَشْمُوْنِیْنَ

لَی الْاَمِیْرِ مِنْجَکَ بِنْتًا عُمْرُھَا خَمْسُ عَشَرَ سَنَۃٍ فَذَکَرَ اَنَّھَا تَنَزَلْ بِنْتًا اِلٰی ھٰذِہِ الْغَایَۃِ فَاشْتَدَّ الْفَرْجُ وَظَھَرَ لَھَا ذَکَرٌ وَّ اُنْثَیَانِ وَاِحْتَمَلَتْ فَشَاھَدُوْھَا وَسَمُّوْھَا مُحَمَّدًا وَلِھٰذِہِ الْقَضِیَّۃِ نَظِیْرٌ ذَکَرَھَا ابْنُ کَثِیْرٍ فِی تَارِیْخِہٖ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَقَعَ فِی عَصْرِنَا نَظِیْرُ ذَالِکَ فِی ۸۴۲ھ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳ سطر ۱)

کہ ۶۷۷ھ میں والی اشمونین نے امیر منجک کے سامنے ایک لڑکی پیش کی جس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اور اس نے ذکر کیا۔ کہ وہ اب تک تو لڑکی رہی۔ مگر بعد میں اس کی شرمگاہ مفقود ہو گئی۔ اور اعضاء مردمی ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ محتلم ہوئی اور انہوں نے یہ سب باتیں اس میں مشاہدہ کیں۔ اور اس کا نام محمد رکھا۔ اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ جس کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ۸۴۲ھ میں اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا ہے۔

مرزا صاحب نے بددعائیں دیں

الجواب:۔ قرآن مجید سے حضرت نوحؑ کی بددعا سورۃ نوح میں پڑھو "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا" کہ میرے رب! زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیو۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ انہوں نے بھی بددعا کی۔ بخاری شریف میں ہے:۔ "قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَیْھِمْ اِذَا دَعَا عَلَیْھِمْ ..... ثُمَّ سَمّٰی اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلٍ وَعَلَیْکَ بِعُتْبَۃَ بْنِ

رَبِیْعَۃَ وَشَیْبَۃَ اِبْنَ رَبِیْعَۃِ الْاٰخَرَ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا اُلْقِیَ عَلٰی ظَھْرِ الْمُصَلّٰی جلد ا صفحہ ۳۸) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اے اللہ! قریش کو ضرور ہلاک کر۔ آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پس قریش پر یہ شاق گذرا کیونکہ آپ نے ان کو بد دعا دی تھی..... پھر آنحضرت صلعم نے نام لے کر فرمایا اے اللہ! ابوجہل کو ضرور ہلاک کر۔ اے اللہ عتبہ بن ربیعہ۔ اور شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر۔ (۳) اسی طرح قریش ہی کے متعلق آنحضرت صلعم کی بد دعا کا ذکر بخاری جلد ا کتاب الصلوٰۃ باب یہوی بالتکبیر صفحہ ۹۷ مطبع الہیہ مصر میں لکھی ہے:-

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ فَیَقُوْلُ..... اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَکَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ وَاَھْلُ الْمَشْرِقِ یَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُوْنَ لَہٗ" حدیث ہذا کا اردو ترجمہ تجرید البخاری مترجم اردو سے نقل کیا جاتا ہے:-

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے۔ تو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ ربنا لک الحمد دونوں کہتے تھے۔..... اے اللہ! اپنی گرفت قبیلہ مضر پر سخت کر دے۔ اور ان پر قحط سالیاں ڈال دے۔ جیسے یوسف کے عہد کی قحط سالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں قبیلہ مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے۔"

(تجرید مترجم جلد ا صفحہ ۱۷۲ شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور)

(۴) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روائت سے ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم کے بعض آدمیوں کو قبیلۂ بنی عامر کی طرف بغرض سفارت و تبلیغ بھیجا۔ مگر انہوں نے دھوکہ سے قتل کر دیا صرف ایک لنگڑے صحابی بچ گئے۔ اس واقعہ کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ تو آپؐ چالیس دن تک قبیلہ بنی عامر کے لئے بد دعا کرتے رہے۔ "فَدَعَا عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ صَبَاحاً عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَبَنِي لِحْيَانَ وَبَنِي عُصَيَّةَ الَّذِينَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (بخاری باب الحور العین وصفتھن) تجرید البخاری مترجم مطبوعہ ۱۳۴۱ھ حصہ دوم صـ۱۱۵ وصـ۴۶)

ترجمہ:۔ پھر آپؐ نے چالیس دن تک قبیلہ رعل اور ذکوان۔ اور بنی لحیان اور بنی عصیہ (کے لوگوں) پر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تھی بد دعا کی۔" (تجرید حصہ دوم صـ۴۶)

(۵) بخاری شریف جلد ۱ صـ۹۱ کتاب الصلوٰۃ مطبع الٰہیہ مصر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَبْلَ عُوا لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ"

کہ آپؐ نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد مسلمانوں کے حق میں دُعا فرماتے۔ مگر کافروں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

خود کاشتہ پودہ

حضرت مرزا صاحب نے اپنے مکتوب ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء بنام

لفٹننٹ گورنر میں لکھا۔ کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔

جواب :۔ (۱) جھوٹ ہے۔ حضرت اقدس نے ہرگز ہرگز جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار نہیں دیا۔ اگر یہ ثابت کردو۔ کہ حضرت نے اپنی جماعت کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار دیا ہے۔ تو منہ مانگا انعام لو۔

(۲) حضرت اقدس کا یہ مکتوب کوئی مخفی یا پوشیدہ دستاویز نہیں ہے جو تمہارے ہاتھ لگ گئی۔ بلکہ حضرت صاحب نے خود اس مکتوب کو طبع کرا کے اشتہار کی صورت میں بکثرت پبلک میں تقسیم کرایا تھا۔ اور پھر حضورؑ کی وفات پر وہ اشتہار تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۹ سطر ۲ پر طبع ہوا۔

(۳) اس مکتوب میں حضرت نے "خود کاشتہ پودا" کا لفظ حضرت کے خاندان کی دیرینہ خدمات کے پیش نظر اس خاندان کی نسبت استعمال فرمایا ہے۔ نہ کہ جماعت احمدیہ کے متعلق۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

" وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرحوم میرزا غلام مرتضےٰ اور میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی جن کا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سر لیپل گرفن کی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے۔ نیز میرے قلم کی وہ خدمات جو میرے اٹھارہ سال کی تالیفات سے ظاہر ہیں سب کی سب ضائع اور برباد ہو جائیں۔ اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے قدیم وفادار اور خیر خواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدر خاطر اپنے دل میں پیدا کرے اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے۔ کہ ایسے لوگوں کا منہ بند کیا جائے۔ کہ جو اختلافات مذہبی کی وجہ سے۔ یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں ؛؛

التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے۔ اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگذار ہیں۔ اِس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صـ ۱۹ و ۲۰)

عبارت مندرجہ بالا صاف ہے اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اس میں حضرت نے جماعت احمدیہ یا اپنے دعاوی کو سرکار کا "خود کاشتہ پودہ" قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہ لفظ اپنے خاندان کی گذشتہ خدمات کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔ ورنہ اپنے دعاوی کی نسبت تو حضرت صاحبؑ نے اسی خط میں صاف طور پر لفٹنٹ گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں نے مسیح موعود کا دعوئی خدا کے حکم سے اس کی وحی اور الہام سے مشرف ہو کر کیا ہے۔

(۴) نیز حضرتؑ کی ساری عمر عیسائیت کے استیصال میں گذری۔ آپؑ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں اور دوسری یورپین اقوام اور پادریوں کو کھلے کھلے الفاظ میں ۱۸۹۰ء میں (یعنی اس مکتوب سے ۸ سال پہلے) دجّال قرار دیا۔

انجیلی تعلیم اور انجیلی یسوع کی وہ خبر لی کہ ممکن نہیں اس کو پڑھ کر کوئی

عیسائی خوش ہو۔ پس یہ کہنا کہ وہ حکومت انگریزی جس کا مذہب عیسائیت ہے اور جو لاکھوں روپیہ محکمہ چرچ کے ذریعہ تبلیغ عیسائیت میں صرف کرتی ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود کو عیسائیت کی تردید اور استیصال کے لئے سازش کر کے کھڑا کیا۔ انتہائی شرارت اور کذب آفرینی ہے۔

عدالت میں معاہدہ

حضرت مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھ دیا کہ میں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو۔ بغیر فریق ثانی کی اجازت کے شائع نہ کرونگا۔

جواب:۔ حضرت اقدس کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ حضور کسی کی موت کی پیشگوئی بغیر اس فریق کی اپنی خواہش اور اجازت کے شائع نہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ جس کا تم حوالہ دیتے ہو۔ وہ تو ۱۸۹۹ء کا ہے۔ مگر ۱۸۸۶ء میں یعنی اس معاہدہ سے ۱۳ سال قبل حضرت اقدس نے لیکھرام پشاوری و اندرمن مرادآبادی کے متعلق جب اپنی انفرادی انذاری پیشگوئی شائع فرمانے کا ارادہ فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے قضاء و قدر کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اس کو شائع کر دوں۔ اسپر اندرمن مرادآبادی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اسلئے حضور نے اسکی موت کے متعلق کوئی پیشگوئی شائع نہ فرمائی۔ ہاں لیکھرام نے اجازت دی۔ سو اسکی موت کی چھ سالہ پیشگوئی حضور نے شائع فرمادی۔ پھر جو اس کا انجام ہوا۔ وہ سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ حضرت اپنے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں یعنی معاہدہ عدالت سے ۱۳ سال پہلے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے۔ تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو۔ ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھے اطلاع دیں۔ تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں۔ اندراجِ رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے اور موجب دل آزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جائے۔ اور کسی کو اس کے وقتِ ظہور سے خبر نہ دی جائے۔" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۵۸)

پھر حضورؑ عدالت ڈوئی والے معاہدہ کا ذکر کرکے فرماتے ہیں :۔

"یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی۔ کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ آخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کرینگے جبتک خود انکی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں۔ جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے۔ . . . مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرا حیا کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں

کیوں الہام شائع ہوئے؟ اِسی کتاب (تریاق القلوب) کو دیکھیں کہ کیا اِس میں الہام کم ہیں؟" (تریاق القلوب کلاں صفحہ ۸۱ حاشیہ و خورد صفحہ ۱۶۱ و صفحہ ۱۶۲ حاشیہ) پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے:

"اس عاجز نے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں اندرمن مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو انکی قضاء و قدر کے متعلق بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ تو اس اشتہار کے بعد "اندرمن" نے تو اعراض کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا۔ کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۹۳ء و نیز تذکرہ صفحہ ۲۳۱ و تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۴)۔

اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ر جنوری ۱۸۹۹ء یعنی عدالت میں معاہدہ زیر اعتراض کرنے (۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء) سے ایک ماہ قبل تحریر فرماتے ہیں کہ میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے کہ میں نے کبھی کوئی انذاری پیشگوئی بغیر رضامندی مصداق پیشگوئی کے شائع نہیں کی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۲۸)۔

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق ابتداء سے ہی یہ تھا کہ ابتداء اپنی طرف سے نہ کرتے تھے۔ بلکہ فریق مخالف کی رضامندی حاصل کر کے اس کو شائع فرماتے تھے۔ اُسوقت عدالت کا معاہدہ تو کوئی نہ تھا۔

پس جب سالہا سال بعد عدالت میں یہی طریق فیصلہ قرار پایا۔ تو حضور نے اس کو اپنے سابقہ طرزِ عمل کے مطابق پاکر اس کا اقرار کر لیا جس میں ڈرنے کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگر مجسٹریٹ کسی شخص سے یہ کہے کہ تم سچ بولنے یا نماز پڑھنے کا اقرار کرو۔ اس پر ایک ایسے شخص کا اقرار جو پہلے ہی سے سچ بولتا اور نماز پڑھتا ہو۔ بزدلی یا ڈرنے پر محمول نہ ہوگا بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدسؑ کا اقرار آپ کے سابقہ طرزِ عمل کے عین مطابق ہونے کے باعث محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۲) لیکن تم ذرا مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کرو۔ بخاری میں ہے:۔

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ قَالَ نَعَمْ... قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا۔ قَالَ فَعَلَ ذَالِكَ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاءُوْا وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ" (بخاری کتاب الحج)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے آنحضرت صلعم سے کعبہ کی دیوار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ بھی کعبہ میں داخل ہے؟ تو آپ نے فرمایا "ہاں"... پھر میں نے عرض کی کہ دروازہ

کی کیا کیفیت ہے۔ یہ اس قدر اونچا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ تمہاری قوم نے اس لئے کیا کہ جسے چاہیں کعبہ میں داخل کریں۔ اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اس کو بُرا منائیں گے۔ تو میں ضرور دیوار کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔ اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا۔" (تجرید بخاری مترجم جلد ۱ ص ۳۲۱)

اسی طرح حضرت عائشہؓ ہی کی دوسری روایت میں ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تیری قوم جاہلیت کے زیادہ قریب نہ ہوتی تو کعبہ کو گرا کر اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک شرقی دروازہ۔ اور ایک غربی دروازہ۔" (تجرید بخاری مترجم اردو جلد ۱ ص ۳۲۲۔ نیز دیکھو جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۰۱ مجتبائی)۔

اس میں عوام کے "خوف" سے دیوار کعبہ کے متعلق نہایت مفید خواہش کی تکمیل سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔

(۳) صلح حدیبیہ کا واقعہ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور رسول اللہ کو کٹوا دیا۔ اور اس شرط پر صلح کی کہ اگر کوئی غیر مسلموں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئیگا۔ تو ہم اس کو واپس کر دینگے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلا جائے۔ تو وہ اسے واپس نہ کریں۔ نیز یہ کہ طواف کعبہ بھی اس سال نہ ہوگا۔ پس آنحضرت صلعم اس معاہدہ کے بعد

واپس چلے آئے۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اور مشکوٰۃ کتاب الصلح صفحہ ۳۵۳ و صفحہ ۳۵۴ مطبع اصح المطابع و تجرید بخاری مترجم جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ میں بھی ہے۔ لیکن اس جگہ حضرت عمرؓ کے مندرجہ ذیل الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔ جو لکھا ہے کہ آپ نے صلحنامہ کی تحریر کے وقت کہے۔ لکھا ہے:۔ ”وَ ثَبَتَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّاب فَاَتیٰ اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَلَیْسَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسَنَا بِالْمُسْلِمِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسُوْا بِالْمُشْرِکِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِیْ الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ یَا عُمَرُ اَلْزِمْ غَرْزَہٗ فَاِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ عُمَرُ وَ اَنَا اَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ اَتیٰ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَسْتَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسَنَا بِالْمُسْلِمِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسُوْا بِالْمُشْرِکِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِیْ الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا“ (سیرۃ ابن ہشام واقعہ حدیبیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ بن خطاب بڑی تیزی سے ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ اور اُن سے کہا۔ اے ابو بکرؓ! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کریں۔ جس میں ہمارے دین کی ہتک ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ اے عمرؓ! آنحضرت صلعم کی رکاب پکڑے رہ۔ کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔ اے رسول اللہ! کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں ہو۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہیں۔ تو اسپر حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں۔ جس سے ہمارے دین کی ہتک ہو؟

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر انسان بھی "دب کر صلح کرنا" اور اپنی ہتک قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا فی الحقیقت یہ ایسا ہی تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔

بعینہ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقرار بھی تم کو بزدلی نظر آتا ہے۔ مگر اہل بصیرت اس کو بھی حضرتؑ کی فتح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس معاہدہ کے رُو سے مولوی محمد حسین بٹالوی اوّل المکفّرین نے اپنا فتویٰ کفر واپس لے لیا تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو تریاق القلوب)

پھر کیا ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کے بعد حضرت صاحب نے کوئی انذاری پیشگوئی شائع نہیں فرمائی؟ اسکے بعد غلام دستگیر قصوری۔ محی الدین لکھوکے

چراغدین جمونی۔ سعد اللہ لدھیانوی۔ ڈوئی امریکن۔ الٰہی بخش اکونٹنٹ وغیرہ ہلاک ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض کی ہلاکت بددعا اور بعض کی حضرت کی پیشگوئی کے نتیجہ میں ہوئی۔ پس معاہدۂ عدالت الہام الٰہی میں روک نہیں ہوا بلکہ وہ ایسے طریق پر تھا جس پر حضرت ابتدائے دعویٰ ہی سے عمل پیرا تھے۔

جغرافیہ دانی پر اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے "قادیان لاہور سے گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے"۔ (تریاق القلوب صفحہ ح مشمولہ آخر)

جواب :۔ دراصل فقرہ بالا میں لفظ "سے" کاتب کی غلطی سے بجائے "قادیان" اور "لاہور" کے درمیان لکھا جانے کے "لاہور" کے بعد لکھا گیا ہے جس سے مضمون بگڑ گیا ہے۔ اصل فقرہ یوں تھا :۔ "قادیان سے لاہور گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے"۔ اور یہی درست ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ غلطی مصنّف کی نہیں بلکہ کاتب کی ہے۔ یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "ستارۂ قیصریہ" کے پہلے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں :۔ "قادیان لاہور سے مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع ہے"۔ (ستارۂ قیصریہ ص۱)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو قادیان کی سمت لاہور سے معلوم تھی۔ ہاں اگر کاتب کو معلوم نہ ہو تو اس کی ذمہ داری نہیں۔

مسئلہ جہاد

مرزا صاحب نے جہاد کو حرام کیا۔

جواب :۔ قرآن مجید نے "جہاد کبیر" تو اشاعت تعلیم قرآنی کو قرار دیا ہے

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ " وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (فرقان ع۵)
کہ اے نبی! قرآن مجید کے ساتھ کافروں کے بالمقابل جہاد کر۔"

پس جماعت احمدیہ "جہاد کبیر" کرتی ہے۔ مگر تم؟

(۲) بقول شما ہم لوگ تو تلوار کا جہاد اسلئے نہیں کرتے کہ ہم موجودہ زمانہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ مگر تم لوگ تو اس کو جائز بلکہ "فرض" سمجھتے ہو۔ پھر تم کیوں "تلوار" کا جہاد نہیں کرتے؟ تمہاری اپنی حالت تو یہ ہے کہ نہ تم تبلیغ قرآن کرتے ہو جو "جہاد کبیر" ہے۔ اور نہ تلوار کے ساتھ جہاد کرتے ہو جو جہاد صغیر ہے۔ محض زبان سے باتیں بنانے اور بلاوجہ اعتراض کرنے سے کیا فائدہ؟

(۳) یہ غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت تک جہاد کو حرام قرار دیا ہے۔ یا یہ کہ حضورؑ نے قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے (معاذ اللہ) جماعت احمدیہ کا یہ ہرگز مذہب نہیں۔ جماعت احمدیہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت پر جان و دل سے ایمان رکھتی ہے۔ اور ہر آیت کو قیامت تک واجب العمل یقین کرتی ہے تمہاری طرح قرآن مجید کی آیات کو منسوخ نہیں مانتی۔ (ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا زیر عنوان "تناقضات" ضمن ۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ حوالہ دکھاؤ۔ جہاں حضورؑ نے لکھا ہے کہ قیامت تک جہاد حرام ہے۔ اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد منسوخ ہیں۔ تم ایک حوالہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔

بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو یہ فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ حالات میں جہاد بالسّیف فرض نہیں تو یہ فتویٰ بھی اپنے پاس سے نہیں دیا۔ بلکہ شریعتِ اسلامی کی بناء پر ہی دیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"شریعتِ اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں ... قطعی حرام ہے۔"

(براہین احمدیہ حصّہ سوم ملحقہ ٹائیٹل پیج صفحہ ا و ب مطبوعہ ۱۸۸۲ء و تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۶۵)۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت تک جہاد کو حرام قرار نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا:۔ ع "دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال"

پھر فرمایا:۔ ع "عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا"

جس کے معنے یہ ہیں کہ موجودہ زمانہ میں چونکہ حکومت کی طرف سے مداخلت فی الدین نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِس حکومت کے خلاف جہاد کرنے کا موجودہ وقت میں قرآن حکم نہیں دیتا اور یہ جہاد اُس وقت تک "ملتوی" ہے۔ جب تک کہ دین میں مداخلت اور عقائد میں جبر شروع نہ ہو۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"تعجب ہے کہ جبکہ اِس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے نام پر قتل نہیں کرتا۔ تو وُہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔" (رسالہ جہاد صفحہ ۱۳)۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تعلیم قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلعم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے۔ جو آپؐ نے مسیح موعود کے متعلق فرمائی اور جو بخاری میں ہے۔ کہ "یَضَعُ الْحَرْبَ" کہ مسیح موعود کچھ عرصہ کے لئے جہاد کو ملتوی کر دیگا۔ پس "جہاد" سے روکنے کے متعلق فتویٰ حضرت مسیح موعودؑ کا نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفےٰ ام
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا

لکھا نہیں بخاری میں دیکھو تو کھولکر
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
بھولینگے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

(تحفہ گولڑویہ۔ درثمین اردو)

(۶) اچھی طرح سے سُن لو اور یاد رکھو کہ قرآن مجید نے جن شرائط کے ماتحت جہاد سیفی کو فرض قرار دیا ہے۔ اور جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جہاد کیا تھا۔ اگر وہ شرائط آج بھی پائی جائیں۔ تو جماعت احمدیہ یقیناً سیفی جہاد کرے گی۔ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ کوئی مخفی عقیدہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں موجود ہے۔ بلکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے رسالہ "تحفہ لارڈ اروِن" میں اس مسئلہ کو بالوضاحت بیان فرمایا ہے۔

(۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

(الف) "اِس زمانہ میں جہاد رُوحانی صُورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اِس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اِسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دُنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دُوسری صُورت دُنیا میں ظاہر کرے" (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام حضرت میر ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف صلا۶۶۔ نیز دیکھو نور الحق صلا۴۶)۔

(ب) "حقیقۃ المہدی" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"رُفِعَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ بِرَفْعِ اَسْبَابِهَا فِيْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ وَاُمِرْنَا اَنْ نُعِدَّ لِلْكَافِرِيْنَ كَمَا يُعِدُّوْنَ لَنَا وَلَا نَرْفَعَ الْحُسَامَ قَبْلَ اَنْ نُقْتَلَ بِالْحُسَامِ"

(حقیقۃ المہدی صلا۱۹) کہ تلوار کے جہاد کا طریق بوجہ شرائط جہاد موجود نہ ہونے کے اِن ایام میں ہٹایا گیا ہے۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم کافروں سے ویسا ہی سلوک کریں جیساکہ وہ ہم سے کرتے ہیں۔ اور ہم اُس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جبتک کہ وہ ہم پر تلوار نہ اُٹھائیں۔

(ج) تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "لَا شَكَّ اَنَّ وُجُوْهَ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِيْ هٰذَا الزَّمَنِ وَفِيْ هٰذِهِ الْبِلَادِ" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صلا۳) کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کے وجوہ اِس زمانہ اور اِس ملک میں پائے نہیں جاتے۔

(۸) یہی وجہ ہے کہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے بھی لکھا ہے:۔
"جنگ کا نام جہاد نہیں ہے۔ جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ گاہے ماہے پیش آتی ہے۔ اور جہاد کہ اعلائے کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہے۔ مدت دراز تک باقی رہتا ہے۔" (سوانح احمدی کلاں صفحہ ۱۴۱)

پھر لکھتے ہیں:۔
"یہ بھی یاد رہے کہ جہاد سے کچھ ملک گیری اور جنگ و جدال ہی مراد نہیں ہے۔ لفظ جہاد کے معنی سعی و کوشش کرنا ہے۔ سو حسبِ طاقت اور حوصلۂ خود واسطے اعلائے کلمۃ اللہ اور اطفائے نائرۂ ادیانِ باطل اور ذلتِ کفار کی کوشش کرتے رہنا جہاد ہے۔" (صفحہ ۱۵۷)۔

(۹) تفسیر حقانی میں لکھا ہے:۔
"اِس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔"
(تفسیر حقانی طبع ششم صفحہ ۲۱۳ جلد ۴)

(۱۰) حدیث میں ہے:۔ "اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء صفحہ ۳۲۲ مطبع اصح المطابع) کہ سب سے بڑا جہاد سلطان جابر کے سامنے سچی بات کہنا ہے۔

(۱۱) "فتوحات میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو پاس کے کافروں سے قتال کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور کوئی دشمن نفسِ امّارہ کفرانِ نعمت کرنے والے سے بدتر نہیں ہے۔ اور سب دشمنوں سے زیادہ تیرے قریب وہی ہے کہ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّذِيْ بَيْنَ

جنبیک (بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے) تو اس کے قتال میں مشغول ہونا کہ جہادِ اکبر ہے۔ اولیٰ اور انسب معلوم ہوتا ہے۔ اور مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمۃ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں	ماند ازو خصمی بہتر در اندروں
قد رجعنا من جہاد الاصغریم	ایں زماں اندر جہادِ اکبریم
سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند	شیر آنرا داں کہ خود را بشکند

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۴۲۰ مترجم)

(۱۲) مولوی ابو الکلام آزاد اپنے رسالہ مسئلۂ خلافت و جزیرۂ عرب میں لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفین اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے۔ جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ مال سے بھی ہے۔ صرف وقت و عمر سے بھی ہے۔ محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے۔ اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے۔ جس سعی کی ضرورت ہو۔ اور جو سعی جس کے امکان میں ہو۔ اس پر فرض ہے۔ اور جہاد

فی سبیل اللہ میں لغت اور شرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ سورۂ فرقان میں ہے: "فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو۔ سورۂ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوا۔ پس مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا۔ جس کا اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے۔ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔ ... اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ ومحکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ وجدال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ اُن سے جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق اور اتمام حجت و مقاومتِ فساد کا جہاد تھا۔ جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ ... لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقتِ جہاد باقی رہتی ہے۔" (مسئلۂ خلافت و جزیرۂ عرب صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۰۹)

(۱۳) مولوی ظفر علی آف زمیندار کہتے ہیں:-

(ل) "جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اُٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر۔ تحریر۔ سفر۔ حضر ہر طرح سے جدّ و جہد کرے۔" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)۔

(ب) پھر لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان کا اصولِ جہاد بے تشدّد جدّ و جہد ہے۔ اسپر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے۔" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)

(ج) پھر شرائط جہاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اِسلام نے جب کبھی جہاد (بالسیف۔ خادم) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے۔ . . اِس کیلئے امارت شرط ہے۔ اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتداء شرط ہے۔ اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے۔ اسکو کوئی شخص مطعون نہیں کرسکتا البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کیلئے توسیع مملکت کے لئے اقوام عالم کو غلام بنانے کیلئے تلوار اٹھائی ہے۔ تو اِس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)

(د) پھر لکھتے ہیں:۔ "حضرت نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی . . حضرت عیسیٰ کا جمال حضرت داؤد کا نغمہ حکماء کی تصانیف۔ علماء کے مجاہدے۔ اور زاہدوں کی شب زندہ داریاں سب کی سب جہاد ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔" (زمیندار ۲۵ر جون ۱۹۳۶ء)

(س) پھر لکھتے ہیں:۔ "مختصر یہ کہ اِس آیت (جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ خادم) میں جَاهِدْ سے مراد یہ ہے کہ کافروں کو وعظ و نصیحت کر۔ اور انہیں دعوت و تبلیغ کرکے سمجھا۔ امام فخرالدین رازی نے

اپنی مشہور تفسیر کبیر میں یونہی روشنی ڈالی ہے۔" (زمیندار ۲۵ جون ۱۹۳۶ء)

ان تمام اقتباسات سے جو مخالفین احمدیت کے سر برآوردہ بزرگوں کی تحریرات سے لئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے بارہ میں جو تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دی وہی درست اور صحیح ہے۔ اور اس پر اسلامی تعلیم کے رُو سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ پس ان حالات میں یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ کیا۔ انتہائی ہٹ دھرمی اور ظلم ہے۔

معراج

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھا۔ بلکہ رُوحانی تھا۔

الجواب :۔ (۱) بخاری میں معراج کی حدیث کے آخر میں ہے۔" وَاسْتَیْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " (بخاری کتاب التوحید باب قولہٗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ جلد ۴ صفحہ ۱۸۵ مصری) کہ پھر آنحضرت صلعم جاگ پڑے۔ اور آپ مسجد حرام میں تھے۔ کیا آسمان سے اُترنے والا آدمی جاگا کرتا ہے یا سویا ہوا؟

(۲) حضرت معاویہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ۔ شاہ ولی اللہ۔ حضرت امام ابن قیم۔ یہ سب معراج رُوحانی کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے۔" وَاخْتُلِفَ فِيْ اَنَّهٗ كَانَ فِي الْيَقْظَةِ اَمْ فِي الْمَنَامِ فَعَنْ عَائِشَةَ رَضِ اَنَّهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَلٰكِنْ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ وَعَنِ الْحَسَنِ كَانَ فِي الْمَنَامِ رُؤْيَا رَاٰهُ صلعم " (تفسیر کشاف صفحہ ۵۵۷) کہ اس بات میں

اختلاف ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوا یا سوتے ہوئے۔ پس حضرت عایشہ رضؓ کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلعم کا جسم یہاں سے گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپؐ کی روح اٹھائی گئی تھی۔ اور حضرت معاویہ رضؓ نے بھی فرمایا کہ آپ کی روح اٹھائی گئی۔ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ معراج نیند کی حالت میں ایک خواب تھا۔ جسے آنحضرت صلعم نے دیکھا حضرت عائشہؓ کا قول وغیرہ (زاد المعاد مصنفہ حافظ ابن قیم جلد ۱ صـ ۳۰۴ و تفسیر کبیر جلد ۵ صـ ۳۷۸ و سیرت ابن ہشام جلد ۱ صـ ۲۶۵ مطبوعہ لنڈن ابن جریر جلد ۱۵ صـ ۱۳ و حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ باب الاسرار و تذکرۃ الملوک صـ ۱۳ و شرح شفا ملا علی قاری جلد ۱ صـ ۴۰۳ و شہاب علی الشفا جلد ۲ صـ ۲۸۷ و تفسیر خازن جلد ۴ صـ ۱۱۱ و افادہ جلد ۲ صـ ۴۲ میں درج ہے۔

نوٹ:- یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کی شہادت خواہ عینی نہ بھی ہو پھر بھی قابل قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلف اٹھا کر بیان کی ہے۔ نیز اس کے متعلق لکھا ہے۔ "فَاِذَا لَمْ تُشَاهِدْ ذَالِكَ عَائِشَةُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهَا حَدَّثَتْ عَنْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَحَدِيْثُهَا مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ صَحِيْحٌ اَيْضًا۔" (شہاب علی الشفا جلد ۲ صـ ۴۰۱) کہ جبکہ حضرت عائشہ رضؓ نے یہ واقعہ خود نہیں دیکھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے روایت اپنے علاوہ کسی صحابی سے لی ہے۔ پس اندریں صورت یہ حدیث مرسلات صحابہ سے ہوگی۔ جو وہ بھی صحیح ہے۔ پس حضرت عائشہ رضؓ کی شہادت سب سے زیادہ وزن دار ہے۔ اور ان کا حلف اٹھانا بتاتا ہے کہ غالباً انہوں نے خود آنحضرت صلعم سے یہ بات

معلوم کی ہوگی۔ ورنہ پورے وثوق کے بغیر قسم نہیں اٹھائی جاسکتی۔ پس جبکہ معراج کے جسمانی یا روحانی ہونے کا مسئلہ ابتدا ہی سے اختلافی ہے۔ پھر کیا اعتراض؟

حج بند

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ خدا نے میرے وقت میں حج بند کر دیا ہے۔ اب کوئی حج کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب۔ یہ جھوٹ ہے۔ حقیقۃ الوحی کیا کسی کتاب سے دکھا دو۔ تو انعام لو۔

(۲) حضرت نے تو حقیقۃ الوحی میں یہ لکھا ہے کہ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں حج کسی مدت تک روک دیا جائیگا۔ چنانچہ میرے زمانہ میں ایک دفعہ سخت بیماری پڑنے کی وجہ سے ایک سال ۹۹ ۱۹۰۰ء کیلئے روک دیا گیا تھا۔ وبس۔ حضرت نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے اب حج کے فرائض کو منسوخ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

(۳) "جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے" (کشتی نوح صفحہ ۱۲)

(۴) حدیث جس کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے۔ منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰ پر ہے:۔ "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُحَجَّ الْبَیْتُ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَاکِمُ"

تقدیر اور ملائکہ کوئی نہیں (ازالہ اوہام ٹائیٹل پیج)

جواب:۔ جھوٹ ہے۔ ازالہ اوہام کے ٹائیٹل پیج چھوڑ حضرت کی کسی کتاب میں بھی تقدیر اور ملائکہ کا انکار نہیں۔ بلکہ حضرت نے تو بار بار خدا تعالیٰ کی تقدیر اور ملائکہ کا اقرار کیا ہے:۔ سہ

قبضۂ تقدیر ہیں دل ہیں اگر چاہے خدا
(براہین حصہ پنجم)
پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

پھر فرمایا:۔ ع تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار
(ایضاً)
اے مرے مولا! تو اب فوج ملائک کو اتار

(۲) "ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق۔ حشر اجساد حق اور حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۸۶)۔

قرآن میں گالیاں بھری ہیں (ازالہ)

جواب۔ قطعاً جھوٹ ہے حضرتؑ نے تو لکھا ہے کہ اگر ہر وہ بات جو قدرے سخت ہو۔ خواہ وہ امر واقعہ ہو۔ گالی ہے۔ تو پھر ماننا پڑیگا کہ قرآن میں گالیاں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید تو کافروں کے سب پردے کھول کر رکھدیتا ہے۔ انکو گالی قرار دینا خود حماقت ہے۔ کیونکہ اظہار واقعہ اور چیز ہے اور گالی اور۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو شرطی طور پر لکھا ہے۔ نہ کہ مطلق۔

خدا کی طاقتیں تیندوے کے جال کی طرح
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔

جواب۔ خدا تعالیٰ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" کا مصداق تو ضرور ہے۔ مگر اسکی بعض صفات کو بیان کرنے کیلئے اگر دنیوی مثال نہ دیجائے تو کہاں سے دیجائے۔ خود قرآن مجید نے "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ" فرمایا ہے۔ گویا خدا کے نور کی مثال ایک قندیل کی طرح ہے۔ جس طرح نور خدا وندی کی مثال مشکوٰۃ سے دیجا سکتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح خدا کی صفات کا ایک ہی وقت میں مختلف

اوقات اور مختلف مقامات میں اثر پذیر ہونا بھی تیندوے کے جال والی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ دربارہ ولادتِ مسیحؑ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور خدا کے فضل سے یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے۔ اہلِ پیغام کے عقیدہ کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں اور نہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی پرواہ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے چند حوالجات لکھے جاتے ہیں:- (۱) "ھُوَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ بِالْقُدْرَةِ الْمُجَرَّدَةِ" (مواہب الرحمٰن ص۷۲) اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی قدرتِ مجردہ سے بے باپ پیدا ہوئے۔

(۲) "کَذَالِکَ تَوَلُّدُ عِیْسٰی مِنْ دُوْنِ الْاَبِ" (مواہب الرحمٰن ص۷۶)

اسی طرح سے عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا ہے۔

(۳) "اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے۔"

(ترجمہ عربی مواہب الرحمٰن ص۷۲)

(۴) کشتی نوح ص۱۵ "مریم صدیقہ نے پارسائی کی"

(۵) "من عجب تر ز مسیح بے پدر" (درثمین فارسی)

(۶) تحفہ گولڑویہ ص۳۲ و ص۱۱۰ و حاشیہ ص۱۹۸۔

نبی کی ہر دُعا قبول نہیں ہوتی

مرزا صاحب نے مبارک احمد اور مولوی عبدالکریم صاحب کی صحت کیلئے دُعائیں کیں مگر قبول نہ ہوئیں اور وہ فوت ہوگئے۔

الجواب:۔ ضروری نہیں کہ نبی کی ہر دعا قبول ہو:۔ (۱) صحیح ترمذی میں ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ "اِنِّیْ سَاَلْتُ اللّٰہَ فِیْھَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِیْ اِثْنَتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَۃً" (ترمذی باب الفتن جلد ۲ صفحہ ۴۲ مجتبائی) کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں جن میں سے خدا نے دو منظور کرلیں اور ایک نامنظور کردی۔ وہ نامنظور دعا یہ تھی:۔ "سَاَلْتُہٗ اَنْ لَّا یُذِیْقَ بَعْضُھُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْھَا" (ایضاً نیز مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صفحہ ۵۱۳ مطبع اصح المطابع) کہ میں نے دعا کی میری اُمت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے نہ لڑے۔ مگر خدا نے منظور نہ کی۔

(۲) اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ" (مسلم کتاب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۳۵۹ مصری) کہ میں نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی والدہ کیلئے استغفار کرنے کی اجازت دیجائے۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔ (نیز دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۴۱۵)۔

(۳) حضرت امام غزالیؒ اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں فرماتے ہیں "کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا سے دعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دعائیں قبول ہونے کا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا" (اردو ترجمہ علم الکلام صفحہ ۱۷)۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دعاؤں کی قبولیت کی تفصیل کو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸ و صفحہ ۳۲۱ و آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۷ طبع سوم پر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلعم پر دعویٰ فضیلت کا الزام

(أ) "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰)

(ب) "اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲)

الجواب۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۲ "باستثنا قرآن کریم۔" (۲) نزول المسیح صفحہ ۸۹ "ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی۔ قلمبند کرتے جاؤ۔ اور پھر اگر آپ لوگوں کیلئے ممکن ہو تو باستثنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو انکے مقابل پر پیش کردو۔" (۳) ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھلائے کہ بہت ہی کم نبی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اسقدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اسقدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں انکا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۶)

پھر فرماتے ہیں "کسی نبی سے اسقدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے۔ جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں۔ اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہینگے۔ جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سے کئی لاکھ زیادہ ہیں۔ اب اگر یہ سوال ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات کیوں لکھے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "تین ہزار معجزات" آنحضرت صلعم کے کل معجزات نہیں بلکہ یہ صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف وہ معجزات جو صحابہ رضؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے۔ اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی۔ جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ ہمارے لئے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔" (تصدیق النبی صفحہ ۲) پس ثابت ہوا کہ

(الف) "تین ہزار معجزات" سے مراد صرف اسقدر معجزات ہیں جو صحابہ رضؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔" (ب) پیشگوئیاں ان معجزات میں شامل نہیں۔

(ج) وہ پیشگوئیاں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں پوری ہوئیں وہ علاوہ ان تین ہزار معجزات کے دس ہزار سے زیادہ تھیں۔

(د) آپ کی پیشگوئیاں اور معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ لہذا ان کو گنا ہی نہیں جا سکتا۔

پس اندریں حالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "نشانات" جن میں پیشگوئیاں بھی شامل ہیں۔ اگر تین لاکھ کی بجائے دس لاکھ بھی ہوں، پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں ٹھہرتی۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

" یہ سہولت کامل (نشر و اشاعت کی) پہلے کسی نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس سے باہر ہیں۔ کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا۔ وُہ انہی کا ہے۔" (نزول المسیح صٓ۲۳ حاشیہ)

اِن عبارات میں حضرت ؑ نے جو اپنے نشانات و معجزات کو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو یہ محض کسر نفسی کے طور پر نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود ؑ نے اپنے بعض نشانات۔ جو حقیقۃ الوحی صٓ۱۹۳ سے اخیر کتاب تک لکھے ہیں۔ اگر ان کو بغور دیکھا جائے۔ تو وہ سب کے سب آنحضرت صلعم ہی کے نشانات اور معجزات ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً حقیقۃ الوحی صٓ۱۹۳ پر پہلا نشان حضرت ؑ نے حدیث مجدّدین کو قرار دیا ہے کہ ہر صدی پر مجدد دین آنے کی پیشگوئی میری صداقت کا نشان ہے۔ اب یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس کا چودھویں صدی کے سر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود ؑ کی صداقت کا نشان ہے، وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔

اسی طرح حقیقۃ الوحی ص۱۹۴ پر حدیث کسوف و خسوف رمضان۔ دار قطنی ص۱۸۸ کو حضرت ؑ نے اپنی صداقت کا دوسرا نشان قرار دیا ہے۔ اور درحقیقت یہ بھی آنحضرت صلعم کی پیشگوئی ہے۔ اور اس کا ۱۸۸۶ء میں حضرت اقدس ؑ کے زمانہ میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حقیقۃ الوحی ص۱۹۸ پر تیسرا نشان ستارہ ذو السنین کے نکلنے کی پیشگوئی اور اس کا حضرت ؑ کے وقت میں ظاہر ہونا قرار دیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مہدی کے وقت میں ستارہ ذو السنین نکلنے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جو حجج الکرامہ ص۳۴۵ پر درج ہے۔ پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان ہے۔ غرضیکہ اسی طرح پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں هلم جرا۔ نشان حضرت اقدس ؑ نے اپنی صداقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی پیشگوئیوں کو قرار دیا ہے۔

غرضیکہ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرار دئے ہیں انتہائی بد دیانتی اور شرارت ہے خصوصاً جبکہ حضرت اقدس کا دعویٰ ہی یہ ہے۔ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ کہ میں آنحضرت صلعم کا شاگرد ہوں اور ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاک وجود سے ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۷)

نیز ؎ وُہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دِلبر میرا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں۔ اُس کا ہی میں ہُوا ہوں
وُہ ہے میں چیز کیا ہوں۔ بس فیصلہ یہی ہے

(درثمین اردو)

میرے لئے دو گرہن

حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کیلئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہُوا تھا اور میرے لئے دو کا۔ ؎

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَاِنَّ لِیْ
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ اَتُنْکِرُ

الجواب مفصل طور پر پچھلے اعتراض کے جواب میں گذر چکا ہے کہ خسوف و کسوف کا نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ دارقطنی صفحہ ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ظاہر ہُوا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ ”اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ“ کہ ہمارے مہدی کے لئے یہ دو نشان ہونگے۔ پس ان دو نشانوں کا آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہونا سب سے پہلے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ پس یہ دو نشان جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے بھی یہ دو نشان ہوئے۔ ایک نشان شق القمر کا جو آنحضرت صلعم کی زندگی میں

ظاہر ہوُا۔ وُہ اِن دوؔ کے علاوہ ہے۔ غرضیکہ درحقیقت آنحضرت صلعم کی صداقت کے تین نِشان ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے اِس کے بالمقابل دوؔ نشان!

اب اگر کوئی کہے کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیوں آنحضرت صلعم کا ایک ہی نشان اور اپنے دوؔ نشان لکھے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اِس قصیدہ میں اپنے مخالف علماء مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مخالف مولوی تو یہ نہیں مانتے کہ حدیث کسوف وخسوف مندرجہ دار قطنی صـ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء میں چاند سورج کو گرہن لگا۔ وُہ تو اسکو حدیث ہی قرار نہیں دیتے بلکہ امام محمدؒ باقر کا قول قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک یہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی نہ تھی جو پُوری ہوئی۔ بلکہ یا تو کسی جھوٹے راوی کی پیشگوئی تھی۔ یا زیادہ سے زیادہ امام محمدؒ باقر کی۔ پس بخیال غیر احمدیاں آنحضرتؐ کی تائید میں ایک ہی نِشان شق القمر کا ہوُا۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو الزامی طور پر یہ کہا کہ آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک نشان تھا۔ اور میری تائید میں دوؔ نشان۔

ورنہ حضرت صاحب کے نزدیک تو "جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل وہ سب آنحضرت صلعم کے معجزات ہیں"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۳۵)۔ یہی حقیقت ہے۔

باقی رہا محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کا صـ۲۵۵ پر لکھنا کہ " لہ خسف

اَلْقَمَرُ الْمُنِیْرُ" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں صرف "چاند گرہن" ہوا تھا۔ اور چاند کے دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے محض جہالت ہے کیونکہ عربی زبان میں "خسف" کے معنے ٹوٹنے۔ سوراخ دار ہونے کے بھی ہیں۔ اور گرہن لگنے کے بھی۔ پس اعجاز احمدی کے شعر میں جہاں آنحضرت صلعم کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ وہاں اس کے معنی "اِنْشَقَّ الْقَمَرُ" ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے لئے استعمال ہوا۔ وہاں اسکے معنے محض گرہن کے ہیں جیسا کہ واقعہ ہوا تھا۔ "شق القمر" کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب "سرمہ چشم آریہ"۔ نیز چشمہ معرفت حصہ دوم صہ۱۷۴ پر صاف طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی قاضی اکمل صاحب کا یہ شعر ؎

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں

پیش کیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "الفاظ ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں"۔ (الفضل ۱۹ر اگست ۱۹۳۴ء صہ۵ جلد ۲۲ ۲۲)۔

اسی طرح ڈاکٹر شاہنواز صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ریویو آف ریلیجز کا ایک فقرہ کہ "حضرت مسیح موعودؑ کا ذہنی ارتقاء

آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا" پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اِس نتیجہ کو "غلط" قرار دیا ہے۔ اور ان الفاظ کو نامناسب اور قابلِ اعتراض قرار دیا ہے۔ (الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء)

صد حسین است در گریبانم

الجواب (۱) اس شعر میں حضرت نے اپنی فضیلت یا اپنے مقام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر فرمایا ہے جیساکہ مصرع اوّل میں ہے "کربلا ایست سیر ہر آنم" (۲) "گریبان" بمعنی "جیب" نہیں ہُوا کرتا بلکہ گریبان قمیص کے نیچے تو انسان کا اپنا وجود خصوصاً دل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت میں کربلا کے میدان اور شہادت حسینؓ کا خیال ذہنی اور حالی طور پر رکھتا ہوں۔ گویا میرے دل میں سو حسین کیلئے جگہ ہے۔ پس یہ اظہارِ محبت ہے۔ (۳) حضرت نے اپنی اور اپنے معتقدین کی تکالیف اور کابل کے شہداء کے پیش نظر یہ فرمایا ہے (۴) گو اس شعر میں حضرت نے حضرت امام حسین پر اپنی فضیلت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کو بیان فرمایا ہے۔ مگر تاہم ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور نبی بہرحال ایک غیرنبی سے افضل ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مسیح موعود حضرت امام حسین سے بڑا ہوگا یا چھوٹا۔ (۵) امام محمد ابن سیرین کی روایت حجج الکرامہ میں درج ہے "تَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيفَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ"۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) کہ اس اُمت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابوبکر و عمر سے افضل ہوگا۔ (۶) حضرت مسیح موعودؑ نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے

"صد حسین است در گریبانم" تمہارے معنی ہی مان لئے جائیں تو پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحؒ پیران پیر فرماتے ہیں:۔ "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ" (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد اصفحہ ۳۴۴ مکتوب ۲۷۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہزار امام حسین رضؓ بھی ایک اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمائیے! حضرت پیران پیر پر آپ کیا فتویٰ لگاتے ہیں؟ (۷) حضرت پیران پیر فرماتے ہیں:۔ اَلْمَھْدِیُّ الَّذِیْ یَجِیْءُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ فِی الْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صلعم وَفِی الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِیْقَۃِ تَکُوْنُ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ تَابِعِیْنَ لَہٗ کُلُّھُمْ لِاَنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صلعم۔ (شرح فصوص الحکم مطبعة الزاہر مصریہ صفحہ ۵۱-۵۲) کہ امام مہدی علیہ السلام جو آخری زمانہ میں ہونگے۔ چونکہ وہ احکام شرعی میں آنحضرت صلعم کے تابع ہونگے۔ اس لئے معارف اور علوم اور حقیقت میں تمام کے تمام ولی اور نبی اسکے تابع ہونگے کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلعم کا باطن ہوگا۔ (۸) حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر سے حضرت امام حسین رضؓ کی توہین ہرگز مقصود نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "کوئی شخص حسین یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ دست بدست اسکو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۸ نیز مفصل دیکھو حضور کا اشتہار ۸ راکتوبر ۱۹۰۵ء تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲ و صفحہ ۱۰۵)۔

ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

جواب:۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحہ فرماتے ہیں:۔ "لیس فی جبتی سوی اللہ" (مکتوبات امام ربانی جلد ا صفحہ ۲۴۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیز رسالہ صراط مستقیم صفحہ ۱۲ و ۱۴)

منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد

الجواب:۔ حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحہ فرماتے ہیں: "میں اپنے جد امجد کے قدم پر ہوں۔ نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلعم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے قدم اپنا اس جگہ پر۔" روایت شیخ شہاب الدین سہروردی (کتاب بہجۃ الاسرار بحوالہ گلدستہ کرامات مؤلفہ ۱۲۷۷ھ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۱)

(۲) پھر فرماتے ہیں "ھذا وجود جدی صلعم لا وجود عبد القادر" (گلدستہ کرامات صفحہ ۱) کہ یہ عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ محمد کا وجود ہے۔ (۳) ان باطنہ باطن محمد صلعم" (شرح فصوص الحکم مطبوعہ الزاہر مصریہ صفحہ ۵۱ و ۵۲) کہ مہدی کا باطن محمد صلعم کا باطن ہوگا۔ (یہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحہ کا قول ہے) پس اگر ایک غیر نبی کے اس قسم کے اقوال تمہارے نزدیک محل اعتراض نہیں، تو ایک نبی کے اقوال پر تمہارا اعتراض مضحکہ خیز ہے۔ (۴) حضرت اسمٰعیل شہید صراط مستقیم صفحہ ۱۲/۱۴ پر فرماتے ہیں:۔ "چوں امواج جذب کشش رحمانی نفس کاملہ ایں طالب را در قعر لجج بحار احدیت فرو میکشد۔ زمزمہ "انا الحق" و "لیس فی جبتی سوی اللہ" ازاں سر برمے زند کہ کلام ہدایت التیام کنت سمعہ الذی یسمع بہ الخ ..... وز نہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی

وبانگاریپش نہ آئی۔ زیراکہ چوں از نارِ وادیٔ مقدس ندائِ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سر بر زد۔ اگر از نفسِ کاملہ کہ اشرفِ موجودات است و نمونۂ حضرت ذات است۔ آوازِ انا الحق بر آید محلِ تعجب نیست۔"

(۵) امام مہدی کی علامات ہیں ہے:۔" یَقُوْلُ یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ ... اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ ... فَهَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ۔"

(بحار الانوار جلد ۳ صـ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہیگا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ وُہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مَیں ہوں۔ گویا" منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کہنا مہدویت کی علامت ہے نہ کہ محلِ اعتراض!۔ (مکمل حوالہ دیکھو پاکٹ بک ہذا صـ۱۰۱۲)

حضرت فاطمہ رضؓ کی ران پر سر رکھنا

مرزا صاحب نے یہ لکھ کر کہ مَیں نے خواب میں حضرت فاطمہ رضؓ کی ران پر سر رکھا۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی توہین کی ہے۔

جواب:۔ تمہاری دھوکہ دہی اور تحریف کو طشت از بام کرنے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے:۔" کشف ... دیکھا تھا کہ حضرت پنجتن سید الکونین حسنین فاطمۃ الزہرا رضؓ اور علی رضؓ عین بیداری میں آئے۔ اور حضرت فاطمہ رضؓ نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ .. غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی۔" (تحفہ گولڑویہ صـ۱۳) گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضورؑ حضرت فاطمہ رضؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور عبارت میں "مادرانہ عطوفت" کا لفظ بھی موجود ہے۔ (ب) دُوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک کشف میں ۔ ۔ ۔ میرا سر بیٹوں کی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہے۔" (نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ ص ۴۹)

(ج) "مادرِ مہربان کی طرح" (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

اب دیکھو ان عبارتوں میں کسقدر صراحت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت فاطمۃ الزھراء کا بیٹا قرار دیا گیا ہے!

(۲) لیکن ذرا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحؒ کے اِس کشف کی تعبیر کر دیناء۔

"قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنِّیْ فِیْ حِجْرِ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا وَ اَنَا اَرْضَعُ ثَدْیَہَا الْاَیْمَنَ ثُمَّ اَخْرَجْتُ ثَدْیَہَا الْاَیْسَرَ فَرَضَعْتُہٗ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ۔" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر جیلانی رحؒ مطبوعہ مصر ص ۵۷ سطر ۸) کہ فرمایا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحؒ نے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں ہوں۔ اور اُن کے دائیں پستان کو چُوس رہا ہوں۔ پھر میں نے بایاں پستان باہر نکالا۔ اور اُس کو چُوسا۔ پس اسوقت آنحضرت صلعم اندر تشریف لے آئے۔

بتایئے! حضرت عائشہ رضؓ کی توہین تو نہیں ہوئی؟

یاد رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جسمانی رشتہ (مثلاً نسل حضرت عائشہ رضؓ سے ہونا وغیرہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہونے کے باعث ان کے فرزند تھے۔ خادم

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بےشمار

الجواب:۔ اس شعر سے مراد یہ ہے کہ ان انبیاءؑ کی کوئی نہ کوئی صفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپؑ جامع جمیع صفات و انبیاءؑ ہیں۔ چنانچہ خود حضرتؑ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں آدمؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں۔ میں اسحٰقؑ ہوں۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعے سے ظہور ہو" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۸۵)

(ب) بحار الانوار میں امام باقرؑ فرماتے ہیں:۔ "یَقُوْلُ (الْمَهْدِيُّ) یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ فَهَا اَنَاذَا اِبْرَاهِیْمُ وَ اِسْمٰعِیْلُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُوْسٰی وَ یُوْشَعَ فَهَا اَنَاذَا مُوْسٰی وَ یُوْشَعُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عِیْسٰی وَ شَمْعُوْنَ فَهَا اَنَاذَا عِیْسٰی وَ شَمْعُوْنُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فَهَا اَنَاذَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہیگا کہ اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سن لے کہ میں ہی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ ہوں اور اگر تم میں سے موسیٰؑ و یوشعؑ کو دیکھنا چاہے تو سن لے کہ میں ہی موسیٰ اور یوشعؑ ہوں۔

اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ و شمعونؑ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سُن ۔ لے کہ عیسیٰؑ اور شمعونؑ میں ہوں۔ اور اگر کوئی تم میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرالمومنین علی رضؓ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرالمومنین میں ہوں"

پھر فرماتے ہیں :۔

"قَوْلُهٗ فَهَا اَنَا ذَا اٰدَمُ يَعْنِيْ فِيْ عِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ" (بحارالانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۹)

کہ امام مہدی کا یہ فرمانا کہ میں آدم ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے علم و فضل اور اخلاق مجھ میں پائے جاتے ہیں۔

غرضیکہ ؎

ہیں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

کہنا امام مہدی کی علامت ہے۔ اور حضرت اقدسؑ میں اس علامت کا پایا جانا آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ نہ کہ جائے اعتراض۔

غار ثور کی خستہ حالت

حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھ کر غارِ ثور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی نہایت خستہ حالت میں تھی اس میں جانوروں کا میلا پڑا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کی توہین کی ہے۔

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز توہین نہیں کی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لیے غیرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو

یہ مانیں کہ حضورؐ کو جب دشمنوں نے مارنا چاہا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے رات کی تاریکی میں بھاگنے کا حکم دیا اور پھر ایک نہایت گندے غار میں آپکو پناہ دی مگر جب مسیح کے دشمنوں نے انکو مارنا چاہا تو خدا انکو آسمان پر اُٹھا کرلے گیا۔

(ب) غار ثور کی خستہ حالت کے متعلق حضرت اقدسؑ نے جو کچھ لکھا وہ درست ہے، ملاحظہ ہو:۔ "صدیق رضی اللہ عنہ چوں دید کہ پائے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح گشت۔ آنحضرتؐ را بر گردن بنشاند و گفت یا رسول اللہ! اینجا توقف کن تا اول من دریں غار درآیم کہ شب است تاریکؐ غار خالی از حشرات نے باشد تا از اشکِ دیدہ منزلت را آب زنم و بجاروب مژہ مسکنت را بروبم پس صدیق اکبر ایں گفتہ و در غار آمد۔ غارے دید بسا خراب شدہ و مدتے کسے آنجا نہ رسیدہ و عہدِ بعید روئے ہیچ نزیلے نہ دیدہ۔ و بر مثالِ سجلاتِ زلات عصاۃ سیاہ و تاریک گشتہ و مانند بیت الحزانِ محرومانِ بے سامان گشتہ در غایتِ ضیق و ناہمواری چوں اکباد عشاق پُر از حیات و عقارب۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ جامہ در بر داشت پارہ پارہ کردہ و بدستِ مبارک خود دراں تاریکی یک یک سوراخ را تفحص کردہ بہ پارۂ آں جامہ محکم میکرد۔ پس ابوبکرؓ بر آں طریقہ تمام سوراخہا مسدود ساخت۔ مگر یک سوراخ کہ جامۂ او بداں وفا نہ کرد و پاشنۂ پائے خود را بآنجا فشرد۔ و آنچہ در خدمتگاری دست میداد بپیش مے برد۔ بعد ازاں حضرت رسالت را (صلے اللہ علیہ وسلم) استدعا نمود تا آنحضرتؐ در غار درآمد۔"

(معارج النبوت رکن ۴ صفحہ ۶۰)

پھر لکھتے ہیں:۔

"پاہائے مبارکِ آں سرورِ مجروح شد - ابوبکر صدیق اورا بر دوشِ خود داشت و بہ درِ غار رسانید - و نخست خود در غار آمد تا آفتے و مکروہے بآنحضرت نرسد و ہوام در آں غار مسکن داشتند - پس باندروں رفت و بہ نشست و احتیاط کرد - و حجرہ تاریک بود - ہر سوراخ کہ یافت وصلہ از جامہ خود کہ بس قیمتی بود - پارہ بیساخت و سوراخ بآں مضبوط مے کرد - و یک سوراخ ماند کہ جامہ بآں وفا نہ کرد - پاشنۂ پائے خود بآں محکم گردانید - پس گفت یا رسول اللہ - اندر آ - حضرت در آمد"۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۲ مصنفہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی)۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۴ پر غارِ ثور کی جس خستہ و خراب حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ بالکل درست ہے۔

باقی تمہارا یہ کہکر دھوکہ دینا کہ صفحہ ۱۱۳ تحفہ گولڑویہ میں حضرتؑ نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ انتہائی شرارت ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا روضہ حجرۂ عائشہ رضؓ تھا۔ یعنی وہ مکان تھا جس میں حضورؐ اپنی زندگی میں خود رہتے تھے کیا وہ غیر آباد تھا؟

حضرت مریم کی توہین کا الزام

مرزا صاحب نے چشمۂ مسیحی کے صفحہ ۱۵ پر حضرت مریم پر نعوذ باللہ تہمت لگائی

جواب۔ یہ جھوٹ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی طرف سے ان کے

یوسف نجار کے ساتھ نکاح پر کوئی اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض کہ حضرت مریم نے باوجود ہیکل کیخدمت کا عہد کرنیکے حمل کے سات مہینے بعد یوسف کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا اعتراض نہیں بلکہ انجیل کی تعلیم کی رو سے یہودیوں کا اعتراض ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل درج کیا ہے۔

"یہ لوگ (عیسائی ۔ خادم) اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کسقدر اعتراض کا نشانہ ہے۔ دیکھو یہ کسقدر اعتراض ہے کہ مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا۔ تاکہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ رہے" الخ (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۵)

گویا یہ اعتراض انجیل پر وارد ہوتا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس اعتراض کو نقل کرکے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی فرما دیا ہے "ہم قرآن شریف کی تعلیم کے رُو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا۔" (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۵)

باقی رہا حضرت مریم کا خدا تعالیٰ کی قدرت مجردہ سے حاملہ ہو جانے کے بعد یوسف سے نکاح کر لینا۔ یہ کوئی ناجائز فعل نہیں ہے اور اس کے لئے تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ کی مشہور و معروف کتاب الکامل ابن اثیر میں لکھا ہے :۔ "قَدْ ذَکَرْنَا حَالَ مَرْیَمَ فِیْ خِدْمَۃِ الْکَنِیْسَۃِ وَکَانَتْ ھِیَ وَابْنُ عَمِّھَا یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ مَاثَانِ النَّجَّارُ یَلِیَانِ لِخِدْمَۃِ الْکَنِیْسَۃِ وَکَانَ یُوْسُفُ حَکِیْمًا نَجَّارًا یَعْمَلُ بِیَدِہٖ وَیَتَصَدَّقُ بِذٰلِکَ۔ وَقَالَتِ النَّصَارٰی اَنَّ مَرْیَمَ کَانَ قَدْ تَزَوَّجَھَا یُوْسُفُ ابْنُ عَمِّھَا اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَقْرِبْھَا اِلَّا بَعْدَ رَفْعِ الْمَسِیْحِ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَكَانَتْ مَرْيَمُ اِذَا نَفِذَ مَاءُهَا وَمَاءُ يُوسُفَ
بْنِ عَمِّهَا اَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قُلَّتَهُ وَانْطَلَقَ اِلَى الْمَغَارَةِ
الَّتِيْ فِيْهَا الْمَاءُ يَسْتَعْذِبَانِ مِنْهُ ثُمَّ يَرْجِعَانِ اِلَى الْكَنِيْسَةِ
فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ لَقِيَهَا فِيْهِ جِبْرَائِيْلُ نَفِذَ مَاءُهَا
فَقَالَتْ لِيُوسُفَ لِيَذْهَبَ مَعَهَا اِلَى الْمَاءِ فَقَالَ عِنْدِيْ مِنَ الْمَاءِ
مَا يَكْفِيْنِيْ اِلَى غَدٍ فَاَخَذَتْ قُلَّتَهَا وَانْطَلَقَتْ وَحْدَهَا حَتّٰى
دَخَلَتِ الْمَغَارَةَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِيْلَ" (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱ ص ۱۲)

ترجمہ:- "حضرت مریم کے کلیسیہ کی خدمت کا حال ہم نے اوپر ذکر
کر دیا ہے۔ مریم اور اس کے چچا کا بیٹا یوسف بن یعقوب بن ماثان
نجار۔ دونوں کلیسیہ کی خدمت پر مقرر تھے اور یوسف حکیم اور ترکھان تھا
جو اپنے ہاتھوں سے کام کر کے صدقہ دیا کرتا تھا۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ
مریم سے اس کے چچا کے بیٹے یوسف نے نکاح کر لیا ہوا تھا۔ لیکن حضرت
عیسیٰؑ کے رفع کے بعد تک وہ حضرت مریم کے نزدیک نہیں گیا تھا۔
واللہ اعلم! اور مریم اور یوسف کے مشکیزے کا پانی جب ختم ہو جاتا تو
وہ دونوں اپنا اپنا برتن لیتے اور اس غار میں جاتے جہاں پانی تھا۔ اور
وہاں سے پانی لیکر واپس گرجا میں آجاتے تھے۔ لیکن جس دن حضرت
جبرائیل حضرت مریم سے ملے اس دن حضرت مریم کا پانی ختم ہو گیا۔
اور انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ پانی لینے چلے مگر اس
نے جواب دیا۔ میرے پاس ہنوز پانی ہے۔ جو کل تک کفایت کر جائیگا۔

مریم نے اپنا برتن لیا۔ اور اکیلی چل پڑی۔ یہاں تک کہ غار میں داخل ہوئی۔ اور وہاں پر انہوں نے جبرائیل کو دیکھا۔"

نقل آیاتِ قرآنی

مرزا صاحب نے قرآن مجید کی آیات غلط لکھی ہیں انکو یاد نہ تھیں۔

جواب (۱) قرآن مجید کی آیات کا بھول جانا منافیٔ نبوت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔" سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ " (سورۂ اعلیٰ پ ۳۰ ع ۱) اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھتے ہیں۔ ان کو نہ بھولنا سوائے اس کے جو خدا تعالیٰ تجھے بھلا دے۔ گویا قرآن مجید کی بعض آیات کا بھولنا نبی کے لئے ممکن ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا اور جنکے متعلق خاص طور پر قرآن مجید میں ہے۔" لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ " (ہود ع ۱۰) کہ ہم اس قرآن مجید کے ذریعہ تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:۔" عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَءُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِيْ كَذَا وَ كَذَا اٰيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَ كَذَا " (بخاری کتاب الشہادات باب شہادت الاعمٰی و امرہٖ جلد ۲ صـــ ۶۴ مطبعۃ الہیہ مصر)

اس کا ترجمہ تجرید بخاری اردو سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ اس شخص پر رحمت کرے

بیشک اس نے فلاں فلاں سورہ کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول گیا تھا مجھے یاد دلا دی"۔
(تجرید بخاری عربی مع اردو مکمل شائع کردہ فیروز اینڈ سنز حصہ دوم صـ۳)

(۳) "عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقَرَءَ فِیْھَا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ وَلَا الْمَجُوْسِیَّۃُ ... ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ"۔ (ترمذی جلد ۲ صـ ۲۲۹ مجتبائی) حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قرآن مجید پڑھ کے سناؤں۔ پس آپ نے سورۃ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پڑھی اور اسی میں حضورؐ نے پڑھا "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ۔ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ الخ" کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین خالص اسلام ہے۔ نہ یہودیت نہ نصرانیت الخ حالانکہ یہ سب آیات قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

(۴) مطبوعہ کتابوں میں کتابت کی غلطیاں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ خود مطبوعہ قرآن مجید بھی ان کتابت کی غلطیوں سے بچ نہیں سکتے۔ حالانکہ ان کیلئے خاص طور پر احتیاط کی جاتی ہے۔ پھر دوسری کتابیں کس طرح ان اغلاط سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو خود اپنی کتب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ بوجہ عجلت نظر ثانی ان میں نہیں کی جا سکی۔ اور پروف غور سے نہیں پڑھے گئے۔ اس لئے کتابت کی غلطیاں کثرت سے رہ گئی ہیں۔ پس میری کتابوں کو دیکھنے کا طریق

یہ ہے کہ ایک عبارت جہاں ایک سے زیادہ مقامات میں آئے دوسری جگہ پر دیکھ لیں۔

(۵) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ اِمّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ عَنِ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (مکتوبات جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ مکتوب نمبر ۱۵۴) حالانکہ آیت قرآن یوں ہے۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (پارہ ۲۷ ع ۶)۔

اب وہ عقلمند معترض جو اس قسم کی چھوٹی چھوٹی کتابت کی غلطیوں کی بنا پر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "علم قرآن" کا فقدان اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا وہ حضرت امام ربانی پر بھی فتویٰ لگانے کی جرأت کریں گے اور کہیں گے کہ جس مدعی مجددیت نے قرآن مجید کی آیتیں صحیح نہیں لکھی ہیں وہ اپنے دعووں میں سچا نہیں ہو سکتا۔"

(۶) اب میں ذیل میں قرآن مجید کی وہ آیات لکھتا ہوں جن کو غیر احمدی پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے وہ آیات غلط لکھی ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر کسی کتاب کے کسی صفحہ پر وہ آیت درست نہیں چھپی۔ تو وہ محض کتابت کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ آیت اسی طرح لکھی ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت کو ان آیات کا علم تھا۔

(۱) لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِهٖ الخ

ایک عیسائی کے چند سوالوں کے جواب الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ - ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ حاشیہ کالم نمبر ۳ براہین احمدیہ صفحہ ۲۹۵ حاشیہ در حاشیہ۔ و تصدیق النبیؐ (عیسائی کے تین سوالوں کا جواب) صفحہ ۸ حاشیہ۔

(۲) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (پ۱۴ ع ۲۲) - فریاد درد صفحہ ۱۸ و

اشلامی اصول کی فلاسفی بڑا سائز صفحہ ۴۰)

(۳) اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ - یہ آیت حضرت مسیح موعودؑ نے براہین صفحہ ۱۹۶

حاشیہ پر درست لکھی ہے - فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت پارہ ۲۶ کی

بجائے ۲۲ میں ہے - سہو کتابت سے ۲۶ لکھا گیا ہے - قرآن میں یہ آیت پارہ

۲۲ رکوع ۱۱ میں ہے

(۴) عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ (نورالحق ٹائیٹل پیج)

(۵) "اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ

خَالِدًا فِیْھَا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳) یہ بیشک سہو کاتب سے فَاِنَّ لَہٗ نَارَ

جَھَنَّمَ کے الفاظ کی بجائے "یُدْخِلْہُ نَارًا" ہے - لیکن ترجمہ میں جہنم

ہی کا لفظ ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کتابت کی غلطی سے غلط چھپی ہے -

(۶) مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (پارہ ۱۶ ع ۵) براہین احمدیہ صفحہ ۴۲۹

حاشیہ پر کتابت کی غلطی سے اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لکھا گیا ہے مگر یہ صاف

طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے - ورنہ اگر کاتب کی غلطی نہ

ہوتی - تو یَتَّخِذَ وَلَدًا لکھا ہوتا - مگر ولد لکھا جانا بتاتا ہے - کہ

اس سے قبل لفظ مِنْ سہو کاتب سے حذف ہو گیا ہے -

(۷) وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ (پارہ ۲۶ ع ۴) براہین احمدیہ صفحہ ۴۲۳ پر

یہ آیت درج نہیں ہے (جیسا کہ حبیب اللہ کلرک نے حوالہ دیا ہے) ہاں صفحہ ۴۲۲

پر ہے - گویا معترض کی کتاب بھی غلطی سے بچ نہیں سکی - براہین کے حوالہ مذکورہ

بالا میں "مِنْ" کا لفظ سہو کتابت سے حذف ہوگیا ہے لیکن یہ حضرتؑ کی غلطی نہیں کیونکہ ترجمہ میں حضرتؑ نے "جو کوئی شخص" کے الفاظ لکھے ہیں۔ جو "وَمَنْ لَا یُجِبْ" کا ترجمہ ہے نہ کہ "وَلَا یُجِبْ" کا۔

(۸) اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ۔ (پ۲۰ ع ۱۲) تریاق القلوب صفحہ ۲۲۳۔

(۹) فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ۔ (پ۱۶ ع ۳) تقریروں کا مجموعہ تقریر لاہور ۱۲ اگست ۱۹۰۴ء ص۹ وست بچن ص۱۰۶۔

(۱۰) "وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ" (پ۱۷ ع ۲) براہین ص۲۳۸ (جس کا حوالہ معترض دیتے ہیں) پر یہ آیت درست لکھی ہے۔ صرف واؤ کا فرق ہے۔

(۱۱) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ (پ۲۴ ع ۱۹) چشمہ معرفت ص۲۵۷ و ص۷ و نسیم دعوت ص۵۲ و پیغام صلح ص۲۵ و شحنۂ حق ص۳۵ و ریویو اردو جلد ۲ ص۱۳۲ ۱۳۳ تبدیلی مذہب کی فلاسفی)

(۱۲) وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (اسلامی اصول کی فلاسفی ص۳۲)

(۱۳) "ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ ص۲۳۵ پر یہ آیت لکھی ہے اور حوالہ نہیں دیا۔ یہ آیت درست ہے۔ دیکھو سورۃ یونس ع ۷ و توبہ ع ۱۴

(۱۴) وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ الخ (مائدہ آخری رکوع) ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۔

(۱۵) "لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ" (پ۲۴ ع ۱) تحفہ گولڑویہ ص۳۳

(۱۶) قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا" (پ ۲۸ ع ۱۸) ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۶۲۹ وطبع پنجم صفحہ ۲۶۵)۔

(۱۷) ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام (پ ۲ ع ۹) حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۴ پر حضرتؑ نے یوم یاتی ربک فی ظلل من الغمام" لکھا ہے لیکن حضورؑ نے یہ نہیں لکھا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں ایام الصلح فارسی صفحہ ۱۱۶ پر حضرتؑ نے ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ الخ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور یہی درست ہے۔

(۱۸) "فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ" (پ ۶ ع ۶) تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۱۵ پر "اغرینا" لکھا ہے اور یہ جائز ہے۔ کیونکہ "ف" ترتیب مع التعقیب کے لئے آتا ہے اور جب پچھلا مضمون نقل نہ کیا گیا ہو اس وقت "ف" کا لکھنا ضروری نہیں ہوتا۔

(۱۹) "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" (پ ۹ ع ۱۶) تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱ ۔ ایام الصلح صفحہ ۱۵۶ ۔ براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۱ حاشیہ در حاشیہ)

(۲۰) "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ" (پ ۳۰ ع ۲۴) ازالہ اوہام چھوٹی تقطیع صفحہ ۱۱۴ و تقریروں کا مجموعہ صفحہ ۳۴)

(۲۱) "انک لفی ضلالک القدیم" (پ ۱۳ ع ۵) آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰۲ ۔

(۲۲) "وانزل لکم من الانعام" (پ ۲۳ ع ۱۵) ۔ ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۲۸۲ حاشیہ وطبع پنجم صفحہ ۱۲۰ حاشیہ۔

(۲۳) "آمنت انہ لا الہ الا الذی آمنت بہ بنوا اسرائیل (پ ۱۱ ع ۱۴)

اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۵ و ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین بٹالوی کے متعلق "اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ اٰمَنُوْا بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" کے الفاظ لکھے ہیں۔ مگر یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۹۲ پر فرعون کے منہ سے جن الفاظ کے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے اس میں "اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" لکھا ہے۔ نیز دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۵ نیز "دو تقریریں" تقریر ۲۷ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۵۔

(۲۴) "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ" (پ ۱۷ ع ۱۴) یہ آیت درست چھپی ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۳۲۲ کلاں و طبع پنجم صفحہ ۱۸۶ و براہین احمدیہ صفحہ ۵۴۸ حاشیہ۔

(۲۵) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (پ ۳۰ رکوع ۱۹) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب میں بھی یہ آیت غلط نہیں چھپی۔ "ف" کا حذف کرنا جائز ہے۔ دیکھو نمبر ۱۸۔

(۲۶) "حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ" (پ ۱۷ ع ۷) مخالفین تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ اسی تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۲۱۵ پر درست درج ہے۔ نیز نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۵۔ نیز خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۶ و شہادۃ القرآن صفحہ ۱۴۔

(۲۷) "يُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۵) لیکن حضرت نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور نہ یہ کہ یہ کلام الٰہی ہے۔

(۲۸) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (پ ۲۳ ع ۱۳)۔ ازالہ اوہام جلد ا صفحہ ۳۱۱ بار اول و صفحہ ۱۶۳ بار پنجم۔

(۲۹) "وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا" (پ ۱ رکوع ۱۱)
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۵)

(۳۰) "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (براہین احمدیہ

(۳۱) "بَلٰى هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ" (پ ۲۳ ع ۴) اس آیت سے ایک آیت قبل یہ
آیت ہے "وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ" (ازالہ اوہام ص ۶۷۲) پر دونوں آیات میں تناقض واقع
ہو گیا ہے۔ ورنہ اسلامی اصول کی فلاسفی بہیا وقیقہ معرفت ص ۹ اور جنگ مقدس ص ۱۸۵
پر دونوں آیات کو الگ الگ کر کے لکھا ہے۔ نیز دیکھو ست بچن ص ۱۰۹)

(۳۲) "وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ" (پ ۱۰ رکوع ۷) اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۹۹
(۳۳) قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا" (پ ۸ ع ۹) (الحق مباحثہ دہلی حاشیہ ص ۵۱ و آئینہ کمالات
اسلام ص ۱۲۹)

(۳۴) "وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ" (پ ۶ ع ۱۳) (ازالہ اوہام ص ۵۷۳ طبع اول)
(۳۵) ثُمَّ يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ" (ازالہ اوہام ص ۶۰۶ طبع اول)
(۳۶) وَلٰكِنْ اعْبُدُوا اللّٰهَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ" (ازالہ اوہام ص ۶۰۲ تقطیع خورد بدرستی
(۳۷) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۶۱۹ تقطیع خورد ص ۲۵۴ طبع پنجم و
چشمہ معرفت ص ۸۹ و ص ۱۵۵ و اسلامی اصول کی فلاسفی و ست بچن ص ۱۱۱ آخری سطر)
(۳۸) لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" فریاد درد ص ۵ کرامات الصادقین ص ۹
نزول المسیح ص ۱۰۱ جنگ مقدس ص ۵ و خطبہ الہامیہ ص ۸۶ و تحفہ الندوہ ص ۵ و
تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۶۷ و ص ۹۳)
(۳۹) وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا

(بقیہ) (پ ۱ ع ۱۴) کرامات الصادقین ص۱ و براہین احمدیہ ص۱۲۲ حاشیہ ص۱۳۲
حاشیہ در ص۱۳۵)

(۴۰) قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ (پ ۲ ع ۱) نور القرآن بابت جون وجولائی ص۲)

(۴۱) "كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ" (جنگ مقدس ص۹۵ پہلی سطر)

(۴۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
(نزول المسیح ص۹۰ پہلی سطر و اربعین ۴ ص۱۳ و تحفہ گولڑویہ ص۵ اور سرالخلافہ ص۱۲)

(۴۳) "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" (پ ۲۶ ع ۴) حضرت نے
ازالہ ص۶۵۳ پر وَالظَّنُّ لَا يُغْنِيْ الخ کوئی آیت نہیں لکھی۔ بلکہ اپنی طرف سے
تسلسل عبارت کے ضمن میں فقرہ لکھا ہے۔ ہاں براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۱ و
اعجاز احمدی ص۲۰ پر درست ہے۔ نیز ریویو مباحثہ بٹالوی ص۳ پر تحریر فرماتے
ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا"
نیز دیکھو براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۴۹ حاشیہ در حاشیہ)

(۴۴) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (حقیقۃ الوحی ص۲۳)

(۴۵) لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
(پ ۲۴ ع ۱۱) اسی ایام الصلح (جس کا حوالہ معترض دیتے ہیں) کے فارسی
ایڈیشن کے ص۶ پر یہ آیت درست چھپی ہے۔ نیز تحفہ گولڑویہ ص۳۳ پر
بھی ہے۔

(۴۶) "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ" (پ ۱۷ ع ۱۲) (تقریریں
مطبوعہ فروری ۱۹۰۰ء ص۳ حاشیہ)

حصّہ چہارم

حضرت کی ذات پر اعتراض

ابنِ مریم کیسے ہوئے؟

اعتراض:۔ مرزا صاحب "ابن مریم" کس طرح ہو گئے۔ آپ کی والدہ کا نام تو چراغ بی بی تھا؟

جواب:۔ (۱) اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِھُہٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِہٖ جَائِزٌ حَسَنٌ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹) کہ ایک چیز کا نام دوسری چیز کو (جو اکثر خواص میں اس سے ملتی ہو) دینا جائز ہے۔

(۲) اسم عَلم بھی بطور مجاز دوسرے کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ بلاغت کی کتاب تلخیص المفتاح میں لکھا ہے:۔ وَلَا تَکُوْنُ عَلَمًا اِلَّا اِذَا تَضَمَّنَ نَوْعَ وَصْفِیَّۃٍ کَحَاتِمٍ (صفحہ ۶) کہ علم استعارہ استعمال نہیں ہوتا۔ ہاں جب کوئی صفت پائی جائے تب اسم عَلم بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ فِیْ زُھْدِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَبَا الدَّرْدَاءِ" (منصب خلافت مصنفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ صفحہ ۳۵) کہ تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو زُہد کی حالت میں دیکھنا چاہے وہ حضرت ابودرداء کو دیکھے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو "یوسف والیاں" قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ

یوسف" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اھل العلم ص۸۵۔۸۲ و جلد ۱ ص۸۲ و ص۹۸ مطبع الٰہیہ
مصر) اس کا ترجمہ تجرید بخاری مترجم اردو سے نقل کیا جاتا ہے

"چنانچہ حفصہؓ نے عرض کی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ ٹھیرو! بیشک
یقیناً تم لوگ یوسف کی ہمنشین عورتیں ہو" (تجرید جلد ۱ ص۹۶)

نوٹ:- یاد رکھنا چاہیئے کہ "صواحب" جمع ہے صاحبۃ کی جس کے معنی
ہیں بیوی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:- "أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن
لَهُ صَاحِبَةٌ" (الانعام ع۱۳) کہ خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کی
بیوی کوئی نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات
کو صواحب یوسف قرار دینے کے کیا معنی ہوئے؟

(۵) حضرت خواجہ میر درد دہلوی فرماتے ہیں:- "اللہ! اللہ!! ہر انسان
بقدرت کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰ وقت خویش است و ہر دم او را برائے خود
مارائے نفس عیسوی در پیش است" (رسالہ درد مطبع شاہجہانی بھوپال ص۲۱۱)

(۶) شیخ معین الدین اجمیری رح فرماتے ہیں ؎

دمبدم روح القدس اندر معینؔ میدمد
من نمی گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

(۷) ابن مریم ہونے کے متعلق تفصیلی بحث الہامات پر اعتراضات کے
جواب میں زیر عنوان "ابن مریم بننے کی حقیقت" پاکٹ بک ہذا پر ملاحظہ ہو

کسر صلیب

مسیح موعود نے تو آکر کسر صلیب کرنی تھی؟

جواب:- علامہ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے
"فُتِحَ لِیْ ھُنَا مَعْنًی مِنَ الْفَیْضِ الْاِلٰھِیْ وَھُوَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ کَسْرِ الصَّلِیْبِ اِظْھَارُ کِذْبِ النَّصَارٰی" (عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۸۵ مصری) کہ مجھ کو اس مقام پر فیض الٰہی سے الہاماً یہ بتایا گیا ہے کہ کسر صلیب سے مراد عیسائیت کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔

(ب) حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:-
"اَیْ یُبْطِلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّۃِ" (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۵۷)
یعنی کسر صلیب کا مطلب دین عیسائیت کا ابطال ہے۔

(ج) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسر صلیب کے یہی معنی کئے ہیں لکھتے ہیں:- اَیْ یُبْطِلُ النَّصْرَانِیَّۃَ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) یعنی مسیح موعود نصرانیت کو جھوٹا ثابت کرے گا۔

(د) علامہ نووی نے بھی یہی معنے کئے ہیں (دیکھو نووی شرح مسلم مطبع مجتبائی صفحہ ۸۶)

(ہ) **یُرِیْدُ اِبْطَالَ شَرِیْعَۃِ النَّصَارٰی**" (مجمع الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۵۵) کہ کسر صلیب کا مطلب عیسائیت کا ابطال ہے۔

(۲) باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے زمانہ ہی میں عیسائیت کو نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا؟ تو سنو!

جواب:- قرآن مجید میں ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (بنی اسرائیل ع ۹) کہ حق

(قرآن) آیا۔ اور باطل (کفر بھاگ گیا۔ اور باطل بھاگنے ہی والا ہے! اب قرآن مجید کے آنے سے جس طرح دُنیا سے باطل بھاگ گیا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے آنے سے عیسائیت بھی تباہ ہو چکی ہے۔

(ب) اصل بات وہی ہے جو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی۔ "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (انفال رکوع ۵) کہ ہلاک وہ ہوا جو دلائل سے مغلوب ہوا۔

(ج) حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ" (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ باب فضائل النبی ص۵۱۵ اصح المطابع) کہ میں ماحی ہوں یعنی اللہ تعالےٰ میرے ذریعہ کفر کو دُنیا سے مٹا دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہوئے ۱۳۶۵ برس گذر گئے۔ کیا ظاہری طور پر کُفر دُنیا سے مٹ گیا؟ پھر اس جگہ اتنے بے تاب ہونے کا کیا باعث ہے؟

(د) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلبۂ اسلام کا ہونا اپنے زمانہ میں قرار دیا ہے۔ اب "زمانہ" کے متعلق حضرت فرماتے ہیں

"مسیح موعود کا زمانہ اس حد تک ہے جس حد تک اسکے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے یا پھر دیکھنے والوں کے دیکھنے والے دُنیا میں پائے جائینگے اور اسکی تعلیم پر قائم رہیں گے۔ غرض قرونِ ثلاثہ کا ہونا برعایت منہاج نبوۃ ضروری ہے" (تریاق القلوب ص۱۵۳ حاشیہ تقطیع کلاں وص۲۹۹ حاشیہ تقطیع خورد)

(ب) یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواَب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی ان میں سے عیسٰی ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مریگی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسٰی بن مریم کو آسمان سے اُترتا نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا۔ کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسٰی آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسٰی کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور وہ بڑھے گا۔ اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین صہ ۶۵)

(ج) "خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو دُنیا میں وہ پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔" (الوصیت صہ ۵)

(۵) "پوری ترقی دین کی کسی نبی کی حین حیات میں نہیں ہوئی بلکہ
انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھا دیا۔ اور
پھر بعد ان کے ترقیاں ظہور میں آئیں۔۔۔۔ سو میں خیال کرتا ہوں کہ
میری نسبت بھی ایسا ہی ہوگا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۱)

(۶) "مسیح موعود صرف اس جنگ روحانی کی تحریک کے لئے آیا
ضرور نہیں کہ اس کے روبرو اس کی تکمیل بھی ہو۔ بلکہ جو تخم زمین
میں بویا گیا۔ آہستہ آہستہ نشو ونما پائے گا یہاں تک کہ خدا کے
پاک وعدوں کے موافق ایک دن یہ ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔
اور تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے اس کے سایہ کے نیچے آرام کریں گے
دلوں سے باطل کی محبت اُٹھ جائیگی گویا باطل مرجائے گا اور ہر ایک
سینہ میں سچائی کی روح پیدا ہوگی۔ اس روز وہ سب نوشتے پُورے
ہو جائینگے جن میں لکھا ہے کہ زمین سمندر کی طرح سچائی سے بھر جائیگی
مگر یہ سب کچھ جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریجاً ہوگا۔ اس تدریجی ترقی کے
لئے مسیح موعود کا زندہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ خدا کا زندہ ہونا کافی
ہوگا۔ یہی خدا تعالیٰ کی قدیم سنت ہے اور الٰہی سنتوں میں تبدیلی نہیں ہو
سکتی۔ پس ایسا آدمی سخت جاہل ہوگا کہ جو مسیح موعود کی وفات
کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا؟ کیونکہ اگرچہ یکدفعہ نہیں
مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعود نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع
کریگا۔ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ یہاں تک کہ ایک دائرہ کی طرح

دُنیا میں پھیل جائے گا۔" (ایام الصلح ایڈیشن اول ص ۱۲۱ و ایڈیشن دوم ص ۱۴۷)

• جماعت احمدیہ کی خدمات کا اقرار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو عظیم الشان خدمتِ اسلام کرنیوالی جماعت اپنے پیچھے چھوڑی ہے یہی "کسرِ صلیب" کا مفہوم ہے جماعت احمدیہ کو ایسے صحیح عقائد دیئے۔ خصوصاً مسئلہ وفاتِ مسیح۔ اور پھر دلائل کا وہ بے بہا خزانہ دیا کہ عیسائی مناظرین کی جرأت نہیں کہ احمدی مناظرین کے بالمقابل میدان میں کھڑے ہو سکیں۔ پھر لندن میں مسجد بنانا۔ اور اس کے مینار سے مرکزِ کفر و شرک میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کا نعرہ بلند کرنا یہ بھی جماعت احمدیہ ہی کے حصہ میں آیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ذیل میں چند اقتباسات مخالفین سلسلہ کی تحریرات سے درج کیئے جاتے ہیں۔ جن میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامی کا خصوصاً معرکہ شدھی کے متعلق خدمات کا اقرار کیا ہے۔

(۱) مولوی ظفر علی آف زمیندار لکھتے ہیں:۔

"مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں جو ایثار۔ کمربستگی۔ نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدردانی کے قابل ضرور ہے جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت

نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کرکے دکھادی"۔
(زمیندار ۲۴ر جون ۱۹۲۳ء)

(۲) مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومولانا شوکت علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں
"ناشکر گذاری ہوگی۔ اگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور انکی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کردی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم اور تجارت میں بھی انتہائی جدو جہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور اُن اشخاص کیلئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدماتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔" (اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۳) احمدی بھائیوں نے جس خلوص۔ جس ایثار۔ جس خوشی اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے" (زمیندار ۱۸ر اپریل ۱۹۲۳ء)

(۴) جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے۔ اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور

دردسے تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کی کوشش کرتی ہے وہ اس زمانہ میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی۔" (اخبار مشرق ۲۵ مارچ ۱۹۲۳ء)

(۵) "اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں ہے اور خالص اسلامی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔"

(اخبار مشرق گورکھپور ۱۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۶) "گھر بیٹھ کر احمدیوں کو بُرا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء۔ دیوبند۔ فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعتِ حق کی سعادت میں حصہ لیں۔ کیا ہندوستان میں ایسے متمول مسلمان نہیں ہیں۔ جو چاہیں تو بلا دقت ایک ایک مشن کا خرچ اپنی گرہ سے دے سکتے ہیں یہ سب کچھ ہے لیکن افسوس کہ عزیمت کا فقدان ہے۔ فضول جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا۔ اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا آج کے مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے۔" (زمیندار ۱۷ دسمبر ۱۹۲۶ء)

(۷) جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر فرماتے ہیں:-

"احمدی مسلک شریعت محمدیہ کو اسی قوت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتے ہیں جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"

(رسالہ دلگداز بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۶ء)

جماعت احمدیہ کے اخلاق پر الزام

بعض لوگ شہادۃ القرآن کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کی بہت مذمت کی ہے۔ پس آپ کے آنے کا اثر کیا ہوا؟

جواب: شہادۃ القرآن حضرت اقدس کے ابتدائے دعوے کی تصنیف ہے جبکہ ابھی سلسلہ بیعت شروع ہوئے دو تین سال کا عرصہ ہوا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو غیر احمدیت کی حالت سے نکل کر اس سلسلہ میں داخل ہوئے تھے انکی وہ پرانی بیماری یکدم تو دور نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تربیت کے عظیم الشان اثر کا اندازہ ابتدائی سالوں میں کرنا نادانی ہے لازم ہے کہ حضرت کی وفات کے قریب احمدیوں کی اخلاقی حالت کا مقابلہ انکی ابتدائے دعویٰ مسیح موعود کی اخلاقی حالت کے ساتھ کیا جائے تو اس میں زمین و آسمان کا فرق نکلے گا۔

(۲) بیشک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتدائے دعویٰ میں بعض

مریدین کی بد اخلاقی کا ذکر فرما کر ان کو اصلاح کی طرف توجہ دلائی جس طرح ایک شفیق اور محسن باپ اپنے بیٹوں کی خطا کا دیوں پر ان کو سرزنش بھی کرتا ہے لیکن کیا اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی اصلاح نہیں کر لی تھی؟ اور کیا حضرت نے بعد میں اپنی جماعت کی حیرت انگیز اخلاقی و روحانی ترقی کا ذکر نہیں فرمایا؟۔ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ"۔ لو سنو!

(۱) "افسوس کہ ہماری جماعت کی ایمانداری و اخلاص پر اعتراض کرنے والے دیانت اور راستبازی سے کام نہیں لیتے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۱۲۷)

(۲) پھر اپنی جماعت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-
"اکثر ان میں سے نیک بخت ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۲۷)

(۳) "میرے لئے یہ عمل کافی ہے۔ کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ اور ہزارہا لوگوں میں بعد بیعت میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد ان میں بجائے خود ایک نشان ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۳۹)

(۴) "ہزارہا انسان خدا نے ایسے پیدا کئے کہ جن کے دلوں میں اس نے میری محبت بھر دی۔ بعض نے میرے لئے جان دیدی۔ اور بعض نے اپنی مالی تباہی میرے لئے منظور کی۔ اور بعض میرے لئے اپنے وطنوں سے نکالے

گئے اور دُکھ دیئے گئے اور ستائے گئے۔ اور ہزار ہا ایسے ہیں کہ اپنے نفسوں کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پُر ہیں۔ اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ اپنے مالوں سے دستبردار ہو جائیں یا اپنی جانوں کو میرے لئے فدا کر دیں تو وہ طیار ہیں جب میں اس درجہ کا صدق اور ارادت اپنی جماعت کے اکثر افراد میں پاتا ہوں تو بے اختیار مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اے میرے قادر خدا! درحقیقت ذرہ ذرہ پر تیرا تصرف ہے تُو نے ان دلوں کو اس پُر آشوب زمانہ میں میری طرف کھینچا اور انکو استقامت بخشی۔ یہ تیری قدرت کا نشان عظیم الشان ہے۔" (حقیقۃ الوحی صـ۲۳۹)

(۵) "میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں جو سچے دل سے میرے پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت ایسے روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزار ہا بیعت کنندگان میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے۔ ہزار ہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں۔ اور ان کے چہروں پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے..... پھر

بھی ہیں ہمیشہ انکو اور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں۔ اور انکی نیکیاں انکو نہیں سناتا۔ مگر دل ہی میں خوش ہوں" (الذکر الحکیم ۱۶-۱۷)

(۶) "میں دیکھتا ہوں کہ میری بیعت کرنیوالوں میں دن بدن صلاحیت اور تقویٰ ترقی پذیر ہے.... میں اکثر دیکھتا ہوں کہ سجدہ میں روتے اور تہجد میں تضرع کرتے ہیں۔ ناپاک دل کے لوگ ان کو کافر کہتے ہیں۔ اور وہ اسلام کا جگر اور دل ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ۳۱ ۱۸۹۶ء)

(۷) "میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں ان کو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی قسم کا اشارہ ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے تیار۔ حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع کے واسطے اسی قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔" (الحکم ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

(۸) "وَاَشْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی مَا اَعْطَانِیْ جَمَاعَۃً اُخْرٰی مِنَ الْاَصْدِقَاءِ وَالْاَتْقِیَاءِ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ الْعُرَفَاءِ الَّذِیْنَ دُفِعَتِ الْاَسْتَارُ مِنْ عُیُوْنِہِمْ وَمُلِئَتِ الصِّدْقُ فِیْ قُلُوْبِہِمْ یَنْظُرُوْنَ الْحَقَّ وَیَعْرِفُوْنَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَمْشُوْنَ کَالْعَمِیْنَ وَقَدْ خُصُّوْا بِاَفَانِیْنِ تَہْتَانِ الْحَقِّ وَوَابِلِ الْعِرْفَانِ وَرُضِعُوْا اَثْدَلَی لِبَانِہٖ وَاُشْرِبُوْا

فِیْ قُلُوْبِہِمْ وَجْہُ اللّٰہِ ..... وَشَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَھُمْ وَفَتَحَ اَعْیُنَہُمْ وَسَقَاھُمْ کَاْسَ الْعَارِفِیْنَ" (حمامۃ البشریٰ ص ۱۶)

پس شہادۃ القرآن کے زمانہ کی تحریر سے (جو اوائل دعویٰ کا زمانہ ہے) تمسک کر کے جماعت احمدیہ کے اخلاق اور روحانیت پر حملہ کرنا بددیانتی ہے اور اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ تمہارے جیسا کوئی عقلمند کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس ہسپتال میں نوآمدہ مریضوں کو دیکھ کر فوراً کہہ اٹھے کہ یہ طبیب یا ڈاکٹر تو بڑا ناقابل ہے کیونکہ اس کے پاس جس قدر مریض ہیں ان میں سے ایک بھی تندرست نہیں۔ حالانکہ کسی معالج کی اہلیت یا عدم اہلیت کے اندازہ کے لئے اس کے نووارد مریضوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ان لوگوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے جو کافی عرصہ اسکے زیر علاج رہ چکے ہوں

مسیح کا جائے نزول

مسیح نے تو منارہ دمشقی پر نازل ہونا تھا!

الجواب:۔ منارہ والی حدیث پر علامہ سندی نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔ "وَقَدْ وَرَدَ فِیْ بَعْضِ الْاَحَادِیْثِ اَنَّ عِیْسٰی یَنْزِلُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بِالْاُرْدُنِّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بِمُعَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ" (حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۶۵ مصری) کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں نازل ہونگے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اردن میں نازل ہونگے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں۔ خدا جانے درست بات کونسی ہے پس جہاں مسیح نازل ہوا وہی درست اور صحیح ہے

مہدی کا بنی فاطمہؓ میں سے ہونا

حدیث میں ہے کہ مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوگا۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی بنی فاطمہ میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

"یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ سے تھی" (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص۵)

نیز دیکھو ص۱۳ تحفہ گولڑویہ۔ نیز نزول المسیح ص۴۶)۔ اگر کہو نسل ماں کی طرف سے نہیں بلکہ باپ کی طرف سے چلتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ عام خاندانوں میں ہو تو ہو۔ مگر خاندان سادات میں ابتداء ہی سے نسل لڑکی کی طرف سے چلتی ہے۔ کیونکہ اس خاندان کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی تھی۔

(۲) مخالفین کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض ہونا۔ کہ آپ بنی فاطمہؓ سے نہیں ہیں۔ بذاتِ خود حضرت کی صداقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لکھا ہے "یُقَالُ لَہٗ لَسْتَ الْغَرِیْبُ فَاتَکَ وَلَسْتَ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ ثُمَّ قَالَ الْمُنْشِرُ نُوْلُنَا اُمَّتُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" (بحار الانوار جلد ۱۳ ص۴۳) کہ امام مہدی کو اس کے مخالف کہیں گے۔ کہ ہم نہیں جانتے۔ کہ تو کون ہے کیونکہ تو حضرت فاطمہؓ کی نسل سے نہیں ہے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ کہ ان کا یہ اعتراض ویسا ہی بیہودہ اور ناقابل اعتناء ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم پر مشرکین مکہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

(۳) احادیث میں مہدی کے نسب کے متعلق اس قدر اختلاف ہے۔ کہ اس بناء
پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو
(ا) "اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۸۶)
کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے ہوگا۔
(ب) "سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهُ
فِي الْخُلُقِ وَلَا فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا
أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ" (النجم الثاقب صفحہ ۹ جلد ۲) کہ حضرت حسنؓ کی
نسل سے وہ پیدا ہوگا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور
جس کے کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ہوں گے۔ اور وہ زمین کو
عدل و انصاف سے بھر دے گا"
(ج) "إِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ" "رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ
عَنْ جَابِرٍ" (النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۳) کہ مہدی امام حسین کی اولاد
سے ہوگا۔ (د) "قَالَ يَا عَمِّ أَمَا شَعَرْتَ إِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ
وُلْدِكَ" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۹) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عباس! کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کہ مہدی
آپ کی اولاد سے ہوگا۔

گویا مہدی حضرت عباسؓ کی نسل سے ہوگا۔

(ذ) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ شخص جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا
میری نسل سے ہوگا" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۵) غرضیکہ امام مہدی کے متعلق

اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔ اور صحیح بات وہی ہے جو اس روایت میں ہے کہ اُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِيِّ يُبْعَثُ فِي أُمَّتِي عَلَى اخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَزَلَازِلَ" (نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں تم کو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری امت سے ہو گا۔ اور وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہو گا جبکہ لوگوں میں بہت اختلاف عقائد ہو گا۔ اور زلزلے آئیں گے۔

مہدی کا مکہ میں پیدا ہونا

امام مہدی نے تو مکہ میں پیدا ہو کر مدینہ سے ظاہر ہونا تھا۔

جواب:۔ اس معاملہ میں بھی روایات میں شدید اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو

(ا) يَخْرُجُ مِنْ تِهَامَةَ" (جواہر الاسرار صفحہ ۵۵) کہ مہدی تہامہ سے ظاہر ہو گا۔ (ب) "يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ مِنَ الْقَرْيَةِ يُقَالُ لَهَا كَدْعَةُ" (جواہر الاسرار صفحہ ۵۶) کہ امام مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہو گا جس کا نام کدعہ ہو گا۔ اور اس کے پاس ایک مطبوعہ کتاب ہو گی۔ جس میں اس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہوں گے (یہ کتاب جس میں حضرت اقدس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہیں انجام آتھم ہے۔ خادم)

"مہدی کدعہ نامی گاؤں میں پیدا ہو گا۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۸)

(ج) يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۵۸)۔

یعنی وہ مدینہ سے ظاہر ہو کر مکہ کی طرف جائے گا۔"

مولد میں اختلاف

(ا) "مہدی کا مولد بلادِ مغرب ہے" (حجج الکرامہ۔ اقتراب الساعۃ ص۶۲)

(ب) "تولدِ او در مکہ معظمہ باشد" (رسالہ مہدی مصنفہ علی متقی)

(ج) مسند احمد حنبل میں مہدی کے ذکر میں ہے کہ "مہدی خراسان کی طرف سے آئے گا۔" (د) "مہدی حجاز سے آئیگا۔ اور دمشق کی طرف جائیگا" (حجج الکرامہ ص۳۵۵) غرضیکہ اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے۔ سو حدیث وہی روایت ہے جس میں مہدی کے کدعہ نامی گاؤں سے ظاہر ہونیکا ذکر ہے۔ جو لفظ قادیان کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ بوجہ عدم اعتنا طرد داد!

مہدی کا نام محمدؐ ہونا

مہدی کا نام محمدؐ۔ اس کے والد کا نام عبداللہ۔ اور ان کی والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔

جواب:۔ (۱) یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی عاصم بن ابی النجود ہے۔ جو ضعیف ہے (عاصم بن ابی النجود کے متعلق مفصل بحث مسئلہ حیاتِ مسیح کے ضمن میں حضرت ابن عباس کی تفسیر متعلقہ آیت انہ لعلم للساعۃ میں گذر چکی ہے۔ وہاں سے دیکھی جائے (پاکٹ بک ہذا)

(۲) ابن خلدون نے اس روایت پر نہایت مبسوط بحث کرکے ثابت کیا ہے۔ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ص۲۶۱ و مترجم اردو مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۰۱ء حصہ دوم ص۱۲۱)

(۳) یہ روایت خلیفہ مہدی عباسی کو خوش کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ کیونکہ اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ اور مہدی لقب

تھا۔ چنانچہ امام سیوطی نے اس روایت کا اطلاق اسی مہدی عباس پر کیا ہے ملاحظہ ہو۔ تاریخ الخلفاء باب ذکر مہدی اردو ترجمہ۔ موسومہ بہ محبوب العلماء مطبوعہ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور (صـ۱۴۳)

یہ کلام استعارہ کے رنگ میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ امام مہدی کا وجود اپنے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ ہوگا۔ جیسا کہ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ " اِنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ " (شرح فصوص الحکم صـ۵۳) کہ امام مہدی کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔

(۲) مہدی کے نام کے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے:۔

(ا) مہدی کا نام محمد ہوگا۔ (اقتراب الساعۃ صـ۱)

(ب) مہدی کا نام احمد ہوگا (اقتراب الساعۃ صـ۶۶)

(ج) مہدی کا نام عیسیٰ ہوگا۔ (جواہر الاسرار صـ۵۸) یہ اختلاف بتاتا ہے۔ کہ مہدی کے یہ نام بطور صفات کے ہیں۔ نہ کہ ظاہری نام۔

صاحب شریعت ہونا

نبی کیلئے تو صاحب شریعت ہونا ضروری ہے، مگر مرزا صاحب صاحب شریعت نہ تھے

جواب ۱۔ صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں (۱) اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا یَجِبُ اَنْ یَکُوْنَ صَاحِبَ شَرِیْعَۃٍ جَدِیْدَۃٍ (مُسْتَقِلَّۃٍ) فَاِنَّ اَوْلَادَ اِبْرَاھِیْمَ کَانُوْا عَلٰی شَرِیْعَتِہٖ (روح المعانی جلد ۵ صـ۶۱) کہ رسول کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ نئی شریعت لانے والا ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی اولاد

میں جو نبی ہوئے۔ وہ سب ابراہیم کی شریعت پر تھے۔

(۲) "اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کی تفسیر میں علامہ شہاب الدین فرماتے ہیں۔ اَلْمُرَادُ بِاٰتِيَانِهٖ التَّفْهِيْمُ التَّامُّ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالتَّمْكِيْنِ مِنَ الْاِحَاطَةِ بِالْجَلَائِلِ وَالدَّقَائِقِ اَعَمُّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ بِالْاِنْزَالِ ابْتِدَاءً.... فَاِنَّ مِمَّنْ ذُكِرَ مَنْ لَّمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ كِتَابٌ مُّعَيَّنٌ۔ (روح المعانی جلد ۲ صـــ۵۲۲) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو پوری پوری تفہیم عطا کرے گا۔ ان حقائق اور دقائق کی جو اس کتاب میں ہیں۔ عام اس سے کہ ان کو کوئی خاص کتاب دی جائے۔ کیونکہ وہ انبیاء جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جن پر کوئی کتاب معین نازل نہیں ہوئی۔" نیز دیکھو تذکرۃ الاولیاء ذکر حضرت حبیب عجمی رح انوار الازکیا صـــ۶۵)

(۳) آیت اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کے نیچے لکھا ہے" لَا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَلَى الْاِطْلَاقِ اِذْ لَمْ يَكُنْ لِّبَعْضِهِمْ كِتَابٌ وَاِنَّمَا كَانُوْا يَاْخُذُوْنَ بِكُتُبِ مَنْ قَبْلَهُمْ" (روح البیان جلد ۱ صـــ۲۲۴)

یعنی اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ ہر ایک نبی کو الگ الگ کتاب دی گئی تھی۔ کیونکہ ایسے انبیاء بھی ہوئے ہیں جن کے پاس اپنی کتاب کوئی نہ تھی۔ پہلے نبی کی کتاب سے ہی وہ استنباط کیا کرتے تھے۔ نیز دیکھو امام رازی کی تفسیر کبیر زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ الخ (آل عمران ع ۹)

(۴) "وَالْمُرَادُ بِالنَّبِيّٖنَ الَّذِيْنَ بُعِثُوْا مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَذَالِكَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَعَثَ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اُلُوْفًا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَیْسَ مَعَھُمْ کِتَابٌ اِنَّمَا بُعِثُوْا بِاِقَامَۃِ التَّوْرَاۃِ وَاَحْکَامِھَا"

(تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۶ ۔ نیز جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ مصری زیر آیت یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ)

کہ آیت "یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ" میں نبیوں سے مراد وہ نبی ہیں۔ جو موسےٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی ایسے بھیجے کہ جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ بلکہ وہ محض توراۃ اور اس کے حکموں کو قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:۔

"یعنی پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے۔ اور ان کے بعد عیسےٰ بن مریم کو بھیجا" (حمائل مترجم اشرف علی تھانوی مطبوعہ دہلی زیر آیت ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" الحدید ع ۴)

(ب) یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا کے نیچے لکھا ہے:۔

"اوپر ذکر تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیا بھیجے جو ہمیشہ احکام تورات کی حکم برداری میں خود بھی لگے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کے عابدوں اور عالموں کو بھی ان کی تاکید کرتے۔ ان آیتوں میں فرمایا۔ کہ ان انبیاء بنی اسرائیل کے قدم بقدم سب انبیاء بنی اسرائیل تھے۔ اور آخر پر اللہ تعالےٰ نے عیسےٰ بن مریم کو تورات کے احکام کی تصدیق و نگرانی کے لئے بھیجا" (حمائل مترجم اشرف علی سورۃ مائدہ ع ۷ آیت ۴۸)

قرآن مجید:۔ قرآن مجید میں ہے" اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (مائدہ ع۷) کہ ہم نے تورات نازل کی۔ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اور انبیاء جو تورات کو مانتے تھے اسی سے فیصلہ کرتے تھے۔

کفر کا فتوےٰ

مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا؟

جواب:۔ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰس ع۲)

(۲) وَاِذَا خَرَجَ هٰذَا الْاِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَاِنَّهٗ لَا يَبْقٰى لَهُمْ رِيَاسَةٌ وَّلَا تَمْيِيْزٌ عَنِ الْعَامَّةِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ ص۳۷۴) کہ جب امام مہدی آئیں گے تو ان کے سب سے زیادہ شدید دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہاء ہوں گے۔ کیونکہ اگر مہدی کو مان لیں۔ تو ان کی عوام پر حکومت اور ان پر امتیاز باقی نہ رہے گا۔

(۳) "علماءِ وقت کہ خوگرِ تقلید فقہا و اقتدائے مشائخ و آبائے خود باشند۔ گویند کہ ایں شخص خانہ بر انداز دین و ملت ماست و بمخالفت برخیزند و بحسب عادتِ خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند۔" (حجج الکرامہ ص۳۶۳)

(۴) حدیث "عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ" سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ نیز آنحضرت نے فرمایا۔ کہ امام مہدی کو میرا اسلام کہنا یہ بھی بتاتا ہے کہ آنحضرت کو معلوم تھا۔ کہ ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے۔ جو مہدی پر لعنت بھیجیں گے

اور اس کے تریاق کے طور پر آنحضرت صلعم نے اسے اپنا سلام بھیجا ہے۔ (دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۴ حاشیہ)

(۵) امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ کہ جب مسیح موعود آئے گا تو "علمائے ظواہر مجتہدات اورا علیٰ نبینا علیہ السلام از کمال دقّت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند" (مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مکتوب ۵۵)

(۶) "یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہو گا۔ اگر وہ آ گئے۔ تو سارے مقلد بھائی ان کے جانی دشمن بن جائیں گے۔ اور ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے کہیں گے۔ کہ یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۴)

(۷) مفصل دیکھو صفحہ ۳۰۹ پاکٹ بک ہذا۔

کسی کا شاگرد ہونا

نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاگرد رہے۔

جواب:۔ (۱) موسیٰ علیہ السلام ایک خدا کے بندے کو کہتے ہیں۔ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکہف ع ۹)

(۲) بخاری میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہے "اذا کان بہا اھل ابیات منھم شبّ الغلام و تعلّم العربیۃ منھم" (بخاری کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ مصری) جس وقت ان میں سے کچھ گھروالے ہوئے۔ اور وہ بچہ جوان ہوا۔ تو جُرہم سے اس نے عربی پڑھی۔

(۳) تفسیر قادری میں لکھا ہے:۔ "رسول ایسا چاہیئے۔ کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے

ان سے اصول و فروع دین کا عالم زیادہ ہو۔ جو اُن کی طرف لایا ہے۔ اور جو علم اس قبیل سے نہیں۔ اس کی تعلیم امور نبوت کے منافی نہیں۔ اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اس قول کا مؤید ہے "

(تفسیر حسینی قادری اردو جلد ۱ صفحہ ۶۳۸)

نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نام مرکب تھا؟

الجواب:۔ (۱) یہ معیار کہاں لکھا ہے۔ بھلا نام کے مرکب یا مفرد ہونے کا نبوت کے ساتھ کیا تعلق؟

(۲) قرآن مجید میں ہے:۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا" (آل عمران ع ۵) اس آیت میں فرشتے نے حضرت عیسےٰ کا نام " اِسْمُهٗ مسیح عیسیٰ بن مریم " بتایا ہے۔ جو مرکب ہے۔

(۳) " اسمٰعیل " بھی مرکب ہے " اِسْمَعْ اور اِیل " جس کا ترجمہ ہے " سُن لی اللہ نے میری۔ یعنی اللہ نے میری دعا سُن لی۔

حج نہ کرنا

الجواب:۔ حج کے لئے بعض شرائط ہیں (۱) رستہ میں امن ہو۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا (۲) صحت ہو (۳) بوڑھے والدین نہ ہو۔ جن کی خدمت اس پر فرض ہو۔ یا چھوٹی اولاد نہ ہو جس کی تربیت اس پر فرض ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں تینوں شرائط نہ پائی جاتی تھیں۔ لاہور گئے۔ رستہ میں قتل کرنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے۔ امر تسر، سیالکوٹ میں گئے۔ مخالفین نے اینٹیں ماریں۔ دہلی گئے وہاں

آپ پر حملہ کیا گیا۔ اور مکہ میں تو حضرت پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ پس آپ پر حج کے لیئے جانا فرض نہ تھا۔ کیونکہ حج صرف اس حالت میں ہو سکتا ہے۔ کہ رستہ میں امن ہو خود آنحضرت صلعم نے حدیبیہ کے سال حج نہیں کیا۔ محض اس وجہ سے کہ کافر مانع ہوئے (۲) آپ کو دوران سر اور ذیابیطس کی دو بیماریاں تھیں (۳) آپ کے والد بزرگوار آپ کے سر پر چالیس سال کی عمر تک زندہ رہے اور اس کے بعد اولاد تھی۔

(۳) تذکرۃ الاولیاء میں ہے" ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ارادہ حج کا کیا۔ جب میں بغداد پہنچا۔ تو حضرت ابو حازم مکی رح کے پاس گیا۔ میں نے انکو سوتے پایا۔ میں نے تھوڑی دیر صبر کیا۔ جب آپ بیدار ہوئے۔ تو فرمانے لگے۔ کہ میں نے اسوقت حضرت پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو تیرے لیئے پیغام دیا۔ اور فرمایا کہ کہہ دو کہ اپنی ماں کے حقوق کی نگہداشت کرے کہ اس کیلئے وہی بہتر ہے حج کرنے سے۔ اب تو لوٹ جا۔ اور اس کے دل کی رضا طلب کر۔ میں واپس پھرا اور مکہ معظمہ نہ گیا۔" (تذکرۃ الاولیاء ذکر ابو حازم مکی رح صفحہ ۲۸ انوار الاذکیا)

بھلا ایک ماں کی خدمت تو حج سے بہتر ہے پھر اسلام (جس پر ہزاروں مائیں قربان کی جا سکتی ہیں) کی خدمت کرنا کیوں حج سے بہتر نہیں۔

(۴) وَجَاءَتْ اِمْرَاَۃٌ مِنْ خَثْعَمَ ... فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ فَرِیْضَۃَ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ فِی الْحَجِّ اَدْرَکَتْ اَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا لَا یَثْبُتُ عَلَی الرَّاحِلَۃِ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ نَعَمْ" (بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج پہلی حدیث جلد ا صفحہ ۱۷۰)

خثعم قبیلہ کی ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور کہا یا رسول اللہ

میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج فرض ہو گیا ہے۔ وہ بوجہ بڑھاپا اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں۔ یہی حدیث مسلم مع نووی جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ میں بھی ہے۔

(۴) عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ أَفَأَحُجُّ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلَى أَبِيكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ" (نسائی جلد ۲ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ حضرت عکرمہؓ نے بیان کیا۔ کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا باپ فوت ہو گیا۔ اور اس نے حج نہیں کیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ فرمایا کیا اگر تیرے باپ پر کوئی قرضہ ہوتا۔ تو تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا پھر اللہ کا قرضہ زیادہ قابل ادائیگی ہے۔ یعنی اس کو ادا کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے بھی حج بدل کرایا گیا۔ اور حضرت حافظ احمد اللہ صاحب مرحومؓ نے فریضۂ حج ادا کیا۔

فجّ الرّوحاء

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ مسیح موعود حج کرے گا اور فَجِّ الرَّوْحَاءِ سے عمرہ کریگا۔ آنحضرتؐ نے مسیح موعودؑ کو حج کرتے دیکھا ہے:۔

الجواب:۔ آنحضرت صلعم نے دجال کو بھی حج کرتے دیکھا ہے۔ کیا دجال بھی حاجی ہو گیا؟ رَجُلٌ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ"

(بخاری کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع الخیریہ مصر) کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟

انہوں جواب دیا کہ یہ دجال ہے۔ باقی رہی حدیث "لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيُثَنِّيَنَّهُمَا" تو یاد رکھنا چاہیے کہ (۱) حدیث کے الفاظ میں او۔ او۔ او کے الفاظ بتا رہے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کے اصل الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ "قَالَ أَبُو الزِّنَادِ كُنَّا نَكْتُبُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَكْتُبُ كُلَّمَا سَمِعَ فَلَمَّا احْتِيجَ إِلَيْهِ" کہ ابو الزناد نے کہا ہے۔ کہ ہم تو حلال اور حرام کی بابت حدیث جمع کرتے تھے۔ مگر ابن شہاب جو سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ پس وہ حجت نہیں ہے۔ اور ابو داؤد کہتے ہیں کہ "قَدْ رُمِيَ مِائَتَيْنِ عَنْ غَيْرِ الثِّقَاتِ" کہ زہری کی بیان کردہ روایتوں میں دو صد کے قریب روایتیں غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۸) نیز اس کے متعلق علامہ ذہبی کی رائے یہ ہے کہ "كَانَ يُدَلِّسُ فِي النَّادِرِ" (میزان الاعتدال مطبع انوار محمدی جلد ۲ صفحہ ۴۴۸) اسی طرح اس حدیث کا دوسرا راوی سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی ابو عثمان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ "إِذَا رَأَى فِي كِتَابِهِ خَطَأً لَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۹۰) (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۸۵) یعنی یہ راوی اتنا ضدی تھا۔ کہ اگر اپنی تحریر کردہ حدیث میں کوئی غلطی بھی دیکھتا تھا۔ تو اپنی غلطی سے رجوع نہ کرتا تھا۔

اسی طرح دوسری سند میں سعد بن عبد الرحمٰن الجمحی آتی ہے۔ جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ "وَهُوَ دُونَهُمْ

فی الزھری "..... فی حدیثہ عن الزھری بعض الاضطراب" (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۶۲) کہ لیث کی جو روایت زہری سے ہو وہ مشکوک ہوتی ہے۔ پس روایت متنازعہ بھی مشکوک ہے۔ تیسرے طریقہ میں حرملہ بن یحییٰ بن عبد اللہ بھی ضعیف ہے۔ ابو حاتم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ "لا یحتج بہ" کہ اس کا قول حجت نہیں۔ نیز یہ روایت اس راوی نے ابن وہب سے لی ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے۔ کہ ان دونوں کے درمیان دشمنی تھی۔ پس یہ روایت حجت نہیں۔" (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

مختصر یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اور اس میں زہری کی تدلیس۔ اور لیث کا اضطراب۔ اور حرملہ کی عدم ثقاہت کا دخل ہے۔ لہٰذا حجت نہیں۔

(۳) فج الروحاء کوئی میقات نہیں۔ چنانچہ (۱) فج بمعنے طریق است و روحاء مکانیست مابین مدینہ طیبہ و وادی صفراء در راہ مکہ مکرمہ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۲۹) پس ثابت ہوا کہ یہ میقات نہیں۔ (ب) لیس بمیقات (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۹۵) کہ فج روحاء کوئی میقات نہیں (ج) لغت کی کتاب قاموس میں ہے۔ "الروحا بین الحرمین علی ثلاثین او اربعین میلاً من المدینۃ" (قاموس جلد ۳ صفحہ ۲۳۲) کہ روحاء حرمین کے درمیان، مدینہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ پس یہ نہ میقات ہے۔ اور نہ میقات کے بالمقابل (۴) مسلم کی ایک دوسری حدیث اس حدیث کی شرح کرتی ہے۔" عن ابن عباس قال سرنا مع رسول اللہ صلعم بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال ای واد ھذا؟ فقالوا وادی الازرق۔ قال کانی انظر الی موسیٰ (فذکر من لونہ

وَشَعْرِهٖ شَیْئًا، وَاضِعًا اُصْبُعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ جُؤَارًا اِلَی اللّٰهِ بِالتَّلْبِیَةِ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ فَقَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی ثَنِیَّةٍ فَقَالَ اَیُّ ثَنِیَّةٍ ھٰذِہٖ؟ فَقَالُوْا ھَرْشٰی فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَیْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ مُلَبِّیًا۔" (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۰۸ مجتبائی)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ ہم ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان گئے۔ پس ہم ایک وادی سے گزرے۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وادی ارزق۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ (پھر آنحضرت صلعم نے حضرت موسےٰ ع کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا) انہوں نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں۔ اور وہ اس وادی سے گزرتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ پھر ہم آگے چلے۔ یہانتک کہ ہم ایک ٹیلے پر پہنچے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یہ کونسا ٹیلہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہرشیٰ ٹیلہ ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ گویا میں یونسؑ کو ایک سُرخ اونٹنی پر سوار ایک صوف کا جبہ پہنے ہوئے اس وادی سے گذرتے ہوئے اور لبیک کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔" معلوم ہوا کہ جس طرح کشفی حالت میں آنحضرت صلعم نے ان انبیاء کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھا اسی طرح وادی فج الروحاء میں احرام باندھتے ہوئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دیکھا۔

(۴) چنانچہ تصوف کی مشہور کتاب التعرف کی شرح میں ابو ابراہیم
اسمٰعیل بن محمد بن عبد اللہ المستملی لکھتے ہیں۔ "قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صلعم
اَنَّہٗ مَرَّ بِالصَّخْرَۃِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِیًّا حُفَاۃً عَلَیْہِمُ الْعَبَاءُ
یَطُوْفُوْنَ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ" (شرح التعرف ص) کہ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ
آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے روحاء کے مقام پر ایک چٹان کے پاس ستر نبیوں
کو ننگے پاؤں چادریں اوڑھے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ پس اسی فج الروحاء
کے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے"

(۵) پس اس کشف کی تعبیر ہوگی۔ اور تعبیر یہ ہے۔ "وَمَنْ رَاٰی اَنَّہٗ
حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ فَاِنَّہٗ یَعِیْشُ عَیْشًا طَوِیْلًا وَتُقْبَلُ اُمُوْرُہٗ" (تعطیر
الانام فی تعبیر الاحلام جلد ۲ ص۱۰) یعنی جو شخص یہ دیکھے کہ اس نے حج یا عمرہ
کیا ہے۔ پس اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لمبی عمر پائیگا۔ اور اس کی مرادیں پوری ہونگی

(۶) "وَاِنْ رَاٰی فَعَلَ شَیْئًا مِنَ الْمَنَاسِكِ فَھُوَ خَیْرٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ
وَقِیْلَ اِنَّ الْاِحْرَامَ تَجَرُّدٌ فِی الْعِبَادَۃِ اَوْ خُرُوْجٌ مِنَ الذُّنُوْبِ
کَاَنَّہٗ یَدُلُّ عَلٰی حُصُوْلِ رَحْمَۃٍ" (کتاب الاشارات فی علم العبارات
جلد ۲ ص۲۸۹ بر حاشیہ تعطیر الانام جلد ۱) کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے حج
کے مناسک میں سے کوئی ادا کیا ہے۔ تو یہ بہرحال اچھا ہے۔ اور کہا گیا ہے
کہ احرام باندھنا (خواب میں) صرف عبادت کے لئے یا گناہوں سے نکلنے
کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ یہ حصول رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) "وَمَنْ رَاٰی کَاَنَّہٗ خَارِجٌ اِلَی الْحَجِّ فِیْ وَقْتِہٖ فَاِنَّہٗ کَانَ مَغْمُوْمًا فُرِّجَ

عنه ومن رای کانه یلبی فی الحرام فانه یظفر دیامن من الخوف الغالب" (منتخب الکلام بر حاشیہ تعطیر الانام صفحہ ۳۲ جلد ۱) کہ خواب میں جو شخص یہ دیکھے کہ حج کے ایام میں حج کے لئے جا رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو کوئی خوف ہے تو وہ امن پائیگا۔ اور اگر وہ ہدایت یافتہ نہیں تو ہدایت پائیگا۔ اور اگر وہ مغموم ہے۔ تو غم دور ہوگا۔ اور اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ احرام کی حالت میں لبیک کہہ رہا ہے۔ پس وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور خوف سے امن میں ہو جائیگا۔

(۸) "اور یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ دجال کافر ہے۔ اس کا طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علماء نے۔ کہ یہ آنحضرت کے مکاشفات سے ہے خواب میں تعبیر اس کی یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو دکھایا۔ روز ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے دین کے۔ اور درستی کرنے خلل وفساد کے۔ اور دجال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل وفساد ڈالنے کے دین میں کذا قال الطیبی (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۳۳ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۱۱۲۔ مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ بر حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۰ مطبع نظامی)

(۹) "لیبطئن" کا مضارع اس حدیث میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے حال کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب مذکور نے آیت "وان منکم لمن لیبطئن" (نساء ع ۱۰) کا ترجمہ "کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے" کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ثنائی تفسیر سورہ نساء زیر آیت وان منکم لمن لیبطئن)

مرزا صاحب سے تو خدا کا وعدہ حفاظت تھا پھر کیا ڈر تھا؟

جواب: "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تھا۔ اور یہ وعدہ ابتدائے نبوت میں ہوا تھا۔ (درمنثور جلد ۲ ص ۲۹۸) پھر حضرت ہجرت کے لئے رات کو نکلے۔ اور غار ثور میں چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز درمنثور میں ہے کہ "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِذَا خَرَجَ بَعَثَ مَعَہٗ اَبُوْطَالِبٍ مَنْ یَکْلُؤُہٗ"۔ (نیز دیکھو ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان ص ۳۸۲ و بحر محیط جلد ۳ ص ۵۳۰ مطبوعہ مصر) کہ رسول خدا صلعم جب کہیں جاتے۔ تو حضرت ابوطالب کسی آدمی کو بطور حفاظت ساتھ بھیج دیتے تھے۔ نیز اگر یہ کہو۔ کہ مرزا صاحب نے پنج بنا اسلام بھی پورے نہ کئے۔ تو تم یہ بتاؤ۔ کہ نبیوں کے سردار آنحضرت صلعم نے پانچ بنا اسلام کو پورا کیا ہے؟ آپ کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔

(۲) جنگ بدر کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زرع پہنی "فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَلْبَسُ الدِّرْعَ"۔ (بیضاوی) کہ بدر کی جنگ کے موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ بکتر پہنے ہوئے دیکھا۔

(۳) تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔ "تفسیر وسیط میں محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے۔ کہ لیلۃ العقبہ میں پچھتر ۷۵ آدمی اہل مدینہ میں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ وہ شرط کر لیجئے جو خدا اور رسول کے واسطے آپ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا کے واسطے تمہیں یہ شرط کرتا ہوں۔ کہ اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کا شریک نہ

ٹھہراؤ۔ اور اپنے واسطے یہ شرط کرتا ہوں کہ ان چیزوں سے میری حفاظت کرو جن سے اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔" (تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۱۳ ہ و صفحہ ۲۴ ہ زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ سورۃ توبہ رکوع ۱۴)

مرزا صاحب نے ملازمت کی

الجواب:۔ بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کُنْتُ اَرْعَاھَا عَلٰی قَرَارِیْطَ لِاَھْلِ مَکَّۃَ (بخاری کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم جلد ۲ صفحہ ۲۱ مصری) کہ میں چند قراطے کر کفار مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ نیز قرآن مجید میں حضرت موسٰی کا اپنے خسر کی بکریاں چرانا پڑھو۔

چندہ لیتے تھے؟

حضرت مرزا صاحب چندہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مہدی نے تو مال بانٹنا تھا یہانتک کہ کوئی قبول کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔

جواب:۔ مولویوں کو پیسوں کی خاص طور پر فکر ہوتی ہے۔ حدیث میں "یَفِیْضُ الْمَالُ" ہے (دیکھو ترمذی مجتبائی) یعنی اسی زمانہ میں دولت اور مال زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ اب ہے۔

۲۔ اگر "یَفِیْضُ الْمَالُ" کو صحیح سمجھ کر یہ معنے کئے جائیں۔ کہ مسیح موعودؑ آکر مال تقسیم کرے گا۔ مگر کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ تو اس سے مراد دنیوی مال و دولت تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ترمذی شریف کی ایک اور صحیح حدیث میں ہے "لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ مَالٍ لَا بْتَغٰی عَلَیْہِ ثَانِیًا وَلَوْ کَانَ لَہٗ

ثالثاً لابتغیٰ الیہ ثالثاً ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب
(ترمذی کتاب المناقب ابی ابن کعب جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ مجتبائی) اگر انسان کو ایک وادی مال و دولت سے بھرپور مل جائے۔ تو اس پر بھی وہ ضرور دوسری وادی کا آرزومند ہوگا۔ اور جب اس کو دوسری وادی بھی حاصل ہو جائے۔ تو اس پر بھی وہ تیسری کا خواہشمند ہوگا۔ اور (سچ تو یہ ہے) کہ انسان کے پیٹ کو سوائے خاک کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی قبر ہی میں جاکر اس کی حرص مٹتی ہے) پس یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ مہدی کے وقت میں یہ انسانی فطرت نہ رہے۔ اور آنحضرت صلعم کا یہ فرمان غلط ہو جائے۔ پس مہدی کے مال بانٹنے سے مراد وہ علوم آسمانی اور حقائق و معارف کا خزانہ ہے۔ جو مسیح موعودؑ نے لوگوں کو دیا اور جس کو تمہارے جیسے بدقسمت قبول نہیں کرتے۔

۳۔ اس مال سے مراد وہ متعدد انعامات ہیں۔ جو آپ نے اپنی مختلف کتابوں کے جواب لکھنے والوں کے لئے مقرر فرمائے۔ مگر کسی کو ان کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۴۔ قرآن مجید میں ہے۔ کہ "اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً" (مجادلہ ع ۲) کہ اے مسلمانو! جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشورہ لینے جاؤ۔ تو کچھ چندہ بھی دے جایا کرو۔

(ب) اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" (توبہ ع ۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے

مال اور ان کی جانیں خرید کر اس کے عوض ان کو جنت دے دیا ہے۔

(ج) قرآن مجید میں سینکڑوں آیات انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ہیں۔

الزامی جواب

بخاری میں ایک نہایت دلچسپ حدیث ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ کہ بعض صحابہ کسی گاؤں میں بحالتِ سفر ٹھہرے۔ اور اہل گاؤں سے دعوت طلب کی۔ مگر ان لوگوں نے مہمانی سے انکار کر دیا۔ اتنے میں اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ سب علاج کئے۔ لیکن فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے انہیں کہا۔ کہ گاؤں سے باہر جو لوگ (صحابہؓ) ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے پوچھو۔ شاید ان میں سے کسی کو کوئی علاج معلوم ہو۔ چنانچہ جب وہ لوگ صحابہ کے پاس آئے۔ تو ایک صحابی نے کہا ہاں۔ میں دم کرنا جانتا ہوں۔ مگر چونکہ تم لوگوں نے ہمیں مہمانی دینے سے انکار کر دیا تھا اس لئے اب بلا اجرت علاج نہیں کروں گا۔ اس پر ان لوگوں کے ساتھ ان کا معاوضہ چند بھیڑیں۔ بکریاں مقرر ہوا۔ اس صحابی نے قبیلہ کے سردار پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پڑھ کر دم کیا۔ جس سے وہ یکدم اچھا ہو گیا اور اس صحابی کو گاؤں والوں نے معاوضہ ادا کر دیا۔ اس پر باقی صحابہ نے کہا۔ کہ اس معاوضہ میں ہمارا بھی حق ہے۔ پس ہمارا حصہ بانٹ دو۔ مگر وہ صحابی جنہوں نے دم کیا تھا کہتے تھے۔ کہ چونکہ دم میں نے کیا ہے۔ اس لئے یہ میرا ذاتی حق ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں حصہ یا دخل نہیں۔ اس پر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔ جو فیصلہ حضور کریں۔ آخر

وہ سب اصحاب آنحضرت صلعم کے حضور پیش ہوئے۔ حضورؐ نے سب واقعہ سُنا۔ پھر اس دم کرنے والے صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔
"وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ثُمَّ قَالَ قَدْ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (بخاری کتاب الاجارۃ جلد ۲ صـ ۲۳ مطبع الہیہ مصر۔ و تجرید بخاری مترجم اردو حصہ اول صـ ۴۲۸) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم کو کیسے معلوم ہوا۔ کہ (سورہ فاتحہ سے) جھاڑ پھونک یا دم کیا جاتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا "تم نے اچھا کیا۔ اب اس کو بانٹ لو۔ اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگا دو" یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔
سوال یہ ہے کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ کیوں نکلوایا؟ (۲) مسکرائے کیوں تھے؟

(۷) اسی طرح بخاری جلد ۲ صـ ۲۶ مطبع الہیہ مصر۔ اور تجرید بخاری مترجم حصہ اوّل صـ ۴۳۲ پر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے ایک شخص نے اپنا سابقہ قرض طلب کیا۔ اور آپؐ سے جھگڑ کر کے سخت کلامی کی۔ جس پر صحابہ اسے مارنے لگے۔ مگر آنحضرت صلعم نے صحابہ کو اس سے منع فرمایا۔ مگر اپنا قرض صحابہؓ سے ادا کروایا۔

مراق

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ مجھے مراق ہے۔ (بدر، ۷ جون سنہ ۱۹۰۶ء)
اور مراق کا ترجمہ ہے ہسٹیریا۔ بقول مرزا بشیر احمد صاحب (سیرۃ المہدی جلد ۱ صـ ۱۳)

اور جس کو ہسٹیریا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ بقول ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب (ریویو اگست سنہ ۱۹۲۶ء) پس ثابت ہوا مرزا صاحب نبی نہ تھے۔ انکو "catalepsy" کا مرض تھا۔ (رسالہ مراق مرزا۔ مؤلفہ حبیب اللہ صفحہ ۲)

جواب:- (۱) خدا کے انبیاء کو ہمیشہ مجنون ہی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
"وَ اِنَّا لَتَارِکُوْا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ"

(۲) سب انبیاء کے سردار آنحضرت صلعم کے بدباطن دشمنوں نے آپ کے متعلق بھی یہی بکواس کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب "A contribution to the Islamic civilisation" by Von Kremer Page 180

جس کے الفاظ یہ ہیں:-

Our acquaintance with the fable later on repeated with a peculiar zest, that Mohammad invented the story of intercourse with Gebriel in order to allay the anxiety of خدیجہؓ for the epileptic fits with which he was often seized.

II. Guibert of Nogent writes,

Mohammad how ever was seized with epileptic fits and "خدیجہ" frightened and alarmed at this malady hastened to the hermit for an explanation. She was there-upon answered that the apparent epilepsy was only the condition in which Mohammad was honoured with divine revelation" (Page 185)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ہرگز تحریر نہیں فرمایا کہ مجھ کو مراق ہے یہ غلط ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "مراق" تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو "دورانِ سر" اور "سردرد" کا مرض ضرور تھا۔ اور حضرت نے اپنی قریباً ہر ایک کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر حضور نے ایک مقام پر بھی اس کا نام "مراق" نہیں رکھا۔ بدر ۷ جون ۱۹۰۶ء جس کا حوالہ معترض نے دیا ہے وہ حضرت کی تحریر نہیں بلکہ ڈائری ہے۔ اور ڈائری حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کے بالمقابل اور خلاف ہونے کی صورت میں حجت نہیں۔ پس اگر "مراق" کے لفظ سے مراد "مالیخولیا" ہے۔ تو یہ حضرت کی تحریرات کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا قابلِ قبول نہیں۔ حضرت نے جب صدہا مرتبہ اسی بیماری کا نام

اپنی تحریرات میں "دوران سر" تحریر فرمایا ہے۔ اور ایک جگہ بھی "مراق" نہیں لکھا۔ تو ڈائیری اس کے خلاف پیش نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ "ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہو جائے۔ جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔ تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے۔ کہ اس پر غضب الٰہی ہو گیا۔ اس لئے پہلے سے اس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی۔ کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔ اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۳۰ حاشیہ)

الزامی جواب

تم لوگ تو ہمیشہ خدا کے نبیوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں گھڑتے ہی رہتے ہو جس سے انہیں خلل دماغ کا مریض تسلیم کرنا پڑے۔ حضرت مرزا صاحب کے تو تم دشمن ہو۔ مگر تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ یہانتک کہ آپ کے متعلق لکھ دیا۔ کہ آپ پر جادو کا اثر ہو گیا۔ اور آپ کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ آپ سمجھتے تھے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے نہ کیا ہوتا تھا۔ (گویا نعوذ باللہ حواس قائم نہ رہے تھے) چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔ "عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ سُحِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَانَ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ یَفْعَلُ الشَّیْءَ وَمَا یَفْعَلُہٗ۔"

(بخاری کتاب بدء الخلق تجرید بخاری حصہ دوم صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ از تجرید بخاری:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ (ایک مرتبہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جادو کیا گیا (اس سے) آپ کو خیال ہوتا" کہ ایک کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے اس کو کیا نہ ہوتا" پھر باوجود ان روایات کے حضرت مسیح موعودؑ پہ اعتراض کرو۔ تو معذور ہو۔ کیونکہ یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد ہی نظر آتی ہے۔ باقی رہا" دورانِ سر" اور اس پہ مذاق۔ اول تو اس لئے۔ کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ مسیح موعودؑ دو زرد چادریں پہنے ہوئے ہوگا یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ڈاکٹری کی رو سے دوران سر دماغ کے اعلیٰ ہونے پہ دلالت کرتا ہے

"The subjects of Migraine are nearly always of an active capable and intelligent type"

(Price's Text book of madicine page)

"یعنی دورانِ سر کے مریض قریباً ہمیشہ قابل اور عالی دماغ آدمی ہوتے ہیں"

باقی رہا سائیل کا طرز استدلال۔ سو وہ خود ہی اس کی غلطی پہ گواہ ہے حضور نے کب کہا ہے۔ کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بیشک حضرت ام المؤمنین کی زبانی ہسٹیریا لکھا ہے۔ مگر (اول) آپ کوئی ڈاکٹر نہیں ہیں۔ کہ جو ترجمہ دوران سر کا کیا ہے وہ درست ہو۔ اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہسٹیریا کا مرض تھا۔ پس تیسرا حوالہ جو معترض نے نقل کیا ہے وہ بھی بے فائدہ ہے۔ نہ حضرت اپنی نسبت ہسٹیریا تسلیم کرتے ہیں۔ نہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ہسٹیریا کا ترجمہ مالیخولیا کرتے یا سمجھتے ہیں۔ پس مخالف کا

استدلال قطعاً باطل ہے۔ ڈاکٹر شاہ نواز خانصاحب نے محولہ بالا رسالہ میں طبی نقطۂ نگاہ سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو قطعاً ہسٹیریا نہ تھا۔ ہم نے جو انگریزی عبارتیں (Von Kremer) کی نقل کی ہیں۔ ان میں وہ آنحضرت صلعم کی نسبت "Epilepsy" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ مولوی ثناءاللہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی نسبت "catalepsy" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور انگریزی ڈکشنری میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی بنایا گیا ہے۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔

نوٹ:۔ اسی کتاب کے ص۱۸۵ و ص۱۸۸ پر Von Kremer (فان کریمر) نے آنحضرتؐ کی وفات کے متعلق ایسی گندی اور ناقابل بیان فحش نویسی کی ہے۔ کہ ہم اسے یہاں انگریزی میں بھی نقل نہیں کر سکتے۔ ان غیر احمدیوں کو جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے متعلق فحش کلامی کیا کرتے ہیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ اسقدر دلآزار ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق جو کچھ غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ وہ دسواں حصہ بھی اس تحریر کا دلآزار نہیں۔

مبہی دوائیاں

مرزا صاحب قوت باہ کی دوائیاں کھایا کرتے تھے۔

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہ کہہ دے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ بوجہ بشریت تمام بشریت کے تقاضے (جو گناہ نہ ہوں) انبیاء کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کوئی نبی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی اسی قسم کے واقعات ہیں:۔

(۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب "کیمیائے سعادت" میں فرماتے ہیں "اور غرائب اخبار میں ہے۔ کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ میں ضعفِ شہوت دیکھا۔ تو جبرائیل نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا۔ اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ حضورؐ کی نو عورتیں تھیں۔ اور وہ تمام عالم پہ حرام ہو چکی تھیں۔ اور ان کی امید تمام جہان سے منقطع ہو چکی تھی۔" (کیمیائے سعادت مترجم اردو ملک عنایت اللہ صاحب پروفیسر مشن کالج مطبوعہ دین محمدی پریس رکن سوم مہلکات میں اصل پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کے علاج میں ص۲۷۰)

نوٹ:۔ فارسی ایڈیشن مطبع نولکشور کے ص۲۷۶ پہ یہ روایت درج ہے

(۲) "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے اپنی قوت باہ کا شکوہ کیا۔ جبرائیل نے کہا تم ہریسہ کھایا کرو۔ کہ اس میں قوت چالیس مردوں کی رکھی ہے۔

(۳) انس بن مالک کہتے ہیں۔ کہ فرمایا حضرت نے کہ تم خضاب کیا کرو حنا کا۔ کہ حنا قوت باہ پیدا کرتی ..... ان حدیثات کو غایت الاحکام والے نے بیان کیا ہے۔" (طب نبوی شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز۔ ص۸)

(۴) تم لوگوں نے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ "حصور" تھے۔ ان معنوں میں کہ ان میں قوت باہ مطلقاً مفقود تھی" (اس سے زیادہ بیان کرنا۔ قرین مصلحت نہیں۔ خادم) (دیکھو تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ مریم زیر آیت سید و حصورا)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے :- "وَكَانَ النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ اَحَبَّ اِلَيْهِ وَكَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِى اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَكَانَ قَدْ اُعْطِىَ قُوَّةَ ثَلٰثِيْنَ فِى الْجِمَاعِ وَغَيْرِهٖ" (زاد المعاد جلد ۱ ص ۲۹ مطبع نظامی کانپور) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویاں اور خوشبو بہت پیاری تھی - اور آپ اپنی سب بیویوں کے پاس ایک ہی رات میں ہو آیا کرتے تھے - اور حال یہ تھا - کہ آپ کو جماع وغیرہ کے لحاظ سے تیس ۳۰ مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی -

ٹانک وائن

مرزا صاحب نے حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم کی معرفت ٹانک وائن منگوائی ؛

جواب :- ٹانک وائن شراب نہیں ہوتی - بلکہ ایک دوائی ہے جو مختلف قسم کی بیماریوں خصوصاً بچہ پیدا ہونے کے بعد زچہ کے لئے مفید ہے چنانچہ مشہور کتاب "Materia Medica" of pharmacautical Combinations and Specialities " میں جو علم اجزا و خواص الادویہ کی کتاب ہے "ٹانک وائن" کے متعلق لکھا ہے

"Restaralive after child's birth, prophylactic against Malarial fevers, anaemia, anorexia"

(Page 197)

کہ ٹانک وائین بچہ کی ولادت کے بعد زچہ کی بحالی طاقت کے لئے مفید ہے۔ نیز ملیریا کے زہر کو زائل کرنے۔ اور کمی خون اور بھوک نہ لگنے کے لئے بھی مفید ہے۔

اب جب ہم حضرت اقدس کے محوّلہ خط کو جس میں ٹانک وائین کا ذکر ہوا ہے۔ پڑھتے ہیں۔ تو اس میں کہیں بھی حضور نے اس کے متعلق یہ نہیں لکھا۔ کہ میں نے اسے خود استعمال کرنا ہے۔ حضرت اقدس خاندانی حکیم بھی تھے۔ اور اکثر غریب بیماروں کو بعض اوقات نہایت قیمتی ادویہ اپنی گرہ سے دے دیا کرتے تھے۔ لہٰذا محض دوائی منگانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسے حضور نے خود استعمال فرمایا۔ انتہائی بُغض کا نتیجہ ہو۔

(۳) ہاں اس خط کے ساتھ ملحق خط میں حضرت اقدس نے اپنے گھر میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی ولادت کا ذکر فرما کر بعض دوائیں طلب فرمائی ہیں۔ پس ٹانک وائین بھی غالباً زچہ ہی کے لئے منگوائی گئی۔ کیونکہ یہ دوائی اسی موقعہ پہ استعمال کی جاتی ہے۔

پس اندریں حالات بلاوجہ زبانِ طعن دراز کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ یہ شراب نہیں بلکہ ایک دوائی کا نام ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے۔ کہ یہ دوائی کسی شراب فروش کی دوکان سے نہیں ملتی۔ بلکہ انگریزی دوائی فروشوں کی دوکان پہ سے ملتی ہے۔

پس یہ ثابت ہے۔ کہ ٹانک وائین شراب نہیں بلکہ دوائی ہے

اور وہ دوائی بھی حضرت نے خود استعمال نہیں فرمائی۔ لیکن غیر احمدیوں کے نزدیک تو خالص شراب کا استعمال بھی مندرجہ ذیل صورتوں میں جائز ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "شراب میں تھوڑی سی ترشی آجائے تو پینا حلال ہے" (فتاوی ہندیہ ترجمہ فتاوی عالمگیری مطبع نولکشور بار دوم ۱۹۰۱ء جلد ۴ صفحہ ۲۱۸)

(۲) "گیہوں و جو۔ و شہد و جوار کی شراب حلال ہے" (عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۳۹۸ مطبوعہ نولکشور بار اول ۱۸۹۶ء)

(۳) "چھوارے و منقی کی شراب حلال ہے" (ضروری ترجمہ قدوری صفحہ ۲۲۳ مطبع مجتبائی دہلی بار دوم ۱۹۰۸ء) (۴) "جس نے شراب کے ۹ پیالے پیئے اور نشہ نہ ہوا۔ اور پھر دسواں پیا اور نشہ ہو گیا۔ تو یہ دسواں پیالہ حرام ہے۔ پہلے ۹ پیالے نہیں" (غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ مطبع نولکشور بار چہارم ۱۹۱۰ء) (۵) "پیاسے کو شراب پینا ضرورتاً جائز ہے" (غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار جلد ۱ صفحہ ۱۰۶) (۶) "جو گوشت شراب میں پکایا گیا ہو۔ وہ تین بار جوش دینے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے" (غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ و فتاوی ہندیہ ترجمہ فتاوی عالمگیری صفحہ ۵۶ جلد ۱ و صفحہ ۱۳۴ جلد ۴) (منقول از حقیقۃ الفقہ الموسومہ بہ الاسم التاریخی افاضات الجدیدۃ۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی مصنفہ الحاج الحافظ مولوی محمد یوسف صاحب جے پوری بر صفحات ۱۴۷/۱۴۸ و ۱۶۹/۱۷۰ حصہ اول

(۷) علاوہ ازیں شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ "جو کوئی چیز مسکر مخلوط ہو تو

تو بنا بر مذہب امام صاحب درست ہے۔" (شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۹ کتاب الاشربہ آخری سطر مترجم اردو موسومہ بہ نورالہدایہ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور) اور ظاہر ہے کہ دوائی مانگ وائن بھی مخلوط ہی کی صورت زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ نہ اس سے زیادہ۔

(۸) پھر لکھا ہے:۔ (ا) "شراب بقدر سکر کے حرام ہے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ رح کا ہے۔" (شرح وقایہ جلد چہارم اردو ترجمہ ص۵۷)

(ب) "اور جائز ہے سرکہ بنانا خمر کا۔" (نورالہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۸ سطر ۹)

(ج) "اسی طرح نبیذ کھجور کا یا انگور خشک کا جب تھوڑا سا پکا لیا جائے۔ اگرچہ اس میں شدت ہو جائے۔ لیکن ان تینوں کا اس مقدار تک پینا درست ہے۔ کہ نشہ نہ کرے۔ اور لہو و طرب کے قصد سے نہ پیئے۔ بلکہ قوت کے لئے استعمال کرے۔"

(نورالہدایہ جلد ۴ ص۵۸)

(د) "نسائی نے مثلث کی حلت کو حضرت عمر رض سے روایت کیا۔ امام صاحب کے نزدیک صرف آخر کا پیالہ ہے جس سے نشہ ہوا۔"

(نورالہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۸)

(س) اور مکروہ ہے خمر (شراب) کی تلچھٹ کا پینا۔ اور اس کو کنگھی میں مل کر بالوں کو لگانا۔ لیکن تلچھٹ کا پینے والا جب تک مست نہ ہووے۔ تو اس کو حد نہ لگے گی۔" (ایضاً ص۵۹)

ریشمی کپڑے اور کستوری

مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ میری لڑکی مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا چاہیئے جسکی "قیمت چھ روپیے زائد نہ ہو۔ اور گوٹا لگا ہوا ہو" (خطوط امام بنام غلام ص۵) نیز کستوری استعمال کیا کرتے تھے۔

جواب:۔ کستوری کا استعمال ذیابیطس کی بیماری کے لئے بطور علاج کے تھا۔ اور ہم نے آج تک قرآن مجید۔ حدیث یا کسی دوسری فقہ کی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ کستوری حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (مومنون ع۳) کہ اے رسولو جو پاک چیزیں ہیں وہ کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔

باقی رہا مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا۔ اور گوٹہ لگا ہوا۔ تو عورتوں کیلئے یہ دونوں چیزیں اسلامی شریعت کی رُو سے حلال ہیں۔ ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ خدا کے محبوبوں کو اچھی پوشاکوں اور اچھے کھانوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب سن لو

(۱) "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے۔" (سیرت النبی شبلی نعمانی حصہ اوّل جلد ۲ ص۱۶۲)

(۲) ابوداؤد میں ہے کہ:۔ ایک صحابی پر کسی حروری نے اعتراض کیا۔ کہ تم نے قیمتی حلہ کیوں پہنا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا "میں نے آنحضرت صلعم کے جسم پر قیمتی لباس دیکھا ہے" (ابوداؤد ص۵۵۹)

(۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیران پیر" جن کا دعویٰ ہے کہ میں اپنے جد امجد کے قدم پر ہوں۔ نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے اپنا قدم اس جگہ پر" (گلدستہ کرامات ص۹)

نیز فرماتے ہیں کہ ھٰذَا وُجُودُ جَدِّی مُحَمَّدٍ لَا وُجُودُ عَبْدِ الْقَادِرِ" (گلدستہ کرامات ص۱۰) کہ یہ میرا وجود نہیں بلکہ میرے نانا آنحضرت صلعم کا وجود ہے۔ ان کے کپڑوں کی یہ کیفیت تھی۔

(ا) "جناب فیض مآب ملائک رکاب محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ۔ نہایت مقبول وضع اور خوش پوشاک رہتے تھے۔ اور جسم مبارک کے کپڑے بھی ایسے بیش قیمت اور گراں بہا ہوتے تھے۔ کہ ایک گز کپڑا دس دینار کو خریدا جاتا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ عمامہ کرامت شمامہ جناب غوثیہ کا ستر ہزار دینار کو خریدا گیا تھا۔"

(گلدستہ کرامات ص۱۱۲)

(ب) "جناب غوث الاعظم نعلین (جوتیاں) قَدَمَیْنِ شَرِیْفَیْنِ اپنے کی اس قدر بیش قیمت پہنا کرتے تھے کہ وہ نعلین یاقوت سرخ اور زمرد سبز سے مرصع ہوا کرتی تھیں۔ اور نیچے کے تلووں میں ان کے میخیں چاندی اور سونے کی جڑی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ کہ آپ نے کوئی نعلین آٹھ دن سے زیادہ اپنے پائے مبارک میں پہنی ہوں۔"

(گلدستہ کرامات ص۱۱۲)

(ج) "اور کبھی کوئی پوشاک ایک روز سے زیادہ آپ کے بدن شریف پر نہیں رہتی تھی۔ اور سوداگر اور تجار اقالیم دُور دراز سے پارچات عمدہ اور لباسہائے بیش قیمت آپ کے واسطے لایا کرتے تھے ...... اور اشیائے معطرسے آپ کو بہت شوق تھا۔ کہ ہنگام مصروفیت عبادت جسم مبارک اور لباس کو اس

قدر عطر لگایا جاتا تھا کہ تمام مکان عالیشان مدرسہ معطر ہو جاتا تھا۔ اور اکثر یہ شعر آپ کی زبان حق ترجمان پر رہتا تھا۔ ؎

ہزار بار بشویم دہن بعطر و گلاب ٭ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(گلدستۂ کرامات صلا)

لیکن باوجود اسکے حضرت مسیح موعودؑ کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ جس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔

دن میں سو سو دفعہ پیشاب

مرزا صاحب نے اربعین میں لکھا ہے کہ مجھے دن میں بعض دفعہ سو سو دفعہ پیشاب آجاتا ہے۔ مرزا صاحب نماز کس وقت پڑھتے ہونگے؟

جواب:۔ نماز کے متعلق تمہیں اتنی فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے " وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں اور بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لئے جب زینہ پر چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہری حالت پر امید نہیں ہوتی ..... الخ (ضمیمہ اربعین ۳ و ۴ صہ)

باقی رہا کثرت پیشاب اور اس پر ضحکہ! تو اس کے جواب میں ذرہ مندرجہ ذیل حوالہ پڑھ لو۔ حضرت پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:۔ کہ " ایک دفعہ آپ کو کچھ خلل اسہال

نکا ہُوا۔ اور رات بھر میں باون مرتبہ اتفاق جانے بیت الخلاء کا عمل میں آیا ..... تو آپ نے باون مرتبہ ہی غسل تازہ کیا۔" (گلدستہ کرامات ص۳۶)

(۲) عام طور پر حضرت کو ۱۵ یا ۱۶ مرتبہ دن میں پیشاب آتا تھا" (حقیقۃ الوحی ص۳۶۳) (نسیم دعوت ص۶۸)

تصویر کھنچوانا

مرزا صاحب نے فوٹو کھنچوائی۔ حالانکہ لکھا ہے کہ کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ

جواب :۔ تمہارے پیش کردہ کلیہ میں سے تو خدا کا بھی استثناء نہیں کیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ "اَلْمُصَوِّرُ" ہے جیسا کہ فرمایا۔ ھُوَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" (حشر ع۳ پ۲۸)

(۲) قرآن شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے متعلق لکھا ہے:۔ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا" (سبا ع۲ پ۲۲)

اِن آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی میں مندرجہ ذیل درج ہے:۔

"کام بناتے تھے جن سلیمانؑ کے واسطے جو چاہتے تھے سلیمانؑ۔ در۔ اور دالان اچھے اور دیواریں خوب ..... اور بناتے تھے مورتیں اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اس وضع پر جیسے کہ وہ عبادت کے وقت رہتے تھے۔ تا کہ لوگ ان تصویروں کو دیکھ کر اُسی صورت سے عبادت کریں ..... اور بناتے تھے حضرت سلیمان کے واسطے لکڑی وغیرہ کے کاسے۔ بڑے حوضوں کے مثل اور دیگیں اونچی اونچی ..... کہا ہم نے کہ نیک کام کرو اے آل داؤد! واسطے

شکر۔ ان نعمتوں کے کہ ثابت ہیں"۔ (تفسیر قادری المعروف تفسیر حسینی اردو جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)
آیت مندرجہ بالا میں تصویروں کو خداتعالیٰ کی قابلِ شکر "نعمت" قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بُری اور مذموم چیز کو نعمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۳) اسی طرح سورۃ بقرع ۳۳ کی آیت " اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ " کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ "تابوتِ سکینہ ایک صندوق تھا کہ سب انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اس میں بنی ہوئی تھیں"۔
(تفسیر قادری مترجم اُردو تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۷۲)

(۴) تصویر کو ناجائز کہتے ہو لیکن تمہارا اپنا عمل یہ ہے کہ جیب میں انگریزی سکہ اور کرنسی نوٹ رکھ کے (جس میں بادشاہ کی تصویر ہوتی ہے) نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ممنوع فوٹو نہیں بلکہ تصویر سے مراد اُبھری ہوئی صورت یعنی بُت ہے۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۲ پر تحریر فرمایا ہے وہاں سے دیکھا جائے۔

وفات

مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی۔ سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ وفات کے قریب آپ کو دست آئے۔

جواب: دستوں کا آنا ہیضہ کو مستلزم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دستوں کی پرانی بیماری تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں یعنی اپنی وفات سے چھ سال قبل حضرت صاحب اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں

کہ مجھے دستوں کی پرانی بیماری ہے نیز الزامی جواب کے لئے۔ کتاب
"A Contribution to the Islamic Civilisation".
by Von Kremer

مصنفہ فان کریمر ۱۸۶۸ء پڑھو۔ (یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے)

نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے

حدیث میں ہے مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ مگر مرزا
صاحب فوت لاہور میں ہوئے اور دفن قادیان میں۔

جواب:- (۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی الحسین بن
عبداللہ ہے جس کے متعلق لکھا ہے تَرَکَہٗ اَحْمَدُ بْنُ الْحَنْبَلُ وَعَلِیُّ
ابْنُ الْمَدِیْنِیِّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ یُقَالُ اَنَّہٗ کَانَ
یُتَّہَمُ بِالزَّنْدِقَۃِ (حاشیہ علامہ سندی بر ابن ماجہ صفحہ ۲۵۶ مصری)
"یعنی امام احمد حنبل اور علی ابن المدینی اور نسائی نے اس راوی کو ترک کیا
ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندیق ہے۔

(ب) یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے۔ وہاں لکھا ہے لَمْ یُقْبَرْ نَبِیٌّ اِلَّا
حَیْثُ یَمُوْتُ" (حم عن ابی بکر) وَفِیْہِ اِنْقِطَاعٌ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲)
کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں "انقطاع" ہے
گویا ناقابل قبول ہے۔

(ج) وَقَدْ رُوِیَ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ یُدْفَنُوْنَ حَیْثُ یُقْبَضُوْنَ کَمَا
رَوٰی ذٰلِکَ ابْنُ مَاجَۃَ بِاِسْنَادٍ فِیْہِ حُسَیْنُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ

الْهَاشِمِيُّ وَهُوَ اَضْعَفُ" (نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ مروی ہے کہ انبیاء جہاں فوت ہوں۔ وہیں مدفون بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس سند سے جس میں حسین بن عبد اللہ ہاشمی ہے۔ جو کہ اوّل درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

(د) ملا علی قاری رح فرماتے ہیں "رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْمُلَيْكِيْ يُضَعَّفُ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) کہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور ساتھ ہی کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔ اور اسکی سند میں عبدالرحمٰن بن ملیکی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

(۲) تم لوگ ایک حدیث پیش کیا کرتے ہو۔ کہ "يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ" پس اگر یہ درست ہے۔ کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے۔ وہیں دفن ہوتا ہے تو بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام بوقتِ وفات آنحضرتؐ کے روضہ مبارک میں داخل ہو کر آنحضرتؐ کی قبر میں لیٹ جائیں گے؟

(۳) ایک حدیث بھی اس کی تردید کرتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ وَقَدْ جَاءَ اَنَّ عِيْسٰى يَعْدَ لُبْثِهٖ فِي الْاَرْضِ يَحُجُّ وَيَعُوْدُ فَيَمُوْتُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَيُحْمَلُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَيُدْفَنُ فِي الْحُجْرَةِ الشَّرِيْفَةِ" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۱۵ کتاب الفتن) کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ زمین میں اپنی عمر کا زمانہ گذار کر حج کرنے جائیں گے اور پھر واپس آئیں گے۔ اور مکہ اور مدینہ کے درمیان فوت ہوں گے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ان کو اٹھا کر لے جایا جائیگا۔ اور پھر آنحضرتؐ کے

حجرہ میں دفن کیا جائے گا۔

(۴) یہ روایت واقعات کے بھی خلاف ہے۔ "رُوِیَ اَنَّ یَعْقُوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَاتَ بِمِصْرَ فَحُمِلَ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ مِصْرَ وَمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ حَمَلَ تَابُوْتَ یُوْسُفَ بَعْدَ مَا اَتٰی عَلَیْہِ زَمَانٌ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ مِصْرَ" (بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ مصری۔ نیز روح البیان جلد ۱ صفحہ ۹۰) کہ روائت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے پس وہ مصر سے ارض شام کی طرف اٹھا کر لائے گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بہت مدت گزرنے کے بعد شام میں لائے (نیز شمائل ترمذی حاشیہ صفحہ ۲۵)

یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ

الجواب۔ اس کا جواب حیات مسیح کے دلائل کے جواب میں آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۱۶۰۔

ورثہ

(۱) بخاری میں ہے۔ کہ نبیوں کا ورثہ نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا ورثہ تھا۔

(۲) مرزا صاحب نے لڑکیوں کو ورثہ دینے کی تلقین مسلمانوں کو نہیں کی۔ اور نہ آپ کی لڑکیوں کو ورثہ ملا۔

پہلے سوال کا جواب:۔ اسی بخاری میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث انبیاء کے ورثہ کے متعلق ہے وہاں پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد موجود ہے کہ "یُرِیْدُ نَفْسَہٗ" کہ آنحضرت صلعم کی مراد صرف اپنا وجود تھا باقی انبیاء کے ورثہ کے متعلق بیان کرنا مقصود نہ تھا

(ب) قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء کا "ورثہ" تھا (۱) حضرت داؤد علیہ السلام خدا کے نبی اور بادشاہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کے وارث ہوئے۔ اور آپ بھی نبی تھے۔ اسکے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (نمل ع۲) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارث ہوئے حضرت داؤد کے۔

(۲) حضرت ذکریاؑ نے خدا سے دعا کی۔ کہ اے خدا مجھے بیٹا عطا کر "يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔" (مریم ع۱) کہ وہ بیٹا میرا اور یعقوب کے گھرانے کا وارث ہو۔

دوسرے سوال کا جواب :۔ تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیوں کو ورثہ نہیں ملا۔ بسفید جھوٹ ہے۔ کاغذات مال اس امر کے گواہ ہیں کہ حضرت اقدس کی دونو بیٹیوں کو شریعت اسلام کے عین مطابق پورا پورا حصہ دیا گیا۔ اور وہ اپنے اپنے حصوں پر قابض ہیں۔ یونہی اپنے پاس سے گھڑ گھڑ کے جھوٹے اعتراض کرنیسے کیا فائدہ؟ نیز دیکھو کتاب حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے ص۱۱) باقی رہا یہ سوال کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی یا نہیں کہ لڑکیوں کو ورثہ دینا چاہیئے تو اس کا جواب ہے ہاں! مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عام تعلیم کہ قرآن مجید کے تمام حکموں پر عمل کرو (کشتی نوح۔ ایام الصلح ص۸۶ ص۸۵)

(۲) خاص مسئلہ وراثت یا لڑکیوں کو حصہ دینے کے متعلق چشمہ معرفت ص۲۰۴

(ب) فاسقہ کے حق وراثت کے متعلق فتوٰی (بدر جلد ۶ ص۹ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۷ء) (فتاوٰی احمدیہ جلد ۲ ص۱۲۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی تائید ہوئی ہے کہ آپ کا خلق قرآن مجید ہے

(ج) بیوی کی وفات پر مہر "شرعی حصص کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔"
(فتاوی احمدیہ جلد ۲ ص ۱۲، ۱۳)

(د) نیز دیکھو آریہ دھرم و مجموعہ اشتہارات ۱۸۸۸ء)

(ہ) "ورثہ کے متعلق ... قرآن شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین سے ترکہ میں ملجاتا ہے۔ اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے جالیتی ہے" (الحکم ۲۶ مارچ ۱۹۰۵ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے چند اقتباسات

۱۔ آریہ سماج کی ہلاکت کی پیشگوئی

(۱) "اور یہ خیال مت کرو۔ کہ آریہ یعنی ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہیں۔ وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جس میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے؟ اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔ عیب چینی کرنا اور خدا تعالیٰ کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا ان کا کام ہے۔ اور بڑا کمال ان کا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔ تقویٰ اور طہارت کی رُوح ان میں نہیں۔ یاد رکھو کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا۔ اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی روح نہیں اور آسمانی کشش اس کے ساتھ نہیں اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مُردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان

زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے۔ اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی پس تم خوش ہو۔ اور خوشی سے اُچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۵ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

زلازل کے متعلق عام پیشگوئی

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے۔ ایسا ہی یورپ میں بھی آئے۔ اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئینگے۔ اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے۔ اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلینگی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہونگے۔ اور زمین پر اس قدر تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائینگے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی آفاتِ زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہونگی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائینگی۔ اور ہیئت فلسفی کی کتابوں کے کسی صفحہ پر ان کا پتہ نہیں ملیگا تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے؟ اور بہتیرے نجات پائینگے اور بہتیرے ہلاک ہو جائینگے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں۔ کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہونگی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا

تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور توبہ کرنے والے امان پائینگے۔ اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں۔ ان پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہر گز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہو گا۔ یہ خیال مت کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔

اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے۔ اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے۔ مگر خدا غضب میں

دیتا ہے۔ توبہ کرو۔ تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے۔ وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔"
(حقیقۃ الوحی ص۲۵۶ و ص۲۵۷)

عالمگیر جنگ ۲ و ۳ کی پیشگوئی

"ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے! یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا، لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کرینگی یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ خروج کرینگی جیسا کہ سورۂ کہف میں فرماتا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوجُ فِي بَعْضٍ یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کرینگی اور جسکو خدا تعالیٰ چاہے گا فتح دیگا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں اس لئے ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اسوقت انگریزوں کی فتح ہو۔" (ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۷ء حصہ دوم ص۵۰۹)

(۲) "ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کرینگے اتنے میں آسمان پر قرنا پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دے گا اور ان کی مدد کے لئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب یعنی اسلام پر جمع کر دے گا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اسکی طرف دوڑیں گے

تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہو گا۔ اور وہ دن بڑے سخت ہونگے اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۵ نیز دیکھو صفحہ ۹۰ براہین پنجم)

مسئلہ وفات مسیح کے متعلق پیشگوئی

"ہر ایک مخالف یقین رکھے۔ کہ اپنے وقت پر وہ جان کندن کی حالت تک پہنچے گا۔ اور مریگا مگر حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ یہ بھی میری ایک پیشگوئی ہے جسکی سچائی کا ہر ایک مخالف اپنے مرنے کے وقت گواہ ہو گا جس قدر مولوی اور مُلّاں ہیں۔ اور ہر ایک اہل عناد جو میرے مخالف کچھ لکھتا ہے۔ وہ سب یاد رکھیں۔ کہ اس اُمید سے وہ نامُراد مریں گے کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں وہ ہرگز ان کو اُترتے نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ بیمار ہو کر غرغرہ کی حالت تک پہنچ جائینگے۔ اور نہایت تلخی سے اس دُنیا کو چھوڑینگے۔ کیا یہ پیشگوئی نہیں۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری نہیں ہو گی؟ ضرور پوری ہو گی۔ پھر اگر ان کی اولاد ہو گی۔ تو وہ بھی یاد رکھیں۔ کہ اس طرح وہ بھی نامراد مرینگے اور کوئی شخص آسمان سے نہیں اُترے گا۔ اور اگر پھر اولاد کی اولاد ہو گی۔ تو وہ بھی اس نامرادی سے حصہ لینگے۔ اور کوئی ان میں سے حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۷)

"ذاتی تجربہ"

"چونکہ ہر ایک شخص کی حالت ہمارے سامنے ہے اس لئے ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے

مقابلہ پر تقویٰ کو ضائع کیا۔ اور راستی سے دشمنی کی۔ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہیں۔ اور اگر وہ اس بدسیرت میں اور بھی ترقی کریں اور رفتہ رفتہ کھلے کھلے طور پر قرآن مجید سے مُنہ پھیر لیں تو اُن سے کیا تعجب ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۸۳ وایڈیشن ۱۳۱۹ھ صفحہ ۹۲)

اہلبیت حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزگی

"سو چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا۔ جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (خاندان میر ناصر نواب صاحب) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاول کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بُنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۶۵ وشائع کردہ بکڈپو صفحہ ۲۹ و نزول المسیح صفحہ ۱۴۶)

(ب) "مجھے اس الہام میں ایک نئی بیوی کا وعدہ دیا۔ اور اس الہام میں اشارہ کیا کہ وہ تیرے لئے مبارک ہوگی۔ اور تو اس کے لئے مبارک ہوگا۔ اور مریم

کی طرح اس سے تجھے پاک اولاد دی جائے گی۔ سو جیسا کہ وعدہ دیا گیا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۴۰ و خورد صفحہ ۱۴۴)

(ج) "یاد رہے کہ اس شخص (بٹالوی) بدگوئی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔۔۔۔۔ گندی تحریریں میری نسبت اور میرے اہل بیت آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس شیخ بے ادب تیز مزاج نے سراسر ظلم اور ناحق پسندی کی خصلت سے اشاعت السنہ میں شائع کی ہیں۔۔۔۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شریف جس کی فطرت میں نقص نہ ہو۔ اور جس کے نیک گوہر میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور جس کے نجیب الطرفین ہونے میں کچھ خلل نہ ہو۔ وہ کبھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ معزز شرفا کے بارے میں اور سادات کی شان میں اور ان پاکدامن خاتونوں کی نسبت جو خاندان نبوت میں سے اور اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں ایسی گندی اور ناپاکی سے بھرے افترا منہ پر لاوے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۸۶ خورد صفحہ ۱۵۱)

(د) "جن عظیم الشان لوگوں کو بڑے بڑے عظیم ذمہ داریوں کے کام ملتے ہیں اور بعض اوقات خدا تعالیٰ سے علم پا کر خضر کی طرح ایسے کام بھی ان کو کرنے پڑتے ہیں جن سے ایک کوتہ بین شخص کی نظر میں وہ قابل ملامت ٹھیرتے ہیں۔ ان کے دشمنوں کی باتوں کی طرف دیکھ کر ہرگز بدظن نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اندھے دشمنوں نے کسی نبی اور رسول کو اپنی نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔ مثلاً وہ موسیٰ مرد خدا جس کی نسبت توریت میں آیا ہے کہ وہ زمین کے تمام باشندوں سے زیادہ تر حلیم اور امین ہے منی الفون نے ان پر یہ اعتراض کئے ہیں کہ گویا وہ نعوذ باللہ نہایت درجہ کا سخت دل اور خوفی انسان تھا۔۔۔۔۔ ایسا ہی حضرت مسیح پر بھی ان کے دشمنوں نے اعتراض

کیا ہے کہ وہ تقویٰ کے پابند نہ تھے.... ایسا ہی عیسائیوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور تقویٰ اور امانت پر اعتراض کیا ہے.... اور ایسا ہی روافض نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عفت اور امانت اور دیانت اور عدالت پر انواع و اقسام کے عیب لگائے ہیں.... اور ایسا ہی خوارج حضرت علیؓ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ صدیق کیلئے تقویٰ اور امانت اور دیانت شرط ہے تو.... کیوں خدا نے ان کے حالات کو عوام میں مشتبہ کر دیا؟.... حالانکہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ نہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ نبی ہونے کا۔ اور نہ اپنے تئیں ولی اور امام اور خلیفۃ المسلمین کہلاتے ہیں لیکن با ایں ہمہ کوئی اعتراض ان کے چال چلن اور زندگی پر نہیں ہوتا۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ تا اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بدبخت شتابکاروں سے جن کی عادت بدگمانی ہے مخفی رکھے۔ جیسا کہ خود وجود اس کا اس قسم کی بدظنی کرنیوالوں سے مخفی ہے.... وہ قصہ جو قرآن شریف میں حضرت آدم صفی اللہ کی نسبت مذکور ہے.... اپنے اندر یہ پیشگوئی مخفی رکھتا ہے کہ اہلِ کمال کی ہمیشہ نکتہ چینی ہوا کرے گی۔ خدا تعالیٰ نے اسی غرض سے خضر کا قصہ بھی قرآن شریف میں لکھا ہے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک شخص ناحق خون کرے اور یتیموں کے مال کو عمداً نقصان پہنچا کر پھر خدا کے نزدیک برگزیدہ ہے

ہاں اس سوال کا جواب دینا باقی رہا کہ اس طرح پر ایمان اٹھ جاتا ہے۔ اور شریروں کو کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آجاتا ہے.... اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ

ایسے اعتراضات صرف بدظنی سے پیدا ہوتے۔ اگر کوئی حق کا طالب اور متقی طبع ہے تو اس کے لئے مناسب طریق یہ ہے کہ ان کاموں پر اپنی رائے ظاہر نہ کرے جو متشابہات ہیں اور بطور شاذ و نادر ہیں کیونکہ شاذ و نادر میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتے ہیں..... اور نہیں جانتے کہ یہ متشابہات کا پہلو جو شاذ و نادر کے طور پر پاک لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لئے رکھا گیا ہے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اپنے پاک بندوں کا طریق اور عمل ہر ایک پہلو سے ایسا صاف اور روشن دکھلاتا کہ شریر انسان کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر خدا نے ایسا نہ کیا تا وہ خبیث طبع انسانوں کا خبث ظاہر کرے۔ نبیوں اور رسولوں اور اولیاء کے کارناموں میں ہزارہا نمونے ان کی تقویٰ اور طہارت اور امانت و دیانت اور صدق اور پاس عہد کے ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تائیدات انکی پاک باطنی کی گواہ ہوتی ہیں لیکن شریر انسان ان نمونوں کو نہیں دیکھتا اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے آخر... ہلاکت کی راہ اختیار کر کے جہنم میں جاتا ہے۔"

(تریاق القلوب حاشیہ صہ۱۲۴ تا صہ۱۲۵ تقطیع کلاں و صہ۲۸۶/۲۸۷ تقطیع خورد)

(۳) "اس اندھی دنیا میں جس قدر خدا کے ماموروں اور نبیوں اور رسولوں کی نسبت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور جس قدر ان کی شان اور ان کے اعمال کی نسبت اعتراض اور بدگمانیاں ہوتی ہیں..... وہ دنیا میں کسی کی نسبت نہیں ہوتیں۔ اور خدا نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے تا انکو بدبخت لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے اور وہ انکی نظر میں محل اعتراض ٹھہر جائیں۔ کیونکہ وہ ایک دولت عظمیٰ ہیں اور دولت عظمیٰ کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ ان کو جو شقی ازلی ہیں

اس برگزیدہ گروہ کی نسبت طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ تا وہ دولتِ قبول سے محروم رہ جائیں۔ یہ سنت اللہ ان لوگوں کی نسبت ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے امام اور رسول اور نبی ہو کر آتے ہیں ..... پس چونکہ تہمتوں کا معقولی طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا۔ اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے اور تاریک طبع لوگ اس سے تسلی نہیں پکڑتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا اور نشانوں کی راہ اختیار کی اور اپنے نبیوں کی بریت کے لئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا۔ کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ گروہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ان کی نصرت کے لئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھائے جاتے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۷۴)

(۳) "حضرت موسیٰ پر بھی زنا کی تہمت لگی تھی" (تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۹۵ حاشیہ وطبع ثانی صفحہ ۹۱ حاشیہ)

"حضرت موسیٰ پر الزام لگانے والے بھی اسرائیلی ہی تھے۔"

(براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۹۶)

کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے

"میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلا کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بد قسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتّا مردار

کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں۔ مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ انکو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائینگے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۴)

(ش) "مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادے رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

(بدر یکم اگست ۱۹۰۴ء تذکرہ صفحہ ۵۱۸)

(ص) "آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اسی طرف خدا تعالیٰ تھا جو آپ تھے آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۵ تذکرہ صفحہ ۳۷۱)

مخالفین سے خطاب اور اپنے دعویٰ پر استقامت ۱۳

"کرو جس قدر چاہو۔ گالیاں دو جس قدر چاہو۔ اور ایذا اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جس قدر چاہو۔ اور میرے استیصال کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور مکر سوچو جس قدر چاہو۔ پھر یاد رکھو۔ کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا کہ اس کا ہاتھ غالب ہے۔" (اربعین صفحہ ۴)

(ب) "دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی۔ مگر وہ مجھ کو جانتا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک میرے ساتھ وفا کریگا

اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے۔ سب ملکر میرے ہلاک کرنے کیلئے دُعائیں کریں۔ یہاں تک کہ سجدہ کرتے کرتے تمہارے ناک گھس جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعا نہیں سُنے گا۔ اور نہیں رُکے گا۔ جب تک کہ وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور مُنہ ہوتے ہیں۔ اور صادقوں کے اور۔ اور خدا کسی امر کو فیصلہ کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ جس طرح خدا نے پہلے ماموریں اور منکرین میں ایک دن فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح وہ اب بھی فیصلہ کریگا۔" "خدا کے ماموریں کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔ اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صہ۱۳)

(ج) "مخالف لوگ عبث میں اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ میں وہ پودا نہیں ہوں۔ کہ ان کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مردے تمام جمع ہو جائیں۔ اور میرے مارنے کے لئے دُعائیں کریں۔ تو میرا خدا اُن تمام دُعاؤں کو لعنت کی شکل میں بنا کر ان کے مُنہ پر مارے گا۔ دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت سے ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں۔ اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ

تمام مکروفریب۔ جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے ہیں وہ سب کرو۔ اور کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھو ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بددعائیں کرو۔ کہ موت تک پہنچ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو؟ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں مگر بدقسمت انسان دُور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مہریں ہیں۔ ان کا ہم کیا علاج کریں۔ اے خدا! تو اس اُمت پر رحم کر"! (ضمیمہ اربعین ۳،۴ ص۷)

(د) "اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے۔ اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں۔ تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی میں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں۔ اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل۔ اے نادانو! اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا۔ جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری رُوح ہلاک ہونے والی رُوح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہونگے اور حاسد شرمندہ! اور

خدا اپنے بندے کو ہر میدان میں فتح دیگا۔ میں اس کے ساتھ۔ وہ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ اور مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من ؛ آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہو جائے مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں۔ وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے۔ اور جو میرے نہیں۔ وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور اُنکا پچھلا حال اُن کے پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں؟ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے؟ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جُدا ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اسکے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا

ہونے والے ہیں۔ جُدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام!"

(انوار الاسلام ص ۲۱/۲۲)

(ذ) "ہائے یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور سچا فلاں آدمی ہے۔" (اربعین)

(س) "مجھے اس خدائے کریم کی قسم ہے۔ جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اسی کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں۔ اور اُس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کریگا۔ اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالیگا جبتک وہ اپنے تمام کام کو پُورا نہ کرلے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔" (اربعین ۳ جلد ۲)

"یہ سلسلہ آسمان . . . . سے قائم ہوا ہے۔ تم خدا سے مت لڑو۔ تم اس کو نابود نہیں کر سکتے۔ اس کا ہمیشہ بول بالا ہے . . . اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کیلئے پیدا ہوا اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اسکے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا اور ایسا مفتری ایسی جلدی ہلاک ہو جاتا کہ اب اسکی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ملتا۔ اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظرثانی کرو۔ کم سے کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہو گئی ہو۔ اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو۔" (اربعین ۳ و ۴ ص ۲۰)۔

"اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کے جو مسلمان کہلاتے ہیں مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ ان لوگوں کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ راستبازی کے محل میں نہ تو خود داخل ہوتے ہیں نہ کم فہم لوگوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔ کیا کیا مکر ہیں جو کر رہے ہیں۔ اور کیا کیا منصوبے ہیں جو اندر ہی اندر ان کے گھروں میں ہو رہے ہیں مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائینگے۔ اور کیا وہ اس قادر مطلق کے ارادہ کو روک دینگے۔ جو تمام نبیوں کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اس ملک کے شریر امیروں اور بدقسمت دولتمند دنیاداروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں؟ صرف مرے ہوئے کیڑے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴)

"مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے۔ مَیں اُس سے برگشتہ ہو جاؤں۔ یہ دُنیا کبتک اور یہ دُنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کرینگے۔ تا مَیں اِن کیلئے اُس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں ... مجھے ڈراتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اُس عزیز کی قسم ہے جس کو مَیں نے شناخت کر لیا ہے کہ مَیں اِن لوگوں کی دھمکیوں کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ مجھے اُس کے ساتھ غم بہتر ہے بہ نسبت اِسکے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی۔ مجھے اس کے ساتھ موت بہتر بہ نسبت اِسکے کہ اس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو جس طرح آپ لوگ دن کو دیکھ کر رات نہیں کہہ سکتے اسی طرح وہ نور جو مجھے دکھایا گیا۔ مَیں اس کو تاریکی نہیں خیال کر سکتا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۱) "مخالف یہ چاہتے ہیں

کہ میں نابود ہو جاؤں اور ان کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام و نشان نہ رہے۔ مگر وہ ان خواہشوں میں نامراد رہینگے۔ اور نامرادی سے مرینگے اور بہتیرے ان میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے۔ اور قبروں میں حسرتیں لے گئے۔ مگر خدا میری تمام مرادیں پوری کریگا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو میں کیوں ضائع ہونے لگا۔ اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے؟" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۳۹)

حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تو یہ لوگ دشمن ہیں اسلیئے اگر انکے متعلق قابل شرم باتیں کہیں تو معذور ہیں۔ مگر ان انبیاء کی نسبت بھی جن کو یہ خود مانتے ہیں۔ یہ لوگ شرارت سے باز نہیں آتے۔ یہاں تک کہ تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کی اُمت ہونے کا یہ دعویٰ کرتے اور جن کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان پر بھی الزامات لگاتے وقت اُنہیں شرم نہیں آتی۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ۔ اس کا ذکر کذبات میں آچکا ہے۔ "لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ" هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۶ مجتبائی۔ نیز مطبع احمدی ترمذی جلد ۲ ص ۱۶۳ و بخاری جلد ۲ ص ۱۴۶)

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کیا۔ (تفسیر محمدی زیر آیت فَلَمَّا آتَاهُمَا۔ اعراف رکوع ۲۴۔ جلالین و معالم التنزیل)

"جب حوا علیہا السلام حاملہ ہوئیں۔ تو ابلیس ایک نامعلوم صورت پر حوا

علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوا۔ اور بولا۔ کہ تیرے پیٹ میں کیا چیز ہے حوّا علیہا السلام بولیں کہ مجھے نہیں معلوم۔ ابلیس نے کہا۔ شاید منہ یا کان یا نتھنے سے نکلے یا تیرا پیٹ پھاڑ کر نکالیں۔ حضرت حوّا ڈریں اور یہ ماجرا حضرت آدم علیہ السلام سے بیان کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی خوفناک ہوئے۔ پھر ابلیس دوسری صورت پہ انکے سامنے ظاہر ہوا۔ اور انکے رنج کا سبب پوچھا۔ ان دونوں نے حال بیان کیا۔ ابلیس بولا کہ رنج نہ کرو۔ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور مستجاب الدعوات ہوں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس حمل کو تمہارے شکل خوبصورت اور درست خلقت کرے۔ اور آسانی کے ساتھ یہ تیرے پیٹ سے نکلے۔ بشرطیکہ اس کا نام عبدالحارث رکھو۔ اور ابلیس کا نام ملائکہ میں حارث تھا۔ حوّا علیہا السلام نے اس کا یہ فریب مان لیا۔ پھر جب عطا کیا خدا نے ان کو فرزند صالح جسم و تندرست اور حوّا نے واسطے خدا کے ایک شرکت والا۔ نام میں شریک کیا عبادت میں نہیں۔ یعنی عبداللہ کے بدلے عبدالحارث نام رکھا۔" (تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد ا صفحہ ۳۱ آخری سطر مترجم)۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قَصَدَتْ مُخَالَطَتَهٗ وَهَمَّ بِهَا قَصَدَ مُخَالَطَتَهَا لِمَيْلِ الطَّبْعِ وَالشَّهْوَةِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيِّ" (بانع البیان صفحہ ۲۰۳ جلالین مع کمالین صفحہ ۱۹۰ مجتبائی) کہ اس عورت (زلیخا) نے حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ نے بھی

نعوذ باللہ اسکے ساتھ میلان طبع اور شہوت غیر اختیاری کے باعث زنا کا ارادہ کیا۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام:- "لِتَنْبِیْهِ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلٰی مَا وَقَعَ مِنْهُ وَکَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ امْرَءَۃً وَطَلَبَ امْرَءَۃَ شَخْصٍ لَیْسَ لَهٗ غَیْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا" (جلالین مع کمالین ص۳۷۹) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کی۔ اس وجہ سے کہ حضرت داؤد کی ۹۹ بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک اور شخص (جس کے پاس صرف ایک ہی بیوی تھی) سے اسکی بیوی لیکر خود نکاح کر لیا۔

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام:- "وَذَالِکَ لِتَزَوُّجِهٖ امْرَءَۃً هَوَاهَا (اَحَبَّهَا)" (جلالین مجتبائی ص۳۸۰) کہ خدا حضرت سلیمانؑ سے ناراض ہوا۔ کیونکہ انہوں نے ایک عورت کو اپنی بیوی بنالیا۔ جس سے آپ کو عشق ہو گیا تھا۔

(نیز دیکھو تفسیر معالم تنزیل تفسیر محمدی۔ سورۃ صٓ وجامع البیان)

۶۔ حضرت ادریس علیہ السلام۔ جھوٹ بول کر جنت میں داخل ہو گئے۔ مگر پھر واپس نہ نکلے۔ (معالم التنزیل و تفسیر محمدی زیر آیت "وَرَفَعْنَاهُ مَکَانًا عَلِیًّا" (مریم ع۴)

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:- "زَیْنَبُ وَذَالِکَ اَنَّهٗ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْکَحَهَا بِزَیْدٍ فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِهٖ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ وَسَمِعَتْ زَیْنَبُ بِتَسْبِیْحِهٖ وَذَکَرَتْ لِزَیْدٍ فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِهٖ کَرَاهَۃُ صُحْبَتِهَا... قَالَ مَا رَاَیْتَ مِنْهَا قَالَ وَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ مِنْهَا اِلَّا خَیْرًا وَلٰکِنَّهَا لِتَشَرُّفِهَا" (تفسیر بیضاوی جلد ۴ ص۱۶۳ تفسیر سورۃ احزاب) کہ یہ آیت (اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ) زینبؓ کے متعلق ہے اور وہ اس طرح سے کہ

۴ صُحْبَتِهَا اَتَی النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اُرِیْدُ اَنْ اُفَارِقَ صَاحِبَتِیْ ۴۴

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس کے بعد کہ آپ نے زینب کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا ہوا تھا۔ پس آپ کے دل میں (نعوذ باللہ) زینب کا عشق ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا" سُبْحَانَ اللّٰہِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ " کہ پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ زینب رضؓ نے آپکی یہ تسبیح سُن لی اور زید سے ذکر کر دیا۔ پس زید کے دل میں زینب کے ساتھ صحبت کے متعلق کراہت پیدا ہو گئی۔ اور وہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اور آکر کہا کہ میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے پوچھا کیا تجھ کو اس میں کوئی عیب نظر آتا ہے۔ زید نے کہا۔ بخدا نہیں۔ اس میں مجھے کوئی گناہ نظر نہیں آیا۔ یہ تو محض حضرت زینب کے شرف اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر فرمایا۔ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ۔

(ب) "قَالَ مَقَاتِلُ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی زَیْدًا یَوْمًا فَطَلَبَہٗ فَاَبْصَرَ زَیْنَبَ نَائِمَۃً وَّ کَانَتْ بَیْضَاءَ جَمِیْلَۃً جَسِیْمَۃً مِّنْ اَتَمِّ نِسَاءِ قُرَیْشٍ "۔ (کمالین برحاشیہ جلالین صفحہ ۳۵۳ مجتبائی) کہ مقاتل نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دن زید کے گھر گئے اور وہاں پر زینب رضؓ کو سوئے ہوئے دیکھا۔ اور وہ گوری حسین اور جسیم تھی قریش کی تمام حسین ترین عورتوں میں سے۔

(ج) آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) شیطانی الہام ہوا:۔ "قَدْ قَرَءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سُوْرَۃِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِّنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مِنْ غَیْرِ عِلْمِہٖ بِہٖ "تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی، فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ" (جلالین مجتبائی ص۲۸۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات "اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی" کے آگے القائے شیطانی سے لاعلمی میں یہ پڑھ دیا "تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی" کہ یہ تینوں بت بڑی عظمت اور شان والے ہیں اور قیامت کو بھی انکی شفاعت کی امید رکھنی چاہیئے۔ بتوں کی یہ تعریف سُنکر مشرک بہت خوش ہوئے۔ اسکے آگے لکھا ہے کہ جبرائیل آئے اور انہوں نے آنحضرت صلعم کو بتایا کہ یہ الہام الٰہی نہیں۔ بلکہ شیطانی القا تھا۔ اِس روایت کی سند کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ کافی ہے۔ "نَبَّہَ عَلٰی ثُبُوْتِ اَصْلِھَا شَیْخُ الْاِسْلَامِ اَبُوْحَاتِمِ الْحَافِظُ الْکَبِیْرُ اِبْنُ حَافِظِ الشَّھِیْرِ (والطبری) مُحَمَّدُ بْنُ جَرِیْرٍ (وَابْنُ الْمُنْذِرِ" وَمِنْ طرق عن شعبۃ) عَنْ اَبِیْ بشر جَعْفَرِ ابْنِ اَیَاسٍ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ ... قَالَ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم بِمَکَّۃَ وَالنَّجْمِ فَلَمَّا بَلَغَ الخ" (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ا صفحہ ۳۴۷)۔ (د) آنحضرت صلعم پر جادو چل گیا "سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَانَ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ کَانَ یَفْعَلُ الشَّیْءَ وَمَا فَعَلَہٗ" (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۳) کہ آنحضرت صلعم مسحور ہو گئے یہاں تک کہ ان کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔

۸۔ صحابہ کی توہین۔ مسجد نبوی میں (آیت حجاب) کے نازل ہونے سے پہلے ایک خوبصورت سفید رنگ کی عورت نماز پڑھنے کیلئے آئی۔ تو صحابی بے اختیار ہو کر اسکو تاڑنے لگے جو پچھلی صف میں تھے ان کی خواہش تھی کہ آگے آجائیں۔ اور جو اگلی صف میں تھے وہ اُس صف میں ملنے کیلئے پیچھے آنا چاہتے تھے۔ پھر نماز شروع ہوئی۔ تو اگلی صف والے صحابی جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اس عورت کو دیکھتے تھے۔ اسپر سورۃ حجر ع۲ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ کہ ہم اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی۔ یہ حدیث مستدرک میں بھی ہے اور اس کے آگے لکھا ہے "هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ" (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ حیدرآباد) راوی نوح بن قیس قال الذہبی۔ صحیحؒ۔ هُوَ صَادِقٌ۔ خَرَّجَ لَهٗ مُسْلِمٌ۔ کہ راوی نوح بن قیس ثقہ اور سچا ہے اور اس سے مسلم نے روایت لی ہے۔ (حاشیہ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)

(ب) "عمر بن عذبہ رضی اللہ عنہ خرمے بیچتے تھے۔ ایک عورت خوبصورت خرمے مول لینے آئی۔ تو اس سے کہا کہ میرے گھر کے اندر بہت خوب خرمے ہیں۔ جب وہ عورت گھر کے اندر آئی۔ تو عمر بن عذبہ نے اس کا بوسہ لے لیا۔ اور فوراً نادم ہو کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوئے اور در گذرا ہوا حال عرض کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ (سورۃ ھود ع ۱۰ پارہ ۱۲) (دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو صفحہ ۴۲۸ جلد ۱)۔

(ج) پھر لکھا ہے:۔ "قریش کا قافلہ بہت اسباب لئے ہوئے شام سے پھرا اور ابوسفیان اور بعضے رؤسائے عرب اس قافلے کے سردار تھے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اور آپ نے مسلمانوں سے یہ حال بیان کیا۔ قافلہ میں بہت بہت مال اور تھوڑے آدمی ہونے کے سبب سے مائل ہوئے۔ کہ راہ پر چل کر **قافلہ مار لیں**۔ پھر اسی قصد سے مدینہ سے نکلے"۔ (تفسیر حسینی جلد ا صـ۳۵۷ زیر آیت کما اخرجك ربك۔ (سورۃ انفال ع ا پ ۹)

(د) جنگ بدر کے ذکر میں سورۃ انفال رکوع ۲ کی پہلی آیت "اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ" کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"حق تعالے نے صحابہ پر اونگھ غالب کر دی۔ اور اس نیند میں اکثر صحابہ کو احتلام ہو گیا۔ صبح ہی شیطان ملعون نے وسوسہ دینا شروع کیا۔ کہ تم لوگوں کو نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور بعضے بے وضو ہو۔ بعضے نجس اور پانی تمہارے پاس ہے نہیں۔ ... حق تعالیٰ نے برمحل پانی برسا دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ "وَ یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ"

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد ا صـ۳۵۹)

چار سوال اہلِ پیغام سے

اہلِ پیغام کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نبی اور رسول نہ تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں جو اپنی نسبت نبوت غیر تشریعی کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف محدثیت اور مجددیت ہے۔ نہ کہ نبوت۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس پر ہماری طرف سے چار لاینحل سوالات ہیں۔ جو مختلف مواقع پر پیش کئے جاتے رہے ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں "شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور غیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

اس حوالہ سے صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ "نبوت تشریعی" اور "نبوت غیر تشریعی" آپس میں نقیضین ہیں جن کا اجتماع کسی صورت میں ممکن نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ نبوت تشریعی اور نبوت غیر تشریعی کا کسی ایک شخص میں ایک ہی وقت میں جمع ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو شخص تشریعی نبی ہوگا۔ اس کے لئے ممکن نہیں۔ کہ اس کے ساتھ ہی وہ غیر تشریعی نبی بھی ہو۔ پس اگر اہل پیغام کے عقیدہ کے مطابق "غیر تشریعی نبی" سے مراد مجدد اور محدث لی جائے۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تشریعی نبی مجدد یا محدث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تشریعی نبوت نقیض ہے غیر تشریعی نبوت کی۔ اور غیر تشریعی نبوت سے مراد ہے مجددیت ا

محدثیت بقول اہل پیغام - پس تشریعی نبوت نقیض ہوئی مجددیت اور محدثیت کی - دونوں چیزوں کا ایک وقت میں اجتماع محال اور غیر ممکن ٹھہرا نتیجہ صاف ہے - کہ تشریعی نبی کا مجدد یا محدث ہونا محال ہے - حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب سے صاف طور پر ثابت ہے - کہ ہر تشریعی نبی محدث بھی ہوتا ہے اور مجدد بھی - اور اسطرح سے مجددیت اور محدثیت ہمیشہ تشریعی نبی کے ساتھ جمع ہوتی ہیں - جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت صلعم (جو تشریعی نبی تھے) کی نسبت تحریر فرمایا ہے -

”پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجددِ اعظم تھے“ (لیکچر سیالکوٹ ص ۴)

پس اگر اہل پیغام کے خیال کے مطابق غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لی جائے تو اجتماع نقیض لازم آتا ہے جو محال ہے - اور جو مستلزم محال ہو - وہ بھی محال اور باطل ہوتا ہے - پس غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لینا علمی اور عقلی طور پر محال اور باطل ہے فَتَدَبَّرُوْا یٰٓاَیُّھَا الْعَاقِلُوْنَ - پس ماننا پڑے گا - کہ غیر تشریعی نبوت سے مراد ہرگز ہرگز مجددیت اور محدثیت نہیں ہے - بلکہ اس سے وہ نبوت مراد ہے - جو بغیر کتاب کے ہو - اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نبی ایک ہی وقت میں شریعت لانے والا - اور نہ لانے والا نہیں ہو سکتا - پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مقام حضور کی اپنی تحریرات کی رو سے مجددیت اور محدثیت کے اوپر والا مقام ہے - جو مقام نبوت ہے - وَھُوَ الْمُرَاد -

یہ ایک علمی سوال ہے جو سالہا سال سے غیر مبایع مبلغین اور مناظرین کے سامنے پیش ہوتا رہا ہے۔ مگر وہ اس کا کوئی حل نہیں کر سکے۔

(۲) حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے اس مسیح کو بھیجا جو پہلے مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے" (ریویو جلد ۱ ص۴۷۸ نمبر ۱۲ و حقیقۃ الوحی ص۱۴۸) اس حوالہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے مسیح ناصری پر اپنی کلی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے متعلق ہمارا اہل پیغام سے سوال یہ ہے۔ کہ (۱) کیا ایک غیر نبی کو نبی پر "کلی فضیلت" ہو سکتی ہے؟ جواب معہ حوالہ اور عبارت ہونا چاہیئے۔ (۲) اس ضمن میں خاص طور پر قابل غور امر یہ ہے۔ کہ ایک نبی کی سب سے بڑی شان "شان نبوت" ہی ہوتی ہے۔ باقی تمام شانیں اس کے بعد بلکہ اس کے ماتحت ہوتی ہیں۔ پس یہ تو ممکن ہے۔ کہ کسی غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل ہو۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ ایک غیر نبی (جس کو شان نبوت ملی ہی نہیں) وہ ایک نبی پر شانِ نبوت میں بھی صرف بڑھ کر ہی نہ ہو بلکہ "بہت بڑھ کر ہو"؟ تو دوسرا سوال اس حوالہ کے متعلق یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام "نبی" نہیں تھے۔ تو آپ حضرت مسیح ناصری سے "شان نبوت" میں کیونکر بڑھ کر ہیں؟ ہاں ایک بات جواب دیتے وقت مدِ نظر رکھنی لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی ص۱۴۹ اس امر کو تسلیم فرما لیا ہے۔ کہ بحوالہ بالا عبارت میں حضرت مسیح ناصری پر جزوی فضیلت سے بڑھ کر آپ کو دعویٰ ہے۔ اس لئے اس عبارت کا کوئی ایسا مفہوم بیان کرنے کی

کوشش کرنا جس سے صرف جزوی فضیلت کا دعویٰ نکلتا ہو حضرت مسیح موعودؑ کی تشریح کے صریح خلاف ہوگا۔ اور اس لئے ناقابل قبول۔

اس ضمن میں یہ بھی مدنظر رہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناصری پر اپنی فضیلت کو آیت "تِلْکَ الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض" کے ماتحت قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۲)

نیز آپ نے "فطرتی استعدادوں کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو مسیح سے افضل قرار دیا ہے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۳)

"کارناموں" کے لحاظ سے اپنے آپ کو افضل بنایا ہے۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۵)

پھر "جلال اور قوی نشانوں" کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو افضل قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۱)

پھر "معارف" اور "معرفت" میں بھی مسیح پر اپنی فضیلت بتائی ہے
حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۱ و صفحہ ۱۵۲)

اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے۔ کہ "میرے دل پر جو خدا تعالےٰ کی تجلی ہوئی وہ مسیح پر نہیں ہوئی"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۳)

غرضیکہ نبوت کے تمام اجزاء میں آپ مسیح ناصری سے افضل ہیں۔

حضور نے نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۳ تا صفحہ ۶ پر اپنے آپ میں

"شانِ نبوت"

بھی تسلیم فرمائی ہے غرضیکہ مسیح ناصری پر کلی فضیلت حضور کی "نبوت" کا

ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

تیسرا سوال:۔ وہی درزنی پتھر ہے۔ جو پچھلے ۳۳ سال سے اہلِ پیغام کے مقاصد مذمومہ کے آگے سدِ راہ ہے۔ اور جس کو باوجود ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے ہلا تک نہیں سکے یعنی **حقیقۃ الوحی کا صفحہ ۳۹۱۔**

"غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امورِ غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں۔ اور ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے **نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔** اور دوسرے تمام لوگ اس کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔"

اس عبارت کے متعلق ہمارا سوال یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی بعد کی تحریرات میں بمطابق اشتہار فروری ۱۸۹۲ء نبی بمعنی محدث ہی ہے اور ۱۹۰۱ء کی بعد کی تحریرات میں بجائے نبی کے لفظ کے محدث کا لفظ سمجھا جائے۔ تو حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی بجائے "محدث" کا لفظ لگا کر عبارت کا مفہوم شائع فرمائیں۔ جو ہر اہلِ انصاف کی عقل کے مطابق یہ ہے نکا۔ کہ ۱۳۰۰ سال میں محدث کا نام پانے کے لئے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مخصوص ہوئے ہیں۔ اور آپ سے پہلے کوئی محدث اس امت میں نہیں گذرا۔ اس ضمن میں دوسرا حل طلب امر یہ ہے

کہ بقول مولوی محمد علی صاحب "نبی" ہونا اور ہے۔ اور "نبی کا نام پانا" شئی دیگر
ہے۔ ان کے نزدیک نبی کا نام پانے سے کوئی شخص فی الواقع نبی نہیں بن جاتا۔ تو جب
حقیقۃ الوحی کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی جگہ "محدث" کا لفظ لگایا
جائیگا۔ تو عبارت یوں بن جائے گی۔ پس محدث کا نام پانے کے لئے میں ہی
مخصوص کیا گیا۔ اس لئے مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں
نتیجہ نکلے گا:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف محدث کا نام پانے والے ہیں حقیقی
طور پر محدث بھی نہیں ہیں۔ (۲) امت محمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے سوا کوئی غیر حقیقی محدث بھی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اصلی محدث!

حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ مصلح موعود ہیں

چوتھا سوال:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰
فروری ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک
زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و
نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل
اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے
وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل
ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور

دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند۔ گرامی ارجمند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق والعلاء کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء صفحہ ۳)

پھر فرماتے ہیں "اور خدا تعالےٰ نے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے۔ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا۔ اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے"

(سبز اشتہار حاشیہ صفحہ ۷ و ۱۸)

"بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ ..... **مصلح موعود** کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا" پس **مصلح موعود** کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود۔ اور تیسرا نام اس کا **بشیر ثانی** بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اس کا نام **فضل عمر** ظاہر کیا گیا ہے" (سبز اشتہار حاشیہ صفحہ ۲۱ سطر ۱۳)

۹ سالہ میعاد:۔ "ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

سبز اشتہار صفحہ ۲۱ حاشیہ کی عبارت اوپر نقل ہو چکی ہے۔ جس میں درج ہے کہ "مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود۔ اور تیسرا نام اس کا **بشیر ثانی** بھی ہے" اب "بشیر ثانی" کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہے" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۷ حاشیہ)

"خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولو العزم نکلے گا۔ یخلق اللہ

مَا یَشاءُ" (سبز اشتہار صفحہ ۱۷)

"دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے۔ اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔"

(سبز اشتہار حاشیہ صفحہ ۷)۔

مصلح موعود کی پیدائش

پیشگوئی مندرجہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مطابق پہلے بشیر اوّل مندرجہ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا۔ اور نومبر ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا۔ اور بشیر ثانی مصلح موعود مؤرخہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا۔ اور اس کا ذکر حضرت اقدس نے اپنے اشتہار تکمیل تبلیغ مؤرخہ ۱۲ جون ۱۸۸۹ء میں فرمایا:-

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے۔ اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام

محمود بھی ہوگا۔ اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ کہ وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے۔ اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائیگی"۔

"کامل انکشاف کے بعد کی اطلاع"

(۱) "اسی خیال اور انتظار میں "سراج منیر" کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی۔ تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جائے۔ تب اس کا مفصل اور مبسوط حال لکھا جائے۔" (سبز اشتہار ص۴)

اب سراج منیر میں لکھتے ہیں :-

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے۔ جو اب تک موجود ہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے۔" (سراج منیر ص۳۱)

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہو گیا۔ کس قدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے

خدا کا خوف ہے تو پاک دل سے سوچو" (سراج منیر صفحہ ۱۳۱)

(۲) "محمود جو میرا بڑا لڑکا ہے۔ اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی معہ محمود کے نام کے موجود ہے۔ جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ جو رسالہ کی طرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ ۱۸۹۶ء)

(۳) "میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو کشفی طور پر اُس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تھی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اُس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ محمود۔ تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا۔ جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے"

(تریاق القلوب ص۴۲ ۱۸۹۷ء)

(ب) "محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی۔ اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا تھا۔ کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا۔

اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا...... پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے

کوئی بھی فرقہ نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو۔ تب خدا کے فضل اور رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوگیا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی خبر میں نے اس اشتہار میں دی ہے۔ جس کے عنوان میں "تکمیل تبلیغ" موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جس میں بیعت کی دس شرائط مندرج ہیں۔ اور اس کے صفحہ ۴ پر یہ الہام پسر موعود کی نسبت ہے ؎

"اے فخر رسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ!"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۲)

(ہ) "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔ کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں"۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ ۷ کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمود ہے۔ اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے۔ اور سترھویں سال میں ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۶)

(ب) "چونتیسواں نشان یہ ہے۔ کہ میرا ایک لڑکا فوت ہوگیا تھا۔ اور

مخالفوں نے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ اس لڑکے کے مرنے پر بڑی خوشی ظاہر کی تھی۔ تب مجھے خدا نے بشارت دے کر فرمایا۔ کہ اس کے عوض میں جلد ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام محمود ہوگا۔ اور اس کا نام ایک دیوار پر لکھا ہوا مجھے دکھایا گیا۔ تب میں نے ایک سبز رنگ کے اشتہار میں ہزارہا موافقوں اور مخالفوں میں یہ پیشگوئی شائع کی۔ اور ابھی ستر دن پہلے لڑکے کی موت پر نہیں گذرے تھے۔ کہ یہ لڑکا پیدا ہوگیا۔ اور اس کا نام محمود احمد رکھا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صـ۲۱۷)

غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف اور واضح الفاظ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو "مصلح موعود" قرار دیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دعویٰ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود قرار دیا ہے۔ الفضل ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء صـ۶ پر حضرت کی ڈائری شائع ہو چکی ہے۔ جس میں خاکسار خادم کے سوال کے جواب میں حضرت نے اپنے آپ کو "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ یہ ڈائری بعد تحریر حضرت اقدس کو دکھا کر شائع کی گئی۔ بعد ازاں ۱۹۴۴ء میں حضور نے الہام الٰہی کی بناء پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت صاحب نے تریاق القلوب میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد

کو "تین کو چار کرنے والا" مطابق اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ (۱) "تین کو چار کرنے والا" کے الہام میں اشارۃً چار لڑکوں کی پیدائش کا ذکر ہے۔ سو مبارک احمد بھی بوجہ ان میں سے ایک ہونے کے اس کا مصداق ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ مصلح موعود ہے۔

(۲) مبارک احمد کی ولادت کے متعلق حضرت اقدس کو ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء میں علیحدہ رویا اور الہامات کے ذریعہ علم دیا گیا تھا۔ پس تریاق القلوب نیز انجام آتھم کی عبارت میں انہی رویا اور کشوف کی طرف اشارہ ہے۔

فرماتے ہیں:۔ (ل) "۱۸۸۳ء میں مجھ کو الہام ہوا تھا۔ کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک"...... اس کی نسبت تفہیم یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری بیوی سے چار لڑکے مجھے دے گا۔ اور چوتھے کا نام مبارک ہوگا۔" (نزول المسیح صفحہ ۱۹۶)

(ب) "شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ..... ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے۔ تین ان میں سے آم کے پھل تھے۔ مگر ایک پھل سبز رنگ بڑا تھا۔ وہ اس جہاں کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا...... کچھ شک نہیں کہ پھلوں سے مراد اولاد ہے۔" (مکتوب بنام حضرت خلیفہ اول مورخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء مطبوعہ الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

گویا یہ رویاء قریباً جنوری یا فروری ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ اور ہر دو عبارات کی رو سے مبارک احمد کے متعلق۔ نیز چار بیٹوں کے پیدا ہونے کی نسبت الگ طور پر الہامات تھے۔ اور مبارک احمد کے متعلق الگ الہام "تین کو چار" کرنے کا بھی تھا۔ مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس کو مصلح موعود قرار دیا جائے۔ کیا کہیں یہ لکھا ہے۔ کہ سوائے مصلح موعود کے کوئی اور "تین کو چار کرنے والا" نہیں ہو سکتا؟

مبارک احمد "نو سالہ میعاد کے اندر" پیدا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس کی تاریخ پیدائش ۱۴ جون ۱۸۹۹ء ہے۔ گویا نو سالہ میعاد کے ختم ہونے کے چار سال بعد وہ پیدا ہوا۔ اس لئے اس کے متعلق تو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ مصلح موعود ہے۔

"تین کو چار کرنے والا" کی جو صفت مصلح موعود کی بیان کی گئی ہے۔ وہ الگ ہے۔ وہ اکیلی صفت نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ بیسیوں دوسری علامات ہیں۔ جو مبارک احمد مرحوم میں پائی نہ جاتی تھیں۔ اور حضرت کو خود مبارک احمد کی ولادت سے بھی پہلے معلوم تھا۔ کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے گا۔ (ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا ص ۴۱۱) پس حضرت اقدس کے ذہن میں یہ شبہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ مبارک احمد مصلح موعود ہے۔

امر واقعہ

جب ہم امر واقعہ کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ عقدہ بالکل حل

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مطلقاً حضرت اقدس کے بیٹوں میں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "مصلح موعود" ہی چوتھے بیٹے ہیں۔ (۱) حضرت مرزا سلطان احمد صاحب۔ (۲) فضل احمد (۳) بشیر اوّل (۴) حضرت خلیفہ ثانی۔ پس اس لحاظ سے حضرت خلیفہ الثانی مطلقاً و بلا شرط تین کو چار کرنے والے" ہوئے۔ لیکن مرزا مبارک احمد چونکہ صرف دوسری بیوی کے زندہ بچوں سے چوتھے تھے۔ اس لیئے وہ اس لحاظ سے "تین کو چار کرنے والے" کہے جا سکتے تھے۔ میاں مبارک احمد نہ تو مطلقاً حضرت صاحب کے چوتھے لڑکے تھے۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ ساتویں تھے۔ نہ وہ صرف دوسری بیوی کے لڑکوں میں سے ہی چوتھے تھے۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ پانچویں تھے۔

(۱) بشیر اول (۲) حضرت خلیفۃ الثانی (۳) مرزا بشیر احمد صاحب (۴) مرزا شریف احمد صاحب (۵) مرزا مبارک احمد۔ ہاں دوسری بیوی کے زندہ بچوں میں سے وہ چوتھے تھے۔ اور اسی لحاظ سے ان کا ذکر حضرت صاحب نے تریاق القلوب میں فرمایا ہے۔ لیکن اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں نہ تو "دوسری بیوی" کی قید ہے۔ اور نہ "زندہ بچوں" کی شرط ہے۔ پس بلا شرط و قید اگر کوئی تین کو چار کرنے والا ہے۔ تو وہ صرف اور صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز ہیں۔ جو نو برس کے عرصہ میں میعاد پیشگوئی کے اندر پیدا ہوئے حضور عمر پانے والے۔ اور خلیفہ ثانی بھی ہو گئے۔ اور دیگر صفات

مصلح موعود کا ظہور بھی حضور کی ذات میں ہوا۔ پس حضور ہی بلاشبہ مصلح موعود ہیں۔

نبوّت حضرت مسیح موعودؑ از تحریرات خود

(۱) پگٹ جو انگلستان کا ایک جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اس کے خلاف اشتہار لکھا۔ اور اس کے آخر میں جہاں جہاں راقم مضمون کا نام لکھا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ الفاظ لکھے۔

The prophet Mirza Ghulam-Ahmad

یعنے النبی مرزا غلام احمدؐ

(۲) "اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں۔ اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸)

(۳) آنے والے مسیح موعودؑ کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے۔ اس کا انہیں حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے۔ کہ وہ نبی بھی ہوگا۔ اور امتی بھی۔" (حقیقۃ الوحی صـ۲۹)

(۴) "سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے۔ جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔" (حقیقۃ الوحی صـ۶۲)

(۵) خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السّلام کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ میں آدمؑ ہوں۔ میں شیثؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں۔ میں اسحٰقؑ ہوں۔ میں اسمٰعیلؑ ہوں۔ میں یعقوبؑ ہوں۔ میں یوسفؑ ہوں۔ میں موسٰےؑ ہوں۔ میں داؤدؑ ہوں۔ میں عیسےؑ ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں۔ یعنے ظلی طور پہ محمدؐ اور احمد ہوں۔" (حقیقۃ الوحی ص۲ے حاشیہ)

(۶) (الہام) "یومئذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا (ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام) اس دن زمین اپنی باتیں بیان کرے گی۔ کہ کیا اس پر گذرا۔ خدا اس کے لئے اپنے رسول پہ وحی نازل کرے گا۔ کہ یہ مصیبت پیش آئی ہے" حقیقۃ الوحی ص۹۷

(۷) "خدا کی مہر نے یہ کام کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا۔ کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے۔ اور ایک پہلو سے نبی" (حقیقۃ الوحی ص۹۶ حاشیہ)

(۸) "اور خود حدیثیں پڑھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہوں گے۔ اور ایک ایسا ہو گا کہ ایک پہلو سے نبی ہو گا۔ اور ایک پہلو سے امتی۔ وہی مسیح موعود

کہلائے گا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۱ حاشیہ)

(۹) "خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپؐ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۴ حاشیہ)

(۱۰) "پس اس میں کیا شک ہے۔ کہ میری پیشگوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کے لئے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصہ زمین میں تکذیب ہو۔ مگر اس تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۱)

(۱۱) "اور کانگڑہ اور بھاگسو کے پہاڑ کے صدہا آدمی زلزلہ سے ہلاک ہو گئے۔ ان کا کیا قصور تھا۔ انہوں نے کونسی تکذیب کی تھی۔ سو یاد رہے۔ کہ جب خدا کے کسی مرسل کی تکذیب کی جاتی ہے۔ خواہ وہ تکذیب کوئی خاص قوم کرے۔ یا کسی خاص حصہ زمین میں ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کی غیرت عام عذاب نازل کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۲)

(۱۲) "اور اس امتحان کے بعد اگر فریق مخالف کا غلبہ رہا۔ اور میرا غلبہ نہ ہوا۔ تو میں کاذب ٹھہروں گا۔ ورنہ قوم پر لازم ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر آئندہ طریق تکذیب اور انکار

کو چھوڑ دیں۔ اور خدا کے مرسل کا مقابلہ کرکے اپنی عاقبت
خراب نہ کریں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۶)

(۱۳) "نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے
تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

(۱۴) "پس خدا نے اپنی سنت کے موافق ایک نبی کے مبعوث ہونے
تک وہ عذاب ملتوی رکھا۔ اور جب وہ نبی مبعوث ہو گیا۔ تب
وہ وقت آیا۔ کہ ان کو اپنے جرائم کی سزا دی جائے"
(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۲)

(۱۵) "میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں
میری جان ہے۔ کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے۔ اور اسی نے میرا نام
نبی رکھا ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

(۱۶) "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ پس اس سے بھی
آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہی
مسیح موعود ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

(۱۷) "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ یہ آیت آخری
زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے"
(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷)

(۱۸) "صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

(۱۹) جبکہ میں نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور

آنیوالا مسیح میں ہوں۔ تو اس صورت میں جو شخص پہلے مسیح کو افضل سمجھتا ہے اس کو نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ سے ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ آنیوالا مسیح کچھ چیز ہی نہیں۔ نہ نبی کہلا سکتا ہے نہ حَکَم۔ جو کچھ ہے پہلا ہے"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۵)

---

(۲۰) میں مسیح موعود ہوں۔ اور وہی ہوں جسکا نام سرور انبیاء نے نبی اللہ رکھا ہے (نزول المسیح صفحہ ۴۸)۔ (۲۱) "میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے" (نزول المسیح صفحہ حاشیہ) (۲۲) "ایسا ہی خدا تعالیٰ نے اور اس کے پاک رسول نے بھی مسیح موعود کا نام نبی اور رسول رکھا ہے۔ اور تمام خدا تعالیٰ کے نبیوں نے اس کی تعریف کی ہے۔ اور اس کو تمام انبیاء کی صفاتِ کاملہ کا مظہر ٹھہرایا ہے" (نزول المسیح صفحہ ۴۸)۔ (۲۳) اس فیصلہ کرنے کیلئے عنقریب آسمان سے قرنا میں اپنی آواز پھونکیگا۔ وہ کرنا کیا ہے؟ وہ اسکا نبی ہوگا"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۶) (۲۴) "اس طرح میں خدا کی کتاب میں عیسٰے ابن مریم کہلایا چونکہ مریم ایک امتی فرد ہے اور عیسٰی ایک نبی ہے پس میرا نام مریم اور عیسٰی رکھنے سے یہ ظاہر کیا گیا کہ میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی"۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۹) (۲۵) "خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔ قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ صفحہ ۱۱ (دافع البلاء) (۲۶) "ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا۔ کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعوی کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے"۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱) (۲۷) "میں جبکہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشگوئی کے قریب خدا کی طرف سے پا کر بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔ کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں۔ تو میں

اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)
(۲۸) "اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر۔ اور اس کے نام محمدؐ اور احمدؐ
سے مسمّٰی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱) (۲۹) "میں
خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔" (آخری خط حضرت اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶
مئی ۱۹۰۸ء) (۳۰) "میں صرف اسی وجہ سے نبی کہلاتا ہوں۔ کہ عربی اور عبرانی زبان میں
نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنیوالا۔ اور بغیر کثرت کے یہ
معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۱)
"پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ کہ اس زمانہ میں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ
اور کثرت اطلاع بر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔" (آخری خط حضرت
اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۲) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول
اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ
کرے جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو۔ اور اس میں پیشگوئیاں
بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں۔ یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی
ہیں۔" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) (۳۳) "جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا
ہے۔ تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس
دنیا سے گزر جاؤں۔" (آخری خط حضرت اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی
۱۹۰۸ء) (۳۴) "میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں۔ تا ہمارے سید و آقا کی وہ
پیشگوئی پوری ہو۔ کہ آنیوالا مسیح امتی بھی ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا۔" (آخری خط
مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۵) "یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے
کہ جب آسمان سے مقرر ہو کر ایک نبی یا رسول آتا ہے۔ تو اس نبی کی برکت سے

عام طور پر ایک نور حسب مراتب استعداد انسان آسمان سے نازل ہوتا ہے۔
اور انتشار روحانیت ظہور میں آتا ہے۔ تب ہر ایک شخص خوابوں کے
دیکھنے میں ترقی کرتا ہے۔ اور الہام کی استعداد رکھنے والے الہام پاتے
ہیں۔ اور روحانی امور میں عقلیں بھی تیز ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ جب
بارش ہوتی ہے۔ ہر ایک زمین کچھ نہ کچھ اس سے حصّہ لیتی ہے۔ ایسا ہی
اس وقت ہوتا ہے جب رسول کے بھیجنے سے بہار کا زمانہ آتا ہے۔
تب ان ساری برکتوں کا موجب دراصل وہ رسول ہوتا ہے۔ اور جس قدر
لوگوں کو خوابیں یا الہام ہوتے ہیں۔ دراصل ان کے کھلنے کا دروازہ رسول
ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دنیا میں ایک تبدیلی واقعہ ہوتی ہے اور
آسمان سے عام طور پر ایک روشنی اترتی ہے جس سے ہر ایک شخص حسب استعداد
حصّہ لیتا ہے۔ وہی روشنی خواب اور الہام کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور نادان
خیال کرتا ہے کہ میرے ہنر سے ایسا ہوا ہے۔ مگر وہ چشمہ الہام اور خواب کا صرف
اس نبی کی برکت سے دنیا پر کھولا جاتا ہے۔ اور اس کا زمانہ ایک لیلۃ القدر کا
زمانہ ہوتا ہے جس میں فرشتے اترتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَنَزَّلُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ۔ جب سے خدا نے
دنیا پیدا کی ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔" منہ (حقیقۃ الوحی ص۲۷۔ حاشیہ)
(۳۶) "اس جگہ صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے۔ کیونکہ خدا کے نبی اس کی صور
ہوتے ہیں۔" (چشمہ معرفت ص۸۷) (۳۷) "کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی
ہے۔ اور معنًا الگ مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور
واضح ہوتی ہے۔ پس میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد

کی طرح ہو۔ ابوجہل ہو۔" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۳) (۳۸) "اس زمانہ میں خدا نے چاہا۔ کہ جسقدر نیک اور راستباز مقدس نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔ اسی طرح اس زمانے میں تمام بدوں کے نمونے بھی ظاہر ہوئے۔ فرعون ہو یا وہ یہود ہوں۔ جنہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا۔ یا ابوجہل ہو سب کی مثالیں اسوقت موجود ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۰) (۳۹) "ایمان درحقیقت وہی ایمان ہے جو خدا کے رسول کو شناخت کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ہاں جو شخص سرسری طور پر رسول کا تابع ہو گیا۔ اور اس کو شناخت نہیں کیا۔ اور اس کے انوار سے مطلع نہیں ہوا اس کا ایمان بھی کچھ چیز نہیں۔ اور آخر وہ ضرور مرتد ہو گا۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔ اور یہودا اسکریوطی اور پانسو عیسائی مرتد حضرت عیسےٰ کے زمانہ میں۔ اور چراغ دین جموں والا اور عبدالحکیم خاں ہمارے اس زمانہ میں مرتد ہوئے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۹) (۴۰) "سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے۔ اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو! تلاش تو کرو۔ شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہو۔ جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹)

پیغامی: یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپکو اللہ تعالےٰ نبی بنا کر بھیجے اور ایک وقت تک آپکو پتہ نہ لگے کہ میں نبی ہوں؟ **جواب:** حضرت خود تحریر فرماتے ہیں۔ "اس وقت مجھے مسیح موعود ٹھہرایا گیا۔ جبکہ مجھے بھی خبر نہ تھی کہ میں مسیح موعود ہوں۔"

(تریاق القلوب۔ کلاں صفحہ ۹۹ خورد صفحہ ۱۳۷)

تمام شد [illegible]